



وزارت اسناد و کتابخانه ملی جمهوری اسلامی ایران



نویسندگان و منتقدین

جلد - ۲

ارباب - استغفار

موسوعة فقهية

مسانع كروه

وزارت اوقاف و اسلامی امور، کویت

© جملہ حقوق بحق وزارت اوقاف و اسلامی امور کویت محفوظ ہیں

پوسٹ بکس نمبر ۱۳، وزارت اوقاف و اسلامی امور، کویت

اردو ترجمہ

اسلامک فقہ اکیڈمی (انڈیا)

161-F، جوگابائی، پوسٹ بکس 9746، جامعہ نگر، نئی دہلی - 110025

فون: 26982583, 26981779-11-91

Website: <http://www.ifa-india.org>

Email: ifa@vsnl.net

اشاعت اول : ۱۴۳۰ھ / ۲۰۰۹ء

ناشر

جینوین پبلیکیشنز اینڈ میڈیا (پرائیویٹ لمیٹڈ)

Genuine Publications & Media Pvt. Ltd.

B-35, Basement, Opp. Mogra House

Nizamuddin West, New Delhi - 110 013

.....Tel: 24352732, 23259526,

وزارت اوقاف و اسلامی امور، کویت

موسوعه فقہیہ

اردو ترجمہ

جلد - ۳

إرادة — استظهار

مجمع الفقہ الإسلامی الہند

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

﴿وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُونَ لِيَنفِرُوا كَافَّةً
 فَلَوْلَا نَفَرَ مِن كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَائِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوا فِي
 الدِّينِ وَلِيُنذِرُوا قَوْمَهُمْ إِذَا رَجَعُوا إِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُونَ﴾

(سورہ توبہ، ۱۲۲)

”اور مومنوں کو نہ چاہئے کہ (آئندہ) سب کے سب نکل کھڑے ہوں، یہ کیوں نہ ہو کہ
 ہر گروہ میں سے ایک حصہ نکل کھڑا ہوا کرے، تاکہ (یہ باقی لوگ) دین کی سمجھ بوجھ
 حاصل کرتے رہیں اور تاکہ یہ اپنی قوم والوں کو جب وہ ان کے پاس واپس
 آجائیں ڈراتے رہیں، عجب کیا کہ وہ محتاط رہیں!“۔

”من یرد اللہ بہ خیراً

یفقہہ فی الدین“

(بخاری و مسلم)

”اللہ تعالیٰ جس کے ساتھ خیر کا ارادہ کرتا ہے

اسے دین کی سمجھ عطا فرما دیتا ہے۔“

فہرست موسوعہ فقہیہ

جلد - ۳

صفحہ	عنوان	فقرہ
۴۴-۴۳	ارادہ	۹-۱
۴۳	تعریف	۱
۴۳	متعلقہ الفاظ: نیت، رضا، اختیار	۲
۴۳	اجمالی حکم اور بحث کے مقامات	۵
۴۴	ارادہ کو ظاہر کرنے والی تعبیرات	۶
۴۴	ارادہ اور تصرفات	۷
۴۶-۴۵	إِرَاقَة	۴-۱
۴۵	تعریف	۱
۴۵	اجمالی حکم اور بحث کے مقامات	۲
۴۵	الف: ارقۃ دم (خون بہانا)	۲
۴۶	ب: نجاستوں کا بہانا	۳
۴۶	ج: منی کو بہانا	۴
۴۶	أَرَاک	
	دیکھئے: استیاک	
۴۸-۴۷	إِرْبَة	۳-۱
۴۷	تعریف	۱
۴۷	متعلقہ الفاظ: غیرِ اُولیٰ لِإِرْبَة	۲
۴۷	اجمالی حکم	۳

صفحہ	عنوان	فقہ
۴۸	اُرت	دیکھئے: ارفع
۴۸-۴۹	ارتقا	۳-۱
۴۸	تعریف	۱
۴۸	اجمالی حکم	۲
۴۹	بحث کے مقامات	۳
۴۹	ارتداد	
	دیکھئے: ردۃ	
۴۹	ارتزاق	
	دیکھئے: رزق	
۴۹-۵۸	ارتفاق	۲۴-۱
۴۹	تعریف	۱
۵۰	متعلقہ النفاظ: اختصاص، حیا زہ یا خور، حقوق	۲
۵۰	ارتفاق کا شرعی حکم	۵
۵۱	فائدہ پہنچانے والے کے رجوع کی صلاحیت کے اعتبار سے ارتفاق کی انواع	۶
۵۱	ارتفاق کے اسباب	۷
۵۱	عوامی منافع سے ارتفاق اور اس میں ترجیح	۸
۵۲-۵۷	حنفیہ کے یہاں حقوق ارتفاق	۱۹-۱۰
۵۲	شرب	۱۱
۵۲	مسيل الماء (نار)	۱۲
۵۲	حق تسيل (پانی بہانے کا حق)	۱۳
۵۳	طریق (راستہ)	۱۴
۵۵	حق مرور (گزرنے کا حق)	۱۵
۵۵	حق تعلی (اوپر کی فضا کے استعمال کا حق)	۱۶

صفحہ	عنوان	فقرہ
۵۶	حق جوار	۱۷
۵۶	حقوق ارتفاق میں تصرف	۲۰
۵۸	فائدہ پہنچانے والے کے رجوع کے احکام اور ارتفاق پر رجوع کا اثر	۲۴
۱۳۵-۵۸	ارث	۱۵۹-۱
۵۸	تعریف	۱
۵۹	ارث کی اہمیت	۲
۵۹	ارث کا فقہ سے تعلق	۳
۵۹	ارث کی مشروعیت کی دلیل	۴
۶۰	وراثت کے احکام میں تدریج	۵
۶۱	ترکہ سے متعلقہ حقوق اور ان میں ترتیب	۶
۶۴	ارکانِ اِراث	۱۲
۶۴	شروط میراث	۱۳
۶۵	اسبابِ اِراث	۱۴
۷۳-۶۵	موانعِ اِراث	۲۳-۱۵
۶۵	رق (غلامی)	۱۶
۶۶	قتل	۱۷
۶۸	اختلافِ دین	۱۸
۶۸	مرثد کا وارث ہونا	۱۹
۷۰	غیر مسلموں کے درمیان اختلافِ دین	۲۰
۷۲	غیر مسلموں کے درمیان اختلافِ دار	۲۱
۷۳	دورِ حکمی	۲۳
۷۳	مستحقینِ ترکہ	۲۴
۷۴	مقررہ حصے	۲۵
۷۵	اصحابِ فروض (مقررہ حصوں کے حقدار)	۲۶

صفحہ	عنوان	فقرہ
۷۵	میراث میں باپ کے حالات	۲۷
۷۶	ماں کی میراث	۲۸
۷۸	جد حج کے حالات:	۲۹
۷۸	الف: بھائیوں کی عدم موجودگی میں	۲۹
۷۹	ب: بھائیوں کے ساتھ ادا	۳۰
۸۰	بھائیوں کے ساتھ ادا کا حصہ	۳۱
۸۱	جدات کی میراث	۳۳
۸۲	میاں بیوی کی میراث	۳۵
۸۳	شوہر کے حالات	۳۶
۸۳	بیوی کے حالات	۳۷
۸۴	بیٹیوں کے احوال	۳۹
۸۶	پوتیوں کے احوال	۴۰
۸۷	حقیقی بہنوں کے احوال	۴۲
۸۸	باپ شریک بہنوں کے احوال	۴۳
۸۹	ماں شریک بھائی بہنوں کی وراثت	۴۴
۹۰	عصبہ ہونے کی وجہ سے وراثت	۴۵
۹۱	عصبہ بالغیر	۴۹
۹۲	عصبہ مع الغیر	۵۰
۹۲	عصبہ سہمی ہونے کی وجہ سے وراثت	۵۱
۹۳	ولاء الموالات	۵۲
۹۳	ہیت المال	۵۳
۹۴	حجب	۵۴
۹۶	عول	۵۶
۹۹	رد کی وجہ سے وراثت	۶۳

صفحہ	عنوان	فقہہ
۱۰۰	تاکمین رو کے دلائل	۶۶
۱۰۱	مانعین رو کے دلائل	۶۸
۱۰۱	مسائل رو کے اقسام	۶۹
۱۰۳	ذوی لارحام کی میراث	۷۴
۱۰۴	مانعین کے دلائل	۷۶
۱۰۴	تاکمین توریت کے دلائل	۷۷
۱۰۶	اصناف کے درمیان وراثت جاری ہونے کی کیفیت	۸۱
۱۰۶	ہر صنف کے وارث ہونے کی کیفیت	۸۲
۱۰۶	صنف اول	۸۴
۱۰۸	صنف دوم	۸۶
۱۰۹	صنف سوم	۸۹
۱۱۱	صنف چہارم	۹۲
۱۱۲	صنف چہارم کی اولاد کے درمیان وراثت جاری ہونے کی کیفیت	۹۵
۱۱۳	مذہب اہل تنزیل	۹۸
۱۱۴	مذہب اہل رحم	۱۰۰
۱۱۴	زوجین میں سے کسی کے ساتھ ذوی لارحام کی وراثت	۱۰۱
۱۱۵	دو جہت سے وراثت	۱۰۳
۱۱۵	خفگی کی میراث	۱۰۴
۱۱۷	حمل کی میراث	۱۰۹
۱۲۰	گمشدہ کی میراث	۱۱۶
۱۲۲	قیدی کی میراث	۱۲۲
۱۲۳	ڈوب کر، جل کر اور ڈوب کر مرنے والوں کی میراث	۱۲۴
۱۲۴	ولد زنا کی میراث	۱۲۵
۱۲۴	لعان اور لعان کرنے والوں کی اولاد کی میراث	۱۲۶

صفحہ	عنوان	فقرہ
۱۲۵	جس کے نسب کا کسی غیر کے حق میں اتر کیا گیا ہو اس کا استحقاق	۱۲۷
۱۲۶	جس کے لئے تہائی سے زیادہ کی وصیت ہو اور کوئی وارث نہ ہو	۱۳۰
۱۲۷	تخارج	۱۳۱
۱۲۷	مناسخ	۱۳۴
۱۲۸	مواریث کا حساب	۱۳۸
۱۳۰	خاص القاب سے مشہور میراث کے مسائل	۱۴۷
۱۳۲	غراوین یا غریبتین یا غریبتین یا عمریتین	۱۵۱
۱۳۳	خرقاء (شگاف والا)	۱۵۴
۱۳۳	مردانیہ	۱۵۵
۱۳۳	حمزیہ	۱۵۶
۱۳۴	دیناریہ	۱۵۷
۱۳۴	امتحان	۱۵۸
۱۳۴	مامونیہ	۱۵۹
۱۳۵-۱۳۷	ارجاف	۵-۱
۱۳۵	تعریف	۱
۱۳۵	متعلقہ الفاظ: تخذیل، اشاعت	۲
۱۳۶	اجمالی حکم اور بحث کے مقامات	۴
۱۳۸-۱۳۷	أرحام	۲۵-۱
۱۳۷	تعریف	۱
۱۳۷	شرعی حکم	۳
۱۳۷	صلہ رحمی	۳
۱۳۸	والدین کے ساتھ صلہ رحمی و حسن سلوک	۴
۱۳۹	والدین کے علاوہ اقارب کے ساتھ حسن سلوک	۵
۱۳۹	کن رشتہ داروں کے ساتھ صلہ رحمی مطلوب ہے؟	۶

صفحہ	عنوان	فقہہ
۱۴۰	اختلاف دین کے باوجود صلہ رحمی اور حسن سلوک	۷
۱۴۰	صلہ رحمی اور حسن سلوک کے درجات	۸
۱۴۰	صلہ و احسان کا طریقہ	۹
۱۴۱	صلہ رحمی کی مشروعیت کی حکمت	۱۰
۱۴۱	قطع رحمی	۱۱
۱۴۲	قطع رحمی کا حکم	۱۲
۱۴۲	میت کے لئے ضروری امور میں رشتہ داروں کو مقدم کرنا	۱۳
۱۴۲	اتقارب کے لئے بیہ	۱۴
۱۴۳	اتقارب کے لئے وراثت	۱۵
۱۴۴	اتقارب کے لئے وصیت	۱۶
۱۴۵	وہ رشتہ دار عورتیں جن سے نکاح حرام ہے	۱۹
۱۴۵	رشتہ داروں کا نفقہ	۲۰
۱۴۶	محارم کے تعلق سے دیکھنے، چھونے اور خلوت کا حکم	۲۱
۱۴۶	نکاح میں اتقارب کی ولایت	۲۲
۱۴۷	حدود و تعزیرات میں رشتہ کا اثر	۲۳
۱۴۷	رشتہ داروں کی کواہی اور ان کے حق میں فیصلہ	۲۴
۱۴۷	اتقارب کی آزادی	۲۵
۱۴۹-۱۴۹	إرواف	۳-۱
۱۴۹	تعریف	۱
۱۴۹	اجمالی حکم	۲
۱۴۹	ارواف کی وجہ سے ضمان	۳
۱۵۰-۱۶۴	إرسال	۱۷-۱
۱۵۰	تعریف	۱
۱۵۰	حدیث میں ارسال	۲

صفحہ	عنوان	فقہ
۱۵۱	حدیث مرسل کی اقسام و حکم	۳
۱۵۲-۱۵۳	اول: ارسال بمعنی إرضاء	۴-۵
۱۵۲	نماز میں ہاتھوں کے رکھنے کی کیفیت	۴
۱۵۳	عمامہ کے سرے کو چھوڑنا اور اس کو ٹھوڑی کے نیچے سے لپیٹنا	۵
۱۵۴-۱۵۹	دوم: ارسال بمعنی پیغامبر بھیجنا	۶-۱۲
۱۵۴	نکاح میں پیغام رسانی	۶
۱۵۴	مخطوبہ کو دیکھنے کے لئے بھیجنا	۷
۱۵۴	طلاق کہانا	۸
۱۵۵	مالی تصرفات میں پیغام رسانی	۹
۱۵۵	معاوضہ والے معاملات میں پیغام رسانی	۹
۱۵۶	بھیجی گئی چیز کی ملکیت	۱۰
۱۵۶	بھیجنے کی صورت میں ضمان	۱۱
۱۵۹	مرسل کے حق میں یا اس کے خلاف کو ایسی قبول کرنے کے سلسلے میں ارسال کا اثر	۱۲
۱۵۹-۱۶۴	سوم: ارسال بمعنی اہمال	۱۳
۱۵۹	چھوڑے گئے جانوروں اور چوپایوں کے سبب نقصان کے ضمان کا حکم	۱۳
۱۶۲	قبضہ اور معزولی کے لئے کسی کو بھیجنا	۱۴
۱۶۳	ارسال سے رجوع کرنا	۱۵
۱۶۴	ارسال بمعنی مسلط کرنا	۱۶
۱۶۴	چہارم: ارسال بمعنی تخلیہ	۱۷
۱۶۵-۱۶۶	اُرش	۱-۷
۱۶۵	تعریف	۱
۱۶۵	مخالفتہ النفاذ: حکومت عدل، دیت	۲
۱۶۵	اجمالی حکم	۳
۱۶۶	تاوان کی انواع	۴-۵

صفحہ	عنوان	فقہ
۱۶۶	الف: آزاد عورت کے زخم کا تاوان	۵
۱۶۶	ب: ذمی کے زخم کا تاوان	۶
۱۶۶	تاوان کا متعدد ہونا	۷
۱۶۸-۱۶۷	إرشاد	۵-۱
۱۶۷	تعریف	۱
۱۶۷	متعلقہ الفاظ: نصیح	۲
۱۶۷	اجمالی حکم	۳
۱۶۸	بحث کے مقامات	۵
۱۷۳-۱۶۸	إرصاد	۱۶-۱
۱۶۸	تعریف	۱
	اول: ارصاد بمعنی بیت المال کے تحت کسی زمین کی آمدنی کو	۱۴-۲
۱۷۳-۱۶۸	کسی خاص مصرف کے لئے مقرر کر دینا	
۱۶۸	متعلقہ الفاظ: وقف، اقتطاع، جہلی	۲
۱۷۰	ارصاد کا شرعی حکم	۵
۱۷۲-۱۷۰	ارصاد کے ارکان	۱۳-۶
۱۷۰	اول: مرصد (صاد کے زیر کے ساتھ)	۷
۱۷۱	دوم: مرصد (صاد کے زیر کے ساتھ)	۸
۱۷۱	سوم: مرصد علیہ	۹
۱۷۲	چہارم: صیغہ و عبارت	۱۲
۱۷۲	ارصاد کے آثار	۱۴
۱۷۳-۱۷۳	دوم: ارصاد بمعنی وقف کی آمدنی کو اس کے قرضوں کی ادائیگی کے لئے خاص کرنا	۱۶-۱۵
۱۸۴-۱۷۴	أرض	۲۹-۱
۱۷۴	تعریف	۱

صفحہ	عنوان	فقہ
۱۷۶-۱۷۴	زمین کا پاک ہونا، اس کو پاک کرنا اور اس کے ذریعہ پاکی حاصل کرنا	۲-۹
۱۷۴	زمین کا پاک ہونا	۲
۱۷۴	زمین کو نجاست سے پاک کرنا	۳
۱۷۵	زمین کے ذریعہ پاکی حاصل کرنا	۶-۹
۱۷۵	اجتہار	۶
۱۷۵	زمین کے ذریعہ جوتے کو پاک کرنا	۷
۱۷۶	کتے کی نجاست زائل کرنے میں مٹی کا استعمال	۸
۱۷۶	مٹی اور زمین کے دوسرے اجزاء سے پاکی حاصل کرنا	۹
۱۷۶	زمین پر نماز	۱۰
۱۷۷-۱۷۶	عذاب زدہ زمین	۱۱-۱۶
۱۷۷	ان مقامات پر جانے کا حکم	۱۲
۱۷۷	ان مقامات کے پانی سے پاکی حاصل کرنے اور نجاست دور کرنے کا حکم	۱۳
۱۷۷	پاکی کے علاوہ دوسری چیزوں میں اس کے پانی کے استعمال کا حکم	۱۴
۱۷۷	وہاں کی مٹی سے تیمم کا حکم	۱۵
۱۷۷	ایسی جگہ پر نماز کا حکم	۱۶
۱۷۸	اس زمین کی پیداوار کی زکوٰۃ	۱۷
۱۷۸	سرزمین مناسک میں تصرف	۱۸
۱۷۸	مکان احرام	۱۸
۱۷۸	زمین کی ملکیت	۱۹
۱۷۹	موقوفہ زمین میں تصرف	۲۰
۱۷۹	زمین کو کرایہ پر دینے کا حکم	۲۱
۱۷۹	کرایہ (عوض)	۲۲
۱۷۹	غلہ اور زمین کی پیداوار کے بدلہ زمین کرایہ پر دینا	۲۳
۱۸۰-۱۸۲	مفتوحہ زمین	۲۴-۲۹

صفحہ	عنوان	فقہ
۱۸۰	صلح کے ذریعہ مفتوحہ زمین	۲۴
۱۸۰	زبردستی مفتوحہ زمین	۲۵
۱۸۲	وہ زمین جس کے مالکان اسلام قبول کر لیں	۲۷
۱۸۲	عشری زمین	۲۸
۱۸۲	خراجی زمین	۲۹
۱۸۲	ارض حرب	
	دیکھئے: ارض	
۱۸۳-۱۹۰	ارض حوز	۱-۱۷
۱۸۳	تعریف	۱
۱۸۳	متعلقہ الفاظ: مشد المسکہ، ارض تیار، ارضاد	۳
۱۸۴	ارض حوز کی مشروعیت	۶
۱۸۵	کون سی زمین ارض حوز ہے؟	۷
۱۸۶-۱۹۰	ارض حوز میں امام کا تصرف	۱۰-۱۷
۱۸۶	ملکیت کو باقی رکھتے ہوئے کاشت کار کو دینا	۱۰
۱۸۷	امام کی طرف سے ارض حوز کی فروخت اور اس میں خریدار کا حق تصرف	۱۱
۱۸۷	فروخت شدہ اراضی حوز پر عائد وظیفہ	۱۲
۱۸۸	امام کا اپنے لئے ارض حوز کو خریدنا	۱۳
۱۸۹	امام کا اس ارض حوز کو وقف کرنا جو نفع اٹھانے والوں کے قبضہ میں ہے	۱۴
۱۸۹	امام کا کسی ارض حوز کو الٹ کرنا	۱۵
۱۹۰	ارض حوز سے انتفاع کے حق کا منتقل ہونا	۱۶
۱۹۰	صاحب قبضہ سے ارض حوز کو چھیننا	۱۷
۱۹۰	ارض عذاب	
	دیکھئے: ارض	

صفحہ	عنوان	فقہ
۱۹۱-۲۰۲	ارض عرب	۱-۲۴
۱۹۱	تعریف	۱
۱۹۲	جزیرہ عرب کے مخصوص احکام	۲
۱۹۲	ارض عرب میں کفر کی رہائش کہاں منع ہے؟	۳
۱۹۵	جزیرہ عرب کا سمندر اور اس کے جزیرے	۶
۱۹۵	ممانعت کا تمام کفار کے لئے عام ہونا	۷
	اقامت اور وطن بنانے کے علاوہ کسی غرض کے لئے	۸-۱۷
۱۹۵-۱۹۸	سرزمین عرب میں کفار کا داخل ہونا	
۱۹۶	مدت اجازت سے زیادہ رہنا	۱۳
۱۹۷	الف: ذین	۱۴
۱۹۷	ب: سامان فروخت کرنا	۱۵
۱۹۷	ج: مرض	۱۶
۱۹۸	سرزمین عرب میں کفار کے داخل ہونے کی شرط	۱۷
۱۹۸	سرزمین عرب کے کسی حصہ کا اہل ذمہ کی ملکیت میں آنا	۱۸
۱۹۸	تجار کے علاوہ سرزمین عرب میں کفار کی اقامت	۱۹
۱۹۸	سرزمین عرب میں کفار کی تدفین	۲۰
۱۹۹	سرزمین عرب میں کفار کے عبادت خانے	۲۱
۱۹۹	سرزمین عرب سے خراج کی وصولی	۲۲
۲۰۱	نبی پاک ﷺ کی چہ اگاہ	۲۴
۲۰۲	ارضاع	
	دیکھئے: رضاع	
۲۰۲-۲۰۳	ارفاق	۱-۳
۲۰۲	تعریف	۱
۲۰۲	متعلقہ الفاظ: ارفاق	۲

صفحہ	عنوان	فقہ
۲۰۳	اجمالی حکم	۳
۲۰۳	إرقاب	دیکھئے: رقی
۲۰۳	إزار	دیکھئے: لیزار
۲۰۵-۲۰۴	إزالہ	۵-۱
۲۰۴	تعریف	۱
۲۰۴	اجمالی حکم اور بحث کے مقامات	۲
۲۱۰-۲۰۶	أزلام	۶-۱
۲۰۶	تعریف	۱
۲۰۷	عربوں کے یہاں ازلام کی تعظیم	۳
۲۰۸-۲۰۷	اجمالی حکم	۵-۴
۲۰۷	الف: ازلام بنانے، رکھنے اور اس کا معاملہ کرنے کا حکم	۴
۲۰۸	ب: ازلام پاک ہیں یا ناپاک؟	۵
۲۰۸	بحث کے مقامات	۶
۲۱۰-۲۰۹	إساعة	۵-۱
۲۰۹	تعریف	۱
۲۱۰	متعلقہ الفاظ: ضرر، تعدی	۲
۲۱۰	اجمالی حکم	۴
۲۱۰	بحث کے مقامات	۵
۲۱۲-۲۱۱	إسباغ	۵-۱
۲۱۱	تعریف	۱
۲۱۱	متعلقہ الفاظ: إسبال، إسراف	۲
۲۱۱	اجمالی حکم	۴

فقہ	عنوان	صفحہ
۵	بحث کے مقامات	۲۱۲
۵-۱	إسبال	۲۱۳-۲۱۲
۱	تعریف	۲۱۲
۲	متعلقہ الفاظ: اشتغال صماء، إعتفاء	۲۱۲
۴	اجمالی حکم	۲۱۳
۵	بحث کے مقامات	۲۱۳
	استنجا	۲۱۳
	دیکھئے: اجارہ	
۴۲-۱	استنذان	۲۱۴-۲۲۳
۱	تعریف	۲۱۴
۲	اجازت لینے کا شرعی حکم	۲۱۴
۱۸-۳	اول: گھروں میں داخلہ کے لئے اجازت لینا	۲۱۵-۲۲۴
۳	الف: کس جگہ داخلہ مراد لیا گیا ہے	۲۱۵
۱۱	ب: اجازت لینے والا شخص	۲۱۹
۱۳	ج: اجازت لینے کے الفاظ	۲۲۰
۱۵	د: اجازت طلب کرنے کے آداب	۲۲۱
۳۹-۱۹	دوم: دوسرے کی ملکیت یا حق میں تصرف کے لئے اجازت لینا	۲۲۳-۲۳۱
۲۰	الف: ممنوعہ املاک میں داخل ہونے کے لئے اجازت لینا	۲۲۳
۲۱	ب: شوہر کے گھر میں دوسرے کو داخل کرنے کے لئے عورت کا اجازت لینا	۲۲۳
۲۲	ج: باغ کا پھل کھانے اور جانور کا دودھ پینے کے لئے اجازت لینا	۲۲۴
۲۳	د: عورت کا اپنے شوہر سے اس کے مال سے صدقہ کرنے کے لئے اجازت لینا	۲۲۴
۲۴	ه: جس کے ذمہ حق ہو اس کا صاحب حق سے اجازت لینا	۲۲۶
۲۵	و: طبیب کا علاج کے لئے اجازت لینا	۲۲۶
۲۶	ز: جمعہ قائم کرنے کے لئے بادشاہ کی اجازت	۲۲۶

صفحہ	عنوان	فقرہ
۲۲۷	ح: ماتحت کا اپنے سردار سے اجازت لیا	۲۷
۲۲۷	ط: عورت کا اپنے شوہر کے گھر سے نکلنے کے لئے اس سے اجازت لیا	۲۸
۲۲۸	ی: والدین سے ایسے کام کی اجازت لیا جسے وہ ناپسند کریں	۲۹
۲۲۹	ک: بیوی سے عزل کرنے کے لئے اجازت لیا	۳۰
۲۲۹	ل: عورت کا اپنے شوہر سے نفل روزہ رکھنے کے لئے اجازت لیا	۳۱
	م: عورت کا اپنے شوہر سے دوسرے کے بچے کو	۳۲
۲۲۹	دودھ پلانے کے لئے اجازت لیا	
	ن: شوہر کا اپنی بیوی سے اس کی باری میں دوسری بیوی کے پاس	۳۳
۲۲۹	رات گزارنے کے لئے اجازت لیا	
۲۳۰	س: مہمان کا واپسی کے لئے میزبان سے اجازت لیا	۳۴
۲۳۰	ع: کسی کے گھر میں اس کی گدی (مخصوص جگہ) پر بیٹھنے کے لئے اجازت لیا	۳۵
۲۳۰	ف: دو آدمیوں کے درمیان بیٹھنے کے لئے ان سے اجازت لیا	۳۶
۲۳۰	ص: دوسرے کے خط و کتابت کو پڑھنے کے لئے اجازت لیا	۳۷
۲۳۰	ق: عورت کا اپنے مال میں سے خرچ کرنے کے لئے شوہر سے اجازت لیا	۳۸
۲۳۱	ر: وہ چیزیں جن میں اجازت لینے کی ضرورت ہی نہیں	۳۹
۲۳۱-۲۳۲	جہاں کسی وجہ سے اجازت لینا ساقط ہے	۴۰-۴۱
۲۳۱	الف: اجازت کا دشوار ہونا	۴۰
۲۳۱	ب: دفع ضرر	۴۱
۲۳۲	ج: ایسے حق کا حصول جو اجازت لینے کے بعد ناممکن ہو	۴۲
۲۳۳-۲۳۴	استسار	۴-۱
۲۳۲	تعریف	۱
۲۳۲	متعلقہ الفاظ: استسلام	۲
۲۳۲	اجمالی حکم	۳
۲۳۳	بحث کے مقامات	۴

صفحہ	عنوان	فقہ
۲۳۴-۲۳۴	استنمار	۳-۱
۲۳۴	تعریف	۱
۲۳۴	متعلقہ الفاظ: استنڈان	۲
۲۳۴	اجمالی حکم	۳
۲۳۵-۲۳۵	استنمان	۵-۱
۲۳۵	تعریف	۱
۲۳۵	متعلقہ الفاظ: عہد، ذمہ، استجارہ	۲
۲۳۵	اجمالی حکم	۵
۲۳۶-۲۳۶	استنناس	۵-۱
۲۳۶	تعریف	۱
۲۳۶	متعلقہ الفاظ: استنڈان	۲
۲۳۶	اول: بمعنی استنڈان	۳
۲۳۶	اجمالی حکم	۳
۲۳۶	دوم: بمعنی اطمینان قلب	۴
۲۳۶	سوم: بمعنی وحشت ختم ہونا	۵
۲۳۷-۲۳۷	استنناف	۱۴-۱
۲۳۷	تعریف	۱
۲۳۸	متعلقہ الفاظ: بناء، استقبال، ابتداء، اعادہ، قضاء	۲
۲۳۹	استنناف کا شرعی حکم	۷
۲۳۹-۲۳۹	بحث کے مقامات	۱۴-۸
۲۳۹	وضو میں استنناف	۸
۲۳۹	غسل میں استنناف	۹
۲۳۹	اذان و اقامت میں استنناف	۱۰
۲۳۹	نماز میں استنناف	۱۱

صفحہ	عنوان	فقہہ
۲۴۰	تیم میں استنواف	۱۲
۲۴۰	کفارات میں استنواف	۱۳
۲۴۰	عدت میں استنواف	۱۴
۲۴۱	استنار	
	دیکھئے: استنار	
۲۴۱	استباق	
	دیکھئے: سباق	
۲۴۱-۲۴۲	استبداد	۴-۱
۲۴۱	تعریف	۱
۲۴۱	متعلقہ الفاظ: استتال، مشورہ	۲
۲۴۱	استبداد کا شرعی حکم	۴
۲۴۲	استبدال	
	دیکھئے: ابدال	
۲۴۲-۲۵۱	استبراء	۳۰-۱
۲۴۲	تعریف	۱
۲۴۳-۲۴۵	اول: طہارت میں استبراء	۱۱-۲
۲۴۳	متعلقہ الفاظ: استنقاء، استنجاء، استنزال، استنثار	۳
۲۴۳	استبراء کا شرعی حکم	۷
۲۴۴	مشروعیت استبراء کی حکمت	۹
۲۴۴	استبراء کا طریقہ	۱۰
۲۴۵	استبراء کے آداب	۱۱
۲۴۵-۲۵۲	دوم: نسب میں استبراء	۳۰-۱۲
۲۴۶	متعلقہ الفاظ: عدت	۱۴
۲۴۶	آزاد عورت کا استبراء	۱۶

صفحہ	عنوان	فقہہ
۲۴۷	استبراء کی مشروعیت کی حکمت	۱۸
۲۴۹-۲۴۷	باندی کا استبراء	۱۹-۲۳
۲۴۷	الف: اس باندی کی ملکیت ملنے کے وقت جس سے وطی کا ارادہ ہو	۱۹
۲۴۸	ب: باندی کی شادی کرنے کا ارادہ	۲۰
۲۴۸	ج: موت یا آزادی کی وجہ سے ملکیت کا زوال	۲۱
۲۴۹	د: فروخت کی وجہ سے ملکیت کا زوال	۲۲
۲۴۹	ھ: سوء ظن کی وجہ سے استبراء	۲۳
۲۵۱-۲۴۹	مدت استبراء	۲۴-۲۷
۲۴۹	آزاد عورت کا استبراء	۲۴
۲۵۰	حائضہ باندی کا استبراء	۲۵
۲۵۰	حاملہ کا استبراء	۲۶
۲۵۰	اس باندی کا استبراء جس کو غرضی یا کبرنی کی وجہ سے حیض نہ آتا ہو	۲۷
۲۵۱	دوران استبراء باندی سے استمتاع کا حکم	۲۸
۲۵۱	دوران استبراء عقد اور وطی کا اثر	۲۹
۲۵۱	دوران استبراء سوگ منانے (ترک زینت) کا حکم	۳۰
۲۵۲-۲۵۱	استبضاع	۳۱-۳۳
۲۵۱	تعریف	۱
۲۵۱	نکاح استبضاع کا اجمالی حکم	۲
۲۵۲	تجارت میں استبضاع	۳
۲۵۳-۲۵۲	استنابہ	۵-۱
۲۵۲	تعریف	۱
۲۵۲	استنابہ کا شرعی حکم	۲
۲۵۲	زندلیقوں اور باطنیوں سے توبہ کرانا	۳

صفحہ	عنوان	فقہہ
۲۵۳	جادوگر سے توبہ کرانا	۴
۲۵۳	تارک فرض سے توبہ کرانا	۵
۲۶۱-۲۵۴	استنار	۱-۱۴
۲۵۴	تعریف	۱
۲۵۴	استنار کا شرعی حکم	۲
۲۵۴	استنار بمعنی نمازی کا سترہ بنانا	۳
۲۵۴	جماع کے وقت استنار	۴
۲۵۵	کیا چیز پردہ کے خلاف ہے	۵
۲۵۶	جماع کے وقت پردہ نہ کرنے پر مرتب ہونے والے اثرات	۶
۲۵۶	قضاء حاجت کے وقت پردہ کرنا	۷
۲۵۹-۲۵۶	غسل کے وقت پردہ کرنا	۸-۱۰
۲۵۶	الف: جس کے لئے کسی کی شرمگاہ کا دیکھنا جائز نہیں اس سے پردہ کا وجوب	۸
۲۵۸	ب: بیوی کی موجودگی میں شوہر کا غسل کے لئے پردہ کرنا	۹
۲۵۸	اکیلے غسل کرنے والے کا پردہ کرنا	۱۰
۲۵۹	عورت کا اعضا ازینت کا پردہ کرنا	۱۱
۲۶۰	بدکاری کی پردہ پوشی	۱۲
۲۶۱	معصیت کی پردہ پوشی کا اثر	۱۳
۲۶۳-۲۶۲	استنثار	۱-۸
۲۶۲	تعریف	۱
۲۶۲	متعلقہ الفاظ: انتفاع، استعمال	۲
۲۶۲	استنثار کا شرعی حکم	۴
۲۶۲	استنثار کے ارکان	۵
۲۶۳	ملکیت شمرہ	۷
۲۶۳	استنثار کے طریقے	۸

صفحہ	عنوان	فقرہ
۲۶۳-۲۷۸	استثناء	۲۸-۱
۲۶۳	تعریف	۱
۲۶۴	متعلقہ الفاظ: تخصیص، نسخ، شرط	۲
۲۶۵	استثناء کا بنیادی ضابطہ	۵
۲۶۶	استثناء کے اقسام	۶
۲۶۷	صيغۂ استثناء	۷
۲۶۷	الف: الفاظ استثناء	۷
۲۶۷	ب: مشیت وغیرہ کے ذریعہ استثناء	۸
۲۶۷	ایسے وعدہ کا استثناء جن کے درمیان حرف شک آیا ہو	۹
۲۶۸	عطف والے جملوں کے بعد استثناء	۱۰
۲۶۹	عطف والے مغرور الفاظ کے بعد استثناء	۱۲
۲۶۹	عطف والے کلام کے بعد استثناء عرفی	۱۳
۲۶۹	استثناء کے بعد استثناء	۱۴
۲۷۵-۲۷۰	شرائط استثناء	۲۲-۱۵
۲۷۰	شرط اول	۱۶
۲۷۱	شرط دوم	۱۷
۲۷۲	اکثر اور اقل کا استثناء	۱۸
۲۷۲	شرط سوم	۱۹
۲۷۴	شرط چہارم: استثناء کو زبان سے ادا کرنا	۲۰
۲۷۵	شرط پنجم: قصد	۲۲
۲۷۵	إلا اور اس کے ہم معنی الفاظ کے ذریعہ مستثنیٰ کا مجہول ہونا	۲۳
۲۷۶	استثناء حقیقی کا حکم کہاں ثابت ہوتا ہے	۲۵
۲۷۷	استثناء بالمشیت کا حکم کہاں ثابت ہوتا ہے	۲۶

صفحہ	عنوان	فقہہ
۲۷۹-۲۷۹	استحجار	۲-۱
۲۷۹	تعریف	۱
۲۷۹	استحجار کا شرعی حکم	۲
۲۷۹-۲۹۷	استحاضہ	۳۳-۱
۲۷۹	تعریف	۱
۲۷۹	متعلقہ الفاظ: حیض، نفاس	۲
۲۸۰	حنفیہ کے یہاں اتمرار	۵
۲۸۰	عادت والی عورت میں اتمرار	۶
۲۸۱	مبتدأہ میں اتمرار	۷
۲۸۱	مبتدأہ میں اتمرار کے حالات	۸
۲۸۲	مبتدأہ بالحيض اور مبتدأہ بالحمل کا استحاضہ	۹
۲۸۹-۲۸۶	عادت والی عورت کا استحاضہ	۱۹-۱۵
۲۸۶	الف: حیض کی عادت والی عورت	۱۵
۲۸۸	ب: نفاس کی عادت والی عورت	۱۹
۲۸۹	اس عورت کا استحاضہ جس کی کوئی معروف عادت نہ ہو	۲۰
۲۸۹	متخیرہ کا استحاضہ	۲۱
۲۹۰	حاملہ عورت کا دوران حمل خون دیکھنا	۲۲
۲۹۱	عورت کا دو ولادتوں کے درمیان خون دیکھنا (اگر جڑواں بچوں کا حمل ہو)	۲۳
۲۹۷-۲۹۱	مستحاضہ کے احکام	۳۳-۲۵
۲۹۳	مستحاضہ کے لئے کیا ممنوع ہے	۲۶
۲۹۳	مستحاضہ کی طہارت	۲۷
۲۹۴	کپڑے پر مستحاضہ کا جو خون لگ جائے اس کا حکم	۲۸
۲۹۴	مستحاضہ پر غسل کرنا کب لازم ہے	۲۹
۲۹۵	مستحاضہ کا وضو اور عبادت	۳۰

صفحہ	عنوان	فقہ
۲۹۷	مستحاضہ کا شفا یاب ہونا	۳۲
۲۹۷	مستحاضہ کی عدت	۳۳
۲۹۹-۲۹۸	استحالة	۴-۱
۲۹۸	تعریف	۱
۲۹۸	اجمالی حکم اور بحث کے مقامات	۲
۲۹۸	پہلا فتویٰ استعمال	۲
۲۹۸	دوسرا فتویٰ استعمال	۳
۲۹۹	اصولی استعمال	۴
۳۰۱-۲۹۹	استحباب	۳-۱
۲۹۹	تعریف	۱
۳۰۰	مستحب کا حکم	۳
۳۰۳-۳۰۱	استحداد	۱۰-۱
۳۰۱	تعریف	۱
۳۰۱	متعلقہ الفاظ: اعداد، تنور	۲
۳۰۲	استحداد کا شرعی حکم	۴
۳۰۲	استحداد کی مشروعیت کی دلیل	۵
۳۰۲	استحداد کا طریقہ	۶
۳۰۳	وقت استحداد	۷
۳۰۳	استحداد کے لئے دوسرے سے مدد لینا	۸
۳۰۳	آداب استحداد	۹
۳۰۳	صاف کئے ہوئے بال کو ذبح کرنا یا ضائع کرنا	۱۰
۳۰۵-۳۰۴	استحسان	۶-۱
۳۰۴	تعریف	۱
۳۰۴	اصولیین کے یہاں استحسان کا حجت ہونا	۲

صفحہ	عنوان	فقہہ
۳۰۵-۳۰۴	اتحسان کی اقسام	۳-۶
۳۰۴	اول: اتحسان اثر یا حدیث	۳
۳۰۵	دوم: اتحسان اجماع	۴
۳۰۵	سوم: اتحسان ضرورت	۵
۳۰۵	چہارم: اتحسان قیاسی	۶
۳۲۴-۳۰۶	اتحقاق	۱-۳۶
۳۰۶	تعریف	۱
۳۰۶	متعلقہ الفاظ: تملک	۲
۳۰۶	اتحقاق کا حکم	۳
۳۰۶	اتحقاق کا اثبات	۴
۳۰۷	وہ چیز جس سے اتحقاق ظاہر ہوتا ہے	۵
۳۰۷	موانع اتحقاق	۶
۳۰۷	اتحقاق کے فیصلہ کی شرائط	۷
۳۱۳-۳۰۸	بیع میں اتحقاق	۸-۱۵
۳۰۸	خریدار کو خرید کردہ شی کے اتحقاق کا علم ہونا	۸
۳۰۸	پوری بیع کا اتحقاق	۹
۳۰۹	قیمت کا واپس لینا	۱۰
۳۰۹	بیع کے بعض حصے کا اتحقاق	۱۱
۳۱۰	قیمت کا اتحقاق	۱۲
۳۱۱	جس بیع میں اتحقاق نکلا ہے اس میں اضافہ	۱۳
۳۱۲	خرید کردہ زمین میں اتحقاق	۱۵
۳۱۳	بیع صرف میں اتحقاق	۱۶
۳۱۴	رہن رکھے ہوئے سامان کا اتحقاق	۱۷
۳۱۴	مرتہن کے قبضہ میں اتحقاق والے مرتہن کا ضائع ہونا	۱۹

صفحہ	عنوان	فقہہ
۳۱۵	عادل کے فروخت کرنے کے بعد مرہون میں استحقاق	۲۰
۳۱۶	دیوالیہ کی فروخت کردہ چیز میں استحقاق	۲۱
۳۱۶	صلح میں استحقاق	۲۲
۳۱۷	قتل عمد سے صلح کے عوض میں استحقاق	۲۳
۳۱۷	ضمان ورک	۲۴
۳۱۸	شفعہ میں استحقاق	۲۵
۳۱۸	مساقات میں استحقاق	۲۶
۳۱۹-۳۲۲	اجارہ میں استحقاق	۲۷-۳۰
۳۱۹	کرایہ پر لی گئی چیز میں استحقاق	۲۷
۳۲۰	کرایہ پر لی گئی استحقاق والی چیز کا تلف ہونا	۲۸
۳۲۰	اجرت میں استحقاق	۲۹
۳۲۱	جس زمین میں کرایہ دار کا درخت یا مکان ہے اس میں استحقاق	۳۰
۳۲۲	بلاک ہونے کے بعد بیہ میں استحقاق	۳۱
۳۲۲	موصی بہ (جس چیز کی وصیت کی گئی) میں استحقاق	۳۲
۳۲۲	مہر میں استحقاق	۳۳
۳۲۳	عوض خلع میں استحقاق	۳۴
۳۲۳	قربانی کے جانور میں استحقاق	۳۵
۳۲۴	تقسیم کردہ شئی کے کچھ حصہ کا استحقاق	۳۶
۳۲۵-۳۲۶	استحلال	۳-۱
۳۲۵	تعریف	۱
۳۲۵	اجمالی حکم	۲
۳۲۶	بحث کے مقامات	۳
۳۲۶-۳۳۱	استیاء	۱۰-۱
۳۲۶	تعریف	۱

صفحہ	عنوان	فقرہ
۳۲۷	متعلقہ الفاظ: احیاء	۲
۳۲۷	زندگی باقی رکھنے کا شرعی حکم	۳
۳۲۸-۳۳۰	زندہ باقی رکھنے والا	۴-۶
۳۲۸	انسان کا اپنے آپ کو زندہ رکھنا	۴
۳۲۹	انسان کا دوسرے کو زندہ رکھنا	۶
۳۳۰	جس کو زندہ رکھا جائے	۷
۳۳۰	زندہ رکھنے کے وسائل	۸
۳۳۱	زندہ رکھنے پر مجبور کرنا	۹
۳۳۱	کتنی مدت تک زندگی بچانے کی کوشش واجب ہے	۱۰
۳۳۱-۳۳۲	استخارہ	۱-۲۳
۳۳۱	تعریف	۱
۳۳۱	متعلقہ الفاظ: طیرہ، رویا، استقسام، استفتاح	۲
۳۳۲	استخارہ کا شرعی حکم	۷
۳۳۳	استخارہ کی مشروعیت کی حکمت	۸
۳۳۳	استخارہ کا سبب (استخارہ کن امور میں ہوگا)	۹
۳۳۳	استخارہ کب کرے	۱۰
۳۳۴	استخارہ سے قبل مشورہ کرنا	۱۱
۳۳۴	استخارہ کا طریقہ	۱۲
۳۳۵	استخارہ کا وقت	۱۳
۳۳۶	نماز استخارہ کا طریقہ	۱۴
۳۳۶	نماز استخارہ میں قراءت	۱۵
۳۳۷	استخارہ کی دعا	۱۶
۳۳۷	دعا میں قبلہ رخ ہونا	۱۷
۳۳۷	استخارہ کی دعا کب کرے	۱۸

صفحہ	عنوان	فقرہ
۳۳۸	استخارہ کے بعد استخارہ کرنے والا کیا کرے	۱۹
۳۳۸	بار بار استخارہ کرنا	۲۰
۳۳۸	استخارہ میں نیابت	۲۱
۳۳۹-۳۳۸	استخارہ کا اثر	۲۲-۲۳
۳۳۸	الف: قبولیت کی علامات	۲۲
۳۳۹	ب: عدم قبولیت کی علامات	۲۳
۳۳۹-۳۴۰	استخدام	۶-۱
۳۳۹	تعریف	۱
۳۳۹	متعلقہ الفاظ: استعانت، استخبار	۲
۳۴۰	اجمالی حکم	۴
۳۴۱-۳۴۵	استخفاف	۱۱-۱
۳۴۱	تعریف	۱
۳۴۱	استخفاف کا شرعی حکم	۲
۳۴۱	استخفاف کس چیز سے ہوگا	۳
۳۴۱	اللہ تعالیٰ کا استخفاف و تحقیر	۳
۳۴۱	اللہ تعالیٰ کے استخفاف کا حکم	۴
۳۴۱	انبیاء کرام کا استخفاف	۵
۳۴۱	انبیاء کے استخفاف کا حکم	۶
۳۴۲	ملائکہ کے استخفاف کا حکم	۸
۳۴۲	آسمانی کتب و صحائف کے استخفاف کا حکم	۹
۳۴۲	شرعی احکام کا استخفاف	۱۰
۳۴۲	مقدس اوقات اور مقامات وغیرہ کا استخفاف	۱۱
۳۴۵-۳۵۸	استخفاف	۳۳-۱
۳۴۵	تعریف	۱

صفحہ	عنوان	فقرہ
۳۲۵	متعلقہ الفاظ: توکیل	۲
۳۲۶	اتخلاف کا شرعی حکم	۳
۳۵۰-۳۲۶	اول: نماز میں نائب بنانا	۴-۱۰
۳۲۷	نائب بنانے کا طریقہ	۵
۳۲۷	نائب بنانے کے اسباب	۶
۳۵۷-۳۵۰	دوم: جمعہ وغیرہ قائم کرنے کے لئے نائب بنانا	۱۱-۳۱
۳۵۰	خطبہ جمعہ کے دوران نائب بنانا	۱۲
۳۵۰	نماز جمعہ میں نائب بنانا	۱۳
۳۵۲	عیدین میں نائب بنانا	۱۸
۳۵۳	نماز جنازہ میں نائب بنانا	۱۹
۳۵۳	نماز خوف میں نائب بنانا	۲۰
۳۵۴	نائب بنانے کا حق کس کو ہے	۲۳
۳۵۴	کس کو نائب بنانا صحیح ہے اور نائب کیا کرے گا؟	۲۷
۳۶۱-۳۵۷	سوم: قاضی کی طرف سے نائب بنانا	۳۲-۳۳
۳۵۸	قضاء میں نائب بنانے کا طریقہ	۳۳
۳۶۷-۳۵۸	استدانہ	۱-۲۳
۳۵۸	تعریف	۱
۳۵۸	متعلقہ الفاظ: استقرض، استلاف	۲
۳۵۹	استدانہ کا شرعی حکم	۴
۳۵۹	استدانہ کے الفاظ	۵
۳۶۳-۳۵۹	استدانہ کے اسباب و محرکات	۶-۱۱
۳۵۹	اول: حقوق اللہ کے لئے قرض لینا	۶
۳۶۲-۳۶۰	دوم: حقوق العباد کی ادائیگی کے لئے قرض لینا	۷-۱۱
۳۶۰	الف: اپنی ذات کے حق کے لئے قرض لینا	۷

صفحہ	عنوان	فقرہ
۳۶۱	ب: دوسرے کے حق کے لئے قرض لیا	۸
۳۶۱	اول: دین ادا کرنے کے لئے قرض لیا	۸
۳۶۱	دوم: بیوی پر خرچ کرنے کے لئے قرض لیا	۹
۳۶۱	سوم: بچوں اور رشتہ داروں پر خرچ کرنے کے لئے قرض لیا	۱۰
۳۶۲	محض مال کو مال بنانے کے لئے قرض لیا	۱۱
۳۶۲-۳۶۳	قرض لینے کے صحیح ہونے کی شرطیں	۱۲-۱۳
۳۶۲	شرط اول: قرض خواہ کا فائدہ نہ اٹھانا	۱۲
۳۶۳	شرط دوم: اس میں کوئی دوسرا عقد شامل نہ ہو	۱۳
۳۶۳	بیت المال وغیرہ (مثلاً وقف) سے یا اس کے لئے قرض لیا	۱۵
۳۶۴-۳۶۵	قرض لینے کے احکام	۱۶-۲۲
۳۶۵	الف: ملکیت کا ثبوت	۱۶
۳۶۵	ب: مطالبہ اور وصولیابی کا حق	۱۷
۳۶۶	ج: سفر سے روکنے کا حق	۱۸
۳۶۶	د: قرض دار کے پیچھے لگے رہنے کا حق	۱۹
۳۶۶	ھ: قرض کی ادائیگی پر مجبور کرنے کا مطالبہ	۲۰
۳۶۶	و: دیوالیہ مقرض پر پابندی	۲۱
۳۶۶	ز: مقرض کو قید کرنا	۲۲
۳۶۷	قرض خواہ اور مقرض کا اختلاف	۲۳
۳۶۷-۳۶۸	استدراک	۱-۱۴
۳۶۷	تعریف	۱
۳۶۸	متعلقہ الفاظ: اضراب، استثناء، قضاء، اعادہ، مہارک، اصلاح، استئناف	۲
۳۶۸-۳۶۹	قسم اول: لکن اور اس کے نظائر کے ذریعہ استدراک قولی	۹-۱۰
۳۷۰	استدراک کے الفاظ: لکن، لکن، بل، علی، الفاظ استثناء	۹
۳۷۱	شرائط استدراک	۱۰

صفحہ	عنوان	فقہ
۳۸۰-۳۷۳	قسم دوم	۱۱-۱۲
۳۷۳	استدراک جو نقص اور کمی کی تلافی کے معنی میں ہو	۱۱
	اول: استدراک جو شرعی طریقہ پر ادا کرنے میں واقع	۱۲
۳۷۴	ہونے والے نقص کی تلافی کے معنی میں ہو	
۳۷۴	عبادت میں پائے جانے والے نقص کی تلافی کے وسائل	۱۳
۳۷۵	دوم: اخبار و انشاء میں ہونے والے نقص کی تلافی	۱۴
۳۷۹-۳۷۷	استدلال	۱-۲
۳۷۷	تعریف	۱
۳۷۹	فقہاء کے کلام میں بحث کے مقامات	۲
۳۸۱-۳۷۹	استراق سمع	۱-۶
۳۷۹	تعریف	۱
۳۷۹	متعلقہ الفاظ: تجسس، تجسس	۲
۳۸۰	شرعی حکم	۳
۳۸۱	چھپ کر سننے کی سزا	۶
۳۸۳-۳۸۱	استرجاع	۱-۵
۳۸۱	تعریف	۱
۳۸۲	مصیبت کے وقت کب استرجاع مشروع ہے اور کب نہیں؟	۲
۳۸۳	استرجاع کا شرعی حکم	۵
۴۰۰-۳۸۳	استرداد	۱-۳۶
۳۸۳	تعریف	۱
۳۸۳	متعلقہ الفاظ: رد، ارتجاع، استرجاع	۲
۳۸۴	استرداد کا شرعی حکم	۳
۳۹۱-۳۸۴	حق استرداد کے اسباب	۵-۱۷
۳۸۴	اول: استحقاق	۵

صفحہ	عنوان	فقرہ
۳۸۵	دوم: غیر لازم تصرفات	۶
۳۸۶	سوم: اجازت کے نہ ہونے کے وقت عقد کا موقوف ہونا	۹
۳۸۶	چہارم: عقد کا فاسد ہونا	۱۰
۳۸۸	پنجم: مدت عقد کا ختم ہونا	۱۳
۳۸۹	ششم: اتالہ	۱۴
۳۸۹	ہفتم: انلاس	۱۵
۳۹۰	ہشتم: موت	۱۶
۳۹۱	نہم: رشد	۱۷
۳۹۱	واپس کے مطالبہ کے الفاظ	۱۸
۳۹۵-۳۹۲	واپس لینے کی صورت	۱۹-۲۶
۳۹۲	پہلی صورت: عین واپس لینا	۱۹
۳۹۳	اول: بیع فاسد اور غصب کے درمیان تعلق	۲۰
۳۹۳	الف: اضافہ کے ذریعہ تبدیلی	۲۱
۳۹۳	ب: کمی کے ذریعہ تبدیلی	۲۲
۳۹۴	ج: شکل و صورت کے ذریعہ تبدیلی	۲۳
۳۹۴	د: زمین میں پودا لگانے اور عمارت بنانے کے ذریعہ تبدیلی	۲۴
۳۹۴	دوم: بہہ میں روکا حکم	۲۵
۳۹۵	دوسری صورت: حقدار کے ذریعہ تلف کرنا	۲۶
۳۹۵	واپس لینے کا حق کس کو ہے	۲۷
۳۹۸-۳۹۶	واپس لینے کے موافق	۲۹-۳۴
۳۹۷	اول: اصل اور ضمان کے واپس لینے کا حق امور ذیل سے ساقط ہو جاتا ہے	۳۰
۳۹۷	الف: حکم شرع	۳۰
۳۹۸	ب: تصرف کرنا اور تلف کرنا	۳۱
۳۹۸	ج: تلف ہونا	۳۲

صفحہ	عنوان	فقہ
۳۹۸	دوم: حق ضمان کے باقی رہتے ہوئے اصل کے واپس لینے کے حق کا ساقط ہو جانا	۳۳
۳۹۸	سوم: قضاۃ نہ کہ دیانۃ عین اور ضمان کے واپس لینے کے حق کا ساقط ہونا	۳۴
۳۹۸	مانع کے ختم ہونے کے بعد واپس لینے کے حق کا لوٹ آنا	۳۵
۳۹۹	واپس لینے کا اثر	۳۶
۴۰۰-۴۰۲	استرسال	۵-۱
۴۰۰	تعریف	۱
۴۰۰	اجمالی حکم	۲-۲
۴۰۰	اول: بیع کے بارے میں	۲
۴۰۱	دوم: شکار سے متعلق	۳
۴۰۱	سوم: دلاء سے متعلق	۴
۴۰۲	بحث کے مقامات	۵
۴۰۲-۴۰۷	استرقاق	۲۵-۱
۴۰۲	تعریف	۱
۴۰۲	متعلقہ الفاظ: اُسْر، ہبی	۲
۴۰۳	استرقاق کا شرعی حکم	۳
۴۰۳	غلام بنانے کی مشروعیت کی حکمت	۴
۴۰۳	غلام بنانے کا حق کس کو ہے	۶
۴۰۴-۴۰۶	غلامی کے اسباب	۷-۱۴
۴۰۴	اول: کس کو غلام بنایا جائے گا	۷
۴۰۴	الف: وہ قیدی جو عملی طور پر مسلمانوں کے خلاف جنگ میں شریک رہے	۸
	ب: جنگ میں پکڑے گئے وہ قیدی جن کا قتل کرنا ناجائز ہے	۹
۴۰۵	مثلاً عورتیں اور بچے وغیرہ	
۴۰۵	ج: مسلمان ہونے والے قیدی مرد یا عورتوں کو غلام بنانا	۱۰
۴۰۵	د: دارالاسلام میں مرتد ہونے والی عورت	۱۱

صفحہ	عنوان	فقرہ
۴۰۵	حہ: عقد ذمہ کے توڑنے والے ذمی کو غلام بنانا	۱۲
۴۰۶	وہ وہ حربی جو دارالاسلام میں بغیر امان آجائے	۱۳
۴۰۶	زنا باندی سے پیدا ہونا	۱۴
۴۰۶	غلامی کا ختم ہونا	۱۵
۴۰۶	غلامی کے اثرات	۱۶
۴۰۸-۴۰۹	استسقاء	۵-۱
۴۰۸	تعریف	۱
۴۰۸	اجمالی حکم	۲
۴۰۹	بحث کے مقامات	۵
۴۱۰-۴۲۶	استسقاء	۲۷-۱
۴۱۰	تعریف	۱
۴۱۰	استسقاء کا شرعی حکم	۲
۴۱۱	مشروعیت کی دلیل	۳
۴۱۳	مشروعیت کی حکمت	۴
۴۱۳	استسقاء کے اسباب	۵
۴۱۴	استسقاء کی قسمیں اور ان میں افضل ترین قسم	۶
۴۱۵	استسقاء کا وقت	۷
۴۱۶	استسقاء کی جگہ	۸
۴۱۷	استسقاء سے قبل کے آداب	۹
۴۱۷	استسقاء سے قبل روزہ رکھنا	۱۰
۴۱۸	استسقاء سے قبل صدقہ	۱۱
۴۱۸	کچھ ذاتی آداب	۱۲
۴۱۸	دعا کے ذریعہ استسقاء	۱۳
۴۱۹	دعا و نماز کے ذریعہ استسقاء	۱۴

صفحہ	عنوان	فقرہ
۴۱۹	نماز کو خطبہ سے مقدم اور مؤخر کرنا	۱۵
۴۲۰	نماز استسقاء کا طریقہ	۱۶
۴۲۱	خطبہ کا طریقہ اور اس کے مستحبات	۱۷
۴۲۲	دعا کے منقول الفاظ	۱۸
۴۲۳	دعاء استسقاء میں ہاتھوں کو اٹھانا	۱۹
۴۲۳	صالحین کے وسیلہ سے استسقاء	۲۰
۴۲۴	نیک عمل کا وسیلہ	۲۰
۴۲۴	استسقاء میں چادر اٹھانا	۲۱
۴۲۴	چادر اٹھانے کا طریقہ	۲۲
۴۲۶-۴۲۵	استسقاء کرنے والے	۲۳-۲۷
۴۲۵	امام کا استسقاء سے پیچھے رہنا	۲۴
۴۲۵	کن لوگوں کا ٹکنا مستحب اور کن کا ٹکنا جائز اور کن کا ٹکنا مکروہ ہے	۲۵
۴۲۵	استسقاء میں جانوروں کو لے جانا	۲۶
۴۲۶	کفار اور اہل ذمہ کا ٹکنا	۲۷
۴۲۷-۴۲۷	استسقاء	۳-۱
۴۲۷	تعریف	۱
۴۲۷	اجمالی حکم اور بحث کے مقامات	۲
۴۲۷	استشارہ	
	دیکھئے: شوری	
۴۲۸-۴۳۰	استشراق	۸-۱
۴۲۸	تعریف	۱
۴۲۸	اجمالی حکم	۲
۴۳۰	بحث کے مقامات	۸

صفحہ	عنوان	فقہ
۴۳۰-۴۳۱	استشہاد	۴-۱
۴۳۰	تعریف	۱
۴۳۰	اجمالی حکم	۲
۴۳۱	بحث کے مقامات	۳
۴۳۱-۴۳۲	استصحاب	۶-۱
۴۳۱	تعریف	۱
۴۳۲	متعلقہ الفاظ: اقتباس، استضاء	۲
۴۳۲	استصحاب کا حکم	۳
۴۳۳	ناپاک چیز کی راکھ اور دھوئیں کے استعمال کا حکم	۵
۴۳۳	چراغ جلانے کے آداب	۶
۴۳۴-۴۳۵	استصحاب	۵-۱
۴۳۴	تعریف	۱
۴۳۴	متعلقہ الفاظ: باحت	۲
۴۳۵	استصحاب کی قسمیں	۳
۴۳۵	حجت استصحاب	۴
۴۳۵	حجت ہونے میں اس کا درجہ	۵
۴۳۶-۴۳۷	استصلاح	۷-۱
۴۳۶	تعریف	۱
۴۳۶	متعلقہ الفاظ: استحسان، قیاس	۲
۴۳۶	مناسب مرسل کی اقسام	۶
۴۳۶	استصلاح کا حجت ہونا	۷
۴۳۷-۴۳۸	استصناع	۱۳-۱
۴۳۷	تعریف	۱
۴۳۸	متعلقہ الفاظ: کوئی چیز بنانے کے لئے اجارہ، صنعتوں میں مسلم، جعالہ	۲

صفحہ	عنوان	فقرہ
۴۳۹	استصناع کے معنی	۵
۴۳۹	استصناع نفع ہے یا اجارہ	۶
۴۳۹	استصناع کا شرعی حکم	۷
۴۴۰	استصناع کی مشروعیت کی حکمت	۸
۴۴۰	استصناع کے ارکان	۹
۴۴۱	استصناع کی خاص شرطیں	۱۱
۴۴۱	استصناع کے عمومی اثرات	۱۲
۴۴۲	عقد استصناع کب ختم ہوتا ہے	۱۳
۴۴۲-۴۴۳	استطابہ	۲-۱
۴۴۲	تعریف	۱
۴۴۳-۴۴۶	استطاعت	۱۲-۱
۴۴۳	تعریف	۱
۴۴۳	متعلقہ الفاظ: احاطہ	۲
۴۴۳	استطاعت مکلف بنانے کی شرط ہے	۳
۴۴۳	استطاعت کی شرط	۴
۴۴۴-۴۴۵	استطاعت کی قسمیں	۱۱-۵
۴۴۵	تقسیم اول: مالی استطاعت اور بدنی استطاعت	۶
۴۴۵	تقسیم دوم: خود قادر ہونا اور دوسرے کے ذریعہ قادر ہونا	۸
۴۴۶	تقسیم سوم: استطاعت ممکنہ، استطاعت میسرہ	۱۰
۴۴۶	فراوان اور اعمال کے اعتبار سے استطاعت میں اختلاف	۱۲
۴۴۷-۴۴۷	استطلاق بطن	۲-۱
۴۴۷	تعریف	۱
۴۴۷	اجمالی حکم	۲

صفحہ	عنوان	فقہ
۴۴۸-۴۴۸	استقلال	۳-۱
۴۴۸	تعریف	۱
۴۴۸	اجمالی حکم	۲
۴۴۸	بحث کے مقامات	۳
۴۵۰-۴۴۹	استطہار	۴-۱
۴۴۹	تعریف	۱
۴۴۹	اجمالی حکم	۲
۴۴۹	قرآن کا زبانی پڑھنا	۲
۴۵۰	بیمین استطہار	۳
۴۵۰	بحث کے مقامات	۴
۴۹۷-۴۵۳	تراجم فقہاء	



موسوعه فقهيہ

اور رضا میں تلازم نہیں، کیونکہ بسا اوقات انسان ایک چیز کا ارادہ کرتا ہے جب کہ وہ اس کو پسند نہیں کرتا یعنی اس کو اس کی خواہش اور رغبت نہیں ہوتی، اسی وجہ سے علمائے عقیدہ نے اللہ تعالیٰ کے ارادے اور رضا میں فرق کیا ہے، اسی طرح فقہاء نے اکراہ وغیرہ کے باب میں ان دونوں کے درمیان فرق کیا ہے۔

ارادہ

تعریف:

۱- ارادہ کے لغوی معنی مشیت کے ہیں۔

فقہاء کے یہاں اس کا استعمال کسی چیز کا قصد کرنے اور اس کی طرف رخ کرنے کے معنی میں ہے (۱)۔

متعلقہ الفاظ:

الف- نیت:

۲- جب ارادہ کا مفہوم ذکر کیا جا چکا ہے تو نیت کی تفصیل یوں ہے کہ شافیہ کے یہاں نیت: کسی چیز کے قصد و ارادہ کا نام ہے، جب کہ یہ قصد و ارادہ اس چیز کو عمل میں لانے کے ساتھ ہو (۲)۔ اور ائمہ ثلاثہ کے یہاں نیت: دل کا کسی فعل کے حتمی طور پر کرنے کا ارادہ و عزم کرنا ہے (۳)۔ اس تفصیل کے مطابق نیت میں یہ امر دیکھا جاتا ہے کہ اس کا عمل سے ارتباط ہو، اس کے ارتباط کے بغیر اس کو نیت نہیں کہتے، جب کہ ارادہ میں یہ امر ملحوظ نہیں ہوتا ہے۔

ب- رضا (رضامندی):

۳- رضا: کسی کام کی رغبت اور اس کی طرف جھکاؤ ہے، پس ارادہ

(۱) المقنع ۳۸۳ طبع المطبعۃ المستوفیہ، البحر الرائق ۳۲۲/۳ طبع المطبعۃ العلمیہ، حاشیہ البحر علی منہج الطلاب ۳۸۵ طبع المکتبۃ الاسلامیہ دہلی دکرتر کی۔

(۲) نہایۃ المحتاج ۱/۳۳ طبع مصطفیٰ محمد۔

(۳) حاشیہ الطحاوی علی مراتب الاخلاق ۱۱۷ طبع المطبعۃ البعثیہ، حاشیہ الصغری علی الجوامع ۳۸۵ طبع مصطفیٰ البابی للجلس، المغنی مع الشرح المکبیر ۲۶/۳۔

ج- اختیار:

۴- اختیار کا لغوی معنی: ایک چیز کو دوسرے پر ترجیح دینا ہے۔ اور اصطلاح میں اختیار یہ ہے کہ جو چیز وجود و عدم دونوں کا احتمال رکھتی ہو، اس کے ان ہر دو پہلوؤں میں سے کسی ایک پہلو کو ترجیح دیتے ہوئے اس کا ارادہ کرنا۔ پس دونوں میں فرق یہ ہے کہ ارادہ میں ایک ہی امر کی طرف توجہ ہوتی ہے جب کہ اختیار میں دو پہلو سامنے آتے ہیں۔

اجمالی حکم اور بحث کے مقامات:

۵- الف- ارادہ صحیح تسلیم نہیں کیا جائے گا الا یہ کہ کسی ایسے شخص سے وہ ارادہ صادر ہو جو ارادہ کی اہلیت رکھتا ہو۔

فقہاء نے اس پر بحث کتاب الحجر میں اس مسئلہ کے ضمن میں کی ہے کہ بچے، پاگل، سفیہ اور دیوانے وغیرہ کے تعمرات فاسد ہیں، اور فقہاء نے ان کے ایسے ارادے کو کالعدم قرار دیا ہے، کیونکہ جن لوگوں سے اس کا صدور ہو رہا ہے وہ صاحب اہلیت نہیں، یا ایسا شخص ہے کہ اس کی اہلیت مقید ہے یا ناقص ہے۔

ب- ارادہ کے باب میں اصل یہ ہے کہ اس کا صدور ”اصیل“ کی طرف سے ہو (یعنی صاحب معاملہ و صاحب حق کی طرف سے ہو)، لیکن بسا اوقات دوسرے کا ارادہ بھی اصیل کے ارادے کے قائم مقام بن جاتا ہے، مثلاً وکالت میں وکیل کا ارادہ مؤکل کے ارادے کے قائم مقام

ہوتا ہے۔ کتب فقہ کی ”کتاب الوکالہ“ میں اس کی تفصیل موجود ہے۔
اور کبھی دوسرے کا ارادہ بالجبر اخیل کے ارادے کے قائم مقام
ہوتا ہے مثلاً ولی یا وصی ہونا، چنانچہ دوسرا شخص جو تصرفات انجام دیتا
ہے وہ فی الجملہ اخیل کے ذمہ لازم ہو جاتے ہیں (۱)۔ اصطلاح
”اجبار“ میں اس پر بحث آچکی ہے۔

ارادہ کو ظاہر کرنے والی تعبیرات:

۶- اصل یہ ہے کہ ارادہ کی تعبیر لفظ کے ساتھ کی جائے جو ارادہ کی
اہلیت رکھنے والے شخص سے صادر ہو، اور جو شخص بولنے سے عاجز ہو
اس کا اشارہ تلفظ کے قائم مقام ہو جاتا ہے، اسی طرح خط و کتابت،
خاموشی، لین دین، یا پنچیمتر آن اس کے قائم مقام ہوتے ہیں (۲)۔ اور
یہ بحث کتب فقہ کے مختلف ابواب مثلاً طلاق، نکاح اور بیوع وغیرہ
میں پھیلی ہوئی ہے، اور اسی وجہ سے فقہاء نے بہت سے احکام میں
کوئنگے کے اشارہ کو اس کے تلفظ کے درجہ میں شمار کیا ہے۔

ارادہ اور تصرفات:

۷- یہاں پر کچھ ایسے تصرفات بھی ہیں جن کے نتائج و آثار کے مرتب
ہونے کے لئے ایجاب و قبول کے درمیان مطابقت ضروری ہے، مثلاً
عقود، اس لئے کہ عقد: رشی کے دوسروں کو باندھنے سے ماخوذ ہے،
اور فقہاء نے عقد کو رشی کے مشابہ قرار دیا ہے، کیونکہ اس میں طرفین کی
ضرورت ہوتی ہے، اور نتیجتاً دو ارادے بھی لازم ہیں، مثلاً بیع، اجارہ،

(۱) مواہب الجلیل ص ۲۳۸۔

(۲) بدائع الصنائع ۵/۱۳۵، ۲۷۰ طبع شرکت المطبوعات ادلیہ مصر، حاشیہ ابن
عابدین ۳/۱۳ طبع بول بلاق، حامیۃ الدسوقی ص ۳۳ طبع عیسیٰ المہاجرانی،
نہایت المحتاج ۶/۲۶، الکافی ۲/۸۰۲ طبع بول، فتح القدیر ۵/۷۷ طبع
بولاق ۱۳۱۶ھ، الاشباہ والنظائر لابن نجیم مع حاشیہ الحموی ۱/۸۳، وراس کے
بعد کے صفحات طبع دارالمطابع العامۃ، البسوط ۱۱/۱۵۰۔

رہن، صلح، شرکت، مضاربہ، مزارعت، نکاح، خلع وغیرہ۔
جب کہ کچھ تصرفات اس قسم کے ہیں کہ ان کے آثار محض ارادہ
سے مرتب ہو جاتے ہیں، اور یہ تصرفات دو طرح کے ہیں:
نوع اول: وہ تصرفات جن میں ارادہ کو رد کرنے اور واپس لینے
سے واپس نہیں ہوتا، مثلاً وقف۔ تفصیلات کتب فقہیہ کے ابواب
وقف میں ہیں۔

نوع دوم: وہ تصرفات جن میں ارادہ کو رد کرنے اور واپس لینے سے
واپس ہو جاتا ہے، مثلاً اقرار (۱)۔ تفصیلات کتب فقہیہ کے ابواب
اقرار میں ہیں۔

۸- عاقدین کا ارادہ عقد کو وجود بخشتا ہے، اور تنہا ارادہ سے وہ
تصرفات وجود میں آتے ہیں جن کا تعلق عقود سے نہیں، جبکہ عقود کے
احکام و آثار صاحب شریعت کے مرتب کرنے کی وجہ سے ہیں،
بذات خود عاقد کے مرتب کرنے سے نہیں (۲)۔

۹- اگر کسی تصرف میں غلطی، یا دھوکہ دہی، یا عیب چھپانا، یا اکراہ پایا
جائے تو فی الجملہ یہ تصرف قائل ابطال ورد ہوتا ہے، جس کی صورت یہ
ہوتی ہے کہ جس کے ارادے میں اس طرح کی کمی پائی جائے اس کو
اختیار روئے دیا جائے (۳)۔

(۱) دیکھئے البسوط ۱۳/۱۲، المدخل النعمانی للورتقا، ص ۱۸۳، وراس کے
بعد کے صفحات، مصادر الحق فی الفقہ الاسلامی للمموری ۳/۱۰۳ طبع بیروت
البیان العربی۔

(۲) حاشیہ ابن عابدین ۳/۱۲۳۔

(۳) البسوط ۱۳/۱۲-۱۳۔

ہدی، یا عقیقہ کی بکری کو ذبح کرنے سے پہلے صدقہ کر دے تو قربانی، ہدی یا عقیقہ کی طرف سے کافی نہیں (۱)۔ فقہاء نے اس پر کتاب لأضاحی و کتاب الحج میں بحث کی ہے۔

اسی طرح شارع نے خون بہانے کو اس صورت میں بھی قربت و عبادت مانا ہے جب وہ خیر اور بھلائی کو وجود میں لانے کا ذریعہ ہو، جیسا کہ کفر و اور باغیوں سے جنگ کے واجب ہونے کا مسئلہ ہے کہ ان کا قتل ان کی سرکشی کے خاتمہ اور اللہ کے کلمہ کی سر بلندی کا ذریعہ ہے، اسی لئے اگر اس مقصد کی تکمیل خون بہائے بغیر ہو جائے تو اس سے گریز کرنا ضروری ہے، اور اسی وجہ سے اگر یہ لوگ اہل حق کی بات مان کر اسلام کے پرچم تلے آجائیں تو قتل و قتال ممنوع ہو جاتا ہے۔ فقہاء نے کتاب الجہاد اور کتاب البغاة میں اس کی تفصیلات ذکر کی ہیں۔

اسی طرح قصاص یا حد میں خون بہانا تاکہ لوگ سرکشی اور اللہ کی حرام کردہ چیزوں کی خلاف ورزی کرنے سے گریز کریں، فرمان باری ہے: ”وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيَاةٌ يَا أُولِي الْأَلْبَابِ“ (۲) (اور تمہارے لئے اے اہل فہم (قانون) قصاص میں زندگی ہے)۔ اور شارع نے ناحق اور ناجائز مقصد سے خون بہانا حرام قرار دیا ہے، اسی وجہ سے مسلمان یا ذمی کا ناحق قتل حرام ہے، اور بے ضرر جانور کا ذبح جب کہ کھانے کے لئے نہ ہو حرام کیا ہے، اور جس جانور کا کھانا جائز ہے اس جانور کا ذبح جب کہ غیر اللہ کے نام پر ہو حرام قرار دیا ہے (۳)۔ جیسا کہ فقہاء نے کتاب الذبائح میں اس کا ذکر کیا ہے۔ اور شارع نے خون بہانے کو اس صورت میں مباح قرار دیا ہے

(۱) البدائع ۶۹/۵ طبع مطبعہ الجمالیہ مصر ۱۳۲۸ھ۔

(۲) سورہ بقرہ ۱۷۹۔

(۳) جوہر الاکلیل ۲۰۹/۱، اور اس کے بعد کے صفحات، حاشیہ ابن ماجہ میں ۱۶۹/۵۔

إِراقۃ

تعریف:

۱- إراقۃ کا لغوی معنی: بہانا ہے، کہا جاتا ہے: ”أراق الماء“ یعنی اس نے پانی کو بہا دیا (۱)۔ فقہاء لفظ ”إراقۃ“ کو کئی طرح سے استعمال کرتے ہیں، اور ان سب مواقع میں گھوم پھر کر ”بہانا“ کے معنی پائے جاتے ہیں، مثلاً وہ کہتے ہیں: ”إراقۃ الخمر“ اور ”إراقۃ الدم“ ہر ایک میں بہانے کا مفہوم ہے۔

اجمالی حکم اور بحث کے مقامات:

الف- إراقۃ دم (خون بہانا):

۲- شریعت کی نظر میں ہدی (قربانی کا جانور جو حرم میں بھیجا جائے) اور قربانی اور عقیقہ میں پالتو جانوروں کا خون بہانا بذات خود قربت و عبادت ہے، ابن قیم نے کہا ہے: ”وہ ذبیحہ جو اللہ تعالیٰ کے قرب کا ذریعہ اور عبادت ہیں تین ہیں: ہدی، قربانی، اور عقیقہ“ (۲)۔ اور مرغینانی نے کہا ہے: ”ہدی میں وہی جانور جائز ہیں جو قربانی میں جائز ہیں، کیونکہ یہ خون بہانے سے تعلق رکھنے والی عبادت قربت ہے“ (۳)۔

کوئی اور عمل إراقۃ کے قائم مقام نہیں ہو سکتا، چنانچہ اگر قربانی،

(۱) المغرب فی ترتیب العرب۔

(۲) زاد المعاد فی ہدی خیر العباد ۲۳۵ طبع مصطفیٰ المہابی للجلس ۱۳۶۹ھ۔

(۳) الہدایہ ۱۸۵ طبع مصطفیٰ المہابی للجلس۔

اجازت کی ضرورت نہیں (۱)۔
اس کی تفصیل ”عزل“ کی اصطلاح میں آئی ہے، اور فقہاء نے
اس پر کتاب النکاح میں بحث کی ہے۔

اُراک

دیکھئے: ”استیاء“۔



جبکہ مقصد ایک انسان کے دوسرے انسان پر حملہ کا دفاع ہو (۱)، یا ایسی
شی کا حصول ہو جس کے ذریعہ سے وہ اپنے سے موت کو دفع کر سکے،
اگر اس شی کا حصول اس شخص کا خون بہائے بغیر ممکن نہ ہو جو اس کو زندہ
رکھنے والے سامان سے روک رہا ہو، درنحالیکہ وہ اس شخص کی حاجت
سے زائد ہو (۲)، اسی طرح ضرر رساں جانور کا خون بہانا مباح
ہے (۳)۔ فقہاء نے اس پر مختلف ابواب میں بحث کی ہے، مثلاً
”صیال“، ”جنايات“ اور ”حج“ میں جب وہ اس بابت گفتگو کرتے
ہیں کہ حرم کے لئے کن جانوروں کا مارنا جائز ہے۔

ب۔ نجاستوں کا بہانا:

۳۔ نجاستوں کا بہانا اس کو ضائع کرنا ہے، اور یہ فی الجملہ مطلوب
ہے اگر اس کی کوئی حاجت یا ضرورت نہ ہو، نجاستوں کو بہانے سے
متعلق جتنے احکام آتے ہیں وہ سبھی احکام نجاستوں کو ضائع کرنے
سے متعلق بھی آتے ہیں، اصطلاح ”اتلاف“ میں اس پر بحث
ہو چکی ہے۔

ج۔ منی کو بہانا:

۴۔ جماع کے وقت منی کو شرمگاہ سے باہر بہانے کو فقہاء ”عزل“
سے تعبیر کرتے ہیں، اور ”عزل“ حرہ (آزاد عورت) سے اس کی
اجازت کے بعد جائز ہے، جب کہ باندی سے عزل کرنے میں فی الجملہ

(۱) دیکھئے جوہر الاکلیل ۲/۲۹۷ طبع مطبعہ عباس، حاشیہ قلیوبی ۲/۲۰۶ طبع
مصطفیٰ البابی الجعلی، حاشیہ ابن عابدین ۵/۳۵۱ طبع اول بلاق، المغنی
۸/۳۳۹، اور اس کے بعد کے صفحات۔

(۲) المغنی ۸/۶۰۲، اور اس کے بعد کے صفحات۔

(۳) حاشیہ ابن عابدین ۵/۳۳۹، مؤطا امام مالک ۱/۳۵۳، نیل الاوطار
۵/۲۷ طبع المطبعۃ العثمانیہ مصریہ، عمدۃ القاری شرح البخاری: کتاب الصيد:
باب ما یعزل الحجر من الدواب۔

(۱) المغنی ۷/۲۳، ۲۴ طبع الریاض۔

اربعہ

تعریف:

۱- ”اربعہ“ کا لغوی معنی: حاجت و ضرورت ہے، اس کی جمع ”اربع“ آتی ہے، کہا جاتا ہے: ارب الرجل إلى الشيء، یعنی اسے اس چیز کی ضرورت پڑی (۱)۔ اور اصطلاحی معنی: عورتوں کی حاجت ہونا ہے (۲)۔

متعلقہ الفاظ:

غیر اولی الاربعہ:

۲- فخر الدین رازی نے کہا ہے: کہا گیا ہے کہ ان سے مراد وہ لوگ ہیں جو تمہارا بچا کھچا کھانا حاصل کرنے کے لئے تمہارے ساتھ ساتھ لگے رہتے ہیں، انہیں عورتوں کی ضرورت نہیں ہوتی، کیونکہ وہ بھولے بھالے ہوتے ہیں، عورتوں کے معاملات سے بالکل واقف نہیں، یا وہ نیک بزرگ لوگ ہیں کہ اگر عورتوں کے ساتھ ہوں تو نگاہیں جھکالیں، اور معلوم ہے کہ خصی اور منین (نامرد) وغیرہ کے پاس بسا اوقات نفس جماع کی صلاحیت و رغبت نہیں ہوتی، لیکن جماع کے علاوہ لطف اندوز ہونے کی شدید خواہش اور رغبت ہوتی ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ”غیر اولی الاربعہ“ سے یہ لوگ مراد نہیں، لہذا ان سے مراد وہ لوگ ہیں جن کے بارے میں قطعی طور پر معلوم ہو کہ ان کو کسی بھی طرح سے

لطف اندوز ہونے کی رغبت و حاجت نہیں، یا تو اس وجہ سے کہ ان کے اندر شہوت نہیں ہوتی، اور یا اس وجہ سے کہ وہ ان معاملات کو جانتے نہیں، اور یا فقر و مسکنت کی وجہ سے، ان تینوں صورتوں کی بنا پر علماء کی رائیں مختلف ہوئی ہیں، ان میں سے بعض نے کہا: غیر اولی الاربعہ سے مراد وہ فقراء ہیں جو فاقہ کش ہیں، بعض نے کہا: ان سے مراد معتوہ (کم عقل)، ابلہ (نا سمجھ) اور بچہ ہیں، بعض نے کہا: ان سے مراد بوڑھا شخص، اور وہ لوگ ہیں جن کے پاس شہوت نہیں، اور ان سب کا ہی اس لفظ کے تحت آنا ممکن ہے، لیکن اس میں بچہ کو شامل کرنا مناسب نہیں، جیسا کہ ابو بکر بن العربی نے کہا ہے، کیونکہ اس کا مستقل حکم موجود ہے یعنی فرمان باری ہے: ”أَوِ الطِّفْلِ الَّذِينَ لَمْ يَظْهَرُوا عَلَى عَوْرَاتِ النِّسَاءِ“ (۱) (اور ان لڑکوں پر جو ابھی عورتوں کی پردہ کی بات سے واقف نہیں ہوئے ہیں)۔

اجمالی حکم:

۳- حنفیہ کے یہاں رائج یہ ہے کہ خصی، مقطوع لہذکر، بوڑھا، غلام، فقیر، مخنث (زنخا)، کم عقل اور نا سمجھ، اجنبی عورت کو دیکھنے میں نفل (صاحب شہوت مرد) کی طرح ہیں، کیونکہ خصی بسا اوقات جماع کرتا ہے اور اس کے بچے کا نسب ثابت ہوتا ہے، اور محبوب بھی لطف اٹھاتا ہے اور ازال کرتا ہے، اور زنخا فاسق و گمراہ و امرد ہوتا ہے، جب کہ معتوہ اور ابلہ (نا سمجھ) میں شہوت ہوتی ہے، چنانچہ وہ کبھی ایسی چیزوں کو نقل کرتے ہیں جن کا وہ مشاہدہ کرتے ہیں (۲)۔ مالکیہ، شافعیہ اور حنابلہ کا قول اور حنفیہ کی بھی ایک رائے یہی ہے کہ عورتوں کی طرف

(۱) تفسیر فخر الدین الرازی ۲۳/۲۰۸، احکام القرآن لابن العربی ۳/۶۲، ۳، اور آیت سورہ نور ۳۱ کی ہے۔

(۲) ابن ماجہ ۲۳۹/۵، طبع اول بلاق، طبع دوم علی الدر ۱۸۶/۳، طبع المعرفہ، روح المعانی ۱۸/۱۲۳، طبع المیزان۔

(۱) المصباح للمیر لسان العرب، مادہ ”ارب“۔

(۲) تفسیر فخر الدین الرازی ۲۳/۲۰۸، طبع عبدالرحمن محمد۔

اُرت، ارتھاٹ ۱-۲

دیکھنے میں ”غیر اُولی الارْبَة“ کا حکم محرم کا ہے، وہ عورتوں کی زینت کی جگہوں مثلاً بال اور بازو کو دیکھ سکتے ہیں، اور عورتوں کے پاس آنے جانے میں بھی ان کا حکم محرم کا ہے، کیونکہ فرمان باری ہے: ”أَوِ التَّابِعِينَ غَيْرِ اُولَى الْاِرْبَةِ مِنَ الرِّجَالِ“ (۱) (اور ان مردوں پر جو طفیلی ہوں اور (عورت کی طرف) ان کو ذرا توجہ نہ ہو)۔

ارتھاٹ

تعریف:

۱- لغت میں ارتھاٹ یہ ہے کہ زخمی کو میدان جنگ سے اٹھالیا جائے اور وہ زخمی ایسا کمزور ہو کہ اس کو زخموں نے مڑ حال کر دیا ہو (۱)۔ کہا جاتا ہے: اُرتٹ الرجل (فعل مجہول کے ساتھ) یعنی اسے میدان جنگ سے زخمی حالت میں جبکہ اس میں رتق حیات باقی تھی، اٹھالایا گیا۔ اور فقہاء نے ارتھاٹ کی تعریف میں چند قیدوں کا اضافہ کیا ہے، ان کے یہاں اس کی تعریف یہ ہے: مقتولین کی صفت سے نکل کر دنیاوی حالت میں آجاء، اور مرتب: وہ شخص ہے جس کو میدان جنگ سے مکمل زندگی کی حالت میں منتقل کیا گیا ہو، مثلاً اس نے بات چیت کی، کھایا پیا، سویا یا خرید وخت کی، یا اتنی مدت زندہ رہا جس کو عرف میں دیر تک باقی رہنا کہتے ہیں، پھر اس کا انتقال ہو گیا (۲)۔

اجمالی حکم:

۲- مرتب کو غسل دیا جائے گا اور اس کی نماز جنازہ پڑھی جائے گی، کیونکہ دنیاوی احکام کے اعتبار سے وہ شہید نہیں سمجھا جاتا، لہذا اس پر شہداء کے احکام جاری نہ ہوں گے۔

اُرت

دیکھئے: ”اُرت“۔



(۱) لسان العرب، تاج العروس۔

(۲) بدائع الصنائع ۱/ ۳۲۱ طبع شرکت المطبوعات اطمیہ، حاشیہ الدسوقی مع الشرح الکبیر ۱/ ۵۲ طبع عیسیٰ الحلیمی، المغنی مع الشرح الکبیر ۲/ ۳۰۳ طبع مول المیزان نہایت النجاشی ۲/ ۹۰ طبع مصطفیٰ الحلیمی۔

(۱) حاشیہ طحاوی علی الدرر ۳/ ۱۸۶، الاطاب ۱/ ۵۰۰-۵۰۱ طبع لیبیا، البحر علی الطیب ۳/ ۳۱۳ طبع المعروف، المغنی ۷/ ۲۶۲ طبع مول المیزان آیت سورۃ نور ۳۱ کی ہے۔

دنیاوی احکام کے اعتبار سے کوک وہ شہید نہ ہو، لیکن ثواب کے حق میں وہ شہید ہے، اور اس کو شہیدوں کا ثواب ملے گا، کفار کے ساتھ جنگ کے بعد جو شخص اس طرح مر گیا اس کے بارے میں یہ اتفاقی مسئلہ ہے۔

البتہ باغیوں سے جنگ یا اہل عدل (غیر باغی) کی آپسی جنگ کے بعد جو شخص مرجائے اس کے غسل اور نماز جنازہ کے بارے میں فقہاء کا اختلاف ہے (۱)۔ دیکھئے: ”بغاة“۔

ارتفاق

تعریف:

۱- لغۃ ارتفاق کے معانی میں سے سہارا لینا اور نفع اٹھانا ہے۔ کہا جاتا ہے: ارتفق بالشیء: اس چیز سے فائدہ اٹھایا۔ مرافق الدار: پانی بہنے کی جگہیں وغیرہ، مثلاً مطبخ اور بیت الخلاء (۱)۔ اصطلاح میں حنفیہ نے ارتفاق کی تعریف یوں کی ہے کہ کسی جائیداد پر ثابت شدہ حق جو دوسری جائیداد کی منفعت کے لئے ہو ارتفاق ہے، اور مالکیہ نے اس کی تعریف یہ کی ہے: جائیداد سے وابستہ منافع کا حاصل کرنا (۲)۔ حنفیہ کے مقابلہ میں مالکیہ کے یہاں ”ارتفاق“ میں عموم زیادہ ہے، کیونکہ ان کی تعریف میں جائیداد کا دوسری جائیداد سے فائدہ اٹھانا تو ہے ہی، خود کسی شخص کا بھی جائیداد سے فائدہ اٹھانا اس میں شامل ہے۔

شافعیہ اور حنابلہ کے یہاں ارتفاق کی جو شکلیں ملتی ہیں ان کا حاصل یہ ہے کہ وہ اس سلسلہ میں مالکیہ سے متفق ہیں (۳)۔

بحث کے مقامات:

۳- فقہاء مرتب کے احکام باب الجنازہ اور باب البغاة میں ذکر کرتے ہیں۔

ارتداد

دیکھئے: ”ردۃ“۔

ارتزاق

دیکھئے: ”رزق“۔

(۱) القاموس، المصباح۔

(۲) النہجۃ علی شرح الفقہ ۲/۲۵۲، طبع المجلد، البحر الرائق ۶/۱۳۸، ۱۳۹، طبع العلمیہ۔

(۳) الاحکام السلطانیۃ للماوردی ص ۱۸۷، والابی یعلیٰ ص ۲۰۸، جامع الفصولین ۶۵/۱۔

(۱) سابقہ مراجع۔

ارتفاق ۲-۵

متعلقہ الفاظ:

الف- اختصاص:

۲- اختصاص: "اختصاصتہ بالشئ فاختص هو به" کا مصدر ہے (میں نے اس کو فلاں چیز کے ساتھ خاص کیا تو وہ اس کے ساتھ مخصوص ہو گیا) (۱)۔ اور جب ایک شخص کسی چیز کے ساتھ مخصوص ہو جائے، تو دوسرے کے لئے اس شخص کی اجازت کے بغیر اس چیز سے فائدہ اٹھانا ممنوع ہوتا ہے، لہذا اجازت کی شرط کے علاوہ دونوں میں فرق یہ ہے کہ ارتفاق کے اندر تو نفع اٹھانے میں شرکت متصور ہے، برخلاف اختصاص کے، نیز ارتفاق میں عیشتگی اور دوام کا پہلو غالب ہوتا ہے، برخلاف اختصاص کے کہ اس میں عدم دوام غالب ہوتا ہے۔

ب- حیا زہ یا حوز:

۳- حیا زہ یا حوز کے لغوی معانی ہیں: جمع کرنا اور ملانا۔

اصطلاحی معنی: کسی چیز پر ہاتھ رکھنا، اور اس پر قابض ہونا

ہے (۲)۔

ج- حقوق:

۴- حقوق، حق کی جمع ہے، اور حق لغت میں وہ امر ہے جو ثابت اور موجود ہو۔

فقہاء کی اصطلاح میں اس کا استعمال اس چیز کے لئے ہوتا ہے جو انسان کے مفاد میں شرعی طور پر اس کے لئے ثابت ہو۔ جائیداد سے متعلق حقوق اور مرافق کے درمیان ایک فرق وہ ہے جس کو ابن نجیم نے "جامع الفصولین" کے حوالہ سے نقل کیا ہے: "جائیداد کے

(۱) المصباح۔

(۲) البیہ علی ائمہ ۲/۲۵۲۔

دعوے میں جو "حقوق و مرافق" کا ذکر کیا جاتا ہے، تو حقوق سے پانی بہنے کا اور چلنے کا راستہ وغیرہ مراد ہوتا ہے، اور یہ بالاتفاق ہے، اور مرافق سے مراد امام ابو یوسف کے یہاں گھر کے منافع ہیں، اور ظاہر الروایہ میں مرافق سے مراد حقوق ہی ہیں (۱)۔

لہذا امام ابو حنیفہ کے قول کے مطابق مرافق اور حقوق ایک ہیں، اور امام ابو یوسف کے قول کے مطابق مرافق میں حقوق کی بہ نسبت عموم زیادہ ہے، کیونکہ اس سے مراد گھر کے وہ تمام متعلقات ہیں جن سے فائدہ اٹھایا جاتا ہے، جیسے وضو خانہ اور مطبخ، جیسا کہ ہستانی میں ہے، اور کسی شئی کا "حق" اس کے تابع اور اس کے لئے ناگزیر ہوا کرتا ہے جیسے راستہ اور پانی کا حق، اس لئے حق (بمقابلہ مرافق) خاص ہے (۲)۔

ارتفاق کا شرعی حکم:

۵- ارتفاق کا حکم اصلیا باحت ہے، جب تک نفع اٹھانے والے پر ضرر نہ ہو، یا دفع ضرر کے لئے وہ متعین نہ ہو، اور "ارتفاق" یعنی فائدہ پہنچانا مندوب و مستحب ہے کیونکہ حضور ﷺ نے اس کی ترغیب دی ہے فرمان نبوی ہے: "لا یمنع أحدکم جارہ أن یغرز خشبہ فی جدارہ" (۳) (تم میں سے کوئی بھی اپنے ہمسایہ کو اس بات سے نہ روکے کہ وہ اس کی دیوار میں لکڑی لگائے)۔ نیز فرمایا ہے: "لا یدخل الجنة من خاف جارہ بوائقہ" (۴) (وہ شخص جنت

(۱) الاحکام السلطانیہ للماوردی ص ۱۸۷، ولای بی بی علی ۲۰۰۸، جامع الفصولین ۱/۶۵، البحر الرائق ۱/۱۳۸ طبع اطمیہ۔

(۲) حاشیہ ابن ماجہ ص ۲۹۲ طبع بلاق۔

(۳) بخاری شریف مع فتح الباری ۱۱۰/۵ طبع استغیہ، مسلم شریف ۳/۱۲۳۰ طبع عیسیٰ الخلیل، الفاظ صحیح مسلم کے ہیں۔

(۴) مسند احمد ۲/۳۷۳ طبع المبرور، بیہمی نے مجمع الزوائد (۸/۱۶۹) طبع مکتبہ القدی میں کہا ہے اس کے رجال صحیح کے رجال ہیں۔

ارتفاق ۶-۸

میں نہیں جائے گا جس کا پڑوسی اس کے شر و فساد سے ڈرتا ہو۔

عوامی منافع سے ارتفاق اور اس میں ترجیح:

۸- حنا بلہ نے اس بات کی صراحت کی ہے کہ کشادہ شمار اہوں اور سرکوں اور آبادی کے درمیان کھلے ہوئے میدانوں میں بیٹھ کر بیع و شراء کے ذریعہ سہولت حاصل کرنا جائز ہوگا بشرطیکہ کسی کے لئے تنگی اور گزرنے والے کے لئے موجب ضرر نہ ہو، اس لئے کہ بھی زمانے اور بھی ملکوں میں بھی لوگوں نے بغیر نکیر کے اسے معمول بنا رکھا ہے، نیز اس لئے کہ یہ کسی کو ضرر پہنچائے بغیر مباح طور پر فائدہ اٹھانا ہے، لہذا اس کو ممنوع نہیں کہا جائے گا جیسا کہ راستوں اور میدانوں سے گزرنا ممنوع نہیں، امام احمد نے فرمایا: ہاٹ بازار کی دوکانوں (یعنی وہ جگہیں جو عارضی طور پر خرید وخت کرنے والوں کے لئے مہیا کی گئی ہیں) میں صبح سب سے پہلے آنے والی رات تک کے لئے اس کا حقدار ہے، گذشتہ زمانہ میں مدینہ کے بازار میں یہی نوعیت تھی، اور فرمان نبوی ہے: ”منیٰ مناخ من سبق“ (۱) (منیٰ اس شخص کی قیام گاہ ہے جو پہلے آجائے)۔ اور وہ اپنے سایہ کے لئے کوئی ایسی چیز رکھ سکتا ہے جس سے ضرر نہ ہو....، اگر وہ وہاں سے اٹھ کھڑا ہو اور اپنا سامان وہاں چھوڑ دے تو دوسرے کے لئے اس کو وہاں سے ہٹانا جائز نہیں، کیونکہ اس پر پہلے شخص کا قبضہ ہے، اور اگر وہ اپنا سامان منتقل کر لے تو دوسرا شخص وہاں بیٹھ سکتا ہے، کیونکہ اس کا قبضہ ختم ہو گیا، اور اگر کوئی شخص کسی ایسی جگہ پر بیٹھا، دوکان لگائی اور اسے طول دینا چاہا تو اس سے منع کیا جائے گا، اس لئے کہ وہ اس طرح مالک بننے والے کی طرح ہو جائے گا، اور ایسے نفع کو اپنے ساتھ خاص کر لے گا جس کے استحقاق میں دوسرے بھی اس کے برابر حق رکھتے ہیں، اور یہ بھی احتمال ہے کہ پھر وہ نہ ہٹایا جاسکے اس لئے کہ وہ جس جگہ پر آیا ہے

فائدہ پہنچانے والے کے رجوع کی صلاحیت کے اعتبار سے ارتفاق کی انواع:

۶- ارتفاق (فائدہ پہنچانا) یا تو محدود زمانہ کے لئے ہوگا، مثلاً ایک سال یا دس سال، یا ہمیشہ کے لئے ہوگا، ان صورتوں میں مرفق (فائدہ پہنچانے والا) پابند رہے گا اور اس پر فائدہ پہنچانا لازم ہوگا، مقررہ مدت سے قبل اس کے لئے اس سے رجوع کرنا جائز نہیں، یا ارتفاق کسی زمانہ کے ساتھ محدود نہیں بلکہ مطلق ہوگا، اس صورت میں اتنی مدت کے لئے پابندی ہوگی جس میں عادی پڑوسیوں کے معاملات میں اس جیسی چیزوں سے فائدہ اٹھایا جاتا ہے، اور اس سلسلہ میں دیوار میں لکڑی کاڑنا، دروازہ کھولنا، یا پانی سے سیراب کرنا وغیرہ جیسے تعمیر کے لئے صحن کو واپس لینا سب برابر ہے (۱)۔

رجوع کے تفصیلی احکام مقررہ ۲۴ میں آرہے ہیں۔

ارتفاق کے اسباب:

۷- کبھی ارتفاق حکم شارع سے وجود میں آتا ہے، اور یہ صورت عمومی اموال یا مباحات میں ہوتی ہے، جیسے غیر آبادی دار خسی کو آباد کرنا وغیرہ، اور کبھی مالک کی اجازت سے ذاتی اور شخصی جائیداد کی نسبت سے، یا اس تصرف کے تقاضہ کے نتیجے میں جس کا مفاد ارتفاق کا ثبوت ہو جیسے اجارہ اور وقف میں، اگرچہ حقوق ارتفاق سے انتفاع کی شرط نہ لگائی گئی ہو، اور کبھی ارتفاق استصحاب حال سے ثابت ہوتا ہے، اس حق کے پیدا ہونے کا سبب معلوم نہیں ہوتا، لیکن اس پر طویل مدت گزر جانے سے حق ارتفاق کا قدیم سے ثابت ہونا معلوم ہو جاتا ہے۔

(۱) حدیث: ”منیٰ مناخ من سبق“ کی روایت ابن ماجہ (۲/۱۰۰۰ طبع عیسیٰ الخلی) اور ترمذی (۳/۲۲۸ طبع عیسیٰ الخلی) نے کی ہے۔

(۱) البیہقی علی التلخیص ۲/۲۵۱، ۲۵۲۔

ارتفاق ۹

اگر وہ کسی عذر سے مثلاً کوئی چیز خریدنے کے لئے باہر جائے تو اس جگہ سے اس کا حق ختم نہیں ہوا، اگر چہ وہ اس جگہ اپنا سامان یا اپنا نامب نہ چھوڑ کر گیا ہو، اور اگر وقف کرنے والا اس میں اقامت کی مدت مقرر کر دے تو آنے والے اور نفع اٹھانے والے کے لئے اس سے زیادہ کٹھہر ناجائز نہیں، الا یہ کہ شہر میں کوئی ایسا شخص موجود نہ ہو جس پر واقف کی شرط منطبق ہو، اس لئے کہ عرف اس پر شاہد ہے کہ واقف مدرسہ کو خالی رکھنا نہیں چاہتا، اور اسی طرح واقف کی ہر شرط میں عرف پر عمل کیا جائے گا۔ اور کسی سرائے میں بلا ضرورت و مجبوری اقامت کی مدت تین دن سے زیادہ نہیں رکھی جائے گی (۱)۔

۹- ماوردی اور ابو یعلیٰ میں سے ہر ایک نے عوامی منافع سے فائدہ اٹھانے اور خاص طور پر بادشاہ کی اجازت ضروری ہونے یا نہ ہونے کا بیان تفصیل سے کیا ہے، چنانچہ انہوں نے کہا ہے: رہا ارتفاق تو وہ لوگوں کا بازار میں بیٹھنے کی جگہوں، سڑکوں کے دونوں طرف کشادہ جگہوں، شہروں کے ارد گرد کشادہ جگہوں، سفر کی منزلوں اور قیامگاہوں سے فائدہ اٹھانا ہے، اور اس کی تین قسمیں کی ہیں: ایک قسم وہ ہے جس میں خاص طور پر صحرائی علاقوں اور بیابانوں سے فائدہ اٹھانا ہوتا ہے، دوسری قسم خاص طور پر شخصی املاک کے کھلے حصوں اور میدانوں سے فائدہ اٹھانا، اور تیسری قسم: سڑکوں اور راستوں سے فائدہ اٹھانے کے ساتھ خاص ہے۔

قسم اول کی دو صورتیں ہیں: ایک تو یہ کہ وہ قافلہوں کے گزرنے اور اس میں مسافروں کی استراحت کے لئے ہو، اس میں سلطان کا کوئی اختیار نہیں اس لئے کہ سلطان اس سے دور ہوتا ہے اور چلنے والوں کو اس کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس سلسلہ میں سلطان کی خصوصی

وہاں اس سے پہلے کوئی مسلمان نہیں پہنچا، اور اگر وہ آدمی ایک ساتھ پہنچیں تو گنجائش ہے کہ ان میں قریب اندازی کی جائے، اور یہ بھی گنجائش ہے کہ امام جس کو مناسب سمجھے آگے بڑھا دے، اور اگر بیٹھنے والے سے گزرنے والوں کو تکلیف ہوتی ہو تو اس کے لئے اس جگہ بیٹھنا جائز نہیں، اور نہ امام کے لئے جائز ہے کہ اس کو وہاں بیٹھنے دے، نہ معاوضہ کے ساتھ نہ بلا معاوضہ (۱)۔

تقریباً اسی کی تصریح شافعیہ نے کی ہے، رٹی نے کہا ہے: اگر کسی کو مسجد یا مدرسہ میں کسی جگہ سے افس ہو جائے، جہاں وہ لوگوں کو فتویٰ دے، یا قرآن پڑھائے، یا کوئی شرعی علم یا اپنا کوئی ہنر سکھائے، یا مذکورہ چیزوں کو سیکھنے کے لئے ایسا کرے، مثلاً کسی استاد کے سامنے درس سننے کے لئے، تو یہ سڑک پر لین دین کرنے کے لئے بیٹھنے والے کی طرح ہے، لیکن اس کے لئے شرط یہ ہے کہ اس کی طرف سے افادہ یا استفادہ پایا جائے، بلکہ سڑک پر لین دین کے لئے بیٹھنے والے کے مقابلہ میں اس کا حق بدرجہ اولیٰ ہوگا، کیونکہ اس جگہ پابندی سے بیٹھنے میں اس کا ایک مقصد ہے کہ لوگ اس سے مانوس ہو جائیں، اور جس حدیث میں مساجد میں مستقل جگہ بنانے کی ممانعت آئی ہے وہ حدیث دوسری چیزوں کے ساتھ خاص ہے، اور اس کے لئے امام کی اجازت کی بھی شرط نہیں، اور اگر (ایک جگہ مستقل بیٹھنے والا) مدرس نہ رہے تو دوسرا اس جگہ بیٹھ سکتا ہے، تاکہ اس جگہ کا فائدہ جاری رہے۔

اگر کوئی خیراتی رباط (سرائے) میں کسی جگہ سب سے پہلے پہنچ جائے (۲) اور اس شخص پر اس کی شرط منطبق ہو، یا کوئی فقیر کسی مدرسہ میں، یا محتاج قرآن قرآنی تعلیم کی عمارت میں، یا صوفی خانقاہ میں پہلے پہنچ جائے (۳) تو اس کو تنگ کر کے وہاں سے ہٹایا نہیں جائے گا، اور

(۱) المغنی ۵/۵۷۶، ۵۷۷ طبع مکتبۃ الریاض۔

(۲) نہایۃ المحتاج ۵/۳۳۵، قد رے بکثرت کے ساتھ۔

(۳) الفتاویٰ البرازیلیہ حاشیۃ الفتاویٰ الہندیہ ۶/۱۱۳-۱۱۶، الحجۃ فی شرح الحجۃ ۲۲

= ۳۳۵-۳۳۲۔

(۱) نہایۃ المحتاج ۵/۳۳۵۔

ارتفاق ۹

ذمہ داری ہوگی کہ اس گزرگاہ کی خرابی کو درست رکھے اور تانلوں کے لئے پانی کا انتظام کرے اور تانلوں کے نزول کے لئے سہولت فراہم کرے، اور جو اس منزل پر پہلے پہنچے وہ کوچ کر جانے تک بعد میں آنے والوں سے وہاں ٹھہرنے کا زیادہ حقدار ہوگا، اگر کچھ لوگ ایک ساتھ وہاں پہنچ جائیں اور نزاع کی صورت پیدا ہو جائے تو بادشاہ غورو فکر کے ذریعہ ان میں مساوات کی شکل نکال کر نزاع کو ختم کرائے، ایسے ہی خانہ بدوش لوگ اگر کسی زمین کی تلاش میں چارہ حاصل کرنے، چراگاہوں سے فائدہ اٹھانے اور ایک زمین سے دوسری زمین میں منتقل ہونے کے لئے نکلیں، تو وہ زمین جس کو انہوں نے چھوڑا اور جہاں سے انہوں نے نقل مکانی کی تو وہ اس زمین میں دیگر تانلوں اور مسافروں کی طرح شمار کئے جائیں گے، ان کے منتقل ہونے اور ان کے جانوروں کے چرانے پر کوئی اعتراض نہیں کیا جاسکتا۔

دوسری شکل یہ ہے کہ اترنے والے اس جگہ اس لئے اتر رہے ہیں تاکہ اس کو مستقل اقامت گاہ اور وطن بنائیں، تو اب بادشاہ کی ذمہ داری ہے کہ ان کے اس قیام پر نظر رکھے اور مناسب ترین جو بات ہو اس کی رعایت کرے، اگر ان کا قیام راستہ چلنے والوں کے لئے باعث ضرر ہے تو ان کو روکا جائے گا، وہاں اترنے سے پہلے بھی اور اترنے کے بعد بھی۔ اور اگر راستہ چلنے والوں کو ان کے قیام سے کوئی دشواری نہیں تو ان کو وہاں اترنے کی اجازت دینے اور نہ دینے، اور دوسروں کو وہاں منتقل کرنے کے بارے میں جو بات زیادہ بہتر ہو اس کی رعایت کرے، چنانچہ حضرت عمرؓ نے جب کوفہ اور بصرہ کو آباد کیا تو یہی کیا، اور ان دونوں شہروں میں جن لوگوں کو مناسب سمجھا منتقل کیا، تاکہ مسافروں کا یہاں اجتماع فتنہ و فساد اور خون ریزی کا سبب نہ بن جائے، جیسے حاکم بنجر زمین کے لاٹ کرنے میں مصلحت کی

رعایت رکھتا ہے۔ اور اگر وہ وہاں اترنے سے قبل اجازت نہ لیں تو ان کو اس سے نہ روکے، جیسا کہ اگر کوئی بنجر زمین کو بلا اجازت آباد کر دے تو اس کو اس سے روکا نہیں جاتا، اور ان کے مفادات کے پیش نظر وہاں تدبیر و انتظام کرے، اور نئے سرے سے اجازت لئے بغیر اور اجازت سے زیادہ تصرف و اضافہ کرنے سے ان کو روکے، کثیر بن عبد اللہ (عن ابیہ عن جدہ) نے نقل کیا ہے کہ: کچھ ایسے لوگ حضرت عمرؓ بن خطاب کے ساتھ عمرہ کرنے آئے، تو راستہ کے چشمے والوں نے ان سے اس امر پر گفتگو کی کہ مکہ و مدینہ کے درمیان کچھ مکانات و منزلیں تعمیر کر لیں جو اب تک نہ تھیں، تو انہوں نے ان کو تعمیر کی اجازت دے دی، اور شرط رکھی کہ مسافر پانی اور سایہ کا زیادہ حقدار ہوگا۔

دوسری قسم: خاص طور پر عمارتوں اور شخصی املاک کے کھلے حصوں سے فائدہ اٹھانا، اس سلسلہ میں قائل لحاظ امر یہ ہے کہ اگر مالکان کو اس سے نقصان پہنچتا ہے تو فائدہ اٹھانے والے کو روک دیا جائے گا، اور اگر ان کا نقصان نہیں تو اجازت کے بغیر ان سے فائدہ اٹھانے کے مباح ہونے کے بارے میں دوقول ہیں:

پہلا قول: اس سے فائدہ اٹھانا جائز ہے اگرچہ مالکان اس کی اجازت نہ دیں، کیونکہ عمارت کے اطراف کا صحن ایسی جگہ ہے جو سہولت رسائی کے لئے ہی بنایا گیا ہے، جب اس کے مالکان اس میں سے اپنا حق وصول پالیں تو باقی میں دوسرے لوگ ان کے ساتھ برابر فائدہ اٹھانے کا حق رکھتے ہیں۔

دوسرا قول: مالک مکان کی اجازت کے بغیر مکان کے سامنے کے صحن سے فائدہ اٹھانا جائز نہیں، کیونکہ یہ مالکان کی املاک کے تابع ہے، لہذا وہ اس کے زیادہ حقدار ہوں گے، اور اس کو اپنے تصرف میں لانے کے بارے میں ان کو زیادہ خصوصیت حاصل ہے۔

ارتفاق ۱۰-۱۳

جامع مسجدوں اور عام مسجدوں کے سامنے و اطراف کے میدانوں کے بارے میں قابل غور امر یہ ہے کہ اس سے فائدہ اٹھانے میں اگر مساجد میں آنے جانے والوں کو دقت پیش آتی ہے تو ممنوع ہے، اور بادشاہ کے لئے اس کی اجازت دینا جائز نہیں، کیونکہ نمازی اس کے زیادہ حقدار ہیں، اور اگر اس سے ان کو کوئی نقصان نہیں تو فائدہ اٹھانا جائز ہے۔

تیسری قسم: سرکوں اور عام راستوں کے اطراف سے فائدہ اٹھانا، اس کے بارے میں وہی تفصیل ہے جو اوپر گزری (۱)۔

حنفیہ کے یہاں حقوق ارتفاق:

۱۰- ماسبق سے یہ بات واضح ہو چکی ہے کہ حنفیہ ارتفاق کا اطلاق اس چیز پر کرتے ہیں جس سے فائدہ اٹھایا جائے، اور یہ خاص ہے ان چیزوں کے ساتھ جو توابع میں سے ہوں، مثلاً پانی کا حق، پانی کی گزرگاہ، راستہ، گزرنے کا حق، پانی کے بہنے کی جگہ اور پڑوس۔ امام ابو یوسف نے ارتفاق کو گھر کے منافع کے ساتھ خاص کیا ہے۔ ان تمام مذکورہ مرافق میں سے ہر ایک کی مخصوص اصطلاح ہے، لہذا یہاں یہی کافی ہے کہ ان مرافق میں سے ہر ایک کا تعارف کرا دیا جائے اور اس کا حکم بیان کر دیا جائے، اور تفصیلات ان سے متعلق خاص اصطلاحات کے لئے چھوڑ دی جائیں۔

شراب:

۱۱- شرب کا لغوی معنی ہے: پانی کا حصہ (۲)۔

اصطلاحی معنی: اراضی کے لئے پانی کا حصہ، دوسری چیزوں کے

(۱) الاحکام السلطانیہ للماوردی ص ۱۸۷، اور اس کے بعد کے صفحات طبع لکھنؤ، ولا بی بلی ص ۲۰۸، اور اس کے بعد کے صفحات طبع لکھنؤ۔

(۲) المصباح۔

لئے پانی کے حصہ کو شرب نہیں کہتے۔

اس کا رکن پانی ہے کہ وہی اس کا دار و مدار ہے۔

اس کے جائز ہونے کی شرط یہ ہے کہ وہ شرب میں حصہ دار ہو۔

اور اس کا حکم سیراب کرنا ہے، اس لئے کہ کسی شئی کا حکم وہی ہوتا

ہے جس کے لئے وہ عمل میں لایا جاتا ہے (۱)۔

مسئل الماء (نالہ):

۱۲- مسئل: بہنے کی جگہ، مسئل الماء: پانی بہنے کی جگہ (۲)۔ اگر کسی شخص کے لئے قدیم حق و معمول کی بنا پر دوسرے کی املاک میں جاری پانی کے بہنے کی جگہ، یا پانی لانے کی جگہ پائی جاتی ہو تو اس زمین والے کو اس سے روکنے کا حق نہیں ہوگا (۳)۔ اگر کسی گھر کا بارش کے پانی کا نالہ زمانہ قدیم سے اس کے پڑوسی کے گھر پر ہو تو پڑوسی کو اس سے روکنے کا حق نہیں، اور حق مسئل کی شکل یہ ہے کہ ایک آدمی کے پاس زمین ہے اور اس زمین کا پانی بہنے کی جگہ دوسری زمین میں ہو (۴)۔

حق تسبیل (پانی بہانے کا حق):

۱۳- اس کی شکل یہ ہے کہ کسی کے پاس ایک گھر ہو اور اس گھر کے لئے پانی بہانے کا حق دوسرے گھر کی چھتوں پر ہو یا دوسرے گھر کی زمین پر ہو (۵)۔

طریق (راستہ):

۱۴- حاشیہ ابن عابدین میں ہے: راستے تین ہیں: ایک راستہ وہ

(۱) الفتاویٰ الہندیہ ۳۹۰/۵ طبع الاسلامیہ۔

(۲) المصباح۔

(۳) مجلۃ الاحکام دفعہ ۶۔

(۴) حاشیہ ابن عابدین ۱۸۳/۳۔

(۵) حوالہ سابق ۱۸۳/۳۔

ہے جو شارع عام پر نکلتا ہے، دوسرا: جو بندگلی میں نکلتا ہے، تیسرا: کسی انسان کی ملکیت میں مخصوص راستہ (۱)۔
ان کو استعمال میں لانے کے احکام آگے آئیں گے۔

حق مرور (گزرنے کا حق):

۱۵- وہ یہ ہے کہ کسی کو دوسرے شخص کی زمین پر گزرنے کا حق ہو۔
اس کا حکم یہ ہے جیسا کہ ”مجلۃ الاحکام“ کی دفعہ (۱۲۲۵) میں تصریح ہے کہ: ”اگر کسی شخص کو کسی دوسرے شخص کے صحن میں گزرنے کا حق ہے تو صحن کے مالک کو گزرنے اور عبور کرنے سے روکنے کا حق نہیں۔“

دفعہ ۱۲۲۴ میں مرافق میں حقوق کے ثابت ہونے کے متعلق ایک عام حکم کی تصریح کی گئی ہے وہ یہ ہے کہ: ”حق مرور، حق بحری، اور حق مسیل میں قدامت کا اعتبار ہے، یعنی ان چیزوں کو ان کی سابقہ قدیم حالت پر باقی رکھا جائے گا، کیونکہ دفعہ (۶) کے مطابق قدیم چیز اپنی سابقہ حالت پر باقی رہتی ہے اور اس میں کوئی تبدیلی نہیں ہو سکتی الا یہ کہ اس کے خلاف کوئی دلیل قائم ہو جائے، البتہ اگر کوئی قدیم چیز شریعت کے خلاف ہو تو اس کا اعتبار نہیں، یعنی اگر معمول بہ چیز اصل کے اعتبار سے غیر مشروع ہو تو اس کا اعتبار نہیں اگرچہ قدیم ہو، اور اگر اس میں کوئی ضرر فاحش (کھلا نقصان) ہو تو اس کو ختم کر دیا جائے گا، مثلاً اگر کسی گھر کی گندگی شارع عام سے ہو کر بہتی ہو تو اس کو بند کر دیا جائے گا، کوک قدیم ہو، جب کہ اس سے گزرنے والوں کو تکلیف ہوتی ہو، اس لئے کہ ایسی چیز کے نقصان و ضرر کا ازالہ کیا جائے گا، اور اس کی قدامت کا اعتبار نہیں کیا جائے گا۔“

اس دفعہ کی تشریح میں اتاسی نے کہا ہے: کہ اس کی قدامت کا

اعتبار نہیں جبکہ وہ غیر مشروع ہو اگرچہ اس کا ضرر خاص ہو، جیسے کہ ایک شخص کے مکان میں ایک روشن دان ہے جو اس کے ہمسایہ کی عورتوں کے اٹھنے بیٹھنے کی جگہ پر کھلتا ہے تو اس ضرر کا دور کرنا ضروری ہے، اگرچہ وہ قدیم ہو، جیسا کہ فتاویٰ حامد یہ میں یہ فتویٰ دیا ہے: کہ جب ضرر واضح ہو تو قدیم و حادث کے درمیان کوئی فرق نہیں۔ پھر اگر وہ مشروع ہے مثلاً بینہ شریعہ سے ثابت ہے کہ پڑوسی نے یہ تعمیر اس کے بعد کی ہے کہ وہ روشن دان ایک افتادہ زمین پر کھلتا تھا تو ایسی صورت میں اس ضرر کا ازالہ واجب نہیں ہے (۱)۔

حق تعلی (اوپر کی فضا کے استعمال کا حق):

۱۶- ”مجلۃ الاحکام“ کی دفعہ (۱۱۹۸) میں تصریح ہے کہ ہر شخص کو اپنی مملوک دیوار کے اوپر کی فضا کو استعمال کرنے اور جو چاہے اس میں تعمیر کرنے کا حق ہے، اور جب تک ضرر فاحش نہ ہو اس کا پڑوسی اس کو نہیں روک سکتا۔

اس دفعہ کی تشریح میں اتاسی نے کہا: پڑوسی کے اس خیال کا اعتبار نہیں کہ اس تعمیر سے اس کی ہوا اور دھوپ رک جائے گی، جیسا کہ ”حامد یہ“ میں اس کے بارے میں فتویٰ مذکور ہے، کیونکہ اس میں ضرر فاحش نہیں، اور ”افقویہ“ میں ہے: اپنی دیوار پر تعمیر کرنے کا ہر شخص کو حق ہے جو سطح تہی اس سے زائد، پڑوسی اس کو روک نہیں سکتا، اگرچہ وہ آسمان کی بلندی تک پہنچ جائے۔ میری رائے ہے کہ یہ اس صورت میں مسلم ہے جب کہ اونچا کرنے سے پڑوسی کے گھر کے صحن سے ہوا اور دھوپ رکتی ہو، لیکن اگر اونچا کرنے سے اس کے لکڑی کی چھت والے گھر کی چھت سے ہوا اور دھوپ رک جائے تو ظاہر یہ ہے کہ اس کو اس سے روکا جائے گا، جیسا کہ متأخرین کا فتویٰ ہے۔

(۱) شرح مجلۃ الاحکام العدلیہ ۱۶۷/۳ طبع مصر۔

(۱) حاشیہ ابن ماجہ ص ۱۸۰۔

حق جوار:

۱۷- مجلہ کی دفعہ (۱۲۰۱) میں تصریح ہے کہ: منافع جو حوائج اصلیہ میں سے نہیں ہیں مثلاً ہوا کو روکنا اور کھڑکی کو بند کرنا، یا دھوپ کو نہ آنے دینا ضرر فاحش (کوئی بڑا ضرر) نہیں، البتہ بالکلیہ دھوپ کو روکنا ضرر فاحش ہے، لہذا اگر کوئی نئی تعمیر کرے جس سے پڑوسی کے گھر کی کھڑکی بند ہو جائے اور اس قدر اندھیرا ہو جائے کہ وہ اندھیرے کی وجہ سے پڑھ نہیں سکتا تو چوں کہ یہ ضرر فاحش ہے اس لئے پڑوسی اس عمارت کو ہٹوا سکتا ہے، اور یہ نہیں کہا جائے گا کہ دروازہ روشنی کے لئے کافی ہے، کیونکہ سردی وغیرہ کی وجہ سے دروازے کو بند کرنے کی ضرورت پڑتی ہے، اور اگر اس جگہ دو کھڑکیاں ہوں، نئی تعمیر سے ایک کھڑکی بند ہوگئی تو یہ ضرر فاحش نہیں (۱)۔

اور روکنے کی علت ضرر فاحش کا پایا جانا ہے، پس اگر ضرر فاحش موجود ہو تو عمل سے روک دیا جائے گا ورنہ مباح ہوگا۔

حنفیہ کے یہاں حقوق ارتفاق یہی ہیں۔

۱۸- عرف اور عام لوگوں کے استعمال کے لحاظ سے دوسرے حقوق ارتفاق بھی ہو سکتے ہیں، لہذا اگر استعمال کی وجہ سے دوسرے حقوق ارتفاق وجود میں آئیں تو ان پر بھی سابقہ احکام نافذ ہوں گے، چنانچہ عوامی ذرائع مواصلات مثلاً ٹرینیں، ہوائی جہاز، گاڑیاں، اور عام جگہوں میں لوگوں کے بیٹھنے کی جگہیں اور اس انداز کی دوسری چیزوں کا معاملہ یہ ہے کہ یا تو ہر سوار کے لئے پہلے سے ایک سیٹ مخصوص کر دی جائے، اگر ایسا ہے کہ ہر شخص کے لئے سیٹ خاص ہے تو دوسرا آدمی اس سیٹ پر اس کی اجازت کے بغیر نہیں بیٹھ سکتا، اور اگر مسافروں کے لئے سیٹیں مخصوص نہیں تو ہر سوار جس سیٹ پر پہلے پہنچ جائے بیٹھ سکتا ہے، اور جو بھی چیزیں اس قبیل کی ہوں گی سب کا یہی

(۱) مجلہ الاحکام العدلیہ۔

حکم ہے۔

۱۹- فقہاء مالکیہ اور حنابلہ نے سابقہ مراتب کے احکام ”ارتفاق“ کے بجائے دوسرے عنوانات سے ذکر کیے ہیں، چنانچہ مالکیہ نے ”دفع ضرر اور سد ذرائع“ کے باب میں، شافعیہ نے ”ترجم حقوق“ کے باب میں، اور حنابلہ نے ”صلح“ کے باب میں ان کا تذکرہ کیا ہے۔

حقوق ارتفاق میں تصرف:

۲۰- جمہور فقہاء کا قول ہے کہ راستے دو طرح کے ہیں: نافذ (کھلا ہوا)، اور غیر نافذ (بند)۔ کھلا راستہ مباح ہوتا ہے، کسی کی ملکیت نہیں ہوتا، اور ہر شخص اپنی ملکیت (مکان وغیرہ) کا دروازہ اس میں حسب منشا کھول سکتا ہے، اور عام لوگ اس کو اپنے استعمال میں اس طور پر لاسکتے ہیں کہ چلنے والوں کو تکلیف نہ ہو۔

بند راستہ ان لوگوں کی ملکیت ہوتا ہے جن کے دروازے اس میں کھلتے ہوں، لیکن ان لوگوں کی ملکیت نہیں جن کی دیواریں راستہ سے لگی ہیں، اور ان کا دروازہ اس راستہ میں نہیں کھلتا۔ لہذا جن لوگوں کے دروازے اس میں کھلتے ہیں وہی لوگ اس راستے کے مالک اور اس میں شریک ہیں، کوئی دوسرا شخص ان کی رضا مندی کے بغیر اس میں کوئی چھبہ نہیں نکال سکتا، اور نہ ہی گزرنے کے لئے دروازہ کھول سکتا ہے، یہ مسئلہ مالکیہ، شافعیہ اور حنابلہ تینوں مذاہب میں ہے۔

۲۱- مالکیہ، شافعیہ اور حنابلہ نے پانی کے حصہ کی کلی یا جزوی طور پر بیع اور املاک کے حقوق (مثلاً حق مرور، حق بحری اور حق تعلی) کی بیع بوقت ضرورت و حاجت جائز قرار دی ہے، اور منافع اگرچہ معدوم ہوں ان کا عقد و معاملہ لوگوں کی آسانی کے لئے جائز قرار دیا ہے، لیکن انہوں نے چھتوں پر پانی بہانے کے حق اور اس کو کرایہ یا عاریت کے طور پر دینے کے بارے میں یہ شرط رکھی ہے کہ وہ چھتیں معلوم ہوں

ارتفاق ۲۲-۲۴

تابع ہو کر ممکن ہے، اس لئے کہ ظاہر روایت کے اعتبار سے وہ مال منقول نہیں، اور اسی پر فتویٰ ہے، اور شرح وہبانیہ سے نقل کیا ہے کہ بعض علماء نے اس کی بیع جائز قرار دی ہے، پھر کہا: اگر (تقاضی کی طرف سے) اس کی بیع کی صحت کا فیصلہ ہو جائے تو مانع ہوگا (۱)۔

۲۳- رہا حق مسیل تو اگر اس مقدار کی واضح تحدید کر دی جائے جس میں پانی ہے گا تو اس کی بیع جائز ہے، اور اگر اس کی وضاحت نہ ہو تو جہالت کی وجہ سے ناجائز ہے، اور بذات خود مسیل کی بیع تو حق مسیل کی بیع کے بغیر بھی جائز ہے بشرطیکہ اس کی تحدید کر دی جائے، اور حق مرور کی بیع زمین کے تابع ہو کر بلا اختلاف جائز ہے، اور تنہا اس کی بیع ایک روایت میں جائز ہے، اس کو عام مشائخ نے لیا ہے، سائحانی نے کہا: یہی صحیح ہے اور اسی پر فتویٰ ہے۔

حق تعلیٰ کی بیع جائز نہیں، حق تعلیٰ اور حق مرور میں فرق یہ ہے کہ حق مرور کا تعلق بذات خود زمین سے ہوتا ہے، اور زمین مال ہے جو اور عین (سامان) ہے جب کہ حق تعلیٰ کا تعلق فضا سے ہے اور وہ عین نہیں، ایک دوسری روایت میں ہے کہ تنہا حق مرور کی بیع ناجائز ہے، اور ابو الیث نے اسی کو صحیح کہا ہے۔

حق شرب کی بیع تابع ہو کر بی جائز ہے، یہی صحیح ہے، جیسا کہ فتح القدیر میں ہے، اور فقہاء کے کلام کا ظاہر یہ ہے کہ یہ باطل ہے، ”الغانیہ“ میں کہا: یہ بیع فاسد ہونی چاہئے نہ کہ باطل، کیونکہ ایک روایت میں اس کی بیع جائز ہے، اور بعض مشائخ نے اسی کو لیا ہے (۲)۔

فائدہ پہنچانے والے کے رجوع کے احکام اور ارتفاق پر رجوع کا اثر:

۲۴- لکڑی گاڑنے کا فائدہ پہنچانے کے بارے میں معتد یہ ہے کہ

(۱) حاشیہ ابن عابدین ۱۳/۱۳ طبع لا مریہ۔

(۲) حاشیہ ابن عابدین ۱۳/۱۳۔

جہاں سے پانی جاری ہوگا، اور جن پر جاری ہوگا۔ اسی طرح انہوں نے دیوار وغیرہ کے اوپری حصہ کو اس پر تعمیر کے لئے عاریت کے طور پر دینے کو جائز کہا ہے۔ نیز عاریت اور کرایہ پر دی جانے والی عام چیزوں کی طرح ان کو کرایہ پر بھی دیا جاسکتا ہے، چنانچہ اگر وہ تعمیر کے حق کو یا معین بلندی کو بیچ دے تو خریدار اس پر تعمیر کا حقدار ہے (۱)۔

۲۲- حنفیہ کے یہاں جیسا کہ حاشیہ ابن عابدین میں ہے راستے تین طرح کے ہیں:

وہ راستہ جو شارع عام پر کھلتا ہے، وہ راستہ جو بندگلی میں جاتا ہے، اور کسی انسان کی ملکیت میں مخصوص راستہ۔ تیسری قسم کا راستہ بیع (خرید و فروخت) میں اس وقت تک داخل نہیں ہوتا جب تک اس کا ذکر، یا حقوق کا ذکر، یا مرافق کا ذکر نہ کر دیا جائے، جب کہ اول الذکر دونوں قسم کے راستے بغیر تذکرہ کے بیع میں داخل ہیں، اور اس سے مراد بذات خود راستہ کو بیچنا ہے حق مرور کو نہیں، لہذا اگر کسی کا گھر دوسرے کے گھر کے اندر ہو، اور اس کے گھر تک راستہ اس دوسرے کے گھر کے اندر سے ہو کر جاتا ہے تو اس کی دشمنی ہے، یا تو اس کو اس میں صرف حق مرور حاصل ہے، یا بذات خود راستہ اس کا ہے، اب اگر وہ بذات خود راستہ کو بیچ دے تو درست ہے، پھر اگر اس کی تحدید کر دے تو ظاہر ہے، ورنہ اس کو بڑے دروازے کی چوڑائی کے بقدر راستہ ملے گا۔

اس راستے اور بندگلی والے راستے میں فرق یہ ہے کہ اول الذکر راستہ بیچنے والے کی ملکیت ہوتا ہے جب کہ مؤخر الذکر راستہ میں تمام گلی والے شریک ہیں، اور اس میں عام لوگوں کا بھی حق ہوتا ہے (۲)۔

پانی کے حصہ کی فروخت، جبہ، کرایہ پر دینا، اور صدقہ زمین کے

(۱) تہذیبہ للحکام ۳/۱۶، المدونہ ۶/۱۹۳، اسنی الطالب والری ۳/۲۱۹-۲۲۶، المغنی ۳/۵۳۔

(۲) حاشیہ ابن عابدین ۱۳/۱۳۔

ارث

تعریف:

۱- ارث کے لغوی معانی میں سے: اصل، اور وہ پرانی چیز جو بعد والے کو پہلے والے کی وراثت میں ملے ہو، اور ہر چیز کا بقیہ حصہ ہے، اور اس کا ہمزہ اصل میں واو ہے (۱)۔

ارث بول کر کسی چیز کا ایک قوم سے دوسری قوم میں منتقل ہونا مراد لیا جاتا ہے۔

اس سے وراثت میں ملنے والی چیز کو بھی مراد لیا جاتا ہے (۲)۔

اس اطلاق کے اعتبار سے قریب قریب یہی معنی ترک کا ہے۔

”علم میراث“ (جس کو علم فرائض بھی کہتے ہیں) ایسے فقہی و حسابی اصول کا جاننا ہے جن سے ترکہ میں ہر ایک کا حق معلوم ہو جائے (۳)۔

ارث کے اصطلاحی معنی: شافعیہ اور حنابلہ میں سے تقاضی افضل الدین خوئی نے اس کی یہ تعریف کی ہے: کہ ارث وہ قابل تقسیم حق ہے جو اس کے مستحق کے لئے قرابت یا کسی اور وجہ سے اس شخص کے مرنے کے بعد ثابت ہوتا ہے جس کی وہ شئی ملکیت ہو (۴)۔

(۱) القاموس المحیط ۱/ ۶۷۔

(۲) اعداب الفائض ۱/ ۱۶، حاشیہ البتری ص ۱۰۔

(۳) الدرر وحاشیہ ابن عابدین ۵/ ۹۹، المشرح الکبیر ۳/ ۵۶، نہایت المحتاج

۲/ ۴، اعداب الفائض ۱/ ۶۲۔

(۴) اعداب الفائض ۱/ ۱۶، حاشیہ البتری ص ۱۰۔

اجازت کے بعد اس میں رجوع نہیں، مدت لمبی ہو یا تھوڑی، اور (فائدہ اٹھانے والا) باحیات ہو یا مرگیا ہو، ابدتہ اگر دیوار گر جائے تو دوبارہ گاڑنے کے لئے نئے ارفاق (اجازت) کی ضرورت ہوگی، رہا تعمیر کے لئے صحن کو واپس لیا تو اگر اس کی کوئی مدت مقرر نہیں کی تھی تو رائج یہ ہے کہ اس کو رجوع کا حق ہے اگرچہ اتنی مدت نہ گذری ہو جس کے لئے عادتاً اس قسم کا ارفاق و اعادہ ہوتا ہے، لیکن مرفق کے ذمہ ضروری ہے کہ مرفق نے جو کچھ خرچ کیا ہے وہ یا اس کی قیمت ادا کرے۔

صحن اور دیوار میں فرق یہ ہے کہ بعض اہل علم کی رائے ہے کہ اگر دیوار والا گریز کرے تو بھی دیوار کو عاریتہ دینے کا فیصلہ کیا جائے گا، بشرطیکہ عاریتہ دینے میں اس کا کوئی نقصان نہ ہو، اور یہی امام شافعی، ابن کنانہ اور ابن حنبل کا قول ہے۔

صحن کے بارے میں جو جواز رجوع کا ذکر آیا ہے یہی ”المدونہ“ میں مذہب ذکر کیا گیا ہے۔

ابن رشد اور ابن زرقون نے ایسی زمین کا حکم دیوار میں بھی جاری کیا ہے، کیونکہ ان میں سے ہر ایک منفعت ہے، اور ابن زرقال نے اسی کو رائج قرار دیتے ہوئے کہا ہے: ظاہر یہ ہے کہ مذہب میں صحن اور دیوار کے درمیان اس حکم میں کوئی فرق نہیں کہ ان میں سے ہر ایک کا مالک رجوع کر سکتا ہے، بشرطیکہ کسی مدت کے ساتھ مقید نہ کیا ہو، جبکہ وہ مرفق ان میں سے ہر ایک کو اس کا خرچہ دے دے، ورنہ اس کے لئے اس مدت کے گذر جانے کے بعد ہی رجوع کرنا جائز ہے جس میں عاریتہ لینے والا فائدہ اٹھا سکے، معلوم یہ ہوا کہ صحن میں رجوع کے جواز کے بارے میں دو رائیں ہو گئی ہیں (۱)۔

(۱) المسجد علی الخدیج ۳/ ۳ طبع الاسلامیہ۔

ارث کی اہمیت:

۲- ارکان دین سے واقفیت کے بعد فرائض کا علم اہم ترین علوم میں سے ہے، رسول اکرم ﷺ نے اس کے سیکھنے اور سکھانے کی ترغیب دی ہے، چنانچہ حضرت ابن مسعودؓ کی روایت میں ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”تعلّموا القرآن وعلموه الناس، وتعلّموا الفرائض وعلموها الناس، فإنّی امرؤ مقبوض، وسيقبض هذا العلم من بعدی حتی يتنازع الرجال فی فريضة فلا يجلدان من يفصل بينهما“ (۱) (قرآن سیکھو اور لوگوں کو سکھاؤ، فرائض سیکھو اور اُسے لوگوں کو سکھاؤ، کیونکہ میں مرنے والا ہوں، اور میرے بعد یہ علم سمیٹ لیا جائے گا یہاں تک کہ کسی فريضہ کے متعلق دو آدمیوں میں نزاع ہوگی تو ان کو کوئی ایسا نہیں ملے گا جو ان دونوں کے درمیان فیصلہ کر دے)۔

صحابہ کرام جب کہیں اکٹھا ہوتے تو ان کی اکثر گفتگو علم فرائض پر ہوتی تھی، اور اسی وجہ سے ان کی تعریف ہوئی ہے۔

ارث کا فقہ سے تعلق:

۳- فقہائے مذاہب میراث پر گفتگو کرتے ہوئے اپنی کتابوں میں علم فرائض کا عنوان قائم کرتے ہیں (۲)۔ بعض فقہاء نے عام کتب فقہ سے الگ علم فرائض پر مستقل کتابیں لکھی ہیں، اور یہ سلسلہ دوسری صدی ہجری سے مسائل فقہیہ کی تدوین کے آغاز کے ساتھ شروع ہوا۔

(۱) حدیث: ”تعلّموا القرآن....“ کو حاکم (۳۳۳/۲) طبع دائرة المعارف العثمانیہ (اور ترمذی (تحفۃ الاحوذی ۶/۲۶۵ طبع کردہ المکتبۃ السنن) نے روایت کیا ہے اور ترمذی نے کہا اس حدیث میں اضطراب ہے۔
(۲) ادب الفرائض ۸/۸، نہایت المختار ۶/۲۶۵ طبع کردہ المکتبۃ الاسلامیہ، المغنی ۱۶۵/۶ طبع المریاض۔

دوسری اور تیسری صدی میں اول اول جن لوگوں نے علم فرائض پر مستقل کتابیں لکھیں ان میں ابن شبرمہ، ابن ابی لیلیٰ، اور ابو ثور ہیں۔ ان دو صدیوں کے دوران لکھی گئی فقہی کتابیں فرائض کے احکام کے تذکرہ سے خالی ہیں، مثلاً امام حنوں کی ”المدونۃ“، امام محمد بن الحسن کی جامع کبیر و جامع صغیر، اور امام شافعی کی کتاب الام۔

اور کتب حدیث کا معاملہ اس کے برخلاف رہا ہے کہ وہ عام احکام فقہ کے ساتھ فرائض کے احکام پر بھی مشتمل ہیں، جیسے مؤطا مالک، مصنف ابن ابی شیبہ، صحیح بخاری و صحیح مسلم۔

فقہی کتابوں میں فرائض کے احکام کا تذکرہ چوتھی صدی سے پہلے نہیں ہوا، مثلاً رسالہ ابن زید مالکی، اور حنفیہ میں ”مختصر قدوری“، اور پھر یہی سلسلہ جاری رہا۔

ارث کی مشروعیت کی دلیل:

۴- میراث کا ثبوت کتاب اللہ، سنت رسول اللہ اور اجماع امت سے ہے۔

کتاب اللہ میں آیات میراث دلیل ہیں، اور سنت نبویہ میں کئی احادیث ہیں، مثلاً فی زمان نبوی: ”الْحَقُّوا الْفَرَائِضَ بِأَهْلِهَا فَمَا بَقِيَ فَلْأُولَىٰ دَجَلٌ ذُكِرَ“ (ذوی الفروض یعنی حصہ والوں کو ان کا مقررہ حصہ دے دو، اور جو مال (ان کا حصہ دے کر) بچ رہے وہ قریب کے مرد درشتہ دار (یعنی عصبہ) کا ہے) (۱)، اور مثلاً جدّ لام (مائی) کے وارث ہونے کا ثبوت، جو اس طرح ہے کہ حضرت مغیرہ اور حضرت ابن سلمہ نے حضرت عمرؓ کے سامنے گواہی دی کہ حضور ﷺ نے مائی کو وراثت دی ہے، جب کہ اس کا ثبوت قرآن

(۱) حدیث: ”الْحَقُّوا الْفَرَائِضَ....“ کی روایت بخاری (فتح الباری ۱۲/۱۱ طبع السنن) اور مسلم (۳۳۳/۳ طبع عیسیٰ الحلبي) نے کی ہے۔

ارث ۵

شریف سے نہیں ہے (۱)۔

رہا اجماع امت، مثلاً جدۃ لآب (داوی) کا وارث ہونا تو حضرت عمرؓ کے اجتہاد سے ثابت ہے جو اجماع کے عموم میں داخل ہے، اس میں قیاس کا کوئی دخل نہیں۔

وراثت کے احکام میں مدرج:

۵۔ اہل جاہلیت کے یہاں وراثت کی بنیاد و چیزیں تھیں: نسب اور سب۔

نسب کی بنیاد پر وراثت کا حقدار عورتوں اور بچوں کو نہیں قرار دیتے تھے، اس کی بنیاد پر وہی وارث ہوتا تھا جو جنگ کر سکے اور مال غنیمت جمع کر سکے، ابن عباس اور سعید بن جبیر وغیرہ سے یہی مروی ہے، یہاں تک کہ آیت: ”وَيَسْتَفْتُونَكَ فِي النِّسَاءِ قُلِ اللَّهُ يُفْتِيكُمْ فِيهِنَّ“۔۔۔ (لوگ آپ سے عورتوں کے باب میں فتویٰ طلب کرتے ہیں آپ کہہ دیجئے اللہ تمہیں ان کے بارے میں (وہی) فتویٰ دیتا ہے۔۔۔) اللہ تعالیٰ کے قول ”وَالْمُسْتَضْعَفِينَ مِنَ الْوُلْدَانِ“ (۲) (اور جو) آیات (کمزور بچوں کے باب میں ہیں) تک نازل ہوئی، اسی طرح اللہ تعالیٰ نے آیت کریمہ ”يُؤْصِيكُمُ اللَّهُ فِي أَوْلَادِكُمْ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنثِيَيْنِ“ (۳) (اللہ تمہیں تمہاری اولاد (کی میراث) کے بارے میں حکم دیتا ہے مرد کا حصہ دو عورتوں کے حصہ کے برابر ہے) نازل فرمائی۔

(۱) سنن ابوداؤد ۸۱/۳ طبع المطبعة الانصاریہ دہلی، سنن ترمذی ۲۷۷/۶، ۲۷۸ مع تخریج الاحوذی، سماع کردہ المکتبۃ السنن، ابن حجر وغیرہ نے اس حدیث کو انقطاع کی وجہ سے معلول کہا ہے۔ دیکھئے: تخریص المیر ۸۲/۳ طبع شرکت المطابع النعیمیہ لمتحدہ قاسمہ، حاشیہ ابن عابدین ۲۹۹/۵ طبع سوم لاہور۔

(۲) سورہ نساء ۱۲۷۔

(۳) سورہ نساء ۱۱۔

رسول اکرم ﷺ کی بعثت کے بعد نکاح، طلاق اور میراث وغیرہ میں عہد جاہلیت کا طور طریقہ رائج رہا یہاں تک کہ انہیں ان جاہلی طور طریقوں سے ہٹا کر شرعی احکام عطا کئے گئے۔

ابن جریر کا بیان ہے: میں نے عطاء سے عرض کیا: کیا آپ کو یہ بات پہنچی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے لوگوں کو نکاح، یا طلاق، یا میراث کے بارے میں اسی طور طریقہ پر باقی رکھا جو لوگوں میں رائج دیکھا؟ تو انہوں نے کہا: ہم کو اس کے علاوہ کوئی اور بات نہیں پہنچی (۱)۔

سعید بن جبیر سے ان کا یہ قول مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے رسول اکرم ﷺ کو مبعوث فرمایا اور کسی چیز کا حکم یا ممانعت آنے سے پہلے لوگ جاہلیت کے طور و طریقے پر قائم رہتے تھے، اور جاہلیت کا طور و طریقہ ہی ان میں رائج رہا۔

وہ اسباب جو ان کے درمیان وراثت کی تقسیم کی بنیاد ہوا کرتے تھے وہ دو تھے: ایک عقد و معاہدہ اور دوسرے کسی کو تھنی (لے پا لک) بنالیا۔ پھر اسلام آیا تو کچھ دنوں تک یہی طریقہ رائج رہا، پھر منسوخ ہو گیا، لہذا کچھ لوگ یہ کہتے ہیں: قرآنی نص کی وجہ سے ان میں آپس میں معاہدہ کی بنیاد پر وراثت چلتی تھی، پھر منسوخ ہو گئی، آیت کریمہ: ”وَالَّذِينَ عَقَدَتْ أَيْمَانُكُمْ فَآتَوْهُمْ نَصِيحَتَهُمْ“ (۲) (اور جن لوگوں سے تمہارے عہد بندھے ہوئے ہیں انہیں ان کا حصہ دے دو) کے متعلق شیبان نے قاعدہ کا قول نقل کیا ہے کہ دور جاہلیت میں ایک شخص دوسرے سے یہ کہہ کر معاہدہ کر لیتا تھا کہ میرا خون تیرا خون، میری عزت پر آج تیری عزت پر آج ہے، میں تمہارا اور تم

(۱) الجصاص ۲/۹۰۔

(۲) سورہ نساء ۳۳، ”عقدت“ مامم، حمزہ اور کسائی کی قراءت ہے قراءۃ سرعہ میں سے بقیہ نے ”عقدت“ پڑھا ہے دیکھئے الجصاص ۲/۹۰-۹۱ طبع المبرور۔

جائیں جو وفات سے قبل کے عین ترکہ سے متعلق ہیں، مثلاً رہن رکھی ہوئی چیزیں، کیونکہ مورث بحالت حیات ان چیزوں میں تصرف نہیں کر سکتا جن سے دوسرے کا حق متعلق ہو گیا ہے، لہذا وفات کے بعد بدرجہ اولیٰ اس کا ان میں کوئی حق نہ رہے گا۔

اگر پورا ترکہ قرض میں رہن رکھا ہوا ہو تو مورث (میت) کی تجہیز و تکفین قرض کی ادائیگی کے بعد ہی ہوگی، یا اس حصہ میں سے ہوگی جو قرض کی ادائیگی کے بعد بچ جائے گا، اگر قرض کی ادائیگی کے بعد کچھ نہ بچے تو اس کی تجہیز و تکفین ان لوگوں کے ذمہ ہوگی جن پر اس کا نفقہ بحالت حیات واجب ہے (۱)۔

حنابلہ کا مذہب اور حنفیہ کی غیر مشہور روایت یہ ہے کہ اگر انسان مر جائے تو ہر چیز سے پہلے اس کی تجہیز و تکفین کی جائے، جیسا کہ اس شخص کا نفقہ جسے دیوالیہ قرار دیا گیا ہو قرض خواہوں کے قرض پر مقدم کیا جاتا ہے، اور تجہیز و تکفین کے بعد بقیہ سارے مال میں سے اس کے قرضے کو ادا کیا جائے گا (۲)۔

۷۔ البتہ ان قرضوں کے بارے میں اختلاف ہے جو تجہیز و تکفین کے بعد ادا کئے جائیں گے۔

چنانچہ حنفیہ کہتے ہیں: اگر قرض بندوں کا ہو تو تجہیز و تکفین کے بعد باقی ماندہ سے قرض کی مکمل ادائیگی ہو جائے تو ٹھیک ہے، اور اگر ادائیگی نہ ہو سکے، اور قرض خواہ ایک ہو تو باقی ماندہ مال اس کے حوالہ کر دیا جائے گا، اور جو قرض اس کا میت سے چاہے تو اسے معاف کر دے، اور چاہے تو دار جزاء کے لئے چھوڑ دے۔

اگر قرض خواہ کئی ہوں، اور سارا قرض دین صحت ہو یعنی قرضدار کی صحت کے زمانہ میں بینہ یا قرار سے اس کے ذمہ ثابت ہو چکا ہو،

میرے وارث ہو، اور میری وجہ سے تمہاری طلب اور تمہاری وجہ سے میری طلب ہوگی۔ راوی کہتے ہیں: چنانچہ وہ اسلام میں بھی پورے مال کے چھٹے حصے کے وارث ہوتے تھے، پھر اہل میراث اپنی میراث لیتے تھے، پھر یہ حکم منسوخ ہو گیا، اور یہ فرمان باری آگیا: ”وَأُولُوا الْأَرْحَامِ بَعْضُهُمْ أَوْلَىٰ بِبَعْضٍ“ (۱) (اور رحم کا رشتہ رکھنے والے ایک دوسرے سے زیادہ قریب ہیں)۔

ترکہ سے متعلقہ حقوق اور ان میں ترتیب:

۶۔ ارث کا ایک لغوی استعمال: ترکہ کے معنی میں ہے (۲)۔ جمہور کے یہاں اس کی اصطلاحی تعریف یہ ہے: میت کے چھوڑے ہوئے اموال و حقوق۔ اور حنفیہ کی اصطلاح میں ترکہ یہ ہے: میت کے چھوڑے ہوئے اموال، جب کہ ان اموال میں سے دوسرے کا حق متعلق نہ ہو، لہذا حنفیہ کے یہاں اصل وضابطہ یہ ہے کہ صرف انہی حقوق میں وراثت جاری ہوگی جو مال کے تابع، یا مال کے معنی میں ہوں، مثلاً حق تعلیٰ اور حقوق ارتفاق، لیکن حق خیار و حق شفعہ اور وصیت شدہ چیز سے انتفاع کے حق میں حنفیہ کے یہاں وراثت جاری نہیں ہوتی (۳)۔ اور بالاتفاق ترکہ میں وہ دیت داخل ہوتی ہے جس کا وجوب قتل خطا کی وجہ سے یا قتل عمد میں صلح کی وجہ سے ہو، یا اس وجہ سے ہو کہ بعض اولیاء کے معاف کرنے کی وجہ سے قصاص کے بجائے مال واجب ہو گیا ہے، لہذا اس دیت میں سے میت کے قرض ادا کئے جائیں گے، اور اس کی وصیت نافذ کی جائے گی۔

مالکیہ، شافعیہ کا مذہب، اور حنفیہ کے یہاں مشہور روایت یہ ہے کہ میت کے ترکہ سے سب سے پہلے میت کے وہ قرض ادا کئے

(۱) حاشیہ ابن ماجہ ص ۵/ ۶۳، ۸۳ شرح السراجیہ ص ۴، الشرح الکبیر

ص ۵۷، نہایت المحتاج ص ۶۷۔

(۲) ادب القاضی ص ۱۳ طبع مصطفیٰ مجلس۔

(۱) سورۃ احزاب ۶، نیز حوالہ سابق۔

(۲) القاسوس۔

(۳) نہایت المحتاج ص ۶۷، ادب القاضی ص ۱۳، الشرح الکبیر ص ۵۷۔

یا سب کا سب دین مرض ہو یعنی حالت مرض میں میت کے قمار کی وجہ سے ان کا ثبوت ہو، تو تمام قرض داروں کے قرضوں کی مقدار و تناسب کے اعتبار سے بقیہ مال ان میں تقسیم کر دیا جائے گا۔

اگر دین صحت اور دین مرض دونوں ہوں تو دین صحت کو مقدم کیا جائیگا، کیونکہ وہ زیادہ قوی ہے، اس لئے کہ حالت مرض میں تہائی سے زیادہ تبرع کرنے کی اس پر پابندی ہے، لہذا اس صورت حال میں اس کے قمار میں بھی ایک طرح کی کمزوری مائی گئی ہے۔

اگر حالت مرض میں ایسے دین کا قمار کرے جس کے ثبوت کا علم مشاہدہ سے ہو، مثلاً وہ کسی ایسے مال کے عوض میں واجب دین ہو جو اس کی ملکیت میں داخل ہوا ہو، یا اس نے اس کو خرچ کر لیا ہو تو یہ دین، دین صحت ہوگا، کیونکہ اس کا وجوب اس کے قمار کے بغیر معلوم ہے، اس لئے وہ حکم میں دین صحت کے مساوی ہوگا۔

اگر دین حقوق اللہ میں سے ہو، مثلاً روزہ، نماز، زکاۃ، حج فرض، نذر، کفارہ، اور میت اس کی وصیت کر جائے تو بندوں کے قرض کی ادائیگی کے بعد بقیہ مال کے تہائی سے اس کی وصیت نافذ کرنا ضروری ہے، اور اگر بغیر وصیت کے مر گیا تو واجب نہیں (۱)۔

مالکیہ نے کہا ہے: تجنیز و تکفین کے بعد میت کے وہ قرض ادا کیے جائیں گے جو اس کے ذمہ بندوں کے لئے ثابت ہیں، خواہ ان کا کوئی ضامن ہو یا نہ ہو، اور خواہ قرضوں کی مدت پوری ہو چکی ہو یا دین مؤجل ہوں، کیونکہ دین مؤجل کی مدت موت کے بعد پوری ہو جاتی ہے، پھر ہدی تمتع کو ادا کیا جائے گا اگر وہ جمرہ عقبہ کی رمی کرنے کے بعد مر گیا ہو، اس کی وصیت کرے یا نہ کرے، پھر صدقہ فطر اگر اس میں کوتاہی کی گئی ہو، اور دوسرے کفارات جن میں کمی رہ گئی ہو، مثلاً قسم، روزہ، ظہار، اور قتل کا کفارہ، اگر حالت صحت میں کواہ بنا چکا ہو کہ وہ

اس کے ذمہ ہیں۔ یہ بھی حقوق پورے مال سے نکالے جائیں گے، ان کے نکالنے کی وصیت کی ہو، یا نہ کی ہو اس لئے کہ مالکیہ کے یہاں یہ طے ہے کہ اگر انسان اپنے ذمہ حقوق اللہ کے وجوب کا حالت صحت میں کواہ بنا دے تو کل مال سے نکالے جاتے ہیں، ان کی وصیت کرے یا نہ کرے، لیکن اگر ان کی وصیت کی، کواہ نہیں بنایا، تو تہائی مال سے نکالے جائیں، اور جن کفارات کا کواہ بنا چکا ہے مالکیہ کے نزدیک وہ اس سامان کی زکاۃ کی طرح ہے جس کی ادائیگی کا وقت آچکا ہو اور وہ اس کی وصیت کر جائے، اور اسی طرح جانوروں کی زکاۃ جس کی ادائیگی کا وقت آچکا ہو اور زکاۃ وصول کرنے والے نہ ہوں، اور نہ اس عمر کا جانور ملے جو زکاۃ میں واجب ہوتا ہے، اور اگر ایسا جانور پایا جائے تو وہ اس قرض کی طرح ہے جس کا تعلق کسی حق سے ہو، لہذا اس کی ادائیگی تجنیز و تکفین سے قبل ہوگی (۱)۔

شافعیہ نے کہا: تجنیز و تکفین کے بعد میت کے ذمہ میں واجب دین کی ادائیگی اصل مال سے کی جائے گی، چاہے وہ اللہ کے ہوں یا بندوں کے، ان کی وصیت کی ہو یا نہ کی ہو، کیونکہ یہ اس کے ذمہ واجب حق ہے، اور اللہ کے دین مثلاً زکاۃ وغیرہ، بندوں کے قرضے پر مقدم ہوں گے، یہ اس صورت میں ہے جب کہ مال بلاک ہو چکا ہو، اور اگر مال باقی ہو تو اس سے حق زکاۃ بھی متعلق ہوگا، لہذا تجنیز سے قبل اس کی ادائیگی ہوگی، جیسا کہ مالکیہ نے کہا، اور اگر دین کا تعلق کسی عین (محین شی) سے ہو تو اس کا ادا کرنا تجنیز و تکفین پر مقدم ہوگا جیسا کہ گذر چکا ہے (۲)۔

حنابلہ نے کہا ہے: تجنیز و تکفین کے بعد رہن کا حق ادا کیا جائے گا، پھر بھی اگر مرتہن کا کچھ قرض رہ جائے تو دوسرے قرض خواہوں کے

(۱) حاشیہ الدسوقی ص ۳۰۸ طبع دار الفکر۔

(۲) نہالیہ المحتاج ص ۶۷، ۷۸، اور اس کے بعد کے صفحات۔

(۱) شرح المسراۃ ص ۵، اور اس کے بعد کے صفحات طبع مکتبہ المدینہ۔

ساتھ شریک ہوگا، کیونکہ وہ اس سلسلہ میں ان کے برابر ہے، اور اگر رہن کی قیمت سے کچھ بچ جائے تو اس کو دوسرے مال کے ساتھ ملا کر قرض خواہوں میں تقسیم کر دیا جائے گا، پھر ان سب کے بعد ان دیون کی ادائیگی ہوگی جن کا تعلق اعیان (مبین چیزوں) سے نہیں، یعنی وہ قرض جو میت کے ذمہ میں واجب ہیں، اور قرض خواہوں کے حق کا تعلق پورے ترکہ سے ہوگا، اگرچہ وہ دین پورے ترکہ پر حاوی نہ ہو، خواہ یہ دین اللہ تعالیٰ کا ہو مثلاً زکاۃ، کفارات، حج فرض، یا بندے کا ہو مثلاً قرض، قیمت اور اجرت، اور اگر دیون ترکہ سے زیادہ ہوں، اور اللہ کا دین اور آدمی کا دین ترکہ سے پورا نہ ہو تو اپنے دین کے تناسب سے آپس میں حصہ لگائیں گے، جیسا کہ مفلس (دیوالیہ) کے مال کا حکم ہے، خواہ یہ دیون صرف اللہ کے ہوں یا صرف بندوں کے، یا مختلف نوعیت کے، پھر دین کے بعد تینوں حقوق کی ادائیگی سے بچ رہے مال کے تہائی سے اجنبی (غیر وارث) کے لئے وصیت مانڈ کی جائے گی، اور اگر وصیت کسی وارث کیلئے ہو تو بقیہ وراثت کی اجازت ضروری ہے، اور اگر وصیت اجنبی کے لئے ہو تو تہائی سے زائد ہونے کی شکل میں ہر وارث کی اجازت پر موقوف ہوگی (۱)۔

۸- فقہاء کا اجماع ہے جیسا کہ گذر چکا ہے کہ دین وصیت پر مقدم ہے، کیونکہ حضرت علیؑ نے فرمایا: حضور ﷺ کا فیصلہ ہے کہ دین وصیت سے پہلے ہے، اور اس لئے کہ دین پر اس کی ضرورت و حاجت حاوی ہوتی ہے، لہذا وہ مقدم ہوگا جیسا کہ تجہیز و تکفین کا خرچہ، پھر اس کی وصیتوں کا نفاذ ہوگا۔

۹- آیت کریمہ ”مَنْ بَعْدَ وَصِيَّةٍ يُوصِي بِهَا أَوْ ذِينَ“ (۲) (بعد وصیت (نکالنے کے) جس کی تم وصیت کر جاؤ یا اوائے قرض کے

بعد) میں وصیت کا ذکر دین سے پہلے ہے، تو اس کی وجہ یہ ہے کہ وصیت میراث کے مشابہ ہے، کیونکہ وصیت شدہ شئی بلا معاوضہ لی جاتی ہے، اس کی وجہ سے وراثت پر اس کا نکالنا اور مانڈ کرنا شاق ہوتا ہے، اور اسی وجہ سے اس میں کوتاہی کا گمان غالب پایا جاتا ہے، برخلاف دین کے کہ طبیعت اس کی ادائیگی پر آمادہ ہوتی ہے، لہذا وصیت کا ذکر پہلے کر کے اس کی ادائیگی کی ترغیب دی گئی ہے، اور اس بات پر تنبیہ کی گئی ہے کہ اس کی ادائیگی بھی دین ہی کی طرح واجب ہے یا اس میں بھی جلدی کرنی چاہئے، اور اسی وجہ سے ان دونوں کے درمیان ایسا کلمہ لایا گیا ہے جو مساوات کو بتاتا ہے، مزید یہ کہ اگر وصیت تبرعات کی ہو، اور ترکہ سے مکمل وصیت کی ادائیگی نہ ہو سکتی ہو تو دین کا وصیت پر مقدم کرنا ظاہر ہے، کیونکہ دین کی ادائیگی آدمی پر فرض ہے، بحالت حیات اس کی ادائیگی پر اس کو مجبور کیا جاتا ہے، اور مذکورہ وصیت نفل ہے، اور بلاشبہ فرض نفل سے زیادہ قوی ہوتا ہے (۱)۔

۱۰- تکفین اور دین کی ادائیگی کے بعد بقیہ مال کے تہائی سے وصیت پوری کی جائے گی نہ کہ اصل مال سے، یہی مذاہب اربعہ کا حکم ہے، البتہ حنفیہ میں سے خواہر زادہ اس سے مستثنیٰ ہیں، اس لئے کہ تکفین اور دین کی ادائیگی جس کا ذکر پہلے آچکا ہے، میت کی لازمی ضروریات میں خرچہ ہے، لہذا اب جو بچ رہا ہے وہی اس کا مال ہے جس کے تہائی میں اس کو تصرف کرنے کا اختیار تھا، نیز یہ کہ بسا اوقات بقیہ سارا مال کل مال کے تہائی سے زیادہ نہ ہوگا، اس صورت میں وصیت پوری کرنے کے نتیجے میں وراثت محروم ہو جائیں گے، خواہ وصیت علی الاطلاق ہو یا مبین طور پر دونوں برابر ہے، اور یہی صحیح ہے۔

(۱) احزاب الفاضل شرح عمدة القاضی ۱/ ۱۳۔

(۲) سورہ نساء ۱۱۔

(۱) السراجیہ ص ۵۴۔

۱۱- حنفیہ میں سے شیخ الاسلام خواہر زادہ نے کہا: اگر وصیت معین ہو تو ارث پر مقدم ہے، اور اگر علی الاطلاق ہو مثلاً تہائی یا چوتھائی مال کی وصیت کرے، تو یہ میراث کے معنی میں ہے، کیونکہ یہ وصیت پورے ترکہ میں پھیلی ہوئی ہوتی ہے، اس صورت میں موصی لہ (جس کے لئے وصیت کی گئی ہے) ورثاء کے ساتھ شریک ترکہ ہوگا، ان پر مقدم نہ ہوگا، وارث کے حق کی طرح پورے ترکہ میں وصیت کے پھیلی ہوئی ہونے کی دلیل یہ ہے کہ اگر وصیت کے بعد مال زائد بچ جائے تو دونوں حقوق میں اضافہ ہوگا، اور اگر کم ہو تو کمی دونوں میں ہوگی، یہاں تک کہ اگر وصیت کے وقت میت کا مال مثلاً ایک ہزار تھا پھر وہ بڑھ کر دو ہزار ہو گیا، تو موصی لہ کو دو ہزار کا تہائی ملے گا، اور اس کے برعکس شکل میں ایک ہزار کا تہائی ملے گا (۱)۔

تکلفین، دین اور وصیت پوری کرنے کے بعد میت کا باقی ماندہ مال ان ورثاء میں تقسیم کیا جائے گا جن کا وارث ہونا کتاب اللہ سے ثابت ہے، یعنی وہ لوگ جن کا ذکر قرآنی آیات میں ہے، یا وہ لوگ جن کا وارث ہونا سنت نبویہ سے ثابت ہے، مثلاً یہ فرمان نبوی: ”أطعموا الجملات السلس“ (جداۃ کو سدر (چھٹا حصہ) دو)، یا وہ لوگ جن کا وارث ہونا اجماع سے ثابت ہے مثلاً داؤا، پوتا، پوتی، اور دوسرے تمام ورثاء جن کی وراثت اجماع سے ثابت ہے (۲)۔

(۱) السراجیہ ص ۶۸، ۷۰، اشرح المفہر ص ۶۱۸، جاہلیۃ الدوسقی ص ۵۸، ۶۰، نہایت المحتاج ص ۷۶، ۷۷، ادب الفائق ص ۱۵۱۔

(۲) سابقہ مراجع، حدیث ۵: ”أطعموا الجداۃ....“ کا تذکرہ جرجانی نے شرح السراجیہ (ص ۷۶ طبع مصنفی المجلس) میں کیا ہے، نیز مؤطا مالک، مسند احمد اور سنن اربعہ میں بروایت حضرت مغیرہ اور محمد بن مسلمہ اس حدیث کے الفاظ یہ ہیں: ”شهدت البی نزلتہ أعطایا السلس“ (میری موجودگی میں حضور ﷺ نے اس کو چھٹا حصہ دیا)، ابن حبان اور حاکم نے اس کی تصحیح کی ہے (نصب الراية ص ۳۲۸)۔

ارکان ارث:

۱۲- رکن کا لغوی معنی: کسی چیز کا مضبوط کنارہ ہے، اور اصطلاح میں اس سے کسی حقیقت و ماہیت کے جزء کو مراد لیا جاتا ہے (۱)۔ یہ گزر چکا ہے کہ ”ارث“ بول کر استحقاق مراد لیا جاتا ہے، اس اطلاق کے اعتبار سے ارث کے ارکان تین ہیں، اگر یہ تینوں ارکان پائے جائیں تو وراثت ثابت ہوگی، اور اگر کوئی ایک رکن بھی مفقود ہو تو وراثت جاری نہ ہوگی۔

رکن اول: مورث: میت، یا وہ جس کو مردوں کے ساتھ لاحق کر دیا گیا ہو۔

رکن دوم: وارث: وہ شخص جو مورث کی موت کے بعد زندہ ہو، یا اس کو زندوں کے ساتھ ملحق قرار دیا گیا ہو۔

رکن سوم: مورث: ترکہ، ترکہ مال کے ساتھ خاص نہیں، بلکہ مال اور غیر مال دونوں ترکہ میں آتے ہیں۔

لہذا اگر کسی کا انتقال ہو اور اس کا وارث موجود ہو، لیکن مال نہ ہو تو وراثت نہیں ہوگی (۲)۔ اسی طرح اگر میت کا کوئی وارث نہ ہو تو بھی وراثت نہیں، یہ ان لوگوں کی رائے کے مطابق ہے جو بیت المال کو وارث نہیں قرار دیتے، جیسا کہ آگے آئے گا۔

شروط میراث:

۱۳- شروط: شرط کی جمع ہے، جس کا لغوی معنی: علامت ہے، اور اصطلاح میں ”شرط“ وہ امر ہے کہ اس کے عدم سے عدم لازم آئے لیکن اس کے وجود سے ذاتی طور پر وجود یا عدم لازم نہ آئے (۳)۔ اور

(۱) القاسوس، ادب الفائق ص ۱۶۱۔

(۲) ابن ماجہ ص ۵/۳۸۲ طبع اول بلاق، المجلد الخیر (المشوریہ) ص ۷۶ طبع المجلس، ادب الفائق ص ۱۶۱ طبع المجلس۔

(۳) ادب الفائق ص ۱۷۱۔

ایسا امر ماہیت سے خارج ہوتا ہے۔

ارث کی تین شرائط ہیں:

اول: مورث کی موت کا ثبوت، یا اس کو مردوں کے ساتھ لاحق کر دیا جانا، حکماً ہو مثلاً مفقود (گم شدہ) کے مسئلہ میں اگر قاضی اس کی موت کا فیصلہ کر دے، یا تقدیراً ہو جیسے کہ پیٹ کے بچے کے مسئلہ میں کہ اگر اس کی ماں (حاملہ عورت) کو مار اپنایا جائے اور اس کی وجہ سے بچہ ضائع ہو جائے تو اس کی بنا پر مارنے والے پر ایک غزہ (غلام یا باندی) کا وجوب ہوتا ہے۔

دوم: مورث کی موت کے بعد وارث کی حیات کا ثبوت، یا اس کو تقدیراً زندوں کے ساتھ لاحق کرنا، مثلاً حمل جو ماں کے پیٹ سے باہر آنے کے بعد اتنی دیر تک مکمل طور پر زندہ رہے کہ جس سے ظاہر ہو کہ وہ مورث کی موت کے وقت موجود تھا اگرچہ نطفہ کی شکل میں ہو، اس میں کچھ تفصیل ہے جو حمل کی میراث کے بیان میں آئے گی۔

سوم: وراثت کا تقاضا کرنے والی نسبت و تعلق مثلاً زوجیت، رشتہ، یا ولایۃ علم، اور رشتہ کی نوعیت کا تعین مثلاً بنوۃ (بیٹا ہونا)، ابوۃ (باپ ہونا)، اُمومتہ (ماں ہونا)، اُخوۃ (بھائی ہونا)، عمومتہ (چچا ہونا)، اور اس درجہ کا علم جس میں میت اور وارث جمع ہیں (۱)۔

اسباب ارث:

۱۴- سبب کا لغوی معنی: ایسی شئی ہے جس کے ذریعہ دوسری چیز تک پہنچا جائے، اور اصطلاحی معنی: وہ چیز جس کے وجود سے وجود اور عدم سے ذاتی طور پر عدم لازم آئے۔

اسباب ارث چار ہیں، ان میں تین ائمہ اربعہ کے یہاں اتفاقی، اور چوتھا مختلف فیہ ہے۔

(۱) ابن ماجہ ۵/۲۸۳ طبع بلاق، الجہد ۷/۲۷ طبع المجلس، الحدیب القافض ۱۸، ۱۷، ۱۸ طبع المجلس۔

تین متفق علیہ اسباب: نکاح، ولایۃ اور قرابت ہیں (حنفی قرابت کو رحم سے تعبیر کرتے ہیں)، اور چوتھا جو مختلف فیہ ہے: جہت اسلام ہے، اور اس سبب کی بنیاد پر وراثت (ان لوگوں کے نزدیک جو اس کے قائل ہیں یعنی مالکیہ وشافعیہ) بیت المال کو ملتی ہے، اس میں کچھ تفصیل ہے (۱)۔

اسباب مذکورہ میں سے ہر سبب مستقل بالذات ارث کا فائدہ دیتا ہے (۲)۔

موانع ارث:

۱۵- مانع: جس کے وجود سے عدم لازم آئے (۳)۔

ائمہ اربعہ کے یہاں اتفاقی موانع ارث تین ہیں: رق (غلامی)، قتل اور اختلاف دین۔ تین موانع مختلف فیہ ہیں: ارتداد، اختلاف وارین، اور دور حکمی (ایسا امر جس کے نتیجے میں اقرار کرنے والا وراثت سے محروم ہو جائے)۔

مالکیہ کے یہاں ایک اور مانع بھی ہے اور وہ ہے: اس بات کا نہ معلوم ہونا کہ وارث کی موت مورث کی موت کے بعد ہوئی ہے، اور بعض شافعیہ کے یہاں زوجین کے درمیان لعان بھی مانع ارث ہے، ان تمام موانع کا ذکر آگے آئے گا (۴)۔

رق (غلامی):

۱۶- رق کامل باتفاق ائمہ اربعہ مانع ارث ہے، کیونکہ غلام کے ہاتھ

(۱) الحدیب القافض ۱۸، شرح الرحیۃ للمازینی ص ۱۸ طبع مہج۔

(۲) ابن ماجہ ۵/۲۸۶ طبع مہریہ، الجہد ۷/۳۹ اور اس کے بعد کے صفحات، الحدیب القافض ۱۸، اور اس کے بعد کے صفحات۔

(۳) الحدیب القافض ۲۳۔

(۴) شرح الرحیۃ ص ۲۳۔

بابت ۱۷

میں جو کچھ مال ہوتا ہے اس کے آقا کا ہوتا ہے، اگر ہم اس کو اس کے رشتہ داروں کا وارث بنادیں تو ملکیت اس کے آقا کی ہوگی، جو بغیر کسی سبب کے ایک اجنبی کو وارث بنانا ہوگا، اور یہ بالا جماع باطل ہے (۱)۔

قتل:

۱۷- باتفاق ائمہ اربعہ وہ قتل جس کی وجہ سے قصاص واجب ہوتا ہے، بالغ عاقل قاتل کے لئے میراث سے مانع ہوتا ہے جب کہ قتل براہ راست کیا گیا ہو (۲)۔

موجب قصاص قتل سے مراد کیا ہے؟ اس کے بارے میں اختلاف ہے، اسی طرح اس صورت میں بھی اختلاف ہے جب کہ قاتل بچہ یا پاگل ہو، یا اس نے براہ راست قتل نہ کیا ہو، یا قتل خطا ہو، چنانچہ ائمہ ثلاثہ اور حنفیہ میں سے امام ابو یوسف اور امام محمد کی رائے یہ ہے کہ ظالمانہ، عمداً اور موجب قصاص قتل یہ ہے کہ مجرم اس شخص کا قصد کرے جس کو وہ آدمی اور معصوم الدم (اس کے قتل کو حرام وغیر مباح) جانتا ہے اور ایسے ہتھیار سے اس کی جان لینے کا قصد کرے جس سے موت کا آنا غالب گمان رکھتا ہے۔

امام ابو حنیفہ کے نزدیک موجب قصاص قتل عمد یہ ہے کہ ہتھیار کے وار سے ہو، یا ایسی چیز سے جو ٹکڑے ٹکڑے کرنے میں ہتھیار کے قائم مقام ہے مثلاً دھاردار لکڑی یا پتھر، اور حنفیہ نے کہا ہے: قتل شبہ عمد، اور قتل خطا بھی مانع میراث ہوتے ہیں قتل شبہ عمد کی مثال یہ ہے کہ قاتل مقتول پر عمداً ایسے آلہ سے وار کرے جس سے غالباً موت نہیں ہوتی، اور ایسے قتل پر تمام حنفیہ کے نزدیک عاقلہ پر دیت واجب ہوتی ہے اور مجرم پر گناہ اور کفارہ واجب ہوتا ہے۔

- (۱) السراجہ ص ۱۸، طبع الحلی، الشرح الکبیر ص ۳۸۵، طبع الحلی، القہ ص ۵۷
طبع الحلی، ادیب الفاضل ص ۲۳۔
(۲) السراجہ ص ۱۹، ادیب الفاضل ص ۲۸۔

قتل خطا کی مثال یہ ہے کہ کسی شخص نے شکار کو تیر مارا، اور وہ کسی انسان کو لگ گیا، یا کوئی شخص سوتے میں کسی انسان پر پٹ گیا جس نے اس کی جان لے لی، یا مقتول کو اس جانور نے روند دیا جس پر وہ شخص سوار تھا، یا کوئی شخص چھت سے کسی پر گر پڑا، یا کسی کے ہاتھ سے پتھر چھوٹ کر اس پر گر گیا اور وہ مر گیا۔ اس قتل میں مجرم پر کفارہ اور عاقلہ پر دیت واجب ہوتی ہے، اس میں گناہ لازم نہیں آتا ہے، ان کے نزدیک ان تمام صورتوں میں قاتل میراث سے محروم ہوتا ہے، اگر قتل ناحق ہو (۱)۔

اگر قتل سبباً (بالواسطہ) ہو، براہ راست نہ ہو، مثلاً دوسرے کی املاک میں کنواں کھودنے والا یا پتھر رکھنے والا یا قاتل بچہ یا پاگل ہو تو ان تمام صورتوں میں حنفیہ کے نزدیک قاتل میراث سے محروم نہیں ہوتا (۲)۔

حنابلہ اور مالکیہ کے یہاں رائج یہ ہے کہ جو قتل قصداً ہو خواہ براہ راست ہو یا بالواسطہ، قتل کرنے والا مال اور دیت میں اپنی میراث سے محروم رہے گا، اگرچہ بچہ یا پاگل ہو، اور اگرچہ یہ قتل ایسے سبب کے ساتھ ہو جس کی وجہ سے قصاص ختم ہو جاتا ہے، مثلاً باپ نے اپنے بیٹے کو پتھر مارا اور وہ مر گیا۔

مالکیہ کے یہاں ایک رائے اور ہے: بچے اور مجنون کا قتل عمد خطا کی طرح ہے، لہذا مال میں سے اس کو وراثت ملے گی، دیت میں سے نہیں، یہی ان کے یہاں قول ظاہر ہے (۳)۔ اگر انسان اپنے مورث کو قصاص، یا حد، یا اپنے دفاع میں قتل کرے تو حنفیہ، مالکیہ اور حنابلہ کے یہاں میراث سے محروم نہیں ہوگا (۴)۔

(۱) السراجہ ص ۱۸، الشرح الکبیر ص ۳۸۶، ادیب الفاضل ص ۲۹۔

(۲) السراجہ ص ۱۸۔

(۳) جامعہ الدبوتی ص ۳۸۶۔

(۴) سائتہ مراجع۔

شافعیہ کے یہاں قتل میں کسی طرح کی شرکت مانع میراث ہے اگرچہ قتل حق ہو، مثلاً قصاص لینے والا اور امام و قاضی، نیز امام و قاضی کے حکم سے کوڑے لگانے والا، گواہ، اور تزکیہ کرنے والا، اور قاتل میراث سے محروم ہوگا اگرچہ بلا قصد قتل ہو، مثلاً سونے والا اور پاگل اور بچہ، اور اگرچہ کسی مصلحت سے ایسے کام کا قصد کرے مثلاً باپ بیٹے کو ادب سکھانے کے لئے مارے، یا علاج کے لئے زخم کھول دے، اور انہوں نے کہا ہے: اگر مقتول کہے: اس کو وارث بنالو، تو یہ وصیت ہوگی۔

اگر دو شخص (جو ایک دوسرے کے وارث ہیں) اوپر سے گر جائیں، اور وہ نیچے اوپر ہوں، نیچے والا مر جائے، تو اوپر والا اس کا وارث نہ ہوگا، کیونکہ وہ قاتل ہے، اور اگر اوپر والا مر جائے تو نیچے والا اس کا وارث ہوگا، کیونکہ وہ اس کا قاتل نہیں (۱)۔

حنفیہ کا اپنے مذہب یعنی قتل بالسبب سے محرومی نہیں اور بچہ و پاگل محروم نہیں کے حق میں استدلال یہ ہے کہ قاتل بالسبب حقیقت میں قاتل نہیں، اس لئے کہ اگر وہ اپنی املاک میں کنواں کھودتا اور اس کا مورث اس میں گر کر مر جاتا تو اس پر اس کا کوئی مواخذہ نہیں تھا، جب کہ قاتل کا اپنے فعل پر، خواہ اپنی املاک میں کرے یا دوسرے کی املاک میں، مواخذہ ہوتا ہے جیسا کہ تیر انداز، نیز قتل بغیر مقتول کے متحقق نہیں ہوتا، اور بالسبب والی شکل میں یہ موجود نہیں ہے، کیونکہ مثال کے طور پر اس کی کھدائی زمین سے متصل تھی، کسی زندہ سے نہیں، اور کنویں میں گرنے کے وقت کھودنے والے کو قاتل قرار دینا ممکن نہیں، کیونکہ ہو سکتا ہے کہ اس وقت کھودنے والا مر چکا ہو، اور جب وہ حقیقتاً قاتل نہیں تو قتل کی جزاء (میراث سے محرومی اور کفارہ) اس سے متعلق نہ ہوگی، اور بچہ و پاگل قتل کی وجہ سے میراث سے محروم نہیں

ہوتے، اس لئے کہ محرومی قتل ممنوع کی جزاء ہے، جب کہ بچے اور پاگل کا فعل اس لائق نہیں ہوتا کہ اس کو شرعاً ممانعت و حرمت کے ساتھ متصف کیا جائے، کیونکہ شرعی خطاب کا ان کی طرف متوجہ ہونا متصور نہیں، نیز یہ کہ میراث سے محرومی احتیاط میں کوتاہی کرنے کے اعتبار سے ہے، اور بچہ و پاگل کی طرف کوتاہی کی نسبت کا تصور نہیں ہو سکتا (۱)۔

شافعیہ کا استدلال حدیث سے ہے: "لیس للقاتل من المیراث شیء" (قاتل کے لئے میراث میں سے کچھ نہیں ہے)، وہ اس کی تشریح یہ کرتے ہیں کہ قتل میں جس کا دخل ہے اس کے لئے میراث میں سے کچھ نہیں۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ بعض صورتوں میں قاتل کا اپنے مورث کو قتل کر کے جلد از جلد میراث حاصل کرنے کا اندیشہ ہے، اور یہ اس صورت میں ہوگا جب اس کو عمداً قتل کرے، لہذا مصلحت کا تقاضا یہ ہے کہ اس کو میراث سے محروم کیا جائے قاعدہ ذیل پر عمل کرتے ہوئے: "من استعجل بشیء قبل أوانه عوقب بحرمانه" (جو شخص کسی چیز کو قبل از وقت طلب کرے اس کی سزا محرومی ہے)۔ جلد بازی صرف اس کو اپنے گمان کے اعتبار سے اور ظاہری اعتبار سے ہوتی ہے، اور باقی صورتوں میں قتل کا سد باب کرنے کے لئے ہے یعنی اس صورت میں جب کہ قتل بغیر قصد کے ہو، مثلاً سونے والا، پاگل، اور بچہ۔

مفتی کا قتل میں کوئی دخل نہیں ہوتا اگرچہ غلط فتویٰ دے، اور وہ فتویٰ کسی معین شخص کے بارے میں ہو، اسی لئے کہ اس کا فتویٰ الزامی (لازم کرنے والا) نہیں ہوتا، اس طرح راوی حدیث اور نظر بد سے قتل کرنے والے کا دخل نہیں، اور نہ اس شخص کا جو اپنی بیوی کے لئے

(۱) السراجیہ ص ۹۸، اور اس کے بعد کے صفحات۔

(۱) التہذیب الخیریہ ص ۵۶۔

محمد بن علی بن حسین اور مسروق کے نزدیک مسلمان کافر کا وارث ہوگا۔

ائمہ اربعہ کی دلیل یہ حدیث ہے: ”لا یتوارث اهل ملل شتی“ (۱) (مختلف ملت والے ایک دوسرے کے وارث نہ ہوں گے) نیز یہ حدیث ہے: ”لا یرث المسلم الکافر ولا الکافر المسلم“ (۲) (مسلمان کافر کا اور کافر مسلمان کا وارث نہ ہوگا)۔

مسلمان کافر کا وارث ہوگا، اس کے قائلین کی دلیل یہ حدیث ہے: ”الا سلام یعلو ولا یعلی“ (۳) (اسلام بلند ہوگا، اس پر کوئی چیز بلند نہ ہوگی)۔ اور مسلمان کافر کا وارث ہو یہ اسلام کی بلندی میں داخل ہے۔

مانعین اس حدیث کی تشریح یہ کرتے ہیں کہ بذات خود اسلام بلند ہوگا، اس معنی میں کہ اگر ایک پہلو سے اسلام بالا دست ہو، دوسرے پہلو سے نہ ہو تو اسلام ہی بالا دست ہوگا، اور وہی بلند ہوگا، یا یہ مراد ہے کہ حجت اور دلیل، یا قہر و غلبہ (یعنی انجام کار مسلمان کے لئے نصرت) کے اعتبار سے بلند ہے (۴)۔

مرتد کا وارث ہونا:

۱۹- باتفاق فقہاء مذاہب مرتد (اپنے ارادہ و اختیار سے اسلام چھوڑنے والا) ان لوگوں میں سے کسی کا وارث نہ ہوگا جن کو اس کے ساتھ

گوشت لائے، اور اس میں سانپ نے منہ لگا دیا، پھر اس کو بیوی نے کھایا اور مر گئی۔

جس نے اپنے مورث کے خلاف کوئی گواہی دی جس کے تقاضے سے اس کو کوڑا لگایا گیا اور وہ مر گیا تو مسئلہ محل نظر ہے، لیکن ان کے اطلاق کے ظاہر سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ یہ بھی مانع ارث ہے (۱)۔

اختلاف دین:

۱۸- جمہور فقہاء نیز حنابلہ میں سے ابو طالب، حضرت علی، زید بن ثابت اور اکثر صحابہ کا قول یہ ہے کہ کافر مسلمان کا وارث نہیں، اگرچہ ترکہ کی تقسیم سے قبل مسلمان ہو جائے، کیونکہ مورث کی موت سے میراث مستحقین کے لئے واجب ہوگئی، خواہ مسلمان اور کافر کے درمیان ربط رشتہ داری کا ہو، یا نکاح کا، یا ولایت کا۔

امام احمد کی رائے ہے کہ اگر کافر ترکہ تقسیم ہونے سے قبل مسلمان ہو جائے تو مسلمان کا وارث ہوگا، اس لئے کہ فرمان نبوی ہے: ”من أسلم علی شیء فہولہ“ (۲) (جو شخص کسی چیز پر اسلام لائے وہ اس کے لئے ہے) نیز اس لئے کہ وارث بنانے میں اسلام کی ترغیب دینا ہے۔

اسی طرح ان کی رائے یہ ہے کہ کافر اپنے آزاد کردہ مسلمان غلام کا وارث ہوگا (۳)۔

نیز جمہور فقہاء کے یہاں مسلمان کافر کا وارث نہ ہوگا۔

حضرات معاذ بن جبل، معاویہ بن اوسفیان، حسن، محمد بن الحنفیہ،

(۱) حدیث: ”لا یتوارث...“ کی روایت سنن ابوداؤد (۸۵/۳) مع عون المعبود (طبع الانصار یہ دہلی) سنن ابن ماجہ (حدیث: ۲۷۳۱) طبع عیسیٰ الخلیسی (پورسند احمد) (۲/۳) ۱۵۸، ۱۵۹، ۱۶۰ طبع المیسریہ (پورسند) میں بروایت عبداللہ بن عمرو کی گئی ہے۔

(۲) احمد، بخاری اور مسلم نے اس کی روایت کی ہے۔

(۳) حدیث: ”الا سلام یعلو ولا یعلی...“ کی روایت دارقطنی (۲۵۲/۳) طبع دارالبحارین مصر، بیہقی (۲۰۵/۶) طبع دائرۃ المعارف الشیخانیہ (۱) نے کی ہے۔ حافظ ابن حجر نے فتح الباری (۲۲۰/۳) طبع سلطیہ میں اس کو حسن کہا ہے۔

(۴) سراجیہ ص ۷۳، ۷۵۔

(۱) الجہد ص ۵۶، پوراس کے بعد کے صفحات۔

(۲) حدیث: ”من أسلم علی شیء فہولہ...“ کی روایت بیہقی (۱۱۳/۹) طبع دائرۃ المعارف الشیخانیہ (پورسند) اور سعید بن منصور (حدیث: ۱۸۹) طبع علی پریس، ہندوستان نے کی ہے۔

(۳) ادب القاضی ص ۱۳۱۔

امام ابوحنیفہ مرتد مرد اور مرتد عورت میں فرق کرتے ہیں، چنانچہ مرتد عورت کے مسلمان اقارب اس کے اور اس کے جملہ اموال کے وارث ہوں گے، خواہ اس نے ان کو اسلام کی حالت میں کمایا ہو، یا بحالت ارتد او۔

رہا مرتد مرد تو اس کے مسلمان ورثاء اس کے اس مال کے وارث ہوں گے جو اس نے زمانہ اسلام میں کمایا ہے، لیکن بحالت ارتد او اس کے کمائے ہوئے مال کے وہ وارث نہ ہوں گے، بلکہ وہ مسلمانوں کے لئے مال غنیمت ہوگا (۱)۔

لیکن اس کے مسلمان ورثاء میں سے کون لوگ اس کے وارث ہوں گے؟ آیا وہ لوگ جو اس کے ارتد او کے وقت موجود تھے، یا اس کی موت کے وقت موجود تھے، یا اس کے دارالخرب میں چلے جانے کے وقت موجود تھے؟ یا وہ لوگ جو اس کے ارتد او اور موت کے وقت موجود تھے؟

اس مسئلہ میں امام ابوحنیفہ سے مختلف روایات ہیں، حسن کی روایت میں ہے کہ مرتد کا وارث وہ ہوگا جو اس کے ارتد او کے وقت اس کا وارث رہا ہو، اور مرتد کی موت تک زندہ باقی رہے، رہا وہ جو اس کے بعد وارث ہونے کا اہل بنے وہ مرتد کا وارث نہ ہوگا، لہذا اگر اس کا کوئی قریب ترین وارث اس کے ارتد او کے بعد اسلام لائے، یا ارتد او کے بعد قریب ترین وارث نے والے نطفہ سے اس کی کوئی اولاد ہو، تو اس روایت کے مطابق وہ مرتد کا وارث نہ ہوگا، کیونکہ توریث کا سبب یہاں ارتد او ہے، لہذا جو ارتد او کے وقت موجود نہ ہو اس کے لئے سبب استحقاق قائم نہیں ہوا، اور استحقاق موت کے ذریعہ مکمل ہوتا ہے لہذا وارث کا سبب کے مکمل ہونے تک باقی رہنا شرط ہے۔

امام ابوحنیفہ سے امام ابو یوسف کی روایت میں ہے کہ ارتد او کے

وارثت کا کوئی سبب مربوط رکھے ہوئے ہے، چاہے وہ مسلمان ہوں یا اس دین کو ماننے والے جس دین کو اس نے اسلام ترک کر کے اختیار کیا ہے، یا ان کے علاوہ کسی تیسرے دین کو ماننے والے ہوں، اس لئے کہ اس کو اس نئے دین پر باقی نہیں رکھا جائے گا جس کو اس نے اختیار کیا ہے، نیز اس لئے کہ وہ مردہ کے حکم میں ہو گیا ہے، اسی طرح مرتد عورت کسی کی وارث نہیں ہوتی، اس لئے کہ مرتد کے بارے میں شرعی حکم اگر وہ مرد ہو تو یہ ہے کہ توبہ کر کے دوبارہ اسلام لائے، یا پھر اس کو قتل کر دیا جائے گا اگر اپنے ارتد او پر مصر ہے، اور اگر وہ عورت ہو تو اس کو قید رکھا جائے گا تا آں کہ توبہ کر لے، یا مرجائے، لہذا یہ کہنے کا قطعاً کوئی مطلب نہیں کہ وہ مسلمان یا غیر مسلم کسی کا وارث ہوگا۔

رہا یہ کہ کوئی دوسرا اس کا وارث ہو تو مالکیہ وشافعیہ کا مذہب اور حنابلہ کی مشہور روایت (جس کے بارے میں قاضی نے کہا ہے کہ حنابلہ کا صحیح مذہب یہی ہے) یہ ہے کہ مسلمان یا غیر مسلم (جس کے دین کو اس نے اختیار کیا ہے) کوئی بھی مرتد کا وارث نہیں ہوگا، بلکہ اس کا سارا مال، اگر وہ مرجائے یا حالت ارتد او میں قتل کر دیا جائے، غنیمت اور بیت المال کا حق ہوگا۔

امام ابو یوسف، امام محمد کی رائے اور امام احمد سے دوسری روایت یہ ہے کہ مرتد کے مسلمان ورثاء کو اس کی وارثت ملے گی، یہی حضرت ابو بکر، حضرت علی، حضرت ابن مسعود، ابن مسیب، جابر بن زید، حسن، عمر بن عبد العزیز، شعبی، ثوری، اوزاعی، اور ابن شبرمہ کا قول ہے، اس قول کی دلیل خلفائے راشدین میں حضرت ابو بکرؓ اور حضرت علیؓ کا عمل ہے، نیز اس لئے کہ اس کے ارتد او سے اس کا مال منتقل ہو جاتا ہے، لہذا اس کے مسلمان ورثاء تک منتقل ہونا ضروری ہے، جیسا کہ موت سے منتقل ہونے کی صورت میں ہوتا ہے (۱)۔

(۱) اشرح الکبیر ص ۸۶، الفہم ص ۶۱، اذہب الفاضل ص ۳۳، المغنی

وارث ۲۰

وارث ہوگی، اگرچہ اس کی موت کے وقت عورت کی عدت پوری ہو چکی ہو، اس لئے کہ توریث کا سبب عورت کے حق میں شوہر کے ارتداد کے وقت موجود تھا، کیونکہ اس روایت کی بنیاد پر ارتداد کے آغاز کے وقت سبب کے قیام کا اعتبار ہے (۱)۔

غیر مسلموں کے درمیان اختلاف دین:

۲۰- حنفیہ کا مذہب یہ ہے اور یہی شافعیہ کے یہاں صحیح ہے، اور امام احمد کی ایک روایت ہے کہ کفار آپس میں ایک دوسرے کے وارث ہوں گے، کیونکہ ان سب کا مذہب ایک ہے، لہذا یہودی نصرانی کا وارث ہوگا اور نصرانی یہودی کا وارث ہوگا، مجوسی اور بت پرست نصرانی اور یہودی کے وارث ہوں گے، اور ان دونوں کے وارث مجوسی وغیرہ ہوں گے۔

شافعیہ کے یہاں صحیح کے بالمقابل قول یہ ہے کہ ان کا مذہب الگ الگ ہے، لہذا مختلف مذاہب والے ایک دوسرے کے وارث نہیں ہوں گے، یہودی نصرانی کا، یا نصرانی یہودی کا وارث نہیں ہوگا (۲)۔

مالکیہ کا قول رائج یہ ہے، اور یہ قول امام احمد کی طرف بھی منسوب ہے کہ کفر کے تین مذاہب ہیں: نصرانیت ایک مذہب ہے، اور یہودیت ایک مذہب ہے، اور ان دونوں کے ماسوا ایک مذہب ہے، یہی قاضی، شریح، عطاء، عمر بن عبد العزیز، ضحاک، حکم، شریک، ابن ابی لیلیٰ، حسن بن صالح، اور وکیع رحمہم اللہ کا قول ہے۔

مالکیہ کے یہاں ایک دوسری رائے بھی ہے، اور اس کو بھی رائج کہا گیا ہے اور یہی مدونہ کا ظاہر ہے کہ یہود و نصاریٰ کا ایک مذہب ہے اور ان دونوں کے ماسوا مختلف مذاہب ہیں، اور مالکیہ کی بعض

وقت وارث کے وجود کا اعتبار ہے، مرتد کی موت سے قبل اس کی موت سے اس کا استحقاق باطل نہیں ہوتا، اس لئے کہ توریث کے حکم میں ارتداد موت کی طرح ہے، اور مورث کی موت کے بعد اس کے ترکہ کی تقسیم سے پہلے جو وارث مر جائے اس کا استحقاق باطل نہیں ہوتا، اس کی جگہ اس کا وارث لے لیتا ہے۔

امام ابو حنیفہ سے امام محمد کی روایت یہ ہے، اور یہی صحیح قول ہے کہ اعتبار موت یا قتل کے وقت اس کے وارث ہونے کا ہے، خواہ ارتداد کے وقت موجود ہو یا ارتداد کے بعد وجود میں آیا، اس لئے کہ سبب کے پائے جانے کے بعد اس کے کمال سے قبل وجود میں آنے والی شئی ابتداء سبب کے وقت موجودی کی طرح مانی جاتی ہے، جیسا کہ قبضہ سے قبل جمع میں پیدا ہونے والی زیادتی کہ اس کو ابتداء عقد کے وقت موجود کی طرح مانا جاتا ہے، اور قبضہ کے ساتھ اس کو بھی عقد میں داخل سمجھا جاتا ہے، اس کے لئے شمن میں سے حصہ ہوتا ہے، اسی طرح یہاں بھی حکم ہوگا۔

امام محمد نے مرتد کے دارالخرب میں چلے جانے کو اس کی موت کے درجہ میں مانا ہے، لہذا جب وہ چلا جائے تو اس کا ترکہ تقسیم کر دیا جائے گا، اور امام ابو یوسف کے یہاں اعتبار اس بات کا ہے کہ قاضی نے جس وقت اس کے دارالخرب میں چلے جانے کا فیصلہ کیا، اس وقت اس کا وارث ہو، اور اگر وہ مر جائے حقیقتاً یا حکماً، تو اس کی بیوی اس کی وارث ہوگی جب کہ وہ عدت میں ہو، یہ صاحبین کی رائے ہے، اس لئے کہ مرتد اور اس کی بیوی کے درمیان نکاح اگرچہ ارتداد کی وجہ سے اٹھ گیا، لیکن وہ اپنی بیوی کی میراث سے بھاگنے والا ہے، اور بھاگنے والے کی بیوی اگر اس کی موت کے وقت عدت میں ہو تو اس کی وارث ہوتی ہے۔

امام ابو حنیفہ سے امام ابو یوسف کی روایت کے مطابق بیوی اس کی

(۱) المصنوع ۱۰۲، ۱۰۳ طبع دوم دار المعرفۃ لبنان۔

(۲) المصنوع مع المشرح ص ۶۰۔

کتابوں میں لکھا ہے کہ مذہب میں مشہور یہی ہے۔

ابن ابی لیلیٰ کا مذہب یہ ہے کہ یہود و نصاریٰ آپس میں ایک دوسرے کے وارث ہوں گے، مجوسی ان کا وارث نہ ہوگا، اور نہ یہود و نصاریٰ مجوس کے وارث ہوں گے۔

جو لوگ کفار کے درمیان آپس میں ایک دوسرے کے وارث ہونے کے قائل نہیں ان کی دلیل یہ حدیث ہے: ”لَا يَتَوَارَثُ أَهْلُ مِلَّتَيْنِ شَتَّى“ (۱) (دو مختلف مذاہب والے ایک دوسرے کے وارث نہیں ہوں گے)۔ اور یہ لوگ مختلف مذاہب والے ہیں، اس کی دلیل فرمان باری ہے: ”وَالَّذِينَ هَادُوا وَالنَّصَارَى“ (۲) (اور جو لوگ یہودی ہوئے اور نصاریٰ)، اس میں نصاریٰ کا عطف ”الَّذِينَ هَادُوا“ (یہودیوں کے بیان) پر ہے، اور عطف معطوف و معطوف علیہ کے درمیان مغایرت کو چاہتا ہے، اور فرمان باری ہے: ”وَلَكِنْ تَرْضَىٰ عَنْكَ الْيَهُودُ وَلَا النَّصَارَىٰ حَتَّىٰ تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمْ“ (۳) (اور آپ سے ہر گز راضی نہ ہوں گے یہود اور نصاریٰ جب تک کہ آپ ان کے مذہب کے پیرو نہ ہو جائیں)۔ اور یہود اسی وقت راضی ہونگے جب ان کے ساتھ یہودیت کی اتباع کی جائے اور نصاریٰ کا بھی یہی حال ہے۔

یہ اس بات کی دلیل ہے کہ یقین میں سے ہر ایک کا الگ مذہب ہے، نیز اس لئے کہ نصاریٰ حضرت عیسیٰ کی نبوت اور انجیل کا اقرار کرتے ہیں، جب کہ یہودی اس کے منکر ہیں۔

ابن ابی لیلیٰ کا استدلال یہ ہے کہ یہود و نصاریٰ دعویٰ توحید پر متفق ہیں، ہاں اس سلسلہ میں ان کے نظریات الگ الگ ہیں، اور وہ حضرت موسیٰ کی نبوت اور تورات کے اقرار پر متفق ہیں، برخلاف

(۱) یہ حدیث فقرہ نمبر ۱۸ کے حاشیہ میں گذر چکی ہے۔

(۲) سورہ بقرہ ۶۳۔

(۳) سورہ بقرہ ۱۲۰۔

مجوس کے کہ وہ نہ تو حید کو مانتے ہیں نہ حضرت موسیٰ کی نبوت اور نہ کسی آسمانی کتاب کا اقرار کرتے ہیں، جب کہ یہود و نصاریٰ اس پر ان سے اتفاق نہیں کرتے، لہذا وہ دو مذہب والے ہو گئے، اس کی دلیل ذبیحہ اور نکاح کا حلال ہونا ہے کہ یہود و نصاریٰ کا حکم اس میں ایک ہے، ان کا ذبیحہ مسلمانوں کے لئے حلال ہے، برخلاف مجوس کے کہ ان کا ذبیحہ حلال نہیں ہے۔

حنفیہ اور ان کے موافقین کا استدلال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دین دو ہی بنائے ہیں: حق اور باطل، فرمان باری ہے: ”لَكُمْ دِينُكُمْ وَلِيَ دِينِ“ (۱) (تم کو تمہارا بدلہ ملے گا اور مجھے میرا بدلہ)۔ اور لوگوں کو دو فرقوں میں تقسیم کیا، چنانچہ ارشاد ہے: ”فَرِيقٌ فِي الْجَنَّةِ وَفَرِيقٌ فِي السَّعِيرِ“ (۲) (ایک گروہ جنت میں (داخل) اور ایک گروہ دوزخ میں)۔ جنت کا فرقہ مسلمان ہی ہیں اور جہنم کا فرقہ سارے کفار ہیں، اور اللہ تعالیٰ نے مدعی دو بنائے ہیں، فرمان باری ہے: ”هَٰذَانِ خَصْمَانِ اخْتَصَمُوا فِي دِينِهِمْ“ (۳) (یہ دو فرق ہیں جنہوں نے اپنے پروردگار کے بارے میں اختلاف کیا)۔ اور مراد مسلمانوں کے بالمقابل تمام کفار ہیں، حالانکہ کفار کے مذاہب آپس میں الگ الگ ہیں لیکن مسلمانوں کے مقابلہ میں وہ ایک مذہب والے ہیں، اس لئے کہ مسلمان محمد ﷺ کی رسالت اور قرآن کا اقرار کرتے ہیں، اور سارے کفار ان سب کے منکر ہیں، اور انکار ہی کی بنیاد پر وہ کافر قرار پاتے ہیں، اس لئے وہ مسلمانوں کے بالمقابل شرک کی بنا پر ایک ہی مذہب والے ہیں، اس حدیث میں اس کی طرف اشارہ ہے: ”لَا يَتَوَارَثُ أَهْلُ مِلَّتَيْنِ“ (دو مذہب والے ایک دوسرے کے وارث نہیں ہوں گے)۔ حضور ﷺ نے دونوں

(۱) سورہ کافرون ۶۔

(۲) سورہ شوریٰ ۷۔

(۳) سورہ حج ۱۹۔

مذہب کی تفسیر میں فرمایا ہے: ”لا یوث المسلم الکافر ولا الکافر المسلم“ (۱) (نہ مسلمان کافر کا، اور نہ کافر مسلمان کا وارث ہوگا)، کیونکہ عمومی صفت جو کفر ہے اس کی تصریح میں اس بات کا بیان ہے کہ تو ریث کے حق میں وہ سب ایک مذہب والے ہیں (۲)۔

غیر مسلموں کے درمیان اختلاف دار:

۲۱- اختلاف دارین سے فقہاء اختلاف ”منعہ“ مراد لیتے ہیں، اور انہوں نے ”منعہ“ کی تشریح: فوج اور بادشاہ و سلطان کے الگ الگ ہونے سے کی ہے، مثلاً ایک ہندوستان میں ہو تو اس کا ایک ملک (دار) اور منعہ ہے، اور دوسرا ترکی میں ہو، تو اس کے لئے دوسرا دار اور منعہ ہے، دونوں پر ایک دوسرے کی جان کی حفاظت و رعایت نہیں ہے، یہاں تک کہ ہر ایک دوسرے کے قتل کو مباح سمجھتا ہے (۳)۔

فقہاء کے درمیان یہ اتفاقی امر ہے کہ مسلمان آپس میں ایک دوسرے کے وارث ہوں گے، ان کے علاقے، ممالک اور شہریت چاہے جس قدر مختلف ہوں، اس لئے کہ اسلام کے علاقے سب کے سب ایک ہی دار و ملک ہیں کیونکہ فرمان باری ہے: ”إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ“ (۴) (مسلمان جو ہیں سو بھائی ہیں)۔ اور فرمان نبوی ہے: ”المسلم أخو المسلم“ (۵) (مسلمان، مسلمان کا بھائی ہے)۔

(۱) حدیث: ”لا یوث المسلم...“ کی روایت بخاری و مسلم نے کی ہے (۵۰/۱۲ فتح الباری طبع انتقادی صحیح مسلم ۳/۱۲۳۳ طبع المجلد)۔

(۲) الموسط ۳۰/۳۰، اور اس کے بعد کے صفحات طبع لسعادة، حدیث کی تخریج فقرہ نمبر ۱۸ کے حاشیہ میں گذر چکی ہے۔

(۳) ابن ماجہ ۵/۳۸۹۔

(۴) سورہ حجرات ۱۰۔

(۵) حدیث: ”المسلم أخو المسلم...“ کی روایت بخاری (۵/۹۷) مع فتح الباری طبع انتقادی (۳/۱۹۹۶ طبع مکتبۃ المدینہ) نے کی ہے۔

اور اس لئے کہ ہر مسلمان کی (آپسی) ولایت اسلام ہی کے لئے ہے، اور اسی کی بنیاد پر اور اسی کی وجہ سے وہ ایک دوسرے کی مدد کرتے ہیں۔ اس سلسلہ میں اعتبار حکماً اختلاف دارین کا ہے، حقیقتاً نہیں، لہذا اگر مسلمان دار الحرب میں مرجائے تو دارالاسلام میں رہنے والے اس کے مسلمان اقارب اس کے وارث ہوں گے، اگرچہ حقیقتاً اختلاف دارین ہے، اس لئے کہ دار الحرب کا مسلمان حکماً دارالاسلام کا ہے، کیونکہ وہ اپنے مقصد کی تکمیل کے لئے دار الحرب میں امان لے کر گیا ہے، پھر وہ دارالاسلام میں واپس آجائے گا، لہذا حکماً اتحاد دارین پایا گیا، اختلاف حقیقی کا اعتبار محض اس وقت ہے جب اختلاف حکمی اس کے معارض نہ ہو (۱)۔

اسی طرح غیر مسلموں کے حق میں اختلاف دارین مانع ارث نہیں، یہ مالکیہ اور بعض حنابلہ کا مذہب اور شافعیہ کے یہاں ایک قول ہے، لہذا غیر مسلم اپنے غیر مسلم قرابت دار کا وارث ہوگا، خواہ ان کے ملک و شہریت الگ الگ ہوں، کیونکہ میراث کے سبب اور شرط کے پائے جانے کے بعد منع میراث کی کوئی دلیل نہیں (۲)۔

امام ابوحنیفہ کا مذہب ہے، اور یہی شافعی مذہب میں رائج اور بعض حنابلہ کا قول ہے کہ اختلاف دارین غیر مسلموں کے درمیان مانع ارث ہے، انہوں نے اس کی وجہ یہ بتائی ہے کہ ان کے درمیان آپس میں تعاون اور باہمی انس و محبت نہیں پایا جاتا، کیونکہ ان کا ملک الگ الگ ہے، اور موالات و تعاون میراث کی بنیاد ہے (۳)۔

۲۲- بعض مذہب میں کچھ اور موافق ہیں مثلاً لعان اور زنا، لیکن یہ دونوں موافق عدم ثبوت نسب اور لعان کی وجہ سے زوجیت ختم ہونے

(۱) حاشیہ الفتاویٰ علی مسراجہ ص ۷۹، اور اس کے بعد کے صفحات۔

(۲) المشرح الکبیر ۳/۸۶، وادب الفاضل ۱/۳۷، نہایت المحتاج ۶/۳۷۔

(۳) حاشیہ الفتاویٰ علی مسراجہ ص ۷۹، نہایت المحتاج ۶/۳۷، وادب الفاضل ۱/۳۷۔

کے تحت آتے ہیں۔

دور حکمی:

۲۳- امام شافعی کے یہاں ارث کے موافق میں سے ”دور حکمی“ بھی ہے، دور حکمی یہ ہے کہ وارث بنانے کی وجہ سے عدم وراثت لازم آئے، اس کی صورت یہ ہے کہ بظاہر پورے مال کو پانے والا ایسے وارث کے وجود کا قرا کرے جو وارث ہونے کی صورت میں اس کو بالکل محروم کر دے، مثلاً علانی بھائی (جس کا قرا صحیح ہو) میت کے لئے بیٹے کا قرا کرے (یعنی کسی کو اس کا بیٹا بنائے اور وہ شخص ایسا ہو) جس کا نسب مجہول ہو، کیونکہ اس صورت میں قرا بت کی نسبت ثابت ہو جائے گی، لیکن وہ (شخص جس کے لئے قرا کیا گیا) وارث نہ ہوگا، اس لئے کہ اس کو وارث بنانے میں دور حکمی لازم آئے گا، کہ اگر بیٹے کو وارث بنایا جائے تو بھائی کو محجوب کر دے گا، پھر بھائی وارث نہ ہوگا، لہذا بھائی کا یہ قرا درست نہیں، اور جب اس کا قرا درست نہیں تو نسب ثابت نہ ہوگا، اور جب نسب ثابت نہیں ہوا تو وراثت ثابت نہ ہوگی۔ خلاصہ یہ کہ اس صورت میں وراثت کے ثابت کرنے کے نتیجے میں اس کی نفی ہوتی ہے، اور جس چیز کے اثبات کے نتیجے میں اس کی نفی ہوتی ہو اس کا بذات خود کوئی وجود نہیں ہو سکتا، اور دور حکمی صرف اس شکل میں ہوگا جب قرا کرنے والا پورے مال کو پانے والا ہو، اور ایسے وارث کا قرا کرے جو اس کو وراثت سے بالکل محروم کر دے، ورنہ نہیں، مثلاً اگر میت کے بیٹے ایک دوسرے بیٹے کا قرا کریں، یا بھائی دوسرے بھائی کا قرا کریں، یا چچا ایک دوسرے چچا کا قرا کریں تو ان تمام صورتوں میں مقر بہ (جس کا قرا کیا گیا ہے) کا نسب ثابت ہوگا، اسی طرح اس کی وراثت بھی، کیونکہ وراثت نسب کی فرع ہے، اور نسب ثابت ہو رہا ہے، اگر

دو بیٹے ہوں جو دونوں پورے مال کو پانے والے ہیں، اور ان میں سے ایک تیسرے بیٹے کا قرا کرے اور دوسرا بیٹا اس کا منکر ہو، تو تیسرے بیٹے جس کا قرا کیا گیا ہے، اس کا نسب بالاجماع ثابت نہیں ہوگا، اور ظاہری طور پر وارث بھی نہیں ہوگا کیونکہ نسب ثابت نہیں، اور باطنی طور پر مقر بہ (جس کے لئے قرا کیا گیا) کے ساتھ قرا کرنے والا شریک ہوگا، یہی امام شافعی کے دو اقوال میں سے اظہر قول ہے، اور امیر ثلاثہ احمد، ابو حنیفہ اور مالک رحمہم اللہ نے فرمایا ہے: اپنے قرا کی بنا پر بطور مواخذہ ظاہری طور پر اسکے ساتھ شریک ہوگا، اور امام شافعی کا دوسرا قول یہ ہے کہ باطنی یا ظاہری کسی طور پر شریک نہیں ہوگا، اور ”اظہر“ یہ ہے کہ اس کے ہاتھ میں جو کچھ ہے اس کے تہائی میں شریک ہوگا، شافعیہ کے یہاں اصح یہی ہے، اور یہی حنابلہ و مالکیہ کا مذہب ہے کیونکہ اسی نے اس کے اضافے کا مطالبہ کیا ہے، اور دوسرا قول (جو اصح کے بالمقابل ہے) یہ ہے کہ جو کچھ اس کے ہاتھ میں ہے اس کے نصف میں اس کے ساتھ شریک ہوگا، اس لئے کہ اس کے قرا کا تقاضا یہ ہے کہ ان دونوں کے درمیان مساوات اور برابری ہو، یہی امام ابو حنیفہ کا قول اور امام احمد کی ایک روایت ہے (۱)۔

۲۴- مستحقین ترکہ:

۱- اصحاب فروض۔

۲- عصبات نسبیہ، پھر عصبات سببیہ (حنفیہ کے نزدیک) ترتیب و تفصیل میں کچھ اختلاف کے ساتھ۔

۳- رد کی وجہ سے استحقاق والے، کن لوگوں پر روہوگا اور کن

(۱) المحیط الشریعی مع حاشیہ البحر فی ۳۶۱، فتح الجواد شرح الاوقاد ۱/ ۳۱۱ طبع مجلس، العرب الفاضل ۱/ ۳۸، ۳۹۔

لوگوں پر نہیں ہوگا، نیز زوجین پر رو کے بارے میں اختلاف و تفصیل کے ساتھ۔

۴۔ ذوی الارحام: ذوی الارحام کو وارث بنانے اور ان کی کیفیت کے بارے میں اختلاف و تفصیل کے ساتھ۔

۵۔ مولی المولات: اس سلسلہ میں اختلاف و تفصیل کے ساتھ۔

۶۔ غیر کے حق میں جس کے نسب کا اقرار کیا گیا ہو کچھ اختلاف و تفصیل کے ساتھ۔

۷۔ جس کے لئے تہائی سے زائد کی وصیت کی گئی ہے۔

۸۔ بیت المال (۱)۔

مقررہ حصے:

۲۵۔ کتاب اللہ میں جو حصے مقرر و متعین ہیں وہ چھ ہیں: نصف، ربع (چوتھائی)، ثمن (آٹھواں)، ثلثان (دو تہائی)، ثلث (تہائی)، اور سدس (چھٹا)۔

اول: نصف: اس کا ذکر قرآن میں تین جگہ ہے، بیٹی کے حصہ کے ذکر میں فرمان باری ہے: "وَإِنْ كَانَتْ وَاحِدَةً فَلَهَا النِّصْفُ" (۲) (اور اگر ایک ہی لڑکی ہو تو اس کے لئے آدھا ہے)۔

شوہر کے حصہ کے بیان میں فرمان باری ہے: "وَلَكُمْ نِصْفُ مَا تَرَكَ أَزْوَاجُكُمْ إِنْ لَمْ يَكُنْ لَهُنَّ وَلَدٌ" (۳) (اور تمہارے لئے اس مال کا آدھا حصہ ہے جو تمہاری بیویاں چھوڑ جائیں بشرطیکہ ان کو کوئی اولاد نہ ہو)۔

بہن کا حصہ فرمان باری ہے: "إِنْ أَمْرُوهُ هَلَكَ لَيْسَ لَهُ

وَلَدٌ وَلَهُ أَخْتُ فَلَهَا نِصْفُ مَا تَرَكَ" (۱) (اگر کوئی شخص مر جائے اور اس کے کوئی اولاد نہ ہو اور اس کے ایک بہن ہو تو اسے اس ترکہ کا نصف ملے گا)۔

دوم: ربع، اس کا ذکر دو جگہوں پر ہے: شوہروں کی میراث میں، فرمان باری ہے: "فَإِنْ كَانَ لَهُنَّ وَلَدٌ فَلَكُمْ الرُّبْعُ" (۲) (اور اگر ان کے اولاد نہ ہو تو تمہارے لئے بیویوں کے ترکہ کی چوتھائی ہے)۔ اور بیویوں کی میراث میں فرمان باری ہے: "وَلَهُنَّ الرُّبْعُ مِمَّا تَرَكَتُمْ إِنْ لَمْ يَكُنْ لَكُمْ وَلَدٌ" (۳) (اور ان بیویوں کے لئے تمہارے ترکہ کی چوتھائی ہے بشرطیکہ تمہارے کوئی اولاد نہ ہو)۔

سوم: ثمن: اس کا ذکر بیویوں کے حصے میں آیا ہے، فرمان باری ہے: "فَإِنْ كَانَ لَكُمْ وَلَدٌ فَلَهُنَّ الثَّمَنُ" (۴) (لیکن اگر تمہارے کچھ اولاد نہ ہو تو ان (بیویوں) کو تمہارے ترکہ کا آٹھواں حصہ ملے گا)۔ چہارم: ثلثان: اس کا ذکر لڑکیوں کے حصے میں ہے، فرمان باری ہے: "فَإِنْ كُنَّ نِسَاءً فَوْقَ اثْنَتَيْنِ فَلَهُنَّ ثُلُثَا مَا تَرَكَ" (۵) (اور اگر دو سے زائد عورتیں (ہی) ہوں تو اس کے لئے دو تہائی حصہ اس مال کا ہے جو مورث چھوڑ گیا ہے)۔

پنجم: ثلث: اس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے دو جگہوں پر فرمایا ہے: "فَلِلثَلَاثَةِ" (۶) (تو اس کی ماں کا ہے تہائی)۔ اور اولادام (ماں شریک بھائی بہن) کے بارے میں ہے: "فَإِنْ كَانُوا أَكْثَرَ مِنْ ذَلِكَ فَهُمْ شُرَكَاءُ فِي الثُّلُثِ" (۷) (اور اگر یہ لوگ اس سے

(۱) سورہ نساء ۷۶۔

(۲) سورہ نساء ۱۲۔

(۳) سورہ نساء ۱۲۔

(۴) سورہ نساء ۱۲۔

(۵) سورہ نساء ۱۱۔

(۶) سورہ نساء ۱۱۔

(۷) سورہ نساء ۱۲۔

(۱) شرح اسرار پیہر ص ۱۱، شرح المرجع ص ۱۰ طبع محمد علی صبیح۔

(۲) سورہ نساء ۱۱۔

(۳) سورہ نساء ۱۲۔

وراثت قرابت کی وجہ سے نہیں بلکہ شادی کی وجہ سے ہے، اور ان دونوں کے علاوہ جو رشتہ دار ہیں ان کو ”اصحاب فرض نسبہ“ کہا جاتا ہے، کیونکہ قرابت کو نسب کہتے ہیں۔
کبھی کبھی وراثت میں ”فرض“ اور ”تہصیب“ دونوں اسباب جمع ہو جاتے ہیں۔

اصحاب فرض اس وقت وارث ہوتے ہیں جب کوئی ایسا وارث نہ پایا جائے جو کہ ان کو وراثت سے بالکل محروم کر دے۔

میراث میں باپ کے حالات:

۲۷- باپ کے میراث میں تین حالات ہیں:

اول: صرف ”فرض“ کے طور پر وارث ہو، یہ اس صورت میں ہے جب میت کی اولاد میں کوئی مرد وارث ہو، اور وہ بیٹا اور پوتا اور اس سے نیچے کا ہے، اور اس صورت میں باپ کا حصہ چھٹا ہوتا ہے۔
دوم: فرض اور تہصیب (عصبہ ہونے) دونوں کی وجہ سے وارث ہو، اور یہ اس صورت میں ہوتا ہے جب کہ میت کی اولاد میں صرف لڑکیاں ہوں اور وہ بیٹی اور پوتی ہیں، چاہے ان کے باپ جتنی نیچے کی پشت کے ہوں (یعنی بیٹی نہ ہو تو پوتی، پڑپوتی، یا اس کے نیچے کی پوتی، سب کا ایک حکم ہے)۔

باپ کی وراثت اولاً فرض کی وجہ سے، پھر تہصیب (عصبہ ہونے) کی وجہ سے اس لئے ہے کہ اگر اس کو صرف تہصیب کے طور پر وارث بنایا جائے تو بعض صورتوں میں اس کے لئے کچھ باقی نہیں بچتا، لہذا ضروری ہے کہ اولاً فرض کے طور پر وارث ہو، تاکہ اس کے لئے چھٹا حصہ محفوظ ہو۔

سوم: صرف تہصیب (عصبہ ہونے کی حیثیت) سے وارث ہو، اور یہ اس صورت میں ہے جب کہ میت کی اولاد میں سرے سے کوئی

زائد ہوں تو وہ ایک بھائی میں شریک ہوں گے)۔

ششم: سدس: اللہ تعالیٰ نے اس کا ذکر تین جگہوں پر فرمایا ہے: ”وَلَا يُوْثِرُ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا الشُّلُسُ“ (۱) (اور مورث کے والدین یعنی ان دونوں میں سے ہر ایک کے لئے اس مال کا چھٹا حصہ ہے جو وہ چھوڑ گیا ہے)۔ نیز فرمایا: ”فَإِنْ كَانَ لَهُ إِخْوَةٌ فَلِأُمِّهِ الشُّلُسُ“ (۲) (لیکن اگر مورث کے بھائی بہن ہوں تو اس کی ماں کے لئے ایک چھٹا حصہ ہے)۔ اور فرمایا: ”وَإِنْ كَانَ رَجُلٌ يُورَثُ كَلَالَةً أَوْ امْرَأَةً وَلَهُ أَخٌ أَوْ أُخْتٌ فَلِكُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا الشُّلُسُ“ (۳) (اگر کوئی مورث مرد ہو یا عورت ایسا ہو جس کے نہ اصول ہوں نہ فروغ اور اس کے ایک بھائی یا ایک بہن ہو تو دونوں میں سے ہر ایک کے لئے ایک چھٹا حصہ ہے)۔

اصحاب فرض (مقررہ حصوں کے حقدار):

۲۶- سابقہ فرض (مقررہ حصوں) کے مستحق بارہ اشخاص ہیں، جن میں چار مرد اور آٹھ عورتیں ہیں۔

مرد یہ ہیں: باپ، جد صلیح (دادا) اور اس سے اوپر، ماں شریک بھائی اور شوہر۔

عورتیں یہ ہیں: بیوی، بیٹی، پوتی (اگر چہ نیچے کی ہو)، حقیقی بہن، باپ شریک بہن، ماں شریک بہن، جدہ صحیحہ، اور جدہ صحیحہ وہ جدہ ہے، جس کی نسبت میت کی طرف کرنے میں بیچ میں کوئی جد فاسد نہ ہو، اور جد فاسد وہ جد ہے جس کی نسبت میت کی طرف عورت کے واسطے سے ہو۔

میاں بیوی کو ”اصحاب فرض نسبہ“ کہا جاتا ہے، کیونکہ ان کی

(۱) سورہ نساء ۱۱۱۔

(۲) سورہ نساء ۱۱۱۔

(۳) سورہ نساء ۱۲۱۔

وارث نہ ہو، لہذا باپ سارا ترکہ پائے گا، یا اصحاب القروض کو دینے کے بعد باقی ماندہ لے لے گا۔ اس کی دلیل فرمان باری ہے: ”وَلَا يُوْنِيْهِ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا الشُّدُسُ مِمَّا تَرَكَ اِنْ كَانَ لَهُ وَلَدٌ فَاِنْ لَمْ يَكُنْ لَهُ وَلَدٌ، وَوَرِثَتْهُ اَبَوَاهُ فَلِاُمِّهِ الثُّلُثُ، فَاِنْ كَانَ لَهُ اِخْوَةٌ فَلِاُمِّهِ الشُّدُسُ“ (۱) (اور مورث کے والدین یعنی ان دونوں میں ہر ایک کے لئے اس (مال) کا چھٹا حصہ ہے جو وہ چھوڑ گیا ہے بشرطیکہ مورث کے کوئی اولاد نہ ہو اور اگر مورث کے کوئی اولاد نہ ہو اور اس کے والدین ہی اس کے وارث ہوں تو اس کی ماں کا ایک تہائی ہے لیکن اگر مورث کے بھائی بہن ہوں تو اس کی ماں کے لئے ایک چھٹا حصہ ہے)۔

آیت میں تصریح ہے کہ ماں باپ میں سے ہر ایک کا میت کے ترکہ میں سے چھٹا حصہ ہے، اگر ان دونوں کے ساتھ میت کی اولاد نہ ہو، مذکور ہو یا مؤنث، برابر ہیں، پھر اگر یہ اولاد بیٹا ہو تو ماں باپ کے حصہ کے بعد باقی ماندہ اسی کا ہوگا، کیونکہ یہ سب سے قریبی عصبہ ہے، اور ذوی القروض کے حصوں کے بعد باقی ماندہ مال کا سب سے زیادہ حق دار ہے، کیونکہ فرمان نبوی ہے: ”اَلْحَقُّوْا الْفَرَائِضَ بِاَهْلِهَا فَمَا بَقِيَ فَلِاَوْلٰى رَجُلٍ ذَكَرَ“ (۲) (ذوی القروض (یعنی حصے والوں) کو ان کا مقررہ حصہ دے دو، اور جو مال ان کا حصہ دے کر بچ رہے وہ قریب کے مرد کا ہے)۔ لہذا فرض کے طور پر باپ کا حصہ میراث، چھٹا ہے یہ باپ کی پہلی حالت ہے۔

اگر میت کی اولاد لڑکی ہو یا پوتی یا اس سے نیچے، اور اس کے ساتھ کوئی مذکر اولاد نہیں جو اس کو عصبہ بنادے تو بیٹی یا پوتی کا حصہ دے کر باقی مال باپ کا ہوگا، نیز باپ کو فرض کے طور پر چھٹا حصہ بھی ملے گا،

اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ میت کا قریب ترین عصبہ ہے، اور یہ دوسری حالت ہے۔

اگر میت کی علی الاطلاق کوئی اولاد نہ ہو، فقط اس کے والدین اس کے وارث ہوں، اور میت کا کوئی بھائی نہیں، تو اس صورت میں ماں کو تہائی ملے گا، اور باقی (دو تہائی) باپ کو تعصیب (عصبہ ہونے) کی حیثیت سے ملے گا، اور یہی تیسری حالت ہے، اس لئے کہ آیت میں بھائیوں کی عدم موجودگی میں ماں کا حصہ ”ثلث“ اور بھائیوں کی موجودگی میں ”سدس“ مذکور ہے، بھائیوں کی عدم موجودگی میں باپ کے حصہ کا آیت میں تذکرہ نہیں، تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ ماں کے حصہ کے بعد باقی ماندہ کا وارث باپ ہوگا، کیونکہ عصبیات کی شان یہی ہے، مذکورہ احکام فقہاء مذاہب اربعہ کے درمیان اتفاق ہیں (۱)۔

ماں کی میراث:

۲۸- میراث میں ماں کی تین حالتیں ہیں:

حالت اول: فرض کے طور پر وارث ہو، اور اس کا حصہ ”سدس“ ہوگا، یہ اس صورت میں ہے جب کہ میت کی کوئی اولاد موجود نہ ہو جو فرض (مقررہ حصہ) یا تعصیب (عصبہ ہونے) کی بنیاد پر وارث ہو، یا میت کے کئی بھائی موجود ہوں۔

اس کی دلیل یہ فرمان باری ہے: ”وَلَا يُوْنِيْهِ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا الشُّدُسُ مِمَّا تَرَكَ اِنْ كَانَ لَهُ وَلَدٌ“ (۲) (اور مورث کے والدین یعنی ان دونوں میں ہر ایک کے لئے اس مال کا چھٹا حصہ ہے جو وہ چھوڑ گیا ہے بشرطیکہ مورث کے کوئی اولاد نہ ہو)۔

لفظ ”ولد“ مذکر و مؤنث دونوں کو شامل ہے، اور کسی ایک کے

(۱) الفخاری علی السراجہ ص ۸۹، اور اس کے بعد کے صفحات۔

(۲) سورہ نساء ۱۱۔

(۱) سورہ نساء ۱۱۔

(۲) حدیث کذا رکھی ہے (حاشیہ فقرہ نمبر ۳)۔

ساتھ تخصیص کا تعلق نہیں، جیسا کہ وہ ایک اور کئی کو بھی شامل ہے، اور ولد کے حکم میں ہی ولد ابن (بیٹے کی اولاد) ہے، اور نیچے تک، کیونکہ لفظ ”ولد“ اس کو شامل ہے، اور اس لئے کہ اس پر اجماع ہے کہ ماں کو وارث بنانے کے معاملہ میں بیٹے کی اولاد، صلبی اولاد کے درجہ میں ہوتی ہے، اور ”إخوة“ (بھائیوں) سے مراد دویا اس سے زیادہ بھائی یا بہن ہیں، چاہے کسی جہت کے ہوں یعنی والدین کی طرف سے (حقیقی) ہوں یا باپ شریک، یا ماں شریک ہوں اگرچہ محبوب یعنی میراث سے محروم ہوں اس لئے کہ فرمان باری ہے:

”فَإِنْ كَانَ لَهُ إِخْوَةٌ فَلِأَخِيهِ الشُّدُوسُ“ (۱) (لیکن اگر مورث کے بھائی بہن ہوں تو اس کی ماں کے لئے ایک چھٹا حصہ ہے) اور لفظ ”إخوة“ کے تحت بھی آتے ہیں، کیونکہ ”اخوت“ میں سب شریک ہیں، یہی اکثر صحابہ اور جمہور فقہاء کا مذہب ہے، ابن عباس کا اختلاف ہے، ان کے نزدیک دو نہیں بلکہ تین بھائی بہن، ماں کو محبوب کرتے ہیں، لہذا اگر دو بھائی بہن ہوں تو ان کے نزدیک ماں کو تہائی ملے گا، کیونکہ آیت میں صراحت ہے کہ ماں کو ثلث سے محبوب کر کے سدس کی طرف کرنے والے ”إخوة“ ہیں، اور لفظ ”إخوة“ جمع ہے جس کا اطلاق تین یا اس سے زیادہ پر ہوتا ہے، دو پر نہیں ہوتا۔

جمہور کی دلیل حسب ذیل ہے:

اول: میراث میں دو اور جمع کا حکم یکساں ہے کیونکہ دو بیٹیاں ثلاثین (دو تہائی) کی وارث ہوتی ہیں جیسا کہ اگر وہ جمع کی صورت میں ہوں تو ہوتا ہے، اور دو بہنیں ثلاثین کی وارث ہوتی ہیں جیسا کہ کئی بہنیں وارث ہوتی ہیں، لہذا جب (محروم کرنے) میں إخوة میں سے دو جمع کی طرح ہوں گے۔

دوم: یہ کہ جمع کا اطلاق دو پر ہوتا ہے، قرآن کریم میں ہے:

”وَهَلْ أَتَاكَ نَبَأُ الْخَصْمِ إِذْ تَسُوْرُوا الْمِحْرَابَ، إِذْ دَخَلُوا عَلَى دَاوُدَ فَفَزِعَ مِنْهُمْ قَالُوا لَا تَخَفْ خَصْمَانِ بَغَى بَعْضُنَا عَلَى بَعْضٍ“ (۱) (بھلا آپ کو ان اہل مقدمہ کی خبر پہنچی ہے جب وہ دیوار پھاند کر حجرہ میں داؤد کے پاس آ گئے اور وہ ان سے گھبرا گئے تھے وہ لوگ بولے آپ ڈریئے نہیں ہم دو اہل مقدمہ ہیں کہ ایک نے دوسرے پر زیادتی کی ہے)۔ آیت میں بار بار جمع کی ضمیر، مثنیٰ (دو) یعنی لفظ خصمان کی طرف لوٹ رہی ہے۔

اسی طرح دو کی تعبیر جمع کے لفظ سے ذیل کے فرمان باری میں کی گئی ہے: ”إِنْ تَتُوبَا إِلَى اللَّهِ فَقَدْ صَغَتْ قُلُوبُكُمَا“ (۲) (اے (دونوں بیویو) اگر تم اللہ کے سامنے توبہ کر لو تو تمہارے دل (اسی طرف) مائل ہو رہے ہیں)۔ اور مروی ہے کہ حضرت ابن عباس نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس آ کر کہا: دو بھائی ماں کو چھٹے حصہ کی طرف کیوں لے جاتے ہیں جب کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ”فَإِنْ كَانَ لَهُ إِخْوَةٌ“ اور آپ کی قوم کی زبان میں ”أخوان“ (دو بھائی) إخوة (جمع) نہیں ہیں، تو حضرت عثمان نے فرمایا: کیا میں کسی ایسے معاملہ کو توڑ سکتا ہوں جو مجھ سے پہلے سے موجود ہے اور جس کا لوگوں میں تو ارث چلا آ رہا ہے اور جو تمام شہروں میں جاری ہے؟ (۳) اور حضرت معاذ بن جبل، نیز حسن بصری سے مروی ہے کہ ماں صرف عورتوں کی وجہ سے محبوب نہیں ہوتی، لہذا جب تک بھائی یا عورتوں کے ساتھ مرد (بھائی) نہ ہوں، ماں، ثلث سے سدس کی طرف محبوب نہ ہوگی۔ اس لئے کہ فرمان باری ہے: ”فَإِنْ كَانَ لَهُ إِخْوَةٌ“ میں لفظ ”إخوة“ جمع ذکور (مرد) ہے، لہذا اس میں تنہا عورتیں داخل نہیں ہوں گی، جب کہ مخالفین نے کہا: لفظ ”إخوة“ تنہا بہنوں کو بھی

(۱) سورہ ص ۲۱، ۲۲۔

(۲) سورہ حجر ۴۔

(۳) جامعہ الفقہاری ص ۱۲۸، التھم ص ۸۳۔

(۱) سورہ نساء ۱۱۔

تعلیماً شامل ہے۔

جد صحیح کے حالات:

الف۔ بھائیوں کی عدم موجودگی میں:

۲۹۔ جد صحیح: جس کی نسبت میت کی طرف کرنے میں ماں کا دخل نہ ہو، مثلاً باپ کا باپ (دادا) اور پردادا چاہے اوپر کی پشت کا ہو، جد صحیح اصحاب فرض اور مصبات دونوں میں سے ہے، وہ باپ کی وجہ سے محبوب ہو جاتا ہے، لہذا باپ کی موجودگی میں وہ وارث نہ ہوگا، اور اگر باپ موجود نہ ہو تو دادا اس کی جگہ پر آجائے گا، اور باپ ہونے کے اعتبار سے وارث ہوگا، اور اس کے حق میں بھی باپ کے ہی سابقہ تینوں حالات ہوں گے یعنی اولاد زینہ کی موجودگی میں فرض کے طور پر سدس، میت کی اولاد مؤنث کی موجودگی کی صورت میں تعصیب کے ساتھ فرض اور کسی بھی وارث اولاد کی عدم موجودگی کی صورت میں صرف تعصیب جس کی رو سے وہ پورے ترک یا باقی ماندہ ترک کو لے گا (۱)۔

ان حالات میں جد صحیح کے وارث ہونے کی دلیل بعینہ وہی ہے جو باپ کو وارث بنانے کی ہے، وہ میراث کے باب میں باپ ہے اور کچھ دوسرے احکام میں بھی، اور اللہ تعالیٰ نے جد کو آب کہا ہے فرمان باری ہے: ”كَمَا أَخْرَجَ أَبَوَيْكُم مِّنَ الْجَنَّةِ“ (۲) (جیسا کہ اس نے نکال دیا تمہارے ماں باپ کو بہشت سے) (وین سے مراد: آدم و حوا، ہیں، نیز حضرت یوسفؑ کی زبانی فرمان باری ہے: ”وَاتَّبَعْتُ مِلَّةَ آبَائِي إِبْرَاهِيمَ وَإِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ“ (۳) (اور پکڑا میں نے دین اپنے باپ دادوں کا، ابراہیم، اسحاق اور یعقوب کا)۔

حدیث میں اس کی مثال یہ فرمان نبوی ہے: ”ارموا بنی اسماعیل فإن اباکم کان رامیا“ (۴) (اسماعیل کے بچو! اسماعیل کے بعد کے صفات طبع الکر دی، اور اس کے بعد کے صفات طبع النحلی، اسراجہ ص ۸۵، ۸۶، اور اس کے بعد کے صفات۔

حالت دوم: یہ ہے کہ فرض کے طور پر وارث ہو، اور اس کا فرض پورے ترک کا تہائی ہے، یہ اس صورت میں ہے جب کہ میت کا کوئی اولاد میں وارث، یا چند بھائی نہ ہوں، اور ورثاء میں زوجین میں سے کوئی بھی نہ ہو، اور اس کے ساتھ صرف باپ ہو، اس لئے کہ فرمان باری ہے: ”وَلَا يَوْنِيهِ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّلُسُ مِمَّا تَرَكَ إِنْ كَانَ لَهُ وَلَدٌ فَإِنْ لَمْ يَكُنْ لَهُ وَلَدٌ، وَوَرِثَهُ أَبَوَاهُ فَلِأُمِّهِ الثُّلُثُ“ (۱) (اور مورث کے والدین یعنی ان دونوں میں ہر ایک کے لئے اس مال کا چھٹا حصہ ہے جو وہ چھوڑ گیا ہے بشرطیکہ مورث کے کوئی اولاد نہ ہو اور اگر مورث کے کوئی اولاد نہ ہو اور اس کے والدین ہی وارث ہوں تو اس کی ماں کا ایک تہائی ہے)۔

حالت سوم: یہ ہے کہ فرض کے طور پر وارث ہو، اور اس کا فرض زوجین میں سے موجودہ کا حصہ دینے کے بعد باقی ماندہ ترک کا ثلث ہوگا، پورے ترک کا ثلث نہیں ہوگا، یہ اس صورت میں ہے جب کہ مرنے والا ماں، باپ، اور زوجین میں کسی ایک کو چھوڑے اور جمع کی تعداد میں بھائی نہ ہوں۔

اس تیسری حالت کی دونوں صورتوں میں سے ہر ایک کو ”مسئلہ عمریہ“ کہتے ہیں، کیونکہ حضرت عمرؓ نے ہی ان کے متعلق یہ فیصلہ فرمایا تھا۔ اس کو مسئلہ ”غراویہ“ (شہرت یافتہ) بھی کہتے ہیں، کیونکہ اس کی شہرت تھی (۲)۔

اس کو غریبہ بھی کہتے ہیں۔

(۱) سورہ نساء ۱۱۔

(۲) اتحدہ ص ۸۵، اور اس کے بعد کے صفات طبع النحلی، اسراجہ ص ۸۷، ۸۸، اور اس کے بعد کے صفات طبع الکر دی۔

(۱) جامعہ الفقاری علی اسراجہ ص ۸۹، اور اس کے بعد کے صفات۔

(۲) سورہ اعراف ۲۷۔

(۳) سورہ یوسف ۸۸۔

(۴) حدیث: ”ارموا بنی اسماعیل...“ کی روایت بخاری (۱/۲۶۱) فتح المبارکی

تیر اندازی کرو، تمہارے باپ اسماعیل تیر انداز تھے۔

یہ احکام اس صورت کے ہیں، جب دادا کے ساتھ میت کے بھائی نہ ہوں۔

ب۔ بھائیوں کے ساتھ دادا:

۳۰۔ باتفاق فقہاء دادا کے ساتھ ماں شریک بھائی یا بہن وارث نہیں ہوتے، البتہ حقیقی یا صرف باپ شریک بھائی (جب دادا کے ساتھ جمع ہوں تو ان) کے بارے میں امر ثلاثہ اور صاحبی کی رائے یہ ہے کہ دادا کے ساتھ حقیقی اور باپ شریک بھائی وارث ہوں گے۔

اور امام ابو حنیفہ کا مذہب یہ ہے کہ دادا، باپ کا حکم لے لے گا، لہذا بھائیوں کو محبوب (محرم) کر دے گا، یہی رائے ابن جریر، طبری، مزنی، اور ابو ثور (شافعیہ میں سے) کی ہے، امام ابو حنیفہ نے دادا کو باپ کی جگہ رکھنے سے دو مسائل مستثنیٰ کئے ہیں جن کا ذکر (فقہہ ۳۲ میں) آ رہا ہے۔

امام ابو حنیفہ اور ان کے موافقین کا استدلال یہ ہے کہ دادا، باپ ہے، لہذا باپ کی عدم موجودگی میں اس کے قائم مقام ہوگا اور بھائیوں کو محبوب کر دے گا، جیسا کہ باپ بھائیوں کو محبوب کر دیتا ہے، قرآن وحدیث میں دادا کو باپ کہا گیا ہے، وہ بہت سے احکام میں باپ کا حکم لیتا ہے، اس لئے بھائیوں کو محبوب کرنے میں بھی وہ باپ کے درجہ میں ہوگا، اور اس لئے کہ جد مباشر (خود اپنا دادا) میت کے اعتبار سے سلسلہ نسب میں سب سے اعلیٰ ہے، اور ابن ابن مباشر (خود اپنا پوتا) سلسلہ نسب میں سب سے نیچے ہوتا ہے، اور ان میں سے ہر ایک میت کے ساتھ صرف ایک واسطہ درجہ سے وابستہ ہے۔ اور باتفاق فقہاء ابن ابن (پوتا) میت کے بھائیوں کو محبوب کر دیتا ہے، تو

ضروری ہے کہ دادا کی بھی یہی حیثیت ہو۔

اسی طرح ان کا استدلال اس حدیث سے ہے: ”الْحَقُّوْا الْفَرَائِضَ بِأَهْلِهَا فَمَا بَقِيَ فَلْأُولَىٰ رَجُلٌ ذَكَرَ“ (۱) (ذوی الفروض (حصے والوں) کو ان کے مقررہ حصہ دے دو، اور جو مال ان کا حصہ دے کر بچ رہے، وہ قریب کے مرد رشتہ دار (عصبہ) کا ہے)۔ اور بھائی کے مقابلہ میں دادا، میت سے زیادہ قریب ہے کیونکہ اس کا ”ولایت“ و ”جزئیت“ کا رشتہ ہے، جیسا کہ باپ کا ہے، اور باپ کے علاوہ کوئی بھی دادا کو وراثت سے محبوب نہیں کرتا، برخلاف بھائی اور بہنوں کے کہ ان کو تین اشخاص یعنی باپ، بیٹا اور پوتا محبوب کرتے ہیں۔ باپ، بیٹا، پوتا، دادا، باپ ہی کی طرح فرض (مقررہ حصے) اور تہصیب (عصبہ ہونے) کی بنیاد پر وارث ہوتا ہے، جب کہ بھائی ان میں سے کسی ایک وجہ سے ہی وارث ہوتے ہیں۔

دادا کے ساتھ بھائیوں کے وارث ہونے کے قائلین کے دلائل یہ ہیں:

اول: حقیقی یا باپ شریک بھائیوں کی وراثت قرآن سے ثابت ہے، فرمان باری ہے: ”وَإِنْ كَانُوا إِخْوَةً رِّجَالًا وَنِسَاءً فَلِلَّذَكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنثَىٰ“ (۲) (اور اگر وارث چند بھائی بہن مرد و عورت ہوں، تو ایک مرد کو دو عورتوں کے حصہ کے برابر ملے گا)۔ اور کوئی ایسی نص نہیں جو ان کو وراثت سے روک دے اور نہ روکنے پر کوئی دلیل ہے۔

دوم: یہ کہ دادا اور بھائی میت سے قرب کے درجہ میں برابر ہیں، کیونکہ دادا اور بھائی میت کے ساتھ ایک ہی واسطہ درجہ کے ساتھ وابستہ ہیں، دونوں ہی باپ کے واسطہ سے اس سے متعلق

(۱) یہ حدیث فقرہ نمبر ۳ کے حاشیہ میں گذر چکی ہے۔

(۲) سورہ نساء ۱۷۶۔

= طبع المستقیم نے کی ہے۔

ارث ۳۱

ہیں۔ دادا، باپ کا باپ، اور بھائی، باپ کا بیٹا ہے، اور بنوۃ (بیٹا ہونے) کا رشتہ، ابوۃ (باپ ہونے) کے رشتہ سے کم نہیں۔
سوم: دادا ہر حالت میں باپ کے قائم مقام نہیں بلکہ اس کے بعض احکام باپ سے مختلف ہیں، مثلاً دادا کے مسلمان ہونے کی وجہ سے بچہ مسلمان نہیں ہوتا۔

بھائیوں کے ساتھ دادا کا حصہ:

۳۱- بھائیوں کے ساتھ دادا کی میراث کی مقدار کے بارے میں کتاب وسنت میں کوئی نص نہیں، ہاں اس کا حکم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اجتہاد سے ثابت ہے۔

حضرت علی کا مذہب مشہور روایت کے مطابق یہ ہے کہ بہنوں کے حصے کے بعد بقیہ دادا کا ہوگا، اگر ان کے ساتھ بھائی نہ ہو، بشرطیکہ باقی مال سدس (چھٹے حصے) سے کم نہ ہو، ورنہ مقاسمہ کرے گا (یعنی ترکہ اس طرح تقسیم کیا جائے کہ دادا کو ایک فرد شمار کیا جائے اور دوسروں کے برابر اس کو حصہ دیا جائے) بشرطیکہ مقاسمہ جد کے حصہ کو سدس سے کم نہ کر دے، نیز یہ کہ بیٹیوں یا پوتیوں میں سے کوئی نہ ہو، لہذا اگر بہنوں کی وجہ سے اس کا حصہ سدس سے کم ہو جائے یا بہنوں کا حصہ دینے کے بعد سدس سے کم باقی رہے، یا اس کے ساتھ کوئی بیٹی، یا پوتی ہو تو دادا کو سدس ملے گا، حضرت علیؑ سے دوسری روایت میں ہے کہ وہ ہمیشہ ان میں سے ایک فرد کی طرح ہوگا۔

حضرت زید بن ثابت کا مذہب یہ ہے کہ دادا کا حصہ، ترکہ کے تہائی سے ہرگز کم نہیں ہونا چاہئے اگر اس کی میراث مقاسمہ کی بنیاد پر ہو، کیونکہ وہ دادا کو بھائیوں اور بہنوں کے ساتھ عصبہ مانتے ہیں، اس لئے کہ ان کے نزدیک دادا بھائیوں اور بہنوں کو ہر حال میں عصبہ بنادیتا ہے، خواہ وہ صرف مرد ہوں یا مرد و عورت دونوں، یا

صرف عورتیں۔

اور اگر دادا حقیقی بھائیوں کے ساتھ ہو، تو ایک حقیقی بھائی ہونے کی حیثیت سے ان کے ساتھ مقاسمہ کرے گا (برابر کا حصہ پائے گا) اور اگر باپ شریک بھائیوں کے ساتھ ہو تو باپ شریک بھائی ہونے کی حیثیت سے ان کے ساتھ مقاسمہ کرے گا، بشرطیکہ کسی حال میں اس کا حصہ ثلث (تہائی) سے کم نہ ہو، یہی امام مالک، امام احمد اور حنفیہ میں امام ابو یوسف اور امام محمد کا مذہب ہے، اور شافعیہ نے اس میں یہ قید لگائی ہے کہ اس کے ساتھ ذوی القروض میں سے کوئی نہ ہو، اگر اس کے ساتھ ذوی القروض میں سے کوئی ہو تو ان تین امور میں جو بہتر ہو وہی دادا کے لئے ہوگا: مقاسمہ یا باقی مال کا تہائی یا پورے مال کا تہائی۔

حنابلہ اور ان کے موافقین کے مذہب کی، ابن قدامہ نے ایک مثال دی ہے وہ یہ کہ اگر دادا کے ساتھ دو بھائی، یا چار بہنیں، یا ایک بھائی اور دو بہنیں ہوں، تو دادا کو پورے مال کا ثلث ملے گا، کیونکہ اس صورت میں ثلث اور مقاسمہ برابر رہتا ہے، اور اگر اس سے کم ہوں، تو ثلث میں دادا کا حصہ زیادہ ہوتا ہے، لہذا اس کے ساتھ مقاسمہ کرے گا، اور اگر بڑھ جائیں تو ثلث دادا کے لئے بہتر ہے، لہذا ثلث اس کو دے دو، چاہے وہ بھائی، بہن ایک باپ کے ہوں یا دو باپ کے۔

عبد اللہ بن مسعود کا مذہب یہ ہے کہ اگر دادا کے ساتھ صرف بہنیں ہوں، نہ تو ان کے ساتھ بھائی ہو اور نہ وارث ہونے والی اولاد جو ان کو عصبہ بنادے تو دادا کا حکم یہ ہے کہ بہنوں کے حصے اور ان کے ساتھ موجود ذوی القروض کے حصے کے بعد، عصبہ ہونے کے اعتبار سے وہ باقی مال کا وارث ہوگا، لیکن شرط یہ ہے کہ اس کا حصہ تہائی سے کم نہ ہو، یعنی اگر اس حالت میں اس کا حصہ ثلث سے کم ہو تو بھی اس کو ثلث دیا جائے گا۔

ان کی دلیل یہ ہے کہ اگر میت کی صرف بیٹیاں ہوں تو ان کے

جدات کی میراث:

۳۳- جدات دو طرح کی ہیں: جدات صحیحہ اور جدات غیر صحیحہ۔

جدہ صحیحہ: جس کی نسبت، میت کی طرف کرنے میں بیچ میں باپ نہ آئے، یا جس کا تعلق میت کے ساتھ کسی عصبہ یا ذوی القربىٰ مقررہ حصے والی عورت کے واسطے سے ہو، مثلاً ماں کی ماں (مائی)۔

غیر صحیحہ (فاسدہ): جس کا میت سے تعلق ایسے شخص کے واسطے سے ہو، جو نہ عصبہ ہو، اور نہ ہی مقررہ حصے والی عورت، مثلاً ماما کی ماں۔
جدہ کی میراث کا ذکر قرآن میں نہیں، بلکہ مشہور حدیث سے ثابت ہے یعنی حضرت مغیرہ بن شعبہؓ وغیرہ کی روایت میں ہے کہ نبی ﷺ نے جدہ کو سدس دیا، اور یہی صحابہ کرام اور سلف و خلف کے اجماع سے ثابت ہے۔

جدہ صحیحہ ذوی القربىٰ میں سے اور جدہ فاسدہ ذوی الارحام میں سے ہے۔

۳۴- جدہ صحیحہ کی میراث کی دو حالتیں ہیں:

حالت اول بنرض کے طور پر وارث ہو، اس کا فرض سدس ہوتا ہے، تنہا ہو تو پورے سدس کو لے گی، اور اگر کئی ہوں تو اسی سدس میں شریک ہوں گی، خواہ یہ جدہ ماں کی طرف سے ہو، مثلاً ماں کی ماں (مائی) یا باپ کی طرف سے ہو، مثلاً باپ کی ماں (دادی)، یا دونوں طرف سے ایک ساتھ ہو جیسے مائی، جو دادا کی ماں بھی ہو۔

اگر دو قرابت والی جدہ، ایک قرابت والی جدہ کے ساتھ جمع ہو، تو دونوں کو سدس میں سے آدھا آدھا ملے گا، یہ امام ابو یوسف کے یہاں ہے اور یہی شافعیہ کے مذہب میں صحیح اور مالکیہ کے یہاں قیاس کا حکم ہے، اس لئے کہ دو قرابت والی جدہ میں جدہ کی جہت کے متعدد ہونے سے اس کو کوئی نیا نام نہیں ملتا، جس کی وجہ سے وہ وارث ہو، وہ دونوں رشتوں کے اعتبار سے جدہ ہی ہے۔

ساتھ دادا کا حصہ ثلث سے کم نہیں ہوتا تو جب وہ دادا اور بھائیوں کو چھوڑ کر مرے تو بھی ایسا ہی ہونا چاہئے، اس لئے کہ فرع (اولاد) کے رشتہ کا تعلق، بھائی کے ساتھ بھائی کے رشتہ سے کہیں زیادہ قوی ہے۔
اور جب اولاد، دادا کے حصہ کو ثلث سے کم نہیں کرتی تو بھائیوں کے ساتھ اس کا حصہ بدرجہ اولیٰ ثلث ہوگا (۱)۔

۳۲- میراث اور حجب (میراث سے خروبی) کے باب میں باپ کی جگہ دادا کو رکھنے کے بارے میں امام ابو حنیفہ نے جن دو مسائل کو مستثنیٰ کیا ہے وہ یہ ہیں:

پہلا مسئلہ: شوہر، ماں اور دادا، (وارث ہوں) امام ابو حنیفہ نے فرمایا کہ اس مسئلہ میں ماں کو پورے مال کا ثلث ملے گا، اور اگر دادا کی جگہ باپ ہوتا، تو ماں کو بقیہ مال کا ثلث ملتا۔

دوسرا مسئلہ: بیوی، ماں، دادا، (وارث ہوں) تو ماں کے لئے پورے مال کا ثلث ہے، اصحاب ائماء نے امام ابو یوسف سے نقل کیا ہے کہ حضرت ابو بکر صدیقؓ کے قول کے مطابق ان دونوں جگہوں میں بھی ماں کو بقیہ مال کا ثلث ملے گا، اہل کوفہ نے حضرت ابن مسعودؓ سے بھی یہی قول نقل کیا ہے اور اہل بصرہ نے عبد اللہ بن عباسؓ سے نقل کیا ہے کہ شوہر کے لئے نصف اور بقیہ دادا اور ماں کے درمیان آدھا آدھا تقسیم ہوگا، اور زید بن ہارون کے واسطے سے حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ عورت کے لئے چوتھائی اور بقیہ ماں اور دادا کے درمیان آدھا آدھا ہوگا، تمام روایات زید بن ہارون کی اس روایت کو غلط کہتے ہیں، ان کا کہنا ہے کہ حضرت ابن عباسؓ نے یہ ”شوہر، ماں، اور دادا کے مسئلہ میں فرمایا تھا“ (۲)۔

(۱) المیزان الخیر یہ ص ۱۳۰، اور اس کے بعد کے صفحات طبع النعلنی، المغنی ۶/۲۱۸۔

(۲) المصنوع ۲۹/۱۸۰ طبع الحادہ۔

حنفیہ میں محمد بن الحسن، زفر اور حسن بن زیاد کی رائے، اور شافعیہ کے یہاں صحیح کے بالمقابل قول یہ ہے کہ سدر کو ان دونوں کے درمیان تین حصوں میں کر کے تقسیم کیا جائے گا، دو ٹکٹ، دو تہرابت والی جدہ کے لئے، اور ایک ٹکٹ، ایک تہرابت والی جدہ کے لئے ہوگا، اس لئے کہ وراثت کا استحقاق، سبب وراثت کے پائے جانے پر مرتب ہوتا ہے، لہذا اگر کسی میں دو اسباب پائے جائیں، اگرچہ دونوں متعلق ہوں (جہت و نسبت ایک ہو) تو ان دونوں کی وجہ سے وارث ہوگا جیسے دو تہرابت والی جدہ، اور اس صورت میں ایک جدہ، دو جدہ کی طرح ہوگی، اگرچہ اس کی شخصیت حقیقت کے اعتبار سے ایک ہے، پھر بھی حکم اور معنی کے لحاظ سے متعدد ہے، لہذا اس تعدد کے تقاضے سے دونوں اسباب کی بنیاد پر وہ حق دار ہوگی، اس کی مثال یہ ہے کہ اگر کسی ایک شخص میں وراثت کے دو مختلف اسباب پائے جائیں تو بالاتفاق اس کو ان دونوں کی وجہ سے وراثت ملے گی، مثلاً کسی عورت کا انتقال ہوا اور اس نے شوہر چھوڑا جو اس کے حقیقی چچا کا بیٹا ہے، تو فرض کے طور پر وہ آدھا مال لے لے گا، اس اعتبار سے کہ وہ شوہر ہے، اور باقی عصبہ ہونے کی وجہ سے لے لے گا، اس اعتبار سے کہ وہ حقیقی چچا کا بیٹا ہے (۱)۔

حالت دوم: ماں کی وجہ سے تمام جدات کا محبوب ہونا، چاہے باپ کی طرف سے ہوں یا ماں کی طرف سے۔ جدات لام (ماں کی طرف کی جدات) تو اس لئے (محرم ہوں گی) کہ ان کا تعلق میت سے ماں کے واسطے سے ہے، اور جدات لآب (باپ کی طرف کی جدات) اس لئے کہ جدات لام کی طرح ہیں، بلکہ ان سے بھی کمزور ہیں، اور اسی وجہ سے حضانت (بچوں کی پرورش) میں جدہ لام (ماں کی طرف کی

جدہ) لآب (باپ کی طرف کی جدہ) پر مقدم ہوتی ہے۔

جدات لآب (باپ کی طرف کی جدات) باپ کی وجہ سے ساقط ہو جاتی ہیں، یہی حضرت عثمان، علی اور زید بن ثابت رضی اللہ عنہم وغیرہ کا قول ہے، اور حضرت عمر، ابن مسعود اور ابو مسعود سے منقول ہے کہ باپ کی ماں (دادی) باپ کے ساتھ وارث ہوگی، شریح، حسن اور ابن سیرین نے اسی کو اختیار کیا ہے، کیونکہ ابن مسعود کی روایت میں ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے باپ کی ماں (دادی) کو باپ کی موجودگی میں سدر دیا۔

جدہ تریبہ (قریبی تہرابت والی جدہ) چاہے ماں کی طرف سے ہو یا باپ کی طرف سے ہو، جدہ بعیدہ (دور کی تہرابت والی چاہے اس کی جہت کچھ ہو) کو محبوب کر دیتی ہے، یہی حضرت علی کا مذہب، حضرت زید بن ثابت کی ایک روایت اور حنفیہ کا مذہب ہے، زید بن ثابت سے دوسری روایت یہ ہے کہ جدہ تریبہ اگر باپ کی طرف سے اور جدہ بعیدہ ماں کی طرف سے ہو تو دونوں برابر ہیں، ان دونوں اقوال کی شافعیہ کی کتابوں میں تصریح ہے، اور ان کے یہاں صحیح یہ ہے کہ باپ کی طرف سے جدہ تریبہ ماں کی طرف سے جدہ بعیدہ کو محبوب و ساقط نہیں کرتی، پہلی روایت کے مطابق جب چار قسموں میں ہوگا، جب کہ دوسری روایت کے مطابق جب تین قسموں میں ہوگا، اور اسی روایت کے مطابق امام مالک کا مذہب، امام شافعی کے دو اقوال میں سے صحیح قول، اور امام احمد کا مذہب ہے (۱)۔

میاں بیوی کی میراث:

۳۵- زوجین کی میراث کی قرآن کریم میں تصریح ہے فرمان باری ہے: "وَلَكُمْ نِصْفُ مَا تَرَكَ أَزْوَاجُكُمْ إِنْ لَمْ يَكُنْ لَهُنَّ

(۱) حاشیہ الفخاری علی السراجیہ ص ۱۳۰، ۱۳۱ طبع انکروی، المجلد الخیر ص ۱۰۰ طبع مجلس۔

(۱) الموسوطہ ۲/۱۶۵، اور اس کے بعد کے صفحات طبع المداق، ادب الفاضل ۶۶/۱، المجلد الخیر ص ۹۸، ۹۹ طبع المجلس۔

میں ہوتا ہے جب بیوی کی اولاد میں کوئی ایسا ہو جو فرض یا تعصیب (عصبہ ہونے) کی بنیاد پر وارث ہو، خواہ یہ وارث ہونے والی اولاد اسی شوہر سے ہو یا دوسرے شوہر سے۔

بیوی کے حالات:

بیوی صرف فرض کے طور پر وارث ہوتی ہے، اور اس کی دو حالتیں ہیں:

۳۷- پہلی حالت یہ کہ اس کا فرض (مقررہ حصہ) چوتھائی ہو، یہ اس صورت میں ہے جب کہ اس کے شوہر کی کوئی اولاد جو فرض یا تعصیب کے طور پر وارث ہو، موجود نہ ہو، اور اس طرح کی اولاد ہے بیٹا اور پوتا اور اس کے نیچے، اور بیٹی، پوتی اور اس کے نیچے، چاہے وارث ہونے والی اولاد شوہر کی اسی بیوی سے ہو یا دوسری بیوی سے۔

لہذا اس حالت میں یہ شکل بھی داخل ہوگی کہ شوہر کی اولاد ہی نہ ہو، یا اولاد ہو لیکن وہ فرض یا تعصیب (عصبہ ہونے) کی بنیاد پر وارث نہ ہو، اور وہ نواسی یا نواسا ہے۔

دوسری حالت یہ کہ بیوی کا فرض ثمن (آٹھواں حصہ) ہو، اور یہ اس صورت میں ہوتا ہے جب اس سے یا کسی دوسری بیوی سے شوہر کی اولاد موجود ہو جو وارث ہو رہی ہو۔

۳۸- زوجیت کی بنیاد پر میراث کے لئے دو شرطیں ہیں: پہلی شرط: یہ کہ زوجیت صحیح ہو، لہذا اگر عقد فاسد ہو تو زوجین کے درمیان وراثت جاری نہیں ہوگی، اگرچہ اسی عقد کے تقاضے کی وجہ سے دونوں کی معاشرت (ساتھ رہنا سہنا) وفات تک برقرار رہے، یہ امام ابوحنیفہ، امام شافعی اور امام احمد کا مذہب ہے۔

امام مالک نے کہا: اگر فساد کا سبب ایسا ہو کہ سب اس پر متفق ہوں مثلاً پانچویں عورت سے شادی کرنا جب کہ اسکے نکاح میں چار

وَلَدَ فَإِنْ كَانَ لَهَا وَلَدٌ فَلَكُمْ الرُّبْعُ مِمَّا تَرَكَ مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُوَصِّينَ بِهَا أَوْ ذَيْنِ وَلَهَا الرُّبْعُ مِمَّا تَرَكَمْ إِنْ لَمْ يَكُنْ لَكُمْ وَلَدٌ فَإِنْ كَانَ لَكُمْ وَلَدٌ فَلَهَا الثُّمُنُ مِمَّا تَرَكَمْ مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ تُوَصُّونَ بِهَا أَوْ ذَيْنِ“ (۱) (اور تمہارے لئے اس مال کا آدھا حصہ ہے جو تمہاری بیویاں چھوڑ جائیں بشرطیکہ ان کے کوئی اولاد نہ ہو اور اگر ان کے اولاد نہ ہو تو تمہارے لئے بیویوں کے ترکہ کی چوتھائی ہے وصیت نکالنے کے بعد جس کی وہ وصیت کر جائیں یا ادائے قرض کے بعد اور ان بیویوں کے لئے تمہارے ترکہ کی چوتھائی ہے بشرطیکہ تمہاری کوئی اولاد نہ ہو لیکن اگر تمہارے کچھ اولاد نہ ہو تو ان بیویوں کو تمہارے ترکہ کا آٹھواں حصہ ملے گا بعد وصیت (نکالنے) کے جس کی تم وصیت کر جاؤ یا ادائے قرض کے بعد)۔

آیت میں وضاحت ہے کہ زوجین میں سے ہر ایک صرف فرض کے طور پر وارث ہوتا ہے، اور ہر ایک کی دو حالتیں ہیں:

شوہر کے حالات:

۳۶- الف۔ شوہر کا فرض کے طور پر اپنی بیوی کی میراث کا نصف ملتا ہے جب کہ اس کی اولاد میں سے کوئی وارث ہونے والا نہ ہو، نہ فرض کے طور پر اور نہ عصبہ ہونے کی حیثیت سے، یعنی بیٹا، پوتا اور اس کے نیچے یا بیٹی، پوتی اور اس کے نیچے، خواہ یہ وارث ہونے والی اولاد اسی شوہر سے ہو یا دوسرے سے، اس حالت کے تحت دو شکلیں آتی ہیں، یہ بھی کہ بیوی کی کوئی اولاد ہی نہ ہو، یا اولاد ہو لیکن وہ فرض یا تعصیب کے طور پر وارث نہ ہو یعنی بیٹی کی بیٹی (نواسی) اور بیٹی کا بیٹا (نواسا)۔

ب۔ شوہر فرض کے طور پر چوتھائی کا وارث ہو، اور یہ اس صورت

عورتیں موجود ہوں، یا رضاعت کی وجہ سے حرام عورت سے حرمت کا سبب نہ جاننے کی وجہ سے شادی کرنا، تو اس صورت میں وہ ایک دوسرے کے وارث نہ ہوں گے، خواہ ان میں سے کوئی ایک علاحدگی اور فسخ سے قبل مرا ہو یا اس کے بعد، اور اگر فساد کا سبب ایسا ہے جو ائمہ کے درمیان اتفاق نہ ہو، مثلاً بالغہ عاتقہ کی شادی میں نکاح کا ولی نہ ہونا تو اس جیسی صورت میں اگر وفات فسخ کے بعد ہو تو ان میں وراثت نہیں، کیونکہ میراث کا متقاضی سبب موجود نہیں، اس لئے کہ زوجیت ختم ہوگئی ہے اور اگر فسخ سے پہلے وفات ہو تو میراث ثابت ہوگی، کیونکہ جو لوگ نکاح کو صحیح جانتے ہیں ان کے نزدیک زوجیت قائم ہے۔

دوسری شرط: یہ کہ وفات کے وقت زوجیت حقیقتاً قائم ہو یا حکماً قائم ہو، اسکی شکل یہ ہے کہ بیوی مطلقہ رجعیہ ہو اور عدت میں ہو۔

ہاں اگر طلاق بائن ہو تو وراثت نہیں اگرچہ وفات حالت عدت میں ہو، البتہ جس نے فرقت کے سبب کو اس حال میں اپنایا ہے کہ اس کو میراث سے بھاگنے والا قرار دیا جائے تو وراثت جاری ہوگی اور اس کی شکل یہ ہے کہ وہ مرض الموت میں گرفتار ہو۔

جب بیوی ایک ہی ہو تو وہ رملج و ثمن (چوتھائی و آٹھواں حصہ) اکیلے لے لے گی، اور اگر ایک سے زائد ہوں، مثلاً دو یا تین یا چار ہوں تو اس میں شریک ہوں گی (۱)۔

بیٹیوں کے احوال:

۳۹- میت کی بیٹیوں کی میراث کے احکام اس آیت میں جمع کر دئے گئے ہیں: "يُوصِيكُمُ اللَّهُ فِي أَوْلَادِكُمْ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنثِيَيْنِ فَإِنْ كُنَّ نِسَاءً فَوْقَ اثْنَتَيْنِ فَلَهُنَّ ثُلُثَا مَا تَرَكَ" (۱) حاشیہ ابن ماجہ ص ۲۹۱ / طبع بلاق، الخرش ۲۳۲ / طبع اشرقیہ، اجمہ ص ۸۷ / طبع المجلد، وادب الفاضل ۵۱۔

وَإِنْ كَانَتْ وَاحِدَةً فَلَهَا النِّصْفُ" (۱) (اللہ تم کو تمہاری اولاد (کی میراث) کے بارے میں حکم دیتا ہے مرد کا حصہ دو عورتوں کے حصہ کے برابر ہے اور اگر دو سے زائد عورتیں ہی ہوں تو ان کے لئے دو تہائی حصہ اس مال کا ہے جو مورث چھوڑ گیا ہے اور اگر ایک ہی لڑکی ہو تو اس کے لئے نصف حصہ ہے)۔

آیت سے معلوم ہوا کہ صلبی بیٹیوں کے احوال تین ہیں: حالت اول: ان کے ساتھ ایک یا کئی صلبی بیٹے ہوں تو اس حالت میں سب عصبہ ہوں گے، ایک مرد کا حصہ دو عورتوں کے برابر ہوگا، اور پورا ترکہ انہی کا ہوگا اگر مورث کے ورثاء میں ذوی القربی نہ ہوں، اور اگر ذوی القربی ہوں تو ان کے حصوں کے بعد باقی ماندہ ان کا ہے۔

حالت دوم: میت کی دو یا زائد بیٹیاں ہوں، اور ان کے ساتھ میت کا بیٹا نہیں تو اس حالت میں ان کے لئے ترکہ کا دو تہائی ہوگا، جو ان کے درمیان برابر و تہم تقسیم ہوگا۔

دو بیٹیوں کا حق ثلثین (دو تہائی) ہے، اس کی دلیل یہ ہے کہ غزوہ احد میں حضرت سعد بن رقیع کی شہادت ہوگئی (۲) انہوں نے دو بیٹیاں اور ایک بیوی چھوڑی، ان کے بھائی نے سارا مال لے لیا، تو ان کی بیوی نے رسول اکرم ﷺ کے پاس آ کر عرض کیا: سعد آپ ﷺ کے ساتھ جنگ میں شہید ہو گئے، انہوں نے دو بیٹیاں چھوڑی ہیں، ان لڑکیوں کے چچا نے سارا مال لے لیا، مال ہی عورتوں کے نکاح میں کسب کا باعث ہے، ایک دوسری روایت ہے: ان کا نکاح اس وقت ہوگا جب ان کے پاس مال ہو، آپ ﷺ نے فرمایا: "لَمْ يَنْزِلِ اللَّهُ تَعَالَى فِي ذَلِكَ شَيْئًا" (اس بابت کوئی

(۱) سورہ نساء ص ۱۱

(۲) "غزوہ احد میں شہید ہوئے" ترمذی کی روایت میں اسی طرح ہے یہ روایت احمد، ابوداؤد اور ابن ماجہ کے یہاں بھی ہے دیکھئے تحفۃ الاحوذی ص ۲۶۷-۲۶۸ طبع المجلد۔

خدا کی حکم مازل نہیں ہوا۔ پھر آپ ﷺ پر نزول وحی کے آثار ظاہر ہوئے، جب اس کے آثار ختم ہوئے تو آپ ﷺ نے فرمایا: ”قفوا مال سعد فقد أنزل الله تعالى في ذلك ما إن بينه لي بينته لكم“ (سعد کا مال روک لو، اللہ تعالیٰ نے اس کا حکم مازل کر دیا، اگر اس کو میرے لئے پہلے بیان کر دیا ہوتا تو میں تم سے ذکر کر دیتا)، اور آپ ﷺ نے یہ آیت تلاوت فرمائی: ”لِلرَّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ“، پھر یہ آیت پڑھی ”يُوصِيكُمُ اللَّهُ فِي أَوْلَادِكُمْ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنثِيَيْنِ“۔ پھر آپ ﷺ نے سعد کے بھائی کو بلایا، اور ان کو حکم دیا کہ دو ٹکٹ (دو تہائی) سعد کی بیٹیوں کو، اور ثمن (آٹھواں) ان کی بیوی کو دے دیں، اور بقیہ مال ان کا ہے، اور کہا گیا ہے: یہ اسلام میں پہلی میراث ہے (۱)۔

اسی طرح فرمان باری ”يُوصِيكُمُ اللَّهُ فِي أَوْلَادِكُمْ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنثِيَيْنِ“ سے بھی استدلال کیا گیا ہے، وجہ استدلال یہ ہے کہ لڑکا اور لڑکی کے ایک ساتھ ہونے کی کم سے کم شکل یہ ہے کہ ایک بیٹا اور ایک بیٹی ہو، اور اس وقت بیٹے کے لئے بالاتفاق ٹکٹین (دو تہائی) ہے، اس اشارہ سے معلوم ہوا کہ دو بیٹیوں کا حق فی الجملہ ٹکٹین ہے، اور یہ اسی شکل میں ہوگا جب تنہا وہ دونوں ہوں (یعنی دو لڑکیاں ہوں) لہذا ان دونوں کی حالت کے بیان کی ضرورت نہیں، ضرورت دو سے زائد کے حال کی تھی، اس وجہ سے آیت میں آیا

(۱) سعد بن الربیع کے قصہ میں یہ الفاظ ہمیں نہیں ملے، البتہ یوں الفاظ ہیں: ”أعط ابني سعد الفلثين وأعط أمهما الفمن وما بقي فهو لك“ یعنی اٹھا سعد“ (سعد کی دو بیٹیوں کو دو تہائی دے دو اور ان کی ماں کو آٹھواں حصہ دے دو اور جو بچے وہ چھوڑے لئے ہے یعنی سعد کے بھائی کے لئے) اس کی روایت ترمذی (۲۶۷/۱) تحت الاحوذی طبع المستقیم، ابو داؤد (۸۰/۳) طبع المطبعة الانصاریہ (دہلی) اور حاکم (۳۳۳/۳) طبع دائرة المعارف العثمانیہ نے کی ہے۔ اور ابن حجر نے النسخ (۲۳۳/۸) طبع المستقیم میں اس پر مکتوب کیا ہے۔

ہے: ”فَإِنْ كُنَّ نِسَاءً فَوْقَ اثْنَتَيْنِ“ (۱) (اور اگر دو سے زائد عورتیں ہی ہوں) یعنی اگر ان کی جماعت ہو تو ان کی تعداد جتنی بھی ہو ان کے لئے وہی (ٹکٹین) ہے جو دو بیٹیوں کے لئے ہے، اس سے زیادہ نہیں ہوگا، اور اس لئے کہ دونوں بیٹیوں کی قرابت دو بہنوں کے مقابلہ میں قوی تر ہے، دو بہنوں کو ٹکٹین ملتا ہے، لہذا دو بیٹیاں بدرجہ اولیٰ ٹکٹین پائیں گی۔

نیز یہ کہ اگر بہن اپنے بھائی کے ساتھ ہو تو اس کے لئے ٹکٹ (تہائی) واجب ہے، لہذا اگر اس کے ساتھ دوسری بہن ہو تو بھی اس کے لئے ٹکٹ بدرجہ اولیٰ واجب ہوگا، اور اسی طرح بیٹی کا معاملہ ہے کہ اپنی بہن کے ساتھ اس کے لئے اسی قدر واجب ہے جو اس کو اس وقت ملتا ہے جب وہ تنہا اپنے بھائی کے ساتھ ہو (یعنی ایک تہائی)، لہذا دو کے لئے بھی یہی واجب ہے (یعنی ایک ایک تہائی اور مجموعہ دو تہائی)، یہ سب ائمہ اربعہ اور عام صحابہ کا مذہب ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے مروی ہے کہ دو بیٹیوں اور ایک بیٹی کا حکم یکساں ہے یعنی اگر ان دونوں کے ساتھ کوئی عصبہ نہ ہو تو ان کا حصہ نصف ہے۔

ابن عباس کے مذہب کے لئے اس آیت سے استدلال کیا گیا ہے: ”فَإِنْ كُنَّ نِسَاءً فَوْقَ اثْنَتَيْنِ فَلَهُنَّ ثُلُثَا مَا تَرَكَ وَإِنْ كَانَتْ وَاحِدَةً فَلَهَا النِّصْفُ“ (اور اگر دو سے زائد عورتیں ہی ہوں تو ان کے لئے دو تہائی حصہ اس مال کا ہے جو مورث چھوڑ گیا ہے اور

اگر ایک ہی لڑکی ہو تو اس کے لئے نصف حصہ ہے) آیت میں دو سے زائد بیٹیوں اور ایک بیٹی کے حکم کی صراحت ہے، اگر آپ دو بیٹیوں کو ٹکٹین دے دیں تو آیت کی خلاف ورزی ہوگی، لہذا یہی رہ گیا کہ ان

حالت اول: فرض کے طور پر نصف کی وارث ہو، یہ اس صورت میں ہے جب وہ تنہا ہو اور اس کے ساتھ کوئی اس کو عصبہ بنانے والا نہ ہو۔
حالت دوم: فرض کے طور پر پوتیاں شائین کی وارث ہوں، یہ اس صورت میں ہے جب کہ وہ ایک سے زائد ہوں اور ان کے ساتھ کوئی عصبہ بنانے والا نہ ہو۔

حالت سوم: تعصیب (عصبہ ہونے) کی بنیاد پر وارث ہو، یہ اس وقت ہے جب کہ ایک پوتی کے ساتھ یا چند پوتیوں کے ساتھ کوئی عصبہ بنانے والا موجود ہو۔

۴۱- اگر پوتی صلیبی بیٹی کے قائم مقام نہ ہو، جس کی صورت یہ ہے کہ اس کے ساتھ میت کی وارث ہونے والی اولاد موجود ہو درجہ میں پوتی سے قریب تر ہو، تو پوتی کے تین احوال یہ ہوتے ہیں:

حالت اول: فرض کے طور پر شائین یعنی دو تہائی حصوں کی تکمیل کے لئے سدس یعنی چھٹے حصے کی وارث ہو، وہ تنہا ہو یا ایک سے زائد، اور یہ اس صورت میں ہوتا ہے جب کہ اس کے ساتھ بیٹی موجود ہو جس کا درجہ پوتی سے اعلیٰ ہو، خواہ بیٹی صلیبی ہو یا غیر صلیبی، بشرطیکہ پوتی کے ساتھ اس کو عصبہ بنانے والا کوئی نہ ہو، اور اگر اس کے ساتھ اس کو عصبہ بنانے والا ہو تو پوتی عصبہ ہونے کی وجہ سے وارث ہوگی، فرض کے طور پر نہیں۔

حالت دوم: یہ کہ بیٹیوں کا حصہ دینے کے بعد اس کے لئے کچھ نہ بچے، اور یہ اس صورت میں ہے جب کہ میت کی دو یا زیادہ صلیبی بیٹیاں، یا ایسی پوتیاں موجود ہوں جن کے باپ کا درجہ دوسری پوتی سے اعلیٰ ہے، تو اس صورت میں وہ تعصیب کے طور پر وارث ہوگی اگر اس کے ساتھ کوئی اس کو عصبہ بنانے والا ہو، اور اگر نہ ہو تو اس کے لئے کچھ نہیں۔ ابن عباس کی رائے یہ ہے کہ ایک پوتی یا کئی پوتیاں شائین کی تکمیل کے لئے سدس لیں گی، اس لئے کہ ان کے نزدیک دو بیٹیوں کا

کو اس سے کم دیا جائے (۱)۔ لیکن شریف ارموی نے کہا ہے: اس سے ابن عباسؓ کا رجوع ثابت ہے، لہذا اس مسئلہ میں اجماع ہو گیا، کیونکہ اختلاف کے بعد اجماع حجت ہے۔ علامہ شمشوریؒ نے اجماع نقل کرتے ہوئے کہا ہے: ابن عباسؓ سے جو نقل کیا جاتا ہے وہ غلط ہے، ان سے ثابت نہیں (۲)۔

حالت سوم: فرض کے طور پر نصف کی وارث ہو، یہ اس صورت میں ہے جب کہ وہ تنہا ہو، اس کے ساتھ اس کو عصبہ بنانے والا کوئی یعنی میت کا اپنا بیٹا نہ ہو، اس کی دلیل یہ آیت ہے: ”وَإِذَا كَانَتْ وَاحِدَةً فَلَهَا النِّصْفُ“ (اور اگر ایک ہی لڑکی ہو تو اس کے لئے نصف (حصہ) ہے)۔

پوتیوں کے احوال: (۳)

۴۰- پوتی: جس کی میت کی طرف نسبت بیٹے کے واسطے سے ہو، چاہے اس پوتی کا باپ نیچے سے نیچے درجہ کا ہو، لہذا اس کے تحت بنت ابن (پوتی) بنت ابن ابن (پر پوتی) وغیرہ سب آئیں گی۔

میراث میں پوتی کے چھ حالات ہیں: تین حالات اس وقت ہوتے ہیں جب وہ صلیبی بیٹی کے قائم مقام ہوتی ہے، یہ اس وقت ہوتا ہے جب کہ اس کے ساتھ میت کی وارث ہونے والی کوئی ایسی اولاد نہ ہو جس کا درجہ پوتی سے قریب ہو، چاہے یہ اولاد مذکر ہو یا مؤنث، اور تین حالات اس وقت ہوتے ہیں جب وہ صلیبی بیٹی کے قائم مقام نہیں ہوتی ہے۔

اگر پوتی صلیبی بیٹی کے قائم مقام ہو تو اس کے تین حالات یہ ہیں:

(۱) جامعہ الفتاویٰ علی السراجہ ص ۱۰۲، اور اس کے بعد کے صفحات طبع نکردی۔

(۲) حذب الفاضل ص ۵۲۔

(۳) السراجہ مع جامعہ الفتاویٰ ص ۱۰۶۔

حکم ایک بیٹی کی طرح ہے، اور ابن مسعودؓ نے فرمایا: چند پوتیاں و بیٹیوں کے ساتھ وارث نہیں ہوں گی اگر ان کے ساتھ ایک پوتا ہو یا کئی پوتے ہوں، بلکہ بقیہ مال پوتے کو ملے گا، کیونکہ اس صورت میں اگر پوتیوں کو دیا جائے تو بیٹیوں کا حق ثلثین سے بڑھ جائے گا، حالانکہ اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے ثلثین سے زیادہ مقرر نہیں کیا۔

حضرت ابن مسعود کے علاوہ دوسرے حضرات کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ثلثین چند لڑکیوں کے لئے فرض کے طور پر مقرر کیا ہے، اور پوتیوں کا استحقاق تعصیب کے طور پر ہے، لہذا دونوں الگ الگ ہیں، ایک حق کو دوسرے میں نہیں ملایا جائے گا، اس طرح ثلثین سے زائد بھی نہیں ہوا۔

حالت سوم: بالکلیہ وارث نہ ہو، ایک ہو یا زائد، ان کے ساتھ عصبہ بنانے والا ہو یا نہ ہو، اور یہ اس صورت میں ہے جب اس کے ساتھ بیٹا موجود ہو، یا ایسا پوتا جس کا درجہ اس پوتی سے اوپر ہو۔ یہی حالات عام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے یہاں ہیں، البتہ دوسری حالت میں حضرت ابن مسعودؓ اس سے مستثنیٰ ہیں (۱)۔

حقیقی بہنوں کے احوال:

۴۲- حقیقی بہنوں کے پانچ احوال ہیں، ان میں سے بعض کتاب اللہ سے بعض سنت نبویہ سے اور بعض اجماع سے ثابت ہیں۔

حالت اول و دوم: بہن اگر تنہا ہو اور وراثت میں اس کو محبوب کرنے والا یا حقیقی بھائی نہیں تو اس کے لئے نصف ہے، اور ثلثین دیا اس سے زیادہ بہنوں کے لئے ہے جب کہ ان کے ساتھ حقیقی بھائی نہ ہو، اس کی دلیل فرمان باری ہے: "يَسْتَفْتُونَكَ قُلِ اللَّهُ يُفْتِيكُمْ فِي الْكُلَالَةِ، إِنْ امْرُؤٌ هَلَكَ لَيْسَ لَهُ وَلَدٌ وَلَهُ أُخْتُ فَلَهَا

نِصْفُ مَا تَرَكَ وَهُوَ يَرِثُهَا إِنْ لَمْ يَكُنْ لَهَا وَلَدٌ، فَإِنْ كَانَتَا اثْنَتَيْنِ فَلَهُمَا الثُّلُثَانِ مِمَّا تَرَكَ، وَإِنْ كَانُوا إِخْوَةً رِجَالًا وَنِسَاءً فَلِلَّذَكَرِ مِثْلُ حِظِّ الْأُنثَيَيْنِ" (۱) (لوگ آپ سے حکم دریافت کرتے ہیں آپ کہہ دیجئے کہ اللہ تمہیں (میراث) کمالہ کے باب میں حکم دیتا ہے کہ اگر کوئی شخص مر جائے اور اس کے کوئی اولاد نہ ہو اور اس کے ایک بہن ہو تو اسے اس ترکہ کا نصف ملے گا اور وہ مرد وارث ہوگا اس (بہن کے کل ترکہ) کا اگر اس (بہن) کے اولاد نہ ہو اگر دو بہنیں ہوں تو ان دونوں کو ترکہ میں سے دو تہائی ملے گا اور اگر (وارث) چند بھائی بہن مرد و عورت ہوں تو ایک مرد کو دو عورتوں کے حصہ کے برابر ملے گا)۔

آیت میں "أخت" سے مراد حقیقی یا باپ شریک بہنیں ہیں، کیونکہ یہی تعصیب کے طور پر بعض حالات میں وارث ہوتی ہیں، جب کہ ماں شریک بہنیں محض فرض کے طور پر وارث ہوتی ہیں، اس کو اللہ تعالیٰ نے اس سورہ کے آغاز میں آیت کمالہ میں ذکر کیا ہے، اسی طرح اس سورہ کی آخری آیت میں حقیقی اور باپ شریک بہنوں کے حصے کا ذکر ہے۔

اگر بہنیں دو سے زیادہ ہوں تو ان کو ثلثین (دو تہائی) ملے گا، اس کی دلیل اولاد کے حصے کے بارے میں اللہ کا فرمان ہے: "يُوصِيكُمُ اللَّهُ فِي أَوْلَادِكُمْ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حِظِّ الْأُنثَيَيْنِ فَإِنْ كُنَّ نِسَاءً فَوْقَ اثْنَتَيْنِ فَلَهُنَّ ثُلُثَا مَا تَرَكَ" (اللہ تمہیں تمہاری اولاد کی میراث) کے بارے میں حکم دیتا ہے، مرد کا حصہ دو عورتوں کے حصہ کے برابر ہے اور اگر دو سے زائد عورتیں (ہی) ہوں تو ان کے لئے دو تہائی (حصہ) اس مال کا ہے جو مورث چھوڑ گیا ہے)۔

اس لئے کہ جب تین یا اس سے زائد بیٹیاں ثلثین کی وارث ہوتی

(۱) شرح المسراۃ ص ۱۰۹ طبع المکریدی۔

(۱) سورہ نساء ۱۷۶۔

حالت پنجم: محروم ہونا، اور یہ اس صورت میں ہے جب کہ میت وارث ہونے والی زینہ اولاد چھوڑے یا باپ کو چھوڑے، اور دادا کے ساتھ ان کی وراثت کے بارے میں اختلاف اور تفصیل ہے۔

باپ شریک بہنوں کے احوال:

۴۳- باپ شریک بہنوں کے سات احوال ہیں:

- ۱- نصف: اکیلی کے لئے، اگر اس کے ساتھ حقیقی بہن نہ ہو، یا باپ شریک بھائی نہ ہو جو اس کو عصبہ بنادے۔
- ۲- ثلثین: دو یا زائد کے لئے، اگر ان کے ساتھ حقیقی بہن نہ ہو یا باپ شریک بھائی نہ ہو جو ان کو عصبہ بنادے، ان دو حالتوں کی دلیل آخر سورہ نساء کی آیت کمالہ ہے: "يَسْتَفْتُونَكَ قُلِ اللَّهُ يُفْتِيكُمْ فِي الْكَلَالَةِ"۔

۳- ایک یا زیادہ کے واسطے ثلثین کی تکمیل کے لئے چھنا حصہ ہے جبکہ ایک حقیقی بہن ساتھ میں ہو، کیونکہ ایک حقیقی بہن کا حصہ نصف ہے، اور اس کے ساتھ باپ شریک بہن ایسی ہے جیسے بیٹی کے ساتھ پوتی، لہذا ثلثین کی تکمیل کے لئے وہ سدس لے گی۔ ہاں اگر اس حالت میں اس کے ساتھ باپ شریک بھائی موجود ہو تو وہ اس کو عصبہ بنادے گا، اور یہ چوتھی حالت ہے جو آگے آرہی ہے، اور باپ شریک بھائی اور بہن ایک ساتھ ساقد ہو جاتے ہیں اگر مقررہ حصے پورے ترک پر حاوی ہوں، اس لئے کہ بہنوں کا حصہ ثلثین ہے فرمان باری ہے: "فَإِنْ كَانَتَا اثْنَتَيْنِ فَلَهُمَا الثُّلُثَانِ مِمَّا تَرَكَ"۔

۴- باپ شریک بھائی کی وجہ سے تعصیب (عصبہ بنایا جانا)، لہذا مرد کو عورت کے حصے کا دو گنا دیا جائے گا۔

۵- بیٹیوں یا پوتیوں کے ساتھ اگر چہ وہ نیچے کی ہوں، یا دونوں کے ساتھ عصبہ مع الغیر کی وجہ سے وراثت۔ اس حالت میں بیٹیوں

ہیں، جب کہ ان کا رشتہ میت سے زیادہ قریبی ہے، تو چند بہنیں بدرجہ اولیٰ ثلثین سے زیادہ نہیں لیں گی، اور آیت میں دو سے زائد بہنوں کے حصے کی صراحت اس لئے نہیں ہے کہ اولاد کے حصے کے بارے میں وارد ہونے والی خصوصی آیت اس کو بتاتی ہے۔

حالت سوم: حقیقی بہن یا حقیقی بہنوں کے ساتھ حقیقی بھائی ہو تو ان کے لئے اس کے ساتھ ذوی القربى کے حصے کے بعد باقی ماندہ مال ہوگا، مرد کا حصہ دو عورتوں کے برابر ہوگا، کیونکہ اس بھائی کی وجہ سے وہ عصبہ ہو گئی ہیں، اللہ کا یہ فرمان یہی بتاتا ہے: "وَإِنْ كَانُوا إِخْوَةً رِجَالًا وَنِسَاءً فَلِلَّذَكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنثِيَيْنِ" (اور اگر (وارث) چند بھائی بہن مرد و عورت ہوں تو ایک مرد کو دو عورتوں کے حصہ کے برابر ملے گا)۔ مالکیہ و حنابلہ کی رائے یہ ہے کہ حقیقی یا باپ شریک بہن دادا کی وجہ سے عصبہ بالغیر ہو جاتی ہے، اگر اس کو عصبہ بنانے والا بھائی موجود نہ ہو، اور اس کے لئے بہن کے حصے کا دو گنا ہوگا (۱)۔

حالت چہارم: حقیقی بہن یا حقیقی بہنیں عصبہ مع الغیر ہوں، اور یہ اس صورت میں ہوتا ہے جب میت کی ایک یا اس سے زائد حقیقی بہنیں موجود ہوں، اور ان کے ساتھ حقیقی بھائی نہ ہو، اور میت نے اولاد میں صرف ایک لڑکی چھوڑی ہو، تو وارث ہونے والی لڑکی اپنا حصہ لے لے گی، اور ایک یا کئی حقیقی بہنیں عصبہ ہونے کے اعتبار سے باقی لیں گی، کیونکہ فرمان نبوی ہے: "اجعلوا الأخوات مع البنات عصبۃ" (۲) (بہنوں کو بیٹیوں کے ساتھ عصبہ بناؤ)۔ یہی عبد اللہ بن مسعودؓ کا فتویٰ ہے، اور انہوں نے فرمایا: یہی رسول اکرم ﷺ کا فیصلہ ہے (۳)۔

(۱) الدرر النوری ۵۹۳، ۵۹۴، المواعظ ۱۰/۱، ۱۱/۱، ۱۲/۱، ۱۳/۱، ۱۴/۱، ۱۵/۱، ۱۶/۱، ۱۷/۱، ۱۸/۱، ۱۹/۱، ۲۰/۱، ۲۱/۱، ۲۲/۱، ۲۳/۱، ۲۴/۱، ۲۵/۱، ۲۶/۱، ۲۷/۱، ۲۸/۱، ۲۹/۱، ۳۰/۱، ۳۱/۱، ۳۲/۱، ۳۳/۱، ۳۴/۱، ۳۵/۱، ۳۶/۱، ۳۷/۱، ۳۸/۱، ۳۹/۱، ۴۰/۱، ۴۱/۱، ۴۲/۱، ۴۳/۱، ۴۴/۱، ۴۵/۱، ۴۶/۱، ۴۷/۱، ۴۸/۱، ۴۹/۱، ۵۰/۱، ۵۱/۱، ۵۲/۱، ۵۳/۱، ۵۴/۱، ۵۵/۱، ۵۶/۱، ۵۷/۱، ۵۸/۱، ۵۹/۱، ۶۰/۱، ۶۱/۱، ۶۲/۱، ۶۳/۱، ۶۴/۱، ۶۵/۱، ۶۶/۱، ۶۷/۱، ۶۸/۱، ۶۹/۱، ۷۰/۱، ۷۱/۱، ۷۲/۱، ۷۳/۱، ۷۴/۱، ۷۵/۱، ۷۶/۱، ۷۷/۱، ۷۸/۱، ۷۹/۱، ۸۰/۱، ۸۱/۱، ۸۲/۱، ۸۳/۱، ۸۴/۱، ۸۵/۱، ۸۶/۱، ۸۷/۱، ۸۸/۱، ۸۹/۱، ۹۰/۱، ۹۱/۱، ۹۲/۱، ۹۳/۱، ۹۴/۱، ۹۵/۱، ۹۶/۱، ۹۷/۱، ۹۸/۱، ۹۹/۱، ۱۰۰/۱، ۱۰۱/۱، ۱۰۲/۱، ۱۰۳/۱، ۱۰۴/۱، ۱۰۵/۱، ۱۰۶/۱، ۱۰۷/۱، ۱۰۸/۱، ۱۰۹/۱، ۱۱۰/۱، ۱۱۱/۱، ۱۱۲/۱، ۱۱۳/۱، ۱۱۴/۱، ۱۱۵/۱، ۱۱۶/۱، ۱۱۷/۱، ۱۱۸/۱، ۱۱۹/۱، ۱۲۰/۱، ۱۲۱/۱، ۱۲۲/۱، ۱۲۳/۱، ۱۲۴/۱، ۱۲۵/۱، ۱۲۶/۱، ۱۲۷/۱، ۱۲۸/۱، ۱۲۹/۱، ۱۳۰/۱، ۱۳۱/۱، ۱۳۲/۱، ۱۳۳/۱، ۱۳۴/۱، ۱۳۵/۱، ۱۳۶/۱، ۱۳۷/۱، ۱۳۸/۱، ۱۳۹/۱، ۱۴۰/۱، ۱۴۱/۱، ۱۴۲/۱، ۱۴۳/۱، ۱۴۴/۱، ۱۴۵/۱، ۱۴۶/۱، ۱۴۷/۱، ۱۴۸/۱، ۱۴۹/۱، ۱۵۰/۱، ۱۵۱/۱، ۱۵۲/۱، ۱۵۳/۱، ۱۵۴/۱، ۱۵۵/۱، ۱۵۶/۱، ۱۵۷/۱، ۱۵۸/۱، ۱۵۹/۱، ۱۶۰/۱، ۱۶۱/۱، ۱۶۲/۱، ۱۶۳/۱، ۱۶۴/۱، ۱۶۵/۱، ۱۶۶/۱، ۱۶۷/۱، ۱۶۸/۱، ۱۶۹/۱، ۱۷۰/۱، ۱۷۱/۱، ۱۷۲/۱، ۱۷۳/۱، ۱۷۴/۱، ۱۷۵/۱، ۱۷۶/۱، ۱۷۷/۱، ۱۷۸/۱، ۱۷۹/۱، ۱۸۰/۱، ۱۸۱/۱، ۱۸۲/۱، ۱۸۳/۱، ۱۸۴/۱، ۱۸۵/۱، ۱۸۶/۱، ۱۸۷/۱، ۱۸۸/۱، ۱۸۹/۱، ۱۹۰/۱، ۱۹۱/۱، ۱۹۲/۱، ۱۹۳/۱، ۱۹۴/۱، ۱۹۵/۱، ۱۹۶/۱، ۱۹۷/۱، ۱۹۸/۱، ۱۹۹/۱، ۲۰۰/۱، ۲۰۱/۱، ۲۰۲/۱، ۲۰۳/۱، ۲۰۴/۱، ۲۰۵/۱، ۲۰۶/۱، ۲۰۷/۱، ۲۰۸/۱، ۲۰۹/۱، ۲۱۰/۱، ۲۱۱/۱، ۲۱۲/۱، ۲۱۳/۱، ۲۱۴/۱، ۲۱۵/۱، ۲۱۶/۱، ۲۱۷/۱، ۲۱۸/۱، ۲۱۹/۱، ۲۲۰/۱، ۲۲۱/۱، ۲۲۲/۱، ۲۲۳/۱، ۲۲۴/۱، ۲۲۵/۱، ۲۲۶/۱، ۲۲۷/۱، ۲۲۸/۱، ۲۲۹/۱، ۲۳۰/۱، ۲۳۱/۱، ۲۳۲/۱، ۲۳۳/۱، ۲۳۴/۱، ۲۳۵/۱، ۲۳۶/۱، ۲۳۷/۱، ۲۳۸/۱، ۲۳۹/۱، ۲۴۰/۱، ۲۴۱/۱، ۲۴۲/۱، ۲۴۳/۱، ۲۴۴/۱، ۲۴۵/۱، ۲۴۶/۱، ۲۴۷/۱، ۲۴۸/۱، ۲۴۹/۱، ۲۵۰/۱، ۲۵۱/۱، ۲۵۲/۱، ۲۵۳/۱، ۲۵۴/۱، ۲۵۵/۱، ۲۵۶/۱، ۲۵۷/۱، ۲۵۸/۱، ۲۵۹/۱، ۲۶۰/۱، ۲۶۱/۱، ۲۶۲/۱، ۲۶۳/۱، ۲۶۴/۱، ۲۶۵/۱، ۲۶۶/۱، ۲۶۷/۱، ۲۶۸/۱، ۲۶۹/۱، ۲۷۰/۱، ۲۷۱/۱، ۲۷۲/۱، ۲۷۳/۱، ۲۷۴/۱، ۲۷۵/۱، ۲۷۶/۱، ۲۷۷/۱، ۲۷۸/۱، ۲۷۹/۱، ۲۸۰/۱، ۲۸۱/۱، ۲۸۲/۱، ۲۸۳/۱، ۲۸۴/۱، ۲۸۵/۱، ۲۸۶/۱، ۲۸۷/۱، ۲۸۸/۱، ۲۸۹/۱، ۲۹۰/۱، ۲۹۱/۱، ۲۹۲/۱، ۲۹۳/۱، ۲۹۴/۱، ۲۹۵/۱، ۲۹۶/۱، ۲۹۷/۱، ۲۹۸/۱، ۲۹۹/۱، ۳۰۰/۱، ۳۰۱/۱، ۳۰۲/۱، ۳۰۳/۱، ۳۰۴/۱، ۳۰۵/۱، ۳۰۶/۱، ۳۰۷/۱، ۳۰۸/۱، ۳۰۹/۱، ۳۱۰/۱، ۳۱۱/۱، ۳۱۲/۱، ۳۱۳/۱، ۳۱۴/۱، ۳۱۵/۱، ۳۱۶/۱، ۳۱۷/۱، ۳۱۸/۱، ۳۱۹/۱، ۳۲۰/۱، ۳۲۱/۱، ۳۲۲/۱، ۳۲۳/۱، ۳۲۴/۱، ۳۲۵/۱، ۳۲۶/۱، ۳۲۷/۱، ۳۲۸/۱، ۳۲۹/۱، ۳۳۰/۱، ۳۳۱/۱، ۳۳۲/۱، ۳۳۳/۱، ۳۳۴/۱، ۳۳۵/۱، ۳۳۶/۱، ۳۳۷/۱، ۳۳۸/۱، ۳۳۹/۱، ۳۴۰/۱، ۳۴۱/۱، ۳۴۲/۱، ۳۴۳/۱، ۳۴۴/۱، ۳۴۵/۱، ۳۴۶/۱، ۳۴۷/۱، ۳۴۸/۱، ۳۴۹/۱، ۳۵۰/۱، ۳۵۱/۱، ۳۵۲/۱، ۳۵۳/۱، ۳۵۴/۱، ۳۵۵/۱، ۳۵۶/۱، ۳۵۷/۱، ۳۵۸/۱، ۳۵۹/۱، ۳۶۰/۱، ۳۶۱/۱، ۳۶۲/۱، ۳۶۳/۱، ۳۶۴/۱، ۳۶۵/۱، ۳۶۶/۱، ۳۶۷/۱، ۳۶۸/۱، ۳۶۹/۱، ۳۷۰/۱، ۳۷۱/۱، ۳۷۲/۱، ۳۷۳/۱، ۳۷۴/۱، ۳۷۵/۱، ۳۷۶/۱، ۳۷۷/۱، ۳۷۸/۱، ۳۷۹/۱، ۳۸۰/۱، ۳۸۱/۱، ۳۸۲/۱، ۳۸۳/۱، ۳۸۴/۱، ۳۸۵/۱، ۳۸۶/۱، ۳۸۷/۱، ۳۸۸/۱، ۳۸۹/۱، ۳۹۰/۱، ۳۹۱/۱، ۳۹۲/۱، ۳۹۳/۱، ۳۹۴/۱، ۳۹۵/۱، ۳۹۶/۱، ۳۹۷/۱، ۳۹۸/۱، ۳۹۹/۱، ۴۰۰/۱، ۴۰۱/۱، ۴۰۲/۱، ۴۰۳/۱، ۴۰۴/۱، ۴۰۵/۱، ۴۰۶/۱، ۴۰۷/۱، ۴۰۸/۱، ۴۰۹/۱، ۴۱۰/۱، ۴۱۱/۱، ۴۱۲/۱، ۴۱۳/۱، ۴۱۴/۱، ۴۱۵/۱، ۴۱۶/۱، ۴۱۷/۱، ۴۱۸/۱، ۴۱۹/۱، ۴۲۰/۱، ۴۲۱/۱، ۴۲۲/۱، ۴۲۳/۱، ۴۲۴/۱، ۴۲۵/۱، ۴۲۶/۱، ۴۲۷/۱، ۴۲۸/۱، ۴۲۹/۱، ۴۳۰/۱، ۴۳۱/۱، ۴۳۲/۱، ۴۳۳/۱، ۴۳۴/۱، ۴۳۵/۱، ۴۳۶/۱، ۴۳۷/۱، ۴۳۸/۱، ۴۳۹/۱، ۴۴۰/۱، ۴۴۱/۱، ۴۴۲/۱، ۴۴۳/۱، ۴۴۴/۱، ۴۴۵/۱، ۴۴۶/۱، ۴۴۷/۱، ۴۴۸/۱، ۴۴۹/۱، ۴۵۰/۱، ۴۵۱/۱، ۴۵۲/۱، ۴۵۳/۱، ۴۵۴/۱، ۴۵۵/۱، ۴۵۶/۱، ۴۵۷/۱، ۴۵۸/۱، ۴۵۹/۱، ۴۶۰/۱، ۴۶۱/۱، ۴۶۲/۱، ۴۶۳/۱، ۴۶۴/۱، ۴۶۵/۱، ۴۶۶/۱، ۴۶۷/۱، ۴۶۸/۱، ۴۶۹/۱، ۴۷۰/۱، ۴۷۱/۱، ۴۷۲/۱، ۴۷۳/۱، ۴۷۴/۱، ۴۷۵/۱، ۴۷۶/۱، ۴۷۷/۱، ۴۷۸/۱، ۴۷۹/۱، ۴۸۰/۱، ۴۸۱/۱، ۴۸۲/۱، ۴۸۳/۱، ۴۸۴/۱، ۴۸۵/۱، ۴۸۶/۱، ۴۸۷/۱، ۴۸۸/۱، ۴۸۹/۱، ۴۹۰/۱، ۴۹۱/۱، ۴۹۲/۱، ۴۹۳/۱، ۴۹۴/۱، ۴۹۵/۱، ۴۹۶/۱، ۴۹۷/۱، ۴۹۸/۱، ۴۹۹/۱، ۵۰۰/۱، ۵۰۱/۱، ۵۰۲/۱، ۵۰۳/۱، ۵۰۴/۱، ۵۰۵/۱، ۵۰۶/۱، ۵۰۷/۱، ۵۰۸/۱، ۵۰۹/۱، ۵۱۰/۱، ۵۱۱/۱، ۵۱۲/۱، ۵۱۳/۱، ۵۱۴/۱، ۵۱۵/۱، ۵۱۶/۱، ۵۱۷/۱، ۵۱۸/۱، ۵۱۹/۱، ۵۲۰/۱، ۵۲۱/۱، ۵۲۲/۱، ۵۲۳/۱، ۵۲۴/۱، ۵۲۵/۱، ۵۲۶/۱، ۵۲۷/۱، ۵۲۸/۱، ۵۲۹/۱، ۵۳۰/۱، ۵۳۱/۱، ۵۳۲/۱، ۵۳۳/۱، ۵۳۴/۱، ۵۳۵/۱، ۵۳۶/۱، ۵۳۷/۱، ۵۳۸/۱، ۵۳۹/۱، ۵۴۰/۱، ۵۴۱/۱، ۵۴۲/۱، ۵۴۳/۱، ۵۴۴/۱، ۵۴۵/۱، ۵۴۶/۱، ۵۴۷/۱، ۵۴۸/۱، ۵۴۹/۱، ۵۵۰/۱، ۵۵۱/۱، ۵۵۲/۱، ۵۵۳/۱، ۵۵۴/۱، ۵۵۵/۱، ۵۵۶/۱، ۵۵۷/۱، ۵۵۸/۱، ۵۵۹/۱، ۵۶۰/۱، ۵۶۱/۱، ۵۶۲/۱، ۵۶۳/۱، ۵۶۴/۱، ۵۶۵/۱، ۵۶۶/۱، ۵۶۷/۱، ۵۶۸/۱، ۵۶۹/۱، ۵۷۰/۱، ۵۷۱/۱، ۵۷۲/۱، ۵۷۳/۱، ۵۷۴/۱، ۵۷۵/۱، ۵۷۶/۱، ۵۷۷/۱، ۵۷۸/۱، ۵۷۹/۱، ۵۸۰/۱، ۵۸۱/۱، ۵۸۲/۱، ۵۸۳/۱، ۵۸۴/۱، ۵۸۵/۱، ۵۸۶/۱، ۵۸۷/۱، ۵۸۸/۱، ۵۸۹/۱، ۵۹۰/۱، ۵۹۱/۱، ۵۹۲/۱، ۵۹۳/۱، ۵۹۴/۱، ۵۹۵/۱، ۵۹۶/۱، ۵۹۷/۱، ۵۹۸/۱، ۵۹۹/۱، ۶۰۰/۱، ۶۰۱/۱، ۶۰۲/۱، ۶۰۳/۱، ۶۰۴/۱، ۶۰۵/۱، ۶۰۶/۱، ۶۰۷/۱، ۶۰۸/۱، ۶۰۹/۱، ۶۱۰/۱، ۶۱۱/۱، ۶۱۲/۱، ۶۱۳/۱، ۶۱۴/۱، ۶۱۵/۱، ۶۱۶/۱، ۶۱۷/۱، ۶۱۸/۱، ۶۱۹/۱، ۶۲۰/۱، ۶۲۱/۱، ۶۲۲/۱، ۶۲۳/۱، ۶۲۴/۱، ۶۲۵/۱، ۶۲۶/۱، ۶۲۷/۱، ۶۲۸/۱، ۶۲۹/۱، ۶۳۰/۱، ۶۳۱/۱، ۶۳۲/۱، ۶۳۳/۱، ۶۳۴/۱، ۶۳۵/۱، ۶۳۶/۱، ۶۳۷/۱، ۶۳۸/۱، ۶۳۹/۱، ۶۴۰/۱، ۶۴۱/۱، ۶۴۲/۱، ۶۴۳/۱، ۶۴۴/۱، ۶۴۵/۱، ۶۴۶/۱، ۶۴۷/۱، ۶۴۸/۱، ۶۴۹/۱، ۶۵۰/۱، ۶۵۱/۱، ۶۵۲/۱، ۶۵۳/۱، ۶۵۴/۱، ۶۵۵/۱، ۶۵۶/۱، ۶۵۷/۱، ۶۵۸/۱، ۶۵۹/۱، ۶۶۰/۱، ۶۶۱/۱، ۶۶۲/۱، ۶۶۳/۱، ۶۶۴/۱، ۶۶۵/۱، ۶۶۶/۱، ۶۶۷/۱، ۶۶۸/۱، ۶۶۹/۱، ۶۷۰/۱، ۶۷۱/۱، ۶۷۲/۱، ۶۷۳/۱، ۶۷۴/۱، ۶۷۵/۱، ۶۷۶/۱، ۶۷۷/۱، ۶۷۸/۱، ۶۷۹/۱، ۶۸۰/۱، ۶۸۱/۱، ۶۸۲/۱، ۶۸۳/۱، ۶۸۴/۱، ۶۸۵/۱، ۶۸۶/۱، ۶۸۷/۱، ۶۸۸/۱، ۶۸۹/۱، ۶۹۰/۱، ۶۹۱/۱، ۶۹۲/۱، ۶۹۳/۱، ۶۹۴/۱، ۶۹۵/۱، ۶۹۶/۱، ۶۹۷/۱، ۶۹۸/۱، ۶۹۹/۱، ۷۰۰/۱، ۷۰۱/۱، ۷۰۲/۱، ۷۰۳/۱، ۷۰۴/۱، ۷۰۵/۱، ۷۰۶/۱، ۷۰۷/۱، ۷۰۸/۱، ۷۰۹/۱، ۷۱۰/۱، ۷۱۱/۱، ۷۱۲/۱، ۷۱۳/۱، ۷۱۴/۱، ۷۱۵/۱، ۷۱۶/۱، ۷۱۷/۱، ۷۱۸/۱، ۷۱۹/۱، ۷۲۰/۱، ۷۲۱/۱، ۷۲۲/۱، ۷۲۳/۱، ۷۲۴/۱، ۷۲۵/۱، ۷۲۶/۱، ۷۲۷/۱، ۷۲۸/۱، ۷۲۹/۱، ۷۳۰/۱، ۷۳۱/۱، ۷۳۲/۱، ۷۳۳/۱، ۷۳۴/۱، ۷۳۵/۱، ۷۳۶/۱، ۷۳۷/۱، ۷۳۸/۱، ۷۳۹/۱، ۷۴۰/۱، ۷۴۱/۱، ۷۴۲/۱، ۷۴۳/۱، ۷۴۴/۱، ۷۴۵/۱، ۷۴۶/۱، ۷۴۷/۱، ۷۴۸/۱، ۷۴۹/۱، ۷۵۰/۱، ۷۵۱/۱، ۷۵۲/۱، ۷۵۳/۱، ۷۵۴/۱، ۷۵۵/۱، ۷۵۶/۱، ۷۵۷/۱، ۷۵۸/۱، ۷۵۹/۱، ۷۶۰/۱، ۷۶۱/۱، ۷۶۲/۱، ۷۶۳/۱، ۷۶۴/۱، ۷۶۵/۱، ۷۶۶/۱، ۷۶۷/۱، ۷۶۸/۱، ۷۶۹/۱، ۷۷۰/۱، ۷۷۱/۱، ۷۷۲/۱، ۷۷۳/۱، ۷۷۴/۱، ۷۷۵/۱، ۷۷۶/۱، ۷۷۷/۱، ۷۷۸/۱، ۷۷۹/۱، ۷۸۰/۱، ۷۸۱/۱، ۷۸۲/۱، ۷۸۳/۱، ۷۸۴/۱، ۷۸۵/۱، ۷۸۶/۱، ۷۸۷/۱، ۷۸۸/۱، ۷۸۹/۱، ۷۹۰/۱، ۷۹۱/۱، ۷۹۲/۱، ۷۹۳/۱، ۷۹۴/۱، ۷۹۵/۱، ۷۹۶/۱، ۷۹۷/۱، ۷۹۸/۱، ۷۹۹/۱، ۸۰۰/۱، ۸۰۱/۱، ۸۰۲/۱، ۸۰۳/۱، ۸۰۴/۱، ۸۰۵/۱، ۸۰۶/۱، ۸۰۷/۱، ۸۰۸/۱، ۸۰۹/۱، ۸۱۰/۱، ۸۱۱/۱، ۸۱۲/۱، ۸۱۳/۱، ۸۱۴/۱، ۸۱۵/۱، ۸۱۶/۱، ۸۱۷/۱، ۸۱۸/۱، ۸۱۹/۱، ۸۲۰/۱، ۸۲۱/۱، ۸۲۲/۱، ۸۲۳/۱، ۸۲۴/۱، ۸۲۵/۱، ۸۲۶/۱، ۸۲۷/۱، ۸۲۸/۱، ۸۲۹/۱، ۸۳۰/۱، ۸۳۱/۱، ۸۳۲/۱، ۸۳۳/۱، ۸۳۴/۱، ۸۳۵/۱، ۸۳۶/۱، ۸۳۷/۱، ۸۳۸/۱، ۸۳۹/۱، ۸۴۰/۱، ۸۴۱/۱، ۸۴۲/۱، ۸۴۳/۱، ۸۴۴/۱، ۸۴۵/۱، ۸۴۶/۱، ۸۴۷/۱، ۸۴۸/۱، ۸۴۹/۱، ۸۵۰/۱، ۸۵۱/۱، ۸۵۲/۱، ۸۵۳/۱، ۸۵۴/۱، ۸۵۵/۱، ۸۵۶/۱، ۸۵۷/۱، ۸۵۸/۱، ۸۵۹/۱، ۸۶۰/۱، ۸۶۱/۱، ۸۶۲/۱، ۸۶۳/۱، ۸۶۴/۱، ۸۶۵/۱، ۸۶۶/۱، ۸۶۷/۱، ۸۶۸/۱، ۸۶۹/۱، ۸۷۰/۱، ۸۷۱/۱، ۸۷۲/۱، ۸۷۳/۱، ۸۷۴/۱، ۸۷۵/۱، ۸۷۶/۱، ۸۷۷/۱، ۸۷۸/۱، ۸۷۹/۱، ۸۸۰/۱، ۸۸۱/۱، ۸۸۲/۱، ۸۸۳/۱، ۸۸۴/۱، ۸۸۵/۱، ۸۸۶/۱، ۸۸۷/۱، ۸۸۸/۱، ۸۸۹/۱، ۸۹۰/۱، ۸۹۱/۱، ۸۹۲/۱، ۸۹۳/۱، ۸۹۴/۱، ۸۹۵/۱، ۸۹۶/۱، ۸۹۷/۱، ۸۹۸/۱، ۸۹۹/۱، ۹۰۰/۱، ۹۰۱/۱، ۹۰۲/۱، ۹۰۳/۱، ۹۰۴/۱، ۹۰۵/۱، ۹۰۶/۱، ۹۰۷/۱، ۹۰۸/۱، ۹۰۹/۱، ۹۱۰/۱، ۹۱۱/۱، ۹۱۲/۱، ۹۱۳/۱، ۹۱۴/۱، ۹۱۵/۱، ۹۱۶/۱، ۹۱۷/۱، ۹۱۸/۱، ۹۱۹/۱، ۹۲۰/۱، ۹۲۱/۱، ۹۲۲/۱، ۹۲۳/۱، ۹۲۴/۱، ۹۲۵/۱، ۹۲۶/۱، ۹۲۷/۱، ۹۲۸/۱، ۹۲۹/۱، ۹۳۰/۱، ۹۳۱/۱، ۹۳۲/۱، ۹۳۳/۱، ۹۳۴/۱، ۹۳۵/۱، ۹۳۶/۱، ۹۳۷/۱، ۹۳۸/۱، ۹۳۹/۱، ۹۴۰/۱، ۹۴۱/۱، ۹۴۲/۱، ۹۴۳/۱، ۹۴۴/۱، ۹۴۵/۱، ۹۴۶/۱، ۹۴۷/۱، ۹۴۸/۱، ۹۴۹/۱، ۹۵۰/۱، ۹۵۱/۱، ۹۵۲/۱، ۹۵۳/۱، ۹۵۴/۱، ۹۵۵/۱، ۹۵۶/۱، ۹۵۷/۱، ۹۵۸/۱، ۹۵۹/۱، ۹۶۰/۱، ۹۶۱/۱، ۹۶۲/۱، ۹۶۳/۱، ۹۶۴/۱، ۹۶۵/۱، ۹۶۶/۱، ۹۶۷/۱، ۹۶۸/۱، ۹۶۹/۱، ۹۷۰/۱، ۹۷۱/۱، ۹۷۲/۱، ۹۷۳/۱، ۹۷۴/۱، ۹۷۵/۱، ۹۷۶/۱، ۹۷۷/۱، ۹۷۸/۱، ۹۷۹/۱، ۹۸۰/۱، ۹۸۱/۱، ۹۸۲/۱، ۹۸۳/۱، ۹۸۴/۱، ۹۸۵/۱، ۹۸۶/۱، ۹۸۷/۱، ۹۸۸/۱، ۹۸۹/۱، ۹۹۰/۱، ۹۹۱/۱، ۹۹۲/۱، ۹۹۳/۱، ۹۹۴/۱، ۹۹۵/۱، ۹۹۶/۱، ۹۹۷/۱، ۹۹۸/۱، ۹۹۹/۱، ۱۰۰۰/۱، ۱۰۰۱/۱، ۱۰۰۲/۱، ۱۰۰۳

دپوتوں کے حصے کے بعد بقیہ ترکہ عصبہ ہونے کی وجہ سے ملے گی ایک ہو یا زیادہ، اور اگر مقررہ حصے ترکہ پر حاوی ہوں تو ساتھ ہو جائے گی اور اس کو کچھ نہیں ملے گا۔

۶۔ باپ شریک و حقیقی بہنوں کی وجہ سے محبوب ہو جاتی ہے، الا یہ کہ اس کے ساتھ باپ شریک بھائی ہو تو وہ دونوں (باپ شریک بہن اور بھائی) بقیہ مال عصبہ ہونے کی وجہ سے لیں گے، مرد کا حصہ دغورتوں کے حصے کے برابر ہوگا۔

۷۔ باپ، بیٹے، پوتے اور اس سے نیچے، حقیقی بھائی اور حقیقی بہن (جبکہ وہ بیٹی یا پوتی کے ساتھ عصبہ بن جائے) ان سب کی وجہ سے باپ شریک بہن محبوب ہوتی ہے، خواہ باپ شریک بہن کے ساتھ اس کو عصبہ بنانے والا کوئی بھائی ہو یا نہ ہو، کیونکہ اس حالت میں حقیقی بہن عصبہ ہونے کے سلسلے میں حقیقی بھائی کی طرح میت سے زیادہ قریب ہے (۱)۔

ماں شریک بھائی بہنوں کی وراثت:

۴۴۔ اولاد اُم سے مراد: صرف ماں کی طرف سے میت کے بھائی اور بہنیں ہیں۔

ماں کی اولاد ہمیشہ فرض کے طور پر وارث ہوتی ہے، تھیب کی وجہ سے ان کو وراثت نہیں ملتی، اگرچہ ان میں سے موجود شخص بھائی ہو، کیونکہ وہ عصبہ نہیں ہوتی، اس لئے کہ میت سے ان کی وابستگی صرف ماں کی قرابت سے ہے، اولاد اُم نہ عصبہ بالغیر ہوتے ہیں اور نہ عصبہ مع اہیر، ان میں مذکر و مؤنث میراث میں ہر حال میں برابر ہوتے ہیں، خواہ تنہا ہوں، صرف مرد یا صرف عورتیں ہوں، یا دونوں ہوں، اس لئے ان میں مذکر و مؤنث سے زیادہ نہیں ملتا۔

ان کے تین احوال ہیں:

حالت اول: ان میں سے کوئی اکیلا ہو تو اس کو سدس (چھٹا حصہ) ملے گا، مرد ہو یا عورت، اور یہ اس صورت میں ہے جب میت کی اولاد میں کوئی وارث مذکر یا مؤنث موجود نہ ہو، یا اوپر کا مرد وارث موجود نہ ہو مثلاً باپ اور دادا اور اس سے اوپر۔

حالت دوم: فرض کے طور پر شمش ملے گا جبکہ ایک سے زائد ہوں، خواہ صرف مرد ہوں یا صرف عورتیں ہوں یا دونوں ہوں، اور وہ ان کے درمیان برابر تقسیم کر دیا جائے گا، اور یہ اس صورت میں ہے جب میت کی اولاد میں کوئی وارث موجود نہ ہو، یا اوپر کا مرد وارث موجود نہ ہو۔

حالت سوم: اولاد اُم: بیٹے، پوتے اور اس سے نیچے، نیز بیٹی، پوتی اور اس سے نیچے، اور باپ، دادا اور اس سے اوپر، ان سب کی وجہ سے محبوب ہو جاتے ہیں۔

ان مذکورہ مسائل کی دلیل فرمان باری ہے: "وَإِنْ كَانَ رَجُلٌ يُورَثُ كَلَالَةً أَوْ امْرَأَةً وَلَهُ أَخٌ أَوْ أُخْتٌ فَلِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا الشُّدُسُ" (۱) (اگر کوئی مورث مرد ہو یا عورت ایسا ہو جس کے نہ اصول ہوں نہ فروع اور اس کے ایک بھائی یا ایک بہن ہو تو دونوں میں سے ہر ایک کے لئے ایک چھٹا حصہ ہے)۔ کیونکہ اس سے بلا جماع اولاد اُم مراد ہیں، اور اس پر حضرت بنی اور حضرت سعد بن ابی وقاص کی قراءت "وَلَهُ أَخٌ أَوْ أُخْتٌ مِنَ الْأُمِّ" دلالت کرتی ہے۔

اولاد اُم کے مذکر و مؤنث میں مساوات ہے، نیز یہ کہ ان کا حصہ شمش سے زیادہ نہیں ہوگا، اس کی دلیل اللہ کا یہ فرمان ہے: "فَإِنْ كَانُوا أَكْثَرَ مِنْ ذَلِكَ فَهُمْ شُرَكَاءُ فِي الثُّلُثِ" (اگر یہ لوگ اس سے زائد ہوں تو وہ ایک تہائی میں شریک ہوں گے)۔ اس لئے

(۱) الموطا ۵۶/۲، المشرح الکبیر ۵۹/۳، ۶۰، ۶۱، الحدیب القائل ۱/۹۱۔

(۱) سورہ نساء ۱۲۔

کہ شرکت کا مفہوم اطلاق کے وقت مساوات ہے، اور آیت میں ایک سے زائد کے حصے کو نمٹ میں محصور کیا گیا ہے۔

اور اس لئے کہ اولاد دَام میت کے ساتھ ماں کے واسطے سے وابستہ ہیں، لہذا ان میں ایک کے واسطے ماں کا کم از کم حصہ یعنی سدس مقرر کیا گیا، اور ایک سے زائد کے لئے ماں کا زیادہ سے زیادہ حصہ یعنی نمٹ مقرر کیا گیا، ان کے واسطے اس سے زیادہ اس لئے مقرر نہیں کیا گیا تاکہ وابستہ ہونے والے کا حصہ جس کے واسطے سے وابستہ ہے اس سے زیادہ نہ ہو جائے، اور تقسیم و استحقاق میں اولاد دَام کے مذکر و مؤنث کے درمیان مساوات اس لئے رکھی گئی ہے کہ مذکر کو مؤنث پر عصبہ ہونے کے اعتبار سے ترجیح دی جاتی ہے، اور ماں کی قرابت میں یہ موجود نہیں، لہذا ان میں سے مذکر کو مؤنث پر تقسیم یا استحقاق کسی میں ترجیح نہیں دی جائے گی (۱)۔

عصبہ ہونے کی وجہ سے وراثت:

۴۵- لغت میں کسی شخص کا عصبہ اس کے بیٹے اور باپ کی طرف سے اس کے رشتہ دار ہیں، ان کو عصبہ اس لئے کہا گیا کہ (عصبہ کا معنی گھیرنا ہے اور) یہ لوگ اس کو گھیرے ہوتے ہیں، باپ ایک طرف، بیٹا ایک طرف، نیز چچا ایک طرف، اور بھائی ایک طرف ہے (۲)۔

ایک فرد اور کئی افراد، مذکر و مؤنث سب کو تغلیباً عصبہ کہتے ہیں، اور مصدر کے لئے منصوبت استعمال کرتے ہیں، اور مرد و عورت کو عصبہ بنا دیتا ہے (۳)۔

۴۶- عصبہ بنفسہ اصطلاح میں وہ شخص ہے جو تنہا ہو تو پورے مال

کا وارث ہو، یا مقررہ حصہ دینے کے بعد بقیہ مال کا وارث ہو، اور مطلق عصبہ سے یہی مراد ہوتا ہے (۱)۔

صاحب سراجیہ نے عصبہ کی تعریف یہ کی ہے: ہر مذکر جس کی میت کی طرف نسبت کرنے میں بیچ میں کوئی عورت نہ آئے، اگر اس نسبت میں عورت آجائے تو وہ عصبہ نہیں، جیسے اولاد دَام ماں شریک بھائی بہن (۲)۔

۴۷- عصبہ کی دو قسمیں ہیں: عصبہ نسبی، جس کی تعریف گذر چکی ہے۔

عصبہ نسبی: معنق (آزاد کرنی والا) اور اس کے مذکر عصبہ۔

عصبہ نسبی کی تین اقسام ہیں: عصبہ بنفسہ، عصبہ بالغیر، عصبہ مع الغیر۔

۴۸- عصبہ بنفسہ میں چار قسم کے لوگ ہیں: ۱- جزو میت، ۲- اصل میت، ۳- باپ کا جز، ۴- دادا کا جز۔ ان قسموں اور ان کے تحت آنے والوں میں قرب فالقرب کو مقدم کیا جائے گا، یعنی قرابت میں قرب درجہ کی وجہ سے ترجیح دی جائے گی، لہذا میراث کے سب سے زیادہ مستحق میت کے بیٹے ہیں، پھر بیٹوں کے بیٹے (پوتے) اور ان سے نیچے، پھر اصل میت یعنی باپ، پھر باپ کا باپ (دادا) اور ان سے اوپر، اور بیٹوں کو باپ پر مقدم کیا گیا ہے، اس لئے کہ بیٹے میت کی فرع ہیں اور باپ اس کی اصل ہے، اور فرع کے ساتھ اصل کے اتصال کے مقابلہ میں اصل کے ساتھ فرع کا اتصال زیادہ واضح ہے، اس لئے کہ فرع اپنی اصل کے تابع ہوتی ہے، اور اصل کے ذکر سے فرع کا ذکر ہو جاتا ہے، اس کے برعکس نہیں ہوتا ہے، اسی لئے عمارت اور درخت زمین کی بیج میں داخل ہوتے ہیں، اگرچہ ان

(۱) الفتاویٰ علی السراجیہ / ۹۳، اور اس کے بعد کے صفحات، اعدب الفائف

/ ۵۳، ۶۳، المشرح الکبیر ۳/ ۱۱۱، المجمع مع الشروانی / ۱۷۱۔

(۲) مختار الصحاح / ۳۳۵ طبع دار الکتاب۔

(۳) السراجیہ ص / ۱۳۶، اعدب الفائف / ۷۳۔

(۱) المشرح الکبیر ۳/ ۱۱۳، المجمع مع الحاشیہ / ۲۸، اعدب الفائف / ۷۵۔

(۲) السراجیہ ص / ۱۳۶۔

کا ہو تو پورے ترک کا مستحق ہے جبکہ ذوی القربی میں سے کوئی نہ ہو، اگر کوئی ہو تو اس کے حصے کے بعد باقی عصبہ کا ہوگا، اور اگر کچھ نہ بچے تو عصبہ کو کچھ نہیں ملے گا۔

اگر عصبہ متعدد ہوں اور ان کی جہات بھی متعدد ہوں تو جہت بنوۃ والے عصبہ کو مقدم کیا جائے گا جیسا کہ گزرا، اور اگر عصبہ متعدد ہوں لیکن ان کی جہت ایک ہو، تو ان میں اقرب درجہ والے کو مقدم کیا جائے گا، چنانچہ بیٹے کو پوتے پر، اور باپ کو دادا پر مقدم کیا جائے گا، اور جد اول کے فروغ کو خواہ جتنے نیچے کے ہوں، جد ثانی کے فروغ پر خواہ جتنے اوپر کے ہوں مقدم کیا جائے گا، اس لئے کہ ان کا درجہ اقرب ہے۔

اگر جہت اور درجہ دونوں ایک ہوں تو قوی ترین قرابت والے کو مقدم کیا جائے گا، یعنی جس کی قرابت ابوین (ماں باپ) کی وجہ سے ہو اس کو صرف باپ سے قرابت والے عصبہ پر مقدم کیا جائے گا، پس حقیقی بھائی کو باپ شریک بھائی پر مقدم کیا جائے گا، اور حقیقی بھائی کے بیٹے کو باپ شریک بھائی کے بیٹے پر مقدم کیا جائے گا، اور اسی طرح آگے۔

اگر عصبہات متعدد ہوں لیکن جہت، درجہ اور قوت قرابت میں یکساں ہوں تو سب کے سب میراث کے مستحق ہوں گے، کیونکہ ان میں نہ کوئی فرق ہے، اور نہ ایک کو دوسرے پر ترجیح دینے کی کوئی وجہ ہے، لہذا عصبہ ہونے میں سب برابر ہوں گے۔

عصبہ بالغیر:

۴۹- یہ وہ عورتیں ہیں جو دوسرے کی وجہ سے عصبہ بنتی ہیں، عصبہ بالغیر چار عورتیں ہیں:

صلبی بیٹی، پوتی اگر بیٹی نہ ہو، حقیقی بہن، اور باپ شریک بہن اگر

دونوں کا ذکر عقد نزع میں نہ ہو، اور زمین ان دونوں کی بیع میں داخل نہیں ہوتی، الا یہ کہ عقد میں زمین کی بیع کی صراحت کر دی جائے، اور پوتوں کو چاہے نیچے کے ہوں باپ پر مقدم کیا گیا ہے، اس لئے کہ یہاں بھی اتحقاق کا سبب بنوۃ ہے جو ابوۃ پر مقدم ہے، اور باپ کا جد سے اقرب ہونا ظاہر ہے، جیسا کہ بیٹے اور پوتے کے درمیان بیٹے کا اقرب ہونا ظاہر ہے، اور اگر ”جد“ سے باپ کا باپ مراد لیا جائے تو ماں کا باپ (اما) اس سے خارج ہو جائے گا، اور ان سب کے بعد جزو باپ (بھائیوں) پھر بھائیوں کے بیٹوں کو اسی طرح اس سے نیچے کو مقدم کیا جائے گا، اور یہ (بھائیوں کو دادا سے مؤخر کرنا) امام ابوحنیفہ کے یہاں ہے، صاحبین کا اس میں اختلاف ہے، پھر دادا کے جزو، یعنی چچا، پھر چچا کے بیٹے اور اس سے نیچے کو مقدم کیا جائے گا۔

صاحبین اور حنابلہ کی رائے یہ ہے کہ جہات عصبہ چھ ہیں: بنوۃ (بیٹا ہونا)، ابوۃ (باپ ہونا)، جدودۃ (جد ہونا) بھائیوں کے ساتھ، بنو الاخوة (بھائیوں کی اولاد)، عمومۃ (چچا ہونا)، ولاء (یعنی عصبہ سببی) اور امام ابوحنیفہ کے نزدیک جہات عصبہ صرف پانچ ہیں:

۱۔ بنوۃ، ۲۔ ابوۃ، ۳۔ اخوة، ۴۔ عمومۃ، ۵۔ ولاء، جد اگر چہ اوپر کا ہو، ابوۃ میں داخل ہے، اسی طرح بنو الاخوة، اگر چہ نیچے کے ہوں محض ذکوریت کی وجہ سے اخوة میں داخل ہیں۔

مالکہ وشافعیہ کے یہاں جہات عصبہ سات ہیں: ۱۔ بنوۃ، ۲۔ ابوۃ، ۳۔ جدودۃ مع الاخوة، ۴۔ بنو الاخوة، ۵۔ عمومۃ، ۶۔ ولاء، ۷۔ بیت المال (۱)۔

مذکورہ باتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ عصبہ اگر اکیلا ہو، خواہ کسی جہت

(۱) السراجہ ص ۱۶۱، اور اس کے بعد کے صفحات، ادب الفاضل ۱/ ۷۵، اور اس کے بعد کے صفحات، المشرح الکبیر ۳/ ۱۳، اور اس کے بعد کے صفحات، التحدیث مع الحاشیہ ۲۸/ ۲۸۔

حقیقی بہن نہ ہو، یہ چار عورتیں اپنے ان بھائیوں کی وجہ سے عصبہ بنتی ہیں جو انہیں کے درجے کے ہوں، اور پوتیاں اپنے چچا کے ان بیٹوں کی وجہ سے بھی عصبہ بنتی ہیں جو انہیں کے درجے کے ہوں، اسی طرح وہ اپنے بھائیوں کے بیٹوں اور اپنے چچا کے پوتوں کی وجہ سے بھی عصبہ بن جاتی ہیں اگر پوتیوں کو میراث میں ان کی ضرورت ہو۔ مالکیہ کی رائے یہ ہے کہ حقیقی یا باپ شریک بہن دادا کی وجہ سے بھی عصبہ بن جاتی ہے، اور عصبہ بالغیر ہوگی (۱)۔ یہی حنا بلہ کے یہاں بھی ہے اگر اس کے ساتھ بھائی نہ ہو جو اس کو عصبہ بنادے۔

ان میں سے جن کو مقررہ حصہ نہ ملے ان کو ان کے نیچے کے بیٹے کے بیٹے بھی عصبہ بنادیتے ہیں۔

اس کی دلیل اللہ کا فرمان ہے: ”يُوصِيكُمُ اللَّهُ فِي أَوْلَادِكُمْ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنثِيَيْنِ“ (۲)۔ نیز اللہ کا فرمان ہے: ”وَأِنْ كَانُوا إِخْوَةً رِجَالًا وَنِسَاءً فَلِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنثِيَيْنِ“ (۳)۔ جس کے لئے مقررہ حصہ نہیں، اور اس کا بھائی عصبہ ہے، وہ اپنے بھائی کی وجہ سے عصبہ نہیں بنتی، کیونکہ مردوں کی وجہ سے عورتوں کے عصبہ بننے کے بارے میں وارد نص دو جگہوں کے بارے میں ہے: بیٹیاں بیٹوں کی وجہ سے، اور بہنیں بھائیوں کی وجہ سے عصبہ بنتی ہیں، اور ان دونوں جگہوں میں عورتیں ذوی القروض (مقررہ حصہ والی) ہیں، لہذا جن عورتوں کا مقررہ حصہ نہیں مثلاً بھائی کی بیٹی (بہتیمی) اپنے بھائی کے ساتھ، اور پھوپھی چچا کے ساتھ، نص ان کو شامل نہیں ہے، اور بھائی اپنی بہن کو اکیلی ہونے کی حالت میں اس کے فرض سے عصبہ ہونے کی طرف منتقل کر دیتا ہے، تاکہ عورت کو مرد

پر ترجیح یا دونوں میں مساوات لازم نہ آئے۔

عصبہ مع الغیر:

۵۰- ہر وہ عورت جو دوسری عورت کے ساتھ عصبہ ہو جائے، اور یہ حقیقی یا باپ شریک بہن ہوتی ہے جب کہ بیٹی کے ساتھ ہو، چاہے بیٹی صلبی ہو یا پوتی، تنہا ہو یا ایک سے زائد، اس لئے کہ فرمان نبوی ہے: ”اجعلوا الأخوات مع البنات عصبۃ“ (بہنوں کو بیٹیوں کے ساتھ عصبہ کر دو) (۱)۔ اور ان دونوں الفاظ جمع ”بہنوں“ اور ”بیٹیوں“ سے جنس مراد ہے، ایک ہو یا متعدد۔

عصبہ بالغیر اور عصبہ مع الغیر میں فرق یہ ہے کہ عصبہ بالغیر میں ”غیر“ عصبہ بنفسہ ہوتا ہے، جس کی وجہ سے مصوبت عورت کی طرف پہنچتی ہے، جب کہ عصبہ مع الغیر میں کوئی عصبہ بنفسہ ہوتا ہی نہیں (۲)۔

عصبہ سببی ہونے کی وجہ سے وراثت:

۵۱- باتفاق فقہاء آزاد کرنے والا خواہ مرد ہو یا عورت، اپنے آزاد کردہ غلام کے سارے یا باقی مال کا وارث ہوگا اگر دونوں کا دین ایک ہو، اور آزاد کردہ غلام کا کوئی وارث نہ ہو یا ایسا وارث ہو جس کو کچھ حصہ وراثت ملے، اور اگر ان دونوں کا دین الگ الگ ہو تو جمہور کے نزدیک ان دونوں کے درمیان وراثت جاری نہیں ہوگی، اور حنا بلہ کے یہاں صحیح یہ ہے کہ مسلمان اپنے آزاد کردہ کافر کا ولاء کی وجہ سے وارث ہوگا، اور اسی طرح اس کے برعکس (۳)۔

(۱) یہ حدیث فقرہ نمبر ۳۲ کے حاشیہ پر گذر چکی ہے۔

(۲) المسراچہ ص ۱۵۳، ۱۵۶، ۱۵۷، ۱۵۸، ۱۵۹، ۱۶۰، ۱۶۱، ۱۶۲، ۱۶۳، ۱۶۴، ۱۶۵، ۱۶۶، ۱۶۷، ۱۶۸، ۱۶۹، ۱۷۰، ۱۷۱، ۱۷۲، ۱۷۳، ۱۷۴، ۱۷۵، ۱۷۶، ۱۷۷، ۱۷۸، ۱۷۹، ۱۸۰، ۱۸۱، ۱۸۲، ۱۸۳، ۱۸۴، ۱۸۵، ۱۸۶، ۱۸۷، ۱۸۸، ۱۸۹، ۱۹۰، ۱۹۱، ۱۹۲، ۱۹۳، ۱۹۴، ۱۹۵، ۱۹۶، ۱۹۷، ۱۹۸، ۱۹۹، ۲۰۰، ۲۰۱، ۲۰۲، ۲۰۳، ۲۰۴، ۲۰۵، ۲۰۶، ۲۰۷، ۲۰۸، ۲۰۹، ۲۱۰، ۲۱۱، ۲۱۲، ۲۱۳، ۲۱۴، ۲۱۵، ۲۱۶، ۲۱۷، ۲۱۸، ۲۱۹، ۲۲۰، ۲۲۱، ۲۲۲، ۲۲۳، ۲۲۴، ۲۲۵، ۲۲۶، ۲۲۷، ۲۲۸، ۲۲۹، ۲۳۰، ۲۳۱، ۲۳۲، ۲۳۳، ۲۳۴، ۲۳۵، ۲۳۶، ۲۳۷، ۲۳۸، ۲۳۹، ۲۴۰، ۲۴۱، ۲۴۲، ۲۴۳، ۲۴۴، ۲۴۵، ۲۴۶، ۲۴۷، ۲۴۸، ۲۴۹، ۲۵۰، ۲۵۱، ۲۵۲، ۲۵۳، ۲۵۴، ۲۵۵، ۲۵۶، ۲۵۷، ۲۵۸، ۲۵۹، ۲۶۰، ۲۶۱، ۲۶۲، ۲۶۳، ۲۶۴، ۲۶۵، ۲۶۶، ۲۶۷، ۲۶۸، ۲۶۹، ۲۷۰، ۲۷۱، ۲۷۲، ۲۷۳، ۲۷۴، ۲۷۵، ۲۷۶، ۲۷۷، ۲۷۸، ۲۷۹، ۲۸۰، ۲۸۱، ۲۸۲، ۲۸۳، ۲۸۴، ۲۸۵، ۲۸۶، ۲۸۷، ۲۸۸، ۲۸۹، ۲۹۰، ۲۹۱، ۲۹۲، ۲۹۳، ۲۹۴، ۲۹۵، ۲۹۶، ۲۹۷، ۲۹۸، ۲۹۹، ۳۰۰، ۳۰۱، ۳۰۲، ۳۰۳، ۳۰۴، ۳۰۵، ۳۰۶، ۳۰۷، ۳۰۸، ۳۰۹، ۳۱۰، ۳۱۱، ۳۱۲، ۳۱۳، ۳۱۴، ۳۱۵، ۳۱۶، ۳۱۷، ۳۱۸، ۳۱۹، ۳۲۰، ۳۲۱، ۳۲۲، ۳۲۳، ۳۲۴، ۳۲۵، ۳۲۶، ۳۲۷، ۳۲۸، ۳۲۹، ۳۳۰، ۳۳۱، ۳۳۲، ۳۳۳، ۳۳۴، ۳۳۵، ۳۳۶، ۳۳۷، ۳۳۸، ۳۳۹، ۳۴۰، ۳۴۱، ۳۴۲، ۳۴۳، ۳۴۴، ۳۴۵، ۳۴۶، ۳۴۷، ۳۴۸، ۳۴۹، ۳۵۰، ۳۵۱، ۳۵۲، ۳۵۳، ۳۵۴، ۳۵۵، ۳۵۶، ۳۵۷، ۳۵۸، ۳۵۹، ۳۶۰، ۳۶۱، ۳۶۲، ۳۶۳، ۳۶۴، ۳۶۵، ۳۶۶، ۳۶۷، ۳۶۸، ۳۶۹، ۳۷۰، ۳۷۱، ۳۷۲، ۳۷۳، ۳۷۴، ۳۷۵، ۳۷۶، ۳۷۷، ۳۷۸، ۳۷۹، ۳۸۰، ۳۸۱، ۳۸۲، ۳۸۳، ۳۸۴، ۳۸۵، ۳۸۶، ۳۸۷، ۳۸۸، ۳۸۹، ۳۹۰، ۳۹۱، ۳۹۲، ۳۹۳، ۳۹۴، ۳۹۵، ۳۹۶، ۳۹۷، ۳۹۸، ۳۹۹، ۴۰۰، ۴۰۱، ۴۰۲، ۴۰۳، ۴۰۴، ۴۰۵، ۴۰۶، ۴۰۷، ۴۰۸، ۴۰۹، ۴۱۰، ۴۱۱، ۴۱۲، ۴۱۳، ۴۱۴، ۴۱۵، ۴۱۶، ۴۱۷، ۴۱۸، ۴۱۹، ۴۲۰، ۴۲۱، ۴۲۲، ۴۲۳، ۴۲۴، ۴۲۵، ۴۲۶، ۴۲۷، ۴۲۸، ۴۲۹، ۴۳۰، ۴۳۱، ۴۳۲، ۴۳۳، ۴۳۴، ۴۳۵، ۴۳۶، ۴۳۷، ۴۳۸، ۴۳۹، ۴۴۰، ۴۴۱، ۴۴۲، ۴۴۳، ۴۴۴، ۴۴۵، ۴۴۶، ۴۴۷، ۴۴۸، ۴۴۹، ۴۵۰، ۴۵۱، ۴۵۲، ۴۵۳، ۴۵۴، ۴۵۵، ۴۵۶، ۴۵۷، ۴۵۸، ۴۵۹، ۴۶۰، ۴۶۱، ۴۶۲، ۴۶۳، ۴۶۴، ۴۶۵، ۴۶۶، ۴۶۷، ۴۶۸، ۴۶۹، ۴۷۰، ۴۷۱، ۴۷۲، ۴۷۳، ۴۷۴، ۴۷۵، ۴۷۶، ۴۷۷، ۴۷۸، ۴۷۹، ۴۸۰، ۴۸۱، ۴۸۲، ۴۸۳، ۴۸۴، ۴۸۵، ۴۸۶، ۴۸۷، ۴۸۸، ۴۸۹، ۴۹۰، ۴۹۱، ۴۹۲، ۴۹۳، ۴۹۴، ۴۹۵، ۴۹۶، ۴۹۷، ۴۹۸، ۴۹۹، ۵۰۰، ۵۰۱، ۵۰۲، ۵۰۳، ۵۰۴، ۵۰۵، ۵۰۶، ۵۰۷، ۵۰۸، ۵۰۹، ۵۱۰، ۵۱۱، ۵۱۲، ۵۱۳، ۵۱۴، ۵۱۵، ۵۱۶، ۵۱۷، ۵۱۸، ۵۱۹، ۵۲۰، ۵۲۱، ۵۲۲، ۵۲۳، ۵۲۴، ۵۲۵، ۵۲۶، ۵۲۷، ۵۲۸، ۵۲۹، ۵۳۰، ۵۳۱، ۵۳۲، ۵۳۳، ۵۳۴، ۵۳۵، ۵۳۶، ۵۳۷، ۵۳۸، ۵۳۹، ۵۴۰، ۵۴۱، ۵۴۲، ۵۴۳، ۵۴۴، ۵۴۵، ۵۴۶، ۵۴۷، ۵۴۸، ۵۴۹، ۵۵۰، ۵۵۱، ۵۵۲، ۵۵۳، ۵۵۴، ۵۵۵، ۵۵۶، ۵۵۷، ۵۵۸، ۵۵۹، ۵۶۰، ۵۶۱، ۵۶۲، ۵۶۳، ۵۶۴، ۵۶۵، ۵۶۶، ۵۶۷، ۵۶۸، ۵۶۹، ۵۷۰، ۵۷۱، ۵۷۲، ۵۷۳، ۵۷۴، ۵۷۵، ۵۷۶، ۵۷۷، ۵۷۸، ۵۷۹، ۵۸۰، ۵۸۱، ۵۸۲، ۵۸۳، ۵۸۴، ۵۸۵، ۵۸۶، ۵۸۷، ۵۸۸، ۵۸۹، ۵۹۰، ۵۹۱، ۵۹۲، ۵۹۳، ۵۹۴، ۵۹۵، ۵۹۶، ۵۹۷، ۵۹۸، ۵۹۹، ۶۰۰، ۶۰۱، ۶۰۲، ۶۰۳، ۶۰۴، ۶۰۵، ۶۰۶، ۶۰۷، ۶۰۸، ۶۰۹، ۶۱۰، ۶۱۱، ۶۱۲، ۶۱۳، ۶۱۴، ۶۱۵، ۶۱۶، ۶۱۷، ۶۱۸، ۶۱۹، ۶۲۰، ۶۲۱، ۶۲۲، ۶۲۳، ۶۲۴، ۶۲۵، ۶۲۶، ۶۲۷، ۶۲۸، ۶۲۹، ۶۳۰، ۶۳۱، ۶۳۲، ۶۳۳، ۶۳۴، ۶۳۵، ۶۳۶، ۶۳۷، ۶۳۸، ۶۳۹، ۶۴۰، ۶۴۱، ۶۴۲، ۶۴۳، ۶۴۴، ۶۴۵، ۶۴۶، ۶۴۷، ۶۴۸، ۶۴۹، ۶۵۰، ۶۵۱، ۶۵۲، ۶۵۳، ۶۵۴، ۶۵۵، ۶۵۶، ۶۵۷، ۶۵۸، ۶۵۹، ۶۶۰، ۶۶۱، ۶۶۲، ۶۶۳، ۶۶۴، ۶۶۵، ۶۶۶، ۶۶۷، ۶۶۸، ۶۶۹، ۶۷۰، ۶۷۱، ۶۷۲، ۶۷۳، ۶۷۴، ۶۷۵، ۶۷۶، ۶۷۷، ۶۷۸، ۶۷۹، ۶۸۰، ۶۸۱، ۶۸۲، ۶۸۳، ۶۸۴، ۶۸۵، ۶۸۶، ۶۸۷، ۶۸۸، ۶۸۹، ۶۹۰، ۶۹۱، ۶۹۲، ۶۹۳، ۶۹۴، ۶۹۵، ۶۹۶، ۶۹۷، ۶۹۸، ۶۹۹، ۷۰۰، ۷۰۱، ۷۰۲، ۷۰۳، ۷۰۴، ۷۰۵، ۷۰۶، ۷۰۷، ۷۰۸، ۷۰۹، ۷۱۰، ۷۱۱، ۷۱۲، ۷۱۳، ۷۱۴، ۷۱۵، ۷۱۶، ۷۱۷، ۷۱۸، ۷۱۹، ۷۲۰، ۷۲۱، ۷۲۲، ۷۲۳، ۷۲۴، ۷۲۵، ۷۲۶، ۷۲۷، ۷۲۸، ۷۲۹، ۷۳۰، ۷۳۱، ۷۳۲، ۷۳۳، ۷۳۴، ۷۳۵، ۷۳۶، ۷۳۷، ۷۳۸، ۷۳۹، ۷۴۰، ۷۴۱، ۷۴۲، ۷۴۳، ۷۴۴، ۷۴۵، ۷۴۶، ۷۴۷، ۷۴۸، ۷۴۹، ۷۵۰، ۷۵۱، ۷۵۲، ۷۵۳، ۷۵۴، ۷۵۵، ۷۵۶، ۷۵۷، ۷۵۸، ۷۵۹، ۷۶۰، ۷۶۱، ۷۶۲، ۷۶۳، ۷۶۴، ۷۶۵، ۷۶۶، ۷۶۷، ۷۶۸، ۷۶۹، ۷۷۰، ۷۷۱، ۷۷۲، ۷۷۳، ۷۷۴، ۷۷۵، ۷۷۶، ۷۷۷، ۷۷۸، ۷۷۹، ۷۸۰، ۷۸۱، ۷۸۲، ۷۸۳، ۷۸۴، ۷۸۵، ۷۸۶، ۷۸۷، ۷۸۸، ۷۸۹، ۷۹۰، ۷۹۱، ۷۹۲، ۷۹۳، ۷۹۴، ۷۹۵، ۷۹۶، ۷۹۷، ۷۹۸، ۷۹۹، ۸۰۰، ۸۰۱، ۸۰۲، ۸۰۳، ۸۰۴، ۸۰۵، ۸۰۶، ۸۰۷، ۸۰۸، ۸۰۹، ۸۱۰، ۸۱۱، ۸۱۲، ۸۱۳، ۸۱۴، ۸۱۵، ۸۱۶، ۸۱۷، ۸۱۸، ۸۱۹، ۸۲۰، ۸۲۱، ۸۲۲، ۸۲۳، ۸۲۴، ۸۲۵، ۸۲۶، ۸۲۷، ۸۲۸، ۸۲۹، ۸۳۰، ۸۳۱، ۸۳۲، ۸۳۳، ۸۳۴، ۸۳۵، ۸۳۶، ۸۳۷، ۸۳۸، ۸۳۹، ۸۴۰، ۸۴۱، ۸۴۲، ۸۴۳، ۸۴۴، ۸۴۵، ۸۴۶، ۸۴۷، ۸۴۸، ۸۴۹، ۸۵۰، ۸۵۱، ۸۵۲، ۸۵۳، ۸۵۴، ۸۵۵، ۸۵۶، ۸۵۷، ۸۵۸، ۸۵۹، ۸۶۰، ۸۶۱، ۸۶۲، ۸۶۳، ۸۶۴، ۸۶۵، ۸۶۶، ۸۶۷، ۸۶۸، ۸۶۹، ۸۷۰، ۸۷۱، ۸۷۲، ۸۷۳، ۸۷۴، ۸۷۵، ۸۷۶، ۸۷۷، ۸۷۸، ۸۷۹، ۸۸۰، ۸۸۱، ۸۸۲، ۸۸۳، ۸۸۴، ۸۸۵، ۸۸۶، ۸۸۷، ۸۸۸، ۸۸۹، ۸۹۰، ۸۹۱، ۸۹۲، ۸۹۳، ۸۹۴، ۸۹۵، ۸۹۶، ۸۹۷، ۸۹۸، ۸۹۹، ۹۰۰، ۹۰۱، ۹۰۲، ۹۰۳، ۹۰۴، ۹۰۵، ۹۰۶، ۹۰۷، ۹۰۸، ۹۰۹، ۹۱۰، ۹۱۱، ۹۱۲، ۹۱۳، ۹۱۴، ۹۱۵، ۹۱۶، ۹۱۷، ۹۱۸، ۹۱۹، ۹۲۰، ۹۲۱، ۹۲۲، ۹۲۳، ۹۲۴، ۹۲۵، ۹۲۶، ۹۲۷، ۹۲۸، ۹۲۹، ۹۳۰، ۹۳۱، ۹۳۲، ۹۳۳، ۹۳۴، ۹۳۵، ۹۳۶، ۹۳۷، ۹۳۸، ۹۳۹، ۹۴۰، ۹۴۱، ۹۴۲، ۹۴۳، ۹۴۴، ۹۴۵، ۹۴۶، ۹۴۷، ۹۴۸، ۹۴۹، ۹۵۰، ۹۵۱، ۹۵۲، ۹۵۳، ۹۵۴، ۹۵۵، ۹۵۶، ۹۵۷، ۹۵۸، ۹۵۹، ۹۶۰، ۹۶۱، ۹۶۲، ۹۶۳، ۹۶۴، ۹۶۵، ۹۶۶، ۹۶۷، ۹۶۸، ۹۶۹، ۹۷۰، ۹۷۱، ۹۷۲، ۹۷۳، ۹۷۴، ۹۷۵، ۹۷۶، ۹۷۷، ۹۷۸، ۹۷۹، ۹۸۰، ۹۸۱، ۹۸۲، ۹۸۳، ۹۸۴، ۹۸۵، ۹۸۶، ۹۸۷، ۹۸۸، ۹۸۹، ۹۹۰، ۹۹۱، ۹۹۲، ۹۹۳، ۹۹۴، ۹۹۵، ۹۹۶، ۹۹۷، ۹۹۸، ۹۹۹، ۱۰۰۰، ۱۰۰۱، ۱۰۰۲، ۱۰۰۳، ۱۰۰۴، ۱۰۰۵، ۱۰۰۶، ۱۰۰۷، ۱۰۰۸، ۱۰۰۹، ۱۰۱۰، ۱۰۱۱، ۱۰۱۲، ۱۰۱۳، ۱۰۱۴، ۱۰۱۵، ۱۰۱۶، ۱۰۱۷، ۱۰۱۸، ۱۰۱۹، ۱۰۲۰، ۱۰۲۱، ۱۰۲۲، ۱۰۲۳، ۱۰۲۴، ۱۰۲۵، ۱۰۲۶، ۱۰۲۷، ۱۰۲۸، ۱۰۲۹، ۱۰۳۰، ۱۰۳۱، ۱۰۳۲، ۱۰۳۳، ۱۰۳۴، ۱۰۳۵، ۱۰۳۶، ۱۰۳۷، ۱۰۳۸، ۱۰۳۹، ۱۰۴۰، ۱۰۴۱، ۱۰۴۲، ۱۰۴۳، ۱۰۴۴، ۱۰۴۵، ۱۰۴۶، ۱۰۴۷، ۱۰۴۸، ۱۰۴۹، ۱۰۵۰، ۱۰۵۱، ۱۰۵۲، ۱۰۵۳، ۱۰۵۴، ۱۰۵۵، ۱۰۵۶، ۱۰۵۷، ۱۰۵۸، ۱۰۵۹، ۱۰۶۰، ۱۰۶۱، ۱۰۶۲، ۱۰۶۳، ۱۰۶۴، ۱۰۶۵، ۱۰۶۶، ۱۰۶۷، ۱۰۶۸، ۱۰۶۹، ۱۰۷۰، ۱۰۷۱، ۱۰۷۲، ۱۰۷۳، ۱۰۷۴، ۱۰۷۵، ۱۰۷۶، ۱۰۷۷، ۱۰۷۸، ۱۰۷۹، ۱۰۸۰، ۱۰۸۱، ۱۰۸۲، ۱۰۸۳، ۱۰۸۴، ۱۰۸۵، ۱۰۸۶، ۱۰۸۷، ۱۰۸۸، ۱۰۸۹، ۱۰۹۰، ۱۰۹۱، ۱۰۹۲، ۱۰۹۳، ۱۰۹۴، ۱۰۹۵، ۱۰۹۶، ۱۰۹۷، ۱۰۹۸، ۱۰۹۹، ۱۱۰۰، ۱۱۰۱، ۱۱۰۲، ۱۱۰۳، ۱۱۰۴، ۱۱۰۵، ۱۱۰۶، ۱۱۰۷، ۱۱۰۸، ۱۱۰۹، ۱۱۱۰، ۱۱۱۱، ۱۱۱۲، ۱۱۱۳، ۱۱۱۴، ۱۱۱۵، ۱۱۱۶، ۱۱۱۷، ۱۱۱۸، ۱۱۱۹، ۱۱۲۰، ۱۱۲۱، ۱۱۲۲، ۱۱۲۳، ۱۱۲۴، ۱۱۲۵، ۱۱۲۶، ۱۱۲۷، ۱۱۲۸، ۱۱۲۹، ۱۱۳۰، ۱۱۳۱، ۱۱۳۲، ۱۱۳۳، ۱۱۳۴، ۱۱۳۵، ۱۱۳۶، ۱۱۳۷، ۱۱۳۸، ۱۱۳۹، ۱۱۴۰، ۱۱۴۱، ۱۱۴۲، ۱۱۴۳، ۱۱۴۴، ۱۱۴۵، ۱۱۴۶، ۱۱۴۷، ۱۱۴۸، ۱۱۴۹، ۱۱۵۰، ۱۱۵۱، ۱۱۵۲، ۱۱۵۳، ۱۱۵۴، ۱۱۵۵، ۱۱۵۶، ۱۱۵۷، ۱۱۵۸، ۱۱۵۹، ۱۱۶۰، ۱۱۶۱، ۱۱۶۲، ۱۱۶۳، ۱۱۶۴، ۱۱۶۵، ۱۱۶۶، ۱۱۶۷، ۱۱۶۸، ۱۱۶۹، ۱۱۷۰، ۱۱۷۱، ۱۱۷۲، ۱۱۷۳، ۱۱۷۴، ۱۱۷۵، ۱۱۷۶، ۱۱۷۷، ۱۱۷۸، ۱۱۷۹، ۱۱۸۰، ۱۱۸۱، ۱۱۸۲، ۱۱۸۳، ۱۱۸۴، ۱۱۸۵، ۱۱۸۶، ۱۱۸۷، ۱۱۸۸، ۱۱۸۹، ۱۱۹۰، ۱۱۹۱، ۱۱۹۲، ۱۱۹۳، ۱۱۹۴، ۱۱۹۵، ۱۱۹۶، ۱۱۹۷، ۱۱۹۸، ۱۱۹۹، ۱۲۰۰، ۱۲۰۱، ۱۲۰۲، ۱۲۰۳، ۱۲۰۴، ۱۲۰۵، ۱۲۰۶، ۱۲۰۷، ۱۲۰۸، ۱۲۰۹، ۱۲۱۰، ۱۲۱۱، ۱۲۱۲، ۱۲۱۳، ۱۲۱۴، ۱۲۱۵، ۱۲۱۶، ۱۲۱۷، ۱۲۱۸، ۱۲۱۹، ۱۲۲۰، ۱۲۲۱، ۱۲۲۲، ۱۲۲۳، ۱۲۲۴، ۱۲۲۵، ۱۲۲۶، ۱۲۲۷، ۱۲۲۸، ۱۲۲۹، ۱۲۳۰، ۱۲۳۱، ۱۲۳۲، ۱۲۳۳، ۱۲۳۴، ۱۲۳۵، ۱۲۳۶، ۱۲۳۷، ۱۲۳۸، ۱۲۳۹، ۱۲۴۰، ۱۲۴۱، ۱۲۴۲، ۱۲۴۳، ۱۲۴۴، ۱۲۴۵، ۱۲۴۶، ۱۲۴۷، ۱۲۴۸، ۱۲۴۹، ۱۲۵۰، ۱۲۵۱، ۱۲۵۲، ۱۲۵۳، ۱۲۵۴، ۱۲۵۵، ۱۲۵۶، ۱۲۵۷، ۱۲۵۸، ۱۲۵۹، ۱۲۶۰، ۱۲۶۱، ۱۲۶۲، ۱۲۶۳، ۱۲۶۴، ۱۲۶۵، ۱۲۶۶، ۱۲۶۷، ۱۲۶۸، ۱۲۶۹، ۱۲۷۰، ۱۲۷۱، ۱۲۷۲، ۱۲۷۳، ۱۲۷۴، ۱۲۷۵، ۱۲۷۶، ۱۲۷۷، ۱۲۷۸، ۱۲۷۹، ۱۲۸۰، ۱۲۸۱، ۱۲۸۲، ۱۲۸۳، ۱۲۸۴، ۱۲۸۵، ۱۲۸۶، ۱۲۸۷، ۱۲۸۸، ۱۲۸۹، ۱۲۹۰، ۱۲۹۱، ۱۲۹۲، ۱۲۹۳، ۱۲۹۴، ۱۲۹۵، ۱۲۹۶، ۱۲۹۷، ۱۲۹۸، ۱۲۹۹، ۱۳۰۰، ۱۳۰۱، ۱۳۰۲، ۱۳۰۳، ۱۳۰۴، ۱۳۰۵، ۱۳۰۶، ۱۳۰۷، ۱۳۰۸، ۱۳۰۹، ۱۳۱۰، ۱۳۱۱، ۱۳۱۲، ۱۳۱۳، ۱۳۱۴، ۱۳۱۵، ۱۳۱۶، ۱۳۱۷، ۱۳۱۸، ۱۳۱۹، ۱۳۲۰، ۱۳۲۱، ۱۳۲۲، ۱۳۲۳، ۱۳۲۴، ۱۳۲۵، ۱۳۲۶، ۱۳۲۷، ۱۳۲۸، ۱۳۲۹، ۱۳۳۰، ۱۳۳۱، ۱۳۳۲، ۱۳۳۳، ۱۳۳۴، ۱۳۳۵، ۱۳۳۶، ۱۳۳۷، ۱۳۳۸، ۱۳۳۹، ۱۳۴۰، ۱۳۴۱، ۱۳۴۲، ۱۳۴۳، ۱۳۴۴، ۱۳۴۵، ۱۳۴۶، ۱۳۴۷، ۱۳۴۸، ۱۳۴۹، ۱۳۵۰، ۱۳۵۱، ۱۳۵۲، ۱۳۵۳، ۱۳۵۴، ۱۳۵۵، ۱۳۵۶، ۱۳۵۷، ۱۳۵۸، ۱۳۵۹، ۱۳۶۰، ۱۳۶۱، ۱۳۶۲، ۱۳۶۳، ۱۳۶۴، ۱۳۶۵، ۱۳۶۶، ۱۳۶۷، ۱۳۶۸، ۱۳۶۹، ۱۳۷۰، ۱۳۷۱، ۱۳۷۲، ۱۳۷۳، ۱۳۷۴، ۱۳۷۵، ۱۳۷۶، ۱۳۷۷، ۱۳۷۸، ۱۳۷۹، ۱۳۸۰، ۱۳۸۱، ۱۳۸۲، ۱۳۸۳، ۱۳۸۴، ۱۳۸۵، ۱۳۸۶، ۱۳۸۷، ۱۳۸۸، ۱۳۸۹، ۱۳۹۰، ۱۳۹۱، ۱۳۹۲، ۱۳۹۳، ۱۳۹۴، ۱۳۹۵، ۱۳۹۶، ۱۳۹۷، ۱۳۹۸، ۱۳۹۹، ۱۴۰۰، ۱۴۰۱، ۱۴۰۲، ۱۴۰۳، ۱۴۰۴، ۱۴۰۵، ۱۴۰۶، ۱۴۰۷، ۱۴۰۸، ۱۴۰۹، ۱۴۱۰، ۱۴۱۱،

ولاء الموالات:

۵۲- حنفیہ کے یہاں وراثت کا ایک سبب عقد موالات ہے، اس کا درجہ غلام آزاد کرنے کے نتیجے میں حاصل ہونے والی ولایت کے بعد ہے، لہذا جس شخص کے ہاتھ پر کوئی مسلمان ہوا اور اس کے ساتھ موالات کا معاملہ اور معاہدہ قائم کیا، پھر مر گیا، اور اس کے علاوہ اس کا کوئی وارث نہیں، تو اس کی میراث اس شخص کے لئے ہوگی جس کے ہاتھ پر اسلام لایا تھا۔

یہی حضرت عمر، ابن مسعود، حسن اور امیر ایمن نخعی سے منقول ہے۔ ان کا استدلال اس فرمان الہی سے ہے: ”وَالَّذِينَ عَقَدْتَ أَيْمَانُكُمْ فَأَتَوْهُمْ نَصِيْبُهُمْ“ (اور جن لوگوں سے تمہارے عہد بندھے ہوئے ہیں انہیں ان کا حصہ دے دو)۔ اور نافع کی قراءت ”عاقدت“ ہے، لہذا آیت کا حکم ثابت ہے، اور وہ اپنے الفاظ کے تقاضے کے مطابق استعمال ہوگی یعنی رشتہ داروں کی عدم موجودگی میں ایسے شخص کی میراث ثابت ہوگی۔

قرابت داروں کی عدم موجودگی میں اس حکم کے ثبوت و بقاء کے بارے میں حدیث نبوی بھی موجود ہے، چنانچہ تمیم داری کی روایت میں ہے کہ انہوں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! اگر ایک شخص کسی مسلمان کے ہاتھ پر اسلام لائے تو اس کا حکم کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ”هو أولى الناس بمحياه ومماته“ (وہ اس کی زندگی و موت میں دوسرے لوگوں کی بہ نسبت اس سے زیادہ قریب اور اس کا زیادہ حقدار ہے)۔ آپ ﷺ کے اس ارشاد کا تقاضا یہ ہے کہ اس کی میراث کا سب سے زیادہ وہی حقدار ہو، کیونکہ موت کے بعد ان دونوں کے درمیان میراث کے علاوہ کسی اور چیز میں باہمی تعلق نہیں ہوگا۔

امام مالک، شافعی، احمد، ابن شبرمہ، ثوری اور اوزاعی فرماتے ہیں:

اس کی میراث مسلمانوں کے لئے ہے۔

یحییٰ بن سعید نے کہا ہے: اگر وہ دشمنان اسلام کے علاقہ سے آکر کسی کے ہاتھ پر اسلام لائے تو اس کا ولاء اس شخص کے واسطے ہوگی جس نے اس سے موالات کا تعلق قائم کیا تھا، اور اگر کوئی ذمی کسی مسلمان کے ہاتھ پر اسلام لائے تو اس کا ولاء عام مسلمانوں کے لئے ہوگا۔

مالکیہ اور ان کے موافقین کا استدلال اس حدیث سے ہے: ”إِنَّمَا الْوَلَاءُ لِمَنْ أَعْتَقَ“ (۱) (ولاء محض آزاد کرنے والے کے واسطے ہے)۔ اور اس لئے کہ وراثت کے اسباب رحم (قرابت)، نکاح اور ولاء میں محصور ہیں، اور یہ صورت ان میں سے نہیں ہے، اور یہ آیت مواریث کی آیت سے منسوخ ہے، اسی وجہ سے رشتہ داروں کے ساتھ اس کو وراثت سے کچھ نہیں ملتا، اور اللہ کا فرمان: ”وَالَّذِينَ عَقَدْتَ أَيْمَانُكُمْ“ منسوخ ہے۔

حسن بصری نے فرمایا: اس کو آیت ”وَأُولُوا الْأَرْحَامِ بَعْضُهُمْ أَوْلَىٰ بِبَعْضٍ فِي كِتَابِ اللَّهِ“ نے منسوخ کر دیا ہے، اور مجاہد نے کہا ہے: ”فَاتَوْهُمْ نَصِيْبُهُمْ“ کا مطلب یہ ہے کہ ان کو ویت، نصرت اور امداد میں سے ان کا حصہ دو، لیکن یہ وصیت نہیں، کیونکہ وصی ویت میں شریک نہیں ہوتا، لہذا اس اسلام لانے والے کو اس سے رجوع کا حق حاصل ہوگا (۲)۔

بیت المال:

۵۳- بیت المال ایسی جہت ہے جس کی طرف ہر وہ مال لوٹ کر آتا

(۱) حدیث: ”إِنَّمَا الْوَلَاءُ لِمَنْ أَعْتَقَ“ کی روایت بخاری (۵/۳۱۳) فتح الباری (۲/۵۱۳) طبع لعلی نے کیا ہے۔
(۲) المصنوع ۳۰/۳۳-۳۶، احکام القرآن للجصاص ۲/۱۸۶، طبع دار الکتاب، انجھ شرح التفسیر ص ۵۹۳، شرح المکلی ۳/۱۳۷، حاشیہ قلیوبی و عمیرہ، المغنی ۳/۸۱، طبع الریاض۔

ارث ۵۴

چہ اس کا کوئی وارث نہ ہو، برخلاف اس قول کے کہ بیت المال وارث ہے کہ اس قول کی بنیاد پر نہ پورے مال کی وصیت جائز ہے اور نہ ہی کسی وارث کا اقرار کرنا (۱)۔

شافعیہ اس مسئلہ میں مالکیہ کے ہم خیال ہیں کہ بیت المال کا درجہ عصبہ نسبی و سببی کے بعد ہے، اور بیت المال پورے مال یا بقیہ مال کا وارث ہوتا ہے اگرچہ وہ غیر منظم ہو، مثلاً اس وجہ سے کہ اس کا ذمہ دار ظالم ہو، یا اس کی ذمہ داری سنبھالنے کا اہل نہ ہو، اس لئے کہ وراثت جہت اسلام کی وجہ سے ہے، اور عام مسلمانوں کی طرف سے ظلم نہیں پایا گیا، لہذا ان کا حق امام کے ظالم ہونے کی وجہ سے باطل نہیں ہوگا، یہی ان کے یہاں اصل قول ہے۔

متاخرین کا فتویٰ یہ ہے کہ اگر بیت المال منظم نہ ہو، مثلاً کوئی امام المسلمین نہ ہو، یا اس میں امامت کی بعض شرائط نہ ہوں، مثلاً امام ظالم ہو تو مال ذوی الفروض کو لوٹا دیا جائے گا، اس لئے کہ ترکہ کا مصرف ذوی الفروض اور بیت المال میں منحصر ہے، اور جب بیت المال کا وجود نہیں تو ذوی الفروض متعین ہیں۔

حجب:

۵۴- حجب کا لغوی معنی: روکنا ہے، اس کا باب ”قتل“ ہے، اور اسی وجہ سے پردہ کو حجاب کہتے ہیں، اس لئے کہ وہ مشاہدہ کرنے سے روکتا ہے، اور اسی سے دربان کو ”حاجب“ کہا گیا ہے کیونکہ وہ داخل ہونے سے روکتا ہے (۲)۔

صاحب سراجیہ نے اس کی تعریف یہ کی ہے: کسی معین شخص کو اس کی میراث سے کلی یا جزوی طور پر کسی دوسرے شخص کے پائے جانے

ہے جس کے حق دار مسلمان ہوں، اور ان میں کوئی معین شخص اس کا مالک نہ ہو، مثلاً فی (۱)۔ شافعیہ اس کو ”جہت اسلام“ بھی کہتے ہیں (۲)۔

حنفیہ و حنابلہ کا مذہب، اور مالکیہ کا ایک قول (جو شاذ ہے) یہ ہے کہ بیت المال وارث نہیں ہے، سارا ترکہ یا بقیہ ترکہ اس میں اس حیثیت سے لوٹ کر آتا ہے کہ وہ ایسا مال ہے جس کا کوئی مستحق نہیں، لہذا اس کو بیت المال لے لے گا، جیسا کہ ہر ضائع شدہ مال جو کسی کی ملکیت میں نہیں ہوتا اس کو بیت المال لیتا ہے، مثلاً لفظ، اور اس کو عوامی مفادات میں خرچ کرے گا۔

اور شافعیہ میں مزنی و ابن مرتب انہیں کے ہم خیال ہیں۔

مالکیہ اور شافعیہ کا مذہب یہ ہے کہ بیت المال عصبہ ہے، اور اس کا درجہ معنق کے بعد ہے۔

مالکیہ کے یہاں بیت المال سے مراد اس کے وطن کا بیت المال ہے، اس کی وفات وطن میں ہو یا غیر وطن میں، اس کا مال اپنے وطن میں ہو یا دوسری جگہ، اور اگر اس کا کوئی وطن نہ ہو تو کہا گیا ہے کہ اس وطن کا اعتبار ہے جس وطن میں مال ہے، اور ایک قول کے مطابق اس وطن کا اعتبار ہے جہاں اس کا انتقال ہوا ہے۔ یہ لوگ بیت المال کو عصبہ مانتے ہیں، اس لئے وہ ثابت النسب وارث کی طرح ہوا، یہی ان کے یہاں قول مشہور ہے، خواہ بیت المال منظم ہو یا غیر منظم۔

ایک قول یہ ہے کہ بیت المال ضائع شدہ اموال کو جمع کرنے والا ہوتا ہے، وارث نہیں ہوتا، اور یہ قول شاذ ہے، اور اس قول کی بنیاد پر انسان کے لئے اپنے پورے مال کی وصیت کرنا جائز ہے، جب کہ اس کا کوئی نسبی وارث نہ ہو، اسی طرح کسی وارث کا اقرار بھی جائز ہے اگر

(۱) حاشیہ الدسوقی ۳۱۶ ص۔

(۲) المصباح۔

(۱) الاحکام السلطانیہ لابی یعلیٰ ۲۳۵۔

(۲) التہذیب فی المسائل الشرعیہ ۸۶ ص۔

کی وجہ سے روکنا (۱)۔ دوسرے مذاہب کی تعریفات اس سے خارج نہیں ہیں۔

جب مطلق کی دو قسمیں ہیں:

کسی وصف کی وجہ سے جب، اور اس کو علماء فرائض ”مانع“ سے تعبیر کرتے ہیں، مثلاً قاعل کو میراث سے روکنا اور کسی شخص کی وجہ سے جب، مطلق بولنے سے یہی مراد ہوتا ہے، اور اس کی دو قسمیں ہیں:

جب حرمان: ایک شخص دوسرے کو بالکلیہ ساقط کر دے، اور یہ جب چھ ورثاء پر بالاتفاق نہیں آتا جو یہ ہیں: ابویں (ماں باپ)، زوجین (شوہر و بیوی)، اولاد (بیٹا اور بیٹی)، اور اس کا ضابطہ یہ ہے کہ ایسا وارث ہر وہ شخص ہے جو بذات خود میت سے وابستہ ہو، البتہ اس سے مستثنیٰ ہے۔

جب نقصان: بڑا حصہ روک کر چھوٹا حصہ دینا، اور یہ پانچ ورثاء کے لئے ہے، زوجین، کیونکہ شوہر کا حصہ نصف سے کم ہو کر ربع (چوتھائی) ہو جاتا ہے، اور بیوی کا حصہ ربع سے کم ہو کر ثمن (آٹھواں) ہو جاتا ہے، اگر اولاد دیا بیٹے کی اولاد موجود ہو، ماں کا حصہ اولاد دیا بیٹے کی اولاد یا دو بہن بھائیوں کی وجہ سے، تہائی سے کم ہو کر سدس (چھٹا حصہ) ہو جاتا ہے، پوتی کا حصہ صلبی بیٹی کے ساتھ نصف سے کم ہو کر ثلثین (دو تہائی) کی تکمیل کے لئے سدس (چھٹا حصہ) ہو جاتا ہے، اور باپ شریک بہن حقیقی بہن کے حصہ کو نصف سے کم کر کے سدس (چھٹا حصہ) کر دیتی ہے۔

جو شخص کسی وصف مانع کی وجہ سے میراث سے محروم کر دیا گیا ہو وہ دوسرے کو محبوب نہیں کرتا، نہ مکمل طور پر اور نہ جزئی طور پر، یہ جمہور فقہاء کے یہاں ہے، جن میں ائمہ اربعہ بھی ہیں، اس لئے کہ اس کا وجود عدم کی طرح ہے۔

اولاد نیز کفار بھائیوں، غلام بھائیوں اور قاعل بھائیوں کی وجہ سے زوجین، اور ماں کے جب نقصان (یعنی زائد حصہ سے کم حصہ کرنے) کے بارے میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا اختلاف ہے، ان تینوں مسائل میں ان کے ہم خیال داؤد ظاہری ہیں، اور خاص طور پر قاعل کے مسئلہ میں حسن بصری، حسین بن صالح اور ابن جریر طبری ان کے تابع ہیں۔

لہذا اگر میت کا کافر بیٹا، بیوی اور حقیقی بھائی ہو تو بیوی کو چوتھائی اور بقیہ حقیقی بھائی کے واسطے ہوگا، اس پر ائمہ اربعہ کا اتفاق ہے۔ جس کا جب حرمان (مکمل محرومی) ہو چکا ہو وہ دوسرے کا بسا اوقات جب نقصان کرتا ہے، لہذا اگر میت کی ماں، باپ اور بھائی ہوں تو بھائی اگر چہ باپ کی وجہ سے محبوب ہوں گے لیکن ماں کے حصہ کو سدس کر دیں گے۔

۵۵۔ فقہاء نے جب کے کچھ قواعد وضع کیے ہیں:

اول: جس کا تعلق میت سے کسی وارث کے واسطے سے ہو اس وارث کی موجودگی میں اس کا جب حرمان ہو جاتا ہے، کیونکہ جب ایسا شخص اور وہ وارث جس کی وجہ سے وہ میت سے وابستہ ہے، دونوں جمع ہوں تو وہ وارث اس کی بہ نسبت میراث کا زیادہ مستحق ہے، کیونکہ میت سے وہ زیادہ قریب ہے، اور اس لئے کہ بعید کا تعلق میت سے اسی قریب کے واسطے سے اور اس کے قائم مقام ہونے کی وجہ سے ہے، اور جب اصل موجود ہو تو اس کا بدلہ مستحق نہیں ہوتا۔

یہ قاعدہ مصبات پر بلا استثناء جاری ہوتا ہے، چنانچہ باپ دادا کو محبوب (محروم) کر دیتا ہے، اور حقیقی بھائی اپنے بیٹے کو محبوب کر دیتا ہے، اور اسی طرح دوسرے مصبات کا معاملہ ہے۔

یہ قاعدہ بہت سے ذوی القربى پر بھی جاری ہوتا ہے، چنانچہ باپ دادا کو اس کے مقررہ حصہ سے محبوب کر دیتا ہے، اور ماں مانی کو

عمول:

۵۶- عمول کا ایک لغوی معنی: زیادتی ہے، عالت القریضۃ فی الحساب: یعنی حساب میں مقررہ حصہ بڑھ گیا، اس کا فعل ماضی عال، اور مضارع: یعول اور تعیل آتا ہے (۱)۔

۵۷- اور اصطلاح میں: عمول اصحاب فرض (جن لوگوں کے حصے مقرر ہیں) کے حصوں میں ”واحد صحیح“ سے ”کسور“ کو بڑھا کر اضافہ کرنے کو کہتے ہیں، اور (اس کے نتیجے میں) اس زیادتی کے تناسب سے ترکہ میں ورثہ کے حصے کم ہو جاتے ہیں، مثلاً کوئی عورت شوہر، ماں، اور ایک حقیقی بہن چھوڑ کر مرے تو شوہر کے لئے فرض کے طور پر نصف، ماں کے لئے فرض کے طور پر ثلث، اور حقیقی بہن کے لئے فرض کے طور پر نصف ہوگا، تو اس حالت میں فرض (حصے) اس حد و حدود سے بڑھ گئے جس کی طرف ترکہ (اولاد و اصلاً) تقسیم ہوتا ہے، جس کی ”واحد صحیح“ سے تعبیر کی جاتی ہے۔

یہی مسئلہ اسلام میں سب سے پہلا عمول والا مسئلہ بنا ہے، اور ایک قول یہ ہے کہ اسلام میں سب سے پہلا عمول والا مسئلہ یہ تھا: ایک عورت شوہر اور دو بہنوں کو چھوڑ کر مری، اور یہ (عائد مسئلہ) حضرت عمر کے دور خلافت میں پیش آیا، انہوں نے صحابہ کرام سے مشورہ کیا اور فرمایاں: بخدا مجھے سمجھ میں نہیں آتا کہ اللہ نے کس کو مقدم اور کس کو مؤخر کیا ہے؟ اگر میں اولاد شوہر کو اس کا پورا حق دے دوں تو دو بہنوں کے لئے ان کا حق باقی نہیں رہے گا، اور اگر اولاد دو بہنوں کو ان کا پورا حق دے دوں تو شوہر کا حق باقی نہیں رہتا تو مشہور روایت کے مطابق حضرت عباس بن عبدالمطلب نے یا دوسری روایات کے مطابق حضرت علی بن ابی طالب یا حضرت زید بن ثابت نے عمول کا مشورہ دیا۔

(۱) القاموس ۲/۲۳۳۔

محبوب کر دیتی ہے، اور ذوی الفروض کے بعض حالات پر یہ قاعدہ جاری نہیں ہوتا، مثلاً اولادِ اُم (ماں شریک بھائی و بہن) بہ نسبت ماں کے، اس لئے کہ وہ ماں کی موجودگی میں بھی وارث ہوتے ہیں، البتہ اگر اولادِ اُم چند ہوں تو ماں کا حجب نقصان کر دیتے ہیں، اور اولادِ اُم کو باپ اور دادا محبوب کر دیتے ہیں، حالانکہ اولادِ اُم ان دونوں کے واسطے سے میت سے وابستہ نہیں ہوتے، اس لئے کہ نص نے ان کی میراث میں یہ قید لگائی ہے کہ میت کا والد ہو یعنی اس کے والد اور اولاد نہ ہوں۔

دوم: اقرب (قریب والا) البعد (دور والے) کو محبوب کر دیتا ہے اگر اس کا استحقاق اپنے وصف و نوع کی وجہ سے ہو، یہ قاعدہ پہلے قاعدہ سے زیادہ عام ہے، کیونکہ اس کے تحت وہ بعید بھی آتا ہے جو اپنے سے قریب کے واسطے سے میت سے وابستہ ہو، اور وہ بھی جو اس کے واسطے سے وابستہ نہ ہو، مثلاً بیٹا پوتے کو محبوب کر دیتا ہے اگرچہ اس کا باپ نہ ہو، دو بیٹیاں پوتی کو فرض کے طور پر استحقاق سے محبوب (محرم) کر دیتی ہیں، بھائی چچا کو محبوب کر دیتا ہے اگرچہ چچا بھائی کے واسطے سے میت سے وابستہ نہیں ہے، جدہ اقرب (قریب والی) جدہ البعد (دور والی) کو محبوب کر دیتی ہے اگرچہ بعد اقرب کے واسطے سے میت سے وابستہ نہ ہو، یہ ضابطہ مصبات و ذوی الفروض دونوں میں برابر جاری ہوتا ہے۔

سوم: زیادہ قوی قریب اقرب والے کو محبوب کر دیتا ہے، چنانچہ حقیقی بھائی باپ شریک بھائی کو محبوب کر دیتا ہے، اور باپ شریک بہن کو حقیقی بہن کی موجودگی میں نصف نہیں ملتا، یہی حکم ان تمام احوال میں ہے جن کا درجہ ایک ہو لیکن قوت قریب اقرب مختلف ہو، اور اگر درجہ ایک ہو تو حجب میں قریب درجہ کا اعتبار ہوگا (۱)۔

(۱) السراجیہ ص ۱۷۱، ۱۸۰، ۱۸۱، ۱۸۲، ۱۸۳، ۱۸۴، ۱۸۵، ۱۸۶، ۱۸۷، ۱۸۸، ۱۸۹، ۱۹۰، ۱۹۱، ۱۹۲، ۱۹۳، ۱۹۴، ۱۹۵، ۱۹۶، ۱۹۷، ۱۹۸، ۱۹۹، ۲۰۰، ۲۰۱، ۲۰۲، ۲۰۳، ۲۰۴، ۲۰۵، ۲۰۶، ۲۰۷، ۲۰۸، ۲۰۹، ۲۱۰، ۲۱۱، ۲۱۲، ۲۱۳، ۲۱۴، ۲۱۵، ۲۱۶، ۲۱۷، ۲۱۸، ۲۱۹، ۲۲۰، ۲۲۱، ۲۲۲، ۲۲۳، ۲۲۴، ۲۲۵، ۲۲۶، ۲۲۷، ۲۲۸، ۲۲۹، ۲۳۰، ۲۳۱، ۲۳۲، ۲۳۳، ۲۳۴، ۲۳۵، ۲۳۶، ۲۳۷، ۲۳۸، ۲۳۹، ۲۴۰، ۲۴۱، ۲۴۲، ۲۴۳، ۲۴۴، ۲۴۵، ۲۴۶، ۲۴۷، ۲۴۸، ۲۴۹، ۲۵۰، ۲۵۱، ۲۵۲، ۲۵۳، ۲۵۴، ۲۵۵، ۲۵۶، ۲۵۷، ۲۵۸، ۲۵۹، ۲۶۰، ۲۶۱، ۲۶۲، ۲۶۳، ۲۶۴، ۲۶۵، ۲۶۶، ۲۶۷، ۲۶۸، ۲۶۹، ۲۷۰، ۲۷۱، ۲۷۲، ۲۷۳، ۲۷۴، ۲۷۵، ۲۷۶، ۲۷۷، ۲۷۸، ۲۷۹، ۲۸۰، ۲۸۱، ۲۸۲، ۲۸۳، ۲۸۴، ۲۸۵، ۲۸۶، ۲۸۷، ۲۸۸، ۲۸۹، ۲۹۰، ۲۹۱، ۲۹۲، ۲۹۳، ۲۹۴، ۲۹۵، ۲۹۶، ۲۹۷، ۲۹۸، ۲۹۹، ۳۰۰، ۳۰۱، ۳۰۲، ۳۰۳، ۳۰۴، ۳۰۵، ۳۰۶، ۳۰۷، ۳۰۸، ۳۰۹، ۳۱۰، ۳۱۱، ۳۱۲، ۳۱۳، ۳۱۴، ۳۱۵، ۳۱۶، ۳۱۷، ۳۱۸، ۳۱۹، ۳۲۰، ۳۲۱، ۳۲۲، ۳۲۳، ۳۲۴، ۳۲۵، ۳۲۶، ۳۲۷، ۳۲۸، ۳۲۹، ۳۳۰، ۳۳۱، ۳۳۲، ۳۳۳، ۳۳۴، ۳۳۵، ۳۳۶، ۳۳۷، ۳۳۸، ۳۳۹، ۳۴۰، ۳۴۱، ۳۴۲، ۳۴۳، ۳۴۴، ۳۴۵، ۳۴۶، ۳۴۷، ۳۴۸، ۳۴۹، ۳۵۰، ۳۵۱، ۳۵۲، ۳۵۳، ۳۵۴، ۳۵۵، ۳۵۶، ۳۵۷، ۳۵۸، ۳۵۹، ۳۶۰، ۳۶۱، ۳۶۲، ۳۶۳، ۳۶۴، ۳۶۵، ۳۶۶، ۳۶۷، ۳۶۸، ۳۶۹، ۳۷۰، ۳۷۱، ۳۷۲، ۳۷۳، ۳۷۴، ۳۷۵، ۳۷۶، ۳۷۷، ۳۷۸، ۳۷۹، ۳۸۰، ۳۸۱، ۳۸۲، ۳۸۳، ۳۸۴، ۳۸۵، ۳۸۶، ۳۸۷، ۳۸۸، ۳۸۹، ۳۹۰، ۳۹۱، ۳۹۲، ۳۹۳، ۳۹۴، ۳۹۵، ۳۹۶، ۳۹۷، ۳۹۸، ۳۹۹، ۴۰۰، ۴۰۱، ۴۰۲، ۴۰۳، ۴۰۴، ۴۰۵، ۴۰۶، ۴۰۷، ۴۰۸، ۴۰۹، ۴۱۰، ۴۱۱، ۴۱۲، ۴۱۳، ۴۱۴، ۴۱۵، ۴۱۶، ۴۱۷، ۴۱۸، ۴۱۹، ۴۲۰، ۴۲۱، ۴۲۲، ۴۲۳، ۴۲۴، ۴۲۵، ۴۲۶، ۴۲۷، ۴۲۸، ۴۲۹، ۴۳۰، ۴۳۱، ۴۳۲، ۴۳۳، ۴۳۴، ۴۳۵، ۴۳۶، ۴۳۷، ۴۳۸، ۴۳۹، ۴۴۰، ۴۴۱، ۴۴۲، ۴۴۳، ۴۴۴، ۴۴۵، ۴۴۶، ۴۴۷، ۴۴۸، ۴۴۹، ۴۵۰، ۴۵۱، ۴۵۲، ۴۵۳، ۴۵۴، ۴۵۵، ۴۵۶، ۴۵۷، ۴۵۸، ۴۵۹، ۴۶۰، ۴۶۱، ۴۶۲، ۴۶۳، ۴۶۴، ۴۶۵، ۴۶۶، ۴۶۷، ۴۶۸، ۴۶۹، ۴۷۰، ۴۷۱، ۴۷۲، ۴۷۳، ۴۷۴، ۴۷۵، ۴۷۶، ۴۷۷، ۴۷۸، ۴۷۹، ۴۸۰، ۴۸۱، ۴۸۲، ۴۸۳، ۴۸۴، ۴۸۵، ۴۸۶، ۴۸۷، ۴۸۸، ۴۸۹، ۴۹۰، ۴۹۱، ۴۹۲، ۴۹۳، ۴۹۴، ۴۹۵، ۴۹۶، ۴۹۷، ۴۹۸، ۴۹۹، ۵۰۰، ۵۰۱، ۵۰۲، ۵۰۳، ۵۰۴، ۵۰۵، ۵۰۶، ۵۰۷، ۵۰۸، ۵۰۹، ۵۱۰، ۵۱۱، ۵۱۲، ۵۱۳، ۵۱۴، ۵۱۵، ۵۱۶، ۵۱۷، ۵۱۸، ۵۱۹، ۵۲۰، ۵۲۱، ۵۲۲، ۵۲۳، ۵۲۴، ۵۲۵، ۵۲۶، ۵۲۷، ۵۲۸، ۵۲۹، ۵۳۰، ۵۳۱، ۵۳۲، ۵۳۳، ۵۳۴، ۵۳۵، ۵۳۶، ۵۳۷، ۵۳۸، ۵۳۹، ۵۴۰، ۵۴۱، ۵۴۲، ۵۴۳، ۵۴۴، ۵۴۵، ۵۴۶، ۵۴۷، ۵۴۸، ۵۴۹، ۵۵۰، ۵۵۱، ۵۵۲، ۵۵۳، ۵۵۴، ۵۵۵، ۵۵۶، ۵۵۷، ۵۵۸، ۵۵۹، ۵۶۰، ۵۶۱، ۵۶۲، ۵۶۳، ۵۶۴، ۵۶۵، ۵۶۶، ۵۶۷، ۵۶۸، ۵۶۹، ۵۷۰، ۵۷۱، ۵۷۲، ۵۷۳، ۵۷۴، ۵۷۵، ۵۷۶، ۵۷۷، ۵۷۸، ۵۷۹، ۵۸۰، ۵۸۱، ۵۸۲، ۵۸۳، ۵۸۴، ۵۸۵، ۵۸۶، ۵۸۷، ۵۸۸، ۵۸۹، ۵۹۰، ۵۹۱، ۵۹۲، ۵۹۳، ۵۹۴، ۵۹۵، ۵۹۶، ۵۹۷، ۵۹۸، ۵۹۹، ۶۰۰، ۶۰۱، ۶۰۲، ۶۰۳، ۶۰۴، ۶۰۵، ۶۰۶، ۶۰۷، ۶۰۸، ۶۰۹، ۶۱۰، ۶۱۱، ۶۱۲، ۶۱۳، ۶۱۴، ۶۱۵، ۶۱۶، ۶۱۷، ۶۱۸، ۶۱۹، ۶۲۰، ۶۲۱، ۶۲۲، ۶۲۳، ۶۲۴، ۶۲۵، ۶۲۶، ۶۲۷، ۶۲۸، ۶۲۹، ۶۳۰، ۶۳۱، ۶۳۲، ۶۳۳، ۶۳۴، ۶۳۵، ۶۳۶، ۶۳۷، ۶۳۸، ۶۳۹، ۶۴۰، ۶۴۱، ۶۴۲، ۶۴۳، ۶۴۴، ۶۴۵، ۶۴۶، ۶۴۷، ۶۴۸، ۶۴۹، ۶۵۰، ۶۵۱، ۶۵۲، ۶۵۳، ۶۵۴، ۶۵۵، ۶۵۶، ۶۵۷، ۶۵۸، ۶۵۹، ۶۶۰، ۶۶۱، ۶۶۲، ۶۶۳، ۶۶۴، ۶۶۵، ۶۶۶، ۶۶۷، ۶۶۸، ۶۶۹، ۶۷۰، ۶۷۱، ۶۷۲، ۶۷۳، ۶۷۴، ۶۷۵، ۶۷۶، ۶۷۷، ۶۷۸، ۶۷۹، ۶۸۰، ۶۸۱، ۶۸۲، ۶۸۳، ۶۸۴، ۶۸۵، ۶۸۶، ۶۸۷، ۶۸۸، ۶۸۹، ۶۹۰، ۶۹۱، ۶۹۲، ۶۹۳، ۶۹۴، ۶۹۵، ۶۹۶، ۶۹۷، ۶۹۸، ۶۹۹، ۷۰۰، ۷۰۱، ۷۰۲، ۷۰۳، ۷۰۴، ۷۰۵، ۷۰۶، ۷۰۷، ۷۰۸، ۷۰۹، ۷۱۰، ۷۱۱، ۷۱۲، ۷۱۳، ۷۱۴، ۷۱۵، ۷۱۶، ۷۱۷، ۷۱۸، ۷۱۹، ۷۲۰، ۷۲۱، ۷۲۲، ۷۲۳، ۷۲۴، ۷۲۵، ۷۲۶، ۷۲۷، ۷۲۸، ۷۲۹، ۷۳۰، ۷۳۱، ۷۳۲، ۷۳۳، ۷۳۴، ۷۳۵، ۷۳۶، ۷۳۷، ۷۳۸، ۷۳۹، ۷۴۰، ۷۴۱، ۷۴۲، ۷۴۳، ۷۴۴، ۷۴۵، ۷۴۶، ۷۴۷، ۷۴۸، ۷۴۹، ۷۵۰، ۷۵۱، ۷۵۲، ۷۵۳، ۷۵۴، ۷۵۵، ۷۵۶، ۷۵۷، ۷۵۸، ۷۵۹، ۷۶۰، ۷۶۱، ۷۶۲، ۷۶۳، ۷۶۴، ۷۶۵، ۷۶۶، ۷۶۷، ۷۶۸، ۷۶۹، ۷۷۰، ۷۷۱، ۷۷۲، ۷۷۳، ۷۷۴، ۷۷۵، ۷۷۶، ۷۷۷، ۷۷۸، ۷۷۹، ۷۸۰، ۷۸۱، ۷۸۲، ۷۸۳، ۷۸۴، ۷۸۵، ۷۸۶، ۷۸۷، ۷۸۸، ۷۸۹، ۷۹۰، ۷۹۱، ۷۹۲، ۷۹۳، ۷۹۴، ۷۹۵، ۷۹۶، ۷۹۷، ۷۹۸، ۷۹۹، ۸۰۰، ۸۰۱، ۸۰۲، ۸۰۳، ۸۰۴، ۸۰۵، ۸۰۶، ۸۰۷، ۸۰۸، ۸۰۹، ۸۱۰، ۸۱۱، ۸۱۲، ۸۱۳، ۸۱۴، ۸۱۵، ۸۱۶، ۸۱۷، ۸۱۸، ۸۱۹، ۸۲۰، ۸۲۱، ۸۲۲، ۸۲۳، ۸۲۴، ۸۲۵، ۸۲۶، ۸۲۷، ۸۲۸، ۸۲۹، ۸۳۰، ۸۳۱، ۸۳۲، ۸۳۳، ۸۳۴، ۸۳۵، ۸۳۶، ۸۳۷، ۸۳۸، ۸۳۹، ۸۴۰، ۸۴۱، ۸۴۲، ۸۴۳، ۸۴۴، ۸۴۵، ۸۴۶، ۸۴۷، ۸۴۸، ۸۴۹، ۸۵۰، ۸۵۱، ۸۵۲، ۸۵۳، ۸۵۴، ۸۵۵، ۸۵۶، ۸۵۷، ۸۵۸، ۸۵۹، ۸۶۰، ۸۶۱، ۸۶۲، ۸۶۳، ۸۶۴، ۸۶۵، ۸۶۶، ۸۶۷، ۸۶۸، ۸۶۹، ۸۷۰، ۸۷۱، ۸۷۲، ۸۷۳، ۸۷۴، ۸۷۵، ۸۷۶، ۸۷۷، ۸۷۸، ۸۷۹، ۸۸۰، ۸۸۱، ۸۸۲، ۸۸۳، ۸۸۴، ۸۸۵، ۸۸۶، ۸۸۷، ۸۸۸، ۸۸۹، ۸۹۰، ۸۹۱، ۸۹۲، ۸۹۳، ۸۹۴، ۸۹۵، ۸۹۶، ۸۹۷، ۸۹۸، ۸۹۹، ۹۰۰، ۹۰۱، ۹۰۲، ۹۰۳، ۹۰۴، ۹۰۵، ۹۰۶، ۹۰۷، ۹۰۸، ۹۰۹، ۹۱۰، ۹۱۱، ۹۱۲، ۹۱۳، ۹۱۴، ۹۱۵، ۹۱۶، ۹۱۷، ۹۱۸، ۹۱۹، ۹۲۰، ۹۲۱، ۹۲۲، ۹۲۳، ۹۲۴، ۹۲۵، ۹۲۶، ۹۲۷، ۹۲۸، ۹۲۹، ۹۳۰، ۹۳۱، ۹۳۲، ۹۳۳، ۹۳۴، ۹۳۵، ۹۳۶، ۹۳۷، ۹۳۸، ۹۳۹، ۹۴۰، ۹۴۱، ۹۴۲، ۹۴۳، ۹۴۴، ۹۴۵، ۹۴۶، ۹۴۷، ۹۴۸، ۹۴۹، ۹۵۰، ۹۵۱، ۹۵۲، ۹۵۳، ۹۵۴، ۹۵۵، ۹۵۶، ۹۵۷، ۹۵۸، ۹۵۹، ۹۶۰، ۹۶۱، ۹۶۲، ۹۶۳، ۹۶۴، ۹۶۵، ۹۶۶، ۹۶۷، ۹۶۸، ۹۶۹، ۹۷۰، ۹۷۱، ۹۷۲، ۹۷۳، ۹۷۴، ۹۷۵، ۹۷۶، ۹۷۷، ۹۷۸، ۹۷۹، ۹۸۰، ۹۸۱، ۹۸۲، ۹۸۳، ۹۸۴، ۹۸۵، ۹۸۶، ۹۸۷، ۹۸۸، ۹۸۹، ۹۹۰، ۹۹۱، ۹۹۲، ۹۹۳، ۹۹۴، ۹۹۵، ۹۹۶، ۹۹۷، ۹۹۸، ۹۹۹، ۱۰۰۰، ۱۰۰۱، ۱۰۰۲، ۱۰۰۳، ۱۰۰۴، ۱۰۰۵، ۱۰۰۶، ۱۰۰۷، ۱۰۰۸، ۱۰۰۹، ۱۰۱۰، ۱۰۱۱، ۱۰۱۲، ۱۰۱۳، ۱۰۱۴، ۱۰۱۵، ۱۰۱۶، ۱۰۱۷، ۱۰۱۸، ۱۰۱۹، ۱۰۲۰، ۱۰۲۱، ۱۰۲۲، ۱۰۲۳، ۱۰۲۴، ۱۰۲۵، ۱۰۲۶، ۱۰۲۷، ۱۰۲۸، ۱۰۲۹، ۱۰۳۰، ۱۰۳۱، ۱۰۳۲، ۱۰۳۳، ۱۰۳۴، ۱۰۳۵، ۱۰۳۶، ۱۰۳۷، ۱۰۳۸، ۱۰۳۹، ۱۰۴۰، ۱۰۴۱، ۱۰۴۲، ۱۰۴۳، ۱۰۴۴، ۱۰۴۵، ۱۰۴۶، ۱۰۴۷، ۱۰۴۸، ۱۰۴۹، ۱۰۵۰، ۱۰۵۱، ۱۰۵۲، ۱۰۵۳، ۱۰۵۴، ۱۰۵۵، ۱۰۵۶، ۱۰۵۷، ۱۰۵۸، ۱۰۵۹، ۱۰۶۰، ۱۰۶۱، ۱۰۶۲، ۱۰۶۳، ۱۰۶۴، ۱۰۶۵، ۱۰۶۶، ۱۰۶۷، ۱۰۶۸، ۱۰۶۹، ۱۰۷۰، ۱۰۷۱، ۱۰۷۲، ۱۰۷۳، ۱۰۷۴، ۱۰۷۵، ۱۰۷۶، ۱۰۷۷، ۱۰۷۸، ۱۰۷۹، ۱۰۸۰، ۱۰۸۱، ۱۰۸۲، ۱۰۸۳، ۱۰۸۴، ۱۰۸۵، ۱۰۸۶، ۱۰۸۷، ۱۰۸۸، ۱۰۸۹، ۱۰۹۰، ۱۰۹۱، ۱۰۹۲، ۱۰۹۳، ۱۰۹۴، ۱۰۹۵، ۱۰۹۶، ۱۰۹۷، ۱۰۹۸، ۱۰۹۹، ۱۱۰۰، ۱۱۰۱، ۱۱۰۲، ۱۱۰۳، ۱۱۰۴، ۱۱۰۵، ۱۱۰۶، ۱۱۰۷، ۱۱۰۸، ۱۱۰۹، ۱۱۱۰، ۱۱۱۱، ۱۱۱۲، ۱۱۱۳، ۱۱۱۴، ۱۱۱۵، ۱۱۱۶، ۱۱۱۷، ۱۱۱۸، ۱۱۱۹، ۱۱۲۰، ۱۱۲۱، ۱۱۲۲، ۱۱۲۳، ۱۱۲۴، ۱۱۲۵، ۱۱۲۶، ۱۱۲۷، ۱۱۲۸، ۱۱۲۹، ۱۱۳۰، ۱۱۳۱، ۱۱۳۲، ۱۱۳۳، ۱۱۳۴، ۱۱۳۵، ۱۱۳۶، ۱۱۳۷، ۱۱۳۸، ۱۱۳۹، ۱۱۴۰، ۱۱۴۱، ۱۱۴۲، ۱۱۴۳، ۱۱۴۴، ۱۱۴۵، ۱۱۴۶، ۱۱۴۷، ۱۱۴۸، ۱۱۴۹، ۱۱۵۰، ۱۱۵۱، ۱۱۵۲، ۱۱۵۳، ۱۱۵۴، ۱۱۵۵، ۱۱۵۶، ۱۱۵۷، ۱۱۵۸، ۱۱۵۹، ۱۱۶۰، ۱۱۶۱، ۱۱۶۲، ۱۱۶۳، ۱۱۶۴، ۱۱۶۵، ۱۱۶۶، ۱۱۶۷، ۱۱۶۸، ۱۱۶۹، ۱۱۷۰، ۱۱۷۱، ۱۱۷۲، ۱۱۷۳، ۱۱۷۴، ۱۱۷۵، ۱۱۷۶، ۱۱۷۷، ۱۱۷۸، ۱۱۷۹، ۱۱۸۰، ۱۱۸۱، ۱۱۸۲، ۱۱۸۳، ۱۱۸۴، ۱۱۸۵، ۱۱۸۶، ۱۱۸۷، ۱۱۸۸، ۱۱۸۹، ۱۱۹۰، ۱۱۹۱، ۱۱۹۲، ۱۱۹۳، ۱۱۹۴، ۱۱۹۵، ۱۱۹۶، ۱۱۹۷، ۱۱۹۸، ۱۱۹۹، ۱۲۰۰، ۱۲۰۱، ۱۲۰۲، ۱۲۰۳، ۱۲۰۴، ۱۲۰۵، ۱۲۰۶، ۱۲۰۷، ۱۲۰۸، ۱۲۰۹، ۱۲۱۰، ۱۲۱۱، ۱۲۱۲، ۱۲۱۳، ۱۲۱۴، ۱۲۱۵، ۱۲۱۶، ۱۲۱۷، ۱۲۱۸، ۱۲۱۹، ۱۲۲۰، ۱۲۲۱، ۱۲۲۲، ۱۲۲۳، ۱۲۲۴، ۱۲۲۵، ۱۲۲۶، ۱۲۲۷، ۱۲۲۸، ۱۲۲۹، ۱۲۳۰، ۱۲۳۱، ۱۲۳۲، ۱۲۳۳، ۱۲۳۴، ۱۲۳۵، ۱۲۳۶، ۱۲۳۷، ۱۲۳۸، ۱۲۳۹، ۱۲۴۰، ۱۲۴۱، ۱۲۴۲، ۱۲۴۳، ۱۲۴۴، ۱۲۴۵، ۱۲۴۶، ۱۲۴۷، ۱۲۴۸، ۱۲۴۹، ۱۲۵۰، ۱۲۵۱، ۱۲۵۲، ۱۲۵۳، ۱۲۵۴، ۱۲۵۵، ۱۲۵۶، ۱۲۵۷، ۱۲۵۸، ۱۲۵۹، ۱۲۶۰، ۱۲۶۱، ۱۲۶۲، ۱۲۶۳، ۱۲۶۴، ۱۲۶۵، ۱۲۶۶، ۱۲۶۷، ۱۲۶۸، ۱۲۶۹، ۱۲۷۰، ۱۲۷۱، ۱۲۷۲، ۱۲۷۳، ۱۲۷۴، ۱۲۷۵، ۱۲۷۶، ۱۲۷۷، ۱۲۷۸، ۱۲۷۹، ۱۲۸۰، ۱۲۸۱، ۱۲۸۲، ۱۲۸۳، ۱۲۸۴، ۱۲۸۵، ۱۲۸۶، ۱۲۸۷، ۱۲۸۸، ۱۲۸۹، ۱۲۹۰، ۱۲۹۱، ۱۲۹۲، ۱۲۹۳، ۱۲۹۴، ۱۲۹۵، ۱۲۹۶، ۱۲۹۷، ۱۲۹۸، ۱۲۹۹، ۱۳۰۰، ۱۳۰۱، ۱۳۰۲، ۱۳۰۳، ۱۳۰۴، ۱۳۰۵، ۱۳۰۶، ۱۳۰۷، ۱۳۰۸، ۱۳۰۹، ۱۳۱۰، ۱۳۱۱، ۱۳۱۲، ۱۳۱۳، ۱۳۱۴، ۱۳۱۵، ۱۳۱۶، ۱۳۱۷، ۱۳۱۸، ۱۳۱۹، ۱۳۲۰، ۱۳۲۱، ۱۳۲۲، ۱۳۲۳، ۱۳۲۴، ۱۳۲۵، ۱۳۲۶، ۱۳۲۷، ۱۳۲۸، ۱۳۲۹، ۱۳۳۰، ۱۳۳۱، ۱۳۳۲، ۱۳۳۳، ۱۳۳۴، ۱۳۳۵، ۱۳۳۶، ۱۳۳۷، ۱۳۳۸، ۱۳۳۹، ۱۳۴۰، ۱۳۴۱، ۱۳۴۲، ۱۳۴۳، ۱۳۴۴، ۱۳۴۵، ۱۳۴۶، ۱۳۴۷، ۱۳۴۸، ۱۳۴۹، ۱۳۵۰، ۱۳۵۱، ۱۳۵۲، ۱۳۵۳، ۱۳۵۴، ۱۳۵۵، ۱۳۵۶، ۱۳۵۷، ۱۳۵۸، ۱۳۵۹، ۱۳۶۰، ۱۳۶۱، ۱۳۶۲، ۱۳۶۳، ۱۳۶۴، ۱۳۶۵، ۱۳۶۶، ۱۳۶۷، ۱۳۶۸، ۱۳۶۹، ۱۳۷۰، ۱۳۷۱، ۱۳۷۲، ۱۳۷۳، ۱۳۷۴، ۱۳۷۵، ۱۳۷۶، ۱۳۷۷، ۱۳۷۸، ۱۳۷۹، ۱۳۸۰، ۱۳۸۱، ۱۳۸۲، ۱۳۸۳، ۱۳۸۴، ۱۳۸۵، ۱۳۸۶، ۱۳۸۷، ۱۳۸۸، ۱۳۸۹، ۱۳۹۰، ۱۳۹۱، ۱۳۹۲، ۱۳۹۳، ۱۳۹۴، ۱۳۹۵، ۱۳۹۶، ۱۳۹۷، ۱۳۹۸، ۱۳۹۹، ۱۴۰۰، ۱۴۰۱، ۱۴۰۲، ۱۴۰۳، ۱۴۰۴، ۱۴۰۵، ۱۴۰۶، ۱۴۰۷، ۱۴۰۸، ۱۴۰۹، ۱۴۱۰، ۱۴۱۱، ۱۴۱۲، ۱۴۱۳، ۱۴۱۴، ۱۴۱۵، ۱۴۱۶، ۱۴۱۷، ۱۴۱۸، ۱۴۱۹، ۱۴۲۰، ۱۴۲۱، ۱۴۲۲، ۱۴۲۳، ۱۴۲۴، ۱۴۲۵، ۱۴۲۶، ۱۴۲۷، ۱۴۲۸، ۱۴۲۹، ۱۴۳۰، ۱۴۳۱، ۱۴۳۲، ۱۴۳۳،

مروی ہے کہ حضرت عباسؓ نے فرمایا: امیر المؤمنین! بتائیے اگر ایک شخص مر جائے اس کا ترکہ چھ درہم ہو، اس کے ذمہ کسی کے تین درہم ہوں اور دوسرے کے اس کے ذمہ چار درہم ہوں تو آپ کیا کریں گے؟ یہی تو کہ پورے مال کو سات حصوں میں تقسیم کریں گے؟ حضرت عمرؓ نے فرمایا: ہاں، حضرت عباسؓ نے فرمایا: یہاں بھی یہی ہے، تو حضرت عمرؓ نے قول کا فیصلہ فرمادیا۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے خود ان کا قول مروی ہے کہ فرانس میں ”عول“ کا آغاز سب سے پہلے حضرت عمرؓ نے اس وقت کیا جب ان کے لئے حصوں کی تقسیم دشوار ہو گئی اور بعض مقررہ حصے دوسرے حصوں سے ٹکرانے لگے تو انہوں نے فرمایا: سمجھ میں نہیں آتا کہ تم میں سے کس کو اللہ نے مقدم اور کس کو مؤخر کیا ہے؟ وہ بڑے محتاط انسان تھے، انہوں نے فرمایا: میرے سامنے یہی راستہ ہے کہ حصوں کے اعتبار سے ترکہ تمہارے درمیان تقسیم کر دوں، اور فریضہ کی جو زیادتی ہوئی ہے اس کو ہر حقدار پر ڈال دوں، اس فیصلہ کی کسی نے مخالفت نہیں کی، یہاں تک کہ حضرت عثمانؓ کا دور خلافت آیا، تو ابن عباسؓ نے اپنے اختلاف کا اظہار ان الفاظ میں کیا: اللہ نے جس کو مقدم کیا ہے اس کو مقدم، اور اللہ نے جس کو مؤخر کیا ہے اس کو مؤخر کر دیتے تو فریضہ میں کبھی عول (زیادتی) نہ ہوتا۔ ان سے عرض کیا گیا کہ اللہ نے کس کو مقدم، اور کس کو مؤخر کیا ہے؟ تو انہوں نے فرمایا: اللہ نے، شوہر، بیوی، ماں، اور جدہ کو مقدم کیا، اور بیٹیوں، پوتیوں، حقیقی بہنوں، اور باپ شریک بہنوں کو مؤخر کیا ہے۔

ایک دوسری روایت میں حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا: جس کو اللہ نے ایک فرض سے دوسرے فرض میں اتارا ہے، اسی کو اللہ نے مقدم کیا ہے، اور جس کو اللہ نے فرض سے اتار کر بغیر فرض کے دیا ہو اسی کو مؤخر کیا ہے۔

تاکلیف عول کی دلیل یہ ہے کہ ورثاء، سبب استحقاق میں برابر ہیں، جس کا تقاضہ یہ ہے کہ استحقاق میں بھی برابر ہوں، لہذا ان میں سے ہر ایک اپنا پورا حق لے گا اگر محل میں گنجائش ہو، اور اگر تنگی ہو تو فرض خواہوں کی طرح، ترکہ سے اپنا اپنا حصہ لیں گے، کسی بھی وارث کے حق کو ساقط کرنا درست نہیں ہے، کیونکہ وہ اپنے حصے کا مستحق نص ثابت کی وجہ سے ہے، یہی ائمہ اربعہ کی رائے ہے (۱)۔

حضرت ابن عباسؓ کی دلیل یہ ہے کہ موال میں حقوق برابر نہیں ہیں، لہذا اگر ان موال سے ایسے حق کا تعلق ہو، جو موال سے پورا نہ ہو، تو قوی کو مقدم کیا جائے گا، چنانچہ میت کے ترکہ میں: تجہیز، دین (فرض) وصیت، اور میراث مقدم ہیں۔

اور جب فرض زیادہ ہوں اور ترکہ کم ہو تو قوی ترین فرض کو مقدم کیا جائے گا، اور بلاشبہ جس کو ایک مقررہ فرض سے منتقل کر کے دوسرے فرض (حصے) میں لے جایا جائے وہ ہر اعتبار سے ذی فرض (حصہ حق والا) ہے، لہذا وہ بہ نسبت اس شخص کے زیادہ قوی ہوگا جس کو ایک مقررہ حصے سے منتقل کر کے غیر مقررہ حصے میں لے جایا جائے، کہ یہ ایک اعتبار سے ذی فرض اور دوسرے اعتبار سے عصبہ ہے، لہذا اس کے حصے میں کمی کرنا، یا اس کو بالکل محروم کر دینا اولیٰ ہے، کیونکہ ذی الفروض، مصبات پر مقدم ہوتے ہیں۔

۵۸- استقراء سے یہ بات ثابت ہے کہ عول ہونے والے اصولی مسائل یہ ہیں، جس کی اصل: چھ بارہ، اور چوبیس ہو۔

۵۹- جس مسئلہ کی اصل چھ ہو اس کا عول: سات، آٹھ، نو، اور دس تک آتا ہے۔

پہلے کی مثال: شوہر اور دو حقیقی بہنیں کہ شوہر کو نصف (تین حصے) اور

(۱) السراجیہ ص ۱۹۵-۱۹۶، الموسط ۱۶۱/۲۹، ۱۶۲ طبع دار المعرفۃ، الحدیب
الفاصل ۱۶۵/۱۔

لئے شلٹن (دو تہائی) آٹھ حصے اور ماں شریک بھائیوں کے لئے شلٹ (تہائی) چار حصے ہیں، جن کا مجموعہ سترہ ہے۔

۶۱- اگر اصل مسئلہ چوبیس سے ہو تو اس کا مول صرف ستائیس آتا ہے، مثلاً: بیوی، دو بیٹیاں، ماں، باپ - بیوی کے لئے شلٹن (آٹھواں) تین حصے، دو بیٹیوں کے لئے شلٹن (دو تہائی) سولہ حصے، اور والدین میں سے ہر ایک کے لئے سدس (چھٹا) چار حصے ہیں جن کا مجموعہ ستائیس ہے۔

۶۲- ان مذکورہ اصول مسائل کے علاوہ دوسرے اصول مسائل میں مول نہیں ہوتا، اور اس طرح کے اصول مسائل یہ ہیں: ”دو، تین، چار، آٹھ، دو میں مول نہیں، اس لئے کہ مسئلہ دو سے اسی وقت ہوتا ہے جب اس میں دو نصف ہوں، مثلاً شوہر، اور حقیقی بہن، یا ایک نصف، اور ماں بقیہ ہو، مثلاً شوہر اور حقیقی بھائی۔

اسی طرح تین میں مول نہیں ہوتا، اس لئے کہ اس سے نکلنے والا یا تو شلٹ (تہائی) اور ماں باقی ہے، مثلاً ماں، اور حقیقی بھائی یا دو شلٹ (تہائی) اور ماں بقیہ ہے مثلاً دو بیٹیاں، اور باپ شریک بھائی، یا شلٹ اور شلٹن ہے مثلاً ماں شریک دو بہنیں، اور دو حقیقی بہنیں۔

چار میں مول نہیں، اس لئے کہ اس سے نکلنے والا یا تو ربع (چوتھائی) اور ماں بقیہ ہے، مثلاً: شوہر، اور بیٹا، یا ربع، نصف اور ماں بقیہ ہے، مثلاً شوہر، ایک بیٹی، اور ایک حقیقی بھائی، یا ربع، اور ماں باقی کا شلٹ ہے مثلاً بیوی، اور والدین۔

آٹھ میں مول نہیں، اس لئے کہ اس سے نکلنے والا یا تو شلٹن (آٹھواں) اور ماں بقیہ ہے، مثلاً بیوی اور بیٹا، یا شلٹن، نصف، اور ماں بقیہ ہے، مثلاً شوہر، ایک بیٹی، اور حقیقی بھائی (۱)۔

دونوں بہنوں کو شلٹن (چار حصے) ملیں گے، جن کا مجموعہ سات ہے۔

آٹھ کی طرف مول کی مثال: شوہر، باپ شریک دو بہنیں اور ماں، شوہر کو نصف (تین حصے) دو بہنوں کو شلٹن (چار حصے) اور ماں کو سدس (ایک حصہ) ملے گا جن کا مجموعہ آٹھ ہے۔

نو کی طرف مول کی مثال: شوہر، دو حقیقی بہنیں، ماں شریک دو بھائی، شوہر کے لئے نصف (تین حصے)، حقیقی بہنوں کے لئے شلٹن (چار حصے) ماں شریک بھائیوں کے لئے شلٹ (دو حصے) ہیں جن کا مجموعہ نو ہے۔

دس کی طرف مول کی مثال: شوہر، ایک حقیقی بہن، ایک باپ شریک بہن، ماں شریک دو بھائی اور ماں، شوہر کے لئے نصف (تین حصے) حقیقی بہن کے لئے نصف (تین حصے) باپ شریک بہن کے لئے سدس (ایک حصہ) اور ماں شریک دو بھائیوں کے لئے شلٹ (دو تہائی) اور ماں کے لئے سدس (ایک حصہ) ہے، جن کا مجموعہ دس ہے۔

۶۰- اگر اصل مسئلہ بارہ سے ہو تو اس کا مول کبھی تیرہ آتا ہے، مثلاً: بیوی، ماں، باپ شریک بہن، بیوی کے لئے ربع (چوتھائی) ماں کے لئے شلٹ (تہائی) باپ شریک بہن کے لئے نصف ہے، تو اصل مسئلہ بارہ سے ہوگا، بیوی کے لئے تین حصے، بہن کے لئے چھ حصے، اور ماں کے لئے چار حصے ہیں۔

بارہ کا مول کبھی پندرہ آتا ہے، مثلاً: شوہر، دو بیٹیاں، ماں، باپ، شوہر کے لئے ربع (تین حصے) بیٹیوں کے لئے آٹھ حصے، اور ماں باپ میں سے ہر ایک کے لئے دو حصے ہیں، جن کا مجموعہ پندرہ ہے۔ اس کا مول سترہ بھی آتا ہے، مثلاً شوہر، ماں، باپ شریک دو بہنیں، اور ماں شریک دو بھائی، بیوی کے لئے ربع (چوتھائی) تین حصے، ماں کے لئے سدس (چھٹا) دو حصے، باپ شریک بہنوں کے

رد کی وجہ سے وراثت :

۶۳- ”رد“ کا ایک لغوی معنی: لوٹنا ہے، کہا جاتا ہے: ردوت: یعنی لوٹا دیا، اور اسی سے ماخوذ ہے: ”رددت علیہ الودیعة“ میں نے اس کو وديعت لوٹا دی۔ ”ورددته إلی منزله فارتد إلیه“: میں نے اس کو اس کے گھر کی طرف لوٹا دیا تو وہ اس کی طرف لوٹ گیا (۲)۔

اصطلاح میں رد: ”نسبی ذوی القروض کے مقررہ حصوں سے فاضل مال کو، ان میں سے ہر ایک کو اس کے حق کے بقدر لوٹنا ہے، جب کہ کوئی دوسرا مستحق نہ ہو“ (۲)۔ رد کے ثبوت کے لئے دو امور کا پایا جانا ضروری ہے:

اول: فرض، ترک کو حاوی نہ ہوں، کیونکہ اگر فرض ترک کو حاوی ہوں تو کچھ باقی نہیں رہے گا، جس کو لوٹا جائے۔

دوم: کوئی عصبہ نسبی، یا سببی (حسب اختلاف) نہ پایا جائے۔ اور اگر کوئی عصبہ نسبی ہو، اگرچہ وہ ذوی القروض میں سے ہو یعنی باپ، دادا، تو بقیہ مال فرض کے بعد، عصبہ ہونے کی بنیاد پر وہ لے لے گا۔

۶۴- رد کا معاملہ صحابہ کے درمیان مختلف فیہ ہے، اس مسئلہ میں ان کی دو جماعتیں تھیں، ہر جماعت کے ساتھ کچھ تابعین اور ائمہ مجتہدین ہیں۔

۶۵- چنانچہ صحابہ کی ایک جماعت ذوی القروض پر رد کی قائل ہے، اور ان کے ہم خیال امام ابوحنفیہ، اور زیادہ مشہور روایت کے مطابق امام احمد ہیں، لیکن کن لوگوں پر رد ہوگا یہ مسئلہ ان کے درمیان مختلف فیہ ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی رائے یہ ہے کہ اگر ذوی القروض کے ساتھ کوئی عصبہ نسبی، یا سببی نہ ہو، تو ذوی القروض پر ان کے حصوں کے

بقدر رد ہوگا، لیکن زوجین (شوہر و بیوی) پر رد نہیں ہوگا، یہی رائے حنفیہ کی ہے، اور حنابلہ کے یہاں اصح یہی ہے۔

حضرت عثمانؓ کی رائے یہ ہے کہ زوجین پر بھی رد ہوگا، اور یہی جابر بن عبد اللہ کا قول ہے، زوجین پر رد کی دلیل حضرت عثمان نے یہ دی ہے: ”الغنم بالغرم“ (انتفاع تاوان کے بدلہ ہوتا ہے)، اور جب زوجین کا حصہ عول کی وجہ سے کم ہوتا ہے تو رد کی وجہ سے زیادہ ہونا ضروری ہے۔

عبد اللہ بن مسعود نے فرمایا: ذوی القروض پر رد ہوگا، چھ اس سے مستثنیٰ ہیں: شوہر و بیوی، پوتی، صلیبی بیٹی کے ساتھ، باپ شریک بہن، حقیقی بہن کے ساتھ، ماں کی اولاد، ماں کے ساتھ، دادی یا مانی کسی حصے والے کے ساتھ، خواہ کوئی ہو، امام احمد کی ایک روایت یہ ہے کہ انہوں نے صرف زوجین، ماں کی اولاد، ماں کے ساتھ، اور دادی یا مانی کسی حصے والے کے ساتھ کو مستثنیٰ کیا ہے۔

حضرت عبد اللہ بن عباس سے مروی ہے کہ تین ذوی القروض کے علاوہ سب ذوی القروض پر رد ہوگا، وہ تین یہ ہیں: زوجین اور جدہ (۱)۔

متاثرین فقہاء شافعیہ (جو چوتھی صدی کے بعد کے ہیں) کا اتفاق ہے کہ ذوی القروض پر رد ہوگا، اور ذوی الارحام کو اس وقت وارث بنایا جائے گا جبکہ بیت المال منظم نہ ہو، مثلاً کوئی امام ہی نہ ہو، یا امام ہو لیکن اس میں بعض شرائط امامت موجود نہ ہوں، اور بعض نے کہا: اگر امام میں بعض شرائط نہ ہوں، لیکن اس میں عدالت ہو، اور حقوق مستحقین تک پہنچائے، تو بیت المال کو منظم مانا جائے گا۔

(۱) السراجیہ ص ۲۲۹، الموسط ۲۹۲/۱۹۲، طبع دار المعرفۃ، المغنی ۶/۲۹۶، جامعہ الشروانی ۶/۱۲۔

(۱) المصباح المہیر: مادہ (رد)۔
(۲) الفتاویٰ علی السراجیہ ص ۲۲۸۔

قائلین رو کے دلائل:

۶۶- زوجین کے علاوہ دوسرے لوگوں پر رو کے قائلین کے دلائل یہ ہیں:

اول:

فرمان باری ہے: "وَأُولُوا الْأَرْحَامِ بَعْضُهُمْ أَوْلَىٰ بِبَعْضٍ فِي كِتَابِ اللَّهِ" (۱) (اور) ان میں کے (قرابت دار ایک دوسرے کے میراث کے زیادہ حق دار ہیں کتاب اللہ کے نوشتہ میں)۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ رشتہ کی وجہ سے ایک دوسرے کی میراث کے زیادہ مستحق ہیں، لہذا آیت سے معلوم ہوا کہ صلہ رحمی کی وجہ سے ذوی الارحام پوری میراث کے مستحق ہیں، اور آیت میں میراث سے مراد متبادر طور پر پوری میراث ہے، اور بعض میراث مراد لینا خلاف ظاہر ہے، لہذا یہ اشکال نہیں ہو سکتا ہے کہ آیت سے جو اولویت اور ترجیح مفہوم ہو رہی ہے اس کی تکمیل ہر ذی فرض کو اس کا فرض دے کر ہو جائے گی، اس لئے کہ ذی فرض کو دینا ایک دوسری آیت (آیت نساء) سے ثابت ہے، اور آیت انفال کو تائیس اور حکم جدید کے افادہ پر محمول کرنا بہتر ہے اس سے کہ اس کو آیت فرض (حصوں کے بیان پر مشتمل روایت) میں موجود حکم کی تاکید پر محمول کیا جائے، لہذا دونوں آیتوں کے حکم پر عمل واجب ہے، اور اسی وجہ سے زوجین پر رو نہیں ہوگا، کیونکہ ان دونوں کے حق میں رحم قرابت ثابت نہیں۔

دوم:

حضرت سعدؓ بیمار ہوئے تو حضور ﷺ ان کی عیادت کے لئے تشریف لائے، حضرت سعد نے عرض کیا: چوں کہ میرے ورثہ میں صرف میری ایک بیٹی ہے، تو کیا میں اپنے پورے مال کی وصیت

(۱) سورۃ انفال، ۷۵۔

کروں؟ یہاں تک کہ آپ ﷺ نے فرمایا: "الثلث خیر، والثلث کثیر" (تہائی بہتر ہے، تہائی بہت ہے) (۱)۔ ظاہر ہے کہ حضرت سعد کا خیال تھا کہ بیٹی پورے مال کی وارث ہوگی، لیکن حضور ﷺ نے ان پر تکلیف نہیں فرمائی، اور ان کو تہائی سے زیادہ وصیت کرنے سے روکا، حالانکہ ایک بیٹی کے علاوہ ان کا کوئی وارث نہیں تھا، اس سے معلوم ہوا کہ روکا قول درست ہے، کیونکہ اگر ان کی بیٹی، اپنے فرض جو کہ نصف ہے اس سے زائد کی رو کے طور پر مستحق نہ ہوتی تو حضور ﷺ ان کے لئے نصف کی وصیت جائز قرار دیتے۔

سوم:

حضور ﷺ نے لعان کرنے والی عورت کو اپنے بیٹے کے پورے مال کا وارث بنایا، اور یہ رو کے طور پر ہی ہو سکتا ہے۔
وانک بن اسقع کی حدیث میں فرمان نبوی ہے: "تحرز المرأة میراث لقیطها وعقیقها والابن الذی لو عنت به" (۲) (عورت اپنے لقیط (اٹھائے ہوئے لڑکے) عقیق (آزاد کردہ غلام) اور اس بیٹے کی میراث لیتی ہے، جس کی وجہ سے اس کا لعان واقع ہوا)۔

چہارم:

ذوی افروض اسلام میں مسلمانوں کے ساتھ شریک ہوتے ہیں،

(۱) حدیث: "الثلث خیر..." کی روایت بخاری (فتح الباری ۳/۱۶۳،

۹/۲۹۷ طبع المستقیم) اور مسلم (۳/۱۵۳ طبع عیسیٰ الخلی) نے کی ہے۔

(۲) حدیث: "تحرز المرأة میراث لقیطها وعقیقها والابن الذی لو عنت به..." ان الفاظ میں آئی ہے:

"المراة تحوز ثلاثة موارد: عقیقها ولقیطها وولدھا الذی

لا عنت عده"۔ اس کی روایت ترمذی (تحت الاحوذ ۶/۲۹۸، ۲۹۹، ۳۰۰، ۳۰۱، ۳۰۲، ۳۰۳، ۳۰۴، ۳۰۵، ۳۰۶، ۳۰۷، ۳۰۸، ۳۰۹، ۳۱۰، ۳۱۱، ۳۱۲، ۳۱۳، ۳۱۴، ۳۱۵، ۳۱۶، ۳۱۷، ۳۱۸، ۳۱۹، ۳۲۰، ۳۲۱، ۳۲۲، ۳۲۳، ۳۲۴، ۳۲۵، ۳۲۶، ۳۲۷، ۳۲۸، ۳۲۹، ۳۳۰، ۳۳۱، ۳۳۲، ۳۳۳، ۳۳۴، ۳۳۵، ۳۳۶، ۳۳۷، ۳۳۸، ۳۳۹، ۳۴۰، ۳۴۱، ۳۴۲، ۳۴۳، ۳۴۴، ۳۴۵، ۳۴۶، ۳۴۷، ۳۴۸، ۳۴۹، ۳۵۰، ۳۵۱، ۳۵۲، ۳۵۳، ۳۵۴، ۳۵۵، ۳۵۶، ۳۵۷، ۳۵۸، ۳۵۹، ۳۶۰، ۳۶۱، ۳۶۲، ۳۶۳، ۳۶۴، ۳۶۵، ۳۶۶، ۳۶۷، ۳۶۸، ۳۶۹، ۳۷۰، ۳۷۱، ۳۷۲، ۳۷۳، ۳۷۴، ۳۷۵، ۳۷۶، ۳۷۷، ۳۷۸، ۳۷۹، ۳۸۰، ۳۸۱، ۳۸۲، ۳۸۳، ۳۸۴، ۳۸۵، ۳۸۶، ۳۸۷، ۳۸۸، ۳۸۹، ۳۹۰، ۳۹۱، ۳۹۲، ۳۹۳، ۳۹۴، ۳۹۵، ۳۹۶، ۳۹۷، ۳۹۸، ۳۹۹، ۴۰۰، ۴۰۱، ۴۰۲، ۴۰۳، ۴۰۴، ۴۰۵، ۴۰۶، ۴۰۷، ۴۰۸، ۴۰۹، ۴۱۰، ۴۱۱، ۴۱۲، ۴۱۳، ۴۱۴، ۴۱۵، ۴۱۶، ۴۱۷، ۴۱۸، ۴۱۹، ۴۲۰، ۴۲۱، ۴۲۲، ۴۲۳، ۴۲۴، ۴۲۵، ۴۲۶، ۴۲۷، ۴۲۸، ۴۲۹، ۴۳۰، ۴۳۱، ۴۳۲، ۴۳۳، ۴۳۴، ۴۳۵، ۴۳۶، ۴۳۷، ۴۳۸، ۴۳۹، ۴۴۰، ۴۴۱، ۴۴۲، ۴۴۳، ۴۴۴، ۴۴۵، ۴۴۶، ۴۴۷، ۴۴۸، ۴۴۹، ۴۵۰، ۴۵۱، ۴۵۲، ۴۵۳، ۴۵۴، ۴۵۵، ۴۵۶، ۴۵۷، ۴۵۸، ۴۵۹، ۴۶۰، ۴۶۱، ۴۶۲، ۴۶۳، ۴۶۴، ۴۶۵، ۴۶۶، ۴۶۷، ۴۶۸، ۴۶۹، ۴۷۰، ۴۷۱، ۴۷۲، ۴۷۳، ۴۷۴، ۴۷۵، ۴۷۶، ۴۷۷، ۴۷۸، ۴۷۹، ۴۸۰، ۴۸۱، ۴۸۲، ۴۸۳، ۴۸۴، ۴۸۵، ۴۸۶، ۴۸۷، ۴۸۸، ۴۸۹، ۴۹۰، ۴۹۱، ۴۹۲، ۴۹۳، ۴۹۴، ۴۹۵، ۴۹۶، ۴۹۷، ۴۹۸، ۴۹۹، ۵۰۰، ۵۰۱، ۵۰۲، ۵۰۳، ۵۰۴، ۵۰۵، ۵۰۶، ۵۰۷، ۵۰۸، ۵۰۹، ۵۱۰، ۵۱۱، ۵۱۲، ۵۱۳، ۵۱۴، ۵۱۵، ۵۱۶، ۵۱۷، ۵۱۸، ۵۱۹، ۵۲۰، ۵۲۱، ۵۲۲، ۵۲۳، ۵۲۴، ۵۲۵، ۵۲۶، ۵۲۷، ۵۲۸، ۵۲۹، ۵۳۰، ۵۳۱، ۵۳۲، ۵۳۳، ۵۳۴، ۵۳۵، ۵۳۶، ۵۳۷، ۵۳۸، ۵۳۹، ۵۴۰، ۵۴۱، ۵۴۲، ۵۴۳، ۵۴۴، ۵۴۵، ۵۴۶، ۵۴۷، ۵۴۸، ۵۴۹، ۵۵۰، ۵۵۱، ۵۵۲، ۵۵۳، ۵۵۴، ۵۵۵، ۵۵۶، ۵۵۷، ۵۵۸، ۵۵۹، ۵۶۰، ۵۶۱، ۵۶۲، ۵۶۳، ۵۶۴، ۵۶۵، ۵۶۶، ۵۶۷، ۵۶۸، ۵۶۹، ۵۷۰، ۵۷۱، ۵۷۲، ۵۷۳، ۵۷۴، ۵۷۵، ۵۷۶، ۵۷۷، ۵۷۸، ۵۷۹، ۵۸۰، ۵۸۱، ۵۸۲، ۵۸۳، ۵۸۴، ۵۸۵، ۵۸۶، ۵۸۷، ۵۸۸، ۵۸۹، ۵۹۰، ۵۹۱، ۵۹۲، ۵۹۳، ۵۹۴، ۵۹۵، ۵۹۶، ۵۹۷، ۵۹۸، ۵۹۹، ۶۰۰، ۶۰۱، ۶۰۲، ۶۰۳، ۶۰۴، ۶۰۵، ۶۰۶، ۶۰۷، ۶۰۸، ۶۰۹، ۶۱۰، ۶۱۱، ۶۱۲، ۶۱۳، ۶۱۴، ۶۱۵، ۶۱۶، ۶۱۷، ۶۱۸، ۶۱۹، ۶۲۰، ۶۲۱، ۶۲۲، ۶۲۳، ۶۲۴، ۶۲۵، ۶۲۶، ۶۲۷، ۶۲۸، ۶۲۹، ۶۳۰، ۶۳۱، ۶۳۲، ۶۳۳، ۶۳۴، ۶۳۵، ۶۳۶، ۶۳۷، ۶۳۸، ۶۳۹، ۶۴۰، ۶۴۱، ۶۴۲، ۶۴۳، ۶۴۴، ۶۴۵، ۶۴۶، ۶۴۷، ۶۴۸، ۶۴۹، ۶۵۰، ۶۵۱، ۶۵۲، ۶۵۳، ۶۵۴، ۶۵۵، ۶۵۶، ۶۵۷، ۶۵۸، ۶۵۹، ۶۶۰، ۶۶۱، ۶۶۲، ۶۶۳، ۶۶۴، ۶۶۵، ۶۶۶، ۶۶۷، ۶۶۸، ۶۶۹، ۶۷۰، ۶۷۱، ۶۷۲، ۶۷۳، ۶۷۴، ۶۷۵، ۶۷۶، ۶۷۷، ۶۷۸، ۶۷۹، ۶۸۰، ۶۸۱، ۶۸۲، ۶۸۳، ۶۸۴، ۶۸۵، ۶۸۶، ۶۸۷، ۶۸۸، ۶۸۹، ۶۹۰، ۶۹۱، ۶۹۲، ۶۹۳، ۶۹۴، ۶۹۵، ۶۹۶، ۶۹۷، ۶۹۸، ۶۹۹، ۷۰۰، ۷۰۱، ۷۰۲، ۷۰۳، ۷۰۴، ۷۰۵، ۷۰۶، ۷۰۷، ۷۰۸، ۷۰۹، ۷۱۰، ۷۱۱، ۷۱۲، ۷۱۳، ۷۱۴، ۷۱۵، ۷۱۶، ۷۱۷، ۷۱۸، ۷۱۹، ۷۲۰، ۷۲۱، ۷۲۲، ۷۲۳، ۷۲۴، ۷۲۵، ۷۲۶، ۷۲۷، ۷۲۸، ۷۲۹، ۷۳۰، ۷۳۱، ۷۳۲، ۷۳۳، ۷۳۴، ۷۳۵، ۷۳۶، ۷۳۷، ۷۳۸، ۷۳۹، ۷۴۰، ۷۴۱، ۷۴۲، ۷۴۳، ۷۴۴، ۷۴۵، ۷۴۶، ۷۴۷، ۷۴۸، ۷۴۹، ۷۵۰، ۷۵۱، ۷۵۲، ۷۵۳، ۷۵۴، ۷۵۵، ۷۵۶، ۷۵۷، ۷۵۸، ۷۵۹، ۷۶۰، ۷۶۱، ۷۶۲، ۷۶۳، ۷۶۴، ۷۶۵، ۷۶۶، ۷۶۷، ۷۶۸، ۷۶۹، ۷۷۰، ۷۷۱، ۷۷۲، ۷۷۳، ۷۷۴، ۷۷۵، ۷۷۶، ۷۷۷، ۷۷۸، ۷۷۹، ۷۸۰، ۷۸۱، ۷۸۲، ۷۸۳، ۷۸۴، ۷۸۵، ۷۸۶، ۷۸۷، ۷۸۸، ۷۸۹، ۷۹۰، ۷۹۱، ۷۹۲، ۷۹۳، ۷۹۴، ۷۹۵، ۷۹۶، ۷۹۷، ۷۹۸، ۷۹۹، ۸۰۰، ۸۰۱، ۸۰۲، ۸۰۳، ۸۰۴، ۸۰۵، ۸۰۶، ۸۰۷، ۸۰۸، ۸۰۹، ۸۱۰، ۸۱۱، ۸۱۲، ۸۱۳، ۸۱۴، ۸۱۵، ۸۱۶، ۸۱۷، ۸۱۸، ۸۱۹، ۸۲۰، ۸۲۱، ۸۲۲، ۸۲۳، ۸۲۴، ۸۲۵، ۸۲۶، ۸۲۷، ۸۲۸، ۸۲۹، ۸۳۰، ۸۳۱، ۸۳۲، ۸۳۳، ۸۳۴، ۸۳۵، ۸۳۶، ۸۳۷، ۸۳۸، ۸۳۹، ۸۴۰، ۸۴۱، ۸۴۲، ۸۴۳، ۸۴۴، ۸۴۵، ۸۴۶، ۸۴۷، ۸۴۸، ۸۴۹، ۸۵۰، ۸۵۱، ۸۵۲، ۸۵۳، ۸۵۴، ۸۵۵، ۸۵۶، ۸۵۷، ۸۵۸، ۸۵۹، ۸۶۰، ۸۶۱، ۸۶۲، ۸۶۳، ۸۶۴، ۸۶۵، ۸۶۶، ۸۶۷، ۸۶۸، ۸۶۹، ۸۷۰، ۸۷۱، ۸۷۲، ۸۷۳، ۸۷۴، ۸۷۵، ۸۷۶، ۸۷۷، ۸۷۸، ۸۷۹، ۸۸۰، ۸۸۱، ۸۸۲، ۸۸۳، ۸۸۴، ۸۸۵، ۸۸۶، ۸۸۷، ۸۸۸، ۸۸۹، ۸۹۰، ۸۹۱، ۸۹۲، ۸۹۳، ۸۹۴، ۸۹۵، ۸۹۶، ۸۹۷، ۸۹۸، ۸۹۹، ۹۰۰، ۹۰۱، ۹۰۲، ۹۰۳، ۹۰۴، ۹۰۵، ۹۰۶، ۹۰۷، ۹۰۸، ۹۰۹، ۹۱۰، ۹۱۱، ۹۱۲، ۹۱۳، ۹۱۴، ۹۱۵، ۹۱۶، ۹۱۷، ۹۱۸، ۹۱۹، ۹۲۰، ۹۲۱، ۹۲۲، ۹۲۳، ۹۲۴، ۹۲۵، ۹۲۶، ۹۲۷، ۹۲۸، ۹۲۹، ۹۳۰، ۹۳۱، ۹۳۲، ۹۳۳، ۹۳۴، ۹۳۵، ۹۳۶، ۹۳۷، ۹۳۸، ۹۳۹، ۹۴۰، ۹۴۱، ۹۴۲، ۹۴۳، ۹۴۴، ۹۴۵، ۹۴۶، ۹۴۷، ۹۴۸، ۹۴۹، ۹۵۰، ۹۵۱، ۹۵۲، ۹۵۳، ۹۵۴، ۹۵۵، ۹۵۶، ۹۵۷، ۹۵۸، ۹۵۹، ۹۶۰، ۹۶۱، ۹۶۲، ۹۶۳، ۹۶۴، ۹۶۵، ۹۶۶، ۹۶۷، ۹۶۸، ۹۶۹، ۹۷۰، ۹۷۱، ۹۷۲، ۹۷۳، ۹۷۴، ۹۷۵، ۹۷۶، ۹۷۷، ۹۷۸، ۹۷۹، ۹۸۰، ۹۸۱، ۹۸۲، ۹۸۳، ۹۸۴، ۹۸۵، ۹۸۶، ۹۸۷، ۹۸۸، ۹۸۹، ۹۹۰، ۹۹۱، ۹۹۲، ۹۹۳، ۹۹۴، ۹۹۵، ۹۹۶، ۹۹۷، ۹۹۸، ۹۹۹، ۱۰۰۰، ۱۰۰۱، ۱۰۰۲، ۱۰۰۳، ۱۰۰۴، ۱۰۰۵، ۱۰۰۶، ۱۰۰۷، ۱۰۰۸، ۱۰۰۹، ۱۰۱۰، ۱۰۱۱، ۱۰۱۲، ۱۰۱۳، ۱۰۱۴، ۱۰۱۵، ۱۰۱۶، ۱۰۱۷، ۱۰۱۸، ۱۰۱۹، ۱۰۲۰، ۱۰۲۱، ۱۰۲۲، ۱۰۲۳، ۱۰۲۴، ۱۰۲۵، ۱۰۲۶، ۱۰۲۷، ۱۰۲۸، ۱۰۲۹، ۱۰۳۰، ۱۰۳۱، ۱۰۳۲، ۱۰۳۳، ۱۰۳۴، ۱۰۳۵، ۱۰۳۶، ۱۰۳۷، ۱۰۳۸، ۱۰۳۹، ۱۰۴۰، ۱۰۴۱، ۱۰۴۲، ۱۰۴۳، ۱۰۴۴، ۱۰۴۵، ۱۰۴۶، ۱۰۴۷، ۱۰۴۸، ۱۰۴۹، ۱۰۵۰، ۱۰۵۱، ۱۰۵۲، ۱۰۵۳، ۱۰۵۴، ۱۰۵۵، ۱۰۵۶، ۱۰۵۷، ۱۰۵۸، ۱۰۵۹، ۱۰۶۰، ۱۰۶۱، ۱۰۶۲، ۱۰۶۳، ۱۰۶۴، ۱۰۶۵، ۱۰۶۶، ۱۰۶۷، ۱۰۶۸، ۱۰۶۹، ۱۰۷۰، ۱۰۷۱، ۱۰۷۲، ۱۰۷۳، ۱۰۷۴، ۱۰۷۵، ۱۰۷۶، ۱۰۷۷، ۱۰۷۸، ۱۰۷۹، ۱۰۸۰، ۱۰۸۱، ۱۰۸۲، ۱۰۸۳، ۱۰۸۴، ۱۰۸۵، ۱۰۸۶، ۱۰۸۷، ۱۰۸۸، ۱۰۸۹، ۱۰۹۰، ۱۰۹۱، ۱۰۹۲، ۱۰۹۳، ۱۰۹۴، ۱۰۹۵، ۱۰۹۶، ۱۰۹۷، ۱۰۹۸، ۱۰۹۹، ۱۱۰۰، ۱۱۰۱، ۱۱۰۲، ۱۱۰۳، ۱۱۰۴، ۱۱۰۵، ۱۱۰۶، ۱۱۰۷، ۱۱۰۸، ۱۱۰۹، ۱۱۱۰، ۱۱۱۱، ۱۱۱۲، ۱۱۱۳، ۱۱۱۴، ۱۱۱۵، ۱۱۱۶، ۱۱۱۷، ۱۱۱۸، ۱۱۱۹، ۱۱۲۰، ۱۱۲۱، ۱۱۲۲، ۱۱۲۳، ۱۱۲۴، ۱۱۲۵، ۱۱۲۶، ۱۱۲۷، ۱۱۲۸، ۱۱۲۹، ۱۱۳۰، ۱۱۳۱، ۱۱۳۲، ۱۱۳۳، ۱۱۳۴، ۱۱۳۵، ۱۱۳۶، ۱۱۳۷، ۱۱۳۸، ۱۱۳۹، ۱۱۴۰، ۱۱۴۱، ۱۱۴۲، ۱۱۴۳، ۱۱۴۴، ۱۱۴۵، ۱۱۴۶، ۱۱۴۷، ۱۱۴۸، ۱۱۴۹، ۱۱۵۰، ۱۱۵۱، ۱۱۵۲، ۱۱۵۳، ۱۱۵۴، ۱۱۵۵، ۱۱۵۶، ۱۱۵۷، ۱۱۵۸، ۱۱۵۹، ۱۱۶۰، ۱۱۶۱، ۱۱۶۲، ۱۱۶۳، ۱۱۶۴، ۱۱۶۵، ۱۱۶۶، ۱۱۶۷، ۱۱۶۸، ۱۱۶۹، ۱۱۷۰، ۱۱۷۱، ۱۱۷۲، ۱۱۷۳، ۱۱۷۴، ۱۱۷۵، ۱۱۷۶، ۱۱۷۷، ۱۱۷۸، ۱۱۷۹، ۱۱۸۰، ۱۱۸۱، ۱۱۸۲، ۱۱۸۳، ۱۱۸۴، ۱۱۸۵، ۱۱۸۶، ۱۱۸۷، ۱۱۸۸، ۱۱۸۹، ۱۱۹۰، ۱۱۹۱، ۱۱۹۲، ۱۱۹۳، ۱۱۹۴، ۱۱۹۵، ۱۱۹۶، ۱۱۹۷، ۱۱۹۸، ۱۱۹۹، ۱۲۰۰، ۱۲۰۱، ۱۲۰۲، ۱۲۰۳، ۱۲۰۴، ۱۲۰۵، ۱۲۰۶، ۱۲۰۷، ۱۲۰۸، ۱۲۰۹، ۱۲۱۰، ۱۲۱۱، ۱۲۱۲، ۱۲۱۳، ۱۲۱۴، ۱۲۱۵، ۱۲۱۶، ۱۲۱۷، ۱۲۱۸، ۱۲۱۹، ۱۲۲۰، ۱۲۲۱، ۱۲۲۲، ۱۲۲۳، ۱۲۲۴، ۱۲۲۵، ۱۲۲۶، ۱۲۲۷، ۱۲۲۸، ۱۲۲۹، ۱۲۳۰، ۱۲۳۱، ۱۲۳۲، ۱۲۳۳، ۱۲۳۴، ۱۲۳۵، ۱۲۳۶، ۱۲۳۷، ۱۲۳۸، ۱۲۳۹، ۱۲۴۰، ۱۲۴۱، ۱۲۴۲، ۱۲۴۳، ۱۲۴۴، ۱۲۴۵، ۱۲۴۶، ۱۲۴۷، ۱۲۴۸، ۱۲۴۹، ۱۲۵۰، ۱۲۵۱، ۱۲۵۲، ۱۲۵۳، ۱۲۵۴، ۱۲۵۵، ۱۲۵۶، ۱۲۵۷، ۱۲۵۸، ۱۲۵۹، ۱۲۶۰، ۱۲۶۱، ۱۲۶۲، ۱۲۶۳، ۱۲۶۴، ۱۲۶۵، ۱۲۶۶، ۱۲۶۷، ۱۲۶۸، ۱۲۶۹، ۱۲۷۰، ۱۲۷۱، ۱۲۷۲، ۱۲۷۳، ۱۲۷۴، ۱۲۷۵، ۱۲۷۶، ۱۲۷۷، ۱۲۷۸، ۱۲۷۹، ۱۲۸۰، ۱۲۸۱، ۱۲۸۲، ۱۲۸۳، ۱۲۸۴، ۱۲۸۵، ۱۲۸۶، ۱۲۸۷، ۱۲۸۸، ۱۲۸۹، ۱۲۹۰، ۱۲۹۱، ۱۲۹۲، ۱۲۹۳، ۱۲۹۴، ۱۲۹۵، ۱۲۹۶، ۱۲۹۷، ۱۲۹۸، ۱۲۹۹، ۱۳۰۰، ۱۳۰۱، ۱۳۰۲، ۱۳۰۳، ۱۳۰۴، ۱۳۰۵، ۱۳۰۶، ۱۳۰۷، ۱۳۰۸، ۱۳۰۹، ۱۳۱۰، ۱۳۱۱، ۱۳۱۲، ۱۳۱۳، ۱۳۱۴، ۱۳۱۵، ۱۳۱۶، ۱۳۱۷، ۱۳۱۸، ۱۳۱۹، ۱۳۲۰، ۱۳۲۱، ۱۳۲۲، ۱۳۲۳، ۱۳۲۴، ۱۳۲۵، ۱۳۲۶، ۱۳۲۷، ۱۳۲۸، ۱۳۲۹، ۱۳۳۰، ۱۳۳۱، ۱۳۳۲، ۱۳۳۳، ۱۳۳۴، ۱۳۳۵، ۱۳۳۶، ۱۳۳۷، ۱۳۳۸، ۱۳۳۹، ۱۳۴۰، ۱۳۴۱، ۱۳۴۲، ۱۳۴۳، ۱۳۴۴، ۱۳۴۵، ۱۳۴۶، ۱۳۴۷، ۱۳۴۸، ۱۳۴۹، ۱۳۵۰، ۱۳۵۱، ۱۳۵۲، ۱۳۵۳، ۱۳۵۴، ۱۳۵۵، ۱۳۵۶، ۱۳۵۷، ۱۳۵۸، ۱۳۵۹، ۱۳۶۰، ۱۳۶۱، ۱۳۶۲، ۱۳۶۳، ۱۳۶۴، ۱۳۶۵، ۱۳۶۶، ۱۳۶۷، ۱۳۶۸، ۱۳۶۹، ۱۳۷۰، ۱۳۷۱، ۱۳۷۲، ۱۳۷۳، ۱۳۷۴، ۱۳۷۵، ۱۳۷۶، ۱۳۷۷، ۱۳۷۸، ۱۳۷۹، ۱۳۸۰، ۱۳۸۱، ۱۳۸۲، ۱۳۸۳، ۱۳۸۴، ۱۳۸۵، ۱۳۸۶، ۱۳۸۷، ۱۳۸۸، ۱۳۸۹، ۱۳۹۰، ۱۳۹۱، ۱۳۹۲، ۱۳۹۳، ۱۳۹۴، ۱۳۹۵، ۱۳۹۶، ۱۳۹۷، ۱۳۹۸، ۱۳۹۹، ۱۴۰۰، ۱۴۰۱، ۱۴۰۲، ۱۴۰۳، ۱۴۰۴، ۱۴۰۵، ۱۴۰۶، ۱۴۰۷، ۱۴۰۸، ۱۴۰۹، ۱۴۱۰، ۱۴۱۱، ۱۴۱۲، ۱۴۱۳، ۱۴۱۴، ۱۴۱۵، ۱۴۱۶، ۱۴۱۷، ۱۴۱۸، ۱۴۱۹، ۱۴۲۰، ۱۴۲۱، ۱۴۲۲، ۱۴۲۳، ۱۴۲۴، ۱۴۲۵، ۱۴۲۶، ۱۴۲۷، ۱۴۲۸، ۱۴۲۹، ۱۴۳۰، ۱۴۳۱، ۱۴۳۲، ۱۴۳۳، ۱۴۳۴، ۱۴۳۵، ۱۴۳۶، ۱۴۳۷، ۱۴۳۸، ۱۴۳۹، ۱۴۴۰، ۱۴۴۱، ۱۴۴۲، ۱۴۴۳، ۱۴۴۴، ۱۴۴۵، ۱۴۴۶، ۱۴۴۷، ۱۴۴۸، ۱۴۴۹، ۱۴۵۰، ۱۴۵۱، ۱۴۵۲، ۱۴۵۳، ۱۴۵۴، ۱۴۵۵، ۱۴۵۶، ۱۴۵۷، ۱۴۵۸، ۱۴۵۹، ۱۴۶۰، ۱۴۶۱، ۱۴۶۲، ۱۴۶۳، ۱۴۶۴، ۱۴۶۵، ۱۴۶۶، ۱۴۶۷، ۱۴۶۸، ۱۴۶۹، ۱۴۷۰، ۱۴۷۱، ۱۴۷۲، ۱۴۷۳، ۱۴۷۴، ۱۴۷۵، ۱۴۷۶، ۱۴۷۷، ۱۴۷۸، ۱۴۷۹، ۱۴۸۰، ۱۴۸۱، ۱۴۸۲، ۱۴۸۳، ۱۴۸۴، ۱۴۸۵، ۱۴۸۶، ۱۴۸۷، ۱۴۸۸، ۱۴۸۹، ۱۴۹۰، ۱۴۹۱، ۱۴۹۲، ۱۴۹۳، ۱۴۹۴، ۱۴۹۵، ۱۴۹۶، ۱۴۹۷، ۱۴۹۸، ۱۴۹۹، ۱۵۰۰، ۱۵۰۱، ۱۵۰۲، ۱۵۰۳، ۱۵۰۴، ۱۵۰۵، ۱۵۰۶، ۱۵۰۷، ۱۵۰۸، ۱۵۰۹، ۱۵۱۰،

۶۸- مانعین رو کے دلائل:

اول: آیات موارث میں اللہ تعالیٰ نے ذوی الفروض میں سے ہر وارث کا حصہ بیان کر دیا ہے اور نص سے ثابت ہونے والی تعین زیادتی سے مانع ہوتی ہے، اس لئے کہ زائد کرنے میں شرعی حد سے تجاوز کرنا ہے، جب کہ اللہ تعالیٰ نے آیت موارث کے بعد فرمایا: ”وَمَنْ يَعْصِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَيَتَعَدَّ حُدُودَهُ“ (۱) (اور جو کوئی اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے گا اور اس کے ضابطوں کے حدود سے باہر نکل جائے گا اسے وہ دوزخ کی آگ میں داخل کرے گا)۔ اللہ تعالیٰ نے شرعی حد سے تجاوز کرنے والے کو وعید سنائی ہے۔

دوم: فرض (مقررہ حصوں) سے زائد مال ایسا ہے جس کا کوئی مستحق نہیں، تو وہ بیت المال کے واسطے ہوگا، جیسا کہ اگر میت کوئی وارث ہی نہ چھوڑے (تو بیت المال وارث ہوتا ہے) اس لئے کہ رو یا تو فرض کے اعتبار سے ہوگا، یا عصبہ ہونے، یا رحم قرابت کی وجہ سے ہوگا فرض ہونے کے اعتبار سے اس لئے نہیں ہو سکتا کہ ہر ذی فرض اپنا فرض لے چکا ہے، اور عصبہ ہونے کے اعتبار سے اس لئے نہیں ہو سکتا کہ عصبہ ہونے کی صورت میں قرب فال اقرب کو مقدم کیا جاتا ہے، اور رحم قرابت کے اعتبار سے بھی نہیں ہو سکتا، کیونکہ ذوی الارحام کی وارثت میں بھی اقرب کو مقدم کیا جاتا ہے، چوں کہ یہ تمام صورتیں باطل ہیں، لہذا رد کا قول بھی باطل ہوگا (۲)۔

مسائل رو کے اقسام:

۶۹- مسائل رو کی چار قسمیں ہیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ مسئلہ میں موجود یا تو صنف واحد ہوگا، جس پر فاضل مال رو ہوگا، یا ایک سے

اور قرابت کی وجہ سے ان کو دوسروں پر ترجیح حاصل ہے، اور ذوی الفروض میں صرف قرابت، اگرچہ عصبہ بننے کی علت نہیں ہوتی لیکن اس کی وجہ سے ترجیح ثابت ہے، جیسے حقیقی بھائی کے حق میں ماں کی قرابت، کیونکہ ماں کی قرابت، اگرچہ انفرادی طور پر عصبہ ہونے کی متقاضی نہیں، لیکن اس سے ترجیح حاصل ہوتی ہے، اور چونکہ یہ ترجیح اس سبب کی وجہ سے ہے جس کی بنیاد پر وہ فریضہ کے مستحق ہوئے ہیں، اس لئے یہ ترجیح فریضہ پر مبنی ہوگی، لہذا بقیہ سارا مال، ذوی الفروض پر ان کے حصوں کے تناسب سے لوٹا دیا جائے گا، اور اس طرح اصل فریضہ میں ذوی و اقرب کا اعتبار ساقط ہے، اسی طرح رو کے اعتبار میں بھی وہ ساقط ہوگا (۱)۔

۶۷- ایک دوسرے فریق کی رائے یہ ہے کہ ذوی الفروض میں سے کسی پر رو نہیں ہوگا، لہذا اگر فرض ترک پر حاوی نہ ہوں، بلکہ ترک میں سے کچھ بچ جائے اور وراثہ میں کوئی عصبہ نہ ہو جو باقی کا وارث ہو تو ماہی بیت المال کا ہوگا، کیونکہ فریق ذوی الارحام کی توریث کا قائل نہیں، اور نہ ذوی الفروض پر رو کا، یہی رائے زید بن ثابت کی ہے، اور اسی کو عمر وہ، زہری، امام مالک اور امام شافعی نے اختیار کیا ہے۔

اگر کوئی عصبہ نسبی یا سببی نہ ہو تو بیت المال کے حوالہ کرنے کے بارے میں بعض ائمہ مالکیہ نے یہ قید لگائی ہے کہ امام عدل (دیانت دار) ہو جو مال کو شرعی مصارف میں خرچ کرتا ہو، اور اگر وہ عدل نہ ہو تو ذوی الفروض پر رو ہوگا، اور اگر ذوی الفروض نہ ہوں تو پھر بیت المال کے لئے ہے، یہ لوگ بیت المال کو عصبہ مانتے ہیں، جس کا درجہ عصبہ نسبی اور سببی کے بعد ہے (۲)۔

(۱) سورہ نساء ۱۳۔

(۲) السراجیہ ص ۲۳۹، ۲۴۰۔

(۱) شرح السراجیہ ص ۲۳۹، ۲۴۱۔

(۲) حاشیہ الدسوقی ص ۱۶۳۔

زائد اصناف، بہر صورت یا تو مسئلہ میں کوئی ایسا ہوگا جس پر رو نہیں ہوتا، یا کوئی ایسا نہیں ہوگا، اس طرح اقسام چار میں منحصر ہیں (۱)۔

۷۰۔ قسم اول: یہ کہ مسئلہ میں ان لوگوں میں سے جن پر فرض (مقررہ حصوں) کے دینے کے بعد زائد کارو کیا جائے پس ایک ہی جنس ہو (یعنی ایک قسم کا وارث) اور کوئی ایسا نہ ہو جس پر رو نہیں ہوتا۔ اس کی مثال یہ ہے کہ میت دو بیٹیاں، یا دو بہنیں، یا دو جدہ چھوڑے، تو مسئلہ دو سے ہوگا، اور ہر ایک کو نصف ترک دیا جائے گا کیونکہ وہ دونوں استحقاق میں برابر ہیں۔

۷۱۔ قسم دوم: مسئلہ میں دو یا تین جنسیں ہوں جن پر رو ہوتا ہو، اور کوئی ایسا نہ ہو جس پر رو نہیں ہوتا، اور تلاش و تتبع سے معلوم ہوا ہے کہ جن لوگوں پر رو ہوتا ہے، ان کی اجناس تین سے زائد نہیں ہیں، تو اس حالت میں اصل مسئلہ جمع ہونے والوں کے حصوں کے مجموعہ کے اعتبار سے ہوگا، لہذا اگر مسئلہ میں دوسرے ہوں مثلاً جدہ، اور ماں شریک بہن ہو چونکہ اس صورت میں (اصل) تو مسئلہ چھ سے ہوگا اور ان میں سے ہر ایک کو فرض کے طور پر سدس ملے گا (اور چار بچے گا، اس لئے کہ مزید وارث نہیں ہیں) لہذا دو کو اصل مسئلہ قرار دیا جائیگا، اور مال کو آدھا آدھا جدہ اور ماں شریک بہن میں تقسیم کر دیا جائے گا، کیونکہ ان کا حصہ برابر ہے۔

اور اگر مسئلہ میں ایک شلت اور ایک سدس ہو، مثلاً ماں کی اولاد میں سے دو ماں کے ساتھ، تو اصل مسئلہ چھ سے ہوگا، اور ورثاء کے مجموعی حصے تین ہیں، لہذا اسی کو اصل مسئلہ قرار دے دیا جائے گا اور ترک کو تہائی تہائی تقسیم کر دیا جائے گا، ماں کی اولاد (ماں شریک بھائی بہن) کو دو شلت، اور ماں کو ایک شلت ملے گا۔

۷۲۔ قسم سوم: یہ کہ جن لوگوں پر رو ہوتا ہے ان کی ایک جنس کے

ساتھ ایسا وارث بھی ہو جس پر رو نہیں ہوتا، مثلاً شوہر، یا بیوی، اور اس صورت میں، جس پر رو نہیں ہوتا اس کا فرض (حصہ) مسئلہ کی اصل کم سے کم صورت سے دے دیا جائے گا اور باقی ان ورثاء کے افراد کی تعداد پر تقسیم کر دیا جائے گا جن پر رو ہوتا اگر باقی ان کے افراد صحیح طور پر تقسیم ہو جائے (بلا کسر تقسیم ہو جائے) مثلاً ورثاء میں شوہر، اور تین بیٹیاں ہوں، تو ان لوگوں کے اعتبار سے جن پر رو نہیں ہوتا یہ مسئلہ اصل میں چار سے ہوگا، شوہر کو اس میں ایک، اور باقی بیٹیوں کو برابر دیا جائے گا۔

اگر باقی ان افراد کی تعداد پر صحیح طور پر تقسیم نہ ہو سکے تو جن لوگوں پر رو ہوتا ہے، ان کے افراد کی تعداد کو اصل مسئلہ میں جو ان لوگوں کے اعتبار سے ہے جن پر رو نہیں ہوتا، ضرب دے دیا جائے، اگر ان کی تعداد اور باقی میں ”توافقی“ ہو، تو ضرب کا حاصل جو ہوگا اسی سے مسئلہ کی تصحیح ہوگی، مثلاً بیوی اور چھ بیٹیاں ہوں تو جن لوگوں پر رو نہیں ہوتا (اور وہ بیوی ہے) ان کے اعتبار سے مسئلہ کی اصل کم سے کم صورت چار سے ہوگی، شوہر کا حصہ دینے کے بعد تین بچتے ہیں، یہ چھ لڑکیوں پر برابر برابر تقسیم نہیں ہوگا، لیکن ان دونوں کے درمیان توافقی باطلت ہے، لہذا لڑکیوں کی تعداد کا توافقی جو کہ وہ ہے اس کو چار میں ضرب دیں گے، تو حاصل آٹھ آئے گا، شوہر کو اس میں سے دو، اور لڑکیوں کے لئے چھ ہوگا۔

اگر باقی میں اور افراد کی تعداد میں توافقی نہ ہو تو ان کے افراد کے اصل عدد کو ان لوگوں کے اصل مسئلہ میں ضرب دیا جائے گا جن پر رو نہیں ہوتا، حاصل یہ کہ ایسی صورت میں مجموعی تعداد وہی ہوگی جو افراد کے عدد کے توافقی کو اس اصل میں ضرب دینے سے حاصل ہو جب کہ دونوں کے درمیان توافقی ہو، اور اگر (افراد کے عدد اور اصل مسئلہ میں توافقی نہ ہو بلکہ) بتائیں ہو تو افراد کے عدد کو اصل مسئلہ میں

چار اور ایک کے تناسب سے جس کا مجموعہ پانچ ہوگا، سات، پانچ پر تقسیم نہیں ہوگا، لہذا اصل مسئلہ کی تصحیح پانچ کو آٹھ میں ضرب دے کر ہوگی، جس کا حاصل چالیس ہوگا، بیوی کے لئے اس کا ثمن (آٹھواں حصہ) پانچ ہوگا، اور ماں کے لئے سات، اور دونوں پوتیوں کے لئے آٹھائیس ہوں گے (۱)۔

ذوی الارحام کی میراث:

۷۴- رحم کا لغوی معنی ہے: بچہ دانی بقرابت و رشتہ داری، یا رشتہ کی اصل اور اسباب، اس کی جمع ارحام ہے (۲)۔ اور شرعی معنی بہر رشتہ دار۔ اہل فرائض کی اصطلاح میں: ہر رشتہ دار جو کتاب اللہ، یا سنت رسول اللہ یا اجماع امت میں مقررہ حصے والا نہ ہو، اور نہ ہی عصبہ ہو جو اکیلا ہونے کی حالت میں سارا مال لے لیتا ہے (۳)۔

۷۵- ذوی الارحام کو وارث بنانے کے بارے میں صحابہ کرام اور ان کے بعد تابعین و فقہاء کے درمیان اختلاف رہا ہے، کچھ حضرات ان کی توریث (وارث بنانے) کے قائل ہیں، جبکہ کچھ حضرات ان کو وارث نہیں مانتے۔

صحابہ میں ان کی توریث کے قائل: حضرت علی، ابن مسعود، اور مشہور روایت کے مطابق ابن عباس، معاذ بن جبل، ابوالدرداء، اور ابو عبیدہ بن الجراح ہیں، اور تابعین میں: شریح، حسن، ابن سیرین، عطاء، اور مجاہد ہیں۔

توریث کا انکار کرنے والوں میں زید بن ثابت، ابن عباس (ایک روایت کے مطابق)، سعید بن المسیب اور سعید بن جبیر ہیں، کچھ لوگ اس کو حضرت ابوبکر، حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہم سے نقل کرتے

(۱) السراجہ ص ۲۳۱، ۲۳۸۔

(۲) القاسم۔

(۳) السراجہ ص ۲۶۵، ۲۶۸، ۲۶۹، ۲۷۰، ۲۷۱، ۲۷۲، ۲۷۳، ۲۷۴، ۲۷۵، ۲۷۶، ۲۷۷، ۲۷۸، ۲۷۹، ۲۸۰، ۲۸۱، ۲۸۲، ۲۸۳، ۲۸۴، ۲۸۵، ۲۸۶، ۲۸۷، ۲۸۸، ۲۸۹، ۲۹۰، ۲۹۱، ۲۹۲، ۲۹۳، ۲۹۴، ۲۹۵، ۲۹۶، ۲۹۷، ۲۹۸، ۲۹۹، ۳۰۰، ۳۰۱، ۳۰۲، ۳۰۳، ۳۰۴، ۳۰۵، ۳۰۶، ۳۰۷، ۳۰۸، ۳۰۹، ۳۱۰، ۳۱۱، ۳۱۲، ۳۱۳، ۳۱۴، ۳۱۵، ۳۱۶، ۳۱۷، ۳۱۸، ۳۱۹، ۳۲۰، ۳۲۱، ۳۲۲، ۳۲۳، ۳۲۴، ۳۲۵، ۳۲۶، ۳۲۷، ۳۲۸، ۳۲۹، ۳۳۰، ۳۳۱، ۳۳۲، ۳۳۳، ۳۳۴، ۳۳۵، ۳۳۶، ۳۳۷، ۳۳۸، ۳۳۹، ۳۴۰، ۳۴۱، ۳۴۲، ۳۴۳، ۳۴۴، ۳۴۵، ۳۴۶، ۳۴۷، ۳۴۸، ۳۴۹، ۳۵۰، ۳۵۱، ۳۵۲، ۳۵۳، ۳۵۴، ۳۵۵، ۳۵۶، ۳۵۷، ۳۵۸، ۳۵۹، ۳۶۰، ۳۶۱، ۳۶۲، ۳۶۳، ۳۶۴، ۳۶۵، ۳۶۶، ۳۶۷، ۳۶۸، ۳۶۹، ۳۷۰، ۳۷۱، ۳۷۲، ۳۷۳، ۳۷۴، ۳۷۵، ۳۷۶، ۳۷۷، ۳۷۸، ۳۷۹، ۳۸۰، ۳۸۱، ۳۸۲، ۳۸۳، ۳۸۴، ۳۸۵، ۳۸۶، ۳۸۷، ۳۸۸، ۳۸۹، ۳۹۰، ۳۹۱، ۳۹۲، ۳۹۳، ۳۹۴، ۳۹۵، ۳۹۶، ۳۹۷، ۳۹۸، ۳۹۹، ۴۰۰، ۴۰۱، ۴۰۲، ۴۰۳، ۴۰۴، ۴۰۵، ۴۰۶، ۴۰۷، ۴۰۸، ۴۰۹، ۴۱۰، ۴۱۱، ۴۱۲، ۴۱۳، ۴۱۴، ۴۱۵، ۴۱۶، ۴۱۷، ۴۱۸، ۴۱۹، ۴۲۰، ۴۲۱، ۴۲۲، ۴۲۳، ۴۲۴، ۴۲۵، ۴۲۶، ۴۲۷، ۴۲۸، ۴۲۹، ۴۳۰، ۴۳۱، ۴۳۲، ۴۳۳، ۴۳۴، ۴۳۵، ۴۳۶، ۴۳۷، ۴۳۸، ۴۳۹، ۴۴۰، ۴۴۱، ۴۴۲، ۴۴۳، ۴۴۴، ۴۴۵، ۴۴۶، ۴۴۷، ۴۴۸، ۴۴۹، ۴۵۰، ۴۵۱، ۴۵۲، ۴۵۳، ۴۵۴، ۴۵۵، ۴۵۶، ۴۵۷، ۴۵۸، ۴۵۹، ۴۶۰، ۴۶۱، ۴۶۲، ۴۶۳، ۴۶۴، ۴۶۵، ۴۶۶، ۴۶۷، ۴۶۸، ۴۶۹، ۴۷۰، ۴۷۱، ۴۷۲، ۴۷۳، ۴۷۴، ۴۷۵، ۴۷۶، ۴۷۷، ۴۷۸، ۴۷۹، ۴۸۰، ۴۸۱، ۴۸۲، ۴۸۳، ۴۸۴، ۴۸۵، ۴۸۶، ۴۸۷، ۴۸۸، ۴۸۹، ۴۹۰، ۴۹۱، ۴۹۲، ۴۹۳، ۴۹۴، ۴۹۵، ۴۹۶، ۴۹۷، ۴۹۸، ۴۹۹، ۵۰۰، ۵۰۱، ۵۰۲، ۵۰۳، ۵۰۴، ۵۰۵، ۵۰۶، ۵۰۷، ۵۰۸، ۵۰۹، ۵۱۰، ۵۱۱، ۵۱۲، ۵۱۳، ۵۱۴، ۵۱۵، ۵۱۶، ۵۱۷، ۵۱۸، ۵۱۹، ۵۲۰، ۵۲۱، ۵۲۲، ۵۲۳، ۵۲۴، ۵۲۵، ۵۲۶، ۵۲۷، ۵۲۸، ۵۲۹، ۵۳۰، ۵۳۱، ۵۳۲، ۵۳۳، ۵۳۴، ۵۳۵، ۵۳۶، ۵۳۷، ۵۳۸، ۵۳۹، ۵۴۰، ۵۴۱، ۵۴۲، ۵۴۳، ۵۴۴، ۵۴۵، ۵۴۶، ۵۴۷، ۵۴۸، ۵۴۹، ۵۵۰، ۵۵۱، ۵۵۲، ۵۵۳، ۵۵۴، ۵۵۵، ۵۵۶، ۵۵۷، ۵۵۸، ۵۵۹، ۵۶۰، ۵۶۱، ۵۶۲، ۵۶۳، ۵۶۴، ۵۶۵، ۵۶۶، ۵۶۷، ۵۶۸، ۵۶۹، ۵۷۰، ۵۷۱، ۵۷۲، ۵۷۳، ۵۷۴، ۵۷۵، ۵۷۶، ۵۷۷، ۵۷۸، ۵۷۹، ۵۸۰، ۵۸۱، ۵۸۲، ۵۸۳، ۵۸۴، ۵۸۵، ۵۸۶، ۵۸۷، ۵۸۸، ۵۸۹، ۵۹۰، ۵۹۱، ۵۹۲، ۵۹۳، ۵۹۴، ۵۹۵، ۵۹۶، ۵۹۷، ۵۹۸، ۵۹۹، ۶۰۰، ۶۰۱، ۶۰۲، ۶۰۳، ۶۰۴، ۶۰۵، ۶۰۶، ۶۰۷، ۶۰۸، ۶۰۹، ۶۱۰، ۶۱۱، ۶۱۲، ۶۱۳، ۶۱۴، ۶۱۵، ۶۱۶، ۶۱۷، ۶۱۸، ۶۱۹، ۶۲۰، ۶۲۱، ۶۲۲، ۶۲۳، ۶۲۴، ۶۲۵، ۶۲۶، ۶۲۷، ۶۲۸، ۶۲۹، ۶۳۰، ۶۳۱، ۶۳۲، ۶۳۳، ۶۳۴، ۶۳۵، ۶۳۶، ۶۳۷، ۶۳۸، ۶۳۹، ۶۴۰، ۶۴۱، ۶۴۲، ۶۴۳، ۶۴۴، ۶۴۵، ۶۴۶، ۶۴۷، ۶۴۸، ۶۴۹، ۶۵۰، ۶۵۱، ۶۵۲، ۶۵۳، ۶۵۴، ۶۵۵، ۶۵۶، ۶۵۷، ۶۵۸، ۶۵۹، ۶۶۰، ۶۶۱، ۶۶۲، ۶۶۳، ۶۶۴، ۶۶۵، ۶۶۶، ۶۶۷، ۶۶۸، ۶۶۹، ۶۷۰، ۶۷۱، ۶۷۲، ۶۷۳، ۶۷۴، ۶۷۵، ۶۷۶، ۶۷۷، ۶۷۸، ۶۷۹، ۶۸۰، ۶۸۱، ۶۸۲، ۶۸۳، ۶۸۴، ۶۸۵، ۶۸۶، ۶۸۷، ۶۸۸، ۶۸۹، ۶۹۰، ۶۹۱، ۶۹۲، ۶۹۳، ۶۹۴، ۶۹۵، ۶۹۶، ۶۹۷، ۶۹۸، ۶۹۹، ۷۰۰، ۷۰۱، ۷۰۲، ۷۰۳، ۷۰۴، ۷۰۵، ۷۰۶، ۷۰۷، ۷۰۸، ۷۰۹، ۷۱۰، ۷۱۱، ۷۱۲، ۷۱۳، ۷۱۴، ۷۱۵، ۷۱۶، ۷۱۷، ۷۱۸، ۷۱۹، ۷۲۰، ۷۲۱، ۷۲۲، ۷۲۳، ۷۲۴، ۷۲۵، ۷۲۶، ۷۲۷، ۷۲۸، ۷۲۹، ۷۳۰، ۷۳۱، ۷۳۲، ۷۳۳، ۷۳۴، ۷۳۵، ۷۳۶، ۷۳۷، ۷۳۸، ۷۳۹، ۷۴۰، ۷۴۱، ۷۴۲، ۷۴۳، ۷۴۴، ۷۴۵، ۷۴۶، ۷۴۷، ۷۴۸، ۷۴۹، ۷۵۰، ۷۵۱، ۷۵۲، ۷۵۳، ۷۵۴، ۷۵۵، ۷۵۶، ۷۵۷، ۷۵۸، ۷۵۹، ۷۶۰، ۷۶۱، ۷۶۲، ۷۶۳، ۷۶۴، ۷۶۵، ۷۶۶، ۷۶۷، ۷۶۸، ۷۶۹، ۷۷۰، ۷۷۱، ۷۷۲، ۷۷۳، ۷۷۴، ۷۷۵، ۷۷۶، ۷۷۷، ۷۷۸، ۷۷۹، ۷۸۰، ۷۸۱، ۷۸۲، ۷۸۳، ۷۸۴، ۷۸۵، ۷۸۶، ۷۸۷، ۷۸۸، ۷۸۹، ۷۹۰، ۷۹۱، ۷۹۲، ۷۹۳، ۷۹۴، ۷۹۵، ۷۹۶، ۷۹۷، ۷۹۸، ۷۹۹، ۸۰۰، ۸۰۱، ۸۰۲، ۸۰۳، ۸۰۴، ۸۰۵، ۸۰۶، ۸۰۷، ۸۰۸، ۸۰۹، ۸۱۰، ۸۱۱، ۸۱۲، ۸۱۳، ۸۱۴، ۸۱۵، ۸۱۶، ۸۱۷، ۸۱۸، ۸۱۹، ۸۲۰، ۸۲۱، ۸۲۲، ۸۲۳، ۸۲۴، ۸۲۵، ۸۲۶، ۸۲۷، ۸۲۸، ۸۲۹، ۸۳۰، ۸۳۱، ۸۳۲، ۸۳۳، ۸۳۴، ۸۳۵، ۸۳۶، ۸۳۷، ۸۳۸، ۸۳۹، ۸۴۰، ۸۴۱، ۸۴۲، ۸۴۳، ۸۴۴، ۸۴۵، ۸۴۶، ۸۴۷، ۸۴۸، ۸۴۹، ۸۵۰، ۸۵۱، ۸۵۲، ۸۵۳، ۸۵۴، ۸۵۵، ۸۵۶، ۸۵۷، ۸۵۸، ۸۵۹، ۸۶۰، ۸۶۱، ۸۶۲، ۸۶۳، ۸۶۴، ۸۶۵، ۸۶۶، ۸۶۷، ۸۶۸، ۸۶۹، ۸۷۰، ۸۷۱، ۸۷۲، ۸۷۳، ۸۷۴، ۸۷۵، ۸۷۶، ۸۷۷، ۸۷۸، ۸۷۹، ۸۸۰، ۸۸۱، ۸۸۲، ۸۸۳، ۸۸۴، ۸۸۵، ۸۸۶، ۸۸۷، ۸۸۸، ۸۸۹، ۸۹۰، ۸۹۱، ۸۹۲، ۸۹۳، ۸۹۴، ۸۹۵، ۸۹۶، ۸۹۷، ۸۹۸، ۸۹۹، ۹۰۰، ۹۰۱، ۹۰۲، ۹۰۳، ۹۰۴، ۹۰۵، ۹۰۶، ۹۰۷، ۹۰۸، ۹۰۹، ۹۱۰، ۹۱۱، ۹۱۲، ۹۱۳، ۹۱۴، ۹۱۵، ۹۱۶، ۹۱۷، ۹۱۸، ۹۱۹، ۹۲۰، ۹۲۱، ۹۲۲، ۹۲۳، ۹۲۴، ۹۲۵، ۹۲۶، ۹۲۷، ۹۲۸، ۹۲۹، ۹۳۰، ۹۳۱، ۹۳۲، ۹۳۳، ۹۳۴، ۹۳۵، ۹۳۶، ۹۳۷، ۹۳۸، ۹۳۹، ۹۴۰، ۹۴۱، ۹۴۲، ۹۴۳، ۹۴۴، ۹۴۵، ۹۴۶، ۹۴۷، ۹۴۸، ۹۴۹، ۹۵۰، ۹۵۱، ۹۵۲، ۹۵۳، ۹۵۴، ۹۵۵، ۹۵۶، ۹۵۷، ۹۵۸، ۹۵۹، ۹۶۰، ۹۶۱، ۹۶۲، ۹۶۳، ۹۶۴، ۹۶۵، ۹۶۶، ۹۶۷، ۹۶۸، ۹۶۹، ۹۷۰، ۹۷۱، ۹۷۲، ۹۷۳، ۹۷۴، ۹۷۵، ۹۷۶، ۹۷۷، ۹۷۸، ۹۷۹، ۹۸۰، ۹۸۱، ۹۸۲، ۹۸۳، ۹۸۴، ۹۸۵، ۹۸۶، ۹۸۷، ۹۸۸، ۹۸۹، ۹۹۰، ۹۹۱، ۹۹۲، ۹۹۳، ۹۹۴، ۹۹۵، ۹۹۶، ۹۹۷، ۹۹۸، ۹۹۹، ۱۰۰۰، ۱۰۰۱، ۱۰۰۲، ۱۰۰۳، ۱۰۰۴، ۱۰۰۵، ۱۰۰۶، ۱۰۰۷، ۱۰۰۸، ۱۰۰۹، ۱۰۱۰، ۱۰۱۱، ۱۰۱۲، ۱۰۱۳، ۱۰۱۴، ۱۰۱۵، ۱۰۱۶، ۱۰۱۷، ۱۰۱۸، ۱۰۱۹، ۱۰۲۰، ۱۰۲۱، ۱۰۲۲، ۱۰۲۳، ۱۰۲۴، ۱۰۲۵، ۱۰۲۶، ۱۰۲۷، ۱۰۲۸، ۱۰۲۹، ۱۰۳۰، ۱۰۳۱، ۱۰۳۲، ۱۰۳۳، ۱۰۳۴، ۱۰۳۵، ۱۰۳۶، ۱۰۳۷، ۱۰۳۸، ۱۰۳۹، ۱۰۴۰، ۱۰۴۱، ۱۰۴۲، ۱۰۴۳، ۱۰۴۴، ۱۰۴۵، ۱۰۴۶، ۱۰۴۷، ۱۰۴۸، ۱۰۴۹، ۱۰۵۰، ۱۰۵۱، ۱۰۵۲، ۱۰۵۳، ۱۰۵۴، ۱۰۵۵، ۱۰۵۶، ۱۰۵۷، ۱۰۵۸، ۱۰۵۹، ۱۰۶۰، ۱۰۶۱، ۱۰۶۲، ۱۰۶۳، ۱۰۶۴، ۱۰۶۵، ۱۰۶۶، ۱۰۶۷، ۱۰۶۸، ۱۰۶۹، ۱۰۷۰، ۱۰۷۱، ۱۰۷۲، ۱۰۷۳، ۱۰۷۴، ۱۰۷۵، ۱۰۷۶، ۱۰۷۷، ۱۰۷۸، ۱۰۷۹، ۱۰۸۰، ۱۰۸۱، ۱۰۸۲، ۱۰۸۳، ۱۰۸۴، ۱۰۸۵، ۱۰۸۶، ۱۰۸۷، ۱۰۸۸، ۱۰۸۹، ۱۰۹۰، ۱۰۹۱، ۱۰۹۲، ۱۰۹۳، ۱۰۹۴، ۱۰۹۵، ۱۰۹۶، ۱۰۹۷، ۱۰۹۸، ۱۰۹۹، ۱۱۰۰، ۱۱۰۱، ۱۱۰۲، ۱۱۰۳، ۱۱۰۴، ۱۱۰۵، ۱۱۰۶، ۱۱۰۷، ۱۱۰۸، ۱۱۰۹، ۱۱۱۰، ۱۱۱۱، ۱۱۱۲، ۱۱۱۳، ۱۱۱۴، ۱۱۱۵، ۱۱۱۶، ۱۱۱۷، ۱۱۱۸، ۱۱۱۹، ۱۱۲۰، ۱۱۲۱، ۱۱۲۲، ۱۱۲۳، ۱۱۲۴، ۱۱۲۵، ۱۱۲۶، ۱۱۲۷، ۱۱۲۸، ۱۱۲۹، ۱۱۳۰، ۱۱۳۱، ۱۱۳۲، ۱۱۳۳، ۱۱۳۴، ۱۱۳۵، ۱۱۳۶، ۱۱۳۷، ۱۱۳۸، ۱۱۳۹، ۱۱۴۰، ۱۱۴۱، ۱۱۴۲، ۱۱۴۳، ۱۱۴۴، ۱۱۴۵، ۱۱۴۶، ۱۱۴۷، ۱۱۴۸، ۱۱۴۹، ۱۱۵۰، ۱۱۵۱، ۱۱۵۲، ۱۱۵۳، ۱۱۵۴، ۱۱۵۵، ۱۱۵۶، ۱۱۵۷، ۱۱۵۸، ۱۱۵۹، ۱۱۶۰، ۱۱۶۱، ۱۱۶۲، ۱۱۶۳، ۱۱۶۴، ۱۱۶۵، ۱۱۶۶، ۱۱۶۷، ۱۱۶۸، ۱۱۶۹، ۱۱۷۰، ۱۱۷۱، ۱۱۷۲، ۱۱۷۳، ۱۱۷۴، ۱۱۷۵، ۱۱۷۶، ۱۱۷۷، ۱۱۷۸، ۱۱۷۹، ۱۱۸۰، ۱۱۸۱، ۱۱۸۲، ۱۱۸۳، ۱۱۸۴، ۱۱۸۵، ۱۱۸۶، ۱۱۸۷، ۱۱۸۸، ۱۱۸۹، ۱۱۹۰، ۱۱۹۱، ۱۱۹۲، ۱۱۹۳، ۱۱۹۴، ۱۱۹۵، ۱۱۹۶، ۱۱۹۷، ۱۱۹۸، ۱۱۹۹، ۱۲۰۰، ۱۲۰۱، ۱۲۰۲، ۱۲۰۳، ۱۲۰۴، ۱۲۰۵، ۱۲۰۶، ۱۲۰۷، ۱۲۰۸، ۱۲۰۹، ۱۲۱۰، ۱۲۱۱، ۱۲۱۲، ۱۲۱۳، ۱۲۱۴، ۱۲۱۵، ۱۲۱۶، ۱۲۱۷، ۱۲۱۸، ۱۲۱۹، ۱۲۲۰، ۱۲۲۱، ۱۲۲۲، ۱۲۲۳، ۱۲۲۴، ۱۲۲۵، ۱۲۲۶، ۱۲۲۷، ۱۲۲۸، ۱۲۲۹، ۱۲۳۰، ۱۲۳۱، ۱۲۳۲، ۱۲۳۳، ۱۲۳۴، ۱۲۳۵، ۱۲۳۶، ۱۲۳۷، ۱۲۳۸، ۱۲۳۹، ۱۲۴۰، ۱۲۴۱، ۱۲۴۲، ۱۲۴۳، ۱۲۴۴، ۱۲۴۵، ۱۲۴۶، ۱۲۴۷، ۱۲۴۸، ۱۲۴۹، ۱۲۵۰، ۱۲۵۱، ۱۲۵۲، ۱۲۵۳، ۱۲۵۴، ۱۲۵۵، ۱۲۵۶، ۱۲۵۷، ۱۲۵۸، ۱۲۵۹، ۱۲۶۰، ۱۲۶۱، ۱۲۶۲، ۱۲۶۳، ۱۲۶۴، ۱۲۶۵، ۱۲۶۶، ۱۲۶۷، ۱۲۶۸، ۱۲۶۹، ۱۲۷۰، ۱۲۷۱، ۱۲۷۲، ۱۲۷۳، ۱۲۷۴، ۱۲۷۵، ۱۲۷۶، ۱۲۷۷، ۱۲۷۸، ۱۲۷۹، ۱۲۸۰، ۱۲۸۱، ۱۲۸۲، ۱۲۸۳، ۱۲۸۴، ۱۲۸۵، ۱۲۸۶، ۱۲۸۷، ۱۲۸۸، ۱۲۸۹، ۱۲۹۰، ۱۲۹۱، ۱۲۹۲، ۱۲۹۳، ۱۲۹۴، ۱۲۹۵، ۱۲۹۶، ۱۲۹۷، ۱۲۹۸، ۱۲۹۹، ۱۳۰۰، ۱۳۰۱، ۱۳۰۲، ۱۳۰۳، ۱۳۰۴، ۱۳۰۵، ۱۳۰۶، ۱۳۰۷، ۱۳۰۸، ۱۳۰۹، ۱۳۱۰، ۱۳۱۱، ۱۳۱۲، ۱۳۱۳، ۱۳۱۴، ۱۳۱۵، ۱۳۱۶، ۱۳۱۷، ۱۳۱۸، ۱۳۱۹، ۱۳۲۰، ۱۳۲۱، ۱۳۲۲، ۱۳۲۳، ۱۳۲۴، ۱۳۲۵، ۱۳۲۶، ۱۳۲۷، ۱۳۲۸، ۱۳۲۹، ۱۳۳۰، ۱۳۳۱، ۱۳۳۲، ۱۳۳۳، ۱۳۳۴، ۱۳۳۵، ۱۳۳۶، ۱۳۳۷، ۱۳۳۸، ۱۳۳۹، ۱۳۴۰، ۱۳۴۱، ۱۳۴۲، ۱۳۴۳، ۱۳۴۴، ۱۳۴۵، ۱۳۴۶، ۱۳۴۷، ۱۳۴۸، ۱۳۴۹، ۱۳۵۰، ۱۳۵۱، ۱۳۵۲، ۱۳۵۳، ۱۳۵۴، ۱۳۵۵، ۱۳۵۶، ۱۳۵۷، ۱۳۵۸، ۱۳۵۹، ۱۳۶۰، ۱۳۶۱، ۱۳۶۲، ۱۳۶۳، ۱۳۶۴، ۱۳۶۵، ۱۳۶۶، ۱۳۶۷، ۱۳۶۸، ۱۳۶۹، ۱۳۷۰، ۱۳۷۱، ۱۳۷۲، ۱۳۷۳، ۱۳۷۴، ۱۳۷۵، ۱۳۷۶، ۱۳۷۷، ۱۳۷۸، ۱۳۷۹، ۱۳۸۰، ۱۳۸۱، ۱۳۸۲، ۱۳۸۳، ۱۳۸۴، ۱۳۸۵، ۱۳۸۶، ۱۳۸۷، ۱۳۸۸، ۱۳۸۹، ۱۳۹۰، ۱۳۹۱، ۱۳۹۲، ۱۳۹۳، ۱۳۹۴، ۱۳۹۵، ۱۳۹۶، ۱۳۹۷، ۱۳۹۸، ۱۳۹۹، ۱۴۰۰، ۱۴۰۱، ۱۴۰۲، ۱۴۰۳، ۱۴۰۴، ۱۴۰۵، ۱۴۰۶، ۱۴۰۷، ۱۴۰۸، ۱۴۰۹، ۱۴۱۰، ۱۴۱۱، ۱۴۱۲، ۱۴۱۳، ۱۴۱۴، ۱۴۱۵، ۱۴۱۶، ۱۴۱۷، ۱۴۱۸، ۱۴۱۹، ۱۴۲۰، ۱۴۲۱، ۱۴۲۲، ۱۴۲۳، ۱۴۲۴، ۱۴۲۵، ۱۴۲۶، ۱۴۲۷، ۱۴۲۸، ۱۴۲۹، ۱۴۳۰، ۱۴۳۱، ۱۴۳۲، ۱۴۳۳، ۱۴۳۴، ۱۴۳۵، ۱۴۳۶، ۱۴۳۷، ۱۴۳۸، ۱۴۳۹، ۱۴۴۰، ۱۴۴۱، ۱۴۴۲، ۱۴۴۳، ۱۴۴۴، ۱۴۴۵، ۱۴۴۶، ۱۴۴۷، ۱۴۴۸، ۱۴۴۹، ۱۴۵۰، ۱۴۵۱، ۱۴۵۲، ۱۴۵۳، ۱۴۵۴، ۱۴۵۵، ۱۴۵۶، ۱۴۵۷، ۱۴۵۸، ۱۴۵۹، ۱۴۶۰، ۱۴۶۱، ۱۴۶۲، ۱۴۶۳، ۱۴۶۴، ۱۴۶۵، ۱۴۶۶، ۱۴۶۷، ۱۴۶۸، ۱۴۶۹، ۱۴۷۰، ۱۴۷۱، ۱۴۷۲، ۱۴۷۳، ۱۴۷۴، ۱۴۷۵، ۱۴۷۶، ۱۴۷۷، ۱۴۷۸، ۱۴۷۹، ۱۴۸۰، ۱۴۸۱، ۱۴۸۲، ۱۴۸۳، ۱۴۸۴، ۱۴۸۵، ۱۴۸۶، ۱۴۸۷، ۱۴۸۸، ۱۴۸۹، ۱۴۹۰، ۱۴۹۱، ۱۴۹۲، ۱۴۹۳، ۱۴۹۴، ۱۴۹۵، ۱۴۹۶، ۱۴۹۷، ۱۴۹۸، ۱۴۹۹، ۱۵۰۰، ۱۵۰۱، ۱۵۰۲، ۱۵۰۳، ۱۵۰۴، ۱۵۰۵، ۱۵۰۶، ۱۵۰۷، ۱۵۰۸، ۱۵۰۹، ۱۵۱۰، ۱۵۱۱، ۱۵۱۲، ۱۵۱۳، ۱۵۱۴، ۱۵۱۵، ۱۵۱۶، ۱۵۱۷، ۱۵۱۸، ۱۵۱۹، ۱۵۲۰، ۱۵۲۱، ۱۵۲۲، ۱۵۲۳، ۱۵۲۴، ۱۵۲۵، ۱۵۲۶، ۱۵۲۷، ۱۵۲۸، ۱۵۲۹، ۱۵۳۰، ۱۵۳۱، ۱۵۳۲، ۱۵۳۳، ۱۵۳۴، ۱۵۳۵، ۱۵۳۶، ۱۵۳۷، ۱۵۳۸، ۱۵۳۹، ۱۵۴۰، ۱۵۴۱، ۱۵۴۲، ۱۵۴۳، ۱۵۴۴، ۱۵۴۵، ۱۵۴۶، ۱۵۴۷، ۱۵۴۸، ۱۵۴۹، ۱۵۵۰، ۱۵۵۱، ۱۵۵۲، ۱۵۵۳، ۱۵۵۴، ۱۵۵۵، ۱۵۵۶، ۱۵۵۷، ۱۵۵۸، ۱۵۵۹، ۱۵۶۰، ۱۵۶۱

لئے میراث نہیں)۔

قائلین توریت کے دلائل:

۷۷- قائلین توریت کے دلائل درج ذیل ہیں:

اول: فرمان باری ہے: ”وَأُولُوا الْأَرْحَامِ بَعْضُهُمْ أَوْلَىٰ بِبَعْضٍ فِي كِتَابِ اللَّهِ“ (۱) (اور ان میں سے) قرابتداریک دوسرے کی میراث کے زیادہ حقدار ہیں کتاب اللہ کے نوشتہ میں)۔

کیونکہ آیت کا معنی یہ ہے کہ وہ ایک دوسرے کے زیادہ حقدار ہیں، تو آیت میں ایک عام وصف (وصف رحم) کی وجہ سے ذوی الارحام کے استحقاق کو ثابت کیا گیا ہے، لہذا اگر خاص وصف یعنی ان کا ذوی القربىٰ یا عصبہ ہونا مفقود ہو تو وصف عام (ان کا ذی رحم ہونا) کی وجہ سے وہ حق دار ہوں گے، وصف عام کی وجہ سے استحقاق اور وصف خاص کی وجہ سے استحقاق دونوں میں کوئی منافات نہیں، لہذا یہ کتاب اللہ پر زیادتی نہیں ہوئی۔

دوم: فرمان نبوی ہے: ”اللہ ورسولہ مولیٰ من لا مولیٰ لہ، والخال وارث من لا وارث لہ“ (۲) (اللہ اور اس کے رسول، اس شخص کے ولی ہیں، جن کا کوئی ولی نہ ہو، اور جس کا کوئی وارث نہ ہو، اس کا وارث، ماموں ہے)۔ ایک دوسری حدیث میں ہے: ”الخال وارث من لا وارث لہ، یورثہ ویعقل عنہ“ (۳)

(۱) سورۃ انفال ۷۵۔

(۲) حدیث: ”اللہ ورسولہ مولیٰ...“ کی روایت ترمذی (۲۸۱، ۲۸۲، ۲۸۳، ۲۸۴، ۲۸۵، ۲۸۶، ۲۸۷، ۲۸۸، ۲۸۹، ۲۹۰، ۲۹۱، ۲۹۲، ۲۹۳، ۲۹۴، ۲۹۵، ۲۹۶، ۲۹۷، ۲۹۸، ۲۹۹، ۳۰۰، ۳۰۱، ۳۰۲، ۳۰۳، ۳۰۴، ۳۰۵، ۳۰۶، ۳۰۷، ۳۰۸، ۳۰۹، ۳۱۰، ۳۱۱، ۳۱۲، ۳۱۳، ۳۱۴، ۳۱۵، ۳۱۶، ۳۱۷، ۳۱۸، ۳۱۹، ۳۲۰، ۳۲۱، ۳۲۲، ۳۲۳، ۳۲۴، ۳۲۵، ۳۲۶، ۳۲۷، ۳۲۸، ۳۲۹، ۳۳۰، ۳۳۱، ۳۳۲، ۳۳۳، ۳۳۴، ۳۳۵، ۳۳۶، ۳۳۷، ۳۳۸، ۳۳۹، ۳۴۰، ۳۴۱، ۳۴۲، ۳۴۳، ۳۴۴، ۳۴۵، ۳۴۶، ۳۴۷، ۳۴۸، ۳۴۹، ۳۵۰، ۳۵۱، ۳۵۲، ۳۵۳، ۳۵۴، ۳۵۵، ۳۵۶، ۳۵۷، ۳۵۸، ۳۵۹، ۳۶۰، ۳۶۱، ۳۶۲، ۳۶۳، ۳۶۴، ۳۶۵، ۳۶۶، ۳۶۷، ۳۶۸، ۳۶۹، ۳۷۰، ۳۷۱، ۳۷۲، ۳۷۳، ۳۷۴، ۳۷۵، ۳۷۶، ۳۷۷، ۳۷۸، ۳۷۹، ۳۸۰، ۳۸۱، ۳۸۲، ۳۸۳، ۳۸۴، ۳۸۵، ۳۸۶، ۳۸۷، ۳۸۸، ۳۸۹، ۳۹۰، ۳۹۱، ۳۹۲، ۳۹۳، ۳۹۴، ۳۹۵، ۳۹۶، ۳۹۷، ۳۹۸، ۳۹۹، ۴۰۰، ۴۰۱، ۴۰۲، ۴۰۳، ۴۰۴، ۴۰۵، ۴۰۶، ۴۰۷، ۴۰۸، ۴۰۹، ۴۱۰، ۴۱۱، ۴۱۲، ۴۱۳، ۴۱۴، ۴۱۵، ۴۱۶، ۴۱۷، ۴۱۸، ۴۱۹، ۴۲۰، ۴۲۱، ۴۲۲، ۴۲۳، ۴۲۴، ۴۲۵، ۴۲۶، ۴۲۷، ۴۲۸، ۴۲۹، ۴۳۰، ۴۳۱، ۴۳۲، ۴۳۳، ۴۳۴، ۴۳۵، ۴۳۶، ۴۳۷، ۴۳۸، ۴۳۹، ۴۴۰، ۴۴۱، ۴۴۲، ۴۴۳، ۴۴۴، ۴۴۵، ۴۴۶، ۴۴۷، ۴۴۸، ۴۴۹، ۴۵۰، ۴۵۱، ۴۵۲، ۴۵۳، ۴۵۴، ۴۵۵، ۴۵۶، ۴۵۷، ۴۵۸، ۴۵۹، ۴۶۰، ۴۶۱، ۴۶۲، ۴۶۳، ۴۶۴، ۴۶۵، ۴۶۶، ۴۶۷، ۴۶۸، ۴۶۹، ۴۷۰، ۴۷۱، ۴۷۲، ۴۷۳، ۴۷۴، ۴۷۵، ۴۷۶، ۴۷۷، ۴۷۸، ۴۷۹، ۴۸۰، ۴۸۱، ۴۸۲، ۴۸۳، ۴۸۴، ۴۸۵، ۴۸۶، ۴۸۷، ۴۸۸، ۴۸۹، ۴۹۰، ۴۹۱، ۴۹۲، ۴۹۳، ۴۹۴، ۴۹۵، ۴۹۶، ۴۹۷، ۴۹۸، ۴۹۹، ۵۰۰، ۵۰۱، ۵۰۲، ۵۰۳، ۵۰۴، ۵۰۵، ۵۰۶، ۵۰۷، ۵۰۸، ۵۰۹، ۵۱۰، ۵۱۱، ۵۱۲، ۵۱۳، ۵۱۴، ۵۱۵، ۵۱۶، ۵۱۷، ۵۱۸، ۵۱۹، ۵۲۰، ۵۲۱، ۵۲۲، ۵۲۳، ۵۲۴، ۵۲۵، ۵۲۶، ۵۲۷، ۵۲۸، ۵۲۹، ۵۳۰، ۵۳۱، ۵۳۲، ۵۳۳، ۵۳۴، ۵۳۵، ۵۳۶، ۵۳۷، ۵۳۸، ۵۳۹، ۵۴۰، ۵۴۱، ۵۴۲، ۵۴۳، ۵۴۴، ۵۴۵، ۵۴۶، ۵۴۷، ۵۴۸، ۵۴۹، ۵۵۰، ۵۵۱، ۵۵۲، ۵۵۳، ۵۵۴، ۵۵۵، ۵۵۶، ۵۵۷، ۵۵۸، ۵۵۹، ۵۶۰، ۵۶۱، ۵۶۲، ۵۶۳، ۵۶۴، ۵۶۵، ۵۶۶، ۵۶۷، ۵۶۸، ۵۶۹، ۵۷۰، ۵۷۱، ۵۷۲، ۵۷۳، ۵۷۴، ۵۷۵، ۵۷۶، ۵۷۷، ۵۷۸، ۵۷۹، ۵۸۰، ۵۸۱، ۵۸۲، ۵۸۳، ۵۸۴، ۵۸۵، ۵۸۶، ۵۸۷، ۵۸۸، ۵۸۹، ۵۹۰، ۵۹۱، ۵۹۲، ۵۹۳، ۵۹۴، ۵۹۵، ۵۹۶، ۵۹۷، ۵۹۸، ۵۹۹، ۶۰۰، ۶۰۱، ۶۰۲، ۶۰۳، ۶۰۴، ۶۰۵، ۶۰۶، ۶۰۷، ۶۰۸، ۶۰۹، ۶۱۰، ۶۱۱، ۶۱۲، ۶۱۳، ۶۱۴، ۶۱۵، ۶۱۶، ۶۱۷، ۶۱۸، ۶۱۹، ۶۲۰، ۶۲۱، ۶۲۲، ۶۲۳، ۶۲۴، ۶۲۵، ۶۲۶، ۶۲۷، ۶۲۸، ۶۲۹، ۶۳۰، ۶۳۱، ۶۳۲، ۶۳۳، ۶۳۴، ۶۳۵، ۶۳۶، ۶۳۷، ۶۳۸، ۶۳۹، ۶۴۰، ۶۴۱، ۶۴۲، ۶۴۳، ۶۴۴، ۶۴۵، ۶۴۶، ۶۴۷، ۶۴۸، ۶۴۹، ۶۵۰، ۶۵۱، ۶۵۲، ۶۵۳، ۶۵۴، ۶۵۵، ۶۵۶، ۶۵۷، ۶۵۸، ۶۵۹، ۶۶۰، ۶۶۱، ۶۶۲، ۶۶۳، ۶۶۴، ۶۶۵، ۶۶۶، ۶۶۷، ۶۶۸، ۶۶۹، ۶۷۰، ۶۷۱، ۶۷۲، ۶۷۳، ۶۷۴، ۶۷۵، ۶۷۶، ۶۷۷، ۶۷۸، ۶۷۹، ۶۸۰، ۶۸۱، ۶۸۲، ۶۸۳، ۶۸۴، ۶۸۵، ۶۸۶، ۶۸۷، ۶۸۸، ۶۸۹، ۶۹۰، ۶۹۱، ۶۹۲، ۶۹۳، ۶۹۴، ۶۹۵، ۶۹۶، ۶۹۷، ۶۹۸، ۶۹۹، ۷۰۰، ۷۰۱، ۷۰۲، ۷۰۳، ۷۰۴، ۷۰۵، ۷۰۶، ۷۰۷، ۷۰۸، ۷۰۹، ۷۱۰، ۷۱۱، ۷۱۲، ۷۱۳، ۷۱۴، ۷۱۵، ۷۱۶، ۷۱۷، ۷۱۸، ۷۱۹، ۷۲۰، ۷۲۱، ۷۲۲، ۷۲۳، ۷۲۴، ۷۲۵، ۷۲۶، ۷۲۷، ۷۲۸، ۷۲۹، ۷۳۰، ۷۳۱، ۷۳۲، ۷۳۳، ۷۳۴، ۷۳۵، ۷۳۶، ۷۳۷، ۷۳۸، ۷۳۹، ۷۴۰، ۷۴۱، ۷۴۲، ۷۴۳، ۷۴۴، ۷۴۵، ۷۴۶، ۷۴۷، ۷۴۸، ۷۴۹، ۷۵۰، ۷۵۱، ۷۵۲، ۷۵۳، ۷۵۴، ۷۵۵، ۷۵۶، ۷۵۷، ۷۵۸، ۷۵۹، ۷۶۰، ۷۶۱، ۷۶۲، ۷۶۳، ۷۶۴، ۷۶۵، ۷۶۶، ۷۶۷، ۷۶۸، ۷۶۹، ۷۷۰، ۷۷۱، ۷۷۲، ۷۷۳، ۷۷۴، ۷۷۵، ۷۷۶، ۷۷۷، ۷۷۸، ۷۷۹، ۷۸۰، ۷۸۱، ۷۸۲، ۷۸۳، ۷۸۴، ۷۸۵، ۷۸۶، ۷۸۷، ۷۸۸، ۷۸۹، ۷۹۰، ۷۹۱، ۷۹۲، ۷۹۳، ۷۹۴، ۷۹۵، ۷۹۶، ۷۹۷، ۷۹۸، ۷۹۹، ۸۰۰، ۸۰۱، ۸۰۲، ۸۰۳، ۸۰۴، ۸۰۵، ۸۰۶، ۸۰۷، ۸۰۸، ۸۰۹، ۸۱۰، ۸۱۱، ۸۱۲، ۸۱۳، ۸۱۴، ۸۱۵، ۸۱۶، ۸۱۷، ۸۱۸، ۸۱۹، ۸۲۰، ۸۲۱، ۸۲۲، ۸۲۳، ۸۲۴، ۸۲۵، ۸۲۶، ۸۲۷، ۸۲۸، ۸۲۹، ۸۳۰، ۸۳۱، ۸۳۲، ۸۳۳، ۸۳۴، ۸۳۵، ۸۳۶، ۸۳۷، ۸۳۸، ۸۳۹، ۸۴۰، ۸۴۱، ۸۴۲، ۸۴۳، ۸۴۴، ۸۴۵، ۸۴۶، ۸۴۷، ۸۴۸، ۸۴۹، ۸۵۰، ۸۵۱، ۸۵۲، ۸۵۳، ۸۵۴، ۸۵۵، ۸۵۶، ۸۵۷، ۸۵۸، ۸۵۹، ۸۶۰، ۸۶۱، ۸۶۲، ۸۶۳، ۸۶۴، ۸۶۵، ۸۶۶، ۸۶۷، ۸۶۸، ۸۶۹، ۸۷۰، ۸۷۱، ۸۷۲، ۸۷۳، ۸۷۴، ۸۷۵، ۸۷۶، ۸۷۷، ۸۷۸، ۸۷۹، ۸۸۰، ۸۸۱، ۸۸۲، ۸۸۳، ۸۸۴، ۸۸۵، ۸۸۶، ۸۸۷، ۸۸۸، ۸۸۹، ۸۹۰، ۸۹۱، ۸۹۲، ۸۹۳، ۸۹۴، ۸۹۵، ۸۹۶، ۸۹۷، ۸۹۸، ۸۹۹، ۹۰۰، ۹۰۱، ۹۰۲، ۹۰۳، ۹۰۴، ۹۰۵، ۹۰۶، ۹۰۷، ۹۰۸، ۹۰۹، ۹۱۰، ۹۱۱، ۹۱۲، ۹۱۳، ۹۱۴، ۹۱۵، ۹۱۶، ۹۱۷، ۹۱۸، ۹۱۹، ۹۲۰، ۹۲۱، ۹۲۲، ۹۲۳، ۹۲۴، ۹۲۵، ۹۲۶، ۹۲۷، ۹۲۸، ۹۲۹، ۹۳۰، ۹۳۱، ۹۳۲، ۹۳۳، ۹۳۴، ۹۳۵، ۹۳۶، ۹۳۷، ۹۳۸، ۹۳۹، ۹۴۰، ۹۴۱، ۹۴۲، ۹۴۳، ۹۴۴، ۹۴۵، ۹۴۶، ۹۴۷، ۹۴۸، ۹۴۹، ۹۵۰، ۹۵۱، ۹۵۲، ۹۵۳، ۹۵۴، ۹۵۵، ۹۵۶، ۹۵۷، ۹۵۸، ۹۵۹، ۹۶۰، ۹۶۱، ۹۶۲، ۹۶۳، ۹۶۴، ۹۶۵، ۹۶۶، ۹۶۷، ۹۶۸، ۹۶۹، ۹۷۰، ۹۷۱، ۹۷۲، ۹۷۳، ۹۷۴، ۹۷۵، ۹۷۶، ۹۷۷، ۹۷۸، ۹۷۹، ۹۸۰، ۹۸۱، ۹۸۲، ۹۸۳، ۹۸۴، ۹۸۵، ۹۸۶، ۹۸۷، ۹۸۸، ۹۸۹، ۹۹۰، ۹۹۱، ۹۹۲، ۹۹۳، ۹۹۴، ۹۹۵، ۹۹۶، ۹۹۷، ۹۹۸، ۹۹۹، ۱۰۰۰، ۱۰۰۱، ۱۰۰۲، ۱۰۰۳، ۱۰۰۴، ۱۰۰۵، ۱۰۰۶، ۱۰۰۷، ۱۰۰۸، ۱۰۰۹، ۱۰۱۰، ۱۰۱۱، ۱۰۱۲، ۱۰۱۳، ۱۰۱۴، ۱۰۱۵، ۱۰۱۶، ۱۰۱۷، ۱۰۱۸، ۱۰۱۹، ۱۰۲۰، ۱۰۲۱، ۱۰۲۲، ۱۰۲۳، ۱۰۲۴، ۱۰۲۵، ۱۰۲۶، ۱۰۲۷، ۱۰۲۸، ۱۰۲۹، ۱۰۳۰، ۱۰۳۱، ۱۰۳۲، ۱۰۳۳، ۱۰۳۴، ۱۰۳۵، ۱۰۳۶، ۱۰۳۷، ۱۰۳۸، ۱۰۳۹، ۱۰۴۰، ۱۰۴۱، ۱۰۴۲، ۱۰۴۳، ۱۰۴۴، ۱۰۴۵، ۱۰۴۶، ۱۰۴۷، ۱۰۴۸، ۱۰۴۹، ۱۰۵۰، ۱۰۵۱، ۱۰۵۲، ۱۰۵۳، ۱۰۵۴، ۱۰۵۵، ۱۰۵۶، ۱۰۵۷، ۱۰۵۸، ۱۰۵۹، ۱۰۶۰، ۱۰۶۱، ۱۰۶۲، ۱۰۶۳، ۱۰۶۴، ۱۰۶۵، ۱۰۶۶، ۱۰۶۷، ۱۰۶۸، ۱۰۶۹، ۱۰۷۰، ۱۰۷۱، ۱۰۷۲، ۱۰۷۳، ۱۰۷۴، ۱۰۷۵، ۱۰۷۶، ۱۰۷۷، ۱۰۷۸، ۱۰۷۹، ۱۰۸۰، ۱۰۸۱، ۱۰۸۲، ۱۰۸۳، ۱۰۸۴، ۱۰۸۵، ۱۰۸۶، ۱۰۸۷، ۱۰۸۸، ۱۰۸۹، ۱۰۹۰، ۱۰۹۱، ۱۰۹۲، ۱۰۹۳، ۱۰۹۴، ۱۰۹۵، ۱۰۹۶، ۱۰۹۷، ۱۰۹۸، ۱۰۹۹، ۱۱۰۰، ۱۱۰۱، ۱۱۰۲، ۱۱۰۳، ۱۱۰۴، ۱۱۰۵، ۱۱۰۶، ۱۱۰۷، ۱۱۰۸، ۱۱۰۹، ۱۱۱۰، ۱۱۱۱، ۱۱۱۲، ۱۱۱۳، ۱۱۱۴، ۱۱۱۵، ۱۱۱۶، ۱۱۱۷، ۱۱۱۸، ۱۱۱۹، ۱۱۲۰، ۱۱۲۱، ۱۱۲۲، ۱۱۲۳، ۱۱۲۴، ۱۱۲۵، ۱۱۲۶، ۱۱۲۷، ۱۱۲۸، ۱۱۲۹، ۱۱۳۰، ۱۱۳۱، ۱۱۳۲، ۱۱۳۳، ۱۱۳۴، ۱۱۳۵، ۱۱۳۶، ۱۱۳۷، ۱۱۳۸، ۱۱۳۹، ۱۱۴۰، ۱۱۴۱، ۱۱۴۲، ۱۱۴۳، ۱۱۴۴، ۱۱۴۵، ۱۱۴۶، ۱۱۴۷، ۱۱۴۸، ۱۱۴۹، ۱۱۵۰، ۱۱۵۱، ۱۱۵۲، ۱۱۵۳، ۱۱۵۴، ۱۱۵۵، ۱۱۵۶، ۱۱۵۷، ۱۱۵۸، ۱۱۵۹، ۱۱۶۰، ۱۱۶۱، ۱۱۶۲، ۱۱۶۳، ۱۱۶۴، ۱۱۶۵، ۱۱۶۶، ۱۱۶۷، ۱۱۶۸، ۱۱۶۹، ۱۱۷۰، ۱۱۷۱، ۱۱۷۲، ۱۱۷۳، ۱۱۷۴، ۱۱۷۵، ۱۱۷۶، ۱۱۷۷، ۱۱۷۸، ۱۱۷۹، ۱۱۸۰، ۱۱۸۱، ۱۱۸۲، ۱۱۸۳، ۱۱۸۴، ۱۱۸۵، ۱۱۸۶، ۱۱۸۷، ۱۱۸۸، ۱۱۸۹، ۱۱۹۰، ۱۱۹۱، ۱۱۹۲، ۱۱۹۳، ۱۱۹۴، ۱۱۹۵، ۱۱۹۶، ۱۱۹۷، ۱۱۹۸، ۱۱۹۹، ۱۲۰۰، ۱۲۰۱، ۱۲۰۲، ۱۲۰۳، ۱۲۰۴، ۱۲۰۵، ۱۲۰۶، ۱۲۰۷، ۱۲۰۸، ۱۲۰۹، ۱۲۱۰، ۱۲۱۱، ۱۲۱۲، ۱۲۱۳، ۱۲۱۴، ۱۲۱۵، ۱۲۱۶، ۱۲۱۷، ۱۲۱۸، ۱۲۱۹، ۱۲۲۰، ۱۲۲۱، ۱۲۲۲، ۱۲۲۳، ۱۲۲۴، ۱۲۲۵، ۱۲۲۶، ۱۲۲۷، ۱۲۲۸، ۱۲۲۹، ۱۲۳۰، ۱۲۳۱، ۱۲۳۲، ۱۲۳۳، ۱۲۳۴، ۱۲۳۵، ۱۲۳۶، ۱۲۳۷، ۱۲۳۸، ۱۲۳۹، ۱۲۴۰، ۱۲۴۱، ۱۲۴۲، ۱۲۴۳، ۱۲۴۴، ۱۲۴۵، ۱۲۴۶، ۱۲۴۷، ۱۲۴۸، ۱۲۴۹، ۱۲۵۰، ۱۲۵۱، ۱۲۵۲، ۱۲۵۳، ۱۲۵۴، ۱۲۵۵، ۱۲۵۶، ۱۲۵۷، ۱۲۵۸، ۱۲۵۹، ۱۲۶۰، ۱۲۶۱، ۱۲۶۲، ۱۲۶۳، ۱۲۶۴، ۱۲۶۵، ۱۲۶۶، ۱۲۶۷، ۱۲۶۸، ۱۲۶۹، ۱۲۷۰، ۱۲۷۱، ۱۲۷۲، ۱۲۷۳، ۱۲۷۴، ۱۲۷۵، ۱۲۷۶، ۱۲۷۷، ۱۲۷۸، ۱۲۷۹، ۱۲۸۰، ۱۲۸۱، ۱۲۸۲، ۱۲۸۳، ۱۲۸۴، ۱۲۸۵، ۱۲۸۶، ۱۲۸۷، ۱۲۸۸، ۱۲۸۹، ۱۲۹۰، ۱۲۹۱، ۱۲۹۲، ۱۲۹۳، ۱۲۹۴، ۱۲۹۵، ۱۲۹۶، ۱۲۹۷، ۱۲۹۸، ۱۲۹۹، ۱۳۰۰، ۱۳۰۱، ۱۳۰۲، ۱۳۰۳، ۱۳۰۴، ۱۳۰۵، ۱۳۰۶، ۱۳۰۷، ۱۳۰۸، ۱۳۰۹، ۱۳۱۰، ۱۳۱۱، ۱۳۱۲، ۱۳۱۳، ۱۳۱۴، ۱۳۱۵، ۱۳۱۶، ۱۳۱۷، ۱۳۱۸، ۱۳۱۹، ۱۳۲۰، ۱۳۲۱، ۱۳۲۲، ۱۳۲۳، ۱۳۲۴، ۱۳۲۵، ۱۳۲۶، ۱۳۲۷، ۱۳۲۸، ۱۳۲۹، ۱۳۳۰، ۱۳۳۱، ۱۳۳۲، ۱۳۳۳، ۱۳۳۴، ۱۳۳۵، ۱۳۳۶، ۱۳۳۷، ۱۳۳۸، ۱۳۳۹، ۱۳۴۰، ۱۳۴۱، ۱۳۴۲، ۱۳۴۳، ۱۳۴۴، ۱۳۴۵، ۱۳۴۶، ۱۳۴۷، ۱۳۴۸، ۱۳۴۹، ۱۳۵۰، ۱۳۵۱، ۱۳۵۲، ۱۳۵۳، ۱۳۵۴، ۱۳۵۵، ۱۳۵۶، ۱۳۵۷، ۱۳۵۸، ۱۳۵۹، ۱۳۶۰، ۱۳۶۱، ۱۳۶۲، ۱۳۶۳، ۱۳۶۴، ۱۳۶۵، ۱۳۶۶، ۱۳۶۷، ۱۳۶۸، ۱۳۶۹، ۱۳۷۰، ۱۳۷۱، ۱۳۷۲، ۱۳۷۳، ۱۳۷۴، ۱۳۷۵، ۱۳۷۶، ۱۳۷۷، ۱۳۷۸، ۱۳۷۹، ۱۳۸۰، ۱۳۸۱، ۱۳۸۲، ۱۳۸۳، ۱۳۸۴، ۱۳۸۵، ۱۳۸۶، ۱۳۸۷، ۱۳۸۸، ۱۳۸۹، ۱۳۹۰، ۱۳۹۱، ۱۳۹۲، ۱۳۹۳، ۱۳۹۴، ۱۳۹۵، ۱۳۹۶، ۱۳۹۷، ۱۳۹۸، ۱۳۹۹، ۱۴۰۰، ۱۴۰۱، ۱۴۰۲، ۱۴۰۳، ۱۴۰۴، ۱۴۰۵، ۱۴۰۶، ۱۴۰۷، ۱۴۰۸، ۱۴۰۹، ۱۴۱۰، ۱۴۱۱، ۱۴۱۲، ۱۴۱۳، ۱۴۱۴، ۱۴۱۵، ۱۴۱۶، ۱۴۱۷، ۱۴۱۸، ۱۴۱۹، ۱۴۲۰، ۱۴۲۱، ۱۴۲۲، ۱۴۲۳، ۱۴۲۴، ۱۴۲۵، ۱۴۲۶، ۱۴۲۷، ۱۴۲۸، ۱۴۲۹، ۱۴۳۰، ۱۴۳۱، ۱۴۳۲، ۱۴۳۳، ۱۴۳۴، ۱۴۳۵، ۱۴۳۶، ۱۴۳۷، ۱۴۳۸، ۱۴۳۹، ۱۴۴۰، ۱۴۴۱، ۱۴۴۲، ۱۴۴۳، ۱۴۴۴، ۱۴۴۵، ۱۴۴۶، ۱۴۴۷، ۱۴۴۸، ۱۴۴۹، ۱۴۵۰، ۱۴۵۱، ۱۴۵۲، ۱۴۵۳، ۱۴۵۴، ۱۴۵۵، ۱۴۵۶، ۱۴۵۷، ۱۴۵۸، ۱۴۵۹، ۱۴۶۰، ۱۴۶۱، ۱۴۶۲، ۱۴۶۳، ۱۴۶۴، ۱۴۶۵، ۱۴۶۶، ۱۴۶۷، ۱۴۶۸، ۱۴۶۹، ۱۴۷۰، ۱۴۷۱، ۱۴۷۲، ۱۴۷۳، ۱۴۷۴، ۱۴۷۵، ۱۴۷۶، ۱۴۷۷، ۱۴۷۸، ۱۴۷۹، ۱۴۸۰، ۱۴۸۱، ۱۴۸۲، ۱۴۸۳، ۱۴۸۴، ۱۴۸۵، ۱۴۸۶، ۱۴۸۷، ۱۴۸۸، ۱۴۸۹، ۱۴۹۰، ۱۴۹۱، ۱۴۹۲، ۱۴۹۳، ۱۴۹۴، ۱۴۹۵، ۱۴۹۶، ۱۴۹۷، ۱۴۹۸، ۱۴۹۹، ۱۵۰۰، ۱۵۰۱، ۱۵۰۲، ۱۵۰۳، ۱۵۰۴، ۱۵۰۵، ۱۵۰۶، ۱۵۰۷، ۱۵۰۸، ۱۵۰۹، ۱۵۱۰، ۱۵۱۱، ۱۵۱۲، ۱۵۱۳، ۱۵۱۴، ۱۵۱۵، ۱۵۱۶، ۱۵۱۷، ۱۵۱۸، ۱۵۱۹، ۱۵۲۰، ۱۵۲۱، ۱۵۲۲، ۱۵۲۳، ۱۵۲۴، ۱۵۲۵، ۱۵۲۶، ۱۵۲۷، ۱۵۲۸، ۱۵۲۹، ۱۵۳۰، ۱۵۳۱، ۱۵۳۲، ۱۵۳۳، ۱۵۳۴، ۱۵۳۵، ۱۵۳۶، ۱۵۳۷، ۱۵۳۸، ۱۵۳۹، ۱۵۴۰، ۱۵۴۱، ۱۵۴۲، ۱۵۴۳، ۱۵۴۴، ۱۵۴۵، ۱۵۴۶، ۱۵۴۷، ۱۵۴۸، ۱۵۴۹، ۱۵۵۰، ۱۵۵۱، ۱۵۵۲، ۱۵۵۳، ۱۵۵۴، ۱۵۵۵، ۱۵۵۶، ۱۵۵۷، ۱۵۵۸، ۱۵۵۹، ۱۵۶۰، ۱۵۶۱، ۱۵۶۲، ۱۵۶۳، ۱۵۶۴، ۱۵۶۵، ۱۵۶۶، ۱۵۶۷، ۱۵۶۸، ۱۵۶۹، ۱۵۷۰، ۱۵۷۱، ۱۵۷۲، ۱۵۷۳، ۱۵۷۴، ۱۵۷۵، ۱۵۷۶، ۱۵۷۷، ۱۵۷۸، ۱۵۷۹، ۱۵۸۰، ۱۵۸۱، ۱۵۸۲، ۱۵۸۳، ۱۵۸۴، ۱۵۸۵، ۱۵۸۶، ۱۵

(ماموں اس شخص کا وارث ہے جس کا کوئی وارث نہ ہو، اس کا وارث ہوگا، اور اس کی طرف سے دیت دے گا)۔

بعض ائمہ مالکیہ کی رائے یہ ہے کہ ذوی الارحام اس وقت وارث ہوں گے جب ذوی الفروض یا مصبات میں سے کوئی نہ ہو، اور نہ ہی امام عادل ہو (۱)۔

متاخرین شافعیہ کا اجماع ہے کہ اگر بیت المال منظم نہ ہو تو ذوی الارحام وارث ہوں گے جب کہ ذوی الفروض اور مصبات میں سے کوئی نہ ہو، بیت المال منظم نہ ہونے سے مراد یہ ہے کہ امام ترکہ کو شرعی مصارف میں صرف نہ کرے۔

۷۸- حنفیہ اور حنابلہ کی طرح مالکیہ و شافعیہ بھی کہتے ہیں کہ وہ اصحاب فروض جو پورے ترکہ پر حاوی نہیں ہیں، ان کی موجودگی کی صورت میں باقی کو انہیں پر رد کریں گے، کیونکہ یہ ذوی الارحام کو وارث بنانے کے مقابلے میں مقدم ہے اور اگر وہ نہ ہوں تو سابقہ قید کے ساتھ ذوی الارحام وارث ہوں گے (۲)۔

ذوی الارحام میں سے اگر کوئی اکیلا ہو تو سارے ترکہ کو لے لے گا، مرد ہو یا عورت، اور اگر متعدد ہوں، تو تاملین تو ریث کے یہاں اس کی تو ریث کی کیفیت کے بارے میں مختلف مذاہب ہیں:

۱- مذہب اہل قرابت۔

۲- مذہب اہل رحم۔

۳- مذہب اہل تنزیل۔

۷۹- اہل قرابت: وہ لوگ ہیں جو ذوی الارحام کی تو ریث میں قوت قرابت کا اعتبار کرتے ہیں، اور قرب فالقرب کو مقدم رکھتے ہیں، جیسا کہ مصبات کی وراثت کا حال ہے، اور اسی وجہ سے ان کو ”اہل

قرابت“ کہتے ہیں۔

لہذا جس طرح نسبی مصبات کی چار جہات ہیں اسی طرح ذوی الارحام کی بھی چار جہات ہوں گی، اس لئے کہ جو رشتہ دائرہ فرض والا یا عصہ نہیں، وہ یا تو میت کے فروع میں سے ہوگا، یا میت کے اصول میں سے، یا میت کے والدین کے فروع میں سے، یا میت کے اجداد و جدات کے فروع میں سے ہوگا۔

اقرب کی تقدیم ہی حنفیہ کا مذہب اور امام احمد کی ایک روایت ہے، اور شافعیہ میں سے بغوی اور متولی نے اسی کو بالجزم ذکر کیا ہے۔ ۸۰- ان کے یہاں ذوی الارحام کی اصناف چار ہیں:

صنف اول: جو میت کی جانب منتسب ہو، اور وہ میت کی بیٹیوں کی اولاد (اگر چہ نیچے کی ہوں) اور میت کے بیٹوں کی بیٹیوں کی اولاد (اگر چہ نیچے کی ہوں) ہیں۔

صنف دوم: وہ جن کی طرف میت منتسب ہو اور وہ رحمی اجداد ہیں (اگر چہ اوپر کے ہوں) مثلاً میت کا نانا، اور میت کے نانا کا باپ، اور رحمی جدات (اگر چہ اوپر کی ہوں) ہیں مثلاً میت کے نانا کی ماں، اور میت کے نانا کی ماں کی ماں (ان اجداد و جدات کو جد فاسد اور جد فاسدہ سے بھی تعبیر کرتے ہیں)۔

صنف سوم: وہ جو میت کے والدین یا ان میں کسی ایک کی طرف منتسب ہوں، اور وہ بہنوں کی اولاد ہیں اگر چہ نیچے کے ہوں خواہ مذکر ہوں یا مؤنث، اور بہنیں، خواہ حقیقی ہوں یا باپ شریک، یا ماں شریک ہوں، اسی طرح بھائیوں (اگر چہ نیچے کے ہوں) کی بیٹیاں ہیں، خواہ حقیقی بھائی ہوں یا باپ شریک یا ماں شریک ہوں، اور ماں شریک بھائیوں کے بیٹے، اگر چہ نیچے کے ہوں۔

صنف چہارم: وہ جو میت کے دونوں جد یا ایک جد کی طرف منتسب ہوں اور میت کے دونوں جد سے مراد: باپ کا باپ، اور ماں

(۱) الشرح الکبیر ۳/۳۱۶۔

(۲) حاشیہ البتری علی الرحمیہ ص ۱۱۰۔

کا باپ ہے، یا میت کی دونوں جدہ، یا ایک جدہ کی طرف منتسب ہو، میت کی دونوں جدہ: باپ کی ماں، اور ماں کی ماں، ہیں، اور یہ غمات (پھوپھی) کو نلی الاطلاق، اور ماں کے چچاؤں اور میت کے چچاؤں ماموؤں اور خالاؤں کی بیٹیوں کو (اگر چہ یہ لوگ دور کے ہوتے ہیں اور ان کی اولاد کو) (اگر چہ نیچے کی ہوں) سب کو شامل ہے۔

اصناف کے درمیان وراثت جاری ہونے کی کیفیت:

۸۱- بعض اصناف کو بعض پر مقدم کرنے کے بارے میں امام ابوحنیفہ سے روایت مختلف ہے، چنانچہ ابوسلیمان نے محمد بن الحسن کے واسطے سے امام ابوحنیفہ سے نقل کیا ہے کہ ان اصناف میں میت سے سب سے زیادہ قریب اور اس کا وارث ہونے میں مقدم کرنے کی سب سے زیادہ حقدار صنف دوم ہے۔ اور وہ اجداد فاسد اور جدات فاسدہ ہیں، اگر چہ اوپر کے ہوں، پھر صنف اول اگر چہ نیچے کے ہوں، پھر صنف سوم اگر چہ نیچے کے ہوں، پھر صنف چہارم اگر چہ علو و نزول میں دور کے ہوں، اور یحییٰ بن ابان نے اس روایت (محمد عن ابی حنیفہ) میں ابوسلیمان کی متابعت کی ہے۔

امام ابو یوسف، اور حسن بن زیاد نے امام ابوحنیفہ سے اور ابن سماعہ نے بواسطہ امام محمد عن ابی حنیفہ نقل کیا ہے: ان اصناف میں میت سے سب سے زیادہ قریب اور میراث میں مقدم ہونے کی مستحق صنف اول، پھر دوم، پھر سوم، پھر چہارم، مصبات کی ترتیب کی طرح ہے کہ مصبات میں مقدم بیٹا پھر باپ پھر دادا پھر چچا ہیں، فتویٰ کے لئے یہی قول ماخوذ ہے۔

دونوں روایتوں میں تطبیق کی شکل یہ اختیار کی گئی ہے کہ امام محمد کے واسطے سے ابوسلیمان کی روایت امام ابوحنیفہ کا قول اول ہے، جب کہ امام ابو یوسف کی روایت امام صاحب کا قول ثانی ہے۔

امام ابو یوسف و محمد کے نزدیک صنف سوم (یعنی بہنوں کی اولاد، بھائیوں کی بیٹیاں اور ماں شریک بھائیوں کے بیٹے) جد (ماں کے باپ) پر مقدم ہیں، حالانکہ جد (دادا) کے بارے میں ان کا جو مذہب ہے کہ جب تک دادا کے لئے ماں کی تہائی کے مقابلہ میں مقاسمہ بہتر ہو، وہ بھائی بہنوں کے ساتھ مقاسمہ کرے گا، اس پر قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ صنف سوم کو جد (نانا) پر مقدم نہ کیا جائے۔

امام ابوحنیفہ کی دونوں روایتوں کی توجیہ یہ ہے کہ پہلی روایت میں وہ مصبات کے بارے میں اپنے مذہب کے قیاس پر قائم ہیں، چنانچہ انہوں نے یہاں جد یعنی (نانا) کو جو جد (دادا) کے درجہ میں ہے میت کے باپ کی اولاد پر مقدم کیا ہے، وہ جد کے ساتھ وارث نہیں ہوں گے، اور ان کی دوسری روایت (یعنی ذوی الارحام میں اولاد میت کو جد یعنی ماں کے باپ پر مقدم کرنا) مصبات کے حق میں ان کے اپنے مذہب پر جاری ہے، چنانچہ مصبات میں پوتا و دادا پر مقدم ہے۔

ہر صنف کے وارث ہونے کی کیفیت:

۸۲- صنف اول: بیٹیوں کی اولاد اور پوتیوں کی اولاد میں میراث کا سب سے زیادہ مستحق وہ ہے جو میت سے اقرب ہو، مثلاً نواسی، وہ بیٹے کی نواسی کی بہ نسبت میراث کی زیادہ مستحق ہے، کیونکہ نواسی میت سے صرف ایک واسطہ سے وابستہ ہے، جب کہ مؤخر الذکر دو واسطوں سے متعلق ہے۔

اور اگر وہ ایک درجہ کے ہوں، اس طور پر کہ سب کے سب میت سے دو یا تین درجوں سے وابستہ ہوں تو اس صورت میں وارث کی اولاد کو ذی رحم کی اولاد پر مقدم کیا جائے گا، مثلاً بیٹے کی نواسی، کہ وہ نواسی کے بیٹے سے اولیٰ ہے اس لئے کہ پہلی لڑکی، بیٹے کی بیٹی کی اولاد

مدلی بہ (جس کے واسطے سے تعلق ہو) میں معتبر نہیں، بلکہ محض مدلی (نسبت رکھنے والے) کی صفت کا اعتبار ہے، تو اسی طرح اس میں صرف ذکوریت یا انوشت کی صفت کا اعتبار ہوگا۔

امام محمد کے قول کی وجہ یہ ہے کہ میت اگر پھوپھی اور خالہ چھوڑے تو پھوپھی کے لئے ثلثین (دو تہائی) اور خالہ کے لئے ثلث (ایک تہائی) ہے، اس پر صحابہ کا اتفاق ہے، اگر فروع کے اشخاص کا اعتبار ہوتا تو مال ان دونوں کے درمیان آدھا آدھا ہوتا، لہذا تقسیم میں اصل مدلی بہ کی صفت کا اعتبار ہوگا، اور وہ پھوپھی کے مسئلہ میں باپ اور خالہ کے مسئلہ میں ماں ہے۔

۸۴- اگر میت نواسہ کی بیٹی اور نواسی کا بیٹا چھوڑے تو امام ابو یوسف اور حسن کے نزدیک مال تہائی تہائی ہوگا، دو تہائی نواسی کے بیٹے کے لئے، کیونکہ وہ مرد ہے، اور ایک تہائی بیٹی کے لئے ہوگا۔

امام محمد کے نزدیک مال اصول یعنی بطن ثانی کے درمیان تہائی کی بنیاد پر تقسیم ہوگا، اور بطن ثانی وہ بطن ہے جس میں اول اول مذکور مؤنث کا اختلاف ہوا ہے، اور وہ ہے بنت بنت (نواسی) اور ابن بنت (نواسہ) لہذا ان دونوں کے درمیان مال تین حصوں میں تقسیم ہوگا، نواسہ کی بیٹی کے لئے اس کا دو ثلث ہوگا، کیونکہ اس کے باپ کا حصہ یہی ہے، اور نواسی کے بیٹے کے لئے ایک ثلث، کیونکہ اس کی ماں کا حصہ یہی ہے، اور امام محمد کے یہاں جس طرح بطن ثانی میں اصول کے حال کا اعتبار ہے اسی طرح ان کے یہاں متعدد اصول کے حال کا اعتبار ہے، اگر مساوی درجہ کی بیٹیوں کی اولاد میں مختلف بطون ہوں، اس وقت مال کو مذکور مؤنث ہونے کے اعتبار سے اصول میں مختلف ہونے والے سب سے پہلے بطن پر تقسیم کیا جائے گا، مرد کا حصہ دو عورتوں کے حصے کے برابر ہوگا، پھر سب سے پہلے مختلف ہونے والے بطن سے ذکور کو الگ کر دیا جائے گا اور عورتوں کی بھی علاحدہ

ہے، اور بیٹے کی بیٹی فرض والی ہے، جب کہ دوسری رحم والی ہے۔ اس اولویت اور ترجیح کی وجہ یہ ہے کہ وارث کی اولاد حکم میں اقرب شمار ہوتی ہے، اور ترجیح اقرب حقیقی کی وجہ سے ہوتی ہے، اگر اقرب حقیقی پایا جائے اور اگر اقرب حقیقی نہ ہو تو اقرب حکمی کی وجہ سے ہوتی ہے۔

۸۳- اگر اقرب میں ان کے درجے برابر ہوں اور ان میں کسی وارث کی اولاد نہ ہو، مثلاً نواسے کی بیٹی، اور نواسی کا بیٹا، یا سب کے سب ایک وارث کے واسطے سے وابستہ ہوں، مثلاً نواسہ اور نواسی، تو امام ابو یوسف اور حسن بن زیاد کے نزدیک مساوی درجات کی فروع کے اشخاص کا اعتبار ہے، اور ان کے مذکور مؤنث ہونے کے حال کے اعتبار سے مال ان میں تقسیم کر دیا جائے گا، خواہ ان کے اصول ذکوریت یا انوشت میں متفق ہوں یا نہ ہوں، اور اگر فروع صرف مذکر، یا صرف مؤنث ہوں تو تقسیم میں برابر ہوں گے، اور اگر وہ مذکور مؤنث دونوں ہوں تو مرد کا حصہ دو عورتوں کے حصے کے برابر ہوگا، تقسیم میں ان کے اصول کے مذکور مؤنث ہونے کی حالت کا اعتبار نہیں ہوگا، یہی امام ابو حنیفہ سے ایک ثناذ روایت ہے۔

امام محمد فروع کے اشخاص کا اعتبار کرتے ہیں اگر اصول کی صفت مذکر یا مؤنث ہونے میں یکساں ہو، اور اصول کا اعتبار کرتے ہیں اگر ان کی صفات مختلف ہوں، اور فروع کو اصول کی میراث دے دیتے ہیں، یہی امام ابو یوسف کا قول اول اور امام ابو حنیفہ سے مشہور تر روایت ہے۔

امام ابو یوسف کے قول کی وجہ یہ ہے کہ فروع کا استحقاق خود ان کے اندر کسی علت کی وجہ سے ہوتا ہے، اور وہ قرابت ہے، دوسروں میں کسی علت و سبب کی وجہ سے نہیں، اور یہاں جہت ایک ہے، اور وہ ولادت (اولاد ہونا) ہے، لہذا ان کا آپس میں استحقاق بھی برابر ہوگا، اگرچہ اصول کی صفت مختلف ہو، اس کی نظیر یہ ہے کہ صفت کفر یا رق،

جماعت بنادی جائے گی، اور یہ ذکور و اناث پر ترک کی تقسیم کے بعد ہوگا، اور سب سے پہلے مختلف ہونے والے بطن سے مردوں کو جو کچھ ملا ہے اس کو جمع کر کے ان کی فروع کو ان کی صفات کے لحاظ سے دے دیا جائے گا، اگر ان کے درمیان اور ان کی فروع کے درمیان ان کے اصل کی نسبت ذکور و انوث میں اختلاف نہ ہو، اس طور پر کہ ان کے بیچ میں جو بھی آئیں وہ صرف مذکر ہوں، یا صرف مؤنث ہوں۔

۸۵- اگر درمیان میں پائے جانے والوں میں اختلاف ہو، اس طور پر کہ مذکر و مؤنث دونوں ہوں تو مردوں کو جو کچھ ملا ہے اس کو جمع کر کے ان کی اولاد میں ذکور و انوث کے اعتبار سے سب سے پہلے مختلف ہونے والے اوپری درجہ و مرتبہ میں تقسیم کر دیا جائے گا، اور مردوں کی ایک جماعت اور عورتوں کی الگ ایک جماعت کر دی جائے گی، جیسا کہ گذرا، اسی طرح جو کچھ عورتوں کو ملا ہے ان کی فروع کو دے دیا جائے گا، اگر ان اصول میں اختلاف نہ ہو جو ان کے درمیان ہیں، اور اگر اختلاف ہو تو ان کو جو کچھ ملا ہے جمع کر کے حسب سابق تقسیم کر دیا جائے گا، اور اسی طرح اس جیسی دیگر جزئیات میں ہوگا، ذوی الارحام کے مسائل میں مشائخ بخاری نے امام ابو یوسف کے قول کو لیا ہے، کیونکہ وہ آسان ہے (۱)۔

صنف دوم:

۸۶- یہ رحمی اجداد و جدات ہیں، ان کی توریث کا حکم یہ ہے کہ ان میں میراث کا سب سے زیادہ مستحق وہ ہے جو میت سے قریب تر ہو، خواہ کسی جہت کا ہو، باپ کی جہت سے یا ماں کی جہت سے، لہذا اما، مانی کے باپ سے اولیٰ ہے۔

درجات قرب میں برابر کی کے وقت وہ مقدم ہوگا جو کسی وارث

کے واسطے سے میت سے وابستہ ہو بمقابلہ اس کے جو کسی وارث کے واسطے سے وابستہ نہ ہو، یہ حکم ابوہل فرضی، ابو فضل خفاف اور علی بن عیسیٰ بصری کے یہاں ہے، کیونکہ ان کے نزدیک مانی کا باپ اما کے باپ سے اولیٰ ہوتا ہے، اس لئے کہ دونوں درجہ میں برابر ہیں، لیکن مانی کا باپ وارث کے واسطے سے وابستہ ہے اور یہ وارث جد و صحیحہ (مانی) ہے جب کہ دوسرا بغیر وارث کے وابستہ ہے اور وہ جد رحمی یعنی (اما) ہے، اور وہ ماں کے ساتھ وارث نہیں ہوتا۔ ابوسلیمان جوزجانی، اور ابوعلی بستی کے نزدیک وارث کے واسطے سے وابستہ ہونے والے کو بغیر وارث کے وابستہ ہونے والے پر ترجیح نہیں اور مال مذکورہ صورت میں تین حصوں میں تقسیم کیا جائے گا، دو ٹکٹ اما کے باپ کے لئے اور ایک ٹکٹ مانی کے باپ کے لئے ہوگا، ان کی دلیل یہ ہے کہ ان لوگوں میں وارث کے واسطے سے وابستگی کی بنیاد پر ترجیح دینے کے نتیجے میں اصل یعنی جد اور جدہ کفرع کے تابع کرنا ہوگا، جو خلاف معقول ہے۔

۸۷- اگر قرب و بعد میں ان کے درجے مساوی ہوں، اور اسی کے ساتھ ان میں وارث کے واسطے سے وابستہ ہونے والا کوئی نہ ہو، مثلاً وادی کا واداء اور وادی کی وادی یا سب کے سب کسی وارث کے واسطے سے وابستہ ہوں مثلاً واداء کے وادی کا باپ اور وادی کی وادی کا باپ، اور جن لوگوں کے واسطے سے وابستہ ہیں، ذکور و انوث میں ان کی صفت یکساں ہو، تو جد اور جدہ، اس حالت میں اس شخص میں متحد ہیں جس کے واسطے سے وہ دونوں میت سے وابستہ ہیں، لہذا مدلی ہے (جس کے واسطے سے نسبت ہے) کی صفت میں اختلاف کا تصور نہیں ہوگا اور اس وقت تقسیم اشخاص پر ہوگی، مرد کا حصہ دو عورتوں کے حصے کے برابر ہوگا، وادی کے واداء کے لئے شائین اور وادی کی وادی کے لئے ٹکٹ ہوگا۔

(۱) السراجیہ ص ۴۷۳، ۴۸۲۔

صنف سوم:

۸۹- یہ بہنوں کی اولاد اور بھائیوں کی بیٹیاں ہیں، خواہ جس قسم کے بھائی بہن ہوں، اور ماں شریک بھائیوں کے بیٹے ہیں۔

ان کا حکم یہ ہے کہ ان میں میراث کا سب سے زیادہ مستحق وہ ہے جو میت سے سب سے قریبی درجہ والا ہے، لہذا بنت اُخت (بھانجی) ابن بنت اُخ (بھتیجی کے بیٹے) سے اولیٰ ہے کیونکہ وہ زیادہ قریب ہے، اگر درجہ قریب میں برابری ہو تو عصبہ کی اولاد، ذوی الارحام کی اولاد سے اولیٰ ہے، مثلاً بنت ابن اُخت (بھتیجی کی بیٹی)، اور ابن بنت اُخت (بھانجی کا بیٹا) خواہ وہ بھائی بہن حقیقی ہوں، یا باپ شریک یا مختلف اس صورت میں سارا مال بنت ابن اُخ (بھتیجی کی بیٹی) کے لئے ہوگا، کیونکہ وہ عصبہ کی اولاد ہے، اور اگر مسئلہ میں بنت ابن اُخ (بھتیجی کی بیٹی) اور ابن بنت اُخ (ماں شریک بھتیجی کا بیٹا) ہو تو مال ان دونوں کے درمیان یوں ہوگا کہ مرد کا حصہ، دو عورتوں کے حصے کے برابر ہوگا، یہ امام ابو یوسف کے یہاں ہے، کیونکہ اشخاص کا اعتبار ہے، اس لئے کہ موارثت میں اصل یہ ہے کہ مرد کو عورت پر ترجیح ہو، اولاد اُم (اخانی بھائی بہن) میں یہ اصل، خلاف قیاس نص کی وجہ سے متروک ہے، وہ نص یہ ہے: ”فَهُمْ شَرُّكُمْ فِي التَّلْثِ“ (۱) (تو وہ سب تہائی میں شریک ہوں گے) اور خلاف قیاس امر کے ساتھ کسی ایسی چیز کو لاحق نہیں کیا جاتا جو ہر اعتبار سے ان کے معنی میں نہ ہو، اور ان کی اولاد ہر طرح سے اولاد اُم کے معنی میں نہیں، کیونکہ ان کو فرض کے طور پر کوئی وراثت نہیں ملتی، لہذا ان کے درمیان (مرد کو دو حصے اور عورت کو ایک حصہ) والا اصول جاری ہوگا، نیز ذوی الارحام کی موارثت (وارث بنانے کا معاملہ) عصبہ ہونے کے معنی میں ہے جس میں مرد کو عورت پر ترجیح دی جاتی ہے، جیسا کہ حقیقی عصبہ

اگر درجہ یکساں ہو، لیکن وہ لوگ جن کے واسطے سے نسبت ہے ان کی صفت ذکوریت و انوشت میں مختلف ہو، مثلاً دادا کے دادی کا باپ اور دادی کی دادی کا باپ، تو مال سب سے پہلے مختلف ہونے والے بطن پر تقسیم کیا جائے گا، جیسا کہ صنف اول میں، اور مرد کا حصہ عورت کے حصے سے دوگنا ہوگا، اور اختلاف کے بعد صنف اول میں موارثت کا جو طریقہ اختیار کیا گیا تھا وہی یہاں بھی اختیار کیا جائے گا۔

۸۸- اگر ان کی قرابت مختلف ہو اور درجے برابر ہوں، مثلاً اگر اس نے دادا کے ماما کی ماں، اور ماما کے دادا کی ماں کو چھوڑا تو ثلثین باپ کی قرابت کے لئے ہوگا، اور یہی باپ کا حصہ ہے، اور ثلث ماں کی قرابت کے لئے ہوگا، اس لئے کہ جو لوگ باپ کے واسطے سے وابستہ ہیں وہ باپ کے قائم مقام ہوں گے، اور جو لوگ ماں کے واسطے سے وابستہ ہیں وہ ماں کے قائم مقام ہوں گے، لہذا مال کو تین حصوں میں تقسیم کیا جائے گا، گویا کہ اس نے باپ اور ماں کو چھوڑا ہے، پھر ہر فریق کو جو ملا ہے ان کے درمیان تقسیم کر دیا جائے گا، جیسا کہ اگر قرابت متحد ہوتی تو ایسا ہی کیا جاتا اور یہ تقسیم اس اعتبار سے ہوگی کہ ثلثین (دو تہائی) کو باپ کی قرابت پر اور ثلث کو ماں کی قرابت پر تقسیم کیا جائے گا، اور ضابطہ یہ ہے کہ یا تو درجہ میں برابری ہوگی یا نہیں، اگر برابری نہ ہو تو قریب میراث کا زیادہ مستحق ہوگا، اور اگر درجہ میں برابری پائی جائے تو یا قرابت ایک ہوگی یا مختلف، اگر قرابت مختلف ہو تو مال کو تین حصوں میں تقسیم کیا جائے گا، اور اگر قرابت ایک ہو اور اصول (باپ و دادا) کی صفت میں اتفاق ہو تو تقسیم فروع (اولاد) کے اشخاص پر ہوگی، اور اگر اصول کی صفت میں اتفاق نہ ہو تو حسب اختلاف مال کو تقسیم کیا جائے گا، جیسا کہ صنف اول میں ہے۔

میں ہوتا ہے۔

امام محمد کے یہاں مال ان دونوں کے درمیان اصول کے اعتبار سے آدھا آدھا ہوگا، یہی ظاہر الروایہ ہے، اس کی توجیہ یہ ہے کہ ان دونوں کا میراث کا مستحق ہونا ماں کی قرابت کی وجہ سے ہے، اور اس اعتبار سے مرد کو عورت پر کوئی ترجیح نہیں، بلکہ بسا اوقات عورت کو مرد پر ترجیح دی جاتی ہے، کیونکہ اُم اُم (مائی) مقررہ حصہ والی ہے، جب کہ اُم اُم (نانا) ایسا نہیں، اور یہاں اگر عورت کو ترجیح نہ دی جائے تو کم از کم مساوات باقی رہے گی۔

۹۰۔ اگر وہ قرب میں یکساں ہوں، اور ان میں کوئی عصبہ کی اولاد نہیں، اور ان میں سے بعض ذوی الارحام کی اولاد ہیں مثلاً سب کے سب عصبہ کی اولاد ہوں جیسے بنت اُخ شقیق (سگی بھتیجی) اور بنت اُخ لُاب (علاقائی بھائی کی بیٹی) یا سب کے سب ذوی الفروض کی اولاد ہوں، مثلاً تین متفرق بہنوں (یعنی ایک حقیقی، ایک باپ شریک اور ایک ماں شریک) کی تین اولاد، یا سب کے سب ذوی الارحام کی اولاد ہوں، مثلاً بنت بنت اُخ (بھتیجی کی بیٹی)، اور ابن بنت اُخ آخر (دوسرے بھائی کا نواسہ) یا بعض عصبہ کی اولاد ہوں، اور بعض ذوی الفروض کی اولاد ہوں، مثلاً تین متفرق بھائیوں کی تین بیٹیاں، تو اس مسئلہ میں امام ابو یوسف قراہت میں اقویٰ کا اعتبار کرتے ہیں اور ان کے نزدیک مال اولاد حقیقی بھائی و بہن کی اولاد کو دیا جائے گا، پھر اگر حقیقی بھائیوں کی بہن کی اولاد نہ ہوں تو علاقائی بھائی بہن کی اولاد کو اور اگر علاقائی بھائی بہن کی اولاد نہ ہوں تو اخیانی (ماں شریک بھائی بہن) کی اولاد نہ ہوں تو اخیانی (ماں شریک بھائی بہن) کی اولاد کو دیا جائے گا، اور مرد کا حصہ دو عورتوں کے حصے کے برابر ہوگا۔

۹۱۔ اگر کوئی زیادہ قوی نہ ہو، بلکہ سب قوت میں برابر ہوں، تو مال ان کے فراڈ پر تقسیم کیا جائے گا، اور ہر مرد کا حصہ دو عورتوں کے حصے کے

برابر ہوگا، امام محمد رحمہ اللہ مال کو بھائیوں اور بہنوں پر تقسیم کرتے ہیں، جیسا کہ اگر بذات خود وہ وارث ہوں، نہ کہ ان کی اولاد، ساتھ ساتھ فروغ کی تعداد اور اصول میں جہات کا اعتبار بھی کرتے ہیں اور یہی امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا ظاہر قول ہے، پھر ان اصول میں سے ہر فرقہ کو جو کچھ ملا ہے اس کو ان کی فروغ کے درمیان تقسیم کر دیا جائے گا، جیسا کہ صنف اول میں طے ہو چکا ہے، اسکی مثال یہ ہے کہ میت نے متفرق بھائیوں کی تین بیٹیاں متفرق بہنوں کے تین بیٹے اور تین بیٹیاں چھوڑا جس کی صورت یہ ہے:

۱۔ بنت اُخ لُاب (سگی بھتیجی)۔

۲۔ ابن و بنت اُخ لُاب (سگی بھائی اور بھانجہ)۔

۳۔ بنت اُخ لُاب (علاقائی بھائی کی بیٹی)۔

۴۔ ابن و بنت اُخ لُاب (باپ شریک بہن کی بیٹی و بیٹا)۔

۵۔ بنت اُخ لُام (ماں شریک بھائی کی بیٹی)۔

۶۔ ابن و بنت اُخ لُام (ماں شریک بہن کی بیٹی و بیٹا)۔

امام ابو یوسف کے نزدیک سارا مال حقیقی بھائی کی فروغ اولاد میں تقسیم کیا جائے گا، پھر علاقائی (باپ شریک) بھائی بہن کی فروغ میں، پھر اخیانی (ماں شریک) بھائی بہن کی فروغ میں، مرد کا حصہ دو عورتوں کے حصے کے برابر ہوگا، اس طرح کہ مال کو چار حصوں میں اولاد کے اشخاص و فراڈ اور ان کی صفات کے اعتبار سے تقسیم کیا جائے گا، بنت اُخ لُاب (سگی بھتیجی) کو نصف اور بنت اُخ لُاب (سگی بھائی) کو ربع اور اگر حقیقی بھائی بہن کی اولاد موجود نہ ہو تو علاقائی بھائی بہن کی اولاد پر مال کو تقسیم کیا جائے گا (۱)۔ ان کے ابدان

(۱) عینی بھائیوں کی اولاد عینی وہ حقیقی بھائی جن کے ماں باپ ایک ہوں۔

اخانی بھائیوں کی اولاد: اخیانی بھائی جن کی ماں ایک، اور باپ الگ الگ ہوں۔

علاقائی بھائیوں کی اولاد: علاقائی وہ بھائی جن کا باپ ایک اور مائیں الگ الگ

جیسا کہ گذرا، اس مسئلہ کی تصحیح امام محمدؒ کے نزدیک نو سے ہوگی، ان میں تین اخیانی بھائی بہن کی فروغ اولاد کے لئے برابر برابر ہوگا، تین بنت اُخ لَاب (سگی بھتیجی) کے لئے، اور تین اُخت لَابوین (حقیقی بہن) کی دونوں اولاد کے لئے ہوگا، اور مرد کا حصہ دو عورتوں کے حصے کے برابر ہوگا۔

صنف چہارم:

۹۲- وہ صنف جس کا انتساب میت کے جدین (دادا و نانا) میں سے کسی ایک کی طرف یا اس کی جد تین (دادی و نانی) میں سے کسی ایک کی طرف ہو، لہذا اس کا مصداق پھوپھیاں ہیں، خواہ کسی قسم کی ہوں، اعمام لَام (ماں شریک چچا) ماموں اور خالائیں، خواہ جس جہت کے ہوں۔

ان کا حکم یہ ہے کہ اگر ان میں سے کوئی اکیلا ہو تو سارے مال کا مستحق ہوگا، کیونکہ اس کے مقابل میں کوئی نہیں، لہذا اگر میت ایک پھوپھی یا ایک عم لَام (ماں شریک چچا) یا ایک ماموں یا ایک خالہ چھوڑے تو سارا مال اسی اکیلے کے لئے ہوگا۔ جیسا کہ ہر صنف کا حکم یہی ہے۔

اگر کئی ہوں اور ان کی جہت ایک ہو، مثلاً اعمام لَام (ماں شریک چچا) اور پھوپھیاں (کہ ان سب کا رشتہ صرف باپ کی طرف سے ہے) یا ماموں اور خالائیں (کہ یہ ماں کی طرف سے رشتہ دار ہوتے ہیں) تو ان کا حکم یہ ہے کہ زیادہ قوی قرابت والا بالا جماع میراث کا زیادہ مستحق ہے، حقیقی، باپ شریک سے اولیٰ ہے اور باپ شریک ماں شریک سے اولیٰ ہے، اور اقرب مذکور ہو یا مؤنث کوئی فرق نہیں، لہذا حقیقی پھوپھی باپ شریک پھوپھی یا ماں شریک پھوپھی یا ماں شریک چچا سے اولیٰ ہے، کیونکہ اس کی قرابت قویٰ ہے، اسی طرح حقیقی

(افر او اشخاص) کے اعتبار سے یہ تقسیم بھی چار حصوں میں ہوگی، ابن اُخت لَاب (باپ شریک بہن کا بیٹا) کے لئے نصف، بنت اُخ لَاب (باپ شریک بھائی کی بیٹی) کے لئے ربع اور بنت اُخت لَاب (باپ شریک بہن کی بیٹی) کے لئے ربع اور اگر علاقائی بھائی بہن کی اولاد نہ ہو تو مال اخیانی بھائی بہن کی فروغ اولاد پر بھی ان کے ابدان کے اعتبار سے چار حصوں میں تقسیم کیا جائے گا، علاقائی بھائی بہن کی اولاد کو اخیانی بھائی بہن کی اولاد پر اس لئے مقدم کیا گیا ہے کہ باپ کی قرابت بہ نسبت ماں کی قرابت کے قویٰ ہے، ان کی رائے کے مطابق اصل مسئلہ چار سے ہوگا، اور اسی سے اس کی تصحیح ہوگی، امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک تہائی مال اخیانی بھائی بہن کی اولاد پر برابر برابر تین حصوں میں تقسیم کیا جائے گا، کیونکہ ان کے اصول تقسیم میں برابر ہیں، اور اگر بہن میں فروغ کی تعداد کا اعتبار ہوگا تو وہ دو ماں شریک بہن کی طرح ہو جائے گی، لہذا دو تہائی مال لے گی، اور اُخ لَام (ماں شریک بھائی) ثلث لے گا، پھر جو کچھ بھائی کو ملا ہے یعنی مال کا نواں حصہ، اس کی بیٹی کو منتقل ہو جائے گا، اور جو کچھ بہن کو ملا ہے یعنی مال کا نواں حصہ اس کے بیٹے اور اس کی بیٹی کو برابر برابر منتقل ہو جائے گا، اور دو تہائی مال یعنی بھائی بہن کے درمیان نصف نصف تقسیم ہوگا، اعتبار اصول میں فروغ کی تعداد کا ہے، نصف بنت اُخ (بھتیجی) کو ملے گا جو اس کے باپ کا حصہ ہے، اور نصف ثانی بہن جس کو بہنوں کے درجہ میں مانا گیا ہے اس کی دونوں اولاد کے لئے ہوگا، اور وہ ان کے ابدان کے اعتبار سے تین حصوں میں تقسیم ہوگا، مرد کا حصہ دو عورتوں کے حصے کے برابر ہوگا، اور علاقائی بھائی بہن کی اولاد کے لئے کچھ نہیں، کیونکہ وہ یعنی بھائی بہن کی وجہ سے محبوب ہوتے ہیں،

= ہوں۔ (المصباح المہیر، مادۃ "عین"، "خف"، "عل" مذکورہ توضیح ان جگہوں سے کچھ فرق کے ساتھ لی گئی ہے۔

ماموں اور حقیقی خالہ میراث کے زیادہ مستحق ہیں۔

۹۳- اگر وہ مذکر و مؤنث دونوں طرح کے ہوں اور ان کی جہت قرابت ایک ہو اور قوت قرابت میں سب برابر ہوں، اس طور پر کہ سب کے سب حقیقی ہوں، یا باپ شریک، یا ماں شریک ہوں، تو مرد کا حصہ دو عورتوں کے حصے کے برابر ہوگا، مثلاً ماں شریک چچا اور ماں شریک پھوپھی یا حقیقی ماموں و خالہ یا باپ شریک، یا ماں شریک ہوں، اس لئے کہ چچا پھوپھی اصل (یعنی باپ) میں متحد ہیں، اسی طرح ماموں اور خالہ کی اصل ایک ہے یعنی ماں اور جب اصل ایک ہو تو تقسیم میں سب کے نزدیک اعتباراً اشخاص کا ہے۔

۹۴- اگر ان کی جہت قرابت مختلف ہو، اس طور پر کہ بعض کی قرابت باپ کی طرف سے اور بعض کی قرابت ماں کی طرف سے ہو تو قوت قرابت کا اعتبار نہیں، لہذا اگر میت نے حقیقی پھوپھی اور ماں شریک خالہ کو یا حقیقی ماموں اور ماں شریک پھوپھی کو چھوڑا ہے تو ثلثین (دو تہائی) جو باپ کا حصہ ہے باپ کے رشتہ دار کے لئے ہوگا، اور ثلث جو ماں کا حصہ ہے ماں کے رشتہ دار کے لئے ہوگا۔

صنف چہارم کی اولاد کے درمیان وراثت جاری ہونے کی کیفیت:

۹۵- صنف چہارم کی توریث کا سابقہ حکم ان کی اولاد پر نافذ نہیں ہوگا کیونکہ اولاد میں میراث کا سب سے زیادہ مستحق وہی ہے جو میت سے اقرب ہو، خواہ کسی جہت کا ہو، چنانچہ پھوپھی کی بیٹی یا اس کا بیٹا، پھوپھی کی نواسی اور نواسے کے مقابلہ میں زیادہ حقدار ہے، کیونکہ وہ دونوں میت سے زیادہ قریب ہیں۔

اور اگر وہ میت سے قریب میں برابر ہوں لیکن ان کی جہت قرابت ایک ہو اس طور پر کہ ہر ایک کی قرابت میت کے باپ یا میت کی ماں

کی طرف سے ہو تو اس صورت میں جس کے لئے قوت قرابت ہے، وہ بالا جماع بہ نسبت اس شخص کے اولیٰ ہے جس کے پاس قوت قرابت نہیں، لہذا اگر میت متفرق پھوپھیوں کی تین اولاد چھوڑے تو سارا مال حقیقی پھوپھی کی اولاد کے لئے ہوگا، اگر حقیقی پھوپھی کی اولاد نہ ہو تو باپ شریک پھوپھی کی اولاد کے لئے اور اگر وہ بھی نہ ہو تو ماں شریک پھوپھی کی اولاد کے لئے ہوگا اور متفرق ماموں، یا متفرق خالوں کی اولاد کے بارے میں بھی یہی حکم ہے۔

۹۶- اگر وہ درجہ قوت دونوں کے اعتبار سے قرابت میں یکساں ہوں اور جہت قرابت ایک ہو اس طور پر کہ سب میت کے باپ کی جہت سے، یا میت کی ماں کی جہت سے ہوں، تو عصبہ کی اولاد غیر عصبہ کی اولاد سے اولیٰ ہے، مثلاً چچا کی بیٹی اور حقیقی پھوپھی کا بیٹا، یا باپ شریک یا ماں شریک پھوپھی کا بیٹا، اس صورت میں سارا مال چچا کی بیٹی کے لئے ہوگا، اس لئے کہ وہ عصبہ کی اولاد ہے، پھوپھی کے بیٹے کے لئے نہیں ہوگا، اس لئے کہ وہ ذی رحم کی اولاد ہے۔

اگر ایک چچا یا پھوپھی حقیقی ہو اور دوسرا باپ شریک ہو تو سارا مال حقیقی چچا کی بیٹی کے لئے ہوگا، کیونکہ اس کی قرابت قویٰ ہے، لہذا اگر میت حقیقی پھوپھی کے بیٹا اور باپ شریک چچا کی بیٹی کو چھوڑے تو سارا مال حقیقی پھوپھی کے بیٹے کے لئے ہوگا، حنفیہ کے یہاں ظاہر الروایہ یہی ہے، کیونکہ پھوپھی کے بیٹے کی قرابت قویٰ ہے اور چچا کی بیٹی کی نہیں، اگرچہ وہ وارث کی بیٹی ہے۔

بعض مشائخ حنفیہ نے غیر ظاہر الروایہ کی بنیاد پر کہا: مذکورہ صورت میں سارا مال باپ شریک چچا کی بیٹی کے لئے ہوگا کیونکہ وہ عصبہ کی اولاد ہے، برخلاف پھوپھی کے بیٹے کے کہ وہ ذی رحم کی اولاد ہے۔

۹۷- اگر وہ قریب میں برابر ہوں اور ان کی جہت قرابت مختلف ہو یعنی ان میں سے بعض باپ کی جہت سے اور بعض ماں کی جہت سے

اولاد میں اپنے آباء کی طرح ہیں، یہی قول علانہ، شععی، مسروق، نعیم بن حماد، ابو نعیم اور ابو عبیدہ القاسم بن سلام کا ہے۔

یہی امام شافعی کا مذہب اور امام احمد کی ایک روایت ہے لیکن ان دو حضرات نے اس ضابطہ سے دو مسائل مستثنیٰ کئے ہیں:

۱۔ ان دونوں حضرات نے ماموں اور خالہ کو اگر چہ دونوں باپ کی طرف سے ہوں صحیح قول کے مطابق ماں کی جگہ رکھا ہے۔ اور میت کے ماما کو صحیح قول کے مطابق ماں کے درجہ میں رکھا ہے۔

۲۔ ان دونوں حضرات نے ماں شریک چچا اور پھوپھی، خواہ کسی جہت کی ہو، کو صحیح قول کے مطابق باپ کی جگہ رکھا ہے۔

ان دونوں اماموں نے اہل تنزیل کے مذہب کو رائج قرار دیا ہے، کیونکہ یہی صحابہ کرام اور ان کے بعد ذوی الارحام کی توریث کے قائلین کا مذہب ہے، لہذا اگر میت نواسی اور پوتی کی بیٹی چھوڑے تو اہل تنزیل کی رائے کے مطابق مال ان دونوں کے درمیان ہوگا تین چوتھائی نواسی کے لئے اور ایک چوتھائی پوتی کی بیٹی کے لئے فرض اور رد کے طور پر ہوگا۔

۹۹۔ اہل قرابت کی رائے کی طرح، اہل تنزیل کا مذہب بھی یہ ہے کہ ذوی الارحام میں سے جو اکیلا ہو پورا ترکہ لے گا، خواہ مذکر ہو یا مؤنث۔

البتہ ذوی الارحام کے اجتماع کے وقت (یعنی جب کہ ایک سے زائد افراد پائے جائیں) دونوں مذاہب میں فرق ظاہر ہوگا، اس حالت میں اہل تنزیل فروع (اولاد) کو ان کے اصول کے قائم مقام کریں گے، اور وہ ان کا حصہ لیں گے، چنانچہ اگر وہ کسی عصبہ کے واسطے سے میت سے وابستہ ہوں تو تعصیب کے طور پر اس کا حصہ لیں گے، اور اگر کسی ذی فرض کے واسطے سے میت سے وابستہ ہوں تو فرض اور رد کے طور پر اس کا حصہ لیں گے اور اس کو مذکر

ہوں تو ظاہر الروایہ میں نفوت قرابت کا اعتبار ہے اور نہ ہی عصبہ کی اولاد ہونے کا، لہذا حقیقی پھوپھی کی اولاد حقیقی ماموں یا حقیقی خالہ کی اولاد سے اولیٰ نہیں، کیونکہ پھوپھی کی اولاد کی نفوت قرابت کا اعتبار نہیں، اسی طرح حقیقی چچا کی بیٹی حقیقی ماموں یا حقیقی خالہ کی بیٹی سے اولیٰ نہیں، کیونکہ چچا کی بیٹی کے عصبہ کی اولاد ہونے کا اعتبار نہیں، البتہ مال اس اعتبار سے تقسیم ہوگا کہ باپ کی قرابت کے لئے ثلثین اور ماں کی قرابت کے لئے ثلث ہو، کیونکہ باپ کی قرابت باپ کے قائم مقام اور ماں کی قرابت ماں کے قائم مقام ہے۔

پھر امام ابو یوسف کے نزدیک ہر فریق کو خواہ باپ کی جہت سے ہو یا ماں کی جہت سے جو کچھ ملا ہے ان کی اولاد کے اشخاص و افراد پر فروغ میں جہات کی تعداد کا اعتبار کرتے ہوئے تقسیم کیا جائے گا۔

امام محمد کے نزدیک فروغ کی تعداد اور اصول میں جہات کے اعتبار کے ساتھ سب سے پہلے مختلف ہونے والے بطن پر مال کو تقسیم کر دیا جائے گا، جیسا کہ صنف اول کا حال ہے، اسی طرح یہاں بھی (۱)۔

اہل قرابت کے مذہب میں ذوی الارحام کی توریث کے احکام یہی ہیں۔

مذہب اہل تنزیل:

۹۸۔ تنزیل کے معنی یہ ہیں کہ ذوی الارحام میں سے جو کسی وارث کے واسطے سے میت سے وابستہ ہو، وہ اس وارث کے قائم مقام ہوتا ہے، لہذا اگر کیوں کی اولاد، پوتیوں کی اولاد، اور بہنوں کی اولاد، خواہ وہ کسی جہت کی ہوں اپنی ماؤں کی طرح ہیں، اور بھائیوں کی بیٹیاں اور حقیقی چچاؤں یا باپ شریک چچاؤں کی بیٹیاں اور ان کے بیٹوں کی بیٹیاں اور ماں شریک بھائیوں کی اولاد اور ماں شریک چچاؤں کی

(۱) المسراۃ ص ۲۶۵، ۳۰۰، مذہب الفاضل ۱۵/۲، اور اس کے بعد کے صفحات۔

رائے کے حامی: حسن بن مسیر اور نوح بن ذراح تھے، لیکن مذاہب مشہور میں سے کسی نے ان کی رائے نہیں لی (۱)۔

زوجین میں سے کسی کے ساتھ ذوی الارحام کی وراثت:
۱۰۱- ذوی الارحام کی توریث کے تاملین کا اتفاق ہے کہ ذوی الارحام اگر زوجین میں سے کسی کے ساتھ ہوں تو ان میں سے ہر ایک کو اس کا پورا حصہ ملے گا، کسی ذی رحم کی وجہ سے شوہر کا حصہ نصف سے کم ہو کر ربح نہیں ہوگا، اور نہ بیوی کا حصہ ربح سے کم ہو کر ثمن (آنٹھواں) ہوگا، اس کی وجہ یہ ہے کہ زوجین کا فرض نص سے ثابت ہے، جب کہ ذوی الارحام کی وراثت نص سے ثابت نہیں، لہذا دونوں میں تعارض نہیں ہوگا، زوجین میں سے موجودہ کے حصے کے بعد باقی ذوی الارحام کا ہوگا۔

۱۰۲- البتہ ان کی توریث کی کیفیت کے بارے میں اختلاف ہے، اہل قرابت نے کہا: پہلے شوہر یا بیوی کا حصہ نکالا جائے گا، پھر بقیہ مال ذوی الارحام پر تقسیم ہوگا، جیسا کہ اگر وہ اکیلے ہوتے تو سب پر تقسیم ہوتا۔

اہل تنزیل کے اس مسئلہ میں دو مذاہب ہیں: صحیح وہ ہے جو اہل قرابت نے کہا، امام احمد سے مروی ہے کہ وہ باقی کے وارث ہوں گے جیسا کہ اگر اکیلے ہوتے تو پورے مال کے وارث ہوتے، یہی ابو عبید، محمد بن الحسن، اور حسن بن زیاد و قوی اور ذوی الارحام کی توریث کے عام تاملین کا قول ہے۔

دوسرا مذاہب یہ ہے کہ زوجین میں سے موجودہ کے حصے کے بعد باقی مال ذوی الارحام کے درمیان زوجین کے ساتھ ان ورثہ کے سہام کے تناسب سے (جن کے واسطے سے ذوی الارحام میت سے

و مؤنث کے درمیان تمام افراد پر برابری تقسیم کیا جائے گا، یہ امام احمد کے نزدیک ہے، اس لئے کہ وہ محض رحم کی وجہ سے وارث ہیں، لہذا برابری ہوئے گی، جیسا کہ ماں شریک بھائی بہن میں ہوتا ہے، جب کہ امام شافعی کی رائے یہ ہے کہ مرد کا حصہ دو عورتوں کے حصے کے برابر ہوگا۔

لہذا مسئلہ: ایک نواسی، ایک بیٹا اور ایک دوسری بیٹی کی بیٹی میں اگر وہ ایک درجہ اوپر ہوں، تو دو بیٹوں کے درجہ میں ہوں گے، لہذا ترک نصف نصف تقسیم ہوگا، نواسی کو اس کا نصف اور دوسری لڑکی کے لڑکے اور لڑکی نصف ثانی لیں گے اور مسئلہ کی تصحیح امام احمد کی رائے کے مطابق چار سے ہوگی اور امام شافعی کے یہاں چھ سے، اس لئے کہ اصل مسئلہ تین سے ہے، یہ اولاد ام (ماں شریک بھائی بہن) کے علاوہ کا حکم ہے، اس لئے کہ ماں شریک بھائی بہن کے حصے نص کی وجہ سے برابر ہوتے ہیں (۱)۔

مذہب اہل رحم:

۱۰۰- یعنی جو لوگ ذوی الارحام کے درمیان وراثت میں مساوات کے قائل ہیں، ان کے نزدیک دو اصناف، دو درجوں یا قوی و ضعیف قرابت کے درمیان فرق نہیں ہے۔

اگر میت نے ایک بھانجی اور ایک نواسی چھوڑی تو ان دونوں کے درمیان میراث برابر تقسیم ہوگی، اور اگر ایک بھانجہ اور ایک بھتیجی کی بیٹی کو چھوڑا تو بھی میراث ان دونوں کے درمیان برابر ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ میراث کو واجب کرنے والا سبب رحم ہے، اور یہ سب کے اندر بلا تفریق پایا جاتا ہے، سب کے اندر اس کا پایا جانا قدر مشترک ہے، لہذا سب کے لئے مساوات کے ساتھ میراث ثابت ہے، اس

وابستہ ہیں) تقسیم ہوگا، یہی قول یحییٰ بن آدم اور ضرار کا ہے، پہلے مذہب کے تاملین کو اصحاب ”اعتبار ماہی“، اور مذہب ثانی کے تاملین کو ”اصحاب اعتبار لا صل“ کہا جاتا ہے، ذوی الارحام اگر فقط ذی فرض (مقررہ حصے والے) یا فقط عصبہ کے واسطے سے میت سے وابستہ ہوں تو کوئی اختلاف نہیں، ہاں اختلاف اس وقت ہے جب بعض عصبہ کے واسطے سے اور بعض ذی فرض (مقررہ حصے والے) کے واسطے سے وابستہ ہوں، لہذا اگر میت: شوہر، بیٹی کی بیٹی، خالہ اور حقیقی چچا یا باپ شریک چچا کی بیٹی چھوڑے تو اہل قرابت کے نزدیک شوہر کے لئے نصف باقی صرف بیٹی کی بیٹی کے لئے ہوگا، اور اہل تنزیل کے قول کے مطابق شوہر کے لئے نصف، لڑکی کی لڑکی کے لئے باقی کا نصف، خالہ کے لئے باقی کا سدس اور باقی چچا زاد بہن کے لئے ہوگا، مسئلہ کی تصحیح بارہ سے ہوگی، شوہر کے لئے چھ، لڑکی کی لڑکی کے لئے تین، خالہ کے لئے ایک اور چچا زاد بہن کے لئے دو، اور دوسرے قول کے مطابق تنزیل (اولاد کو اصل کی جگہ ماننے) پر عمل کریں گے تو شوہر کے ساتھ ماں چچا اور بیٹی ہوں گے، اور یہ بیٹی حقیقت میں بیٹے کی بیٹی ہے اور بیٹے کی بیٹی مرتبہ دینے میں بیٹی کی طرح ہے، جب میں نہیں، اس لئے مسئلہ بارہ سے ہوگا، پہلے شوہر کا حصہ ربع (تین) نکالا جائے گا، پھر پورا نصف شوہر کے لئے نکالا جائے گا، اس لئے کہ جب حقیقی نہیں ہے، اب چھ باقی بچے گا، جس کو نو پر تقسیم کیا جائے گا، مسئلہ کی تصحیح اٹھارہ سے ہوگی: شوہر کے لئے نو، بیٹی کی بیٹی کے لئے چھ، خالہ کے لئے دو اور چچا زاد بہن کے لئے ایک ہوگا (۱)۔

دو جہت سے وراثت:

۱۰۳- بسا اوقات کسی وارث کے پاس وراثت کی دو جہتیں ہوتی

ہیں، اگر یہ دو جہتیں عصبہ ہونے کے طور پر ایک ساتھ ہوں تو ان میں سے اقویٰ کی وجہ سے وہ وارث ہوگا، اگر عورت ایک بیٹا یعنی چچا زاد بھائی کا بیٹا چھوڑ کر مرے تو اس کے لئے ترکہ بیٹا ہونے کے اعتبار سے ہوگا، دوسری قرابت کی وجہ سے اس کو کچھ نہیں ملے گا، اس لئے کہ بنوت (بیٹا ہونا) عمومیت (چچا ہونے) پر مقدم ہے۔

اگر جہات مختلف ہوں جن میں سے ہر جہت وراثت کی متقاضی ہو، تو دونوں جہات سے وارث ہوگا، لہذا اگر میت نے ماں شریک دو بھائی چھوڑے جن میں ایک حقیقی چچا کا بیٹا ہے تو ماں شریک بھائیوں کے لئے فرض کے طور پر ثلث، آدھا آدھا ہوگا، اور باقی مال وہ ماں شریک بھائی تنہا لے گا جو حقیقی چچا کا بیٹا ہے، کیونکہ وہ عصبہ ہے اس لئے باقی مال لے گا۔

بسا اوقات ایک شخص کسی ایک جہت سے میراث سے محبوب ہوتا ہے تو دوسری جہت سے وارث ہوگا، کیونکہ اس جہت میں اس کو محبوب کرنے والا کوئی نہیں ہے، مثلاً میت نے لڑکی اور حقیقی چچا کے دو بیٹے جن میں سے ایک ماں شریک بھائی ہے چھوڑے، تو لڑکی کے لئے نصف فرض کے طور پر، اور باقی حقیقی چچا کے دونوں بیٹوں کے لئے عصبہ ہونے کی وجہ سے ان دونوں کے درمیان آدھا آدھا ہوگا، ماں شریک بھائی ہونے کے اعتبار سے دوسرے چچا زاد بھائی کے لئے کچھ نہیں ہوگا، کیونکہ وہ لڑکی کی وجہ سے محبوب ہے۔

خنثی کی میراث:

۱۰۴- خنثی کا لغوی معنی وہ انسان ہے جس کے پاس مرد و عورت دونوں کے مخصوص اعضاء موجود ہوں، اس کی جمع خنثی اور خنثاں آتی ہے، اور خنثی مرد و زن کثیف کے معنی وہ شخص جس کے اندر خنثاں یعنی چک اور اٹھلانے کا وصف ہو (۱)۔ اور فعل ”خنث“ فرح کے وزن (۱) القاسوس الجیط۔

(۱) الحدیب القافض ۲/ ۵۰، ۵۱، المغنی ۷/ ۳۳ طبع بول المنار۔

پر ”انخست“ (لچکنا، اٹھانا) کے معنی میں آتا ہے (۱)۔

اصطلاح میں جس کے پاس مرد و عورت دونوں کے لئے مخصوص اعضاء ہوں یا اس میں سے کوئی نہ ہو، شععی سے دریافت کیا گیا کہ ایک نومولود ہے جس کے پاس کوئی عضو نہیں اور اس کی ناف سے گاڑھا گاڑھا وہ نکلتا ہے، اس کی میراث کیا ہوگی؟ تو انہوں نے اس کو عورت قرار دیا۔

خنثی کی دو قسمیں ہیں: مشکل وغیر مشکل۔ جس کے اندر مرد یا عورت ہونے کی علامات واضح ہوں اور معلوم ہو کہ وہ مرد ہے یا عورت تو وہ ”خنثی مشکل“ نہیں، بلکہ وہ زائد عضو والا مرد یا زائد عضو والی عورت ہوگی۔

۱۰۵- وراثت اور دوسرے مسائل میں اس کا حکم: اس کے اندر جس کی علامات ظاہر ہوں اس کا حکم اسی کے مطابق ہوگا، اور بقول فقہاء اعتبار اس کی پیشاب کی جگہ کا ہے، ابن المنذر نے کہا ہے: اہل علم جن کا قول ہمیں معلوم ہے ان کا اجماع ہے کہ خنثی کو اس کے پیشاب کی جگہ کا اعتبار کر کے وارث بنایا جائے گا، اگر وہ اس جگہ سے پیشاب کرے جہاں سے مرد کرتا ہے تو وہ مرد ہے، اور اگر اس جگہ سے پیشاب کرے جہاں سے عورت کرتی ہے تو وہ عورت ہے، یقول جن لوکوں سے مروی ہے ان میں حضرت علی، معاویہ، سعید بن مسیب، جابر بن زید، اہل کوفہ، اور بقیہ اہل علم ہیں۔

حضرت بن عباس سے مروی ہے کہ حضور ﷺ سے ایک بچہ جس کے پاس قبل (عورت کی شرمگاہ) اور ذکر (مرد کا عضو تناسل) دونوں تھا، اس کے بارے میں دریافت کیا گیا کہ اس کو کس جگہ کے اعتبار سے وارث بنایا جائے؟ آپ نے فرمایا: ”من حیث یبول“

(۱) شرح السراج ص ۳۰۳، جذب الفاضل ۲/ ۵۳، المغنی ۷/ ۱۱ طبع اول المنان الرحیمی ص ۲۱۔

(جہاں سے وہ پیشاب کرتا ہے)، اور مروی ہے کہ حضور ﷺ کے پاس انسا میں سے ایک خنثی لایا گیا تو آپ نے فرمایا: ”ودثوہ من اول ما یبول منه“ (۱) (اس کو اس جگہ سے وراثت دو، جہاں سے وہ پیشاب کرے)۔

نیز اس لئے کہ پیشاب کا نکلتا بہت عام علامت ہے، کیونکہ وہ چھوٹے بڑے ہر ایک کے ساتھ ہے، جب کہ بقیہ دوسری علامات بڑے ہو کر ظاہر ہوتی ہیں، مثلاً داڑھی کا نکلتا، پستان کی کولائی ظاہر ہونا، منی کا نکلتا، حیض آنا اور حمل ہونا۔ اور اگر وہ دونوں سے پیشاب کرے تو جمہور فقہاء کے یہاں اس جگہ کا اعتبار ہے جہاں سے پہلے پیشاب کرے۔

اگر دونوں جگہوں سے ایک ساتھ پیشاب کرے، کچھ بھی تقدم و تاخر نہ ہو تو امام احمد نے ایک روایت میں فرمایا: جس جگہ سے زیادہ پیشاب آئے وہاں سے وارث ہوگا، یہی اوزاعی، ابو یوسف اور محمد سے مروی ہے، امام ابو حنیفہ نے اس میں توقف کیا ہے اور امام شافعی نے (ایک صورت میں) اس کا اعتبار نہیں کیا ہے، اور اگر دونوں جگہوں سے برابر مقدار میں پیشاب نکلے تو امام ابو یوسف اور محمد نے کہا: ہم کو اس کا علم نہیں ہے اور حنابلہ نے کہا: اس حالت میں وہ مشکل ہوگا۔

۱۰۶- اگر خنثی کا مورث مر جائے تو جمہور فقہاء نے کہا: اس کا مسئلہ موقوف ہوگا یہاں تک کہ وہ بالغ ہو جائے، اور اس میں مردوں کی علامات ظاہر ہو جائیں، مثلاً داڑھی نکلتا، اس کے ذکر سے منی نکلتا، اور اس منی کا مردوں کی منی ہو یا عورتوں کی علامات حیض، حمل اور پستان کا دائرہ

(۱) حدیث ”ودثوہ من اول“..... کی تخریج ابن عدی نے کاف میں بہ طریق کلینی عن ابی صالح عن ابن عباس کی ہے، سنن (۶/ ۲۶۱ طبع حیدرآباد دکن) میں اس کی روایت کی ہے اور کہا ہے ”کلینی کا نقل استدلال نہیں“، اور ابن الجوزی نے المفوضات (۳/ ۲۳۰، شائع کردہ المکتبۃ المستقیمہ) میں اسے ذکر کیا ہے۔

حمل کی میراث:

۱۰۹- حمل من جملہ ورثاء کے ہے اگر یہ معلوم ہو کہ مورث کی موت کے وقت وہ شکم میں موجود تھا، اور وہ زندہ ماں کے پیٹ سے باہر آیا، شکم میں موجودگی کا علم اس وقت ہوگا، جب اس کی ولادت مورث کی موت کے بعد کم سے کم مدت حمل میں ہو، اور یہ مدت چھ ماہ کی ہے بشرطیکہ مورث کے وقت نکاح زوجین کے درمیان نکاح قائم رہا ہو، کیونکہ اقل مدت حمل بھی فقہاء کے یہاں چھ ماہ ہے۔

اگر عورت عدت میں ہو اور موت یا طلاق بائن کی وجہ سے فرقت واقع ہونے کے بعد دو سال کے اندر بچہ جنے تو یہ بچہ ورثاء میں سے ہے، یہی حنفیہ کا مذہب اور امام احمد کی ایک روایت ہے، امام احمد کے یہاں اصح یہ ہے کہ حمل کی اکثر مدت چار سال ہے اور یہی امام شافعی کا مذہب اور مالکیہ کے یہاں ایک قول ہے، مالکیہ کے یہاں دوسرا قول یہ ہے کہ اکثر مدت حمل پانچ سال ہے، اور مالکیہ میں سے محمد بن الحکم نے کہا کہ ایک سال ہے۔

اکثر مدت حمل کے بارے میں حنفیہ کی دلیل حضرت عائشہ کا یہ فرمان ہے: "لا یبقی الولد فی رحم أمہ اکثر من سنتین ولو بفلکة مغزل" (۱) (بچہ، رحم مادر میں دو سال سے زیادہ باقی نہیں رہتا، چہ خے کے دڑے کے بقدر بھی نہیں)۔ اور اس طرح کا علم رسول اللہ ﷺ سے سن کر ہی ہو سکتا ہے، قیاس سے نہیں (۲)۔

(۱) حدیث: "قالت عائشة: لا یبقی الولد فی رحم أمہ" کی روایت دارقطنی (۳/۳۲۲ طبع دارالحکامین قاہرہ) نے ان الفاظ میں کی ہے: "ما نزیل المرأة فی الحمل علی مسین ولا لقمو ما یصحول ظل عود هذا المغزل" (عورت کا حمل دو سال سے زیادہ نہیں ہوتا، اس چٹنی کی ٹکڑی کے سایہ کے کھونٹے کے بقدر بھی نہیں)، دارقطنی نے تقریباً قریب انہی الفاظ میں اس کو ذکر کیا ہے اور ان کے حوالہ سے بیہقی (۷/۳۳۳ طبع دار المعارف العثمانیہ) نے روایت کیا ہے۔

(۲) السراجیہ ص ۳۱۳، ۳۱۵۔

ظاہر ہوا، امام احمد نے میمون کی روایت میں اس کی تصریح کی ہے۔ اگر میراث تقسیم کرنے کی ضرورت پیش آئے تو اس کو اور بقیہ ورثاء کو یقینی مقدار دے دی جائے گی، اور بقیہ ترک اس کے بلوغ تک موقوف رکھا جائے گا، اور بوقت تقسیم ایک مرتبہ اس کو مردمان کو بنایا جائے گا، پھر اس کو عورت مان کر بنایا جائے گا، اور ہر وارث کو دونوں صورتوں میں کم سے کم ملنے والا جو حصہ ہوگا وہ دیا جائے گا اور باقی اس کے بلوغ تک موقوف کر دیا جائے گا۔

۱۰۷- اگر وہ قبل از بلوغ مر جائے، یا بلوغ کے وقت خنثی مشکل ہو، جس میں کوئی علامت ظاہر نہ ہو تو حنا بلہ کے نزدیک مرد کی میراث کا نصف اور عورت کی میراث کا نصف اس کو وراثت میں دیا جائے گا، اور یہی ابن عباس، شعبی، ابن ابی لیلیٰ، اہل مدینہ و مکہ، ثوری، نووی، شریک، حسن بن صالح، ابو یوسف، یحییٰ بن آدم، ضرار بن جرد، اور نعیم بن حماد کا قول ہے، امام ابو حنیفہ نے اس کو "أَسْوَأُ" (برے سے برے) حالات کے اعتبار اور حال کا وارث بنایا ہے، اور باقی مال بقیہ ورثاء کو دیا ہے، امام شافعی اور ان کے موافقین نے اس کو یقینی مقدار دی ہے، اور باقی مال کو موقوف کر دیا تا آن کہ اس کا معاملہ واضح ہو جائے، یا ورثاء صلح کر لیں اور یہی قول، ابو ثور، داؤد، اور ابن جریر کا ہے، اس مسئلہ میں اور بھی شاذ اقوال ہیں (۱)۔

۱۰۸- اگر خنثی حیض یا منی یا مردوں یا عورتوں کی طرف میلان کی خبر دے تو اس کی بات تسلیم کی جائے گی لیکن اس کے بعد اس کا رجوع مقبول نہیں، الا یہ کہ کذب یقینی طور پر کھل جائے مثلاً اپنے مرد ہونے کی خبر دے، پھر اس نے بچہ جنا، تو اس کے سابقہ قول پر عمل متروک ہے (۲)۔

(۱) المغنی ۷/۱۱۳-۱۱۵ طبع المنار، السراجیہ ص ۳۰۳، اور اس کے بعد کے صفحات، المشرح الکبیر مع حاشیۃ الدبوتی ۳/۵۳۳، شرح الرہرہ ص ۳۱۸۔

(۲) السراجیہ ص ۳۰۶۔

اکثر مدت حمل کے بارے میں شافعیہ کی دلیل استقراء ہے، نیز یہ کہ حضرت عمر نے مفتوک کی بیوی کے بارے میں فرمایا: "تتربص أربع سنين ثم تعتد بعد ذلك" (وہ چار سال تک انتظار کرے، اس کے بعد عدت گزارے) اور چار سال مقرر کرنے کا سبب یہ ہے کہ آخری مدت حمل یہی ہے (۱)۔

ابن رشد نے کہا: اس مسئلہ میں عادت اور تجربہ کی طرف رجوع کیا جائے گا، اور ابن عبدالحکم کا قول عادت کے زیادہ قریب ہے، حکم عادی اور عادت کے موافق امر پر لگانا واجب ہے ماد پر حکم نہیں لگتا، جب کہ وہ محال بھی ہو سکتا ہے (۲)۔

۱۱۰- اگر میت وراثہ میں حمل کو چھوڑ کر مرے تو اس کے ظہور تک حکم موقوف ہوگا، اگر وراثہ میراث تقسیم کرنے کا مطالبہ کریں تو بالاتفاق ان کو پورا مال نہیں دیا جائے گا، البتہ حمل کی وجہ سے جس کی میراث کم نہیں ہوگی اس کو پورا حصہ دیا جائے گا، اور حمل کی وجہ سے جس کا حصہ کم ہو جائے گا اس کو اس کا کم سے کم حصہ دیا جائیگا اور جو حمل کی وجہ سے سابقہ اور محرم ہو جائے گا، اس کو کچھ نہیں دیا جائے گا۔

۱۱۱- حمل وارث ہوگا اگر اقل مدت حمل میں پیدا ہو، نیز پیچھے جو اختلاف ذکر کیا گیا اس کی رعایت کے ساتھ اکثر مدت حمل میں پیدا ہو تو بھی وارث ہوگا اور اگر اس کے بعد پیدا ہو تو وراثہ کے قرار کے بغیر وارث نہیں ہوگا۔

۱۱۲- حمل دو شرطوں سے وارث ہوتا ہے:

شرط اول: زندہ پیدا ہوتا کہ بوقت ولادت اس کی زندگی کو شکم

مادر میں اس کی زندگی کا تسلسل اور زندگی کی دلیل مانا جائے فرمان نبوی ہے: "إذا استهل المولود ورث" (اگر نومولود بچہ چلائے تو وارث ہوگا) (۱)۔ اور سعید بن مسیب، جابر بن عبد اللہ اور مسور بن مخرمہ کا قول نقل کرتے ہیں: "قضى رسول الله ﷺ: لا يرث الصبي حتى يستهل" (۲) (رسول اللہ ﷺ نے فیصلہ کیا کہ بچہ وارث نہیں ہوگا یہاں تک کہ چلائے)۔

اگر بچہ مردہ پیدا ہو اس حال میں کہ اس کی ماں پر کوئی زیادتی نہ ہوئی ہو (یعنی اس کو کسی نے مارا پینا نہ ہو) اور ولادت سے قبل اس کے زندہ ہونے کی دلیل بھی نہ ہو تو بالاتفاق فقہاء وہ وارث نہیں ہوگا، اس لئے کہ میراث کی شرط وارث کا باحیات ہونا ہے، اور اگر ماں پر کسی زیادتی (مارپیٹ وغیرہ) کی وجہ سے شکم سے گر گیا تو بھی جمہور فقہاء کے نزدیک وارث نہیں ہوگا، کیونکہ اس کی زندگی کی کوئی دلیل نہیں، اور حنفیہ کی رائے یہ ہے کہ وہ وارث ہوگا، اس لئے کہ شریعت نے اس کو اس جرم اور ظلم و زیادتی سے قبل زندہ سمجھا ہے کیونکہ زیادتی کرنے والے پر "غرہ" واجب کیا ہے، اور "غرہ" کا وجوب زندہ پر ظلم و زیادتی کی وجہ سے ہے، مردہ پر زیادتی کی وجہ سے نہیں، اسی طرح وہ ان کے نزدیک اپنے مرنے والے مورث کا وارث ہوگا جس کی موت اس حمل سے ماں کے پیٹ کے اندر پائے جانے کے حال میں ہوئی اور پھر (جب وہ ماں کے پیٹ سے مردہ باہر آیا) تو اس کے وراثہ وارث ہوں گے۔

۱۱۳- حنفیہ کے نزدیک اکثر حمل کا زندہ ٹکنا کافی ہے، اگر اس کا ٹکنا

(۱) حدیث: "إذا استهل المولود ورث" کی روایت ابو داؤد (۳۸/۸۷ طبع المطبعة الانصاریہ دہلی) اور ان سے بیہقی (۲۵۷/۶) طبع دائرة المعارف العثمانیہ نے کی ہے۔

(۲) حدیث: "لا يرث الصبي حتى يستهل" کی روایت ابن ماجہ (حدیث: ۵۱/۲۷ طبع عیسیٰ الخلیسی) نے بروایت جابر اور مسور بن مخرمہ کی ہے۔

(۱) شرح الروض ۳۸/۳ طبع المکتبۃ الاسلامیہ۔

(۲) ابن رشد ۳۸/۲ طبع الخلیسی۔ کہیں کی رائے یہ ہے کہ ابن عبدالحکم کی رائے طبی فیصلہ کے زیادہ قریب ہے، اور اس طرح کے امور میں ماہرین سے رجوع کیا جاتا ہے۔

روایت یہ ہے کہ آواز، حرکت، دودھ پینے یا کسی اور چیز سے اگر اس کی زندگی کا علم ہو جائے تو وارث ہوگا اور اس کے لئے استہلال کے احکام ثابت ہوں گے، اس لئے کہ وہ زندہ ہے، یہی قول ثوری، اوزاعی، ثنائی، ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب کا ہے (۱)۔

شرط دوم: اس کو عدت کے دوران جنے، اگر عدت ختم ہونے کا اقرار کرے پھر چھ ماہ سے کم میں اس کو جنے تو اس کو جھوٹا کہا جائے گا اور وہ بچہ وارث ہوگا، اور عدت ختم ہونے کے دعوے میں اس کا جھوٹا ہونا ظاہر ہو جائے گا، اور اگر عدت ختم ہونے کا اقرار نہ کرے، اور اکثر مدت حمل کی تکمیل، یا اس سے کم میں اس کو جنے تو وہ وارث ہوگا، اس لئے کہ ظاہر ہو گیا کہ یہ نطفہ موت سے قبل قرار پا گیا تھا۔

اگر اکثر مدت حمل (اس اختلاف کی رعایت کے ساتھ جس کا تذکرہ پیچھے گذرا) کے بعد اس کو جنے تو وارث نہیں، کیونکہ یہ واضح ہو گیا کہ یہ نطفہ موت کے بعد قرار پایا ہے۔

۱۱۳- اگر میت کے ورثاء میں حمل ہو، اور اس کا ترکہ تقسیم کرنا چاہیں تو امام ابوحنیفہ کے نزدیک حمل کے لئے چار بیٹوں، یا چار بیٹیوں کے حصوں میں سے جو زندہ ہو اس کو حمل کے لئے موقوف کر دیں گے، اور بقیہ ورثاء کو کم سے کم جو حصہ ہو وہ دیا جائے، یہی مالکیہ کا مذہب اور شافعیہ کے یہاں صحیح کے بالمقابل ہے، شافعیہ کے یہاں صحیح یہ ہے کہ اس کا کوئی ضابطہ نہیں، زائد سے زائد حصے کی مثال یہ ہے کہ میت نے حاملہ بیوی اور چچایا بھائی چھوڑا اور بیٹیوں کے زائد سے زائد حصہ کی مثال یہ ہے کہ میت نے حاملہ بیوی اور ماں باپ کو چھوڑا، تو مسئلہ چوتیس سے ہوگا، زوجہ کے لئے شمن (آنکھوں) ماں باپ کے لئے ایک ایک چھٹا حصہ، تیرہ باقی بچے گا، اور یہ مصبات کے لئے ہے اگر چار بیٹے فرض کیے جائیں، اگر چار بیٹیاں فرض کی جائیں تو ان کے لئے شائین (سولہ) ہوگا۔

سیدھے ہو اور سر کی جانب سے ہو اور وہ زندہ رہا یہاں تک اس کا سینہ پورا نکل گیا یا اس کا ٹکٹا اٹنے ہو کر پاؤں کی طرف سے ہو اور وہ زندہ باقی رہا یہاں تک کہ اس کی ناف ظاہر ہو گئی پھر مر گیا تو ان کے نزدیک وارث ہوگا، اس لئے کہ اکثر کے لئے کل کا حکم ہوتا ہے (۱)۔

ائمہ ثلاثہ کے یہاں شرط یہ ہے کہ اس کی مکمل ولادت زندہ ہونے کی حالت میں ہو، اس کی زندگی کی شناخت آواز کے ساتھ اس کے چیخنے سے ہوگی، چیخنے کے علاوہ دوسری چیزوں کے بارے میں فقہاء کا اختلاف ہے ایک جماعت نے کہا: جب تک آواز نہ کرے وارث نہیں ہوگا، کوئی علامت اس کے قائم مقام نہیں، پھر استہلال سے مراد کیا ہے؟ مختلف فیہ ہے: ایک جماعت نے کہا: اگر چیخے تو وارث ہوگا، یہی امام احمد کی مشہور روایت ہے، اور بہت سے صحابہ و تابعین سے یہی مروی ہے، ان کا استدلال اس حدیث کے مفہوم سے ہے: "إذا استهل المولود ورث" (۲) (نومولود اگر استہلال کرے تو وارث ہوگا)۔

اس حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ استہلال کے بغیر وارث نہیں ہوگا، نیز اس لئے کہ استہلال (چیخنا) زندہ آدمی سے ہوتا ہے، جبکہ حرکت وغیرہ غیر زندہ سے بھی ہوتی ہے، امام احمد سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا: اگر سقط (ناقص بچہ) استہلال کرے تو وارث ہوگا، اور دوسرے اس کے وارث ہوں گے، دریافت کیا گیا کہ استہلال کیا ہے؟ فرمایا: چیخے، یا چھینکے یا روئے، اس لحاظ سے بچہ سے آنے والی ہر آواز جس سے اس کی زندگی کا علم ہو، استہلال ہے، یہی زہری اور قاسم بن محمد کا قول ہے، کیونکہ یہ ایسی آواز ہے جس سے اس کی زندگی کا علم ہوتا ہے، اس لئے وہ چیخنے کے مشابہ ہے، امام احمد کی تیسری

(۱) السراجہ ص ۳۲۱، ۳۲۲۔

(۲) حدیث کی تحریر بخفیرہ نمبر ۱۱۲ کے حاشیہ میں گذر چکی ہے۔

(۱) المغنی ۷/ ۱۹۷-۲۰۰ طبع اول۔

عرف کا اعتبار ہوگا، ایک قول یہ ہے کہ ایک ماہ سے کم ہو تو قریب سے، اور امام ابو یوسف کی روایت کے مطابق قاضی ورناء سے کفیل کا مطالبہ کرے گا، اگر ایک سے زائد کا حمل ہو تو وہ ذمہ دار ہوگا (۱)۔

امام احمد کا مذہب جو امام ابو یوسف اور امام محمد میں سے ہر ایک کی ایک روایت ہے (جیسا کہ گذار) کہ حمل کے لئے دو لڑکوں یا دو لڑکیوں میں سے جس کا حصہ زیادہ ہو موقوف ہوگا، اس کی وجہ یہ بتائی گئی ہے کہ جڑواں بچوں کی پیدائش عادتاً بہت ہوتی ہے، اور اس سے زائد کی پیدائش نادر ہے، اور مادر پر حکم کی بنیاد نہیں ہوتی، اور دو لڑکوں یا دو لڑکیوں میں سے زائد حصہ کو روکنے کا ضابطہ یہ ہے کہ اگر فرض (ایک تہائی) سے زائد ہوں تو عورتوں کا حصہ زیادہ ہوگا، اس لئے کہ ان کے لئے شائین (دو تہائی) مقرر ہوگا، اور ہر ایک پر حصوں کے تناسب سے کمی واقع ہوگی، اور اگر فرض ثلث سے کم ہوں تو دو لڑکوں کی میراث زیادہ ہوگی، اور اگر فرض برابر ہوں، مثلاً میت کے ماں باپ اور حمل تو دو مذکر و مؤنث کی میراث برابر ہوگی۔

گمشدہ کی میراث:

۱۱۶- مفقود کا لغوی معنی معدوم ہے (۲)۔

اصطلاح میں: ایسا غائب جس کی کوئی خبر نہ ہو، اور جس کے جینے یا مرنے کسی چیز کا کوئی علم نہ ہو (۳)۔ اور شمس الائمہ نے اس کی تفسیر ان الفاظ میں کی ہے: ایسے موجود شخص کا نام ہے جو اپنے ابتدائی حال کے اعتبار سے زندہ، لیکن اپنے انجام کے اعتبار سے مردہ کی طرح

پھر جب بچہ ہو جائے اور اشتباہ ختم ہو جائے تو اگر وہ اس پورے مال کا مستحق ہو جو اس کے لئے روکا گیا تھا تو اسے لے لے گا، اور معاملہ ختم ہو جائے گا، اور اگر بعض کا مستحق ہو تو وہ اپنا حصہ لے لے گا، باقی ورناء کے درمیان تقسیم کر دیا جائے گا، اور ہر وارث کا جس قدر حصہ موقوف تھا اس کو دے دیا جائے گا۔

امام ابو حنیفہ اور ان کے موافقین کا مذہب ہی شریک نفعی کا مذہب ہے، انہوں نے کہا ہے: میں نے کوفہ میں ایک شکم میں ابو اسماعیل کے چار بیٹے دیکھے، متقدمین میں سے کسی سے منقول نہیں کہ کسی عورت نے ایک ساتھ اس سے زیادہ بچے جنم دیے ہیں۔

امام محمد کے نزدیک تین بیٹوں، یا تین بیٹیوں میں جس کا حصہ زیادہ ہو موقوف ہوگا، امام محمد سے اس کو نقل کرنے والے لیث بن سعد ہیں، امام محمد کی روایت میں ہے کہ دو بیٹوں یا دو بیٹیوں میں سے جس کا حصہ زائد ہو روکا جائے گا، یہی امام ابو یوسف سے ایک روایت ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ ایک بطن میں چار بچوں کی پیدائش حد درجہ نادر ہے، لہذا اس پر حکم کی بنیاد نہیں رکھی جائے گی، بلکہ فی الجملہ جو عادتاً ہوتا ہے یعنی دو کی ولادت، وہ حکم کی بنیاد بنے گا، اور خصاص نے امام ابو یوسف سے نقل کیا ہے کہ ایک بیٹے، یا ایک بیٹی کے حصے میں سے جو زائد ہو اس کو موقوف کیا جائے گا، اور اسی پر فتویٰ ہے، کیونکہ غالب معتاد یہ ہے کہ عورت ایک بطن میں ایک ہی بچہ جنم دیتی ہے، لہذا حکم کی بنیاد اسی پر ہوگی تا آنکہ برخلاف کا علم ہو۔

۱۱۵- فتویٰ اہل سمرقند میں لکھا ہے: اگر ولادت قریب ہو تو تقسیم حمل کی وجہ سے روک دی جائے گی، کیونکہ جلدی کرنے میں اندیشہ ہے کہ بچہ پیدا ہونے کے بعد یہ تقسیم خلاف واقع ہونے کی وجہ سے لغو ہو جائے، اور اگر ولادت دور ہو تو موقوف نہیں ہوگی، کیونکہ اس میں بقیہ ورناء کا نقصان ہے قریب ہونے کی کوئی مدت معین نہیں، بلکہ

(۱) السراجیہ ص ۳۱۷، ۳۱۸، المرہوتی ۸/۳۳۳ طبع بولاق، روحۃ الملائکین

۳۹۶، ۳۹۷، ۳۹۸، ۳۹۹، ۴۰۰، ۴۰۱، ۴۰۲، ۴۰۳، ۴۰۴، ۴۰۵، ۴۰۶، ۴۰۷، ۴۰۸، ۴۰۹، ۴۱۰، ۴۱۱، ۴۱۲، ۴۱۳، ۴۱۴، ۴۱۵، ۴۱۶، ۴۱۷، ۴۱۸، ۴۱۹، ۴۲۰، ۴۲۱، ۴۲۲، ۴۲۳، ۴۲۴، ۴۲۵، ۴۲۶، ۴۲۷، ۴۲۸، ۴۲۹، ۴۳۰، ۴۳۱، ۴۳۲، ۴۳۳، ۴۳۴، ۴۳۵، ۴۳۶، ۴۳۷، ۴۳۸، ۴۳۹، ۴۴۰، ۴۴۱، ۴۴۲، ۴۴۳، ۴۴۴، ۴۴۵، ۴۴۶، ۴۴۷، ۴۴۸، ۴۴۹، ۴۵۰، ۴۵۱، ۴۵۲، ۴۵۳، ۴۵۴، ۴۵۵، ۴۵۶، ۴۵۷، ۴۵۸، ۴۵۹، ۴۶۰، ۴۶۱، ۴۶۲، ۴۶۳، ۴۶۴، ۴۶۵، ۴۶۶، ۴۶۷، ۴۶۸، ۴۶۹، ۴۷۰، ۴۷۱، ۴۷۲، ۴۷۳، ۴۷۴، ۴۷۵، ۴۷۶، ۴۷۷، ۴۷۸، ۴۷۹، ۴۸۰، ۴۸۱، ۴۸۲، ۴۸۳، ۴۸۴، ۴۸۵، ۴۸۶، ۴۸۷، ۴۸۸، ۴۸۹، ۴۹۰، ۴۹۱، ۴۹۲، ۴۹۳، ۴۹۴، ۴۹۵، ۴۹۶، ۴۹۷، ۴۹۸، ۴۹۹، ۵۰۰، ۵۰۱، ۵۰۲، ۵۰۳، ۵۰۴، ۵۰۵، ۵۰۶، ۵۰۷، ۵۰۸، ۵۰۹، ۵۱۰، ۵۱۱، ۵۱۲، ۵۱۳، ۵۱۴، ۵۱۵، ۵۱۶، ۵۱۷، ۵۱۸، ۵۱۹، ۵۲۰، ۵۲۱، ۵۲۲، ۵۲۳، ۵۲۴، ۵۲۵، ۵۲۶، ۵۲۷، ۵۲۸، ۵۲۹، ۵۳۰، ۵۳۱، ۵۳۲، ۵۳۳، ۵۳۴، ۵۳۵، ۵۳۶، ۵۳۷، ۵۳۸، ۵۳۹، ۵۴۰، ۵۴۱، ۵۴۲، ۵۴۳، ۵۴۴، ۵۴۵، ۵۴۶، ۵۴۷، ۵۴۸، ۵۴۹، ۵۵۰، ۵۵۱، ۵۵۲، ۵۵۳، ۵۵۴، ۵۵۵، ۵۵۶، ۵۵۷، ۵۵۸، ۵۵۹، ۵۶۰، ۵۶۱، ۵۶۲، ۵۶۳، ۵۶۴، ۵۶۵، ۵۶۶، ۵۶۷، ۵۶۸، ۵۶۹، ۵۷۰، ۵۷۱، ۵۷۲، ۵۷۳، ۵۷۴، ۵۷۵، ۵۷۶، ۵۷۷، ۵۷۸، ۵۷۹، ۵۸۰، ۵۸۱، ۵۸۲، ۵۸۳، ۵۸۴، ۵۸۵، ۵۸۶، ۵۸۷، ۵۸۸، ۵۸۹، ۵۹۰، ۵۹۱، ۵۹۲، ۵۹۳، ۵۹۴، ۵۹۵، ۵۹۶، ۵۹۷، ۵۹۸، ۵۹۹، ۶۰۰، ۶۰۱، ۶۰۲، ۶۰۳، ۶۰۴، ۶۰۵، ۶۰۶، ۶۰۷، ۶۰۸، ۶۰۹، ۶۱۰، ۶۱۱، ۶۱۲، ۶۱۳، ۶۱۴، ۶۱۵، ۶۱۶، ۶۱۷، ۶۱۸، ۶۱۹، ۶۲۰، ۶۲۱، ۶۲۲، ۶۲۳، ۶۲۴، ۶۲۵، ۶۲۶، ۶۲۷، ۶۲۸، ۶۲۹، ۶۳۰، ۶۳۱، ۶۳۲، ۶۳۳، ۶۳۴، ۶۳۵، ۶۳۶، ۶۳۷، ۶۳۸، ۶۳۹، ۶۴۰، ۶۴۱، ۶۴۲، ۶۴۳، ۶۴۴، ۶۴۵، ۶۴۶، ۶۴۷، ۶۴۸، ۶۴۹، ۶۵۰، ۶۵۱، ۶۵۲، ۶۵۳، ۶۵۴، ۶۵۵، ۶۵۶، ۶۵۷، ۶۵۸، ۶۵۹، ۶۶۰، ۶۶۱، ۶۶۲، ۶۶۳، ۶۶۴، ۶۶۵، ۶۶۶، ۶۶۷، ۶۶۸، ۶۶۹، ۶۷۰، ۶۷۱، ۶۷۲، ۶۷۳، ۶۷۴، ۶۷۵، ۶۷۶، ۶۷۷، ۶۷۸، ۶۷۹، ۶۸۰، ۶۸۱، ۶۸۲، ۶۸۳، ۶۸۴، ۶۸۵، ۶۸۶، ۶۸۷، ۶۸۸، ۶۸۹، ۶۹۰، ۶۹۱، ۶۹۲، ۶۹۳، ۶۹۴، ۶۹۵، ۶۹۶، ۶۹۷، ۶۹۸، ۶۹۹، ۷۰۰، ۷۰۱، ۷۰۲، ۷۰۳، ۷۰۴، ۷۰۵، ۷۰۶، ۷۰۷، ۷۰۸، ۷۰۹، ۷۱۰، ۷۱۱، ۷۱۲، ۷۱۳، ۷۱۴، ۷۱۵، ۷۱۶، ۷۱۷، ۷۱۸، ۷۱۹، ۷۲۰، ۷۲۱، ۷۲۲، ۷۲۳، ۷۲۴، ۷۲۵، ۷۲۶، ۷۲۷، ۷۲۸، ۷۲۹، ۷۳۰، ۷۳۱، ۷۳۲، ۷۳۳، ۷۳۴، ۷۳۵، ۷۳۶، ۷۳۷، ۷۳۸، ۷۳۹، ۷۴۰، ۷۴۱، ۷۴۲، ۷۴۳، ۷۴۴، ۷۴۵، ۷۴۶، ۷۴۷، ۷۴۸، ۷۴۹، ۷۵۰، ۷۵۱، ۷۵۲، ۷۵۳، ۷۵۴، ۷۵۵، ۷۵۶، ۷۵۷، ۷۵۸، ۷۵۹، ۷۶۰، ۷۶۱، ۷۶۲، ۷۶۳، ۷۶۴، ۷۶۵، ۷۶۶، ۷۶۷، ۷۶۸، ۷۶۹، ۷۷۰، ۷۷۱، ۷۷۲، ۷۷۳، ۷۷۴، ۷۷۵، ۷۷۶، ۷۷۷، ۷۷۸، ۷۷۹، ۷۸۰، ۷۸۱، ۷۸۲، ۷۸۳، ۷۸۴، ۷۸۵، ۷۸۶، ۷۸۷، ۷۸۸، ۷۸۹، ۷۹۰، ۷۹۱، ۷۹۲، ۷۹۳، ۷۹۴، ۷۹۵، ۷۹۶، ۷۹۷، ۷۹۸، ۷۹۹، ۸۰۰، ۸۰۱، ۸۰۲، ۸۰۳، ۸۰۴، ۸۰۵، ۸۰۶، ۸۰۷، ۸۰۸، ۸۰۹، ۸۱۰، ۸۱۱، ۸۱۲، ۸۱۳، ۸۱۴، ۸۱۵، ۸۱۶، ۸۱۷، ۸۱۸، ۸۱۹، ۸۲۰، ۸۲۱، ۸۲۲، ۸۲۳، ۸۲۴، ۸۲۵، ۸۲۶، ۸۲۷، ۸۲۸، ۸۲۹، ۸۳۰، ۸۳۱، ۸۳۲، ۸۳۳، ۸۳۴، ۸۳۵، ۸۳۶، ۸۳۷، ۸۳۸، ۸۳۹، ۸۴۰، ۸۴۱، ۸۴۲، ۸۴۳، ۸۴۴، ۸۴۵، ۸۴۶، ۸۴۷، ۸۴۸، ۸۴۹، ۸۵۰، ۸۵۱، ۸۵۲، ۸۵۳، ۸۵۴، ۸۵۵، ۸۵۶، ۸۵۷، ۸۵۸، ۸۵۹، ۸۶۰، ۸۶۱، ۸۶۲، ۸۶۳، ۸۶۴، ۸۶۵، ۸۶۶، ۸۶۷، ۸۶۸، ۸۶۹، ۸۷۰، ۸۷۱، ۸۷۲، ۸۷۳، ۸۷۴، ۸۷۵، ۸۷۶، ۸۷۷، ۸۷۸، ۸۷۹، ۸۸۰، ۸۸۱، ۸۸۲، ۸۸۳، ۸۸۴، ۸۸۵، ۸۸۶، ۸۸۷، ۸۸۸، ۸۸۹، ۸۹۰، ۸۹۱، ۸۹۲، ۸۹۳، ۸۹۴، ۸۹۵، ۸۹۶، ۸۹۷، ۸۹۸، ۸۹۹، ۹۰۰، ۹۰۱، ۹۰۲، ۹۰۳، ۹۰۴، ۹۰۵، ۹۰۶، ۹۰۷، ۹۰۸، ۹۰۹، ۹۱۰، ۹۱۱، ۹۱۲، ۹۱۳، ۹۱۴، ۹۱۵، ۹۱۶، ۹۱۷، ۹۱۸، ۹۱۹، ۹۲۰، ۹۲۱، ۹۲۲، ۹۲۳، ۹۲۴، ۹۲۵، ۹۲۶، ۹۲۷، ۹۲۸، ۹۲۹، ۹۳۰، ۹۳۱، ۹۳۲، ۹۳۳، ۹۳۴، ۹۳۵، ۹۳۶، ۹۳۷، ۹۳۸، ۹۳۹، ۹۴۰، ۹۴۱، ۹۴۲، ۹۴۳، ۹۴۴، ۹۴۵، ۹۴۶، ۹۴۷، ۹۴۸، ۹۴۹، ۹۵۰، ۹۵۱، ۹۵۲، ۹۵۳، ۹۵۴، ۹۵۵، ۹۵۶، ۹۵۷، ۹۵۸، ۹۵۹، ۹۶۰، ۹۶۱، ۹۶۲، ۹۶۳، ۹۶۴، ۹۶۵، ۹۶۶، ۹۶۷، ۹۶۸، ۹۶۹، ۹۷۰، ۹۷۱، ۹۷۲، ۹۷۳، ۹۷۴، ۹۷۵، ۹۷۶، ۹۷۷، ۹۷۸، ۹۷۹، ۹۸۰، ۹۸۱، ۹۸۲، ۹۸۳، ۹۸۴، ۹۸۵، ۹۸۶، ۹۸۷، ۹۸۸، ۹۸۹، ۹۹۰، ۹۹۱، ۹۹۲، ۹۹۳، ۹۹۴، ۹۹۵، ۹۹۶، ۹۹۷، ۹۹۸، ۹۹۹، ۱۰۰۰، ۱۰۰۱، ۱۰۰۲، ۱۰۰۳، ۱۰۰۴، ۱۰۰۵، ۱۰۰۶، ۱۰۰۷، ۱۰۰۸، ۱۰۰۹، ۱۰۱۰، ۱۰۱۱، ۱۰۱۲، ۱۰۱۳، ۱۰۱۴، ۱۰۱۵، ۱۰۱۶، ۱۰۱۷، ۱۰۱۸، ۱۰۱۹، ۱۰۲۰، ۱۰۲۱، ۱۰۲۲، ۱۰۲۳، ۱۰۲۴، ۱۰۲۵، ۱۰۲۶، ۱۰۲۷، ۱۰۲۸، ۱۰۲۹، ۱۰۳۰، ۱۰۳۱، ۱۰۳۲، ۱۰۳۳، ۱۰۳۴، ۱۰۳۵، ۱۰۳۶، ۱۰۳۷، ۱۰۳۸، ۱۰۳۹، ۱۰۴۰، ۱۰۴۱، ۱۰۴۲، ۱۰۴۳، ۱۰۴۴، ۱۰۴۵، ۱۰۴۶، ۱۰۴۷، ۱۰۴۸، ۱۰۴۹، ۱۰۵۰، ۱۰۵۱، ۱۰۵۲، ۱۰۵۳، ۱۰۵۴، ۱۰۵۵، ۱۰۵۶، ۱۰۵۷، ۱۰۵۸، ۱۰۵۹، ۱۰۶۰، ۱۰۶۱، ۱۰۶۲، ۱۰۶۳، ۱۰۶۴، ۱۰۶۵، ۱۰۶۶، ۱۰۶۷، ۱۰۶۸، ۱۰۶۹، ۱۰۷۰، ۱۰۷۱، ۱۰۷۲، ۱۰۷۳، ۱۰۷۴، ۱۰۷۵، ۱۰۷۶، ۱۰۷۷، ۱۰۷۸، ۱۰۷۹، ۱۰۸۰، ۱۰۸۱، ۱۰۸۲، ۱۰۸۳، ۱۰۸۴، ۱۰۸۵، ۱۰۸۶، ۱۰۸۷، ۱۰۸۸، ۱۰۸۹، ۱۰۹۰، ۱۰۹۱، ۱۰۹۲، ۱۰۹۳، ۱۰۹۴، ۱۰۹۵، ۱۰۹۶، ۱۰۹۷، ۱۰۹۸، ۱۰۹۹، ۱۱۰۰، ۱۱۰۱، ۱۱۰۲، ۱۱۰۳، ۱۱۰۴، ۱۱۰۵، ۱۱۰۶، ۱۱۰۷، ۱۱۰۸، ۱۱۰۹، ۱۱۱۰، ۱۱۱۱، ۱۱۱۲، ۱۱۱۳، ۱۱۱۴، ۱۱۱۵، ۱۱۱۶، ۱۱۱۷، ۱۱۱۸، ۱۱۱۹، ۱۱۲۰، ۱۱۲۱، ۱۱۲۲، ۱۱۲۳، ۱۱۲۴، ۱۱۲۵، ۱۱۲۶، ۱۱۲۷، ۱۱۲۸، ۱۱۲۹، ۱۱۳۰، ۱۱۳۱، ۱۱۳۲، ۱۱۳۳، ۱۱۳۴، ۱۱۳۵، ۱۱۳۶، ۱۱۳۷، ۱۱۳۸، ۱۱۳۹، ۱۱۴۰، ۱۱۴۱، ۱۱۴۲، ۱۱۴۳، ۱۱۴۴، ۱۱۴۵، ۱۱۴۶، ۱۱۴۷، ۱۱۴۸، ۱۱۴۹، ۱۱۵۰، ۱۱۵۱، ۱۱۵۲، ۱۱۵۳، ۱۱۵۴، ۱۱۵۵، ۱۱۵۶، ۱۱۵۷، ۱۱۵۸، ۱۱۵۹، ۱۱۶۰، ۱۱۶۱، ۱۱۶۲، ۱۱۶۳، ۱۱۶۴، ۱۱۶۵، ۱۱۶۶، ۱۱۶۷، ۱۱۶۸، ۱۱۶۹، ۱۱۷۰، ۱۱۷۱، ۱۱۷۲، ۱۱۷۳، ۱۱۷۴، ۱۱۷۵، ۱۱۷۶، ۱۱۷۷، ۱۱۷۸، ۱۱۷۹، ۱۱۸۰، ۱۱۸۱، ۱۱۸۲، ۱۱۸۳، ۱۱۸۴، ۱۱۸۵، ۱۱۸۶، ۱۱۸۷، ۱۱۸۸، ۱۱۸۹، ۱۱۹۰، ۱۱۹۱، ۱۱۹۲، ۱۱۹۳، ۱۱۹۴، ۱۱۹۵، ۱۱۹۶، ۱۱۹۷، ۱۱۹۸، ۱۱۹۹، ۱۲۰۰، ۱۲۰۱، ۱۲۰۲، ۱۲۰۳، ۱۲۰۴، ۱۲۰۵، ۱۲۰۶، ۱۲۰۷، ۱۲۰۸، ۱۲۰۹، ۱۲۱۰، ۱۲۱۱، ۱۲۱۲، ۱۲۱۳، ۱۲۱۴، ۱۲۱۵، ۱۲۱۶، ۱۲۱۷، ۱۲۱۸، ۱۲۱۹، ۱۲۲۰، ۱۲۲۱، ۱۲۲۲، ۱۲۲۳، ۱۲۲۴، ۱۲۲۵، ۱۲۲۶، ۱۲۲۷، ۱۲۲۸، ۱۲۲۹، ۱۲۳۰، ۱۲۳۱، ۱۲۳۲، ۱۲۳۳، ۱۲۳۴، ۱۲۳۵، ۱۲۳۶، ۱۲۳۷، ۱۲۳۸، ۱۲۳۹، ۱۲۴۰، ۱۲۴۱، ۱۲۴۲، ۱۲۴۳، ۱۲۴۴، ۱۲۴۵، ۱۲۴۶، ۱۲۴۷، ۱۲۴۸، ۱۲۴۹، ۱۲۵۰، ۱۲۵۱، ۱۲۵۲، ۱۲۵۳، ۱۲۵۴، ۱۲۵۵، ۱۲۵۶، ۱۲۵۷، ۱۲۵۸، ۱۲۵۹، ۱۲۶۰، ۱۲۶۱، ۱۲۶۲، ۱۲۶۳، ۱۲۶۴، ۱۲۶۵، ۱۲۶۶، ۱۲۶۷، ۱۲۶۸، ۱۲۶۹، ۱۲۷۰، ۱۲۷۱، ۱۲۷۲، ۱۲۷۳، ۱۲۷۴، ۱۲۷۵، ۱۲۷۶، ۱۲۷۷، ۱۲۷۸، ۱۲۷۹، ۱۲۸۰، ۱۲۸۱، ۱۲۸۲، ۱۲۸۳، ۱۲۸۴، ۱۲۸۵، ۱۲۸۶، ۱۲۸۷، ۱۲۸۸، ۱۲۸۹، ۱۲۹۰، ۱۲۹۱، ۱۲۹۲، ۱۲۹۳، ۱۲۹۴، ۱۲۹۵، ۱۲۹۶، ۱۲۹۷، ۱۲۹۸، ۱۲۹۹، ۱۳۰۰، ۱۳۰۱، ۱۳۰۲، ۱۳۰۳، ۱۳۰۴، ۱۳۰۵، ۱۳۰۶، ۱۳۰۷، ۱۳۰۸، ۱۳۰۹، ۱۳۱۰، ۱۳۱۱، ۱۳۱۲، ۱۳۱۳، ۱۳۱۴، ۱۳۱۵، ۱۳۱۶، ۱۳۱۷، ۱۳۱۸، ۱۳۱۹، ۱۳۲۰، ۱۳۲۱، ۱۳۲۲، ۱۳۲۳، ۱۳۲۴، ۱۳۲۵، ۱۳۲۶، ۱۳۲۷، ۱۳۲۸، ۱۳۲۹، ۱۳۳۰، ۱۳۳۱، ۱۳۳۲، ۱۳۳۳، ۱۳۳۴، ۱۳۳۵، ۱۳۳۶، ۱۳۳۷، ۱۳۳۸، ۱۳۳۹، ۱۳۴۰، ۱۳۴۱، ۱۳۴۲، ۱۳۴۳، ۱۳۴۴، ۱۳۴۵، ۱۳۴۶، ۱۳۴۷، ۱۳۴۸، ۱۳۴۹، ۱۳۵۰، ۱۳۵۱، ۱۳۵۲، ۱۳۵۳، ۱۳۵۴، ۱۳۵۵، ۱۳۵۶، ۱۳۵۷، ۱۳۵۸، ۱۳۵۹، ۱۳۶۰، ۱۳۶۱، ۱۳۶۲، ۱۳۶۳، ۱۳۶۴، ۱۳۶۵، ۱۳۶۶، ۱۳۶۷، ۱۳۶۸، ۱۳۶۹، ۱۳۷۰، ۱۳۷۱، ۱۳۷۲، ۱۳۷۳، ۱۳۷۴، ۱۳۷۵، ۱۳۷۶، ۱۳۷۷، ۱۳۷۸، ۱۳۷۹، ۱۳۸۰، ۱۳۸۱، ۱۳۸۲، ۱۳۸۳، ۱۳۸۴، ۱۳۸۵، ۱۳۸۶، ۱۳۸۷، ۱۳۸۸، ۱۳۸۹، ۱۳۹۰، ۱۳۹۱، ۱۳۹۲، ۱۳۹۳، ۱۳۹۴، ۱۳۹۵، ۱۳۹۶، ۱۳۹۷، ۱۳۹۸، ۱۳۹۹، ۱۴۰۰، ۱۴۰۱، ۱۴۰۲، ۱۴۰۳، ۱۴۰۴، ۱۴۰۵، ۱۴۰۶، ۱۴۰۷، ۱۴۰۸، ۱۴۰۹، ۱۴۱۰، ۱۴۱۱، ۱۴۱۲، ۱۴۱۳، ۱۴۱۴، ۱۴۱۵، ۱۴۱۶، ۱۴۱۷، ۱۴۱۸، ۱۴۱۹، ۱۴۲۰، ۱۴۲۱، ۱۴۲۲، ۱۴۲۳، ۱۴۲۴، ۱۴۲۵، ۱۴۲۶، ۱۴۲۷، ۱۴۲۸، ۱۴۲۹، ۱۴۳۰، ۱۴۳۱، ۱۴۳۲، ۱۴۳۳، ۱۴۳۴، ۱۴۳۵، ۱۴۳۶، ۱۴۳۷، ۱۴۳۸، ۱۴۳۹، ۱۴۴۰، ۱۴۴۱، ۱۴۴۲، ۱۴۴۳، ۱۴۴۴، ۱۴۴۵، ۱۴۴۶، ۱۴۴۷، ۱۴۴۸، ۱۴۴۹، ۱۴۵۰، ۱۴۵۱، ۱۴۵۲، ۱۴۵۳، ۱۴۵۴، ۱۴۵۵، ۱۴۵۶، ۱۴۵۷، ۱۴۵۸، ۱۴۵۹، ۱۴۶۰، ۱۴۶۱، ۱۴۶۲، ۱۴۶۳، ۱۴۶۴، ۱۴۶۵، ۱۴۶۶، ۱۴۶۷، ۱۴۶۸، ۱۴۶۹، ۱۴۷۰، ۱۴۷۱، ۱۴۷۲، ۱۴۷۳، ۱۴۷۴، ۱۴۷۵، ۱۴۷۶، ۱۴۷۷، ۱۴۷۸، ۱۴۷۹، ۱۴۸۰، ۱۴۸۱، ۱۴۸۲، ۱۴۸۳، ۱۴۸۴، ۱۴۸۵، ۱۴۸۶، ۱۴۸۷، ۱۴۸۸، ۱۴۸۹، ۱۴۹۰، ۱۴۹۱، ۱۴۹۲، ۱۴۹۳، ۱۴۹۴، ۱۴۹۵، ۱۴۹۶، ۱۴۹۷، ۱۴۹۸، ۱۴۹۹، ۱۵۰۰، ۱۵۰۱، ۱۵۰۲، ۱۵۰۳، ۱۵۰۴، ۱۵۰۵، ۱۵۰۶، ۱۵۰۷، ۱۵۰۸، ۱۵۰۹، ۱۵۱۰، ۱۵۱۱، ۱۵۱۲، ۱۵۱۳، ۱۵۱۴، ۱۵۱۵، ۱۵۱۶، ۱۵۱۷، ۱۵۱۸، ۱۵۱۹، ۱۵۲۰، ۱۵۲۱، ۱۵۲۲، ۱۵۲۳، ۱۵۲۴، ۱۵۲۵، ۱۵۲۶، ۱۵۲۷، ۱۵۲۸، ۱۵۲۹، ۱۵۳۰، ۱۵۳۱، ۱۵۳۲، ۱۵۳۳، ۱۵۳۴، ۱۵۳۵، ۱۵۳۶، ۱۵۳۷، ۱۵۳۸، ۱۵۳۹، ۱۵۴۰، ۱۵۴۱، ۱۵۴۲، ۱۵۴۳، ۱۵۴۴، ۱۵۴۵، ۱۵۴۶، ۱۵۴۷، ۱۵۴۸، ۱۵۴۹، ۱۵۵۰، ۱۵۵۱، ۱۵۵۲، ۱۵۵۳، ۱۵۵۴، ۱۵۵۵، ۱۵۵۶، ۱۵۵۷، ۱۵۵۸، ۱۵۵۹، ۱۵۶۰، ۱۵۶۱، ۱۵۶۲، ۱۵۶۳، ۱۵۶۴، ۱۵۶۵، ۱۵۶۶، ۱۵۶۷، ۱۵۶۸، ۱۵۶۹، ۱۵۷۰، ۱۵۷۱، ۱۵۷۲، ۱۵۷۳، ۱۵۷۴، ۱۵۷۵، ۱۵۷۶، ۱۵۷۷، ۱۵۷۸، ۱۵۷۹، ۱۵۸۰، ۱۵۸۱، ۱۵۸۲، ۱۵۸۳، ۱۵۸۴، ۱۵۸۵، ۱۵۸۶، ۱۵۸۷، ۱۵۸۸، ۱۵۸۹، ۱۵۹۰، ۱۵۹۱، ۱۵۹۲، ۱۵۹۳، ۱۵۹۴، ۱۵۹۵، ۱۵۹۶، ۱۵۹۷،

ہے (۱)۔ اور کہا گیا ہے کہ یہ سب سے اچھی تعریف ہے۔

۱۱۷- اس کی میراث کا حکم یہ ہے کہ وہ اپنے مال کے حق میں زندہ مانا جاتا ہے، لہذا اس کا کوئی وارث نہیں ہوگا، اور غیر مال میں مردہ ہوتا ہے، لہذا وہ کسی کا وارث نہیں ہوگا، اس کی وجہ ہے کہ اصل اس کی زندگی کا ثبوت ہے جب تک اس کے برخلاف ظاہر نہ ہو جائے، لہذا اس صاحب حال کی رعایت میں اس کو زندہ مانا گیا، اور ”اصحاب حال“ ایسی دلیل ہے جو استحقاق کو روک دیتی ہے، اسی وجہ سے اس کی میراث میں کسی کا حق نہیں، کیونکہ اس کو زندہ اعتبار کیا جاتا ہے، اور وہ خود دوسرے کی میراث کا مستحق نہیں، اس کا مال موقوف ہوگا یہاں تک کہ اس کی مدت ثابت ہو جائے، یا اس پر اتنی موت گذر جائے جس کے بعد اس کے ہم عمر زندہ نہیں رہتے، یہی امام مالک اور امام شافعی کا مذہب اور حنفیہ کے یہاں ایک رائے ہے۔

۱۱۸- اس مدت کے بارے میں حنفیہ کے یہاں روایات مختلف ہیں، جس کے بعد مفقود کی موت کا فیصلہ کر دیا جائے گا، ظاہر الروایہ ان کے یہاں یہ ہے کہ جب اس کے شہر میں اس کا کوئی ہم عمر باقی نہ رہے (تو اس کی موت کا حکم کر دیا جائے گا) اور ایک قول یہ ہے کہ تمام شہروں میں اس کا کوئی ہم عمر نہ رہے، لیکن قول اول اصح ہے، کیونکہ دوسرے قول پر عمل کرنے میں بڑی تنگی ہے، نیز الگ الگ ملکوں میں عمریں مختلف ہوتی ہیں۔

حسن بن زیاد نے امام ابوحنیفہ سے روایت کیا ہے کہ یہ مدت مفقود کی ولادت سے ایک سو بیس سال ہے، امام محمد نے کہا ایک سو دس سال، اور امام ابو یوسف نے کہا: ایک سو پانچ سال۔ اور امام ابو یوسف سے ایک روایت سو سال کی ہے اور بعض نے کہا: نوے سال، کیونکہ اس سے زیادہ عمر حد درجہ دور ہے، لہذا اس پر شرعی

(۱) جامعہ الفتناری ص ۳۶۸

احکام کا مدار نہیں ہوگا، کیونکہ احکام شرعیہ کا مدار اغلب پر ہوتا ہے، امام ترمذی نے کہا: اسی پر فتویٰ ہے، اور بعض کے نزدیک ستر سال ہے کیونکہ امت محمدیہ کی عمروں کے بارے میں مشہور حدیث میں ہے: ”أعمار امتی مائین ستین إلى سبعین“ (۱) (میری امت کی عمر ساٹھ سے ستر سال تک کے درمیان ہوگی)۔

اور بعض نے کہا: مفقود کا مال امام کے اجتہاد پر موقوف ہوگا، اور شرح فرائض عثمانیہ سے منقول ہے کہ امام ابوحنیفہ نے اس سلسلہ میں کوئی حتمی مدت مقرر نہیں کی ہے اور اس کی تعیین ہر دور کے قاضی کے اجتہاد کے حوالہ کردی ہے کہ وہ اپنے اجتہاد سے جس مدت میں مصلحت سمجھے اس کے پورا ہونے پر اس کی موت کا فیصلہ کر دے اور موجودہ ورثاء میں مال تقسیم کر دے اور اسی پر فتویٰ ہے (۲)۔

مالکیہ نے اس کی کوئی مدت مقرر نہیں کی، ان کا کہنا ہے کہ مفقود کے ورثاء میں اس کا مال تقسیم نہیں ہوگا، تا آنکہ اتنی مدت گذر جائے جس کے بعد اس جیسا انسان زندہ نہیں رہتا (۳)۔

یہی رائے شافعیہ کی بھی ہے، اس لئے کہ انہوں نے تصریح کی ہے کہ جس کو قید کر لیا گیا، یا مفقود ہو گیا، اور لاپتہ ہو گیا، اس کا مال چھوڑ دیا جائے گا، تا آنکہ اس کی موت کا ثبوت ملے، یا اتنی مدت گذر جائے جس میں یہ غالب گمان ہو کہ اس کے بعد وہ زندہ نہیں رہے گا، صحیح قول کے مطابق اس کی کوئی حد مقرر نہیں، لہذا قاضی اپنے اجتہاد سے اس کی موت کا فیصلہ کرے گا، اور دوسرا قول یہ ہے کہ اس کی حد متعین ہے: ستر سال، نوے سال، اور ایک سو بیس سال (۴)۔

(۱) حدیث: ”أعمار امتی...“ ترمذی (۶/۶۲۳، ۵۳۷)، شائع کردہ المکتبۃ الشریعہ نے کی ہے اور: ”یہ حد ہٹ حسن غریب ہے“۔ اور ابن حجر نے فتح الباری (۱۱/۲۳۰ طبع الشریعہ) میں اس کو ”حسن“ کہا ہے۔

(۲) السراجیہ و جامعہ الفتناری ص ۳۶۸-۳۶۸۔

(۳) الخطاب ۶/۲۳۰ طبع مکتبۃ البیاح۔

(۴) المشروانی علی الجہد ۶/۴۲، ۴۳، قدرے شغرف کے ساتھ۔

۱۱۹- حنا بلہ کہتے ہیں: مفقود کی دو قسمیں ہیں:

قسم اول: جس کی غالب حالت سے ہلاکت سمجھ میں آتی ہو، ایسا شخص وہ ہے جو کسی ہلاکت والی جگہ سے لاپتہ ہو جائے، مثلاً وہ شخص جو جنگ کے فریقین میں صف بندی میں موجود نہ ہو اور (لاپتہ ہو جائے) یا ایسے جنگل میں جائے جہاں لوگ ہلاک ہو جاتے ہوں، یا گھر والوں کے درمیان سے غائب ہو گیا، یا عشاء وغیرہ کی نماز کے لئے نکلا یا کسی ہنگامی ضرورت کے لئے نکلا اور واپس نہیں لوٹا اور اس کی کوئی خبر بھی نہ ملے تو اس شخص کا چار سال انتظار کیا جائے گا، اگر اس کے بعد اس کی کوئی خبر نہ لگے تو اس کا مال تقسیم کر دیا جائے، اس کی بیوی عدت وفات گزار کر دوسرے شوہر سے نکاح کے لئے حلال ہو جائے گی، امام احمد نے اس کی تصریح کی ہے، اور ابو بکر کا مختار قول یہی ہے، اور قاضی نے لکھا ہے کہ اس کا مال تقسیم نہیں ہوگا، یہاں تک کہ چار سال کے بعد اس کی عدت وفات گزار جائے، کیونکہ اسی وقت اس کی بیوی کے لئے نکاح کرنا جائز ہوگا، پہلا قول اصح ہے اس لئے کہ عدت وفات کے بعد ہی ہوگی، اور جب اس کی وفات کا حکم لگ گیا تو اس سے مال کو تقسیم سے روکنے کی کوئی وجہ نہیں۔

قسم دوم: جس کی غالب حالت ہلاکت نہیں، مثلاً بغرض تجارت یا طلب علم، یا سیاحت وغیرہ کے لئے سفر کرے، اور اس کی کوئی خبر نہ ہو، تو اس سلسلہ میں دو روایتیں ہیں:

پہلی روایت: اس کا مال تقسیم نہیں ہوگا، اس کی بیوی شادی نہیں کر سکتی، یہاں تک کہ اس کی موت کا یقین ہو جائے یا اس پر اتنی مدت گزر جائے، جس کے بعد اس جیسا انسان زندہ نہیں رہتا، اور اس سلسلہ میں حاکم کے اجتہاد کی طرف رجوع کیا جائے گا، صاحب المغنی نے کہا: اس لئے کہ اصل اس کا زندہ ہونا ہے اور تحدید توقیف (شریعت کی رہنمائی و ہدایت) کے بغیر اختیار نہیں کی جاتی، اور

یہاں پر کوئی توقیف نہیں، لہذا تحدید سے گریز کرنا واجب ہے۔

دوسری روایت: اس کی ولادت سے نوے سال پورا ہونے تک اس کا انتظار کیا جائے گا، اس لئے کہ غالب یہی ہے کہ وہ اس سے زیادہ زندہ نہیں رہے گا (۱)۔

۱۲۰- مفقود کے جس مورث کا انتقال مدت انتظار کے دوران ہو گیا، اس کے ترکہ سے مفقود کے حصہ کو روک لیا جائے گا، اور جب مدت گزر جائے، پھر بھی اس کی کوئی خبر نہ ہو تو مال موقوف مفقود کے مورث کے ورثاء کو لوٹا دیا جائے گا۔

باتفاق فقہاء مفقود کے وارث صرف وہ ورثاء ہوں گے جو اس کے مال کی تقسیم کے وقت زندہ ہوں، جو لوگ اس سے ایک دن پہلے بھی مر جائیں ان کو مفقود کے مال سے وراثت نہیں ملے گی۔

۱۲۱- اگر میت کے ورثاء میں کوئی مفقود ہو تو اس کے بارے میں فقہاء کا اختلاف ہے: امام احمد اور اکثر فقہاء کا مذہب یہ ہے کہ اس کے ہر وارث کو اس کا متعین حصہ دے دیا جائے گا، اور باقی مال حقیقت واضح ہونے یا مدت انتظار ختم ہونے تک موقوف ہوگا، اور یہ اس صورت میں ہے جب مفقود کے وجود کی وجہ سے دوسرے ورثاء کے حصوں میں کمی ہو، اگر مفقود بقیہ ورثاء کا جب حرمان کرے تو ان کو ترکہ میں سے کچھ نہیں دیا جائے گا، بلکہ سارا ترکہ اس کی موت یا زندگی کی وضاحت تک موقوف ہوگا (۲)۔

قیدی کی میراث:

۱۲۲- اسیر کا لغوی معنی: گرفتار، مقید اور بندی ہے (۳)۔

اصطلاح میں اسیر: ہر گرفتار ہے خواہ بندھا ہوا ہو یا بندھا ہوا

(۱) مطالب بولی اتی ۳/۶۳۰، کشاف القناع ۳/۳۹۱۔

(۲) المسراۃ ص ۳۲۹، مطالب ۳/۶۲۳، الفہم ۶/۳۲، المغنی ۶/۲۰۵، ۲۰۸۔

(۳) القاسوس۔

نہ ہو (۱)۔

۱۳۳- قیدی کا حکم یہ ہے کہ اگر اس کی زندگی کا علم ہو تو وہ وارث ہوگا (۲)۔

اور اگر وہ اپنے دین سے ملاحدگی اختیار کر لے تو اس کا حکم مرتد کا ہے، اس لئے کہ دارالاسلام میں رہتے ہوئے مرتد ہو پھر دارالحرب میں چلا جائے، اور دارالحرب میں مرتد ہو اور وہاں مقیم رہے، دونوں میں کوئی فرق نہیں ہے، بہر دو صورت وہ حربی ہو جائے گا۔

اگر اس کے ارتداد، زندگی اور موت کسی کا کچھ پتہ نہ ہو تو اس کا حکم مفقود کا ہے، اس میں وہ تفصیل و اختلاف ہے جو فقرہ ۱۲۱ کے تحت گذرا، اور اگر اس کے ورثاء دعویٰ کریں کہ وہ دارالحرب میں مرتد ہو گیا ہے تو دویانت دارمسلمانوں کی کوہی کے بغیر ان کی بات نہیں مانی جائے گی، کیونکہ اصحاب حال کی وجہ سے اس کا اسلام معلوم تھا، اس لئے غیر مسلم کی گواہی سے اس کے عدم اسلام کا حکم نہیں لگایا جائے گا، کیونکہ جزوی معاملات میں مسلمان کے خلاف غیر مسلم کی گواہی مقبول نہیں، تو دینی معاملہ میں جو سب سے اہم اور مہتمم معاملہ ہے اس کی گواہی بدرجہ اولیٰ مقبول نہیں ہوگی، اگر وہ شخص اس وقت آئے جب اس کے ارتداد کا فیصلہ ہو چکا تھا، اور ارتداد کا انکار کرے، تو قاضی اپنے فیصلہ کو نہیں توڑے گا، اس کی بیوی اور اس کا مال اس کو نہیں لوٹایا جائے گا، ہاں جو مال بعینہ کسی وارث کے ہاتھ میں موجود ہو تو اس کو لوٹا دیا جائے گا، جیسا کہ اگر معروف مرتد توبہ کر کے آجائے (تو اس کا حکم یہی ہے) (۳)۔

ڈوب کر، جل کر اور دب کر مرنے والوں کی میراث:

۱۳۴- سرخسی نے کہا ہے: غرق (ڈوب کر مرنے والی جماعت) اور حرق (جل کر مرنے والی جماعت) کے بارے میں حضرت ابو بکر صدیق، حضرت عمرؓ اور حضرت زید بن ثابتؓ کا اتفاق ہے کہ اگر اولاد مرنے والا معلوم نہ ہو تو وہ ایک دوسرے کے وارث نہیں ہوں گے، بلکہ ان کی میراث، ان کے زندہ ورثاء کے لئے ہوگی، زید بن ثابت نے مقتولین یمامہ اور طاعون عمواس میں مرنے والوں، اور مقتولین حرہ کے بارے میں یہی فیصلہ کیا تھا، مقتولین جنگ جمل اور صفین کے بارے میں حضرت علیؓ سے یہی منقول ہے، یہی حضرت عمر بن عبدالعزیز کا قول ہے اور اسی کو جمہور فقہاء نے لیا ہے۔

حضرت علیؓ اور ابن مسعودؓ سے دوسری روایت میں ہے کہ وہ ایک دوسرے کے وارث ہوں گے، مگر اس مال میں نہیں جو ہر ایک کو دوسرے کی وراثت میں ملے گا کیونکہ ان میں سے ہر ایک کے دوسرے کی میراث کا مستحق ہونے کا سبب معلوم ہے، یعنی اس کا زندہ ہونا، اور محروم ہونے کا سبب مشکوک ہے، لہذا اس کی زندگی کو تسلیم کرنا واجب ہے، تا آن کہ کوئی اور متیقن امر ثابت ہو جائے اور محرومی کا سبب، دوسرے کی موت سے قبل اس کا مرنا ہے، اور یہ مشکوک ہے، لہذا اشک کے ساتھ محرومی ثابت نہیں ہوگی، البتہ وہ مال جو ہر ایک کو دوسرے کی وراثت میں ملا ہے اس کے حق میں ضرورۃً (جس کی وضاحت پیچھے آئی ہے) محرومی ثابت ہوگی، اس لئے کہ اگر ہم ان میں سے کسی کو دوسرے کی میراث دیدیں تو ہم اس مال کے بارے میں اس کے زندہ ہونے کا فیصلہ کریں گے جو اس کو دوسرے وراثت میں ملا ہے، اور اس کا لازمی تقاضا اس سے پہلے دوسرے کی موت کا فیصلہ کرنا ہے اور بدرجہ ضرورت و مجبوری جو چیز ثابت ہوتی ہے وہ حد ضرورت سے آگے نہیں بڑھتی اور ضرورت اس مال میں متحقق ہے جو ہر

(۱) السراجہ ص ۳۳۵۔

(۲) المغنی ۱/۷ طبع المنار۔

(۳) السراجہ ص ۳۳۵-۳۳۷۔

ایک کو دوسرے کی وراثت میں ملا ہے، اور اس کے علاوہ میں اصل کو لیا جائے گا تا کہ اس ضابطہ پر عمل ہو جس میں کہا گیا ہے ”إن الیقین لا یزول بالشک“ (یقین شک کے ساتھ زائل نہیں ہوتا) اور یہ بہت سے احکام کا ضابطہ ہے۔

ماضین میراث کی دلیل یہ ہے کہ ان میں سے ہر ایک کے دوسرے کی میراث کے مستحق ہونے کا سبب، یقینی طور پر معلوم نہیں، اور استحقاق سبب پر مبنی ہوتا ہے، اور جب تک سبب کا یقین نہیں، استحقاق ثابت نہیں ہوگا، اور فقہ کا ایک بڑا اہم ضابطہ یہ ہے کہ ”الاستحقاق لا یشب بالشک“ (۱) (استحقاق شک کے ساتھ ثابت نہیں ہوتا)۔

اسحاق بن راہویہ اور ابن تیمیہ وغیرہ کی رائے ہے کہ ولد زنا کا نسب بے شوہر کی عورت کے ساتھ زنا کرنے والے سے ثابت ہوگا، اور اس لئے کہ اس کا زنا مسلمہ حقیقت ہے، تو جس طرح اس کی ماں سے اس کا نسب ثابت ہے، زانی سے بھی ثابت ہوگا، تا کہ بچے کا نسب ضائع نہ ہو اور نہ کر وہ حرم کی وجہ سے اس کو نقصان اور عار لاحق نہ ہو، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ”وَلَا تَنْزِرُوا زُرَّةَ وَذَرَّ آخِرَى“ (۱) (اور کوئی کسی دوسرے کا بوجھ نہ اٹھائے گا)۔

اس رائے کا تقاضا ہے کہ ان دونوں کے درمیان وراثت ثابت ہو، کیونکہ وراثت ثبوت نسب کی فرع ہے اور یہ لوگ مذکورہ تفصیل کے مطابق نسب ثابت کرتے ہیں۔

ولد زنا کی میراث:

۱۲۵- ولد زنا: وہ بچہ ہے جو ماں کے زنا کے نتیجے میں پیدا ہو، اس کا حکم یہ ہے کہ اس کی ماں سے اس کا نسب ثابت ہوگا، اور وہ صرف ماں کی جہت سے وارث ہوگا، اس لئے کہ اس کا اپنی ماں کے واسطے سے تعلق حقیقی مادی ہے، اس میں کوئی شک نہیں، اور زانی کی طرف اس کی نسبت اور زانی سے اس کا نسب جمہور کے نزدیک ثابت نہیں، اگرچہ وہ اتر کر رہے کہ اس کے زنا کی وجہ سے وہ اس کا بچہ ہے، اس لئے کہ نسب نعمت ہے، لہذا زنا جو جرم ہے اس کے نتیجے میں اس کا ثبوت نہیں ہوگا، اور اگر وہ صراحتاً زنا سے اپنا بچہ ہونے کی بات نہ کہے اور بچہ کی ماں شادی شدہ نہ ہو، اور اتر کر کی شرائط پائی جائیں تو اس کا نسب اتر کر رہنے والے سے اس کی حالت کو صلاح پر محمول کرتے ہوئے اور ظاہر پر عمل کرتے ہوئے ثابت ہوگا، اگر ان میں سے کوئی مرجائے تو دوسرا اس کا وارث ہوگا (۲)۔

لعان اور لعان کرنے والوں کی اولاد کی میراث:

۱۲۶- حنفیہ اور بقیہ چاروں مذاہب میں لعان کے بچے اور لعان کرنے والے مرد کے درمیان وراثت جاری نہیں ہوگی۔

ابن قدامہ نے کہا: اگر مرد اپنی بیوی سے لعان کرے، بچے کا انکار کر دے اور قاضی ان دونوں کے درمیان تفریق کر دے تو اس سے بچے کی نفی ہو جائے گی، لعان کرنے والے مرد کی طرف سے بچہ کا عصبہ ہونا ختم ہو جائے گا، لہذا خود وہ یا اس کے عصبہ میں سے کوئی اس کا وارث نہیں ہوگا، اس کی ماں اور اس کے ذوی الفروض کو ان کا فرض ملے گا، زوجین کے درمیان وراثت ختم ہو جائے گی، اس مسئلہ میں ہمارے علم کے مطابق اہل علم میں کوئی اختلاف نہیں۔

اگر زوجیت سے لعان سے قبل ان میں سے کوئی ایک مرجائے تو جمہور کے یہاں بقیہ دو اس کے وارث ہوں گے۔

امام شافعیؒ نے فرمایا: اگر شوہر لعان مکمل کر لے تو ان دونوں کے

(۱) الموطأ ۳۰/۲۸-۲۸ طبع دار المعرف، قدس سرہ شریف کے ساتھ۔

(۲) تبیین الحقائق ۶/۲۳۱۔

(۱) سورۃ النکاح ۱۸۔

درمیان تو ارث نہیں، اور امام مالک نے کہا: اگر لعان کرنے کے بعد شوہر مر جائے اور پھر عورت لعان کرے تو عورت وارث نہیں ہوگی، اور اس پر ”إحداد“ (سوک) نہیں، اور اگر شوہر کے انتقال کے بعد عورت لعان نہ کرے تو وارث ہوگی، اور اس پر ”إحداد“ (سوک) ہے، اور اگر شوہر کے لعان کے بعد یہ خود بھی مر جائے تو امام شافعی کے علاوہ سب کے نزدیک شوہر اس کا وارث ہوگا۔

اگر ان کے درمیان لعان مکمل ہونے کے بعد کوئی ایک مر گیا، لیکن ابھی قاضی نے تفریق نہ کرائی ہو تو دو روایتیں ہیں:

پہلی روایت: ان دونوں کے درمیان تو ارث نہیں، یہی امام مالک اور زفر کا قول ہے، اور تقریباً یہی زہری، ربیعہ، اور اوزاعی سے مروی ہے، اس لئے کہ لعان کا تقاضا دائمی تحریم ہے، لہذا اس کی وجہ سے علاحدگی ہونے کے بارے میں تفریق کرانے کا اعتبار نہیں، جیسا کہ رضا عمت کی وجہ سے علاحدگی میں اس کا اعتبار نہیں ہوتا۔

دوسری روایت: جب تک قاضی ان دونوں کے درمیان تفریق نہ کرادے وہ ایک دوسرے کے وارث ہوں گے، یہی امام ابوحنیفہ اور صاحبین کا قول ہے، اس لئے کہ حضور ﷺ نے متاعین کے درمیان علاحدگی کرائی، اگر علاحدگی خود لعان سے ہو جاتی تو آپ کی طرف سے تفریق کرانے کی ضرورت نہ تھی۔

اور اگر حاکم ان دونوں کے درمیان لعان مکمل ہونے سے قبل تفریق کرادے تو علاحدگی نہیں ہوگی اور نہ ان دونوں کے درمیان تو ارث ختم ہوگا، یہ جمہور کے یہاں ہے۔

امام ابوحنیفہ اور صاحبین نے کہا ہے: اگر دونوں کے تین بار لعان کرنے کے بعد ان دونوں کے درمیان تفریق کرائے تو علاحدگی ہو جائے گی، اور تو ارث ختم ہو جائے گا، کیونکہ ان دونوں کی جانب سے لعان کا اکثر حصہ پایا گیا، اور اگر اس سے بھی پہلے تفریق کرادے

تو علاحدگی نہیں ہوگی، اور نہ تو ارث ختم ہوگا (۱)۔

شافعیہ میں سے شیخ ابو محمد سے منقول ہے کہ بچہ اور لعان کرنے والے کے درمیان لعان سے تو ارث ختم نہ ہوگا۔

جس کے نسب کا کسی غیر کے حق میں اقرار کیا گیا ہو اس کا استحقاق:

۱۲۷- اگر حسب ترتیب مذکورہ بالا درجہ میں سے کوئی نہ ہو تو ایک رائے کے مطابق مال، بیت المال میں جائے گا، یا حسب اختلاف سابق ”مقرر بالندب علی الخیر“ (یعنی وہ شخص جس کے لئے غیر پر نسب کا اقرار کیا گیا ہے) کو، یا اس شخص کو ملے گا جس کے لئے تہائی سے زیادہ کی وصیت کی گئی ہے۔

۱۲۸- نسب کے اقرار کی دو قسمیں ہیں، اول: اقرار کرنے والا کا اپنے اوپر نسب کا اقرار، اور وہ یہ ہے کہ اصل نسب کا براہ راست اقرار کیا جائے، یعنی کسی کو بیٹا، یا باپ یا ماں بتایا جائے اس قسم کے اقرار میں اگر صحت اقرار کی شرائط (جن کا فقہاء نے تذکرہ کیا ہے) مکمل ہوں تو یہ اقرار صحیح ہوتا ہے اور اقرار کرنے والے سے بنت، (بیٹے ہونے) ابوت (باپ ہونے) کا اقرار کیا گیا ہے، اس کا نسب ثابت ہو جائے، لہذا اس کی وفات کے بعد اس کے دوسرے بیٹوں کی طرح وہ بھی اس کا وارث ہوگا، اور اس کے لئے اس میں رجوع جائز نہیں۔

دوم: غیر مقرر پر نسب کا اقرار: اور وہ یہ ہے کہ ایسی قرابت کا اقرار ہو، جس میں مقرر (اقرار کرنے والے) اور مقررہ (جس کے لئے اقرار کیا گیا) اس کے درمیان کوئی واسطہ ہو، مثلاً ایک شخص دوسرے کے لئے یہ اقرار کرے کہ وہ اس کا بھائی، یا چچا، یا دادا ہے، اس طرح کے

(۱) المغنی ۱۲۱/۷-۱۲۲، المصنوع ۱۵۸/۳۹، طبع دار المعرفۃ، روضۃ المصلحین ۳۳/۶، طبع المکتب الاسلامی، مجمع الجلیل ۵۲/۳۔

قرار سے نسب نہیں ہوتا، اور اس سے رجوع جائز ہے، لیکن مقرر (قرار کرنے والے) کے ساتھ اس کے قرار کے مطابق معاملہ ہوگا، لہذا مالی امور کے بارے میں مقرر کے حق میں قرار درست ہے، اگر صحت قرار کی شرائط موجود ہوں، کیونکہ اس میں دوسرے کو کوئی نقصان پہنچانا نہیں پایا جاتا ہے۔

لہذا اگر میت دو بیٹوں کو چھوڑے اور ان میں سے ایک بیٹے نے تیسرے بیٹے کا قرار کیا، جب کہ دوسرا بیٹا منکر ہے، تو امام مالک، امام ابوحنیفہ اور امام احمد نے کہا ہے کہ مقررہ (جس کے لئے قرار کیا گیا) اس کا مقرر (قرار کرنے والے) پر حق ہے، وہ اس کی میراث میں شریک ہوگا، لیکن اس مقدار کے بارے میں ان حضرات کے درمیان اختلاف ہے، جو مقرر کے ذمہ مقررہ کو دینا ضروری ہے، چنانچہ امام مالک اور امام احمد نے کہا ہے: مقررہ کا نسب ثابت ہونے کی صورت میں قرار کرنے والے کو جو ملتا ہے اس سے فاضل جو اس کو ملا ہے واجب ہے کہ وہ اس کو دے دے یعنی اس کے ہاتھ میں جو کچھ ہے اس کا تہائی مقررہ کو دے، اور امام ابوحنیفہ نے کہا: اس کے پاس جو ہے اس کا نصف دے، اس لئے کہ مقرر اپنے قرار کے تقاضے کے مطابق مقررہ سے یہ کہہ رہا ہے کہ میں اور تم اپنے باپ کی میراث میں برابر ہیں، اور منکر لڑکے کے ہاتھ میں جو کچھ گیا اس کی حیثیت ایسی ہے جیسے کہ وہ ضائع ہو گیا ہو، یا کسی ظالم کے ہاتھ میں چلا گیا ہو، لہذا امامی (یعنی جو کچھ میرے ہاتھ میں ہے) اس میں ہم دونوں برابر شریک ہیں۔

امام مالک و احمد کی دلیل یہ ہے کہ مقرر نے اپنے میراث سے زائد کا قرار کیا، لہذا اس کے ذمہ اپنے قرار سے زیادہ لازم نہیں، جیسا کہ اگر اس کے لئے کسی معین چیز کا قرار کرتا (تو وہی چیز ذمہ میں لازم ہوتی)۔

امام شافعی کی رائے یہ ہے کہ قضاء مقرر کے ذمہ کچھ واجب نہیں،

کیا دیتنا واجب ہے و اقوال ہیں: اصح یہ ہے کہ لازم نہیں، اس لئے کہ اس قرار سے اس کا نسب ثابت نہیں ہوتا، اور جب نسب ثابت نہیں ہوتا تو وہ وارث بھی نہیں ہوگا، دوسرا قول یہ ہے کہ اس کے ذمہ لازم ہے اور دیتنا اس کے ذمہ کس قدر دینا واجب ہے اس کے بارے میں سابقہ دونوں وجہیں ہیں۔

۱۲۹- اگر میت ایک بیٹا چھوڑے اور بیٹا اپنے ایک بھائی کا قرار کرے، تو اس قرار سے مقررہ کا نسب ثابت نہیں ہوگا، کیونکہ کوئی نصاب نامکمل ہے، لیکن اس کی میراث میں وہ شخص (مقررہ) شریک ہوگا، اور اس کے ذمہ ضروری ہے کہ جو کچھ اس کے ہاتھ آیا ہے اس کا نصف اس کو دے، اور امام شافعی سے دو قول مروی ہیں: ایک قول یہ ہے کہ نہ اس کا نسب ثابت ہوگا، اور نہ ہی میراث واجب ہے، دوسرا قول یہ ہے کہ نسب ثابت اور میراث واجب ہے۔

شافعیہ کے یہاں ضابطہ یہ ہے کہ جو پورے مال کی وراثت کا مستحق ہوں اس کے قرار سے نسب ثابت ہوتا ہے، اور میراث کا حکم اسی کے تابع ہے (۱)۔

جس کے لئے تہائی سے زیادہ کی وصیت ہو اور کوئی وارث نہ ہو:

۱۳۰- پیچھے جو تفصیل گذری اس کے مطابق اگر میت کا کوئی وارث نہ ہو، یا ”مقررہ بالنسب علی الغیر“ (ایسا شخص جس کے لئے کسی دوسرے کے حق میں نسب کا قرار کیا گیا ہو) نہ ہو تو حنفیہ اور حنابلہ کے نزدیک سارا ترکہ اس شخص کا ہوگا جس کے لئے سارے مال کی

(۱) ابن ماجہ ۹۶۹/۲ طبع اول، بدایہ المجتہد لابن رشد ۲۵۶/۲ طبع اعلیٰ، الروضۃ ۲۲۳/۳ طبع المکتب الاسلامی، المغنی ۱۳۲/۷-۱۳۶، المہذب للشیخ ازی ۳۵۳/۲۔

(سونا چاندی کے لین دین) کے احکام (مجلس میں قبضہ، اور مبین ہونے کی صورت میں مساوات) کی رعایت ضروری ہے، نیز تخرج کے وقت اس میں ماواقیت کو درگزر کیا جاتا ہے، کیونکہ تخرج کی بنیاد مساحت (چشم پوشی) پر ہوتی ہے۔

تخرج کے احکام کی تفصیل، اس میں اختلاف اور مسائل کی تخریج اصطلاح: ”تخرج“ میں ہے (۱)۔

مناسخ:

۱۳۴ - تناخ کا لغوی معنی ہے: پے در پے آنا اور تسلسل اور اسی سے ورثاء کا تناخ (ماخوذ) ہے، اس لئے کہ میراث پہلے میت کے حکم پر تقسیم نہیں ہوتی، بلکہ دوسرے اور مابعد کے میت کے حکم پر (۲)۔

اصطلاح میں تناخ: کسی وارث کے حق کا تقسیم سے پہلے اس کی موت ہو جانے کی وجہ سے خود اس کے ورثاء کے پاس منتقل ہو جانا ہے۔

۱۳۵ - اگر انسان مرجائے اور اس کے ورثاء کے درمیان ترکہ تقسیم ہونے سے قبل کوئی وارث مرجائے تو دو حال سے خالی نہیں، یا تو

دوسرے میت کے ورثاء، بعینہ پہلے میت کے ورثاء ہوں گے، یا ان میں کوئی ایسا ہوگا جو پہلے میت کا وارث نہیں ہے، اگر دوسرے میت

کے ورثاء، بعینہ پہلے میت کے ورثاء ہوں تو موجودہ ورثاء کے درمیان ترکہ کی تقسیم کافی ہے، اس اعتبار سے کہ دوسرا میت پہلے میت کی

وفات کے وقت زندہ نہ تھا، اور اس کی ضرورت نہیں کہ اولاً پہلے میت کے ورثاء کے درمیان، پھر دوسرے میت کے ورثاء کے درمیان ترکہ کو

تقسیم کیا جائے، کیونکہ ورثاء میں تبدیلی نہیں ہوتی۔

وصیت کی ہے، اس لئے کہ حنفیہ و حنابلہ اس کو بیت المال پر مقدم کرتے ہیں، انہوں نے اس صورت میں وصیت اس لئے جائز قرار دی ہے کہ تہائی سے زائد کی وصیت نافذ نہ کرنا ورثاء کے حق کی وجہ سے تھا، اور جب کوئی وارث نہیں تو مانع ختم ہو گیا، جب کہ مالکیہ اور شافعیہ اس حالت میں تہائی سے زائد کی وصیت جائز قرار نہیں دیتے، کیونکہ جس کو اجازت کا حق حاصل ہے وہ غیر موجود ہے (۱)۔

تخرج:

۱۳۱ - تخرج کا لغوی معنی ہے: شرکاء وراثت میں سے بعض کا ایک چیز اور دوسرے بعض کا دوسری چیز لے لینا، مثلاً بعض شرکاء گھر اور بعض زمین لے لیں (۲)۔

اصطلاح میں تخرج یہ ہے کہ: ورثاء کسی متعین چیز کے معاملہ میں یہ مصالحت کر لیں کہ ورثاء میں سے کسی کو وہ چیز دے کر میراث کی تقسیم سے باہر کر دیا جائے، خواہ یہ کسی متعین شیء مورث کے ترکہ میں سے ہو یا کہیں اور سے۔

۱۳۲ - اس کا حکم یہ ہے کہ: حنفیہ مالکیہ اور شافعیہ کے یہاں تمام احوال میں جائز ہے۔

حنابلہ اس کو قدیم میراثوں میں جائز قرار دیتے ہیں، اور نئے و موجودہ ترکوں کے بارے میں امام احمد نے تصریح کی ہے کہ اگر فریقین کے لئے معلوم ہو تو جائز ہے اور اگر صاحب حق اس چیز سے جس پر صلح ہو رہی ہے ماواقف ہو تو ممنوع ہے۔

۱۳۳ - اگر ترکہ میں سونا یا چاندی ہو، یا دونوں ہوں تو ”صرف“

(۱) البحر الرائق ۵/۱۹۰ طبع اطبیہ، الدبوتی ۳۶۸/۳۵۱، نہایہ المحتاج ۳۵۵/۳، قلیوبی ۳۷۳/۱۳، المغنی ۵۳۳/۳، طبع الریاض، السراجیہ ص ۲۳۶-۲۳۷، الموسط ۵۲۵/۱۳، ۶۰/۱۵۔
(۲) المصباح للمیر۔

(۱) السراجیہ ص ۵۸، بدلیہ المجدد ۳۳۶/۲، طبع سوم الخلیف، شرح روض الطالب ۳۳۳/۲، طبع المکتبۃ الاسلامیہ، ابن عابدین ۵/۲۱۷-۲۱۸، منشی الارادات ۳۷۲/۳، طبع دارالعروبہ۔
(۲) القاسوس۔

ذوی الفروض کے دوسرے ورثاء کے ساتھ احوال کے جاننے پر موقوف ہے۔

۱۴۰- دوم: درپیش مسئلہ کی اصل کا علم، یعنی وہ اقل عدد کیا ہے جس سے بلا کسر یعنی کسی ایک مکمل عدد کو نکڑوں میں کئے بغیر، تمام ورثاء کے سہام لئے جاسکیں، اور یہ موجودہ ورثاء کے اختلاف سے مختلف ہوتا ہے، اس لئے کہ وہ یا تو نسبی عصبیات ہوں گے یا ذوی الفروض، یا دونوں میں سے ہوں گے، اگر صرف عصبہ ہوں تو ان کے افراد کا عدد اصل مسئلہ مانا جائے گا، اور ترکہ ان افراد کے عدد کے حساب سے ان پر تقسیم کر دیا جائے گا، مثلاً تین بیٹوں، یا تین حقیقی یا باپ شریک بھائیوں میں اصل مسئلہ تین سے ہوگا۔

اور ترکہ کو تین حصوں میں تقسیم کیا جائے گا، اور ہر وارث کو تہائی ملے گا، اور اسی طرح اگر اس سے زیادہ ہوں اور اگر ان کے ساتھ کوئی ایسی عورت ہو جو ان کی وجہ سے عصبہ بن گئی ہو تو ہر مرد کو دو عورتوں کی جگہ شمار کیا جائے گا، اور ترکہ کو ان کے افراد کے عدد پر تقسیم کیا جائے گا، یوں کہ مرد کا حصہ دو عورتوں کے حصے کے برابر ہوگا، مثلاً دو بیٹوں اور تین بیٹیوں میں اصل مسئلہ سات سے ہوگا، ہر بیٹے کو دو ساتواں، اور ہر بیٹی کو ایک ساتواں حصہ ملے گا، اور تین حقیقی بھائی، اور چار حقیقی بہنیں ہوں تو اصل مسئلہ دس سے ہوگا، ہر بھائی کو دو دسواں، اور ہر بہن کو ایک دسواں حصہ ملے گا۔

۱۴۱- اگر ایک ذی فرض (مقررہ حصہ والا وارث) نسبی عصبیات کے ساتھ ہو تو اصل مسئلہ اس عادی کسر کا موقع ہوگا جس سے ہر ذی فرض کا فرض معلوم ہوتا ہے، اور چوں کہ فرض ذیل میں مذکور کسور سے زیادہ اور تجاوز نہیں ہوتے (نصف $\frac{1}{2}$ ، ربع $\frac{1}{4}$ ، ثلثین $\frac{2}{3}$ ، ثلث $\frac{1}{3}$ ، اور سدس $\frac{1}{6}$) اس لئے اس صورت میں اصل مسئلہ ان کسور کے مقامات سے خارج نہیں۔

۱۳۶- اگر میت ایک بیوی سے بیٹے اور بیٹیوں کو چھوڑے، پھر ترکہ کی تقسیم سے پہلے ان میں سے کوئی مر جائے اور بقیہ بہن بھائیوں کے علاوہ اس کا کوئی وارث نہیں تو ان کے درمیان ایک بار تقسیم کر دینا کافی ہے، اس حساب سے کہ مرد کا حصہ دو عورتوں کے حصے کے برابر ہوگا۔

۱۳۷- اگر دوسرے میت کے ورثاء میں کوئی ایسا ہو جو پہلے میت کا وارث نہیں تھا، تو ضروری ہے کہ پہلے میت کا ترکہ اس کے ورثاء کے درمیان تقسیم کیا جائے، پھر دوسرے میت کا حصہ میراث کے احکام کے مطابق اس کے اپنے ورثاء کے درمیان تقسیم کیا جائے، اس کی صورت یہ ہے کہ میت نے ایک بیٹا اور ایک بیٹی چھوڑا، پھر ان دونوں کے درمیان ترکہ تقسیم ہونے سے پہلے بیٹا مر گیا اور اس نے بیٹی اور بہن کو چھوڑا تو پہلے میت کا ترکہ بیٹے اور بیٹی کے درمیان تقسیم ہوگا، اور مرد کا حصہ دو عورتوں کے حصہ کے برابر ہوگا، پھر بیٹے کا حصہ اس کی اپنی بیٹی اور بہن کے درمیان تقسیم ہوگا، دونوں کو آدھا آدھا ملے گا، مناسبات میں یہی حکم جاری ہوگا (۱)۔

مواریث کا حساب:

۱۳۸- اگر ترکہ کا مستحق صرف ایک وارث ہو تو تقسیم کی ضرورت نہیں، عصبہ ہو یا ذی فرض، یا ذی رحم۔

اور اگر ورثاء کئی ہوں تو ترکہ ان کے درمیان تقسیم کرنا ضروری ہے اور ہر وارث اس میں سے اپنا حصہ لے گا، جس کا وہ مستحق ہے، ورثاء کے درمیان ترکہ تقسیم کرنے کے لئے مورذیل لازم ہیں:

۱۳۹- اول: درپیش مسئلہ میں ان مقررہ حصوں کو جاننا جس کے وہ ذوی الفروض ورثاء مستحق ہوتے ہیں اور اس کا علم میراث میں

۱۴۲- اگر مختلف ذوی القروض اکیلے یا نسبی عصبیات کے ساتھ ہوں تو اصل مسئلہ عمومی کسور کے مقامات (جوزفرض پر وال ہیں) کے بسیط مضاعف سے ہوگا، اور استقراء سے معلوم ہے کہ کسور کے مقامات کا بسیط مضاعف کسی بھی مسئلہ میں ابتداءً سات اعداد سے خارج نہیں، وہ سات اعداد یہ ہیں: ۲، ۳، ۴، ۶، ۸، ۱۲، ۲۴۔

۱۴۳- اگر معلوم ہو کہ مسئلہ میں غول یا رد ہے تو اصل مسئلہ ان اعداد سے خارج ہو جائے گا، ان اعداد میں سے شروع کے پانچ اعداد عمومی کسور جوزفرض پر دلالت کرتے ہیں، کے مقامات سے ماخوذ ہیں، اور عدد (۱۲) فرض کی نوع ثانی یعنی ثلاثین (۳۰) ثلث (۳) سدس (۶) کے ساتھ ۱۲ کے اختلاط سے ماخوذ ہے۔

فروض کی نوع اول (نصف ۲، ربع ۴ اور ثمن ۸) اور عدد (۲۴) فرض کی مذکورہ نوع ثانی کے ساتھ ۸ کے اختلاط سے ماخوذ ہے۔

عدد (۲۴) کو مواریت کے مسائل کی اصل اعتبار کرنا ماسبق سے بے نیاز کر دیتا ہے، اور اس میں آسانی اور سہولت زیادہ ہے۔

درپیش مسئلہ کی اصل کو جاننا ضروری ہے، تاکہ مستحقین ترکہ میں سے ہر وارث کے حصوں کا علم ممکن ہو۔

۱۴۴- سوم: مستحقین وراثہ میں سے ہر وارث کے حصوں کی تعداد کا علم، اگر وارث ذی فرض (مقرر حصہ والا) ہو تو ترکہ سے اس کے حصوں کا عدد وہ ہوگا جو اصل مسئلہ کو اس کسر میں (جو اس کے فرض کو بتائے) ضرب دینے سے حاصل ہو، چنانچہ اگر مسئلہ میں ماں اور باپ ہوں تو ماں کا حق ثلث ہے، اور اصل مسئلہ تین سے ہوگا، اور اگر کوئی عصبہ ہو اور ترکہ میں سے اس کے لئے کچھ باقی رہے تو اس کے سہام کا عدد وہ ہوگا، جو اصل مسئلہ سے تمام ذوی القروض کو الگ کرنے کے بعد اصل مسئلہ سے باقی بچے، چنانچہ اگر وراثہ میں بیوی اور باپ ہوں تو اصل مسئلہ چار سے ہوگا، اس لئے کہ بیوی کے لئے ربع ہے، لہذا اس

کے لئے ایک حصہ اور باقی تین حصے باپ کے لئے ہوں گے۔
۱۴۵- چہارم: ترکہ میں سے ایک حصہ کی مقدار کا جاننا اور اس کا مصداق ترکہ میں اصل مسئلہ سے تقسیم کے بعد جو حاصل تقسیم ہو وہ ہوتا ہے بشرطیکہ حصے اصل مسئلہ کے مساوی ہوں، مثلاً شوہر، بیٹے اور بیٹی ہوں تو اصل مسئلہ چار سے ہوگا، شوہر کے لئے ایک حصہ، بیٹی کے لئے ایک حصہ، اور بیٹے کے لئے دو حصے ہوں گے۔

۱۴۶- پنجم: ترکہ میں سے ہر وارث کے حصے کی مقدار جاننا، اور یہی ترکہ کا نتیجہ و مقصود ہوتا ہے، اس کا مصداق ترکہ سے ایک حصہ کی مقدار کو، ہر وارث کے حصے کے عدد میں ضرب دینے کا جو حاصل ہوتا ہے، وہ ہوتا ہے، پھر سابقہ طریقہ کے مطابق ہر اصل مسئلہ سے ہر وارث کے حصوں کے عدد کے علم کے بعد جب ان کو جمع کر دیں گے اور مجموعی حصوں کا اصل مسئلہ کے ساتھ موازنہ کریں گے تو وہ تین حال سے خالی نہیں:

الف۔ مجموعی سہام (تمام حصوں کا مجموعہ) اصل مسئلہ کے مساوی ہو تو اس وقت مسئلہ عادلہ (عدل والا اور برابری والا) ہوگا، کیونکہ ہر وارث ترکہ سے اپنا حصہ بلا کم و بیش لے رہا ہے، مثلاً اگر مسئلہ میں شوہر اور حقیقی بہن ہوں۔

ب۔ ذوی القروض کا مجموعہ، اصل مسئلہ سے زائد ہو تو اس وقت مسئلہ غول والا ہوگا، جیسا کہ شوہر اور حقیقی یا باپ شریک دو بہنوں کی صورت میں۔

ج۔ ذوی القروض کے حصوں کا مجموعہ، اصل مسئلہ سے کم ہو اور کوئی نسبی عصبہ نہ ہو جو ذوی القروض کے حصوں کو دینے کے بعد باقی ترکہ کا مستحق ہو تو اس وقت کہا جائے گا کہ مسئلہ میں رد ہے۔

ابتدائی دونوں امور (غول اور رد) کا بیان ماسبق میں ہو چکا ہے۔

خاص القاب سے مشہور میراث کے مسائل:

مقررہ قواعد و احکام کی وجہ سے فرائض کے بعض مسائل خاص خاص القاب کے ساتھ مشہور ہیں، ان میں سے کچھ مسائل کے احکام فقہاء کے نزدیک اتفاقی ہیں اور کچھ مختلف فیہ۔
۱۳۷- اول: بشرک، ہمارے حجریہ اور یمیہ۔

صورت مسئلہ: عورت کا انتقال ہوا اور اس نے شوہر، ماں ماں شریک دو بھائی، یا ماں شریک دو بہنیں، یا ایک بھائی اور ایک بہن (دونوں ماں شریک) چھوڑے اور ان کے ساتھ دو حقیقی بھائی چھوڑے، اس میں صحابہ کرام اور فقہاء مذاہب کا اختلاف ہے۔

حضرت علی، ابو موسیٰ اشعری، اور ابی ابن کعب کے نزدیک شوہر کے لئے نصف، ماں کے لئے سدس (چھٹا) اور ماں شریک بھائیوں کے لئے (تہائی) ہے اور حقیقی بھائیوں کے لئے کچھ نہیں، یہی حنفیہ کا مذہب اور امام احمد سے صحیح روایت ہے۔

حضرت عثمان اور زید رضی اللہ عنہما کے نزدیک ماں شریک بھائیوں اور حقیقی بھائیوں دونوں کو شریک کیا جائے گا، اور ثلث (تہائی) کو ان کے درمیان برابر برابر تقسیم کیا جائے گا، نیز مرد و عورت کے حصے میں برابر ہوگی۔

یہی شریح، ثوری، مالک اور شافعی کی رائے ہے۔

حضرت عمرؓ ابتداً شرکت کے قائل نہیں تھے، پھر انہوں نے شرکت کی طرف رجوع کر لیا، حضرت ابن عباس سے دو روایتیں ہیں: اظہر شرکت ہے، حضرت ابن مسعود سے دو روایتیں ہیں: اظہر عدم شرکت ہے۔

۱۳۸- اس مسئلہ کو مسئلہ تشریک اس لئے کہتے ہیں کہ حقیقی بھائی بہن، ماں شریک بھائی بہن کے ساتھ میراث میں شریک ہوتے ہیں، اور اسی طرح اس کو ہمارے حجریہ اور یمیہ بھی کہا جاتا ہے، اس لئے کہ

روایت میں آتا ہے کہ جب حضرت عمر سے اس مسئلہ میں فتویٰ پوچھا گیا تو انہوں نے عدم شرکت کا فتویٰ دیا، تو حقیقی بھائیوں نے کہا: فرض کیجئے کہ ہمارا باپ ہمارے (گدھا) تھا (اور ایک روایت میں ہے کہ سمندر میں پڑا ہوا پتھر تھا) تو کیا ہم سب ایک ماں سے نہیں ہیں؟ یہ سن کر حضرت عمر نے اپنی پہلی رائے سے رجوع کر لیا اور شرکت کا فتویٰ دیا، ان سے عرض کیا گیا کہ پہلے آپ نے کچھ اور فتویٰ دیا تھا؟ تو انہوں نے کہا: وہ ہمارے سابقہ فیصلہ کے مطابق تھا اور یہ ہمارے اس فیصلہ کے مطابق ہے۔

صاحب مسبوط نے شرکت کی رائے ذکر کرنے کے بعد کہا ہے: اور وہ یعنی شرکت کا قول فقہی اعتبار سے معنویت رکھتا ہے اس لئے کہ میراث کا استحقاق، قرب اور نسبت کے اعتبار سے ہوتا ہے اور ماں کے واسطے سے میت سے وابستہ ہونے میں سب برابر ہیں، اور حقیقی بھائیوں کو یہ ترجیح حاصل ہے کہ وہ باپ کے واسطے سے میت سے وابستہ ہیں، تو اس زیادتی اور ترجیح کی وجہ سے اگر وہ ماں شریک بھائیوں سے مقدم نہ ہوں تو کم از کم ان کے برابر ہوں گے، اور وہ ماں شریک بھائیوں سے مقدم و راجح محض اس وجہ سے نہیں ہیں کہ باپ کے واسطے سے وابستگی، عصبہ ہونے کی وجہ سے ہوتی ہے، اور مصبات کا استحقاق ان کے حق میں باپ سے مؤخر ہوتا ہے، ہاں ماں کے واسطے سے وابستگی باقی اور موجود ہے، اور وہ اس میں برابر ہیں۔

تاکلمین تشریک نے ماں شریک بھائی بہن اور حقیقی بھائی بہن کے سلسلہ میں مذکور مؤنث کو میراث میں برابر قرار دیا ہے، اس لئے کہ ان کی میراث ماں کی اولاد ہونے کے اعتبار سے ہے، اور ان کا حکم مساوات ہے، اور یہ فریقین کے درمیان ثلث کو آدھا آدھا تقسیم کرنے کے بعد ہوگا۔

۱۳۹- شرکت کے حق میں ان کے بعض دلائل حسب ذیل ہیں:

اول: اگر ماں کی اولاد میں سے کوئی چچا کا بیٹا ہوتا تو ماں کی قرابت کی وجہ سے شریک ہوتا اگرچہ اس کا عصبہ ہونا ساقط ہے، تو حقیقی بھائی بدرجہ اولیٰ شریک ہوگا۔

دوم: اس مسئلہ میں حقیقی بھائی بہن اور ماں شریک بھائی بہن دونوں جمع ہیں اور وہ میراث کے اہل ہیں تو جب ماں شریک بھائی بہن وارث ہیں تو حقیقی بھائی بہن بھی وارث ہوں گے، جیسا کہ اگر مسئلہ میں شوہر نہ ہوتا۔

سوم: ارث کی بنیاد یہ ہے کہ اقویٰ کو اضعف پر مقدم کیا جائے، اور اقویٰ کا کم سے کم حال یہ ہے کہ وہ اضعف کے ساتھ شریک ہوتا ہے، میراث کا یہ کوئی اصول نہیں ہے کہ اقویٰ، اضعف کی وجہ سے ساقط ہو جائے، اور حقیقی بھائی بہن، ماں شریک بھائی بہن سے زیادہ قوی ہوتے ہیں (۱)۔

۱۵۰ - عدم شریک کے تակین کا استدلال جن دلائل سے ہے ان میں سے بعض یہ ہیں: اول فرمان باری ہے: ”وَإِنْ كَانَ رَجُلٌ يُورَثُ كَلَالَةً أَوْ امْرَأَةً وَلَهُ أَخٌ أَوْ أُخْتٌ فَلِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا الشُّدُسُ فَإِنْ كَانُوا أَكْثَرَ مِنْ ذَلِكَ فَهُمْ شُرَكَاءُ فِي الثُّلُثِ“ (۲) (اگر کوئی مورث مرد ہو یا عورت ایسا ہو جس کے نہ اصول ہوں نہ نفع اور اس کے ایک بھائی یا ایک بہن ہو تو دونوں میں سے ہر ایک کے لئے ایک چھٹا حصہ ہے اور اگر یہ لوگ اس سے زائد ہوں تو وہ ایک تہائی میں شریک ہوں گے)۔

کیونکہ بالاتفاق آیت سے مراد خاص طور پر ماں شریک بھائی بہن ہیں، اسی پر مفسرین کا اجماع ہے، اور حضرت ابی وسعد بن ابی وقاصؓ کی قراءت: ”وَلَهُ أَخٌ أَوْ أُخْتٌ مِنْ أَمَةٍ“ سے یہی معلوم

ہوتا ہے، لہذا حقیقی بھائیوں کو ماں شریک بھائی بہن کے ساتھ شریک کرنا ظاہر آیت کے خلاف ہے، اور اس سے ایک دوسری آیت ”وَإِنْ كَانُوا إِخْوَةً رِّجَالًا وَنِسَاءً فَلِلَّذَكَرِ مِثْلُ حِظِّ الْأُنثِيَيْنِ“ (۱) (اور اگر وارث چند بھائی بہن مرد و عورت ہوں تو ایک مرد کو دو عورتوں کے حصہ کے برابر ملے گا) کی مخالفت لازم ہوتی ہے، اس لئے کہ آیت ”إِخْوَةٌ“ سے مراد ماں شریک بھائیوں کے علاوہ تمام بھائی بہن ہیں، اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مرد کا حصہ دو عورتوں کے حصے کے برابر قرار دیا ہے، لیکن تակین شریک مرد و عورت میں مساوات کرتے ہیں، اور یہ آیت کے خلاف ہے۔

دوم: فرمان نبوی: ”الْحَقُّوا الْفَرَائِضَ بِأَهْلِهَا فَمَا بَقِيَ فَلْأُولَىٰ رَجُلٌ ذَكَرٌ“ (۲) (ذوی الفروض یعنی حصے والوں کو ان کا حصہ دے دو اور جو مال (ان کا حصہ دے کر) بچ کر رہے، وہ قریب کے مرد رشتہ دار کا ہے) فریضہ والوں کو ان کا حصہ دینے کا تقاضا یہ ہے کہ اس مسئلہ میں ماں شریک بھائی بہن کے لئے سارا ثلث ہو، اس لئے کہ وہ ذوی الفروض میں سے ہیں، لہذا حقیقی بھائی بہن کی اس میں شرکت خلاف حدیث ہے۔

سوم: اگر مسئلہ میں ماں شریک بھائی بہن میں سے کوئی ایک ہو اور بہت سے حقیقی بھائی ہوں تو اس پر اجماع ہے کہ ماں شریک بھائی بہن کے لئے چھٹا حصہ اور باقی بھائیوں کے لئے ثلث (تہائی) ہے۔ جب ماں کی اولاد میں ایک کو حقیقی بھائیوں پر اس قدر ترجیح ہے تو کیوں یہ جائز نہ ہوگا کہ ماں کی اولاد میں سے دو حقیقی بھائیوں کو ساقط کر دیں۔

(۱) سورہ نساء ۱۷۶۔

(۲) حدیث کی تخریج فقرہ نمبر ۳ کے حاشیہ میں آچکی ہے۔

(۱) اسراجہ ص ۲۳۱-۲۳۸۔

(۲) سورہ نساء ۱۲۔

غراوین یا غریمتین یا غریمتین یا غریمتین:

۱۵۱- صورت مسئلہ: ایک عورت کا انتقال ہوا، اس نے شوہر، ماں اور باپ کو چھوڑا، ایک مرد کا انتقال ہوا، اس نے بیوی، ماں اور باپ کو چھوڑا۔

پہلے مسئلہ میں امراربعہ کا اتفاق ہے کہ شوہر کے لئے ترکہ کا نصف اور ماں کے لئے شوہر کے حصے کے بعد باقی کا تہائی ہے۔

اور دوسرے مسئلہ میں: بیوی کے لئے چوتھائی اور ماں کے لئے بیوی کے حصے کے بعد باقی کا ثلث (تہائی) ہے اور دونوں صورتوں میں باپ کے لئے وہ ہوگا جو شوہر یا بیوی اور ماں کے حصے کے بعد باقی رہے۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ ہر وہ مرد اور عورت جو مال کو تہائی تہائی لیتے ہیں، ضروری ہے کہ زوجیت (میاں بیوی) کے حصے کے بعد، بقیہ کو بھی وہ لے لیں، مثلاً وہ بھائی بہن جو حقیقی یا باپ شریک ہوں، نیز یہ ضابطہ ہے کہ اگر ایک درجے کے مرد و عورت جمع ہوں تو مرد کا حصہ عورت کے حصے کے دوگنا ہوگا، لہذا اگر شوہر کے ساتھ ماں کو پورے ترکہ کا ثلث دیا جائے تو وہ باپ سے افضل ہو جائے گی، حالانکہ بیوی کے ساتھ باپ کا حصہ ماں کے حصے کا دوگنا نہیں تھا، اور بعض حضرات کی طرف سے یہ اعتراض وارد نہیں ہونا چاہئے کہ اگر وہ دونوں بیٹے کے ساتھ جمع ہوں تو دونوں برابر برابر ہوتے ہیں، کیونکہ فقہاء جب یہ کہتے ہیں کہ ”ضابطہ یہ ہے“ تو دلیل کی بنیاد پر کسی فرض سے اس کا ٹکنا اس کے منافی نہیں، جیسا کہ اس سے ماں شریک بھائی بہن، مرد و عورت کے حصوں کے برابر ہونے میں خارج ہیں۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اختلاف کرتے ہوئے کہا: ماں کو دونوں مسلوں میں مکمل ثلث ملے گا، ان کی دلیل یہ فرمان باری ہے: ”وَوَدَّعَ أَبَوَاهُ فَلِأَمِّهِ الثَّلَاثُ“ (۱)۔ اور فرمان نبوی: ”الْحَقُّوْا

الْفَرَائِضَ...“ (۱) (ذوی الفروض یعنی حصے والوں کو ان کا حصہ دے دو، اور جو مال (ان کا حصہ دے کر) بچے وہ قریب کے مرد و رشتہ دار (یعنی عصبہ) کا ہے)۔ اور باپ اس صورت میں عصبہ ہے، لہذا ذوی الفروض کے بعد باقی اسی کا ہوگا، صاحب المغنی فرماتے ہیں جیسا کہ صاحب الغذب الفرائض نے ان سے نقل کیا ہے کہ دلیل حضرت ابن عباس کے قول کی مؤید ہے اگر صحابہ کرام کا اس کے خلاف اجماع نہ ہوتا۔

۱۵۲- ان دونوں مسلوں میں اگر باپ کی جگہ دادا ہوگا تو ماں کے لئے پورے مال کا تہائی ہوگا، یہی حضرت ابن عباس کا مذہب اور حضرت ابو بکر صدیق سے ایک روایت ہے۔

اہل کوفہ نے اسی کو شوہر والے مسئلہ میں حضرت ابن مسعود سے نقل کیا ہے۔

امام ابو یوسف نے کہا ہے: دادا کے ساتھ بھی ماں کے لئے باقی کا تہائی ہوگا، جیسا کہ باپ کے ساتھ ہے، اور یہی حضرت ابو بکر صدیق سے دوسری روایت ہے، اس روایت کے لحاظ سے انہوں نے دادا کو باپ بنایا ہے، اور پہلی روایت کی وجہ یہ ہے کہ باپ کے حق میں ارشاد باری: ”فَلِأَمِّهِ الثَّلَاثُ“ کے ظاہر کو چھوڑ دیا گیا ہے، تاکہ ماں کو باپ پر ترجیح دینا لازم نہ آئے، حالانکہ دونوں قرب میں برابر ہیں۔ البتہ دادا کے حق میں انہوں نے آیت مذکورہ کو اپنے ظاہر پر رکھا ہے: ”وَوَدَّعَ أَبَوَاهُ فَلِأَمِّهِ الثَّلَاثُ“، کیونکہ ماں اور دادا قرب میں برابر نہیں ہیں۔

۱۵۳- اس مسئلہ کو ”غراوین“ اس لئے کہتے ہیں کہ یہ اپنی شہرت کی وجہ سے روشن ستارہ کی طرح تھا، اور ”غریمتین“ اس لئے کہتے ہیں کہ زوجین میں سے ہر ایک فرض خواہ کی طرح ہوتے ہیں، اور والدین و رثاء کی طرح ہیں جو زوجین کے حصے کو دینے کے بعد بقیہ لیتے ہیں،

(۱) حدیث کی تحریج و تفسیر نمبر ۴ کے حاشیہ میں مذکور ہے۔

رضی اللہ عنہم بھی کہتے ہیں، اس لئے کہ حجاج نے شعبی سے پوچھا تو انہوں نے کہا: اس میں پانچ صحابہ کا اختلاف ہے، اور اگر اس میں حضرت ابو بکر صدیقؓ کا قول شامل کر لیا جائے تو ”مسدسہ“ ہو جائے گا۔

مروانیہ:

۱۵۵- صورت مسئلہ: چھ متفرق (مختلف جہتوں کی) بہنیں اور شوہر، اس صورت میں شوہر کے لئے نصف، حقیقی دونوں بہنوں کے لئے ثلثین، (دو تہائی) ماں شریک دو بہنوں کے لئے ثلث، اور باپ شریک بہنیں ساتھ ہیں، اصل مسئلہ چھ سے ہوگا، اور اس کا عول نو آئے گا، اس کو ”مروانیہ“ اس لئے کہتے ہیں کہ یہ مروان بن حکم کے عہد میں پیش آیا، اور ”غراء“ اس لئے کہتے ہیں کہ وہ لوگوں میں مشہور تھا۔

حمزہ:

۱۵۶- صورت مسئلہ: برابر درجے کی تین جدات، جد، اور تین متفرق بہنیں (یعنی مختلف جہات کی) حضرت ابو بکر، اور ابن عباس نے کہا: جدات کے لئے سدس اور باقی جد کیلئے، اصل مسئلہ چھ سے ہوگا، اور اٹھارہ سے تصحیح ہوگی، حضرت علی اور ابن مسعود نے کہا: حقیقی بہن کے لئے نصف، اور باپ شریک بہن کے لئے ثلثین، (دو تہائی) کی تکمیل کی خاطر سدس (چھٹا)، جدات کے لئے سدس، اور جد کے لئے سدس۔ حضرت ابن عباس سے ایک شاذ روایت میں ہے: جدہ (مائی) کے لئے سدس اور باقی جد کے لئے، زید نے کہا: جدات کے لئے سدس، اور باقی جد، حقیقی بہن اور باپ شریک بہن کے درمیان چار حصوں میں تقسیم ہوگا، پھر باپ شریک بہن کو جو ہاتھ آیا اسے حقیقی بہن کو لوٹائے گی، اصل مسئلہ چھ سے ہوگا، اور اس کی تصحیح بہتر سے ہوگی، اور مختصر ہو کر چھتیس سے ہوگا، جدات کے لئے چھ، حقیقی بہن کے

اور ”غریبین“ اس لئے کہتے ہیں کہ یہ مسائل فرائض میں انوکھے ہیں، اور ”عمرتین“ اس لئے کہتے ہیں کہ امیر المؤمنین حضرت عمر بن الخطابؓ ہی نے سب سے پہلے ان دونوں مسئلوں میں ماں کے لئے ثلث باقی کا فیصلہ کیا، جمہور صحابہ اور بعد کے علماء نے ان سے موافقت کی (۱)۔ کچھ اور بھی مستثنیٰ مسائل ہیں، جن کا ذکر آچکا ہے، ان دو مسائل کا ذکر بھی پیچھے آچکا تھا، لیکن بغیر تفصیل کے، اس لئے ان دونوں کو الگ سے ذکر کرنے کی ضرورت محسوس ہوئی، اور ان دونوں کی اہمیت بھی ہے۔

خرقاء (شگاف والا):

۱۵۴- صورت مسئلہ: ماں، دادا، بہن، اس کو ”خرقاء“ اس لئے کہتے ہیں کہ اس مسئلہ میں صحابہ کرام کے اقوال بہت مختلف ہیں، چنانچہ حضرت ابو بکر صدیقؓ نے فرمایا: ماں کے لئے تہائی اور باقی دادا کے لئے ہے، حضرت زید نے کہا: ماں کے لئے ثلث اور باقی دادا اور بہن کے درمیان تین حصوں میں تقسیم ہوگا، حضرت علیؓ نے کہا: ماں کے لئے ثلث، بہن کے لئے نصف اور باقی دادا کے لئے ہے، اور حضرت ابن عباسؓ سے اس مسئلہ میں دو روایتیں ہیں: ایک روایت میں بہن کے لئے نصف، اور باقی ماں باپ کے درمیان آدھا آدھا ہوگا، اور دوسری روایت میں (اور یہی حضرت عمر کا قول ہے) بہن کے لئے نصف، ماں کے لئے ثلث، اور باقی دادا کے لئے ہے، اس مسئلہ کو ”عثمانیہ“ کہا جاتا ہے، کیونکہ حضرت عثمان نے تنہا اجماع کو توڑتے ہوئے فرمایا: ماں کے لئے ثلث، اور باقی دادا اور بہن کے درمیان آدھا آدھا ہوگا، کہتے ہیں کہ اسی وجہ سے اس کا نام ”خرقاء“ (شگاف والا) پڑا، اور اس مسئلہ کو ”مثلث عثمان“، مربعہ ابن مسعود ”مخمسة شعبی“

(۱) اسراجہ ص ۱۳۲-۱۳۳، ادب الفاضل ۵۵/۱، الشرح المکبیر

۱۱/۴۱۰ طبع دار الفکر، التحدیث مع الشروانی ۵/۴۵۔

لئے اس کا اپنا حصہ اور اس کی بہن کا حصہ مل کر پندرہ ہوگا، اور جد کے لئے پندرہ، اس کو ”حزب“ اس لئے کہتے ہیں کہ اس کے بارے میں حمزہ زیات سے دریافت کیا گیا، تو انہوں نے یہ جوابات دئے۔

دیناریہ:

۱۵۷- صورت مسئلہ: زوجہ، جدہ، بنات (دو بیٹیاں) بارہ بھائی، اور ایک حقیقی بہن، اور ان کے درمیان ترکہ چھ سودینار ہے، جدہ کے لئے سدس (سودینار) دو بیٹیوں کے لئے ثلاثین (چار سودینار)، زوجہ کے لئے ثمن (آٹھواں) پچھتر دینار، بچیس دینار باقی بچے، ہر بھائی کو دو دینار، اور بہن کو ایک دینار ملے گا، اس لئے اس مسئلہ کو ”دیناریہ“ کہا جاتا ہے، اس مسئلہ کو ”داؤدیہ“ بھی کہا جاتا ہے، کیونکہ اس مسئلہ کے بارے میں داؤد طائی سے دریافت کیا گیا تو انہوں نے اسی طرح کی تقسیم کی، تو بہن نے لام ابو حنیفہ کے پاس آ کر عرض کیا: میرا بھائی مر گیا، اس کا ترکہ چھ سودینار ہے اور مجھے صرف ایک دینار ملا، تو انہوں نے فرمایا: ترکہ کس نے تقسیم کیا؟ اس نے کہا: آپ کے شاگرد داؤد طائی نے، تو انہوں نے کہا: وہ منافسانی نہیں کرتا، کیا تیرے بھائی نے جدہ کو چھوڑا ہے؟ اس نے کہا: ہاں، انہوں نے پوچھا: کیا تیرے بھائی نے دو بیٹیوں کو چھوڑا ہے؟ اس نے کہا: ہاں، انہوں نے پوچھا: کیا تیرے بھائی نے بیوی چھوڑی ہے؟ اس نے کہا: ہاں، انہوں نے پوچھا: کیا تیرے ساتھ بارہ بھائیوں کو چھوڑا ہے؟ اس نے کہا: ہاں، تو انہوں نے کہا: تب تمہارا حق ایک دینار ہے۔ یہ مسئلہ ایک پھیلی اور چیتاں ہے، چنانچہ کہا جاتا ہے: ایک شخص نے چھ سودینار اور مرد و عورت سترہ وارث چھوڑے ان میں ایک وارث کو صرف ایک دینار ملا۔

امتحان:

۱۵۸- صورت مسئلہ: چار بیویاں، پانچ جدات، سات بیٹیاں،

اور نو ماں شریک بہن، اصل مسئلہ چوبیس سے ہوگا، بیویوں کے لئے ثمن (آٹھواں حصہ) تین جدات کے لئے سدس (چھٹا) چار لڑکیوں کے لئے ثلاثین (سولہ)، اور بہنوں کے لئے بقیہ ایک حصہ، حصوں اور ورثاء کے عدد کے درمیان موافقت نہیں، اور نہ ہی خود و دو قسم کے ورثاء کے عدد کے درمیان موافقت ہے، لہذا ان کو ایک دوسرے میں ضرب دینے کی ضرورت ہے، اس لئے چار کو پانچ میں ضرب دو حاصل ضرب بیس ہوگا، پھر بیس کو سات میں ضرب دو، حاصل ضرب ایک سو چالیس ہوگا، پھر ایک سو چالیس کو نو میں ضرب دو، حاصل ضرب ایک ہزار دو سو ساٹھ ہوگا، اس کو اصل مسئلہ چوبیس میں ضرب دو، حاصل ضرب چھتیس ہزار دو سو چالیس ہوگا، اور اسی سے مسئلہ کی تصحیح ہوگی، ”امتحان“ کی وجہ یہ ہے کہ کہا جائے: ایک شخص نے چند اصناف کے ورثاء چھوڑے، ہر صنف کی تعداد اس سے کم ہے، اس مسئلہ کی تصحیح تیس ہزار سے زائد ہی سے ہوتی ہے۔

مامونیہ:

۱۵۹- صورت مسئلہ: ماں باپ اور بیٹیاں، پھر ایک بیٹی کا انتقال ہوا اور اس نے ورثاء چھوڑے اور اس مسئلہ کو ”مامونیہ“ اس لئے کہتے ہیں کہ مامون نے بصرہ کے لئے قاضی کی تعیین کا ارادہ کیا، یحییٰ بن اٹم اس کے سامنے پیش کیے گئے، مامون نے ان کو (کم سنی) کی وجہ سے حقیر سمجھا تو ان سے اس مسئلہ کے بارے میں دریافت کیا، یحییٰ بن اٹم نے کہا: امیر المؤمنین! بتائیے کہ پہلا میت مرد تھا یا عورت؟ یہ سن کر مامون سمجھ گیا کہ ان کو مسئلہ کا علم ہے، اس لئے ان کو عہدہ دے کر قاضی بنادیا۔

اس مسئلہ کا حل پہلے میت کے بدلے سے بدل جائے گا تفصیل یہ ہے کہ پہلا میت مرد ہوگا یا عورت، اگر مرد ہو تو پہلا مسئلہ چھ سے

ارجاف ۱-۲

ہوگا: دولڑکیوں کے لئے دو ٹکٹ (دو تہائی)، اور والدین کے لئے سدس سدس، پھر اگر ایک بیٹی جس کا انتقال ہوا اس کے ورثاء میں بہن، جد صحیح (دادا)، جدہ صحیح (دادی) ہو تو جدہ کے لئے سدس اور بقیہ جد کے لئے ہوگا اور بہن سا قوط ہے، یہ حضرت ابو بکر کے قول کے مطابق ہے، حضرت زید نے کہا: جدہ کے لئے سدس اور بقیہ بہن اور دادا کے درمیان تین حصوں میں تقسیم ہوگا، اور مناسخ کی تصحیح ہوگی، اور اگر پہلی میت عورت ہو تو مرنے والی بیٹی نے: بہن، جدہ صحیح (مائی) اور جد فاسد (نانا) چھوڑا تو جدہ کے لئے سدس، بہن کے لئے نصف، اور بقیہ انہی دونوں پر رد ہوگا، اور جد فاسد بالاجماع سا قوط ہے، ”الاختیار شرح المختار“ میں اسی طرح ہے (۱)۔

ارجاف

تعریف:

۱- ارجاف لغت میں: سخت بے چینی کو کہتے ہیں، اور اس کا اطلاق بری خبروں کے چھیڑنے، اور فتنوں کے تذکرہ پر بھی ہوتا ہے، کیونکہ اس کی وجہ سے لوگوں میں بے چینی پیدا ہوتی ہے (۱)۔
فقہاء کے یہاں ارجاف کا استعمال: لوگوں کو فکر مند و پریشان کرنے کے لئے فتنہ کی تلاش اور جھوٹی و بے بنیاد باتوں کی اشاعت کے مفہوم میں ہوتا ہے (۲)۔

متعلقہ الفاظ:

الف-تخذیل:

۲- اتخذیل: لوگوں کو جنگ سے روکنا اور جنگ کے لئے نکلنے سے نفرت پیدا کرنا، مثلاً یہ کہے: وقت سخت گرمی کا ہے، سخت مشقت ہے، وغیرہ، لہذا اتخذیل: لوگوں کو جنگ کے لئے آمادہ ہونے سے روکنا، اور ارجاف: مسلمانوں میں بے چینی پھیلانا ہے، اس اعتبار سے ”ارجاف“، ”تخذیل“ سے عام ہے (۳)۔



(۱) لسان العرب: مادہ (رہف)۔
(۲) تفسیر قرطبی ۲/۳۵۱ طبع دار الکتب، تفسیر سورۃ اہزاب آیت ۶۰، جامعہ الجمل علی شرح امینہ ۳/۵۵ طبع دار احیاء التراث العربی بیروت، المغنی ۳/۵۱ طبع مکتبۃ الریاض۔
(۳) لسان العرب: مادہ (تخذیل)، احکام القرآن للجصاص ۳/۵۸۳۔

ارجاف ۳-۵

ب- اشاعت:

۳- اشاعت کا لغوی معنی: اظہار ہے اور اصطلاح میں: ایسی خبروں کی تشہیر جن کو چھپانا چاہئے، کیونکہ لوگوں پر عیب آتا ہے، اور اسی سے حدیث میں ہے: ”ایمار جل اشاع علی رجل عودۃ لیشینہ بہا.....“ (۱) (جس نے کسی کی پردہ دری کی تاکہ اس پر عیب آئے.....)۔

اجمالی حکم اور بحث کے مقامات:

۴- ارجاف حرام ہے، اس کو چھوڑنا واجب ہے، کیونکہ اس میں مسلمانوں کی ایذا رسانی ہے، اور ارجاف کرنے والا مستحق تعزیر ہے (۲) فرمان باری ہے: ”لَئِنْ لَّمْ يَنْتَهِ الْمُنَافِقُونَ وَالَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ مَرَضٌ وَالْمُرْجِفُونَ فِي الْمَدِينَةِ لَنُغْرِيَنَّكَ بِهِمْ ثُمَّ لَا يُجَاوِزُونَكَ فِيهَا إِلَّا قَلِيلًا مَلْعُونِينَ أَيْنَمَا ثَقِفُوا أَخْدُوا وَقَتْلُوا تَقْتِيلًا“ (۳) (اگر منافقین اور وہ لوگ باز نہ آئیں جن کے دلوں میں روک ہے اور جو مدینہ میں انواہیں اڑایا کرتے ہیں تو ہم ضرور آپ کو ان پر مسلط کریں گے پھر یہ لوگ آپ کے پاس مدینہ میں بس قدرے قلیل رہنے پائیں گے اور وہ بھی پھنکار پڑے ہوئے جہاں کہیں بھی مل گئے پکڑ لئے گئے اور ان کے نگوڑے اڑا دیئے گئے)۔

قرطبی نے کہا: ”لنغرينك بهم“ یعنی ہم آپ کو ان پر مسلط کر دیں گے اور آپ ان کا صفایا کر دیں گے (۴)۔

حضور ﷺ کو اطلاع ملی کہ کچھ منافقین لوگوں کو غزوہ تبوک میں

جانے سے روک رہے ہیں، تو آپ نے ان کے پاس طلحہ بن عبید اللہ کو چند صحابہ کے ساتھ بھیجا، اور ان کو یہ حکم دیا کہ جا کر ان کے گھروں کو جاؤ، اور حضرت طلحہ نے ایسا ہی کیا (۱)۔

۵- امام کے لئے ناجائز ہے کہ اپنے ساتھ جہاد میں جھوٹی خبر پھیلانے والے کو لے جائے (۲) اس لئے کہ فرمان باری ہے: ”وَلَكِنْ كَرِهَ اللَّهُ انْبِعَاثَهُمْ فَثَبَّطَهُمْ وَقِيلَ اقْعُلُوا مَعَ الْقَاعِلِينَ، لَوْ خَرَجُوا فِئَكُمْ مَا زَادُوكُمْ إِلَّا خَبَالًا وَلَا وُضِعُوا خِلَالَكُمْ يُبَغِّوْكُمْ الْفِتْنَةَ“ (۳) (لیکن اللہ نے ان کے جانے کو پسند ہی نہ کیا اسی لئے انہیں جما رہنے دیا اور کہہ دیا گیا کہ بیٹھے رہنے والوں کے ساتھ بیٹھے رہو اگر یہ لوگ تمہارے ساتھ شامل ہو کر چلتے تو تمہارے درمیان فساد ہی بڑھاتے یعنی تمہارے درمیان فتنہ پردازی کی فکر میں دوڑے دوڑے پھرتے)۔

اگر کوئی جھوٹی خبر پھیلانے والا فوج کے ساتھ چلا جائے تو مال غنیمت سے اس کے لئے حصہ نہیں لگایا جائے گا، اور نہ ہی اس میں سے اس کو عطیہ کے طور پر دیا جائے گا (۴)۔

فقہاء نے ارجاف کے احکام ”کتاب الجہاد“ اور مال غنیمت کی تقسیم میں ذکر کئے ہیں۔

(۱) معین الحکام ص ۲۱۰ طبع المطبعة المیسیریہ، اس حدیث کو ابن ہشام نے

المیسیریہ (۲/۵۱۷ طبع معصفتی المجلد) میں روایت کیا ہے۔

(۲) حاشیہ قلیوبی ص ۱۹۲، المغنی ۸/۳۵۱ طبع مکتبۃ الریاض الحدیثہ۔

(۳) سورہ توبہ ۶۶-۷۷۔

(۴) المغنی ۸/۳۵۱، حاشیہ الجمل علی شرح الصحاح ص ۹۵، حاشیہ قلیوبی ص ۱۹۳۔

(۱) لسان العرب: مادہ (ھجی)۔

(۲) احکام القرآن للبخاری ص ۵۸/۳ طبع المطبعة المیسیریہ، مصر، مدۃ ابواب

الفتویٰ ص ۸۲ طبع بلاق ۱۳۰۳ھ۔

(۳) سورہ احزاب ۶۰، ۶۱۔

(۴) تفسیر قرطبی ۶/۲۳۶۔

أرحام ۱-۳

فقہاء کی زبان میں لأرحام اور ذوی لأرحام دونوں کا معنی ایک ہے (۱)۔

۲- رحم کی دو قسمیں ہیں:

رحم محرم (وہ رشتہ جس میں نکاح حرام ہے) رحم غیر محرم (وہ رشتہ جس میں نکاح حرام نہیں ہے)۔

رحم محرم (نکاح کی حرمت والے رشتہ) کا ضابطہ: ایسے دو شخص جن کے درمیان ایسی قرابت ہو کہ اگر ان میں سے ایک کو مرد اور دوسرے کو عورت فرض کر لیا جائے تو ان کا آپس میں نکاح ناجائز ہو، مثلاً باپ، مائیں، بھائی، بہن، اجداد (دادا، نانا)، جدات (دادی، مانی)، اگرچہ اوپر کے ہوں، اولاد اور ان کی اولاد (خواہ لڑکے ہوں یا لڑکیاں) اگرچہ نیچے کی ہوں، چچا، پھوپھی، ماموں، خالہ، اور ان کے علاوہ جو لوگ رشتہ دار ہیں ان میں ”حرمت“ (نکاح کی حرمت) نہیں، مثلاً چچا کی بیٹیاں، پھوپھی کی بیٹیاں، ماموں کی بیٹیاں، خالہ کی بیٹیاں (۲)۔

شرعی حکم:

رشتہ داروں کے ساتھ بہت سے احکام وابستہ ہیں، جو متعلقات کے اعتبار سے مختلف ہیں اور وہ یہ ہیں:

صلہ رحمی:

۳- صلہ: ایسا فعل جس کی وجہ سے انسان کو صلہ رحمی کرنے والا (رشتہ داروں کے ساتھ حسن سلوک کرنے والا) شمار کیا جائے ابن حجر

أرحام

تعریف:

۱- أرحام: رحم کی جمع ہے، اور رحم، رحم، رحم، رحم: بچہ دانی کو کہتے ہیں، اور مجازاً یہ لفظ قرابت کے معنی میں ہے، ”انہدیب“ میں ہے: بینہما رحم: یعنی ان کے درمیان نزوی کی قرابت ہے، اور ابن اثیر نے کہا کہ ذوالرحم اقارب اور رشتہ دار ہیں (۱)۔ رحم: واحد و جمع ہر ایک کے لئے استعمال ہوتا ہے (۲)۔

علامہ فرائض کو چھوڑ کر تمام فقہاء کے یہاں جب یہ لفظ مطلق بولا جائے تو اس سے مراد رشتہ دار ہوتے ہیں (۳)۔ البتہ بعض مذاہب کی جزئیات میں أرحام اور اقارب کے درمیان عموم خصوص مطلق کی نسبت بتائی گئی ہے، مثلاً حنابلہ کے یہاں اگر قرابت پر وقف ہو تو اس میں ماں کی قرابت داخل نہیں، جب کہ اگر ذوی لأرحام پر وقف ہو تو اس میں دونوں طرف (ماں، باپ) کے قرابت دار داخل ہوں گے (۴)۔ حالانکہ اہل فرائض کے یہاں ذوی لأرحام خاص ہیں، ان سے مراد ان کے نزدیک وہ رشتہ دار ہوتے ہیں جو ذوی الفروض، یا عصبات کسی میں سے نہ ہوں، مرد ہو یا عورت (۵)۔

(۱) النہایۃ لابن اثیر۔

(۲) شرح الروض ۳/۵۲۔

(۳) تھانوی ۵۸۹/۲، شرح السراجیہ ص ۲۶۵، الخرش ۱/۷۶، کفایۃ الطالب الربانی ۳۳۹/۲، البحر علی الخطیب ۳/۲۶۳، ادب الفاضل ۱۵/۲۔

(۴) مطالب اولیٰ ائیں ۳/۵۹، ۳۶۰۔

(۵) شرح السراجیہ ص ۲۶۵، البحر علی الخطیب ۳/۲۶۳، ادب الفاضل ۱۵/۲۔

(۱) البحر المرقی ۵۰۸/۸، ابن ماجہ ص ۳۳۹، شرح السراجیہ ص ۵۲، التاج والاکلیل ۳/۳۷۳، حاشیہ الربی علی شرح الروض ۳/۵۲۔

(۲) البدائع ۱۲۲/۵، الفروق ۱/۱۳، کفایۃ الطالب الربانی ۳۳۹/۲، شرح الروض ۳/۱۱۰، آداب الشریعہ ۱/۵۰، فتاویٰ ابن تیمیہ ۲۹/۲۸۲، الفتاویٰ الہندیہ ۲/۷۸۔

أرحام ۴

پیٹمی نے کہا: صلہ کسی بھی نوعیت کی نیکی اور احسان کرنا ہے (۱)۔

والدین وغیرہ کے ساتھ صلہ رحمی حنفیہ، مالکیہ اور حنابلہ کے نزدیک واجب ہے (۲)۔ اور شافعیہ میں سے نووی نے اسی کو درست کہا ہے۔
وجوب کی دلیل یفرمان باری ہے: ”وَاتَّقُوا اللَّهَ الَّذِي تَسَاءَلُونَ بِهِ وَالْأَرْحَامَ“ (۳) (اور اللہ سے تقوی اختیار کرو جس کے واسطے سے ایک دوسرے سے مانگتے ہو اور قرابتوں کے باب میں بھی (تقوی اختیار کرو))۔

اور فرمان نبوی ہے: ”من كان يؤمن بالله واليوم الآخر فليكرم ضيفه، ومن كان يؤمن بالله واليوم الآخر فليصل رحمه، ومن كان يؤمن بالله واليوم الآخر فليقل خيرا أو ليصمت“ (۴) (جو شخص اللہ پر اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہے اس کو چاہئے کہ اپنے مہمان کی خاطر داری کرے اور جو شخص اللہ پر اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہے اس کو چاہئے کہ صلوہ رحمی کرے اور جو شخص اللہ پر اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہے اس کو چاہئے کہ اچھی بات کرے یا خاموش رہے)۔ شافعیہ نے والدین اور غیر والدین میں تفریق کی ہے، چنانچہ وہ دوسرے علماء کے ساتھ اس بات پر متفق ہیں کہ والدین کے ساتھ حسن سلوک واجب ہے اور یہ کہ ان کی مافرمانی اور ان کے ساتھ شفقت کا معاملہ نہ کرنا گناہ کبیرہ ہے، لیکن والدین

(۱) البحر الرائق ۵/۸، نہایۃ المحتاج ۵/۱۹، مفتی المحتاج ۲/۵۰۵، البحر علی التلخیص ۳/۲۱۹، الروا ج لا بن حجر ۲/۶۵۔

(۲) ابن ماجہ ۵/۶۳، کفایۃ الطالب الربانی ۲/۳۳۹، فتاویٰ ابن تیمیہ ۹/۱۸۶، آداب الشریعہ ۱/۵۰۷۔

(۳) سورہ نساء، دیکھئے تفسیر قرطبی آیت مذکورہ کی تفسیر، کفایۃ الطالب الربانی ۲/۳۳۹۔

(۴) حدیث ”من كان يؤمن بالله واليوم الآخر...“ کی روایت بخاری (فتح الباری ۱۰/۲۳۵ طبع الشریعہ) اور مسلم (۶۸/۱ طبع عیسیٰ الحلیمی) نے بروایت ابویہ ہر نوما کی ہے دیکھئے الروا ج ۲/۶۳، ۶۷۔

کے علاوہ دوسرے رشتہ داروں کے ساتھ صلہ رحمی سنت ہے، تاہم شافعیہ نے تصریح کی ہے کہ اقارب کے ساتھ حسن سلوک کو شروع کرنا سنت ہے، اور حسن سلوک کرنے کے بعد اس کو ختم کرنا گناہ کبیرہ ہے (۱)۔

والدین کے ساتھ صلہ رحمی و حسن سلوک:

۴- بلاجماع ماں کے ساتھ صلہ رحمی اور حسن سلوک باپ کے ساتھ حسن سلوک سے مقدم ہے، اس لئے کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا: ”من أحق الناس بحسن صحابتي“ (سب سے زیادہ کون حقدار ہے کہ میں اس کے ساتھ حسن سلوک کروں؟) آپ ﷺ نے فرمایا: ”أمك ثم أمك ثم أبوك“ (۲) (تیری ماں پھر فرمایا: تیری ماں، پھر تیری ماں، پھر تیرے باپ)۔

والدین کے ساتھ حسن سلوک کو فقہاء اکثر لفظ ”بر“ سے تعبیر کرتے ہیں، اور دوسرے اقارب کے ساتھ حسن سلوک کے لئے ”صلہ“ کا لفظ استعمال کرتے ہیں، لیکن اس کے برعکس بھی ہوتا ہے، چنانچہ وہ کہتے ہیں: ”صلۃ لأبویں“ و ”بر لأرحام“، چونکہ والدین کے ساتھ حسن سلوک کے اکثر احکام کی تعبیر لفظ ”بر الوالدین“ سے ہے اس لئے ان احکام کی تفصیلی جگہ ”البر“ کی اصطلاح ہے، تاہم یہاں آسانی کے لئے ضروری احکام بیان کئے جا رہے ہیں ساتھ ساتھ بقیہ رشتہ داروں کے احکام تفصیل سے بیان ہوں گے (۳)۔

(۱) البحر علی التلخیص ۳/۵۹۹، البحر علی التلخیص ۳/۲۳۰۔
(۲) حدیث ”من أحق الناس...“ کی روایت بخاری (فتح الباری ۱۰/۲۳۵ طبع الشریعہ) اور مسلم (۳۷۲/۱، تحقیق محمد فواد عبدالمبارکی طبع عیسیٰ الحلیمی) نے بروایت ابویہ ہر نوما کی ہے نیز دیکھئے البحر علی التلخیص ۳/۲۲۸، تحفۃ المحتاج ۶/۳۰۸۔
(۳) الروا ج ۲/۶۱، الفروق ۱/۱۳، ابن ماجہ ۵/۶۳، فتاویٰ ابن تیمیہ ۲/۲۲۳۔

أرحام ۵-۶

علماء کی دو رائیں ہیں:

اول: خاص طور پر رحم حرم (نکاح کی حرمت والے) کے ساتھ احسان مطلوب ہے، دوسرے رشتہ داروں کے ساتھ نہیں، یہی حنفیہ کے یہاں ایک قول اور مالکیہ کے یہاں غیر مشہور قول ہے اور حنابلہ میں ابو الخطاب کا قول ہے (۱)۔ انہوں نے کہا ہے: اس لئے کہ اگر تمام اقارب کے ساتھ احسان واجب ہو تو سارے انسانوں کے ساتھ واجب ہوگا اور یہ دشوار ہے، لہذا کسی قرابت کی تحدید ضروری ہے جس کے ساتھ احسان و اعزاز واجب اور اس کے حق میں قطع رحمی حرام ہو، اور یہ رحم حرم (حرمت نکاح) کی قرابت ہے۔

فرمان نبوی ہے: "لا تنكح المرأة على عمتها ولا على خالتها ولا على بنت أخيها واختها فإنكم إذا فعلتم ذلك قطعتم أرحامكم" (۲) (کسی عورت کو اس کی پھوپھی یا اس کی خالہ یا اس کے بھائی یا اس کی بہن کی بیٹی کے ساتھ نکاح میں نہ لایا جائے کہ اگر تم ایسا کرو گے تو قطع رحمی ہوگی)۔

دوم: ہر رشتہ دار کے ساتھ احسان کرنا مطلوب ہے، خواہ وہ حرمت والا ہو یا نہ ہو، یہی حنفیہ کا قول، مالکیہ کے یہاں مشہور قول اور امام احمد کی تصریح ہے، اور شافعیہ کے اطلاق سے بھی یہی سمجھ میں آتا ہے، کیونکہ شافعیہ میں سے کسی نے احسان کو رحم حرم (حرمت نکاح والے

والدین کے علاوہ اقارب کے ساتھ حسن سلوک:

۵- حنفیہ کا ایک قول یہ ہے کہ صلہ اور احسان کے حکم میں باپ کے انتقال کے بعد بڑا بھائی باپ کی طرح ہے، اسی طرح دادا اگر چہ اوپر کا ہو، اور بڑی بہن اور خالہ صلہ و احسان میں ماں کی طرح ہے۔

قریب قریب اسی کو شافعیہ میں سے زرکشی نے چچا اور خالہ کے بارے میں اختیار کیا ہے، کیونکہ وہ چچا کو باپ کے درجہ میں اور خالہ کو ماں کے درجے میں رکھتے ہیں، اس لئے کہ صحیح حدیث سے ثابت ہے: "أن الخالة بمنزلة الأم، وأن عم الرجل صنو أبيه" (۱) (خالہ ماں کے درجہ میں ہے اور چچا باپ کے برابر ہے)۔

لیکن زرکشی کی بات امر شافعیہ کے خلاف ہے، اس لئے کہ والدین خصوصیت سے لحاظ و احترام اور حسن سلوک میں ایسے اہل درجہ اور بلند مقام پر ہیں کہ بقیہ رشتہ داروں کو اس درجہ کا لحاظ و احترام اور حسن سلوک حاصل نہیں ہے، شافعیہ نے سابقہ صحیح احادیث کا جواب یہ دیا کہ اس پر عمل کے لئے کسی خاص سلسلہ میں مشابہت (اور ان کے جیسے احکام کا ثابت ہونا) کافی ہے، مثلاً خالہ اور ماں کے تعلق سے پرورش اور باپ اور چچا کے تعلق سے اکرام اور اعزاز میں مشابہت و مناسبت ہے (۲)۔

کن رشتہ داروں کے ساتھ صلہ رحمی مطلوب ہے؟

۶- کن رشتہ داروں کے ساتھ احسان مطلوب ہے؟ اس سلسلہ میں

(۱) البحر الرائق ۵۰۸/۸، الطحاوی علی الدر ۲۰۵/۳، الفواکیر الدوائی ۳۸۵/۲، کفاية الطالب الربانی ۳۳۹/۲، آداب الشریعہ ۱/۵۰۷۔

(۲) حدیث: "لا تنكح المرأة على عمتها ولا على خالتها..." کی روایت ابو داؤد (عون المعبود ۲/۸۳ طبع المطبعة الانصاریہ دہلی) نے قریب قریب انہی الفاظ میں کی ہے لیکن آخری حصہ "فإنکم إذا فعلتم..." اس میں نہیں ہے، اس کی اصل صحیحین میں ہے، اس کے آخری حصہ کو طبرانی نے المعجم الکبیر (۱۱/۳۳۷) میں جمع کردہ وزارت الاوقاف عراق میں روایت کیا ہے دیکھئے: الفروق للقرنی ۱/۱۳۷۔

(۱) حدیث: "عم الرجل صنو أبيه..." کی روایت مسلم (۲/۶۷۷ طبع عینی لکھنؤ) اور ابو داؤد (عون المعبود ۲/۳۲ طبع المطبعة الانصاریہ دہلی) نے بروایت ابو ہریرہ کی ہے اور حدیث: "الخالة بمنزلة الأم..." کی روایت بخاری (فتح الباری ۵/۳۰۳ طبع المستقیم) ورنر ندی (۳/۳۱۳ طبع مصطفیٰ لکھنؤ) نے بروایت براء بن مازب کی ہے۔

(۲) ابن ماجہ ۵/۲۶۳، الترمذی ۲/۶۶۶۔

اُرحام ۷-۹

رشتہ کے ساتھ خاص نہیں کیا ہے (۱)۔

صلہ رحمی اور حسن سلوک کے درجات:

۸- فقہاء حنفیہ اور شافعیہ کی رائے ہے کہ اقارب کے اعتبار سے صلہ واحسان کے درجات متفاوت ہیں، چنانچہ والدین کے ساتھ صلہ واحسان بہ نسبت دیگر محرم رشتہ داروں کے اہم ہے، اور محرم رشتہ داروں کے ساتھ صلہ واحسان دوسروں کی بہ نسبت اہم ہے (۱)۔

صلہ واحسان سے مراد یہ نہیں کہ اگر وہ احسان کریں تو تم بھی احسان کرو، کیونکہ یہ تو بدلہ ہو گیا، صلہ واحسان تو یہ ہے کہ اگر وہ تمہارے ساتھ قطع رحمی کریں تو بھی تم ان کے ساتھ صلہ واحسان کرو (۲)۔ چنانچہ بخاری وغیرہ میں یہ روایت ہے: ”لیس الواصل بالمکافی ولكن الواصل الذی اذا قطعت رحمہ وصلہا“ (۳) (ماطہ جوڑنے والا وہ نہیں ہے جو احسان کے بدلہ احسان کرے بلکہ ماطہ جوڑنے والا وہ ہے کہ جب اس کا کوئی رشتہ دار اس سے ماطہ توڑ دے تو وہ جوڑے)۔

صلہ واحسان کا طریقہ؟

۹- صلہ رحمی چند امور سے ہوتی ہے مثلاً:

ملاقات، تعاون، ضروریات پوری کرنا، اور سلام کرنا، اس لئے کہ فرمان نبوی ہے: ”بلّوا أرحامکم ولو بالسلام“ (اپنے ماطوں کوثر رکھو) یعنی ان کی رعایت کرو (اگرچہ سلام کے ذریعہ ہو) (۴)۔

اختلاف دین کے باوجود صلہ رحمی اور حسن سلوک:

۷- اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ مسلمان بیٹے کا پنے کافر والدین کے ساتھ صلہ رحمی اور حسن سلوک مطلوب ہے (۲)۔ البتہ دوسرے کافر رشتہ داروں کے ساتھ صلہ رحمی و حسن سلوک، مسلمان سے مطلوب نہیں، اس لئے کہ فرمان باری ہے: ”لَا تَجِدُ قَوْمًا يُؤْمِنُونَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ يُوَادُّونَ مَنْ حَادَّ اللّٰهَ وَرَسُولَهُ“ (۳) (جو لوگ اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتے ہیں آپ انہیں نہ پائیں گے کہ وہ ایسوں سے دوستی رکھیں جو اللہ اور اس کے رسول کے مخالف ہیں)۔ اور والدین کی تخصیص کی دلیل فرمان باری ہے: ”وَإِنْ جَاهَدَاكَ عَلَىٰ أَنْ تُشْرِكَ بِي مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا وَصَاحِبُهُمَا فِي الدُّنْيَا مَعْرُوفًا“ (۴) (اور اگر وہ دونوں تجھ پر اس کا زور ڈالیں کہ تو میرے ساتھ کسی چیز کو شریک ٹھہرائے جس کی تیرے پاس کوئی دلیل نہیں تو تو ان کا کہنا نہ ماننا اور دنیا میں ان کے ساتھ خوبی سے بسر کئے جانا)۔ حنفیہ، مالکیہ، شافعیہ، اور حنابلہ کی رائے یہی ہے (۵)۔ لیکن سمرقندی نے عھون بن مہد ان سے صلہ اور احسان میں کافر و مسلم کے درمیان مساوات کو نقل کیا ہے۔

(۱) ابن ماجہ ۵/۲۶۳، الطحاوی علی الدر ۳/۲۰۵، الفواکیر الدوائی

۳/۸۵، کفایۃ الطالب الربانی ۳/۳۳۹، لآداب الشریعہ ۱/۵۰۷، البحر فی ۳/۲۲۹۔

(۲) الفروقی ۱/۱۳۵، الروا جر ۲/۶۲، لآداب الشریعہ ۱/۸۷، تنبیہ الغافلین ۳/۸۸، عمدۃ القاری ۱۳/۱۷۲۔

(۳) سورہ مجادلہ ۲۲۔

(۴) سورہ لقمان ۱۵۔

(۵) الطحاوی علی الدر ۳/۲۰۵، الفواکیر الدوائی ۲/۲۸۶، البحر فی علی الخلیب ۳/۲۳۵، تنبیہ الغافلین ۳/۸۸، یعنی ۱۳/۷۳، لآداب الشریعہ ۱/۳۸۷۔

(۱) ابن ماجہ ۵/۲۶۳، الروا جر ۲/۷۳۔

(۲) ابن ماجہ ۵/۲۶۳، کفایۃ الطالب الربانی ۳/۳۳۹، الروا جر ۲/۶۲، فتاویٰ ابن تیمیہ ۵/۳۳۹، ۳/۵۰۔

(۳) حدیث ”لیس الواصل بالمکافی...“ کی روایت بخاری (فتح المبارک ۱۰/۲۳۳ طبع المنقحہ) اور ابوداؤد (عون المعبود ۲/۶۱ طبع المطبوع الانصاری، دہلی) نے بروایت عبداللہ بن عمر کی ہے۔

(۴) حدیث ”بلّوا أرحامکم ولو بالسلام“ کی روایت بزار و طبرانی نے کی ہے جیسا کہ مجمع الروا کد (۸/۱۵۲ طبع قدسی) میں ہے اور خواجہ نے المقاصد

صلہ رحمی کی مشروعیت کی حکمت:

۱۰- صلہ رحمی میں بڑی حکمتیں ہیں، ان کی اہمیت کی وضاحت اس حدیث سے ہوتی ہے: ”من سرہ ان یسسط له رزقہ او ینسأ له فی اثرہ فلیصل رحمہ“ (۱) (جس شخص کو اس بات سے خوشی ہو کہ اس کا رزق بڑھے اور اس کی عمر داررز ہو تو وہ صلہ رحمی کرے)۔ من جملہ اور بہت سے فوائد کے جن کی طرف فقہاء نے اشارہ کیا ہے اللہ تعالیٰ کی خوشنودی و رضا ہے، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے صلہ رحمی اور رشتہ داروں کو خوش کرنے کا حکم دیا ہے۔

نیز مروت (انسانی وقار اور اعلیٰ صفات) میں اضافہ اور مرنے کے بعد ثواب میں زیادتی ہوتی ہے، کیونکہ اس کی موت کے بعد جب اس کے احسانات کو لوگ یاد کریں گے تو اس کے لئے دعائیں کریں گے (۲)۔

قطع رحمی (رشتہ کا توڑنا):

۱۱- شافعیہ میں سے ابن حجر پیشی نے قطع رحمی کی صورتوں کا ذکر کیا ہے، اور مالکیہ میں سے صاحب تہذیب الفروق نے ان سے موافقت کی ہے۔

ابن حجر نے اس سلسلہ میں دو رائیں ذکر کی ہیں:

اول: رشتہ داروں کے ساتھ بد سلوکی۔

دوم: ایسا کام جو حسن سلوک کے ترک تک پہنچ جائے، لہذا اگر

(۱) حدیث ”من سرہ ان یسسط له...“ مسلم (۱۹۸۲/۳ طبع عیسیٰ الجلی) نے بروایت الس کی ہے نیز بخاری (فتح المبارک ۱۰/۱۵ طبع استغبر) نے بروایت السیاقی بقریب انہی الفاظ میں کی ہے۔

(۲) ابن حبان ۵/۲۶۳، کفایۃ الطالب الربانی ۲/۳۳۹، حاشیۃ الطحاوی علی الدر ۲/۲۰۶، البیہقی علی الخطیب ۳/۲۲۹، الفروق للقرافی ۱/۱۳، الفواکد الدوائی ۲/۲۷۶۔

اور ابو الخطاب کے نزدیک محض سلام کر لینا کافی نہیں (۱)۔

جیسے کہ جو رشتہ دار غائب (دور) ہو اس کے حق میں صلہ رحمی خط و کتابت سے ہوتی ہے، اس کی حنفیہ، مالکیہ اور شافعیہ نے صراحت کی ہے، لیکن یہ حکم والدین کے علاوہ دوسرے رشتہ داروں کا ہے، والدین اگر آنے اور ملنے کا مطالبہ کریں تو صرف خط و کتابت کافی نہیں (۲)۔

اسی طرح اقارب پر مال خرچ کرنا ان کے ساتھ صلہ رحمی سمجھا جاتا ہے، اس لئے کہ فرمان نبوی ہے: ”الصدقة علی المسکین صدقة و علی ذی الرحم ثنتان صدقة و صلة“ (۳) (مسکین پر صدقہ، صرف صدقہ ہے، جب کہ رشتہ دار پر صدقہ صدقہ اور صلہ رحمی دونوں ہیں)۔

حنفیہ اور شافعیہ کی ظاہری عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر مال دار اپنے حاجت مند رشتہ دار سے ملاقات کرنے پر اکتفا کرے تو یہ اس کی طرف سے صلہ رحمی نہیں اگر وہ اس کے اوپر خرچ کر سکتا ہو (۴)، صلہ رحمی کے تحت ہر طرح کا احسان داخل ہے جس سے صلہ رحمی ہو (۵)۔

= الحنفیہ میں کہہ اس کے طریق کو ایک دوسرے سے تقویت حاصل ہے۔

(۱) الطحاوی علی الدر ۳/۲۰۵، کفایۃ الطالب الربانی ۲/۳۳۹، نہایت المحتاج ۲/۲۶۲، لآداب الشریعہ ۱/۵۰، الفواکد الدوائی ۲/۳۸۶۔

(۲) طحاوی علی الدر ۳/۲۰۶، الفواکد الدوائی ۲/۳۸۶، کفایۃ الطالب الربانی ۲/۳۳۹، البیہقی علی الخطیب ۳/۲۲۹۔

(۳) حدیث ”الصدقة علی المسکین...“ کی روایت ترمذی (۳۸/۳ طبع مصنفی الجلی) نے کی ہے اور اس کو حسن کہا ہے، نیز امام احمد (۳/۱۷ طبع المیزبہ اور حاکم (۱/۲۰ طبع حیدرآباد دکن) نے بروایت کمال بن عامر کی ہے اور حاکم نے اس کو صحیح کہا ہے۔

(۴) الطحاوی علی الدر ۳/۲۰۵، الفواکد الدوائی ۲/۳۸۵، کفایۃ الطالب الربانی ۲/۳۳۹، حاشیۃ الجمل علی المسیح ۳/۵۹۹، البیہقی علی الخطیب ۳/۲۲۹، المغنی مع الشرح الکبیر ۲/۵۰۵، کشاف القناع ۳/۲۵۲۔

(۵) شرح روض الطالب ۲/۳۸۶، کفایۃ الطالب ۲/۳۳۹، ابن حبان ۵/۲۶۳۔

وَيُفْسِلُونَ فِي الْأَرْضِ أُولَئِكَ لَهُمُ اللَّعْنَةُ وَلَهُمْ سُوءُ
الْعَذَابِ“ (۱) (اور جو لوگ اللہ کے عہد کو اس کی پختگی کے بعد توڑتے
رہتے ہیں اور اسے کاٹتے رہتے ہیں جس کے لئے اللہ نے جوڑے
رکھنے کا حکم دیا ہے اور زمین پر فساد کرتے رہتے ہیں ایسوں پر لعنت
ہوگی اور ان کے لئے اس جہاں میں خرابی (عی) ہے۔)

میت کے لئے ضروری امور میں رشتہ داروں کو مقدم کرنا:
۱۳- اکثر فقہاء کی رائے یہ ہے کہ میت کے لئے ضروری چیزیں مثلاً
غسل، نماز جنازہ اور تدفین میں اقارب کو مقدم کیا جائے گا، البتہ بعض
فقہاء رشتہ داروں پر زوجین کو مقدم کرتے ہیں، اور بعض فقہاء ان پر
وصی (وہ شخص جس کے لئے وصیت کی گئی ہو) کو مقدم کرتے ہیں (۲)۔
میت کی نماز جنازہ، غسل اور تدفین میں حکم مختلف ہوتا ہے، اس سلسلہ
کے تفصیلی احکام فقہاء اصطلاح: ”الجنائز“ میں ذکر کرتے ہیں۔

اقارب کے لئے ہبہ:

۱۴- اگر انسان اپنے رشتہ دار کو ہبہ کرے، اور رشتہ دار کے اس پر قبضہ
کرنے کے بعد ہبہ کرنے والا رجوع کرنا چاہے تو اولاد کے علاوہ کو ہبہ
کرنے کے بعد رجوع کرنا بالاتفاق ممنوع ہے، البتہ اولاد کو ہبہ کرنے
کے بعد رجوع کرنے کے بارے میں فقہاء کے تین اقوال ہیں:

الف۔ رجوع ممنوع ہے، یہی حنفیہ کا قول اور امام احمد کی ایک
روایت ہے (۳)، اس لئے کہ حاکم کی مرفوع روایت میں ہے: ”إذا

(۱) سورہ بقرہ/۲۵۔

(۲) دیکھئے الفتاویٰ الہندیہ ۱/۱۶۰، اور اس کے بعد کے صفحات، ابن ماجہ ۱/۸۰۶، مسوہب الجلیل ۲/۲۱۲، مغنی المحتاج ۱/۳۲۹، کشاف القناع ۳/۳۷۹۔

(۳) البحر ۷/۳۲۰، الحنایہ علی الہدایہ ۷/۳۳۲، الفتاویٰ الہندیہ ۲/۵۸۲، المغنی مع المشرح الکبیر ۶/۲۷۱۔

ایک مکلف (عائلہ بالغ) شخص اپنے رشتہ دار کے ساتھ اپنی سابقہ
صلہ رحمی و احسان کو بغیر کسی شرعی عذر کے ختم کر دے تو اس کو قطع رحمی
کرنے والا کہنا صحیح ہے، اور بعض علماء نے (جیسا کہ گذرا) اسے گناہ
کبیرہ شمار کیا ہے، جیسا کہ گذر چکا ہے (۱)۔

صلہ و احسان کی نوعیت کے لحاظ سے عذر الگ الگ ہے، شافعیہ و مالکیہ
نے ترک ملاقات کے عذر کی تحدید ایسے عذر کے ساتھ کی ہے، جس کی
بنیاد پر نماز جمعہ چھوڑی جاسکے، دونوں میں قدر مشترک یہ ہے کہ دونوں فرض
عین ہیں، اور ان کا چھوڑنا گناہ کبیرہ ہے، اگر وہ مالی طور پر صلہ و احسان کر رہا
تھا اور اپنی سخت ضرورت یا مال ختم ہونے یا اتباع شریعت میں غیر رشتہ دار کو
مقدم کرنے کی وجہ سے مالی احسان نہ کرے تو یہ عذر مانا جائے گا (۲)۔
اور خط و کتابت نہ کرنے کا عذر یہ ہے کہ کوئی معتبر پیغام نہ ملے (۳)۔
مالکیہ کے یہاں ایک اور عذر کا اضافہ ہے وہ یہ کہ مال دار رشتہ دار
اپنے فقیر رشتہ دار سے تکبر سے پیش آئے تو اس صورت میں فقیر
رشتہ دار کے ذمہ صلہ رحمی واجب نہیں ہے (۴)۔

قطع رحمی کا حکم:

۱۲- وہ رشتہ جس کو جوڑنے کا حکم ہے اس کو توڑنا بالاتفاق حرام
ہے (۵)، اس لئے کہ فرمان باری ہے: ”وَالَّذِينَ يَنْقُضُونَ عَهْدَ
اللَّهِ مِنْ بَعْدِ مِيثَاقِهِ وَيَقْطَعُونَ مَا أَمَرَ اللَّهُ بِهِ أَنْ يُوصَلَ

(۱) الرواج ۲/۸۷، ۷/۷۹، تہذیب الفروق ۱/۱۵۹، تحفۃ المحتاج ۶/۳۰۸۔

(۲) الرواج ۲/۸۷، تہذیب الفروق ۱/۱۶۰، اور اس کے بعد کے صفحات، الخطاوی علی الدرر ۳/۲۰۵۔

(۳) الرواج ۲/۸۰، الفواکیر الدوائی ۲/۳۸۶، تہذیب الفروق ۱/۱۶۰۔

(۴) الفواکیر الدوائی ۲/۳۸۶۔

(۵) سنیہ الغافلین ص ۷۷، الفواکیر الدوائی ۲/۳۸۶، جامعۃ المشرعین علی شرح
ابن ماجہ ۳/۳۹۳، تہذیب الفروق ۱/۱۶۰، الرواج ۲/۱۶۲، فتاویٰ ابن تیمیہ
۳/۳۵۳، حاشیہ ابن ماجہ ۵/۲۶۳۔

أرحام ۱۵

صلہ رحمی کے طور پر دیا ہو، اور اگر اس طرح کی کوئی نوعیت ہو تو رجوع کرنا منع ہے (۱)۔

باپ کے بارے میں امام احمد کا ظاہر مذہب مالکیہ کی طرح ہے، اور ماں کے بارے میں شرقی کے کلام کا ظاہر بھی یہی ہے، لیکن امام احمد سے صریحاً یہ منقول ہے کہ ماں کے لئے رجوع درست نہیں ہے (۲)۔ نفس حکم اور استثنائی احکام میں کچھ تفصیلات ہیں، جن کے لئے اصطلاح: ”بہ“ سے رجوع کیا جائے۔

اقارب کے لئے وراثت:

۱۵۔ فرائض کی اصطلاح میں رحم: ہر وہ رشتہ دار ہے جو ذوی القربى یا عصباء میں سے نہ ہو (۳)۔ ذوی لأرحام اس وقت وارث ہوتے ہیں جب کوئی عصبہ یا ذی فربض نہ ہو جس پر رد ہو سکے، خفیہ اور حنابلہ کے یہاں ذوی لأرحام بیت المال سے مقدم ہیں، متاخرین مالکیہ اور شافعیہ نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے اگر بیت المال منظم نہ ہو (۴)۔

ذوی لأرحام کو وارث بنانے میں علماء کے دو مشہور مذاہب ہیں: مذہب اہل تغزیل، مذہب اہل قرابت، ایک تیسرا مذہب اہل رحم کے نام سے ہے، لیکن فقہاء نے اس کو چھوڑ دیا ہے، ذوی لأرحام کی توریث کی کیفیت اصطلاح ”ارث“ میں ذکر کی جا چکی ہے (۵)۔

(۱) بلایہ الممالک ۲/ ۳۱۷، الرہونی اور الحرقی نے صرف یتیم کے تعلق سے ممنوع کیا ہے (الرہونی ۲/ ۳۳۱، الحرقی ۷/ ۱۱۳، ۱۱۴)۔

(۲) المغنی مع المشرح ۶/ ۲۷۱، ۲۷۳۔

(۳) شرح السراجیہ ص ۲۶۵، المشرح الصغیر ص ۳۳۰، الدرر السنی ص ۶۸۔

(۴) حاشیہ الجمل علی التبیح ص ۱۰، البجیری علی الخطیب ص ۶۳/ ۲، کشاف القناع ص ۸۳/ ۳، ادب القاضی ص ۱۵/ ۲، شرح السراجیہ ص ۵۲، الدرر السنی علی الدرر ص ۶۸، المشرح الصغیر ص ۳۳۰۔

(۵) البجیری علی الخطیب ص ۶۳/ ۲، ادب القاضی ص ۱۵/ ۲، ۱۸، الدرر السنی علی الدرر ص ۶۸، المشرح الصغیر ص ۳۳۰۔

كانت الہبة لذی رحم محرم لم يرجع فیہا“ (۱) (اگر بہہ محرم رشتہ دار کے لئے ہو تو اس سے رجوع نہیں کرے گا) حاکم نے اس کو صحیح قرار دیا اور کہا: یہ شیخین کی شرط کے موافق ہے۔

ب۔ باپ اور دوسرے اوپر کے رشتہ دار (دادا اور پردادا) کے لئے رجوع جائز ہے، جب کہ بہہ کردہ مال اس شخص کے قبضہ میں موجود ہو جس کو بہہ کیا گیا، یہی شافعیہ کا قول ہے (۲) یا اس لئے کہ صحیح حدیث میں ہے: ”لا یحل لرجل أن یعطی عطیة أو یهب ہبة فیرجع فیہا إلا الوالد فیما یعطى ولده“ (۳) (کسی شخص کے لئے جائز نہیں کہ کوئی عطیہ دے یا بہہ کرے، پھر رجوع کرے باں والد اس مال میں رجوع کر سکتا ہے جو اس نے اپنی اولاد کو دیا ہو)۔ ”شرح المروء“ میں ہے کہ یہ مکروہ ہے اگر تمام اولاد کو بہہ کر دیا ہو۔ عطیہ دیا ہو۔

ج۔ ماں باپ رجوع کر سکتے ہیں دوسرے نہیں، یہی مالکیہ کا قول ہے، لیکن ماں بڑی اور بالغ اولاد سے رجوع نہیں کرے گی، اسی طرح چھوٹی اولاد سے بھی نہیں اگر اس کا باپ زندہ ہو، اور اگر بہہ کے بعد وہ یتیم ہو جائے تو اس میں دو وجہیں ہیں: یہ حکم اس صورت میں ہے جب بہہ کرنے والے نے یہ نہ کہا ہو: یہ اللہ تعالیٰ کے لئے ہے، یا

(۱) حدیث ”إذا كانت الہبة لذی رحم محرم...“ کی روایت دارقطنی (۳/ ۲۲ طبع المحسن قاہرہ)، حاکم (۲/ ۵۲ طبع حیدرآباد دکن) اور بیہقی (۶/ ۱۸۱ طبع حیدرآباد دکن) نے بروایت بحرہ کی ہے اور بیہقی نے کہا ہم نے حدیث صرف اسی اسناد سے لکھی ہے اور یہ قوی نہیں ہے۔

(۲) نہایۃ المحتاج ۵/ ۱۳، ۱۵، الشروانی علی التہجد ۶/ ۳۰۹، شرح المروء ص ۸۳/ ۲۔

(۳) حدیث ”لا یحل لرجل أن یعطى عطیة...“ کی روایت ابو داؤد (عون المعبود ص ۱۵ طبع المطبعۃ الانصاریہ دہلی) اور ابن ماجہ (حدیث ص ۲۳۷ طبع عینی الجملی) نے بروایت ابن عباس اور عبد اللہ بن عمرو کی ہے، اور ابن حجر نے کہا اس کے رجال ثقہ ہیں (فتح الباری ۵/ ۲۱۱ طبع استنبط)۔

أرحام ۱۶-۱۷

اقارب کے لئے وصیت:

۱۶- غیر وارث رشتہ داروں کے لئے وصیت بالاتفاق جائز ہے۔

جمہور کی رائے یہ ہے کہ اگر کسی نے اپنے غیر وارث رشتہ داروں کے لئے وصیت کی تو اس میں والدین اور اولاد داخل ہیں بشرطیکہ ان کو وراثت سے روک دیا گیا ہو، اس لئے کہ شرعاً ممانعت ہی وراثت کے لئے وصیت ہے (اور یہ وارث نہیں)۔ حنفیہ کے نزدیک یہ داخل نہیں ہوں گے، اس لئے کہ عرف میں والدین یا اولاد کو اقارب و رشتہ دار نہیں کہا جاتا ہے، اگر ان کو اقارب کہہ دیا جائے تو یہ قطع رحمی شمار ہوگی۔

وادخلی الاطلاق داخل ہے، یہی حنفیہ کے یہاں ظاہر روایت اور مالکیہ، شافعیہ اور حنابلہ کا مذہب ہے (۱)۔

جو لوگ ”جد“ (دادا) کے داخل ہونے کے قائل ہیں، ان کے درمیان جد کی تحدید کے بارے میں تین مختلف آراء ہیں:

الف۔ انسان کا قریب ترین دادا داخل ہے، یہ شافعیہ کا قول ہے (۲)۔

ب۔ باپ کا دادا داخل ہے: یہ حنابلہ کا قول ہے، اور فقہاء حنفیہ نے امام ابو یوسف اور امام محمد کے اس قول کو اسی پر محمول کیا ہے کہ اسلام میں اس کے سب سے اخیر دادا پر مال وصیت صرف ہوگا، نیز فقہاء حنفیہ کا کہنا ہے: یہ اس دور کی بات ہے جب انسان کے رشتہ داروں میں ان لوگوں کی کثرت نہیں تھی جو اس کے قریب ترین مسلمان باپ کی طرف منسوب ہوں جب کہ ہمارے اس دور میں وہ ناقابل شمار حد تک کثرت سے ہیں، لہذا وصیت، وصیت کرنے والے

(۱) ابن ماجہ ۵/۳۳۹، البحر الرائق ۸/۵۰۸، لوطاب ۶/۳۷۳، الفواکد الدوائی ۳/۳۳۱، شرح الروض ۵۲/۳، الشروانی علی التہذیب ۵۸/۷، الخرش ۵۸/۷، الطحاوی علی الدرر ۳۳۱/۳۔

(۲) تحفۃ المحتاج مع حاشیہ شروانی اور حاشیہ ابن قاسم عبادی ۵۸/۷۔

کے باپ کی اولاد، اس کے دادا کی اولاد، اور اس کے باپ کے دادا کی اولاد، اس کی وادی، اور اس کی ماں کی وادی کی اولاد پر صرف ہوگی، اس سے زائد لوگوں پر صرف نہیں ہوگی۔

ج۔ جد چہارم (چوتھے دادا) سے آگے صرف ہوگی، یہ حنابلہ کی ایک روایت ہے (۱)۔ اور مذکورہ اجداد کی اولاد اقارب میں داخل ہیں (۲)۔

حنفیہ کے یہاں (سابقہ اختلاف کے ساتھ) اور شافعیہ اور حنابلہ کے یہاں احناف (پوتے) دادا کی طرح ہیں اور مالکیہ کا ظاہر کلام یہ ہے کہ وہ اقارب میں داخل نہیں ہیں (۳)۔

۱۷- أرحام کے لئے وصیت میں (اگر ان کی تعداد محدود نہ ہو تو) مذکور و مؤنث برابہ ہیں، اور سب کا احاطہ کرنا اور ان میں سے ہر ایک کو دینا ضروری ہے، اس پر اتفاق ہے، اور اگر ان کی تعداد محدود نہ ہو تو اس میں اختلاف و تفصیل ہے، جس کے لئے ”وصیت“ کی بحث دیکھی جائے۔ مالکیہ، شافعیہ، حنابلہ، اور حنفیہ میں محمد بن حسن کے نزدیک اس سلسلہ میں قریب و بعید میں کوئی تفریق نہیں ہے۔

امام ابو حنیفہ نے کہا: قرب فالاقرب کے اعتبار سے رحم محرم (محرم رشتہ داروں) کو مقدم کیا جائے گا، اور اگر کوئی رشتہ دار نہ ہو تو ان کے نزدیک وصیت باطل ہے، اور اگر کوئی ایک ہو تو نصف لے گا۔

حنفیہ، شافعیہ اور حنابلہ کے یہاں مال دار اور فقیر برابہ ہیں۔ مالکیہ کے یہاں ان میں اگر کوئی حاجت مند، یا دوسرے سے زیادہ ضرورت مند ہو تو اس کو ترجیح دینا واجب ہے، یعنی اس کو

(۱) المغنی مع المشرح الکبیر ۶/۵۳۹، ۵۵۰، البحر الرائق ۸/۵۰۸۔
(۲) البحر الرائق ۸/۵۰۸، الخرش ۵/۳۱۸، شرح الروض ۳/۵۳، المغنی مع المشرح الکبیر ۶/۵۳۹، مطالب ولی ائسی ۳/۵۳۹۔
(۳) ابن ماجہ ۵/۲۶۲، التاج والاکلیل ۶/۳۷۳، شرح الروض ۳/۵۳، المغنی مع المشرح الکبیر ۶/۵۳۹، مطالب ولی ائسی ۳/۵۳۹۔

واجب ہے، مالکیہ نے صرف والد کا اور اولاد کا نفقہ واجب کیا ہے، اس لئے کہ دادا حقیقی باپ کے معنی میں نہیں ہے، اسی طرح اولاد کی اولاد بھی ”اصول فروع“ کے علاوہ دوسرے رشتہ داروں کے لئے، اور ان کے ذمہ میں نفقہ صرف حنفیہ اور حنابلہ کے یہاں واجب ہے، البتہ حنفیہ نے صرف محرم رشتہ دار کا نفقہ واجب کیا ہے، دوسرے کا نہیں، جب کہ حنابلہ کے یہاں توسع ہے، انہوں نے ہر وارث کے لئے نفقہ واجب کیا ہے، اور غیر وارث کے بارے میں دو روایتیں ہیں، یہ اس صورت میں ہے جب کہ وہ ذوی الارحام جو نہ فرض کے طور پر وارث ہوتے ہیں نہ عصبہ کے طور پر ان کے علاوہ میں سے ہوں، اور اگر وہ ذوی الارحام میں سے ہوں تو نہ ان کا نفقہ واجب ہے، اور نہ ہی ان کے ذمہ واجب ہے، ہاں حنابلہ میں سے ابو الخطاب ان کا نفقہ، اور ان کے ذمہ نفقہ واجب قرار دیتے ہیں، اگر ذوی القربى یا مصبات میں سے کوئی نہ ہو (۱)۔

رشتہ داروں کے نفقہ کے دلائل اس کی شرائط، اس کی مقدار، اس کا ساقط ہونا اور دوسرے احکام اصطلاح: ”نفقہ اقارب“ میں آئیں گے۔

محرم کے تعلق سے دیکھنے، چھونے اور خلوت کا حکم:

۲۱- رحم غیر محرم (نامحرم رشتہ دار) دیکھنے، چھونے اور خلوت کے حکم میں اجنبی کی طرح ہے، دیکھنے اصطلاح: (اجنبی)۔

محرم رشتہ داروں میں سے اگر مرد عورتوں کو دیکھے بشرطیکہ شہوت

سے نہ ہو تو اس کے بارے میں فقہاء کی تین آراء ہیں:

۱- ناف اور گھٹنے کے درمیانی حصہ کو چھوڑ کر عورت کے سارے

بدن کو دیکھنا جائز ہے، یہ شافعیہ کا قول ہے اور حنابلہ کا اس سلسلہ میں

(۱) ابن عابدین ۲/۶۳۲، الخطاب ۳/۲۱۱، بلغۃ السالک ۱/۵۲۵، ۵۲۶، البحرى على الخليل ۳/۶۶، کشاف القناع ۳/۳۱۰، المغنی ۷/۵۸۲، اور اس کے بعد کے صفحات، مبالغہ کردہ مکتبہ المباحث۔

ایک ضعیف قول ہے (۱)۔

ب- ہاتھ کی کھانیاں، بال اور سینہ کے اوپر کا حصہ اور دونوں پیروں کے اطراف اور ایڑی وغیرہ کو دیکھنا جائز ہے، یہ مالکیہ کا قول ہے (۲)۔
ج- چہرہ، گردن، ہاتھ، پیر، سر، اور پنڈلی دیکھنا جائز ہے، یہ حنابلہ کی رائے ہے (۳)۔ البتہ ان کے نزدیک پنڈلی اور سینہ کو دیکھنا مکروہ ہے، یہ احتیاطاً ہے، حرام نہیں۔

د- سر، چہرہ، سینہ، پنڈلی اور بازو کو دیکھنا جائز ہے، یہ حنفیہ کی رائے ہے (۴)۔

عورت کے لئے مرد کی ناف اور گھٹنے کے درمیانی حصہ کو دیکھنا حرام ہے، مالکیہ و حنابلہ میں سے ہر ایک کے یہاں دوسرا قول (اور یہی ان کے یہاں صحیح ہے) یہ ہے کہ مرد اپنی محرم عورتوں کے جس حصہ کو دیکھ سکتا ہے عورت مرد کے اسی حصہ کو دیکھ سکتی ہے (۵)۔ جس کو دیکھنا حرام ہے اس کو چھونا بھی حرام ہے، اس لئے کہ چھونے میں لذت زیادہ ہے (۶) اور بالاتفاق محارم کے ساتھ خلوت جائز ہے (۷)۔ ان احکام کی تفصیلات اپنی اپنی اصطلاحات میں ہیں۔

نکاح میں اقارب کی ولایت:

۲۲- مالکیہ، شافعیہ، حنابلہ اور حنفیہ میں محمد بن الحسن کے یہاں عصبہ کے علاوہ دوسرے رشتہ داروں کے لئے ولایت نکاح میں کوئی حق

(۱) شرح الروض ۳/۱۱۰، فتاویٰ ابن تیمیہ ۵/۳۱۳، المغنی ۷/۵۵۵۔

(۲) الخطاب ۱/۵۰۰۔

(۳) المغنی مع المشرع الکبیر ۷/۵۵۵، مطالب ولی النبی ۵/۱۲۔

(۴) ابن عابدین ۵/۲۳۵، البدائع ۵/۱۲۰۔

(۵) البدائع ۵/۱۲۲، شرح الروض ۳/۱۱۰، مطالب ولی النبی ۵/۱۵، بلغۃ

السالک ۱/۵۰۶، الخطاب ۱/۵۰۱، المغنی ۶/۵۶۳، طبع المباحث۔

(۶) سائتہ مراجع۔

(۷) بلغۃ السالک ۱/۵۰۶، شرح الروض ۳/۱۱۰، مطالب ولی النبی ۵/۲۲۔

نہیں۔

امام ابو حنیفہ اور امام ابو یوسف کے نزدیک صحیح یہ ہے کہ عصبہ کی عدم موجودگی میں وہ نکاح کے ولی ہوں گے (۱)۔

ان کا بیان اور ولایت میں ان کی ترتیب کا ذکر اصطلاح: ”نکاح“ کے تحت ”ولایت نکاح“ کے بیان میں ہے۔

حدود و تعزیرات میں رشتہ کا اثر:

۲۳- رشتہ بسا اوقات سزا کو سخت کرنے کا سبب ہوتا ہے، مثلاً ذی رحم محرم (محرم رشتہ دار) کا قتل اور بسا اوقات سزا کو ختم کرنے کا بھی سبب بنتا ہے، مثلاً باپ اپنے بیٹے کو قتل کرے، یا اس پر زنا کی تہمت لگائے، تفصیل کے لئے دیکھئے اصطلاح: (قصاص، زنا، قذف اور سرقہ)۔

اقارب کی آزادی:

۲۵- مذاہب اربعہ کا اتفاق ہے کہ والدین (اگرچہ اوپر کے یعنی ماں باپ کے علاوہ، دادا، دادی اور نانی ہوں) اگر ان کی اولاد ان کی مالک ہو جائے تو وہ آزاد ہو جاتے ہیں، اسی طرح اولاد (اگرچہ نیچے کی ہو) اگر والدین ان کے مالک ہو جائیں تو آزاد ہو جائے گی۔ اس میں مرد، عورت، مسلمان اور کافر سب برابر ہیں، اس لئے کہ یہ قرابت سے متعلق حکم ہے، لہذا اس میں سب برابر ہیں (۲)۔ والدین کو آزاد کرنا واجب ہے، اس پر ان کی دلیل فرمان

رشتہ داروں کی گواہی اور ان کے حق میں فیصلہ:

۲۴- اصل کی گواہی فرع کے حق میں، یا فرع کی گواہی اصل کے حق میں مقبول نہیں ہے، اس لئے کہ ان میں ہر ایک دوسرے کی طرف فطری طور پر مائل ہوتا ہے، نیز حدیث میں ہے: ”فاطمۃ بضعة منی یربینی ما اربہا“ (۲) (فاطمہ میرا ایک ٹکڑا ہے، جو اس کو برا لگے مجھ کو بھی برا لگے گا)۔

بقیہ (رشتہ داروں) کی گواہی مقبول ہے، البتہ مالکیہ نے بھائی کی گواہی کے مقبول ہونے کے لئے یہ شرط لگائی ہے کہ وہ عدالت (دیانت داری) میں نمایاں ہو، اور جس کے لئے گواہی دے رہا ہو وہ

(۱) ابن ماجہ بن ۳۸۰، الفتاویٰ الہندیہ ۳/۵۰، الدرستی ۳/۱۶۸، ۱۶۹، نہلیۃ المحتاج ۸/۲۳۳، المحرر ۲/۳۰۳، مطالب ولی النبی ۶/۶۲۵۔

(۲) سابقہ مراجع، تبصرہ الحکام ۸/۸۱۔

(۳) الانصاف ۱۱/۲۱۶۔

(۴) الفتاویٰ الہندیہ ۲/۸، المحرر ۱/۲۱، مفتی المحتاج ۳/۹۹، ۵۰۰، شرح الروض ۳/۳۶، مطالب ولی النبی ۳/۶۹۶۔

(۱) ابن ماجہ بن ۳/۱۲، ۳/۱۳، الفواکیر الدوائی ۲/۳۱، کفاۃ الطالب الربانی ۳/۹، التجریدی علی الخطیب ۳/۳۲، مطالب ولی النبی ۵/۲۶۱۔

(۲) حدیث ”فاطمۃ بضعة منی یربینی ما اربہا“ کی روایت بخاری (فتح الباری ۹/۳۲ طبع استغنیہ) نے کی ہے۔

اُرحام ۲۵

محرم نہ ہو مثلاً چچا، یا ماموں کے بیٹے تو آزادی نہیں ہوگی۔
دوم: آزادی کا حکم بہنوں اور بھائیوں کے ساتھ خاص ہے، ان کے علاوہ رشتہ دار، مثلاً بھائیوں، بہنوں، چچاؤں، پھوپھیوں، ماموؤں اور خالائوں کی اولاد ملکیت کی وجہ سے آزاد نہیں ہوں گے، یہ مالکیہ کا مذہب ہے (۱)۔
سوم: یہ حکم اصول فروع کے ساتھ خاص ہے، یہ شافعیہ کا مذہب ہے (۲)۔



باری ہے: ”وَ اَحْفَظْ لَهُمَا جَنَاحَ الذَّلٰلِ مِنَ الرَّحْمَةِ“ (۱) اور ان کے سامنے محبت سے انکسار کے ساتھ جھکے رہنا۔ ان کو غلام رکھتے ہوئے ان کے سامنے بازو کا جھکانا نہیں ہو سکتا اور اولاد آزاد ہو جاتی ہے، اس پر ان کا استدلال اس آیت سے ہے: ”وَمَا يَنْبَغِي لِلرَّحْمَنِ اَنْ يَّتَّخِذَ وَلَدًا اِنْ كُلُّ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اِلَّا اَتَى الرَّحْمٰنَ عَبْدًا“ (۲) اور خدائے رحمان کے لائق یہ (کسی طرح) نہیں کہ وہ بیٹا اختیار کرے جتنے جو کوئی بھی آسمانوں اور زمین میں ہیں سب خدائے رحمان کے روبرو عبد کی حیثیت سے حاضر ہوتے رہتے ہیں)۔

نیز فرمان باری ہے: ”وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا“ (۳) اور (یہ لوگ) کہتے ہیں کہ خدائے رحمان نے اولاد اختیار کر رکھی ہے)۔ ان دونوں آیتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ ولدیت اور عبدیت ایک ساتھ جمع نہیں ہو سکتے (۴)۔

اصول فروع (باپ و دادا وغیرہ اور اولاد) کے علاوہ دوسرے رشتہ داروں کی ملکیت کے بعد آزادی کے بارے میں علماء کی تین آراء ہیں:

اول: ذی رحم محرم آزاد ہوتا ہے، یہ حنفیہ اور حنابلہ کا مذہب ہے، لہذا اگر کوئی اپنے ذی رحم محرم کا مالک ہو جائے تو وہ آزاد ہو جاتا ہے، اس کی ملکیت میں باقی نہیں رہے گا، اور ذی رحم محرم ایسا رشتہ دار ہے جس سے نکاح حرام ہو (۵)۔

اور اگر محرم ہو لیکن رشتہ دار نہ ہو، مثلاً اپنے بیٹے یا باپ کی بیوی کا مالک ہو جائے تو اس پر آزاد نہیں ہوگا، اسی طرح اگر رشتہ دار ہو لیکن

(۱) سورہ اسراء ۲۳۔

(۲) سورہ بقرہ ۱۱۲، ۱۱۳۔

(۳) سورہ بقرہ ۱۱۲۔

(۴) شرح الروض ۳۶، ۳۷۔

(۵) الفتاویٰ الہندیہ ۲/۸۰۔

(۱) الخرشنی ۱۲۱/۸۔

(۲) شرح الروض ۳۶، ۳۷، معنی المحتاج ۳۹۹، ۴۰۰۔

إرداف ۱-۳

إرداف کی وجہ سے ضمان:

۳- اگر کسی نے سواری کے لئے جانور کرایہ پر لیا، اور مالک کی اجازت کے بغیر اپنے پیچھے دوسرے کو سوار کر لیا، اور اس سوار کرنے کی وجہ سے جانور ہلاک ہو گیا تو حنفیہ کے نزدیک تاوان میں جانور کی آدھی قیمت دے گا، یہی حنابلہ کی بھی ایک رائے ہے، اور مالکیہ اور شافعیہ کے یہاں تاوان میں پوری قیمت دے گا، اور یہی حنابلہ کے یہاں رائج ہے (۱)۔



إرداف

تعریف:

۱- إرداف: "أردف" کا مصدر ہے، اور أردفه کا معنی ہے: کسی کو اپنے پیچھے سوار کرنا، فقہاء کا استعمال اس معنی سے خارج نہیں (۱)۔

اجمالی حکم:

۲- مرد مرد کو اور عورت عورت کو اپنے پیچھے سوار کر سکتا ہے اگر اس کے نتیجے میں کوئی خرابی یا شہوت انگیزی نہ ہو، کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فضل بن عباس کو اپنے پیچھے سوار کیا (۲)۔

مرد اپنی بیوی کو اور بیوی اپنے شوہر کو اپنے پیچھے سوار کر سکتی ہے، اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ نے ام المؤمنین حضرت صفیہ کو اپنے پیچھے سوار کیا (۳)۔ اور اگر شہوت کا اندیشہ نہ ہو تو مرد درشتہ دار خرم عورت کو اپنے پیچھے سوار کر سکتا ہے، البتہ مفسدہ کے سد باب کی خاطر اور حرام شہوت سے بچنے کے لئے عورت کا اجنبی مرد کو اور مرد کا اجنبی عورت کو اپنے پیچھے سوار کرنا ممنوع ہے۔

(۱) المصباح لسان العرب: مادہ (ردف)۔

(۲) حدیث "إردافہ الفضل" کی روایت بخاری اور مسلم نے کتاب الحج میں کی ہے (المؤلف والرجحان ص ۲۹۵)۔

(۳) حدیث "إردافہ صفیہ" ... کی روایت بخاری (فتح الباری ۱۰/۵۶۹ طبع استقبر) نے کی ہے۔

(۱) فتح القدیر ۷/۱۶۹ طبع دار صادر، تحت المحتاج ۶/۱۸۳، ۱۸۴ طبع دار صادر الانصاف ۶/۵۳ طبع حادہ العقی، حاشیہ الدسوقی ۳/۳۷، ۳۸ طبع دار الفکر بخاری مع فتح الباری ۱۰/۳۲۷، القرطبی ۵/۲۱۳ طبع دار الکتب، ابن ماجہ ۲/۲۷۲ طبع بول، اقلیو بی ۳/۸۲، ابن ماجہ ۵/۲۳۵، ۲۳۸، المجموع المہدوی ۲/۲۸، ۲۹

ارسال

تعریف:

۱- ارسال لغت میں: ارسال کا مصدر ہے۔ کہا جاتا ہے: ارسال الشيء: اس نے کسی چیز کو چھوڑ دیا اور آزاد کر دیا، اور کہا جاتا ہے: ارسال الكلام: اس نے گفتگو بغیر کسی قید کے آزادی سے کی، اور ارسال الرسول: کسی کو خط دے کر بھیجنا، ارسال عليه شيئا: اس پر فلاں چیز کو مسلط کیا، اور قرآن کریم میں ہے: "أَلَمْ تَرَ أَنَا أَرْسَلْنَا الشَّيَاطِينَ عَلَى الْكَافِرِينَ تَوَزُّهُمْ أَزًّا" (۱) (کیا آپ کو معلوم نہیں کہ ہم نے شیاطین کو کفار پر چھوڑ رکھا ہے جو ان کو خوب ابھارتے رہتے ہیں)۔

فقہاء کے یہاں لفظ "ارسال" کے متعدد استعمالات ہیں:

ڈھیلا کرنا اور ڈھیل دینا، مثلاً نماز میں دونوں ہاتھوں کو چھوڑ دینا، عمامہ کے سرے کو لٹکانا، بال کو چھوڑنا یعنی اس کو نہ باندھنا۔ بھیجنا، مثلاً کسی کو مال یا پیغام یا کوئی اور چیز دے کر روانہ کرنا۔ آزاد کرنا، مثلاً محرم کے قبضہ میں جو شکار ہے اس کو آزاد کرنا۔ چھوڑنا، مثلاً پانی، آگ اور جانور کو چھوڑنا۔ مسلط کرنا، مثلاً جانور یا تیر کو شکار پر ڈالنا۔

اسی طرح ارسال نسبت نہ کرنے اور مطلق نہ رکھنے کے معنی میں آتا ہے، اس کی مثال ابن نجیم نے یہ دی ہے: میاں بیوی کے درمیان خلع ہوا، تو قبول کرنا عورت کے ہاتھ میں ہے، خواہ بدل خلع مرسل ہو

یا مطلق، یا عورت یا اجنبی کی طرف منسوب ہو، خواہ یہ نسبت بحیثیت ملک ہو یا بطور ضمان ہو، اور اگر خلع اجنبی اور شوہر کے درمیان ہو اور بدل خلع مرسل (یعنی معین لیکن بلا اضافت و نسبت) ہو تو قبول کرنا عورت کے ہاتھ میں ہے مثلاً عورت کہے: میرے ساتھ اس گھر کے بدلہ خلع کر لو، اگر عورت اس گھر کے سپرد کرنے پر قادر ہو تو گھر شوہر کے سپرد کرے گی، ورنہ اگر وہ چیز ذوات الامثال میں سے ہو تو اس کا مثل دے گی، اور اگر ذوات القیم میں سے ہو تو قیمت دے گی، پوری بحث: "خلع" میں ہے (۱)۔ اور مطلق مثلاً بیوی کہے: کپڑے پر مجھ سے خلع کر لو، اور منسوب مثلاً عورت کہے: میرے گھر کے بدلے مجھ سے خلع کر لو (۲)۔

اصولیین ارسال کا استعمال "مصلحت مرسلہ" میں کرتے ہیں، اس لئے کہ مصلحت مرسلہ ہر ایسی مصلحت ہے جس کو شریعت نے یوں آزاد رکھا ہو کہ اس کو معتبر یا لغو قرار نہ دیا ہو۔ حدیث میں ارسال کا ایک خاص استعمال ہے اور وہ یہ ہے۔

حدیث میں ارسال:

۲- جمہور محدثین کے نزدیک لفظ ارسال کا اطلاق یہ ہے کہ تابعی اپنے اور رسول اللہ ﷺ کے درمیان واسطہ کو ترک کر دے، یعنی تابعی حدیث کو رسول اللہ ﷺ سے مرفوعاً بیان کرے، خواہ تابعی بڑا ہو یا چھوٹا، مثلاً کہے: رسول اللہ ﷺ نے یہ فرمایا، یا یہ کیا، یا آپ کی موجودگی میں یہ کیا گیا وغیرہ۔

بعض لوگوں نے خاص طور پر بڑے تابعی کے رفع کو ارسال کہا ہے، بڑا تابعی وہ ہے جس نے صحابہ کی ایک جماعت کو دیکھا اور ان کی

(۱) البحر الرائق شرح كنز الدقائق للامام زين الدين بن نجيم ۴۸۱ طبع دار المعرفہ بیروت۔

(۲) حاشیہ منہج الخلق علی البحر الرائق للامام محمد ائمن معروف بابن عابدین ۱۰۱۔

ارسال ۳

مجلس میں بیٹھا ہو، مثلاً عبداللہ بن عدی اور سعید بن مسیب وغیرہ۔
اگر سلسلہ اسناد تابعی تک پہنچنے سے پہلے منقطع ہو جائے مثلاً ایسا راوی ہو جس کا اپنے سے اوپر کے روایات سے سماع نہ ہو تو حاکم اور دوسرے محدثین کے نزدیک یہ مرسل نہیں بلکہ منقطع کہلائے گی اگر ساقط ہونے والا راوی تنہا ہو، اور اگر کئی ایک ہوں تو ”معضل“ کہلائے گی، لیکن اصولیین کے نزدیک یہ سب مرسل کہلائے گی، اور محدثین میں خطیب کی یہی رائے ہے، انہوں نے اس کو قطعی قرار دیا ہے (۱)۔ اور مسلم الثبوت میں ہے: اولیٰ یہ ہے کہ کہا جائے: مرسل وہ حدیث ہے جس کو معتبر راوی سند غیر متصل سے روایت کرے، تاکہ منقطع کو بھی شامل ہو جائے، اور محدثین کے یہاں مرسل یہ ہے کہ تابعی کہے: رسول اللہ ﷺ نے اس طرح فرمایا، اور معضل جس کی سند سے دو راوی ساقط ہوں، منقطع جس کی سند سے ایک راوی ساقط ہو، مطلق جس کو تابعی کے نیچے کے راوی نے بغیر سند کے روایت کیا ہو، اور اہل اصول کے یہاں یہ سب مرسل میں داخل ہیں، اکثر اصطلاحات اور ناموں کا کوئی فائدہ ظاہر نہیں ہوا۔

حدیث مرسل کی اقسام و حکم:

۳۔ قسم اول: مرسل صحابی، اس کا حکم یہ ہے کہ بالا جماع مقبول ہے، کیونکہ صحابہ کرام کی عدالت پر اجماع ہے (۲)۔
قسم دوم: قرن ثانی و ثالث یعنی تابعین و تبع تابعین کا ارسال، اس کے حجت ہونے میں علماء کا اختلاف ہے، اس لئے کہ حنفیہ و مالکیہ کے یہاں حجت ہے، حنابلہ کے یہاں مشہور ترین روایت یہی ہے، بشرطیکہ ارسال کرنے والا معتبر ہو۔

- (۱) جامعہ الرباوی علی المناذری الرباوی المصری ص ۶۳۳، ۶۳۴ طبع اعمانیہ۔
(۲) انوار الجنک علی شرح المنار لابن ملک ص ۶۳۲، مؤلفہ شیخ الاسلام محمد بن ابراہیم معروف بہ ابن حلی، طبع اعمانیہ۔

امام شافعی اس کو صرف اس صورت میں حجت مانتے ہیں جب اس کی تائید کسی آیت، یا حدیث مشہور، یا قیاس صحیح کی موافقت سے یا صحابی کے قول سے ہو، یا امت نے اس کو عمومی طور پر قبول کر لیا ہو، یا اس کے ارسال میں دو معتبر آدمی مشترک ہوں بشرطیکہ ان دونوں کے شیخ الگ الگ ہوں، یا اس مرسل کا دوسری سند سے متصل ہونا ثابت ہو، مثلاً ارسال کرنے والے کے علاوہ کسی اور نے اس کو متصل روایت کیا ہو، یا خود مرسل کرنے والے نے اس کو دوبارہ اسناد کے ساتھ روایت کیا ہو۔

دوسری سند سے اتصال ثابت ہونے کی وجہ سے سعید بن مسیب کی مرسل روایات مقبول ہیں، اس لئے کہ تلاش کے بعد ان کی مرسل روایات مستند پائی گئی ہیں (یعنی متصل و مرفوع ہیں) اور ان میں سے اکثر انہوں نے حضرت عمر بن خطاب سے سنی ہیں، مرسل حجت ہے یا نہیں، اس سلسلہ میں امام شافعی نے یہی لکھا ہے (۱)۔

امام احمد کی رائے کی وضاحت صاحب ”شرح روضة الناظر“ کی نقل سے ہوتی ہے، جس کا حاصل یہ ہے: امام احمد سے دونوں روایتیں ہیں، مشہور ترین روایت یہ ہے کہ مرسل حجت ہے (۲)۔
قسم سوم: قرون ثلاثہ کے بعد کسی عادل آدمی کا ارسال، اس طرح کی مرسل روایات ابو الحسن کرنی کے نزدیک حجت ہیں، اس لئے کہ عادل آدمی کا ارسال ہر دور میں مقبول ہے، کیونکہ قرون ثلاثہ کے مراہیل کے مقبول ہونے کی علت یعنی عدالت اور ضبط تمام قرون کو شامل ہے (۳)۔

- (۱) شرح المنار ص ۶۳۲، مؤلفہ عزالدین عبداللطیف بن عبدالعزیز بن الملک، طبع اعمانیہ۔
(۲) نزہۃ الخاطر العاظمی فی شرح روضة المناظر ص ۳۲۳، مؤلفہ عبدالقادر بن بدران حبلی، طبع اعمانیہ۔
(۳) کشف الاسرار ص ۷۷۔

۴۔ ارسال

اکرم ﷺ تک پہنچاتے تھے (۱)۔

ب۔ رسول اللہ ﷺ کی نماز کے طریقہ کے بارے میں وائل بن حجر کی روایت میں ہے: ”انہ وضع یدہ الیمنی علی کفہ الیسری والرسغ والمساعد“ (۲) (حضور ﷺ نے اپنا داہنا ہاتھ اپنی بائیں ہتھیلی، گئے اور کھائی پر رکھا)۔

ج۔ حضرت عبداللہ بن مسعود سے ان کا قول مروی ہے: ”مرّی النبی ﷺ وانا واضع یدی الیسری علی الیمنی فاخذ بیدی الیمنی فوضعتها علی الیسری“ (۳) (نبی کریم ﷺ کا میرے پاس سے گزر ہوا، میں اپنے بائیں ہاتھ کو داہنے ہاتھ پر رکھے ہوئے تھا، آپ ﷺ نے میرے داہنے ہاتھ کو پکڑ کر بائیں ہاتھ پر رکھ دیا)۔

دوم: فرض نماز میں ہاتھ کو چھوڑنا مستحب اور باندھنا مکروہ ہے اور نفل نماز میں جائز ہے، ایک قول یہ ہے کہ نفل میں علی الاطلاق جائز ہے، دوسرا قول یہ ہے کہ اگر نماز لمبی ہو، یہ ”المدونہ“ میں امام مالک سے ابن قاسم کی روایت ہے، شیخ خلیل اور ان کے ”متن“ کے شرح مثلاً درویر اور دسوقی کی یہی رائے ہے، اور فرض میں کراہت کی علت یہ بتائی گئی کہ ہاتھ باندھنے میں ہاتھوں پر سہارا لینا ہے، جو ٹیک لگانے کے مشابہ ہے، اور اسی وجہ سے درویر نے کہا: اگر اعتماد (سہارا لینے) کے لئے نہیں بلکہ سنت کی ادائیگی کے لئے ہو تو مکروہ نہیں، پھر کہا: یہی تعلیل قابل اعتماد ہے، اس بنیاد پر نفل میں علی الاطلاق جائز ہے

(۱) صحیح البخاری ۱/ ۲۹۶، مؤلفہ امام ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل البخاری، مطبع کردہ دارالطباعة الممیرہ قلمبرہ۔

(۲) مسلم ۱/ ۳۰۱، مؤلفہ امام ابوالحسن مسلم بن حجاج قشیری نیشاپوری طبع دار احیاء الکتب العربیہ عیسیٰ الخلیفی قلمبرہ، نیل الاوطار ۲/ ۲۰۷، ۲۰۸، مؤلفہ شیخ محمد بن علی شواکی طبع مصطفیٰ الحلیمی۔

(۳) سنن ابن ماجہ ۱/ ۲۶۶، مؤلفہ حافظ ابو عبد اللہ محمد بن یزید قزوینی طبع عیسیٰ الحلیمی قلمبرہ۔

قسم چہارم: ایک طریق وسند سے مرسل اور دوسری طریق وسند سے متصل ہو، یہ اکثر کے یہاں مقبول ہے، اس لئے کہ ارسال کرنے والا راوی کے حال سے سکت (خاموش) ہے، اور اسناد ذکر کرنے والا مطلق (بیان کرنے والا) ہے، اور سکت و مطلق میں تعارض نہیں، جیسا کہ حدیث ”لانکاح الا بولی“ جس کو اسرائیل بن یونس نے مسند اور شعبہ نے مرسل روایت کیا ہے۔ بعض علماء نے کہا ہے: اس طرح کی مرسل روایات مقبول نہیں، اس لئے کہ راوی کا مروی عنہ کے ذکر سے خاموش ہونا اس پر جرح کرنے کے درجہ میں ہے، اور دوسرے کی اسناد تعدیل کے درجہ میں ہے، اور جب جرح و تعدیل جمع ہوں تو جرح پر عمل ہوتا ہے (۱)۔

اول: ارسال بمعنی إرخاء

نماز میں ہاتھوں کے رکھنے کی کیفیت:

۴۔ اس مسئلہ میں علماء کے چار قول ہیں:

اول: نمازی اپنا دایاں ہاتھ اپنے بائیں ہاتھ پر رکھے، یہ جمہور علماء (حنفیہ، شافعیہ اور حنابلہ) کے یہاں مختار ہے۔

اور امام مالک سے مطرف اور ابن ماشون نے یہی روایت کیا ہے، اور انہوں نے کہا: یہ سنت ہے (۲)۔ اور ان کا استدلال یہ ہے:

الف۔ حضرت سہل بن سعد کی روایت میں ہے کہ انہوں نے کہا: لوگوں کو یہ حکم دیا جاتا تھا کہ نماز میں ہر آدمی اپنا داہنا ہاتھ بائیں بازو پر رکھے، ابو حازم نے کہا: میں تو یہی سمجھتا ہوں کہ سہل اس بات کو نبی

(۱) شرح المنار ص ۶۳۳۔

(۲) بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع ۲/ ۵۳۲، مؤلفہ علاء الدین ابوبکر بن مسعود الکاسانی الحنفی طبع الامام قلمبرہ، معنی المحتاج ۱/ ۱۵۲، مؤلفہ علامہ خطیب شربینی، دار الفکر بیروت، کشاف القناع عن متن الاقناع ۱/ ۳۳۳، مؤلفہ علامہ منصور بن یونس بن ادریس یسوی، مطبع کردہ مکتبۃ انصار الحدیث الریاض۔

ارسال ۵

کیونکہ نفل میں بلا ضرورت اعتما و وسہار ایسا جائز ہے۔

سوم: فرض و نفل میں ہاتھ باندھنا مباح ہے، شہب اور ابن مافع کے سننے کے مطابق امام مالک کا یہی قول ہے۔

خطاب نے ابن فرحون کے حوالہ سے لکھا ہے: ربادونوں ہاتھوں کو اٹھانے کے بعد ان کو چھوڑنا تو سند نے کہا ہے: اس سلسلہ میں مجھے کوئی تصریح نہیں ملی، اور میرے نزدیک اظہر یہ ہے کہ تکبیر کی حالت میں ان دونوں کو چھوڑے، تاکہ حرکت کے ساتھ ہو، اور مناسب یہ ہے کہ ان دونوں کو آہستہ سے چھوڑے (۱)۔

شافعیہ سے جو بات منقول ہے اس سے مالکیہ کے قول کی تائید ہوتی ہے، کیونکہ شربینی نے کہا ہے: ”نماز میں دونوں ہاتھوں کو باندھنے کا جو تذکرہ ہے اس کا مقصد ہاتھوں کو حرکت سے روکنا ہے، اگر وہ ان دونوں کو چھوڑ دے اور ان سے نہ کھیلے تو کوئی حرج نہیں“ (۲)۔

چہارم: دونوں (یعنی فرض و نفل) میں باندھنے کی ممانعت، اس کو باجی نے نقل کیا ہے، اور ابن عرفہ نے ان کی اتباع کی ہے، لیکن مسناوی نے کہا ہے: یہ رائے شاذ ہے (۳)۔

عمامہ کے سرے کو چھوڑنا اور اس کو ٹھوڑی کے نیچے سے لپیٹنا:

۵- خطاب نے ابن الحاج کی کتاب ”المدخل“ کے حوالہ سے لکھا ہے: عمامہ سرے اور ٹھوڑی کے نیچے سے لپیٹے بغیر بدعت و مکروہ ہے، اگر ان دونوں کو بجالائے تو اکمل ہے، اور اگر ان میں کسی ایک کو

(۱) مواہب الجلیل ۱/ ۵۳۷، مؤلفہ ابو عبد اللہ محمد بن محمد بن عبد الرحمن مغربی معروف بہ خطاب، مکتبۃ الخراج لیبیا۔

(۲) الاتحاف فی حل اللفاظ الی شجاع ۱/ ۱۳۱۔

(۳) المدونۃ ۱/ ۲۵۰، المدونۃ ۲/ ۷۳، بدایۃ المجتہد ۱/ ۳۷، المنہج شرح الموطا ۲۸۱، الترغیب ۱/ ۲۱۳۔

بجالائے تو اس کی وجہ سے مکروہ سے نکل جائے گا، اور عبد الحق اشعیری سے ان کا قول منقول ہے: عمامہ باندھنے کے بعد سنت یہ ہے کہ اس کے سرے کو لٹکائے، اور اس کو ٹھوڑی کے نیچے سے لپیٹے، اگر نہ سرا لٹکائے اور نہ ہی لپیٹے تو علماء کے نزدیک مکروہ ہے۔

امام نووی سے ان کا یہ قول مروی ہے: عمامہ کے سرے کو لٹکانے یا نہ لٹکانے میں کوئی کراہت نہیں، لیکن شیخ کمال الدین ابن ابی شریف نے ان کی گرفت کرتے ہوئے کہا ہے: بظاہر اس کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ مباح ہے، جس کے دونوں سرے برابر ہوں، انہوں نے کہا: حالانکہ ایسا نہیں، بلکہ لٹکانا مستحب ہے، اور اس کا ترک خلاف اولیٰ ہے۔

حنفیہ کے یہاں تصریح ہے کہ عمامہ کے سرے کو دونوں کندھوں کے درمیان پشت کے وسط تک لٹکانا مندوب ہے۔

ایک قول یہ ہے کہ پیشینے کی جگہ تک اور ایک دوسرا قول ہے: ایک بالشت (۱)۔

حنابلہ کے یہاں بغیر کسی اختلاف کے ٹھوڑی کے نیچے سے لپیٹنا ہو اعمامہ مستحب، اور صماء (بغیر لپیٹنا ہوا) مکروہ ہے، صاحب ”المنہج“ نے کہا: اچھا ہے کہ عمامہ کے سرے کو پشت پر لٹکائے اگرچہ ایک بالشت ہو، یہی امام احمد کی تصریح ہے۔

سناوی نے طبرانی کی معجم کبیر کے حوالہ سے سند حسن کے ساتھ نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت علی کو خیبر بھیجا، اور ان کے سر پر ایک کالا عمامہ باندھا، اور اس کو ان کی پشت پر لٹکایا، یا راوی نے کہا: ان کے بائیں کندھے پر لٹکایا، راوی کو شک ہے، اور بسا اوقات راوی نے مؤخر الذکر کو یقین کے ساتھ بیان کیا ہے (۲)۔

(۱) ابن ماجہ ۵/ ۳۸۱، وآداب الشرعیہ ۳/ ۵۳۶۔

(۲) مواہب الجلیل ۱/ ۵۳۱۔

دوم: ارسال بمعنی پیغامبر بھیجنا

نکاح میں پیغام رسانی:

۶- فی الجملہ فقہاء کا اتفاق ہے کہ نکاح میں پیغامبر بھیجنا درست ہے، اور یہ کہ اس کے آثار مرتب ہوں گے، مذہب میں کچھ اور تفریعات و جزئیات ہیں، مثلاً حنفیہ کی رائے ہے کہ اگر کسی نے عورت کے پاس پیغامبر بھیجا، یا عورت کو خط لکھا، اور اس میں کہا: میں نے تم سے نکاح کر لیا، اور عورت نے دو گواہوں کی موجودگی میں قبول کر لیا، گواہوں نے پیغامبر کی گفتگو یا خط پڑھنے کی آواز سنی تو یہ جائز ہے، اس لئے کہ معنوی اعتبار سے مجلس ایک ہے کیونکہ پیغامبر کا کلام پیغام بھیجنے والے کا کلام ہوتا ہے کیونکہ وہ اس کی عبارت نقل کرتا ہے، اور اس طرح خط پیغامبر کے درجہ میں ہے، لہذا پیغامبر کی بات سننا یا خط پڑھنے کی آواز سننا، معنوی اعتبار سے بھیجنے والے کی بات اور لکھنے والے کے کلام کو سننا ہے، اور اگر گواہوں نے پیغامبر کی بات یا خط کو نہیں سنا تو امام ابوحنیفہ و محمد رحمہما اللہ کے نزدیک جائز نہیں، امام ابو یوسف فرماتے ہیں: اگر عورت کہے میں نے اپنا نکاح کر دیا تو جائز ہے اگرچہ گواہ پیغامبر کی بات یا خط نہ سنیں، اس بنیاد پر کہ عورت کا کہنا: میں نے اپنا نکاح کر دیا، امام ابوحنیفہ و محمد کے نزدیک عقد کا ایک حصہ ہے اور گواہی عقد کے دونوں حصوں (ایجاب و قبول) میں شرط ہے، اس لئے کہ دونوں حصوں کے جمع ہونے پر عقد پایا جاتا ہے، اور جب گواہوں نے پیغامبر کی بات یا خط نہیں سنا، تو عقد پر گواہی والا حصہ نہیں پایا گیا، تنہا شوہر کا قول امام ابو یوسف کے نزدیک عقد ہے جب کہ دونوں گواہ موجود ہوں (۱)۔ اس مسئلہ میں شافعیہ، مالکیہ اور حنابلہ امام ابوحنیفہ و محمد کے ساتھ ہیں (۲)۔

(۱) بدائع الصنائع ۳/ ۳۳۵، مجمع کردہ زکریا علی یوسف۔

(۲) الام ۳/ ۵۳، مؤلفہ امام ابو عبد اللہ محمد بن ادریس شافعی، کتاب النکاح، قلمبرہ، المدوینۃ الکبریٰ ۳/ ۲۳، مؤلفہ امام دار البجرۃ امام مالک بن انس بروایت حمون توفی، مطبعة الصادق قلمبرہ، کشاف القناع ۵/ ۱۰۔

مخطوبہ کو دیکھنے کے لئے بھیجنا:

۷- مالکیہ، شافعیہ اور حنابلہ کی رائے ہے کہ اگر مرد مخطوبہ (وہ عورت جس کو پیغام دیا جائے) کو باسانی نہ دیکھ سکے، تو کسی معتبر عورت کو بھیجے تاکہ وہ اس کے لئے مخطوبہ کو دیکھے، اور اگر اس کے سامنے اس کا حال بیان کر دے، ان کا استدلال حضور ﷺ کے عمل سے ہے، روایت میں ہے کہ حضور ﷺ نے ام سلیم کو ایک عورت کے پاس بھیجتے ہوئے فرمایا: ”انظري عرقوبیہا وشمی معاطفہا“ (۱) (اس کی دونوں کوپوں کو دیکھو اور اس کے گلے کو سونگھو)۔ حاکم نے اس کی روایت کو صحیح کہا ہے، اور اس مسئلہ سے متعلق حاشیہ نہایت محتاج میں شبراہی کا یہ قول نقل کیا گیا ہے: اگر اس کے لئے ممکن ہو کہ کسی عورت کو بھیجے جو اس کو دیکھے اور اس کے سامنے بیان کر دے، تو اس کے بعد اس کے لئے خود دیکھنا جائز نہیں ہے، اور اس میں توقف کیا جاسکتا ہے، اس لئے کہ خبر مشاہدہ کی طرح نہیں ہوتی ہے، کیونکہ کبھی خود دیکھنے والا مشاہدہ کے دوران ایسی چیز کو محسوس کرتا ہے جو الفاظ کی گرفت میں نہیں آتی (۲)۔

طلاق کہانا:

۸- باتفاق فقہاء اگر شوہر اپنی بیوی کو خط بھیجے جس میں تحریر ہو: تم کو طلاق ہے، تو اس کا حکم یہ ہے کہ اس کو فی الحال طلاق ہو جائے گی، خواہ عورت کے پاس خط پہنچے یا نہ پہنچے، اور اس کی عدت کا اعتبار لکھنے کے وقت سے ہوگا۔

اگر خط میں یہ لکھے: ”جب تم کو میرا خط پہنچے تو تم کو طلاق“۔ اور خط اس کے پاس پہنچا، تو اس کی طلاق خط پہنچنے کی تاریخ سے ہوگی، اس

(۱) نیل الاوطار للشوکانی ۶/ ۱۲۵۔

(۲) حاشیہ شبراہی علی نہایۃ المحتاج ۶/ ۳۵، طبع مصنفی المجلس۔

ارسال ۹

لئے کطلاق کے واقع ہونے کی شرط عورت کے پاس خط پہنچنا ہے (۱)۔

نہیں ہوگا، بلکہ بھیجنے والے سے قیمت کا مطالبہ ہوگا (۱)۔

مالی تصرفات میں پیغام رسانی:

معاوضہ والے معاملات میں پیغام رسانی:

۹- باتفاق فقہاء اگر کوئی شخص کسی کے پاس پیغامبر یا خط بھیجے، جس میں اس سے مطالبہ ہو کہ کوئی چیز اس کے ہاتھ فروخت کر دے، اور مرسل الیہ نے اس مجلس میں اس کو قبول کر لیا جس میں خط پڑھا گیا، یا پیغامبر کی بات سنی تو فریقین کے درمیان بیع مکمل ہوگئی، اس لئے کہ پیغامبر سفیر اور پیغام بھیجنے والے کی بات کو بیان کرنے والا اور اس کی بات مرسل الیہ تک پہنچانے والا ہوتا ہے، تو گویا کہ پیغام بھیجنے والا بذات خود حاضر ہے، اور خود بیع کے الفاظ کہہ کر اس کا ایجاب کیا، اور دوسرے نے مجلس میں قبول کر لیا۔

عقد بیع میں جاری ہونے والا یہ حکم عقد اجارہ و مکاتبہ میں بھی جاری ہوگا (۲)۔ لہذا مالک نے خرید کے لئے بھیجنے کے حکم میں پیغامبر کے الفاظ کے اعتبار سے تفریق کی ہے، اگر وہ پیغامبر خرید کو اپنی طرف منسوب کرے تو قیمت کا مطالبہ اس سے ہوگا، لیکن اگر بھیجنے والا اقرار کر لے کہ اسی نے اس کو بھیجا تھا تو بیچنے والے کے لئے دو قرضہ دار ہو جائیں گے، وہ جس کے پیچھے چاہے لگ جائے، ہاں اگر بھیجنے والا قسم کھائے کہ اس نے قیمت پیغامبر کو دے دی ہے تو وہ بری ہو جائیگا اور بیچنے والا پیغامبر کے پیچھے لگے گا، اور اگر پیغامبر نے خرید کو بھیجنے والے کی طرف سے منسوب کیا تو خود اس سے قیمت کا مطالبہ

(۱) المغنی مع الشرح المکبیر ۸/ ۳۱۳، مؤلفہ امام سہبائی الدین بن قدامہ دارالکتب العربیہ بیروت، فتح القدیر ۳/ ۳۳، البدائع ۳/ ۱۸۵۰، البحرى ۳/ ۹۷، سواہب الجلیل ۳/ ۹۱، ۹۲، المناجج والاکلیل ۳/ ۹۸۔

(۲) کشاف القناع ۲/ ۳، حاشیہ البحرى علی شرح منہج الطلاب ۲/ ۱۶۹، الشرح المکبیر وحاشیہ الدسوقی ۳/ ۳۸۲، مؤلفہ ابوالبرکات سیدی احمد درودیر طبع عیسیٰ الحلبنی، بدائع الصنائع ۶/ ۲۹۹۳۔

درودیر نے اپنی ”شرح کبیر“ میں لکھا ہے کہ اگر پیغامبر کہے: فلاں آدمی نے مجھے بھیجا ہے کہ آپ ان کو فلاں چیز سو میں بیچ دیں، یا اس لئے بھیجا ہے کہ آپ سے فلاں چیز مثلاً سو میں خرید لے، اور سامان والا راضی ہو جائے تو پیغامبر سے قیمت کا مطالبہ نہیں ہوگا، اور اگر وہ فلاں شخص اس کو بھیجنے سے انکار کرے تو قیمت پیغامبر کے ذمہ ہے، اور اگر پیغامبر نے یوں کہا: فلاں نے مجھے بھیجا ہے کہ میں آپ سے اس کے لئے خریدوں، تو قیمت کا مطالبہ پیغامبر سے ہوگا، اس لئے کہ پہلی حالت میں اس نے خریداری کو غیر کی طرف منسوب کیا تھا، اور مؤخر الذکر حالت میں خریداری کو اپنی طرف منسوب کیا ہے (۲)۔

اسی طرح حنفیہ کا اتفاق ہے کہ جس کو خریدنے کے لئے بھیجا جائے وہ ”خیار“ کو باطل کرنے کا مالک نہیں، اور اس کا دیکھنا بھیجنے والے کا دیکھنا نہیں ہوگا، اگر بھیجنے والے نے نہیں دیکھا تو اس کے لئے ”خیار“ ثابت ہوگا (۳)۔ اس پر امام سرخسی نے ”المبسوط“ میں یہ تبصرہ کیا ہے: قاصد کے دیکھنے اور اس کے قبضہ کرنے سے بھیجنے والے کے ذمہ سامان لازم نہیں ہوتا، اس لئے کہ مقصود یہ ہے کہ عقد کرنے والا معقود علیہ (معاملہ کے سامان) کے اوصاف کو جانے، تاکہ اس کی رضا مکمل ہو، قاصد کے دیکھنے سے یہ حاصل نہیں ہے، اس میں زیادہ سے زیادہ یہ بات ہے کہ قاصد کا قبضہ کرنا خود بھیجنے والے کے قبضہ کرنے کی طرح ہے، اور اگر بھیجنے والا دیکھنے سے پہلے خود قبضہ کرنا تو دیکھنے پر اس کو خیار حاصل ہوتا، لہذا اگر قاصد بھیجا اور اس نے اس کے

(۱) حاشیہ الدسوقی علی الشرح المکبیر ۳/ ۳۸۲، مؤلفہ علامہ خمس الدین شیخ محمد عرفہ الدسوقی طبع عیسیٰ الحلبنی۔

(۲) الشرح المکبیر للدرودیر ۳/ ۳۸۲۔

(۳) الفتاویٰ الہندیہ ۳/ ۶۵، تالیف علامہ شیخ نظام و جماعت علماء عظام ہند، المکتبۃ الاسلامیہ ترکی۔

لئے قبضہ کیا تو یہی حکم ہوگا (۱)۔

بھیجی گئی چیز کی ملکیت:

۱۰- اگر کا فیصلہ ہے کہ بھیجی گئی چیز بھیجنے والے کی ملکیت میں باقی رہتی ہے، تا آنکہ جس کے لئے اس کو بھیجا گیا ہے وہ اس پر قبضہ کر لے، لہذا جب تک اس نے قبضہ نہیں کیا بھیجنے والے کی ملکیت میں باقی ہے، اور چونکہ اس نے اس چیز کو ایک شخص کے لئے معین کر دیا ہے اس لئے کسی دوسرے کے لئے اس کو لینا کسی طرح جائز نہیں ہے (۲)۔

بھیجنے کی صورت میں ضمان:

۱۱- درودیر نے لکھا ہے: اگر کوئی دعویٰ کرے کہ اس کو زید کی طرف سے بکر سے زیورات عاریۃ لینے کے لئے بھیجا گیا ہے، چنانچہ بکر نے اس کو مظلومہ زیورات دے دیئے، پھر قاصد یہ دعویٰ کرے کہ زیورات اس کے ہاتھ سے ضائع ہو گئے تو زید (بھیجنے والا) اس کا ضامن ہوگا اگر وہ اس کے بھیجنے کی تصدیق کرے، اور اگر اس کی تصدیق نہ کرے تو اس سے نہ بھیجنے کی قسم لے لی جائے گی اور وہ بری ہو جائے گا، پھر قاصد سے قسم لے لی جائے گی کہ بلاشبہ اس نے مجھے بھیجا تھا، اور یہ زیورات میری طرف سے کسی لاپرواہی کے بغیر ضائع ہو گئے، اس کے بعد وہ بھی بری ہو جائے گا، اور زیورات بلا عوض ضائع ہو گئے۔ لیکن رائج یہ ہے کہ قاصد ضامن ہوگا اور قسم کھا کر بری نہ ہوگا، الا یہ کہ اس کے بھیج جانے کا ثبوت موجود ہو تو ضمان بھیجنے والے پر ہوگا (۳)۔

(۱) المصنوعۃ ۳/۳۷۳، مؤلفہ شمس الدین سرحدی، دار المعرفۃ للطباعة والنشر

بیروت۔

(۲) الفتاویٰ الکبریٰ المصنوعۃ ۳/۳۷۳۔

(۳) حاشیۃ الدسوقی ۳/۳۲۱۔

ہاں قاضی خاں نے اپنے فتاویٰ میں کہا: ایک شخص نے کپڑے والے کے پاس قاصد بھیجا کہ فلاں فلاں کپڑا اتنی اتنی قیمت کا میرے پاس بھیج دو، کپڑے والے نے اس کے قاصد یا کسی اور کے ساتھ کپڑا بھیج دیا، اور کپڑا آرڈر دینے والے کے پاس پہنچنے سے پہلے ضائع ہو گیا، اور سب اس سے اتفاق و موافق کریں تو قاصد پر کچھ ضمان نہیں، اور اگر کپڑا فروش نے آرڈر دینے والے کے قاصد کے ساتھ کپڑا بھیجا تو ضمان آرڈر دینے والے پر ہوگا، اس لئے کہ اس کے قاصد نے مول بھاؤ کے ساتھ کپڑے پر قبضہ کر لیا، اور اگر اس کے ساتھ کپڑے والے کا قاصد ہو اور کپڑا آرڈر دینے والے کے پاس پہنچ گیا تو وہ ضامن ہوگا (۱)۔

حنفی نے کہا ہے: اگر کسی نے دوسرے کے پاس قاصد بھیجا اور کہا: میرے پاس قرض کے طور پر دس درہم بھیج دو۔ دوسرے نے کہا: ٹھیک ہے اور اس کے قاصد کے ساتھ بھیج دیئے تو قرض منگانے والا اس کا ضامن ہوگا، جب کہ وہ موافق کرے کہ اس کے قاصد نے درہم کو قبضہ میں لے لیا تھا۔

اور اگر کسی کو بھیجا کہ اس کے لئے ہزار درہم قرض لے آؤ، اور ایک شخص نے اس کو قرض دیا اور وہ اس قاصد کے ہاتھ میں ضائع ہو گئے، تو اگر قاصد نے یہ کہا تھا: فلاں بھیجنے والے کو قرض دے دو، تو یہ قرضہ بھیجنے والے کے لئے ہوگا، اور اسی پر ضمان ہے، اور اگر قاصد نے یوں کہا تھا: فلاں بھیجنے والے کے لئے مجھے قرض دے دو، اور اس نے قرض دے دیا، اور مال قاصد کے ہاتھ سے ضائع ہو گیا تو قاصد پر ضمان واجب ہے۔ مسئلہ کا حاصل یہ ہے کہ قرض دینے کا وکیل بنانا جائز ہے اور قرض لینے کا وکیل بنانا جائز نہیں، اور حکم کرنے والے کے

(۱) عبارت اسی طرح ہے اور شاید مراد قیمت کا ضمان ہے دیکھئے الفتاویٰ الخانیہ مع الفتاویٰ الہندیہ ۶/۳۳۔

رسالہ ۱۱

لئے قرض لینے کا پیغام بھیجنا جائز ہے، اگر قرض لینے کے وکیل نے بات پیغام کے طور پر کہی تو قرض حکم کرنے والے کے لئے ہوگا، اور اگر بات وکالت کے طور پر کہی یعنی گفتگو اپنی طرف منسوب کی تو اپنے لئے قرض لینے والا ہوگا، اور جو دراہم قرض لئے ہیں اسی کے لئے ہوں گے، اور اس کو حق ہے کہ وہ دراہم اپنے موکل کو نہ دے (۱)۔

حاصل مسئلہ یہ ہے کہ قاصد اگر صاحب مال کا قاصد ہو تو اس قاصد کے سپرد کر کے ودیع (امانت دار) بری ہو جائے گا اگرچہ قاصد اس کے پاس پہنچنے سے پہلے مر جائے، اور یہ بات لوٹ کر صاحب مال اور قاصد کے درمیان آئے گی، اور اگر قاصد پہنچنے سے قبل مر جائے تو ضمان اس کے ترک میں ہوگا، اور اگر اس کے پاس پہنچ کر مرے تو اس بات پر محمول کرتے ہوئے کہ اس نے مال صاحب مال کو پہنچا دیا اس سے رجوع نہیں کیا جائے گا (اور مظلوم مال اس کے ترک سے نہیں لیا جائے گا)۔

اگر قاصد امانت دار کا قاصد ہو تو جب تک بینہ یا اترار کے ذریعہ ثابت نہ ہو جائے کہ وہ صاحب مال کے پاس پہنچ گیا، امانت دار بری نہ ہوگا، اور اگر قاصد پہنچنے سے پہلے مر جائے تو ودیع (امانت دار) قاصد کے ترک میں سے دیا ہو مال واپس لے گا، اور اگر پہنچنے کے بعد مرے تو اس سے واپس نہیں لے گا، اور یہ ودیع کا نقصان ہوگا (۲)۔

مالکیہ میں سے قاضی عبد الوہاب نے کہا ہے: وکیل، مودع (امانت دار) اور قاصد، موکل، مودع (امانت والا) اور بھیجنے والا یہ سب آپس میں امانت دار ہیں، لہذا اگر یہ کہیں کہ انہیں جو کچھ ملا تھا اس کو مالکان کے سپرد کر دیا ہے تو ان کی بات معقول ہوگی، اس لئے کہ ارباب اموال نے ان کو اس سلسلہ میں معتبر و امانت دار سمجھا ہے،

لہذا آپس میں ان کی بات مقبول ہوگی (۱)۔

جیسا کہ اگر کسی نے دوسرے کے پاس قاصد بھیجا اور کہا: میرے پاس دس درہم قرض کے طور پر بھیج دو، اس نے کہا: ٹھیک ہے، اور حکم دینے والے کے قاصد کے ساتھ دراہم بھیج دینے تو حکم دینے والا ان کا ضامن ہے جب کہ وہ اترار کرے کہ اس کے قاصد نے دراہم پر قبضہ کیا ہے، اور اگر اس نے کسی دوسرے کے ساتھ دراہم بھیجے تو جب تک حکم دینے والے کے پاس پہنچ نہ جائے وہ ضامن نہیں ہوگا، اسی طرح اگر کسی کا دوسرے کے ذمے قرض ہے اور قرض خواہ نے قاصد بھیجا کہ میرا جو قرض تمہارے ذمہ ہے بھیج دو، اگر قرضدار حکم دینے والے کے قاصد کے ساتھ بھیجے تو وہ اس حکم دینے والے کا مال ہوگا، لیکن اگر ایک شخص نے دوسرے کے پاس قاصد کے ساتھ خط بھیجا کہ فلاں کپڑا اتنی قیمت میں میرے پاس بھیج دو، چنانچہ اس نے اس پر عمل کرتے ہوئے خط لانے والے کے ساتھ کپڑا بھیج دیا، تو یہ حکم دینے والے کا مال نہیں ہوگا، تا آنکہ اس کے پاس پہنچ جائے، اس مسئلہ میں قاصد محض خط لے جانے کا قاصد ہے (۲)۔

اگر مودع (دال کے فتح کے ساتھ: ودیعت رکھنے والا) ودیعت کو مودع (بکسر دال: صاحب ودیعت) کی اجازت سے بھیج دے تو یہ بھیجنا درست ہے، اور اگر اس کی اجازت کے بغیر بھیج دے اور وہ قاصد کے ہاتھ بلاک یا ضائع ہوگئی تو اس کا ضمان اس (مودع) کے ذمہ ہے، صرف ایک حالت اس سے مستثنیٰ ہے وہ یہ کہ اگر مودع کو راستہ میں لمبی مدت مثلاً ایک سال کا قیام پیش آجائے تو حق یہ ہے کہ اس کے لئے ودیعت کو دوسرے کے ساتھ بھیجنا جائز ہے اگرچہ اس کو اس کی اجازت نہ ہو، اور اگر وہ بلاک ہو جائے یا چور لے لے تو اس

(۱) مواہب الجلیل ۵/۲۱۰۔

(۲) الفتاویٰ الخانیہ مع الہندیہ ۶/۳۔

(۱) الفتاویٰ الہندیہ ۳/۲۰۶۔

(۲) المدونۃ ۳/۲۷۴، قد رے ٹھہرے کے ساتھ۔

رسالہ ۱۱

کے ذمہ ضمان نہیں، بلکہ اس حالت میں مودع کے ذمہ واجب ہے کہ ودیعت بھیج دے، اگر وہ اس کو روک لے گا تو ضامن ہوگا، اور اگر اس کو راستہ میں مختصر مثلاً چند ایام کا قیام کرنا ہو تو اس پر ودیعت کو اپنے ساتھ باقی رکھنا واجب ہے، اگر اس کی اجازت کے بغیر بھیج دے اور ودیعت ہلاک ہو جائے تو ضامن ہوگا، اور اگر درپیش قیام اوسط درجہ کا ہو مثلاً دو ماہ ہو تو اس کو بھیجنے اور باقی رکھنے کا اختیار ہے، اگر اس کو بھیج دے اور تلف ہو جائے یا روک لے تو اس پر ضمان نہیں (۱)۔

صاحب مال کے وصی کے بارے میں بھی یہی حکم ہے کہ اگر وہ مال کو وراثت کے پاس بھیج دے یا وراثت کی اجازت کے بغیر سفر میں ساتھ لے کر چلا جائے اور وہ تلف یا ضائع ہو جائے تو ضامن ہوگا (۲)۔ اسی طرح اگر قاضی مال کو مستحق خواہ وارث ہو یا غیر وارث، کے پاس بلا اجازت بھیج دے اور وہ ضائع یا تلف ہو جائے تو اس پر ضمان ہے، یہ ان قاسم کے نزدیک ہے، اصنع کا اختلاف ہے کہ ان کے نزدیک قاضی پر ضمان نہیں، ابن قدامہ نے امام احمد کا قول نقل کیا ہے کہ اگر کسی کے دوسرے کے ذمہ کچھ درہم ہوں، مالک نے اس کے پاس قاصد بھیجا تاکہ ان پر قبضہ کرے، اور اس نے قاصد کے ساتھ ایک دینار روانہ کر دیا، اور وہ قاصد کے ہاتھ سے ضائع ہو گیا تو یہ بھیجنے والے کا مال ہوگا، کیونکہ مالک نے اس کو بیع صرف (نقد کی باہمی تبدیلی) کا حکم نہیں دیا تھا، بھیجنے والے کے ذمہ اس کا ضمان اس لئے واجب ہے کہ اس نے قاصد کو وہ مال نہیں دیا جس کا مالک نے حکم دیا تھا، کیونکہ اس نے قاصد کو اس چیز کے قبضہ کا حکم دیا تھا جو اس کے لئے دوسرے کے ذمہ میں ہے اور وہ درہم تھے، اس نے قاصد کو درہم نہیں دئے، بلکہ اس کو دس درہم کے بدلہ ایک دینار دیا اور بیع

صرف ہے، جس میں صاحب قرض کی رضا مندی اور اجازت کی ضرورت ہے اور اس نے اجازت نہیں دی، لہذا قاصد یہ دینار صاحب دین کو ادا کرنے اور اس کے ساتھ بیع صرف کرنے کے لئے دینار بھیجنے والے کی طرف سے وکیل بن گیا، اور جب اس کے وکیل کے ہاتھ سے وہ دینار تلف ہوا تو اسی کے ضمان سے ہوگا، ہاں اگر قاصد (جس سے مطالبہ ہو رہا ہے) یہ بتائے کہ صاحب دین نے اس کو درہم کے عوض دینار قبضہ کرنے کی اجازت دی ہے تو اس صورت میں اس کا ضمان قاصد کے ذمہ ہوگا، کیونکہ اس نے اس کو دھوکہ دے کر دینار اس بنیاد پر لے لیا کہ وہ قاصد بھیجنے والے یعنی صاحب دین کا وکیل ہے، اور اگر قاصد نے اس سے وہ درہم وصول کر لیے جس کا قاصد کو بھیجنے والے نے حکم دیا تھا، پھر قاصد کے ہاتھ سے ضائع ہو گئے تو اس کا ضمان صاحب دین کے ذمہ ہوگا، اس لئے کہ درہم اس کے وکیل کے ہاتھ سے تلف ہوئے (۱)۔

امام احمد سے یہ قول بھی مروی ہے کہ اگر کسی کا دوسرے کے ذمہ کچھ دینار اور کپڑے ہوں اور اس نے قاصد بھیجا کہ ایک دینار اور ایک کپڑا لے لو، اس نے جا کر دو دینار اور دو کپڑے لے لئے اور وہ اس کے ہاتھ سے ضائع ہو گئے تو ضمان بھیجنے والے یعنی جس نے اس کو دو دینار اور دو کپڑے دئے اس پر ہوگا، اور وہ قاصد سے واپس لے گا، یعنی زائد (ایک کپڑے اور ایک دینار) کا ضمان قاصد کے ذمہ ہوگا، دینے والے کے ذمہ ضمان اس لئے ہے کہ اس نے ان کو ایسے شخص کے سپرد کر دیا جس کے سپرد کرنے کا اس کو حکم نہیں دیا گیا تھا، اور وہ ان دونوں یعنی دینار اور کپڑے کو قاصد سے واپس لے گا، اس لئے کہ

(۱) یہ رائے اس وقت تھی جب کسی کو درہم کی اور کسی کو دینار کی خواہش ہوتی تھی، اب جب کہ درہم و دینار کے درمیان نسبت مقرر ہو چکی ہے، اگر روپیہ ایک عی شہر میں ہو تو دینار کے بدلہ درہم اور درہم کے بدلہ دینار وصول کرنے کا حکم ایک ہے۔

(۱) حاشیہ الدسوقی علی الشرح الکبیر ۳/ ۳۲۳۔

(۲) سابقہ جلد ۳/ ۲۵۳۔

رسالہ ۱۲-۱۳

قاصد نے اس کو دھوکہ دیا اور بربادی اس کے ہاتھ کر دی لہذا ضمان اس پر طے ہے، اور موکل وکیل کو ضامن بنا سکتا ہے کیونکہ اس نے زیادتی کی اور جس کے قبضہ کرنے کا حکم نہ تھا اس پر قبضہ کر لیا، اور اگر وہ وکیل کو ضامن بنا دے تو وکیل کسی سے واپس نہیں لے گا، اس لئے کہ بربادی اس کے ہاتھ سے ہوئی لہذا اسی پر ضمان طے ہے (۱)۔

مرسل کے حق میں یا اس کے خلاف گواہی قبول کرنے کے سلسلے میں ارسال کا اثر:

۱۲- اس مسئلہ کی وضاحت فقہاء کے یہاں مذکور قول کی روشنی میں ہوگی، امام کا سانی اس کی وضاحت یوں کرتے ہیں: اگر کسی نے ایک عورت کے پاس جس سے شادی کرنا چاہتا ہے، قاصد بھیجا اور اس کے پاس خط لکھا، عورت نے دو گواہوں کی موجودگی میں قبول کیا، گواہوں نے قاصد کی بات اور خط کو سنا، تو یہ جائز ہے، اس لئے کہ معنوی اعتبار سے مجلس ایک ہے، اور یہ کہ قاصد کا کلام بھیجنے والے کا کلام ہوتا ہے، اس لئے کہ وہ بھیجنے والے کی بات نقل کرتا ہے، اسی طرح خط خود خط لکھنے والے کی بات کے درجہ میں ہے، لہذا قاصد کے قول اور خط کو سنا، معنوی طور پر بھیجنے والے کے قول اور کاتب کے کلام کو سنا ہے، اور اگر گواہوں نے قاصد کے کلام اور خط کو نہیں سنا، تو امام ابو حنیفہ اور امام محمد رحمہما اللہ کے نزدیک جائز نہیں، جب کہ امام ابو یوسف کے نزدیک اگر عورت کہے: ”میں نے اپنی شادی کر دی“ تو جائز ہے اگرچہ گواہوں نے قاصد کے کلام اور خط کو نہ سنا ہو، اس لئے کہ ان کے نزدیک تنہا شوہر کا قول عقد ہے جب کہ گواہ حاضر ہیں (۲) اس سے واضح ہے کہ بھیجنے والے کے کلام کو سننے کے وقت

(۱) المغنی لابن قدامہ ۵/۲۳۰، ۲۳۱۔

(۲) بدائع الصنائع ۵/۳۳۵، مؤلفہ علامہ علاء الدین ابوبکر کاسانی حنفی، مطبعہ الامام قاسم۔

یہاں پر گواہی کا اعتبار کیا گیا ہے، مرسل کے لئے گواہی کے معتبر ہونے میں کاسانی کی تائید وسوقی نے کی ہے، اس لئے کہ ”الشرح الکبیر“ پر ان کے ”حاشیہ“ میں ہے: مودع ودیعت کا ضامن ہے اگر بلا گواہ بنائے ودیعت قاصد کے سپرد کر دے، اس لئے کہ جب اس نے ایسے شخص کے ہاتھ میں دیا جس نے اس کو امانتدار نہیں بنایا تھا، تو اس کے ذمہ ضروری ہے کہ گواہ بنائے، اور جب اس نے اس کو چھوڑ دیا تو کوتاہی اسی کی ہے، اور اگر وہ گواہ بنا کر قاصد کے سپرد کرے تو خود بری ہو جائے گا، اور ثبوت کی عدم موجودگی میں مرسل الیہ قاصد سے واپس لے گا (۱)۔

سوم: ارسال بمعنی اہمال

چھوڑے گئے جانوروں اور چوپایوں کے سبب نقصان کے ضمان کا حکم:

۱۳- اس مسئلہ کا حکم بیان کرتے ہوئے شافعیہ کی رائے ہے کہ دوسرے کے موال تلف کرنے والے جانور کے ساتھ اگر کوئی سوار ہو تو اس کے ضمان کا حکم اس جانور کے نقصان کے ضمان سے الگ ہے جس کے ساتھ کوئی کھینچنے والا (محافظ) نہ ہو۔

اسی تفریق کی بنیاد پر شافعیہ نے کہا ہے کہ اگر جانور مالی یا جانی نقصان دن یا رات کسی وقت کرے، اور اس کے ساتھ کوئی سوار ہو تو اسی پر ضمان واجب ہے، اس لئے کہ جانور اس کے ہاتھ میں ہے، اس کی نگرانی و حفاظت اسی کے ذمہ ہے، کیونکہ جب وہ اس کے ساتھ ہے تو اس جانور کا فعل اسی کی طرف منسوب ہوگا۔

اگر جانور کے ساتھ ایک پیچھے سے ہانکنے والا اور دوسرا آگے سے

(۱) جاحیہ الدسوقی علی الشرح الکبیر ۳/۲۶۳، مؤلفہ علامہ خیر الدین محمد عرفہ الدسوقی، مطبعہ عیسیٰ الحلیمی قاہرہ۔

رسال ۱۳

کھینچنے والا ہو تو دونوں پر آدھا آدھا ضمان ہے، اور اگر پیچھے سے ہانکنے والا، آگے سے کھینچنے والا اور ایک سوار ہو تو کیا ضمان سوار پر ہوگا، یا تینوں پر تہائی تہائی؟ اس میں دو صورتیں ہیں، اگرچہ اول ہے، اور اگر جانور پر دو شخص سوار ہوں تو کیا دونوں پر ضمان ہوگا، یا صرف آگے والے پر، پیچھے والے پر کچھ نہیں؟ اس میں بھی دو صورتیں ہیں: انسب اول ہے، اس لئے کہ قبضہ دونوں سواروں کا ہے (۱)۔

اگر دوسرے کا مال تلف کرنے والے جانور کے ساتھ کوئی سوار نہیں تو یہ دیکھنا ہوگا کہ تلف کس وقت ہوا ہے؟ اگر دن کا وقت ہو تو جانور والے پر ضمان نہیں، اور اگر رات کا وقت ہو تو اس پر ضمان ہے کیونکہ رات میں جانور کو چھوڑنا اس کی کوتاہی ہے جب کہ دن کو چھوڑنا کوتاہی نہیں، کیونکہ ابو داؤد وغیرہ کی صحیح حدیث میں اس کا ثبوت ہے، اور عادت بھی یہی جاری ہے کہ دن میں بھیبتی وغیرہ کی حفاظت اور رات میں جانور کی حفاظت کی جاتی ہے، اگر کسی شہر میں لوگوں کی عادت یہ ہو کہ رات میں جانوروں کو چھوڑتے اور بھیبتی کی حفاظت کرتے ہوں، دن میں نہیں تو حکم اس کے برعکس ہو جائے گا، لہذا دن میں جانور کو چھوڑنے والا نقصان کا ضامن ہوگا، رات میں نہیں، تاکہ حدیث کے مقصود اور عادت کا لحاظ ہو۔

اور بلقینی کی یہ بحث اسی سے ماخوذ ہے کہ اگر دن اور رات دونوں میں جانوروں کی حفاظت خبر گیری کی عادت بن جائے تو جانور کو چھوڑنے والا بہر صورت اس کے نقصان کا ضامن ہوگا۔

جن جانوروں کے نقصان کا ضمان لازم آتا ہے، شافعیہ نے ان میں سے کبوتر وغیرہ پرندوں اور شہد کی مکھی کو مستثنیٰ کیا ہے، کیونکہ ان کے تلف کرنے سے کسی صورت میں ضمان واجب نہیں، اس کو ”اصل الروضہ“ میں ابن صباغ کے حوالہ سے نقل کیا ہے، اور اس کی وجہ یہ

بتائی ہے کہ عادات ان کو کھلا رکھا جاتا ہے (۱)۔

مالکیہ اور حنابلہ شافعیہ کے ساتھ متفق ہیں کہ اگر جانور رات میں نقصان کریں تو ضمان لازم ہے، دن میں نہیں (۲)۔ جب کہ حنفیہ کا دوسرا قول ہے جس کو ان شاء اللہ ہم کچھ دیر کے بعد ذکر کریں گے۔

اسی طرح مالکیہ نے شافعیہ سے اس مسئلہ میں اتفاق کیا ہے کہ جانور پر سوار ہونے والا اس کو آگے سے کھینچنے والا اور پیچھے سے ہانکنے والا سب ضامن ہیں۔

کبوتر، مرغی اور شہد کی مکھی کے نقصان کے ضمان کے بارے میں مالکیہ کی دو روایتیں ہیں:

پہلی روایت: شافعیہ کے موافق ہے۔

دوسری روایت: احناف میں ان کا حکم چوپایہ کی طرح ہے، یہ ابن قاسم کی روایت ہے، لیکن ابن عرفہ نے پہلی روایت کو درست کہا ہے (۳)۔ اور مالکیہ میں سے باجی کا یہ قول نقل کیا گیا ہے کہ کچھ جگہیں ایسی ہیں جہاں صرف کھیتیاں اور باغات ہوتی ہیں، چرنے کی جگہ نہیں ہوتی، ان جگہوں میں چوپایوں کو چھوڑنا جائز ہے، جانور دن یا رات کسی وقت ان میں کوئی نقصان کریں تو جانوروں کے مالکوں پر ضمان واجب ہے، جب کہ کچھ مقامات ایسے ہوتے ہیں کہ جہاں عادات دن یا رات میں جانور کو چھوڑا جاتا ہے، ان جگہوں پر اگر کوئی بھیبتی کرے اور جانور اس کا نقصان کریں تو جانور کے مالکان پر ضمان نہیں، خواہ دن میں نقصان ہوا ہو یا رات میں (۴)۔

یہ فائدہ سے خالی نہ ہوگا کہ ہم مؤلف ”التاج والاکلیل“ کے قول

(۱) الاتحاع ۲/۲۰۱، ۲۰۲۔

(۲) التاج والاکلیل ۳/۳۲۳، کشاف القناع ۲/۳۳۸۔

(۳) التاج والاکلیل ۶/۳۲۳۔

(۴) التاج والاکلیل ۶/۳۲۳۔

(۱) الاتحاع ۲/۲۰۱۔

۱۳ ارسال

فرمان نبوی ہے: ”العجماء جبار“ (بے زبان جانور نقصان کرے تو تاوان نہیں) یعنی خود سے چھوٹے والے جانور کے نقصان کا تاوان نہیں (۱)۔

اور اگر پانی چھوڑا ہو تو چھوڑے ہوئے پانی کی حالت اور زمین کی طبیعت کے اعتبار سے حکم مختلف ہوگا، اگر کسی نے اپنی زمین میں پانی چھوڑا، اور وہ پانی نکل کر دوسرے کی زمین میں چلا گیا، اگر دوسرے کی زمین اس پانی کو برداشت کر سکتی ہو تو اس پر تاوان نہیں، اور اگر اس کے لئے ناقابل برداشت ہو تو تاوان ہے (۲)۔ ایک شخص نے اپنی زمین میں پانی چھوڑ دیا یہاں تک کہ وہ پانی اس کی زمین سے آگے بڑھ گیا، ایک دوسرا آدمی اس کے نیچے تھا اس نے نہر میں مٹی ڈال دی تھی جن کی وجہ سے پانی نہر سے ہٹ کر دوسری طرف بہہ گیا اور ایک شخص کا محل ڈوب گیا تو پانی چھوڑنے والے پر ضمان نہیں، اس لئے کہ اس نے پانی نہر میں چھوڑا اور اس میں اس کی طرف سے کوئی زیادتی نہیں ہے، ضمان اس پر ہے جس نے مٹی نہر میں ڈالی اور پانی کو اپنے راستے پر بہنے سے روک دیا، اس لئے کہ یہ اس کی زیادتی ہے، اور اگر نہر کا منہ کھول دے اور اس سے اتنا پانی چھوڑ دے جو نہر کے لئے قابل برداشت ہے اور پانی اس کی زمین میں جانے سے قبل فوری طور پر دوسرے کی زمین میں چلا گیا تو اس پر تاوان نہیں (۳)۔

اسی کے ساتھ یہاں جس امر کی طرف اشارہ مناسب ہے وہ یہ کہ ہم اس دلیل کا ذکر کریں جس پر حنابلہ نے دن کے نہ کہ رات کے، ضمان کے بارے میں شافعیہ و مالکیہ سے موافقت کرتے ہوئے اعتماد کیا ہے، وہ دلیل یہ ہے کہ امام مالک نے زہری عن حزام بن سعد بن

کے طرف یہاں اشارہ کر دیں، موصوف نے کہا ہے: اگر کسی نے اپنی زمین میں آگ یا پانی ڈالا جو پڑوس کی زمین میں پہنچ گیا اور اس کا نقصان کر دیا تو یہ دیکھنا ہوگا کہ زمین قریب ہے یا دور؟ اگر قریب ہو تو اس پر ضمان ہے، اور اگر دور ہو لیکن ہوا وغیرہ کی وجہ سے آگ وہاں پہنچ گئی تو اس پر ضمان نہیں (۱)۔

اسی رائے کے قائل حنفیہ بھی ہیں (۲)۔ لیکن مویشی اور کتوں کے چھوڑنے کے بارے میں ان کی الگ رائے ہے جس کا تذکرہ یہاں ضروری معلوم ہوتا ہے، اس رائے کا حاصل یہ ہے کہ حنفیہ نے چھوڑنے کے بارے میں چوپایہ اور کتے میں فرق کیا ہے، چنانچہ اگر کتا چھوڑے، اور اس کو پیچھے سے کوئی ہانکنے والا نہ ہو تو اس کے نقصان کا کوئی ضمان نہیں، اگرچہ وہ چھوٹے ہی نقصان کر بیٹھے، اس لئے کہ کتے والے کی طرف سے زیادتی نہیں، کیونکہ کتے کے پیچھے لگا رہنا اس کے لئے ناممکن ہے، اور سبب بننے کی وجہ سے ضمان واجب نہیں ہوتا الا یہ کہ سبب بننے والے کی طرف سے زیادتی پائی جائے، اور اگر وہ کسی دوسرے جانور کو چھوڑے اور وہ چھوٹے ہی دوسرے کا نقصان کر دے تو اس پر ضمان ہے، اس لئے کہ اس کو راستہ میں چھوڑ کر اس نے زیادتی کی ہے، اور جانور کے پیچھے لگنا اس کے لئے ممکن تھا، لیکن امام ابو یوسف نے کتے اور دوسرے جانور کے چھوڑنے کی وجہ سے نقصان کا ضمان لازم ہونے میں فرق نہیں کیا ہے (۳)۔

اور درمختار میں آیا ہے کہ ایک شخص نے پرندہ چھوڑا، اس کے پیچھے چلے یا نہ چلے، یا جانور یا کتا چھوڑے اور ان کے پیچھے نہیں چلا، یا جانور خود چھوٹ کر نکل جائے اور رات یا دن میں کسی مال کا یا آدمی کا نقصان کر دے، تو ان تمام صورتوں میں ضمان نہیں، اس لئے کہ

(۱) الدر المختار مع حاشیہ ابن عابدین ۶/۶۸۸۔

(۲) الفتاویٰ الخانیہ مع الفتاویٰ الہندیہ ۳/۲۲۱۔

(۳) مرجع سابق ۳/۲۲۲۔

(۱) التاج والاکلیل ۶/۳۲۱۔

(۲) الفتاویٰ الخانیہ مع الفتاویٰ الہندیہ ۳/۲۲۱۔

(۳) حاشیہ ابن عابدین ۶/۶۰۷۔

رسالہ ۱۴

مُحصہ کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ ”حضرت براء کی ایک اونٹنی کچھ لوگوں کے باغ میں گھس گئی اور نقصان (مالی) کر دیا، تو رسول اللہ ﷺ نے فیصلہ کیا کہ دن میں اہل اموال اپنے اموال کی حفاظت کریں، اور جو نقصان ہوگا اس کا تاوان انہیں پر ہے“ (۱)۔

نیز عادتاً اہل مویشی دن میں ان کو چرنے کے لئے چھوڑتے ہیں اور رات میں حفاظت کرتے ہیں، اور باغ والے دن میں ان کی حفاظت کرتے ہیں، لہذا اگر رات میں نقصان ہو تو اس کا ضمان جانور والے پر ہے، اگر ان کی حفاظت میں اس کی طرف سے کوتاہی ہوئی مثلاً رات میں جانور کو گھیرے وغیرہ میں نہ رکھے، یا گھیرے میں رکھے لیکن اس شکل سے کہ ان کا ٹکنا ممکن تھا، ہاں اگر رات میں جانور والے نے جانوروں کو گھیرے میں رکھا لیکن کسی دوسرے نے اس کی اجازت کے بغیر ان کو باہر نکال دیا یا کسی دوسرے نے ان کا دروازہ کھول دیا اور انہوں نے نقصان کر دیا تو تاوان ان جانوروں کو باہر نکالنے والے یا ان کا دروازہ کھولنے والے پر ہے، کیونکہ سبب وہی ہے، جانور والے پر ضمان نہیں، کیونکہ اس کی طرف سے کوتاہی نہیں، پھر حنابلہ نے اس پر مزید یہ کہا: مسئلہ کا یہ حکم ان جگہوں کے لئے ہے جہاں ہیتی اور چہرہ آگاہ ہوں، البتہ وہ آبادی والے گاؤں جہاں چہرہ آگاہ صرف آمد و رفت کی جگہوں کے درمیان ہوتی ہے، مثلاً رہٹ اور ہیتی کے راستے، ان جگہوں پر بغیر محافظ کے جانور کو چھوڑنا جائز نہیں، اگر اس نے ایسا کیا تو اس پر تاوان ہے، کیونکہ یہ اس کی کوتاہی ہے۔

حنابلہ مالکیہ کے سابقہ قول کہ اس مسئلہ کے احکام میں عادت کی رعایت کی جائے گی، سے متفق نہیں، کیونکہ حنابلہ میں سے حارثی نے

کہا: اگر کسی علاقہ کے لوگوں کی عادت یہ ہو کہ جانوروں کو دن میں باندھتے اور رات میں چھوڑتے ہوں اور رات میں کھیت کی حفاظت کرتے ہوں تو حکم یہی ہے کہ اگر رات میں جانور نقصان کریں تو مالک پر ضمان واجب ہے اگر ان کی حفاظت میں اس نے کوتاہی کی ہو اور اگر دن میں نقصان کریں تو ضمان نہیں (۱)۔

پھر حنابلہ نے اس کی مثالیں پیش کرتے ہوئے مزید کہا ہے: اگر کسی نے شکار کو چھوڑتے وقت کہا: میں نے تم کو آزاد کر دیا، تو بھی وہ اس کی ملکیت سے نہیں نکلے گا، جیسا کہ اگر اہل اہل و غیرہ مملوک جانوروں کو چھوڑ دے، کیونکہ وہ اس کی ملکیت سے اس کی وجہ سے نہیں نکلتے (۲)۔

قبضہ اور معزولی کے لئے کسی کو بھیجنا:

۱۴ - سرخسی نے کہا ہے: اگر کسی نے کوئی چیز خریدی پھر قاصد کو اس پر قبضہ کرنے کے لئے بھیجا، تو دیکھنے پر اس کو ”اختیار“ حاصل ہے، قاصد کے دیکھنے اور اس کے قبضہ کرنے سے سامان اس کے ذمہ لازم نہیں ہوتا، اس لئے کہ مقصود یہ ہے کہ معاملہ کے سامان کے اوصاف معاملہ کرنے والے کے علم میں ہوں، تاکہ اس کی مکمل رضا مندی پائی جائے، اور قاصد کے دیکھنے سے یہ چیز حاصل نہیں ہوتی، اس میں زیادہ سے زیادہ یہ ہے کہ قاصد کا قبضہ کرنا خود اس کے قبضہ کرنے کی طرح ہے، اور اگر وہ خود دیکھنے سے پہلے قبضہ کرے تو دیکھنے پر اس کو ”اختیار“ حاصل ہوتا ہے، لہذا اگر قاصد بھیجا اور قاصد نے اس پر اس کے لئے قبضہ کیا تو بھی اس کو اختیار حاصل ہوگا، لیکن اگر قبضہ کے لئے

(۱) کشاف القناع ۴/۱۲۸۔

(۲) مرجع سابق ۳/۱۳۳، ماستی سے یہ بات نقلی ہے کہ یفرغ جو مختلف مذاہب میں بطور مثال موجود ہیں ضمان کے وجہ و عدم وجہ کے لحاظ سے ان کا مرجع تین امور ہیں: اہمال (لا پرواہی) یا نیا دلی یا عرفہ و عادت۔

(۱) حضرت براء کی حدیث کی روایت مالک (۲/۷۷-۷۸ طبع المجلد)، ابوداؤد (۸/۸۳)، عون السجود طبع الشیخ (۵/۲۳۵-۲۳۶ طبع المکتب الاسلامی) نے کی ہے لہذا فی نے اسلسلۃ الصحیحہ نمبر ۲۳۸ میں اس کو صحیح بتایا ہے۔

ارسال ۱۵

اپنے نبی پاک ﷺ کے لئے پیغامبری کا وصف ثابت کیا ہے، اور وکالت کی نفی کی ہے: ”قُلْ لَسْتُ عَلَيْكُمْ بِوَكِيلٍ“ (۱) (تو کہہ دے کہ میں تم پر وارث نہیں)۔ لیکن خیاریع کا مسئلہ اس کے برخلاف ہے، اس لئے کہ خیاریع کا باقی رہنا عقد کی تکمیل اور قبضہ سے مانع نہیں ہوتا، اور اسی لئے قبضہ کے بعد خاص طور پر عیب وارشی کو لوٹا نے کا مالک ہوتا ہے (۲)۔ اگر اپنے وکیل کے پاس اس کی معزولی کا قاصد بھیجے، اور وہ اس کو پیغام پہنچا دے اور کہے: فلاں نے مجھے تمہارے پاس بھیجا ہے، اور وہ کہہ رہا ہے کہ میں نے تم کو وکالت سے معزول کر دیا، تو قاصد جیسا بھی ہو، معتبر ہو یا غیر معتبر، چھوٹا ہو یا بڑا، وکیل معزول ہو جائے گا، بشرطیکہ قاصد کے کلام کا اعتبار ہو، اگر پیغام کو مذکورہ بالا طریقہ پر پہنچائے، اس لئے کہ قاصد بھیجنے والے کا قائم مقام، اس کی بات کو بیان کرنے والا اور اس کی طرف سے سفیر ہے، تو اگر اس کا کلام درست و معتبر ہو تو جس طرح کا ہوا اس کی سفارت درست ہے (۳)۔

ارسال سے رجوع کرنا:

۱۵ - حنفیہ کی رائے ہے کہ اگر بھیجنے والا قاصد بھیجنے کے بعد اپنی رائے سے رجوع کر لے تو اس کا رجوع صحیح ہے، اس لئے کہ پیغام رسائی کے ذریعہ خطاب بالمشافہ خطاب کی طرح نہیں، جب بالمشافہ میں رجوع کا احتمال ہے تو اس میں بدرجہ اولیٰ ہوگا، خواہ بھیجنے والے کا رجوع کے قاصد کے علم میں آیا ہو یا نہ آیا ہو، برخلاف اس صورت کہ جب کسی کو وکیل بنایا، پھر اس کے علم کے بغیر اس کو معزول کر دیا تو اس کا معزول کرنا صحیح نہیں ہے، اس لئے کہ قاصد بھیجنے والے کے کلام کو نقل کرتا ہے اور مرسل الیہ تک پہنچاتا ہے، لہذا وہ سفیر اور مبعوث محض

وکیل بنایا ہو، وکیل نے دیکھا اور اس پر قبضہ کیا، تو اس کے بعد موقوف کو اس میں اختیار حاصل نہیں ہوتا، یہ امام ابوحنیفہ کا قول ہے، صاحبین کے نزدیک دیکھنے پر اس کو اختیار حاصل ہوتا ہے، اس لئے کہ قبضہ ایک فعل ہے جس میں قاصد اور وکیل دونوں برابر ہیں، ہر ایک کو سامان کے قبضہ کرنے، اس کو اٹھا کر اس کے پاس لانے اور اپنے فعل سے اس کے ضمان میں منتقل کرنے کا حکم ہے، اور اس کا اختیار قاصد کے دیکھنے سے ختم نہیں ہوتا، لہذا وکیل کے دیکھنے سے بھی ختم نہیں ہوگا، وکیل کے دیکھنے سے اس کا ”اختیار“ کیسے ختم ہو سکتا ہے جبکہ اگر وہ صراحتاً ”اختیار“ کو ساقط کر دے تو اس کا ساقط کرنا درست نہیں ہوتا، اس لئے کہ اس نے اس کو اس کا وکیل نہیں بنایا؟ لہذا دیکھنے کے بعد اگر وہ قبضہ کرے تو بھی یہی ہوگا، صاحبین نے اس کو اختیار شرط و خیاریع پر قیاس کیا ہے کہ وہ وکیل کے قبضہ کرنے اور اس کی رضا مندی سے ساقط نہیں ہوتا تو دیکھنے کا اختیار بھی اسی طرح ہوگا، اور امام ابوحنیفہ کہتے ہیں: بغیر کسی تفصیل کے قبضہ کا وکیل بنانا وکیل کے لئے قبضہ کو مکمل کرنے کی ولایت ثابت کرتا ہے جیسا کہ بغیر کسی تفصیل کے عقد کا وکیل بنانا وکیل کے لئے عقد کو مکمل کرنے کی ولایت ثابت کرتا ہے، اور مکمل قبضہ اسی وقت ہوگا جب عقد مکمل ہو جائے، اور عقد کی تکمیل خیاریعیت کے باقی رہتے ہوئے نہیں ہوتی، قبضہ کا وکیل بنانے میں ضمنی طور پر اس رویت کا اپنی طرف سے وکیل بنانا بھی پایا جاتا ہے جس میں اختیار ساقط ہو جاتا ہے، قاصد کی نوعیت اس سے الگ ہے، اس لئے کہ قاصد کے ذمہ صرف پیغام پہنچانا ہے جس کام کا پیغام اس کے ذریعہ بھیجا گیا اس کی تکمیل اس کے ذمہ نہیں ہوتی جیسا کہ عقد کے لئے قاصد ہو تو معاملہ کے سامان پر قبضہ اور اس کی پردگی اس کے ذمہ نہیں۔

وکالت اور پیغامبری میں فرق کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے

(۱) سورۃ النعام ۶۶۔

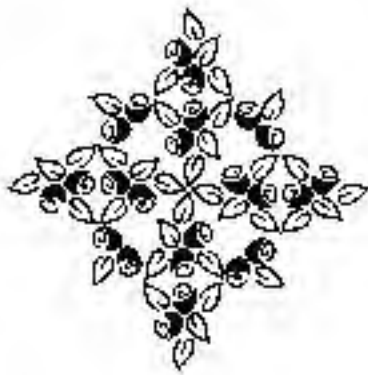
(۲) الموطأ ۱۳/۴۳، ۴۴۔

(۳) بدائع الصنائع ۷/۲۳۸۶۔

رسال ۱۶-۱۷

اس کو لے کر حرم میں جائے تو اس کو چھوڑ دینا واجب ہے۔
اگر شکار حرم کے گھر میں ہو تو اس کو آزاد کرنا ضروری نہیں، اسی طرح اگر شکار اس کے ساتھ پنجرے میں ہو تو بھی آزاد کرنا ضروری نہیں، لیکن حنفیہ کے یہاں صحیح رائے اس کے خلاف ہے (۱)۔ اس کی تفصیل ”احرام“ کے بیان میں ہے۔

حنفیہ میں صاحب ہدایہ ائمہ حنفیہ کے سابقہ قول کے خلاف رائے ذکر کرتے ہیں، چنانچہ انہوں نے کہا ہے: اگر شکار حرم کے گھر یا اس کی معیت میں پنجرے میں ہو تو احرام کے بعد اس کو آزاد کرنا واجب نہیں ہے، انہوں نے اپنی اس رائے کے حق میں یہ دلیل دی کہ ”صحابہ کرام حالت احرام میں ہوتے اور ان کے گھروں میں شکاری اور پالتو جانور ہوا کرتے تھے، وہ ان کو آزاد کرتے تھے یہ منقول نہیں، انہوں نے مزید کہا ہے اگر کسی نے اپنا شکار جنگل میں چھوڑ دیا تو بھی اس کی ملکیت سے نہیں نکلا، لہذا ملکیت کے باقی رہنے کا اعتبار نہیں، ایک قول یہ ہے کہ اگر شکار کا پنجرہ اس کے ہاتھ میں ہو تو اس کو اس طور پر آزاد کرنا ضروری ہے کہ ضائع نہ ہو مثلاً یہ کہ اس کو اپنے گھر میں چھوڑے، اس لئے کہ اضاعت مال ممنوع ہے (۲)۔



ہے، اس لئے کہ قاصد کو اس کا علم ہونا شرط نہیں، جب کہ وکیل اپنے موکل کی طرف سے سپردگی کی بنیاد پر تصرف کرتا ہے، لہذا دھوکہ سے تحفظ کے لئے اس کو عزولی کا علم ہونا شرط ہے (۱)۔

ابن حجر عسقلانی نے ابن سرتج کا قول نقل کیا ہے کہ اگر کسی نے اپنے قاصد کے ساتھ صدقہ بھیجا پھر اس کی رائے بدل گئی اور اس نے اس کو راستہ سے واپس کر لیا تو اس کو یہ حق حاصل ہے، اور اگر صدقہ کے پہنچنے سے پہلے بھیجنے والا مر جائے تو یہ ورثاء کے لئے ترک ہوگا (۲)۔

رسال بمعنی مسلط کرنا:

۱۶- یعنی شکاری کتے، یا اس جیسے سدھائے ہوئے جانوروں کو مسلط کرنا، اگر جانور اپنے مالک کے چھوڑنے سے شکار کے پیچھے چل پڑے اور اس کے کہنے سے رک جائے تو اس کا شکار مباح ہے اگرچہ شکار کو ذبح کرنے کا موقع نہ ملے۔

لیکن اگر شکاری جانور خود بخود جا کر شکار کرے تو اس کا شکار اسی وقت کھا سکتے ہیں جب اس کو ذبح کرنے کا موقع مل جائے، اس لئے کہ جانور نے اپنے لئے شکار کیا ہے، مالک کے لئے نہیں، شکار کے تفصیلی احکام اصطلاح ”صيد“ میں ہیں (۳)۔

چہارم: رسال بمعنی تخلیہ

۱۷- فقہاء کا اس پر اتفاق ہے کہ اگر حرم کے ہاتھ میں احرام سے پہلے کا کیا ہوا شکار ہو اور احرام کے بعد حقیقتاً اس کے پاس ہو تو اس کو چھوڑ دینا واجب ہے۔ اسی طرح غیر حرم اگر حل میں شکار کرے پھر

(۱) بدائع الصنائع ۶/۲۹۹۳۔

(۲) الفتاویٰ الکبریٰ القہریہ للعلامة ابن حجر عسقلانی ۳/۳۶۷، المکتبۃ الاسلامیہ ترکی۔

(۳) بدائع الصنائع ۶/۲۸۹۸، التاج والاکلیل ۳/۲۱۶، الاقناع ۳/۲۳۲،

۲۳۳، کشف القناع ۶/۲۲۳۔

(۱) الہدایہ ۲/۲۷۸، الوسوط ۳/۱۸۸، ۱۸۹، الخرش ۲/۳۶۳، ۳۶۵، مغنی

المصابیح ۱/۵۲۱، کشف القناع ۲/۲۳۸۔

(۲) الہدایہ ۲/۲۷۸۔

اُرش ۱-۴

اجمالی حکم:

۴- شریعت نے ہر نقصان کی تلافی بتائی ہے، تاکہ کوئی بھی جرم بلا جرمانہ نہ رہ جائے، لہذا اگر قصاص واجب نہیں جیسا کہ جنایت بالخطا اور کسی سبب سے قصاص ساقط ہونے کے حالات میں ہوتا ہے تو جرم کی نوعیت کے اعتبار سے اُرش (تاوان) واجب ہوگا، اور اگر اس کے بارے میں کسی نص میں کسی معین حصے کا ذکر آجائے تو اس کا التزام ضروری ہوگا۔

اسی قبیل سے اہل یمن کے نام رسول اللہ ﷺ کے گرامی نامہ میں آیا ہے: ”فی الرجل الواحدة نصف الدية، وفي المأمومة ثلث الدية، وفي الجانفة ثلث الدية، وفي المنقلة خمسة عشر من الإبل، وفي كل أصبع من أصابع اليد أو الرجل عشرة من الإبل، وفي السن خمس من الإبل، وفي الموضحة خمس من الإبل“ (۱) (ایک پاؤں میں نصف دیت، مامومہ (دماغی زخم) میں تہائی دیت، جانفہ (پیٹ کے زخم) میں تہائی دیت، منقلہ (ہڈی توڑ زخم) میں پندرہ اونٹ، ہاتھ پاؤں کی انگلیوں میں سے ہر انگلی میں دس اونٹ، دانت میں پانچ اونٹ، اور موضحہ (ہڈی کو ظاہر کرنے والے زخم) میں پانچ اونٹ ہے)۔

اگر جنایت کی وجہ سے مکمل طور پر انتفاع ہی ختم ہو جائے (کسی

اُرش

تعریف:

۱- اُرش کے لغوی معانی میں سے: دیت، خراش، اور کپڑے میں عیب کی وجہ سے نقص ہے، اس لئے کہ وہ تاوان کا سبب ہوتا ہے۔

اصطلاح میں: ایسا مال جو جان سے کم درجہ کے نقصان پہنچانے والے جرم پر واجب ہو، اور اس کا اطلاق جان کے بدلہ یعنی دیت پر بھی ہوتا ہے۔

متعلقہ الفاظ:

الف۔ حکومت عدل (معتبر کا فیصلہ):

۲- حکومت عدل: وہ فیصلہ (ومعاوضہ) جو ایسے جرم میں واجب ہو جس میں مال کی مقدار معین نہیں ہے، اور یہ ایک طرح کا اُرش ہے لیکن ”اُرش“ اس سے زیادہ عام ہے۔

ب۔ دیت (خون بہا):

۳- دیت: خون بہا، جو کسی سبب سے قصاص کے ساقط ہونے کی وجہ سے واجب ہوتا ہے، اور بسا اوقات غیر جانی جرم کے تاوان کو بھی ”دیت“ کہا جاتا ہے۔

(۱) حدیث ”علی الرجل الواحدة...“ کی روایت سنائی نے کی ہے الفاظ اسی کے ہیں، ابن حبان، حاکم اور دارقطنی نے اس کی تصحیح کی ہے ابو داؤد نے اس کی روایت اپنی مراسیل میں بروایت عمرو بن حزم کی ہے (الدردیہ ۲/۶۱، نصب الراية ۲/۳۶۷، جامع الاصول ۴/۳۲۲)، نیز دیکھئے: الدر المختار ۵/۳۷۰ طبع اول بولاق، الجمل ۵/۶۷ اور اس کے بعد کے صفحات طبع احیاء التراث، کشف القناع ۶/۱۵ طبع السیاحۃ، فتح القدیر علی الہدایہ ۸/۲۶۸-۲۷۳ طبع دار صادر، المشرح لمکی علی خلیل ۴/۲۳۸-۲۳۳ طبع دار الفکر۔

اُرش ۵-۷

ب- ذمی کے زخم کا تاوان:

۶- حنفیہ کی رائے ہے کہ تاوان اور دیت میں مسلمان و ذمی برابر ہیں، اور یہی حکم مستأمن (دارالاسلام میں امان کے ساتھ آنے والا کافر) کا ہے، مالکیہ نے کہا ہے: ذمی کی دیت مسلمان کی دیت کی آدھی ہوتی ہے، البتہ مجوسی، معاہد (عہد رکھنے والے) اور مرتد کی دیت مسلمان کی دیت کے پانچویں حصے کی ایک تہائی ہے، اور حنابلہ نے کہا ہے: ان سب کی دیت مسلمان کی دیت کی آدھی ہے، اور شافعیہ نے کہا: ان سب کی دیت مسلمان کی دیت کی تہائی ہے (۱)۔

تاوان کا متعدد ہونا:

۷- امام ابوحنیفہ، مالکیہ، شافعیہ اور حنابلہ کے یہاں اصل یہ ہے کہ جرائم کی تعداد کے اعتبار سے تاوان متعدد ہوگا، اس سلسلہ میں ان کے یہاں کچھ تفصیلات ہیں جن کے لئے ”ویات“ اور ”معاقل“ کی بحث دیکھی جائے (۲)۔



عضو کی صلاحیت و کارکردگی ہی ضائع ہو جائے) یا مقصود حسن و جمال جانا رہے تو اس میں مکمل دیت واجب ہے، لہذا انسان کے وہ اعضاء جو دو دو کی تعداد میں ہیں مثلاً ہاتھ اور پیر، تو جنایت کی وجہ سے انتفاع ختم ہونے کی صورت میں نصف دیت واجب ہے، اور اگر ان کی تعداد اس سے زیادہ ہے تو اسی اعتبار سے معاوضہ تاوان واجب ہوگا، مثلاً انگلیاں، اس لئے کہ فرمان نبوی ہے: ”فی کل أصبع عشرة من الإبل، وفي كل سن خمسة من الإبل، والأصابع سواء، والأسنان سواء“ (۱) (ہر انگلی میں دس اونٹ، اور ہر دانت میں پانچ اونٹ ہیں، تمام انگلیاں برابر ہیں اور تمام دانت برابر ہیں)۔

اور جس جرم کے بارے میں شریعت کی جانب سے (کسی مالی تاوان کی) مقدار معین نہیں ہے اس میں حکومت عدل (معتبر کا فیصلہ) واجب ہوگی۔

تاوان کی انواع:

الف- آزاد عورت کے زخم کا تاوان:

۵- حنفیہ اور شافعیہ نے کہا ہے: آزاد مرد کے مسئلہ میں جہاں پوری دیت واجب ہے، آزاد عورت کے بارے میں نصف دیت واجب ہے، مالکیہ و حنابلہ ان سے اس صورت میں متفق ہیں جب تاوان تہائی دیت کو پہنچے یا اس سے زائد ہو جائے، اور اگر اس سے کم ہو تو عورت مرد کے مساوی ہے (۲)۔

(۱) حدیث ”کلی کل أصبع عشرة...“ کی روایت ترمذی کے سوا تمام اصحاب سنن نے کیا ہے نیل الاوطار ۷/۷۲۔

(۲) الہدایہ و فتح القدیر ۸/۳۰۶ طبع دار صادر، الدر المختار ۵/۶۸، البدائع ۷/۳۲۲ طبع الجمالیہ، الہدایہ ۷/۳۰۳ طبع مصطفیٰ للجلس، الجمل ۵/۶۳، اشرح المکبیر ۳/۲۸، کشاف القناع ۶/۱۵۔

(۱) الہدایہ و فتح القدیر ۸/۲۸۲، الدسوقی ۳/۲۸۶ طبع دار الفکر، الہدایہ ۷/۳۰۷ طبع مصطفیٰ للجلس، ابن ماجہ ۵/۶۹، کشاف القناع ۶/۱۵ طبع السیۃ للحمیدیہ
(۲) ساتھ مراجع۔

متعلقہ الفاظ:

نصح:

۲- نصح: امر بالمعروف ونہی عن المنکر یعنی خیر کا حکم دینا اور برائی سے منع کرنا ہے۔

”ارشاد“، ”نصح“ اور ”امر بالمعروف ونہی عن المنکر“ یہ تینوں الفاظ ہم معنی ہیں، لیکن بعض فقہاء کی عادت یہ ہے کہ جو چیز بالاتفاق واجب یا حرام ہوں کے لئے امر بالمعروف ونہی عن المنکر کے الفاظ استعمال کرتے ہیں، اور مختلف فیہ امور کے بارے میں ”ارشاد“ کا لفظ استعمال کرتے ہیں (۱)۔

اجمالی حکم:

۳- اصولیین نے ”امر ارشادی“ پر اس حیثیت سے بحث کی ہے کہ اس کے بجالانے والے کو ثواب ملتا ہے یا نہیں، چنانچہ انہوں نے لکھا ہے: اگر مصلحت دنیوی ہو اور انسان اس کو محض اپنی غرض کی خاطر انجام دے تو اس پر ثواب نہیں، اور اگر محض اللہ کی اطاعت اور فرمانبرداری کے جذبہ سے کرے تو ثواب ملے گا، مگر اس فعل کی وجہ سے نہیں بلکہ اس سے باہر یا خارج امر کی وجہ سے، اور اگر دنیوی غرض کی تکمیل کے ساتھ ساتھ طاعت خداوندی کا بھی ارادہ ہو تو ثواب ملے گا، لیکن محض اطاعت والی شکل میں جو ثواب ملتا اس سے یہ ثواب کم ہوگا (۲)۔

۴- فقہاء کے یہاں ارشاد (یعنی لوگوں کو خیر و بھلائی کی ہدایت و نصیحت کرنے) کا حکم یہ ہے کہ وہ واجب ہے، کیونکہ فرمان باری

ارشاد

تعریف:

۱- ارشاد کا لغوی معنی: ہدایت و رہنمائی، کہا جاتا ہے: ارشده إلى الشيء وعليه: اس شخص نے فلاں کی فلاں شے کی طرف رہنمائی کی (۱)۔ اہل اصول کے یہاں اس کا تذکرہ امر کے مجازی معانی میں سے ایک معنی کی حیثیت سے آتا ہے، ان کے یہاں اس کی تعریف یہ ہے: کسی دنیوی امر کی تعلیم، اہل اصول نے اس کی مثال میں فرمان باری پیش کیا ہے: ”وَاسْتَشْهِلُوا شَهِيلِينَ مِنْ رُجَالِكُمْ“ (۲) (اور اپنے مردوں میں سے دو کو کوہ کر لیا کرو)۔

ارشاد اور ”ندب“ قریب قریب ہیں، کیونکہ وہ دونوں تحصیل منفعت و مصلحت کے معنی میں شریک ہیں، البتہ ”ندب“ میں اخروی مصلحت و منفعت کا حصول ہے، جب کہ ”ارشاد“ میں دنیوی مصلحت کا (۳)۔

فقہاء کے یہاں اس کا استعمال خیر و بھلائی کی رہنمائی کرنے، اور مصالح کی ہدایت دینے کے لئے ہوتا ہے، خواہ وہ دنیوی ہوں یا اخروی، اسی طرح فقہاء اس کو اصولی یعنی دنیوی امر کی تعلیم کے معنی میں بھی استعمال کرتے ہیں (۴)۔

(۱) لسان العرب: مادہ (رشد)۔

(۲) سورہ بقرہ ۲۸۲۔

(۳) کشف الاسرار ۱/ ۱۰۷ طبع مکتب المصالح، جمع الجوامع ۱/ ۳۷۸ طبع الازہریہ، الاحکام لمدی ۹/ ۲ طبع صبیح۔

(۴) المشرح الصغير ۳/ ۳۱ طبع دار المعارف، حاشیہ الجمل علی التبیح ۱۱۶ طبع دار احیاء التراث العربی، الفتح المبین ۱/ ۱۲۵ طبع عیسیٰ الخلیفی، نہایتہ المحتاج

= ۸/ ۲۳ طبع مصنفی الجلی۔

(۱) الریاض فی علی غلیل ۳/ ۱۰۸ طبع کردہ دار الفکر، لفرق لقرانی ۳/ ۲۵۷۔

(۲) کشف الاسرار ۱/ ۱۰۷، جمع الجوامع ۱/ ۳۷۸، الاحکام لمدی ۹/ ۲۔

ہے: ”وَلْتَكُنْ مِنْكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ“ (۱) (اور ضرور ہے کہ تم میں ایک ایسی جماعت رہے جو نیکی کی طرف بلایا کرے)۔ اور فرمان نبوی ہے: ”الدين النصيحة“ (دین خلوص اور خیر خواہی کا نام ہے) (۲)۔ البتہ ”ارشاد“ نرم انداز اور نرم گفتگو کے ساتھ ہوتا ہے، اس لئے کہ یہ انداز قبولیت سے زیادہ قریب ہوتا ہے اور ارشاد اس وقت واجب ہوتا ہے جب کہ غالب گمان یہ ہو کہ فائدہ ہوگا، اور اپنے جانی یا مالی یا دوسرے کسی قسم کے نقصان کا اندیشہ نہ ہو (۳)۔

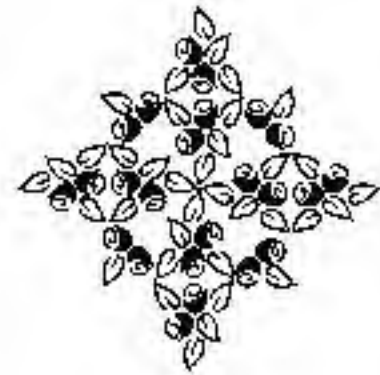
ارصاد

تعریف:

۱- ارصاد کا لغوی معنی تیار کرنا ہے، کہا جاتا ہے: ”ارصد له الأمر“ فلاں نے اس کے لئے سامان تیار کیا اور مہیا کیا (۱)۔ اور ارصاد فقہاء کے یہاں یہ ہے کہ: امام بیت المال کے ماتحت کسی زمین کی آمدنی کو کسی خاص مصرف کے لئے مقرر کر دے (۲)۔ حنفیہ کے یہاں ”ارصاد“ کا اطلاق وقف کی آمدنی کو وقف کے ان قرضوں کی ادائیگی کے لئے خاص کرنے پر بھی ہوتا ہے جو اس کی آباد کاری کی غرض سے لئے جاتے ہیں (۳)۔

بحث کے مقامات:

۵- امر ارشادی کے احکام اصولیین کے یہاں ”امر“ کی بحث میں اور فقہاء کے یہاں امر بالمعروف ونہی عن المنکر کی بحث میں آتے ہیں۔



اول:

ارصاد بمعنی: بیت المال کے ماتحت کسی زمین کی آمدنی کو کسی خاص مصرف کے لئے مقرر کر دینا

متعلقہ الفاظ:

الف- وقف:

۲- وقف کا لغوی معنی: روکنا ہے، اور اصطلاحی معنی: اصل چیز کو روک

(۱) سورہ آل عمران ۱۰۴۔

(۲) مسلم شریف ۱/۳۷ طبع عینی الجلی۔

(۳) الفواکر الدوائی ۳/۳۸۵ طبع مصطفیٰ الجلی، الفتح لمیزبس ۵/۱۳ طبع عینی الجلی، القریطی ۳/۳۸، ۱۶۵ طبع دارالکتب المصریہ الشرح الصغیر ۳/۳۱۷ طبع دارالمعارف، الآداب الشریعیہ لابن مفلح ۳/۱۷۳ طبع المنار ابن حابدین ۳/۳۳ طبع بولاق۔

(۱) لسان العرب، تاج العروس، أساس البلاغة، النہایۃ مادہ (رصد)۔

(۲) الفتاویٰ امجدیہ ۳/۶۳ طبع المطبعۃ الازہریہ، حاشیۃ الجمل علی شیخ المطزب ۳/۵۷ طبع دار احیاء التراث العربیہ، مطالب بولی انس ۳/۲۷۸ طبع المکتب الاسلامی۔

(۳) حاشیہ ابن حابدین ۳/۶۳ طبع اول بولاق۔

کر اس کے منافع کو صدقہ کرنا ہے، وقف اور "ارصاد" میں فرق بتانے کے لئے اس بات کی طرف اشارہ کیا جا رہا ہے کہ ارصاد کی حقیقت کے بارے میں دو نقطہ نظر ہیں:

پہلا نقطہ نظر: ارصاد اور وقف الگ الگ ہیں، حنفیہ نے اس کی تصریح کی ہے، اور شافعیہ کے کلام سے یہی مفہوم ہے، کیونکہ اس میں وقف کی صحت کے شرائط میں سے ایک شرط نہیں ہوتی، وہ یہ کہ وقف کرتے وقت شئی موقوف واقف کی ملکیت میں ہو، جب کہ مرصد (ارصاد کرنے والا) امام یا اس کا نائب ہوتا ہے، اور ارصاد والے مال میں اس کی ملکیت نہیں ہوتی۔

ابن عابدین نے کہا ہے: بادشاہ کی طرف سے ارصاد قطعاً وقف نہیں، کیونکہ بادشاہ اس کا مالک نہیں ہوتا، بلکہ ارصاد میں صرف یہ ہے کہ بیت المال کی کسی چیز کو کسی مستحق و مصرف کے لئے خاص کر دیا جائے (۱)۔ لہذا ارصاد اور وقف میں فرق یہ ہے کہ عین موقوف (وقف کردہ شئی) وقف سے قبل واقف کی ملکیت تھی، جب کہ ارصاد کی صورت میں وہ چیز بیت المال کی تھی۔

دوسرا نقطہ نظر: ارصاد حقیقت میں وقف ہے، اس لئے کہ اس میں وقف کی کسی شرط کی کمی نہیں ہوتی، کیونکہ بادشاہ جو بیت المال میں سے کسی چیز کو وقف کرنے والا ہو، وہ مسلمانوں کا وکیل ہوتا ہے، لہذا وہ واقف کے وکیل کی طرح ہو گیا (۲)۔ اس نقطہ نظر کے مطابق سابقہ ملکیت کی حیثیت سے ارصاد اور وقف میں کوئی فرق نہیں، ہاں اس لحاظ سے فرق ہے کہ ارصاد امام کے علاوہ کسی اور کی طرف سے نہیں ہو سکتا۔

(۱) حاشیہ المدون ۲/ ۸۳ طبع دار الفکر بیروت، حاشیہ کنون علی شرح الترمذی ۱۳۱/ ۷ حاشیہ رہونی۔

(۲) حاشیہ ابن عابدین ۲/ ۲۶۶، حاشیہ ابی سعود علی ملا مسکن ۲/ ۵۰۵ طبع جمعیت المعارف۔

ب- اقطاع (الاٹ کرنا):

۳- اقطاع لغت میں: قطع بمعنی جدا کرنے سے ماخوذ ہے (۱)، اور شریعت میں: امام کسی ایسے شخص کو جس کا بیت المال میں حق ہے کسی غیر آباد زمین کا مالک بنا دے، یا اس سے فائدہ اٹھانے کی اجازت دے دے، اقطاع میں مالک بننا اور مالک نہ بننا دونوں پایا جاتا ہے (۲)۔

اقطاع تملیک (مالک بنانے والے اقطاع) اور ارصاد میں فرق یہ ہے کہ جس کے لئے الاٹ منٹ ہو وہ جاگیر کا مالک ہو جاتا ہے، جب کہ ارصاد میں اس طرح کی کوئی ملکیت نہیں ہوتی۔

اور کسی منفعت کا یا کسی کھیت و زمین کی پیداوار و آمدنی کا اقطاع (الاٹ منٹ یا خاص کرنا) اور ارصاد میں فرق یہ ہے کہ ارصاد دائمی ہوتا ہے جب کہ اس طرح کا اقطاع دائمی نہیں ہوتا، کیونکہ امام کو یہ حق رہتا ہے کہ جاگیر جس کو دی ہے اس سے چھین کر دوسرے کو دے دے، اس اعتبار سے اقطاع میں انفرادی اور شخصی حیثیت ہوتی ہے، جبکہ ارصاد میں عمومی اور اجتماعی مفاد ہوتا ہے۔

ج- حمی:

۴- حمی کا لغوی معنی: ممانعت، روک اور دفع کرنا ہے، اور شریعت میں حمی یہ ہے: امام کسی غیر آباد زمین کے خاص حصہ کو دوسرے کی ضرورت مثلاً جزیرہ یا صدقہ کے جانوروں کے لئے چراگاہ کے طور پر یا کمزور مسلمانوں کی ضرورت کے لئے محفوظ قرار دے دے (۳)۔

حمی اور ارصاد میں فرق یہ ہے کہ ارصاد یہ ہے کہ امام بیت المال کی کسی زمین کی آمدنی کسی خاص مصرف کے لئے مقرر کر دے، جبکہ

(۱) لسان العرب: مادہ (قطع)۔

(۲) ابن عابدین ۳/ ۳۹۲، الشرح الکبیر للحدود ۳/ ۶۸، المہذب ۱/ ۳۳۳، المغنی ۱/ ۱۶۶۔

(۳) حاشیہ المدون ۳/ ۶۸، قلیوبی ۳/ ۹۲، المغنی ۱/ ۱۶۶۔

ارصاد ۵-۷

”حمی“ میں آمدنی کے بجائے بذات خود آباد زمین دوسرے کی ضرورت کے لئے امام کی طرف سے خاص کر دی جاتی ہے۔

کے زیر کے ساتھ)، جہت ارصاد (جس کے لئے خاص کیا جائے) اور خاص عبارت ضروری ہیں۔

ان تمام ارکان کی کچھ شرائط ہیں، ارصاد کی صحت کے لئے ان کا پایا جانا ضروری ہے، اور اس کی تفصیل یہ ہے:

ارصاد کا شرعی حکم:

۵- ارصاد باتفاق علماء مشروع و جائز ہے (۱) یا تو وقف ہونے کے اعتبار سے (اور اس پر وقف کے احکام جاری ہوں گے) یا اس وجہ سے کہ اس میں جائز طریقہ پر مسلمانوں کے مفاد عامہ کا تحفظ ہے، اس لئے کہ مرصد (صاد کے زیر کے ساتھ، خاص کیا ہوا مال) مسلمانوں کے بیت المال کا مال ہے، اور وہ مسلمانوں کو بلا جنگ وجدال مل گیا، اور اس کا مصرف ہر وہ جگہ ہے جو مسلمانوں کے عوامی مفاد میں سے ہو، اور مرصد علیہم (جن کے لئے ارصاد ہوا) یعنی علماء اور قضاة وغیرہ جو مسلمانوں کے مصالح کی انجام دہی پر مامور ہوتے ہیں، لہذا وہ بیت المال کے مصارف میں سے ہیں (۲)۔ اور مسلمانوں کے مصالح کا تحفظ امام کا فریضہ ہے، اگر ان مصالح کا تحفظ ارصاد کے بغیر ناممکن ہو تو ارصاد واجب ہو جاتا ہے، کیونکہ جس چیز کے بغیر کسی واجب کی تکمیل نہ ہو وہ خود واجب ہے، شیخ علی العنقدی حنفی سے ارصاد کے جواز کے بارے میں دریافت کیا گیا تو انہوں نے فرمایا: ”بلاشبہ جائز ہے، کیونکہ اس میں حق حقدار کو پہنچانا ہے، لہذا جائز ہوگا، بلکہ واجب ہے جیسا کہ ہم نے اس کی علت بتائی، اور یہ اتفاق مسئلہ ہے“ (۳)۔

اول- مرصد (صاد کے زیر کے ساتھ، ارصاد کرنے والا):
۷- مرصد کی شرط یہ ہے کہ بیت المال کے جس مال میں ارصاد کر رہا ہے اس میں اس کا تصرف کرنا جائز ہو (۱)۔

اس جائز تصرف والے کے لئے ضروری ہے کہ اس میں تبرع کی تمام شرائط موجود ہوں، اور یہ کہ وہ امام یا امیر (۲) یا وزیر ہو، جس کے ذمہ مسلمانوں کے مفادات کا نظم و نسق ہو (۳)۔ یا ایسا شخص ہو جس کا بیت المال میں حق ہو، اور بیت المال کی کسی جائیداد سے فائدہ اٹھانے کی اس کو اجازت دے دی گئی ہو (۴)۔ لہذا مرصد علیہ (جس کے لئے ارصاد ہوا) دوسرے کے لئے ارصاد کر سکتا ہے، اور مالکیہ نے اس شرط کی تصریح کی ہے کہ مرصد (صاد کے زیر کے ساتھ) ارصاد کو اپنی طرف منسوب نہ کرے، کیونکہ وہ شعی مرصد (خاص کی ہوئی شعی) کا مالک نہیں، وہ بیت المال کی ملکیت ہے، اس شرط کی صراحت بقیہ فقہاء نے کو نہیں کی ہے تاہم ارصاد کے بارے میں ان کے آراء کے یہ خلاف نہیں ہے۔

اگر مرصد (صاد کے زیر کے ساتھ) ارصاد کو اپنی طرف منسوب

ارصاد کے ارکان:

۶- ارصاد کے لئے: مرصد (صاد کے زیر کے ساتھ)، مرصد (صاد

(۱) مطالب اولیٰ امی ۲۸۷ طبع مکتب الاسلامی بیروت۔
(۲) حاشیہ الجمل ۵۷۷ طبع دار احیاء التراث بیروت، حاشیہ الشروانی علی المجموع ۳۹۲/۵ طبع مول المصنوع ۱۳۰۶ھ، حاشیہ البحر علی شیخ الطلاب ۲۰۲ طبع مکتبۃ الاسلامیہ ترکی، نہایت الرین شرح قرۃ العین ۲۶۸ طبع مصطفیٰ المہاجر للکتاب، حاشیۃ الدسوقی ۸۲۔

(۳) الفتاویٰ المہدیہ ۶۳۷/۲۔

(۴) الفتاویٰ المہدیہ ۶۳۶/۲۔

(۱) حاشیہ کنون علی الترغاتی ۱۳۱۔

(۲) الفتاویٰ المہدیہ ۶۳۷/۲۔

(۳) الفتاویٰ المہدیہ ۶۳۸/۲۔

کردے تو ارصاد درست نہیں ہے۔

علی کنون نے زرقانی پر اپنے حاشیہ میں لکھا ہے: اگر امام احسان و مفاد عامہ کے طور پر وقف کردے اور اس کو اپنی طرف منسوب کردے تو صحیح نہیں ہے (۱)۔

دوم- مرصد (صاد کے زیر کے ساتھ):

۸- مال مرصد (خاص کیا ہوا سامان و مال) میں شرط یہ ہے کہ وہ ایسی معین شی ہو، جو بالاتفاق بیت المال میں آچکی ہو (۲)۔ مثلاً وہ زمینیں جن کو مسلمانوں نے زبردستی قبضہ میں لے لیا ہو، اور وہ بیت المال میں آگئی ہوں، اور اس طرح کی دوسری زمینیں، لہذا یہ جائز نہیں کہ امام ”ارضی حوز“ میں سے کسی زمین کا ارصاد کرے، کیونکہ یہ ان کے مالکان کی ملکیت میں ہیں، بیت المال کی ملکیت میں نہیں۔

”ارضی حوز“ سے مراد یہاں وہ زمین ہے جس کا مالک اس کی کاشت کرنے اور اس کا محصول ادا کرنے سے قاصر ہونے کی بنیاد پر امام کے حوالے کردے، تاکہ اس کے منافع سے اس کے محصول کی تلافی ہو سکے (۳)۔

سوم- مرصد علیہ (جس کے لئے خاص کیا جائے):

۹- مرصد علیہ کی شرط یہ ہے کہ وہ اجمالی طور پر بیت المال کے

مصارف میں سے ہو (۱) اگر اس کا بیت المال میں کوئی حق نہ ہو تو اس ارصاد سے اس کے لئے کھانا ناجائز ہے، اگرچہ نگران اس کو اس پر مقرر رکھے، اور مال مرصد میں وہ کام بھی شروع کر دے، کیونکہ یہ بیت المال کا ہے، کسی کے عمل سے اس کا شرعی حکم نہیں بدلے گا (۲)۔

اگر کسی معین جہت کے لئے ارصاد کر دے جس میں مسلمانوں کے مفاد عامہ کا تحفظ ہو، مثلاً مدارس، علماء اور قضاة وغیرہ، تو یہ ارصاد صحیح اور نافذ ہے (۳)، اس لئے کہ بیت المال کے اموال کا سب سے پہلا مصرف مسلمانوں کے عمومی مفادات کا تحفظ ہے۔

۱۰- معین افراد کے لئے ارصاد کے بارے میں اختلاف ہے:

جمہور حنفیہ جن میں عبدالمبر بن شحہ ہیں، مالکیہ، اور بعض شافعیہ جن میں سیوطی و سبکی ہیں، کی رائے یہ ہے کہ معین افراد کے لئے ارصاد جائز نہیں ہے (۴) اگرچہ وہ مفادات عامہ کو انجام دینے والے ہوں یا بیت المال میں ان کا استحقاق ہو، مثلاً امام اپنی اولاد کے لئے وقف کرے وغیرہ (۵)۔

اس ممانعت کی وجہ غالباً سد ذرائع ہے، اور تاکہ فاسق حکام کی طرف سے بیت المال کے اموال کو اپنے مقربین کو دینے کے سلسلہ کو بند کیا جاسکے۔

اور قیامت تک کے لئے مسلمانوں کے واسطے باقی رکھا گیا ہو، دیکھئے: حاشیہ ابن عابدین ۲/۳۵۶، حاشیہ الخطاوی علی الدر المختار ۲/۶۳۳۔

(۱) الفتاوی المہدیہ ۲/۶۳۷، الاشباہ والنظائر لابن نجیم ۱/۹۰، ابن عابدین ۲/۳۵۶، المشروانی علی التہذیب ۵/۳۹۲۔

(۲) الاشباہ والنظائر لابن نجیم ۱/۳۱۱۔

(۳) المشروانی علی تہذیب المحتاج ۵/۳۹۲، حاشیہ الجمل ۳/۷۷، حاشیہ ابن عابدین علی الدر المختار ۲/۳۵۹، الفتاوی المہدیہ ۲/۶۳۷، مطالب اولی النہی ۲/۷۸، نہایۃ الرین شرح قرۃ العین ۲/۶۸، المرہونی علی الزرقانی ۵/۱۳۰، ۱۳۱۔

(۴) المشروانی علی تہذیب المحتاج ۵/۳۹۲، حاشیہ الجمل ۳/۷۷۔

(۵) الفتاوی المہدیہ ۲/۶۳۸۔

(۱) حاشیہ کنون علی شرح الزرقانی المختصر فیل ۷/۱۳۱۔

(۲) الفتاوی المہدیہ ۲/۳۶۲، ابن عابدین ۲/۳۵۹، حاشیہ ابوسعود ۲/۵۰۵، الاشباہ والنظائر لابن نجیم ۱/۳۱۰، حاشیہ المشروانی علی تہذیب المحتاج ۵/۳۹۲، حاشیہ الدسوقی ۲/۸۲، مطالب ولی النہی ۲/۷۸، نہایۃ الرین شرح قرۃ العین ۲/۶۸۔

(۳) البحر الرائق ۵/۲۰۳، یہ ان اراضی حوز سے الگ ہے جن کا ذکر غنائم اور خراج کی بحث میں کرتے ہیں، اور وہ یہ ہیں جن کے مالکان کے مرنے کے بعد ان کا کوئی وارث نہ ہو ورنہ بیت المال میں آجائیں، یا ان کو زبردستی فسخ کیا گیا

چہارم- صیغہ و عبارت:

۱۲- ارصاد کے صیغہ و عبارت میں وہی شرط ہے جو وقف میں شرط ہے، ”ارصاد“ اسی طرح ”وقف“ کے لفظ سے صحیح ہے جیسے کہ ارصاد کے لفظ سے صحیح ہوتا ہے، اکثر فقہاء ارصاد اور وقف کے الفاظ کو ایک دوسرے کی جگہ استعمال کرتے ہیں۔

۱۳- مرصد (خاص کرنے والا) اپنے ارصاد میں واقف کی طرح حسب منشا شرائط لگا سکتا ہے، فتاویٰ مہدیہ میں ہے: واقف اپنے وقف میں حسب منشا تصرف کر سکتا ہے، اور اسی طرح مرصد بھی، اس پر مذاہب اربعہ کا اتفاق ہے (۱)۔

ارصاد کے آثار:

۱۴- اگر امام یا اس کا نائب مسلمانوں کے مال کا ارصاد کر دے تو اس پر یہ اثرات مرتب ہوں گے:

الف- یہ ارصاد دائمی ہوگا، اور مرصد کے معین کردہ مصرف میں اس کو مسلسل صرف کیا جاتا رہے گا، اگر مرصد کی جگہ کوئی اور امام آجائے تو اس کو توڑ نہیں سکتا اور نہ ہی باطل کر سکتا ہے، اس پر فقہاء کا اتفاق ہے (۲)۔ اس کی سب سے بڑی دلیل یہ واقعہ ہے جو سلطان بروتوق کے زمانہ میں پیش آیا، انہوں نے ۸۰ھ کے بعد ارصاد کو اس وجہ سے ختم کرنا چاہا کہ وہ بیت المال سے کیے گئے تھے، اور اس کے لئے ایک عظیم اجلاس طلب کیا جس میں شیخ سراج الدین عمر بن رسلان بلخینی شافعی، برہان الدین بن جماعہ، اور شیخ حنفیہ شیخ اکمل الدین شارح ہدایہ وغیرہ شریک ہوئے، شیخ بلخینی نے کہا: علماء و طلبہ پر کئے گئے وقف کو توڑنے کی کوئی صورت نہیں، اس لئے کہ خمس میں

(۱) الفتاویٰ المہدیہ ۲/۶۲۸۔

(۲) حاشیہ ابن عابدین ۳/۵۹، ۲۶۶، الفتاویٰ المہدیہ ۲/۶۲۷، حاشیہ کنون علی شرح الزرقانی المتوفی فی ۱۳۱۱ھ۔

حنابلہ، جمہور شافعیہ، اور حنفیہ میں امام ابو یوسف کے نزدیک معین افراد کے لئے ارصاد جائز ہے بشرطیکہ اس میں کوئی مصلحت ظاہرہ ہو (۱)۔

حنفیہ میں ابن نجیم اور ان کے موافقین نے بھی اس کو اس شرط کے ساتھ جائز قرار دیا ہے کہ بانجام کار ارصاد کو عمومی جہت مثلاً فقراء اور علماء وغیرہ کے لئے کر دے، جواز کی وجہ انجام کار پر نظر ہے (۲)۔

۱۱- حنفیہ اور بعض شافعیہ مثلاً سیوطی نے تصریح کی ہے کہ مرصد علیہ مال مرصد کا مستحق ہوگا اگرچہ وہ ارصاد میں مشروط عمل کو انجام نہ دے (۳)، جب کہ بعض شافعیہ مثلاً ربی کی رائے ہے کہ مرصد علیہ کے ذمہ ارصاد کی شرط پر عمل کرنا واجب ہے، اور جب تک وہ خود یا اپنے نائب کے ذریعہ مال مرصد میں عمل نہ کرے اس کا مستحق نہ ہوگا (۴)۔ بعض حنفیہ نے صراحت کی ہے کہ اگر مال مرصد تمام مستحقین کے لئے کافی نہ ہو اور ارصاد کسی ایک جہت کے لئے ہو تو استحقاق میں اس شخص کا لحاظ کیا جائے گا جس کے اندر بیت المال سے زیادہ حق وار ہونے کی صفت ہو، لہذا بیت المال کے مصارف میں سے جو زیادہ حق وار ہوگا وہ دوسرے پر مقدم ہوگا، اور اگر سب کے اندر بیت المال سے زیادہ حقدار ہونے کی صفت ہو تو جس کی ضرورت زیادہ ہو اس کو مقدم کیا جائے گا، مثلاً مدرس کو مؤذن پر، مؤذن کو امام پر، اور امام کو اقامت کہنے والے پر مقدم کیا جائے گا، اور اگر سب کی ضرورت برابر ہو تو ان میں بڑی عمر والے کو مقدم کیا جائے گا (۵)۔

(۱) نہایت الزین شرح قرۃ العین ص ۲۶۸، حاشیہ الجمل ۳/۵۷۶، حاشیہ الشروانی ۵/۳۹۲، حاشیہ کنون علی الزرقانی ۱/۳۱، حاشیہ ابن عابدین ۳/۲۶۵، تہذیب القواعد بمائش الفروق ۳/۱۰، البرہانی ۷/۱۳۰، ۱۳۱۔

(۲) الفتاویٰ المہدیہ ۲/۶۲۶-۶۲۸۔

(۳) الاشیاء والظاہر للسیوطی ۱/۳۱۰، الجمل ۳/۵۷۷۔

(۴) حاشیہ الجمل ۳/۵۷۷۔

(۵) الاشیاء والظاہر ۱/۳۱۱۔

دوم:

إرصاد بمعنی: وقف کی آمدنی کو اس کے قرضوں کی ادائیگی کے لئے خاص کرنا:

۱۵- حنفیہ کے یہاں إرصاد کا اطلاق: کلی یا جزوی طور پر وقف کی آمدنی کو مستحقین سے روک کر، وقف پر عائد جائز قرضے کی ادائیگی میں صرف کرنے پر بھی ہوتا ہے، مثلاً موقوف جائیداد کے کرایہ دار نے اس میں دوکان تعمیر کرائی، یا اس کی پرانی عمارت کی تعمیر نو کی کہ اس پر آنے والا صرفہ وقف پر قرض ہوگا، اگر وقف کی زائد آمدنی نہ ہو جس سے اس کو پورا کیا جاسکے تو اس صورت میں یہ تعمیر وقف کی ہوگی، اور کرایہ دار تعمیر یا مرمت کا صرفہ لے گا، اور اس کے صرفہ کی ادائیگی کے بارے میں اس کا حق ان لوگوں کے حق پر مقدم ہوگا جن پر وقف کیا گیا ہے، اور تعمیر کے بعد اس پر کرایہ اسی قدر دینا ہوگا جو تعمیر کے بعد اس جیسی عمارت کا کرایہ ہوتا ہے، اور بعض نے اجازت دی ہے کہ اس جیسے کرایہ سے کم پر بھی اس کو دیا جاسکتا ہے، اس لئے کہ اگر کوئی دوسرا اس کو کرایہ پر لے، اور پہلے کرایہ دار نے جو تعمیر پر صرف کیا ہے وہ اس کو دیدے تو وہ اس تھوڑی مقدار والے کرایہ پر ہی اس کو کرایہ پر لے گا (۱)۔ اس کی تفصیل کا موقع ”وقف“ کی بحث ہے۔

۱۶- اس معنی کے اعتبار سے ”إرصاد“ اور حکمر (جس کی حقیقت یہ ہے کہ وقف کی زمین لمبے زمانہ کے لئے کرایہ پر لی جائے تاکہ اس میں کوئی تعمیر کرائی جائے) دونوں میں فرق یہ ہے کہ إرصاد میں تعمیر وقف کی ہوتی ہے جب کہ حکمر میں تعمیر کرایہ دار کی ہوتی ہے، إرصاد میں کرایہ دار کی طرف سے وقف کو جو دیا جاتا ہے وہ کرایہ دار کا وقف پر قرض ہے، اور حکمر میں کرایہ دار جو کچھ وقف کو دیتا ہے وہ اس زمین کی اجرت ہے جس پر اس نے تعمیر کی ہے۔

(۱) حاشیہ ابن عابدین ۶/۵، ۶/۳، ۳۷۶۳۔

سے ان کا حصہ اس سے زیادہ ہے، اور فاطمہ، خدیجہ اور عائشہ پر جو إرصاد کیا گیا ہے اس کو ختم کیا جاسکتا ہے، اور حاضرین علماء نے اس رائے سے اتفاق کیا (۱)۔ فتاویٰ مہد یہ میں ہے: سیوطی نے کہا: بعینہ اسی پر اتفاق ہوا ہے، عز بن عبد السلام (سلطان العلماء) نے یہی کہا ہے، اس مسئلہ میں فقہاء کی آراء ایک دوسرے سے متفق ہیں (۲)۔

ب۔ إرصاد کی شرائط کی رعایت کس حد تک ہے؟: جمہور حنفیہ کی رائے یہ ہے کہ امام إرصاد کی شرائط کی مخالفت کر سکتا ہے (۳)، بایں معنی کہ اگر حاکم کی نظر میں مصلحت کا تقاضا یہ ہو کہ اس میں اضافہ کر دے، یا مذکورہ وقف کے مصارف میں کمی کر دے تو ایسا کرنا اس کے لئے جائز ہے، اس کا مطلب یہ نہیں کہ إرصاد میں مقرر کردہ جہت سے اس کو ہٹا دے، مثلاً إرصاد میں معین کردہ شخص کو روک کر اس کا استحقاق دوسرے کو دے دے، تو اس صورت میں اس سے عدول کرنا درست نہیں ہے (۴)۔

امام شرائط إرصاد کی مخالفت کر سکتا ہے۔ علامہ ابو السعود نے اس کی وجہ یہ بتائی ہے کہ مال مرصد بیت المال کا ہے یا لوٹ کر بیت المال میں آئے گا (۵)۔

مالکیہ اور بعض حنفیہ کی رائے ہے کہ مرصد کی شرائط کی رعایت ضروری ہے، اس کی مخالفت جائز نہیں اگر شرعی طریقہ کے موافق ہو (۶)۔

(۱) ابن عابدین ۲۵۹/۳، الفتاویٰ مہد یہ ۶/۲، ۶/۳، اور اس کے بعد کے صفحات۔

(۲) الفتاویٰ مہد یہ ۶/۲، ۶/۳۔

(۳) حاشیہ ابوسعود علی ملائکین ۵۰۵/۲، الفتاویٰ مہد یہ ۶/۲، ۶/۳، ۶/۴، حاشیہ ابن عابدین ۲۵۹/۳۔

(۴) حاشیہ ابوسعود ۵۰۵/۲، ابن عابدین ۲۵۹/۳۔

(۵) حاشیہ ابوسعود ۵۰۶/۲، ابن عابدین ۲۵۹/۳۔

(۶) ابن عابدین ۲۵۹/۳، حاشیہ کنون علی شرح الترقانی ۱۳۱/۳۔

ارض ۱-۳

شریف کی روایت میں ہے: اور اس (زمین) کی خاک پاک کرنے والی بنائی گئی ہے۔ یہ حدیث زمین کی طہارت کے بارے میں نص ہے (۱)۔

ارض

تعریف:

۱- ارض (زمین): جس پر انسان بستے ہیں، لفظ ”ارض“ مؤنث اور اسم جنس ہے، اس کی جمع ”اراض“، ”اروض“ اور ”ارضون“ آتی ہے (۱)۔

زمین کا پاک ہونا، اس کو پاک کرنا، اور اس کے ذریعہ پاکی حاصل کرنا:
زمین کا پاک ہونا:

۲- باتفاق علماء وراصل زمین پاک ہے، کسی بھی جگہ نماز پڑھی جاسکتی ہے بشرطیکہ نجس نہ ہو، اس کی دلیل بخاری میں مذکور حضرت جابرؓ کی یہ روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”أَعْطِيتَ خُمْسًا لِمَ يَعْطُوكَ أَحَدٌ قَبْلِي“۔ اِلٰی اَنْ - قَالَ: ”وَجَعَلْتُ لِي الْأَرْضَ مَسْجِدًا وَطَهُورًا فَإِنَّمَا رَجُلٌ مِنْ أُمَّتِي أَدْرَكَتْهُ الصَّلَاةُ فَلْيَصِلْ“۔ وفی روایۃ لمسلم: ”وَجَعَلْتُ تَرْتِبَهَا طَهُورًا“ (مجھے پانچ باتیں ایسی ملی ہیں جو مجھ سے پہلے کسی پیغمبر کو نہیں ملیں، (یہاں تک کہ) آپ ﷺ نے فرمایا: ساری زمین میرے لئے نماز کی جگہ اور پاک کرنے والی بنائی گئی ہے تو میری امت کے جس آدمی کو (جہاں) نماز کا وقت آجائے نماز پڑھ لے، اور مسلم

(۱) لسان العرب۔

زمین کو نجاست سے پاک کرنا:

۳- اگر زمین کسی سیال نجاست، مثلاً پیشاب اور شراب وغیرہ سے نجس ہو جائے تو اس کے پاک کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ اس پر خوب پانی بہا دیا جائے کہ نجاست کا رنگ اور اس کی بو چلی جائے، اور جو پانی اس سے علاحدہ ہو کر جائے وہ اگر بدلا ہوا نہ ہو تو پاک ہے، یہی جمہور فقہاء کا قول ہے، اس کی دلیل حضرت انسؓ کی یہ روایت ہے: ”جاء أعرابی فبال في طائفة (ناحية) من المسجد فخرجوه الناس فنهاهم رسول الله ﷺ فلما قضی بوله أمر بمنوب من ماء فاهريق عليه“ (ایک اعرابی آیا اور مسجد کے ایک کونے میں پیشاب کرنے لگا، لوگوں نے اس کو جھڑکا، حضور ﷺ نے لوگوں کو اس کو جھڑکنے سے منع فرمایا، جب وہ پیشاب کر چکا تو حضور ﷺ نے ایک ڈول پانی لانے کا حکم دیا، پھر وہ اس جگہ پر (جہاں اس نے پیشاب کیا تھا) بہا دیا گیا)۔ اس کی روایت بخاری نے کی ہے (۲)۔

خوب پانی بہانے کی طرح یہ ہے کہ اس پر بارش یا سیلاب کا پانی گزر جائے تو زمین پاک ہو جاتی ہے، اس لئے کہ نجاست کو زائل کرنے میں نیت یا فعل کا اعتبار نہیں، لہذا کوئی انسان پانی بہائے یا کسی کے بہائے بغیر اس پر پانی بہا جائے تو دونوں برابر ہیں۔

(۱) الام ۱/۳۳، اور اس کے بعد کے صفحات، فتح القدیر ۱/۱۳۰، ابن ماجہ ۱/۲۰۷، الاختیار ۱/۲۶، المغنی ۲/۵۳، ۵۴، ۵۵، ۵۶، بدیع المعجم ۱/۷۶، فتح الباری ۱/۲۲۵، ۲۲۷، ۲۲۹، ۲۳۰، ۲۳۱، طبع استقبر، نیل الاوطار ۱/۳۸، مسلم ۱/۳۷۱، طبع عیسیٰ الخلیس۔
(۲) بخاری (فتح الباری ۱/۳۲۳، طبع استقبر)۔

أَرْض ۴-۷

زمین کے ذریعہ یا کی حاصل کرنا

انتخابات:

۶- اجتماع: جمار یعنی چھوٹے پتھروں کے ذریعہ نجات کو بالکل ختم کر دینا ہے۔

پانی کی طرح پتھروں سے بھی استنباء جائز ہے، یہ علماء کے یہاں اتفاقِ مسلمہ ہے (۱)۔

زمین کے ذریعہ جوتے کو پاک کرنا:

۷۔ بافتاق علماء جو تا (اور چیل وغیرہ) اگر کسی سیال نجاست سے نجس ہو جائے، مثلاً پیشاب، خون اور شراب، تو بغیر دھوئے پاک نہ ہوگا، اور مالکیہ کی اس روایت کے مطابق کہ نجاست کا زائل کرنا سنت ہے، یہ نجاست معاف ہوگی۔

اگر نجاست جسم والی اور خشک ہو تو حنفیہ و شافعیہ کا مذہب ہے اور حنابلہ کے یہاں صحیح یہی ہے کہ رگڑ دینے سے بھی جوتا پاک ہو جاتا ہے، اگر جسم والی نجاست تر ہو تو مالکیہ اور حنفیہ میں ابو یوسف اور حنابلہ کے یہاں مشہور یہ ہے کہ جوتا رگڑنے سے بھی پاک ہو جاتا ہے۔

اس مسئلہ کی دلیل وہ آثار و احادیث ہیں جو گرگڑنے کے ذریعہ جوتوں کے پاک ہونے کے بارے میں آئی ہیں، مثلاً حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت میں ارشاد نبوی ہے: ”إِذَا وَطِئَ أَحَدُكُمْ الْأَذَى بِنَعْلِهِ فَانْشَرَابَ لَهُ طَهُورٌ“ (۲) (اگر تم میں سے کوئی جوتے پہن کر

= علی المشرح الکبیر ۱۱۳، ۱۱۴، معنی المحتاج ۱۳۳، شرح الروض ۴۱، ۴۱ م
۱۸، ۱۳، معنی ۱۳۹، ۱۳۹، ۱۳۹ کے بعد کے صفحات، نیز ۱۵۶، ۱۵۷، ۱۵۸، ۱۵۹
الاخبار ۸۵۔

(۱) سابقہ مراجع۔

(۲) حدیث: ”إذا وطنی...“ کی روایت ابو داؤد (عون المعبود ۴/۳ طبع
 المستقیم) نے کی ہے المہانی نے صحیح الجامع الصغیر (۱/۲۸۹ طبع المکتب
 الاسلامی) میں اس کو صحیح کہا ہے۔

امام ابوحنیفہ نے کہا ہے: اگر زمین نرم ہو تو اس کو پاک کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ اس پر خوب پانی بہا دیا جائے، جیسا کہ جمہور نے کہا ہے، اگر زمین سخت ہو تو جب تک پانی اس سے جدا نہ ہو جائے پاک نہ ہوگی، اور اس سے جدا ہونے والا پانی نجس ہے، کیونکہ اس میں نجاست منتقل ہوگئی ہے۔

ہاں اگر زمین کی اس حد تک کھدائی کر دی جائے جہاں تک
نجاست کا اثر پہنچا ہے، یا اس پر مٹی ڈال کر اس قدر دبا دیا جائے کہ
نجاست کی بو ختم ہو جائے تو پاک ہو جاتی ہے۔

۴- اگر سیال نجات خشک ہو جائے تو جمہور فقہاء نے کہا ہے: پانی کے بغیر پاک نہیں ہوگی، اس کی دلیل اعرابی والی سابق حدیث ہے، امام ابو حنیفہ و صاحبین اپنے اظہر قول میں فرماتے ہیں کہ نماز کے لئے وہ زمین پاک ہے لیکن تیمم کے لئے نہیں، اور ایک قول یہ ہے کہ نماز و تیمم دونوں کے لئے پاک ہے، اس لئے کہ بخاری و ابو داؤد میں حضرت ابن عمر کی روایت ہے کہ کتے مسجد میں آتے جاتے پیشاب کرتے تھے، اور اس پر لوگ کوئی چھڑکاؤ نہیں کرتے تھے۔

بعض شافعیہ نے کہا ہے: اگر زمین سایہ میں رہتے ہوئے خشک ہو جائے تو وہ پاک ہو جائے گی، اس لئے کہ مصنف ابن ابی شیبہ میں ابو قتادہ کا یہ قول مروی ہے کہ اگر زمین خشک ہو جائے تو پاک ہو جائے گی (۱)۔

۵۔ اگر نجاست سیال نہ ہو، مثلاً متفرق اجزاء والی ہو، جیسے بوسیدہ ہڈی، لید اور خون جو خشک ہو جائے اور ایسی نجاست زمین کے اجزاء کے ساتھ مل جائے تو دھلنے سے پاک نہیں ہوگی، بلکہ اس جگہ کی مٹی ہٹانا ضروری ہے یہاں تک کہ نجاست کے اجزاء کے ہٹ جانے کا یقین ہو جائے تو پاک ہوگی، اس میں کسی کا اختلاف نہیں ہے (۲)۔

(۱) مصنف ابن ابی شیبہ ۵/ ۵ طبع الدار السنطیہ بمبئی۔

(۲) فتح القدیر ۱/ ۱۳۸، ۱۵۰، الاختیار ۱/ ۳۹، بدایہ النہج ۱/ ۷۶، حاشیہ الدسوقی

اس طرح کی زمینوں سے متعلق احکام یہ ہیں:

ان مقامات پر جانے کا حکم:

۱۲- ان مقامات پر جانا مکروہ ہے، اور اگر کوئی ان جگہوں پر پہنچ جائے تو عبرت حاصل کرتے ہوئے خوف اور تیزی کے ساتھ نکل جائے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا، فرمان نبوی ہے: ”لَا تَدْخُلُوا عَلَى هَؤُلَاءِ الْمَعَذِبِينَ إِلَّا أَنْ تَكُونُوا بِأَكِينٍ، أَنْ يَصِيبَكُمْ مِثْلُ مَا أَصَابَهُمْ“ (۱) (ان عذاب والے مقامات میں مت جاؤ مگر روتے ہوئے، کہیں ایسا نہ ہو کہ ان کا عذاب تم پر بھی اتر آئے)۔

ان مقامات کے پانی سے پاکی حاصل کرنے اور نجاست دور کرنے کا حکم:

۱۳- دیکھئے: اصطلاح: ”آبار“ فقرہ ۳۲۔

پاکی کے علاوہ دوسری چیزوں میں اس کے پانی کے استعمال کا حکم:

۱۴- اس زمین کے کنوؤں کا پانی انسان کے لئے کھانا پکانے اور آنا کوندھنے میں استعمال کرنا ممنوع ہے، غیر انسان کے لئے اس کا استعمال جائز ہے، اس لئے کہ حضرت ابن عمرؓ کی روایت میں ہے کہ لوگ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ سرزمین شمود میں مقام ”حجر“ میں اترے اور کنوؤں سے پانی نکالا، اور اس سے آنا کوندھ لیا، تو حضور ﷺ نے حکم فرمایا: ”أَنْ يَهْرَقُوا مَا اسْتَقَوْا مِنْ آبَارِهَا وَيَعْلِفُوا الْإِبِلَ الْعَجِينَ، وَأَمْرَهُمْ أَنْ يَسْتَقُوا مِنَ الْبُحْرِ الَّتِي“

(۱) القرطبی ۱۰/۳۶۱ اور اس کے بعد کے صفحات، اور حدیث ”لَا تَدْخُلُوا...“ کی روایت بخاری (فتح الباری ۱/۵۳۰ طبع السنۃ) نے کی ہے۔

کانت تردھا النافقة“ (۱) (وہاں کے کنوؤں سے جو پانی نکالا ہے اس کو بہا دیں، اور آنا اونٹ کو کھلا دیں، اور یہ حکم فرمایا کہ اس کنوئیں سے پانی نکالیں جہاں (حضرت صالح علیہ السلام کی) اونٹنی آئی تھی)۔

وہاں کی مٹی سے تیمم کا حکم:

۱۵- اس زمین کی مٹی سے تیمم حنفیہ وشافعیہ کے یہاں مکروہ ہے۔ مالکیہ کی دو آراء ہیں: ایک رائے تیمم کے حرام ہونے کی اور دوسری جائز ہونے کی ہے، متقی نے اسی کو صحیح کہا ہے (۲)۔

ایسی جگہ پر نماز کا حکم:

۱۶- مالکیہ کے یہاں صحیح مختار یہ ہے کہ اس زمین پر نماز درست ہے، ہاں اگر وہاں کوئی نجاست ہو تو نہیں، اس لئے کہ نماز ہر پاک جگہ میں صحیح ہے، اسی طرح حنفیہ وحنابلہ وغیرہ کراہت کے ساتھ نماز کی صحت کے قائل ہیں، اس لئے کہ اس جگہ پر اللہ کا غضب و ناراضگی کا نزول ہوا ہے۔

مالکیہ میں ابن عربی اور بعض علماء کی رائے یہ ہے کہ اس جگہ پر نماز درست نہیں، اور یہ جگہ اس فرمان نبوی: ”جَعَلْتُ لِي الْأَرْضَ مَسْجِدًا“ کے عموم سے خارج و مستثنیٰ ہے (۳)۔

مروی ہے کہ حضرت علیؓ نے باطل میں جہاں زمین دھنسی ہے، نماز کو مکروہ سمجھا ہے (۴)۔

(۱) سابقہ مراجع، حاشیہ الطحاوی ص ۱۹۷، ابن عمرؓ کی حدیث کی روایت بخاری نے کی ہے (فتح الباری ۱/۳۷۸ طبع السنۃ)۔

(۲) الشرح المصغر ۱/۲۹۰، ۳۰۰، الدرر النوری ۱/۳۳، ابن عابدین ۱/۹۰، قلیوبی ۲۰۰/۱۔

(۳) حدیث کی تحریر فقہ نمبر ۲ میں گذر چکی ہے۔

(۴) القرطبی ۱۰/۳۶۱ اور اس کے بعد کے صفحات، شرح منی الاذات ۱/۱۵۸، حاشیہ الطحاوی علی مرآۃ الفلاح ص ۱۹۷، فتح الباری ۱/۵۳۰۔

اس زمین کی پیداوار کی زکاة:

۱۷- باجماع فقہاء اس زمین کی پیداوار (غلہ اور پھل) میں زکاة ہے، کچھ شرائط اور تفصیلات ہیں جن کی جگہ اصطلاح (زکاة) ہے، اسی طرح اس زمین سے نکلنے والی معدنیات اور خزانے کا بھی یہی حکم ہے، البتہ کچھ تفصیلات ہیں جن کی جگہ اصطلاح زکاة، معدن اور رکاز ہے (۱)۔

سر زمین مناسک میں تصرف

مکان احرام:

۱۸- سر زمین حرم کو آباد کرنا جائز ہے، اسی طرح امام اس کو الاٹ بھی کر سکتا ہے، ہر زمین حرم کو آباد کرنے والے کو حق ہے کہ اس کو بیچ دے، یا اس میں کوئی اور تصرف کرے، کیونکہ وہ زمین اس کی ملکیت ہوگئی، اور چوں کہ بہت کشادہ ہے اس لئے احرام باندھنے والوں کو تنگی نہیں ہوگی، یہ اتفاق مسئلہ ہے۔

البتہ عرفہ، مزدلفہ اور منیٰ کی آباد کاری کسی کے لئے جائز نہیں، اور نہ ہی امام اس کو الاٹ کر سکتا ہے، کیونکہ اس سے حج کی عبادت کا حق متعلق ہے، حتیٰ کہ اگر وہ جگہ کشادہ ہو اور حاجیوں کو تنگی بھی محسوس نہ ہو تو بھی جائز نہیں، ”شرح المنہج“ کے حاشیہ ”جمل“ میں کہا ہے: امام شافعی کا ظاہر مذہب یہی ہے، لہذا نہ وہ کسی کی ملکیت میں آئے گی اور نہ اس میں کوئی تصرف ہو سکتا ہے، اور غزالی نے کہا: اظہر یہ ہے کہ باعث تنگی نہ ہو تو روکا نہیں جائے گا، اس کی دلیل یہ صحیح

روایت ہے: ”قیل یا رسول اللہ! ألا تبني لك بيتا بمنى يظلك؟ فقال: لا، منى مناخ من سبق“ (۱) (عرض کیا گیا: یا رسول اللہ! آپ اپنے لئے منیٰ میں گھر کیوں نہیں بنا لیتے جو آپ کے لئے سایہ دے؟ آپ نے فرمایا: نہیں منیٰ میں جو پہلے آجائے وہ اس کے لئے اقامت گاہ ہے)۔

نمرہ کو اسی پر قیاس کیا گیا ہے، اس لئے کہ عرفہ کے دن زوال سے قبل وہاں حاجی کا ٹھہرنا سنت ہے، اسی طرح اس پر محصب کو بھی قیاس کیا گیا ہے، اس لئے کہ سنت یہ ہے کہ منیٰ سے روانہ ہوتے ہوئے وہاں حجاج رات گزاریں، لہذا سر زمین مناسک میں تصرف ممکن نہیں، کیونکہ اس کی ملکیت آباد کاری کے ذریعہ نہیں ہو سکتی ہے (۲)۔

زمین کی ملکیت:

۱۹- زمین کی ملکیت کے مختلف اسباب ہیں، جس میں زمین کے علاوہ دوسری چیزیں بھی شریک ہیں، اور یہ اسباب ملکیت کو منتقل کرنے والے عقود و معاملات اور وراثت وغیرہ ہیں، زمین کی ملکیت کے کچھ مخصوص اسباب ہیں، مثلاً غیر آباد زمین کی آباد کاری، الاٹ منٹ، ان تمام اسباب کی خاص اصطلاحات ہیں، ان کے احکام انہی اصطلاحات میں دیکھے جائیں۔

قابل لحاظ امر یہ ہے کہ عرصہ دراز تک زمین اپنے ہاتھ میں رکھنا شرعی طور پر ملکیت کا سبب نہیں، چاہے کتنا ہی زمانہ گزر جائے، اس کی

(۱) حدیث ”ألا تبني لك بيتا بمنى...“ کی روایت ترمذی (۳۱۱/۱۱ طبع المطبعہ

المصریہ ۱۳۵۰ھ) نے مسبکة المکبة عن عائشة سے مروی ہے امام ترمذی نے کہا یہ حدیث حسن ہے اور حاکم نے المستدرک (۱/۳۶۷ طبع دار الکتاب) میں اسے روایت کیا ہے، صاحب تحفۃ الاحوذی (۶۲۱/۳)

نے کہا اس حدیث کا مدار مسیکہ المکیہ پر ہے ورنہ مجہول ہے۔

(۲) حاشیہ الجمل علی شرح المنہج ۳/۵۶۳، ۵۶۳، البیہود ۲۳۲۔

(۱) الام ۲/۲۸، حاشیہ الجمل علی المنہج ۲/۲۳۰، فتح القدیر ۲/۳، الاختیار ۱/۱۳۸، ۱۳۹، الشرح المکبیر مع حاشیہ الدبوتی ۱/۸۶، المغنی ۲/۶۹۰، اور اس کے بعد کے صفحات، اعلیٰ ۵/۲۰۹، اور اس کے بعد کے صفحات، الدرر البہیہ ۱۱/۲، اور اس کے بعد کے صفحات، الجامع لاحکام القرآن ۷/۹۹، اور اس کے بعد کے صفحات، نیل الاوطار ۳/۱۲۱۔

تفصیل اصطلاح ”تقادم“ میں دیکھئے۔

کرایہ (عوض):

۲۲- اجارہ کے جواز کے قائلین کے یہاں بالاتفاق زمین سونے اور دوسرے سامانوں کے بدلہ کرایہ پر دی جاسکتی ہے، ہاں زمین کی پیداوار کے بدلہ نہیں دی جاسکتی، اس کی دلیل حضرت خنظلہ بن قیس کی روایت ہے کہ انہوں نے حضرت رافع بن خدیج سے زمین کی کرایہ داری کے بارے میں دریافت کیا تو انہوں نے کہا: ”نہی رسول اللہ ﷺ عن كراء الارض قال: فقلت: بالذهب والفضة، قال: إنما نهى عنها ببعض ما يخرج منها، أما بالذهب والفضة فلا بأس“ (حضور ﷺ نے زمین کرایہ پر دینے سے منع کیا ہے، راوی نے کہا: میں نے عرض کیا: سونے چاندی کے بدلہ؟ تو انہوں نے کہا: حضور ﷺ نے محض اس زمین کی پیداوار کے بدلہ کرایہ پر دینے سے منع کیا ہے، رہا سونے چاندی کے بدلہ تو کوئی حرج نہیں ہے) (متفق علیہ)۔ نیز اس لئے کہ زمین ایسی چیز ہے جس کو باقی رکھ کر اس سے مقصود مباح منفعت حاصل کیا جاسکتا ہے، لہذا سونے و چاندی کے بدلہ اس کو کرایہ پر دینا جائز ہے، سامان اور سونے و چاندی کا حکم یکساں ہے۔

غلہ اور زمین کی پیداوار کے بدلہ زمین کرایہ پر دینا: ۲۳- اگر زمین کو ایسے غلہ کے بدلہ کرایہ پر دے جو اس زمین کی پیداوار نہیں، خواہ اس کی پیداوار کی جنس سے ہو یا نہ ہو، اور عوض معلوم ہو تو اکثر علماء نے اس کو جائز قرار دیا ہے، مثلاً سعید بن جبیر، عکرمہ اور نخعی، اور فقہاء میں امام ابوحنیفہ، شافعی، احمد اور ابو ثور، اس کی دلیل مسلم شریف کی یہ روایت ہے کہ حضرت رافع بن خدیج سے جب زمین کی کرایہ داری کے بارے میں دریافت کیا گیا تو انہوں نے فرمایا: ہاں تعین و ضمان والی چیز کے ذریعہ کوئی حرج نہیں ہے، نیز اس

موقوفہ زمین میں تصرف:

۲۰- موقوفہ زمین میں فی الجملہ کوئی ایسا تصرف جائز نہیں جو ملکیت کو منتقل کر دے، لہذا وقف کی مصلحت یا منافع عامہ کی خاطر کچھ خاص حالات میں ایسا کرنا جائز ہے، اس کی تفصیل اصطلاح ”وقف“ میں ہے۔

زمین کو کرایہ پر دینے کا حکم:

۲۱- زمین کرایہ پر دینے کے بارے میں علماء کا اختلاف ہے، اکثر کے نزدیک جائز ہے، صحابہ میں حضرت رافع بن خدیج، ابن عمر اور ابن عباس، تابعین میں سعید بن مسیب، عروہ، قاسم، سالم، اور فقہاء میں امام ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب، مالک، لیث، شافعی اور احمد کا یہی قول ہے، اس کی دلیل یہ ہے کہ رافع بن خدیج سے زمین کی کرایہ داری کے بارے میں دریافت کیا گیا تو انہوں نے کہا: ”ہاں تعین اور ضمان والی چیز کے ذریعہ کوئی حرج نہیں“، مسلم اور ابوداؤد نے اس کی روایت کی ہے۔

ابوبکر بن عبد الرحمن، حسن بصری، اور طاؤس، جیسا کہ ابن حجر نے فتح الباری میں طاؤس سے نقل کیا ہے، کا خیال ہے کہ زمین کرایہ پر دینا مکروہ یعنی ناجائز ہے، اس کی دلیل حضرت رافع بن خدیجؓ کی روایت ہے: ”إن النبي ﷺ نهى عن كراء المزراع“ (نبی اکرم ﷺ نے کھیتیوں کو کرایہ پر دینے سے منع کیا ہے) (متفق علیہ)، اور مسلم و نسائی میں بطریق حماد بن زید عمرو بن دینار سے مروی ہے کہ حضرت طاؤس نے سونے چاندی کے بدلہ کرایہ پر دینے سے منع کیا اور چوتھائی اور تہائی کے بدلہ جائز قرار دیا ہے۔

لئے کہ وہ متعین اور ضمان والا معاوضہ ہے، لہذا اس کے بدلہ کرایہ پر دینا جائز ہے، جیسا کہ سونے و چاندی کے بدلہ۔

امام مالک نے کہا: غلہ اور زمین کی پیداوار اگر چہ غلہ کے علاوہ ہو اس کے بدلہ اجارہ جائز نہیں، خواہ زمین کی پیداوار کی جنس سے ہو یا اس کی جنس سے نہ ہو، اس لئے کہ ابن ماجہ و ابوداؤد میں یہ ارشاد نبوی ہے: ”من كانت له ارض فلا يكرهها بطعام مسمى“ (جس کے پاس زمین ہو اس کو معین غلہ کے بدلہ کرایہ پر نہ دے)۔ اور غلہ پر زمین کی دوسری پیداوار کو قیاس کیا گیا ہے۔

اگر زمین کو معین غلہ جو زمین کی پیداوار کی جنس سے ہو، کے بدلہ دیا جائے مثلاً گیہوں کے بدلہ کرایہ پر دے، اور اس زمین میں گیہوں کی کاشت کی گئی ہو، تو امام مالک نے کہا: ناجائز ہے، اس کی دلیل حدیث سابق ہے، یہ امام احمد سے بھی مروی ہے۔

امام ابو حنیفہ اور امام شافعی کا قول اور امام احمد کی ایک روایت ہے کہ جائز ہے، اس لئے کہ جس چیز کو کھانے کے علاوہ کسی دوسری چیز کے عوض کرایہ پر دیا جاسکتا ہے، اس کو کھانے کی چیز کے بدلہ بھی کرایہ پر دیا جاسکتا ہے، مثلاً گھر۔ اور اگر اس کو زمین کی پیداوار میں سے جزو مشترک مثلاً تہائی، نصف یا چوتھائی کے بدلہ کرایہ پر دے تو امام ابو حنیفہ، مالک اور احمد کی ایک روایت ہے کہ ناجائز ہے، اس لئے کہ یہ مجہول معاوضہ پر اجارہ ہے، لہذا ناجائز ہے، جیسا کہ اگر اس کو دوسری زمین کی پیداوار کے تہائی کے بدلہ کرایہ پر دیتا۔

امام احمد اور ان کے اصحاب کا ظاہر مذہب اور ثوری، لیث، ابو یوسف، محمد اور ابن ابی لیلیٰ کا قول جواز کا ہے۔ اس کی وضاحت ”مزارعت“ کی بحث میں آئے گی (۱)۔

مفتوحہ زمین

صلح کے ذریعہ مفتوحہ زمین:

۲۴- ہر زمین جس پر اس کے مالکان کے ساتھ صلح ہو گئی ہو وہ صلح کے تقاضے پر باقی رہے گی، اگر ان سے اس بات پر صلح ہوئی کہ زمین ان کی ہوگی اور وہ زمین کا ”معین لگان“ دیں گے، یا خرارج جو معین نہ ہو دیں گے تو یہ زمین ان کی ملکیت ہوگی، اس میں جس طرح چاہیں تصرف کریں گے، یہ زمین مجاہدین پر تقسیم نہیں ہوگی، اہل علم کے درمیان اس مسئلہ میں کوئی اختلاف نہیں ہے، اس خرارج کا حکم جز یہ کی طرح ہوگا، جو ان کے اسلام لانے کے ساتھ ساتھ ہو جائے گا، اگر صلح اس بات پر ہوئی کہ زمین مسلمانوں کی ہوگی اور وہ اپنا جز یہ دیں گے تو یہ زمین مسلمانوں پر وقف ہوگی، ان کے درمیان تقسیم نہیں ہوگی، اس مسئلہ میں بھی فقہاء کے درمیان کوئی اختلاف نہیں۔

زبردستی مفتوحہ زمین:

۲۵- اگر زمین زبردستی فتح کی گئی ہو تو مجاہدین پر تقسیم کے بارے میں فقہاء کا اختلاف ہے، امام مالک کا قول اور امام احمد کی ایک روایت یہ ہے کہ تقسیم نہ ہوگی بلکہ مسلمانوں پر وقف ہوگی، اس کی آمدنی مسلمانوں کے مفادات میں صرف ہوگی، مثلاً مجاہدین کی تنخواہیں، پیلوں اور مساجد کی تعمیر اور دوسرے راہ خیر، یہ اس صورت میں ہے کہ جب امام کسی وقت یہ مصلحت نہ سمجھے کہ اس کو تقسیم کر دیا جائے، اگر ایسا ہو تو اس کو مجاہدین پر تقسیم کر سکتا ہے، اس کی دلیل اتفاق و اجماع صحابہ ہے، کیونکہ جب حضرت بلال و سلمان نے سرزمین ”سواد“ کو تقسیم

= ۲۰۸-۲۱۰، بحکمہ فتح القدیر ۷/۳۸، ۳۹، ۳۲/۸، الاختیار ۲/۶۶، ۶۷، ۳۲۹، ۳۵۰، المغنی ۵/۳۹۳-۳۹۶، نیل الاوطار و شرح مفتی الاخبار ۵/۳۲۶، ۳۲۷۔

(۱) الام ۳۳۹/۳-۳۴۱، المسج و حاشیہ الجمل ۳/۵۲۹، ۵۳۱، الوتر ۲۳۰، ۲۲۷/۱، المشرع الکبیر مع حاشیہ الدسوقی ۷/۷۲، بدلیۃ الجہد ۲/

کرنے کا مطالبہ کیا تو حضرت عمر نے ایسا نہیں کیا۔ امام ابوحنیفہ اور ثوری نے کہا: امام کو اختیار ہے، چاہے تو مسلمان مجاہدین پر تقسیم کر دے یا زمین والوں پر لگان مقرر کر کے ان کے ہاتھوں میں رہنے دے، اس کی وجہ یہ ہے کہ دونوں چیزیں حضور ﷺ سے ثابت ہیں، چنانچہ آپ ﷺ نے مکہ کو زبردستی فتح کیا، وہاں امول (جائیدادیں) تھے لیکن آپ نے ان کو تقسیم نہیں کیا، اسی طرح قریطہ و خیر کو فتح کیا، لیکن ان میں کچھ بھی تقسیم نہیں فرمایا، جب کہ آدھا خیر مسلمانوں میں تقسیم کر دیا، اور آدھا اپنی ناگہانی ضرورتوں اور حاجتوں کے لئے روک لیا جیسا کہ ہبل بن ابو شہہ کی روایت میں ہے، انہوں نے کہا: ”قسم رسول اللہ ﷺ خیر نصفین: نصفاً لنوائبہ وحوادثہ، ونصفاً بین المسلمین، قسمها بینہم علی ثمانیۃ عشر سہماً“ (رسول اللہ ﷺ نے خیر کو دو حصوں میں آدھا آدھا تقسیم کر دیا، ایک حصہ اپنی ناگہانی ضرورتوں اور حاجتوں کے لئے روک لیا، اور دوسرا آدھا مسلمانوں میں تقسیم کر دیا، جس کو اٹھارہ حصوں میں تقسیم کیا)۔ اس کو ابو داؤد نے روایت کیا ہے اور خاموشی اختیار کی ہے، امام ابوحنیفہ اور ثوری کا یہ قول امام احمد کی دوسری روایت ہے۔

امام شافعی نے کہا ہے: زمین مجاہدین کے درمیان تقسیم کر دی جائے گی، جیسا کہ منقولہ اشیاء تقسیم کر دی جاتی ہیں الا یہ کہ وہ کسی معاوضہ پر اپنے حق سے دست بردار ہو جائیں، جیسا کہ حضرت عمر نے حضرت جریر بن حنبلہ کے ساتھ کیا کہ ان کو سر زمین سوا میں ان کے حصے کا عوض دے دیا (۱) یا مجاہدین بلا معاوضہ راضی ہو جائیں، اس کی دلیل فرمان باری ہے: ”وَاعْلَمُوا أَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّن شَيْءٍ فَإِنَّ لِلَّهِ

(۱) یحییٰ بن آدم نے کتاب الخراج (ص ۲۵ طبع المستفید) میں اس کی تخریج کی ہے۔

خُمْسَهُ“ (۱) (اور جان رکھو کہ جو کچھ تم کو غنیمت ملے کسی چیز سے سو اللہ کے واسطے ہے اس میں سے پانچواں حصہ)۔ اس لئے کہ آیت عام ہے، منقول اور زمین دونوں کو شامل ہے، اور اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ غنیمت میں سے (۲۰ فیصد) حصہ مجاہدین کا ہے، امام شافعی کا یہ قول امام احمد کی بھی ایک روایت ہے۔

۲۶۔ اگر زمین تقسیم نہ کی گئی ہو بلکہ مالکان کے ہاتھ میں چھوڑ دی گئی ہو، مسلمان اس کے خراج سے فائدہ اٹھاتے ہوں تو جمہور صحابہ اور فقہاء کے یہاں یہ زمین وقف ہے، کفار میں سے جس کے ہاتھ میں ہے اس کی طرف سے اس کی بیع و شراء، ہبہ یا وراثت جائز نہیں، اس لئے کہ امام اوزاعی نے نقل کیا ہے کہ جب حضرت عمر اور صحابہ کرام کا شام پر غلبہ ہوا تو دیہاتیوں کو اپنے اپنے دیہاتوں میں ان اراضی پر باقی رکھا جو ان کے قبضہ میں تھیں، کہ ان کو آباد کریں اور ان کا لگان مسلمانوں کو دیں، اور وہ سمجھتے تھے کہ ان کی زمینوں کو کوئی مسلمان بے ضایع زبردستی کسی طرح نہیں خرید سکتا۔

امام ابوحنیفہ اور صاحبین نے کہا ہے: یہ زمین ان کی ملکیت ہے، اس کو خرید و فروخت کر سکتے ہیں اور اس کو ہبہ کر سکتے ہیں، اور ان کے رشتہ داروں میں اس کی وراثت جاری ہوگی، اس لئے کہ عبدالرحمن بن زید نے نقل کیا ہے کہ حضرت ابن مسعود نے ایک کسان سے زمین اس شرط پر خریدی کہ اس کا لگان ان کے ذمہ ہوگا، اور یہی ثوری اور ابن سیرین کا قول ہے (۲)۔

(۱) سورۃ انفال، ۳۱۔
(۲) وائم ۱۹۲/۳، ۱۹۳، ۱۹۴، ۳۲۵/۷، الوبیہ ۲۸۸/۱، ۲۸۹، ۲۹۱، الخراج ص ۶۸ طبع المستفید، فتح القدیر ۳۰۳-۳۰۵، الاخیار ۳۱۹/۳، ۳۲۰، جامع الدسوقی علی المشرح الکبیر ۱۸۹/۲، بدایہ المجتہد ۱/۳۶۸-۳۷۱، المغنی ۲/۱۶۶-۱۶۷، ۵۲۶/۸، الجامع لأحكام القرآن للقرطبی ۳/۸، احکام القرآن للجصاص ۳/۵۲۸-۵۳۲، نیل الاوطار ۱/۱۸-۱۹، الاخیار ۸/۱۱-۱۳۔

اَرْض ۲۷-۲۹، اَرْض حرب

باقی رہے گی، کیونکہ یہ زمین کا وظیفہ (چارج) ہے۔
خراجی زمین کبھی بھی عشری نہیں ہو سکتی، اس لئے کہ خراج ذمی کی
طرح مسلمان پر بھی عائد ہوتا ہے (۱)۔

وہ زمین جس کے مالکان اسلام قبول کر لیں:

۲۷- یہ زمین خواہ عرب کی ہو یا عجم کی، اس کا حکم یہ ہے کہ یہ مدینہ،
طائف، یمن اور بحرین کی زمین کی طرح ہے، یعنی یہ زمین مالکان کی
ملکیت میں باقی رہے گی، اس کی دلیل یہ حدیث ہے: ”من أسلم
على شيء فهو له“ (جو شخص کوئی زمین لے کر مسلمان ہو وہ اسی کی
ہوگی) ابو داؤد نے اس کی روایت کی ہے (۱)۔

اَرْض حرب

عشری زمین:

۲۸- ہر وہ زمین جس کے ساتھ اس کے مالکان مسلمان ہوئے
ہوں، یہ عربی زمین ہو یا عجمی، مالکان کی ہوگی، اور یہی زمین عشری
کہلاتی ہے، یہی حکم ہر عربی زمین کا ہے خواہ صلح کے ذریعہ فتح ہوئی ہو یا
زبردستی، اس لئے کہ اس کے مالکان شرک پر برقرار نہیں رکھے جاتے
حتیٰ کہ اگر جزیہ دیں تو بھی نہیں، نیز اس لئے کہ حضور ﷺ نے
بہت سی عربی زمینوں کو زبردستی فتح کیا، اور ان کو عشری باقی رکھا، اسی
طرح وہ زمین جس کو مسلمانوں نے زبردستی فتح کیا ہو اور امام نے اس
کو فاتحین کے درمیان تقسیم کر دیا ہو (۲)۔

خراجی زمین:

۲۹- عجمیوں کی وہ زمین جس کو امام نے زبردستی فتح کیا اور مالکان
کے ہاتھوں میں چھوڑ دیا، یا وہ زمین جو عشری تھی اور کوئی ذمی اس کا
مالک بن گیا، خراجی زمین ہے جیسا کہ امام ابو حنیفہ اور زفر کا کہنا ہے،
امام ابو یوسف نے کہا: اس زمین کے مالک پر دو عشر واجب ہے، یہ
سرزمین تغلب پر قیاس ہے، امام محمد کے یہاں سابق حکم پر وہ زمین



(۱) الخراج لابی یوسف ص ۶۹۔

(۲) الاختیار ۱۱۳، الخراج لابی یوسف ص ۶۹۔

(۱) ساتھ مراجع۔

الف۔ وہ زمین جس کا مالک کوئی وارث چھوڑے بغیر مر گیا اور بیت المال میں آگئی، یہ زمین امام کے حوالہ ہے، وہ مسلمانوں کے مفاد میں جو مناسب سمجھے کرے، خواہ ہم یہ کہیں کہ یہ زمین بیت المال میں میراث کے طور پر آئی ہے، یا یہ کہیں کہ یہ زمین ان اموال کی طرح ہے جن کا کوئی مالک نہیں۔

ب۔ زبردستی فتح کی گئی زمین جس کی ملکیت قیامت تک کے لئے مسلمانوں کے واسطے باقی رکھی گئی، اسی طرح وہ زمین جو صلح کے طور پر فتح کی گئی اور زمین والوں کو اس کا مالک نہیں بنایا گیا، بلکہ اس کی ملکیت مسلمانوں کے لئے باقی رکھی گئی تو یہ زمین مالکیہ کے یہاں اور حنابلہ کا بھی ایک قول یہی ہے کہ محض غلبہ حاصل کرنے کے ساتھ ہی مسلمانوں پر وقف ہو جاتی ہے، اور ایک قول یہ ہے کہ جب تک امام وقف کے الفاظ کہہ کر وقف نہ کر دے وقف نہیں ہوتی، اور یہی امام احمد کی ایک روایت اور شافعیہ کا قول ہے، ہر حال جب ان کے نزدیک یہ وقف ہوگئی تو اس کی بیع وغیرہ ممنوع ہے جیسے کہ بہہ ممنوع ہے۔

پھر یہ وقف اصطلاحی شرعی وقف کی جنس سے ہے، ماوردی اور ابو یعلیٰ کے کلام کا ظاہر یہی ہے، اور ابن قیم نے کہا: یہ اصطلاحی وقف نہیں، بلکہ اس کے وقف کا معنی یہ ہے کہ غنائمیں کے درمیان اس کو تقسیم نہیں کیا جائے گا۔ حنفیہ کے علاوہ دوسرے فقہاء نے اس طرح کی اراضی میں تصرف کے احکام اوائل کتاب الحج، اور باب قسمة الغنائم میں ذکر کئے ہیں۔

متعلقہ الفاظ:

الف۔ مشهد المسکة:

۳۔ ”مشهد المسکة“: اس اصطلاح کا استعمال عہد عثمانی میں ہوا،

اُرض حوزہ

تعریف:

۱۔ اُرض حوزہ: ایسی زمین ہے جس کے مالک مر گئے اور ان کا کوئی وارث نہیں، اور وہ بیت المال میں آگئی ہو، یا صلح کے طور پر یا زبردستی اس کو فتح کیا گیا لیکن ان کے مالکان کی ملکیت میں نہیں دی گئی، بلکہ اس کو مالکیہ مسلمانوں کے واسطے قیامت تک کے لئے باقی رکھا گیا، اس کا ”اُرض حوزہ“ نام رکھنے کی وجہ شاید یہ ہے کہ امام نے اس کو بیت المال کے لئے جمع کر لیا اور تقسیم نہیں کیا (۱)۔

جوزمین زبردستی فتح کی گئی اور مسلمانوں کے درمیان تقسیم کر دی گئی ہو، وہ عسری ہوگی، اور جوزمین زبردستی فتح کی گئی اور زمین والے کو خراج کے ساتھ اس پر باقی رکھا گیا، جس کو وہ لو کرے مثلاً سواد عراق، تو یہ حنفیہ کے نزدیک زمین والے کی ملکیت ہے، اس میں ان کے تمام تصرفات مانند ہوں گے، اس تقسیم کی تفصیل اصطلاح ”اُرض“ میں ہے۔

۲۔ وہ دو قسمیں جن کو متاخرین حنفیہ نے ”اُرض حوزہ“ کہا ہے، ان کے بارے میں دوسرے فقہاء کی رائے مندرجہ ذیل ہے: (۲)

(۱) تنقیح الفتاویٰ الخامیہ ۱۹۹۲ء۔ ”اُرض حوزہ“ متاخرین حنفیہ کی اصطلاح ہے وہ اس کو ”اُرض مملکت“ اور ”اُرض امیر“ بھی کہتے ہیں، اور اس کو ”اُرض امیر“ نام رکھنے کا رواج ہے اور یہ بعض متاخرین حنفیہ کے فتویٰ کے مطابق ایسی زمین ہے جو نہ عسری ہو نہ خراجی، بلکہ یہ ایک تیسری قسم کی زمین ہے (مجمع الانہر ۱/۶۷۲)۔

(۲) احکام اہل الذمۃ ۱/۱۰۳، کشاف القناع ۳/۹۳، ۱۵۸، احکام اسلامیہ لابن یعلیٰ ۱/۱۳۲، شرح المنہاج وحاشیہ قلیوبی ۳/۱۹۱، الررکانی علی فلیل

اُرض حوز ۴-۶

پیداوار زمین کام کرنے والوں کے لئے ہوگی، اور زمین کی ملکیت بیت المال کے لئے باقی رہے گی، اور جس کے لئے زمین الاٹ کی جاتی ہے اس کو ”تیماری“ کہتے ہیں (۱)۔

ج- اِرساد:

۵- اِرساد بیت المال کے وہ گاؤں اور کھیت ہیں جنہیں سلطان مساجد و مدارس وغیرہ پر ان لوگوں کے لئے مقرر کر دے جو بیت المال سے مستحق ہوتے ہیں، جیسے قراء اور ائمہ و مؤذنین وغیرہ، یہ حقیقت میں وقف نہیں ہے، کیونکہ سلطان اس کا مالک نہیں، بلکہ یہ بیت المال کے کسی مال کو اس کے بعض مستحقین کے لئے مقرر کر دینا ہے، جس میں بعد والا امام و سلطان رد و بدل نہیں کر سکتا (۲)۔

اُرض حوض کی مشروعیت:

۶- اُرض حوز کی قسم اول (وہ زمین جس کے مالکان، کوئی وارث چھوڑے بغیر مرجائیں اور وہ بیت المال میں آجائے) فقہاء کے یہاں بالاتفاق جائز ہے، البتہ بیت المال میں آنے کے سبب کے بارے میں اختلاف ہے کہ کیا یہ بیت المال کے وارث ہونے کے اعتبار سے ہے یا اس اعتبار سے کہ بیت المال گم شدہ سامانوں کی حفاظت کی جگہ ہے؟

قسم دوم: وہ زمین جو زبردستی فتح کی گئی، اور قیامت تک کے لئے مسلمانوں کے واسطے باقی رکھی گئی اس زمین کے تعلق سے بعض متاخرین حنفیہ نے جواز کا فتویٰ دیا ہے، انہوں نے اس کی دلیل یہ دی ہے زبردستی فتح کی گئی زمین کے بارے میں امام کو اختیار ہے، چاہے

اور اس سے مراد دوسرے کی زمین میں کاشت کاری کا حق ہے، جو ”مسک“ سے لفظ ماخوذ ہے، جس کے معنی ہیں: وہ چیز جس سے چمٹا جائے، کو یا کہ زمین لینے والا جس کو مالک زمین کی طرف سے کاشت کی اجازت ملی ہے اس کے لئے چمٹنے کی ایک چیز ہوگی جس سے وہ اس زمین میں کاشت کے لئے چمٹا ہوا ہے، اس کا ”مسک“ نام رکھنے کی وجہ یہ ہے کہ جس کے لئے پرانے زمانہ سے قبضہ و تصرف ثابت ہو جائے اس زمین سے اس کا قبضہ نہیں اٹھایا جائے گا جب تک کہ وہ اس کی کاشت کرتا رہے، اور اس کے متولی (نگراں) کو اس کی اجرت مثل یا عشر یا خراج دیتا رہے، جب تک کہ وہ زندہ ہے اس کو اپنے قبضہ میں رکھنے کا حق ہے، اور یہ حق محض ہے، اس لئے کہ یہ زمین سے وابستہ ایک وصف ہے کیونکہ یہ محض جوتنا اور بھیتی کرنا ہے۔

جس کے قبضہ میں زمین ہے اگر اس کی کچھ معین اشیاء اس زمین میں ہوں جیسید رخت ہوں، یا زمین کو ٹٹی ڈال کر برآمد کیا گیا ہو تو اس کو ”کردار“ کہیں گے، اس کو ”مشد مسک“ نہیں کہتے (۱)۔ اور اگر اس نے معین اشیاء کو دکان میں رکھا ہو اور وہ ٹھوس نصب ہوں تو ان کو ”کدک“ یا ”جدک“ کہتے ہیں۔ ”مشد مسک“ اراضی وقف میں یا اراضی بیت المال یعنی اراضی امیر یہ میں ہوتا ہے۔

ب- اُرض تیمار:

۴- یہ اصطلاح بھی عثمانی سلطنت میں استعمال ہوئی، اس کا ذکر متاخرین حنفیہ کی فقہی کتابوں میں ہے، ان کے یہاں اس سے مراد وہ ”اُرض حوز“ ہے جو امام کسی شخص کو اس طور پر الاٹ کرے کہ یہ الاٹ کرنے والا (امام) پیداوار میں سے زمین کا حق لے گا، اور بقیہ

(۱) حاشیہ ابن عابدین ۱۸/۳، تنقیح الفتاویٰ الحامدیہ ۲/۲۰۳، اور اس کے بعد کے صفحات۔

(۲) ابن عابدین ۳/۲۶۶، ۲۵۹۔

(۱) تنقیح الفتاویٰ الحامدیہ لابن عابدین ۲/۱۹۸، ۱۹۹، طبع المکتبۃ الامیر یہ بولاق

اُرض حوز ۷-۹

تو تقسیم کر دے، اور چاہے تو قیامت تک کے لئے مسلمانوں کے واسطے باقی رکھے، جیسا وہ مصلحت کے مطابق سمجھے کرے۔

صاحب ”درمٹھی“ نے اس سے اختلاف کرتے ہوئے کہا: یہ محل کلام ہے، اس لئے کہ خلیفہ (اگر زمین کو غنائم میں تقسیم نہ کرے تو) اس کو مسلمانوں کے لئے باقی رکھنے کا اس کا اختیار صرف اس طرح قابل عمل ہے کہ کفار پر ان کی ذات اور ان کی اُرضی کے سلسلہ میں احسان کیا جائے، نتیجہ یہ اراضی، ان کے اصحاب کی ملکیت رہ جائیں گی، لہذا اس پر غور کیا جائے کہ یہ بہت اہم مسئلہ ہے (۱)۔

کون سی زمین اُرض حوز ہے؟

۷- سرزمین مصر و شام دراصل خراجی ہیں، لہذا ان میں سے اُرض حوز صرف اس زمین کو مانا جائے گا جو بیت المال میں منتقل ہونے کی وجہ سے سامنے آئی ہو جیسا کہ گزرا۔

البتہ کمال الدین بن ہمام کی رائے ہے کہ سرزمین مصر ارض حوز ہو چکی ہے، لیکن ابن عابدین اس سے متفق نہیں، ان دونوں حضرات کی عبارت پیش ہے:

۸- ابن ہمام نے کہا: ”مصر کی زمین اصل میں خراجی ہے، لیکن اس وقت (یعنی ابن ہمام کے دور میں جن کی وفات ۸۶۱ھ میں ہوئی ہے) معاملہ یہ ہے کہ اس سے جو کچھ لیا جاتا ہے اجارہ کا بدل ہے خراج نہیں، انہوں نے کہا: اس لئے کہ یہ اراضی کاشت کار کی ملکیت نہیں، اور ان میں یہ ہوا کہ رفتہ رفتہ مالکان مر گئے اور انہوں نے وارث نہیں چھوڑے جس کی وجہ سے وہ بیت المال کی ہو گئیں“ (۲)۔ صاحب البحر نے اس کو نقل کر کے اس کی تائید کی ہے۔

۹- ابن عابدین کو اس سے اتفاق نہیں، انہوں نے کہا ہے: جب مصر کی زمین زبردستی فتح ہوئی ہے اور زبردستی فتح کی ہوئی زمین، زمین والوں کی ملکیت ہوتی ہے، تو یہ کیسے کہا جاسکتا ہے کہ یہ بیت المال کی ہو گئی، محض اس احتمال پر کہ تمام زمین والے بغیر وارث چھوڑے مر گئے؟ کیونکہ یہ احتمال اس ملکیت کی نفی نہیں کرتا جو ثابت تھی، اور علماء نے تصریح کی ہے کہ عراق کے مضافات کا علاقہ وہاں کے لوگوں کی ملکیت تھا وہ اس کو بیچ سکتے ہیں اور اس میں ان کا تصرف جائز ہے تو اسی طرح سرزمین شام و مصر کا معاملہ ہے، انہوں نے کہا: اور یہ ہمارے مسلک پر ظاہر ہے، لہذا یہ کیسے کہا جاسکتا ہے کہ وہ کاشت کار کی ملکیت نہیں؟ کیونکہ اس کے نتیجہ میں اس کے اوقاف اور اس میں میراث کو باطل کرنا لازم آئے گا، اور یہ امر عرصہ بے دراز تک بلا کسی مخالف و معارض کے اپنا قطعی قبضہ رکھنے والوں پر ظالموں کی زیادتی کا سبب بنے گا اور ان پر عسریا خراج عائد کرنا، ان کی ملکیت کے منافی نہیں، اور یہ احتمال کہ زمین والے کوئی وارث چھوڑے بغیر مر گئے ہوں، ملکیت کو ثابت کرنے والے قبضہ کے باطل کرنے کی دلیل نہیں بن سکتا، کیونکہ یہ بلا دلیل پیدا ہونے والا احتمال محض ہے اور اصل یہ ہے کہ ملکیت باقی رہے، اور قبضہ اس کی سب سے بڑی دلیل ہے، لہذا وہ کسی ثابت شدہ دلیل کے بغیر زائل نہیں ہوگا، اور یہ بھی احتمال ہے کہ وہ غیر آباد رہی ہو، پھر آباد کر کے ملکیت میں آگئی، یا بیت المال سے خریدی گئی ہو۔

پھر انہوں نے کہا ہے: دیا ر شام و مصر وغیرہ میں حاصل یہ ہے کہ جس زمین کے بارے میں شرعی طور پر معلوم ہو جائے کہ وہ بیت المال کی ہے تو اس کا حکم وہی ہے جو فتح القدر میں مذکور ہے (یعنی وہ ”ارضی میریہ“ میں سے ہے، اور جس کے بارے میں معلوم نہ ہو وہ زمین والوں کی ملکیت ہے، اور اس سے جو کچھ لیا جائے گا وہ خراج

(۱) الدر المنثور شرح السنن ۶/۲ طبع استنبول۔

(۲) فتح القدر ۵/۲۸۳۔

اُرض حوز ۱۰

تاقم مقام بنلا۔

دوم: خراج کی مقدار کے بدلہ زمین کاشت کار کو کرایہ پر دینا، اور یہ معاوضہ امام کے حق میں خراج ہوگا، پھر اگر درہم کی شکل میں ہو تو امام کے اعتبار سے یہ ”خراج مؤلفف“ ہوگا، اور اگر پیداوار کا کچھ حصہ ہو تو ”خراج مقاسمہ“ ہے، جب کہ کاشت کار کے حق میں اجرت ہے اور کچھ نہیں، نہ عشر نہ خراج (۱)۔ اس لئے کہ جب دلیل بتاتی ہے کہ اراضی مملکت اور اراضی حوز میں دونوں وظائف یعنی عشر و خراج لازم نہیں ہیں تو اس زمین سے لیا ہوا معاوضہ اجرت ہے کچھ اور نہیں، اگر یہ اشکال ہو کہ زمین کو اس کی بعض پیداوار کے بدلہ اجارہ پر لیا جائز نہیں، کیونکہ جہالت کی وجہ سے یہ اجارہ فاسدہ ہے، تو یہاں جواز کی کیا وجہ ہے؟ اس کا جواب جیسا کہ ہم نے کہا، یہ ہے کہ معاوضہ امام کے حق میں خراج اور کاشت کار کے حق میں اجرت ہے، اس لئے کہ یہاں حقیقتاً حکماً خراج درست نہیں، ابن عابدین نے کہا ہے: ”اس لئے کہ یہاں پر کوئی ایسا نہیں جس پر خراج واجب ہو، اس لئے کہ زمین کے مالک کی موت ہوگئی اور زمین بیت المال کے لئے ہوگئی“، اور کہا ہے: ”اس کو مزاحمت ماننا ممکن ہے، حقیقی اجارہ نہیں“، اس کے بعد وہ کہتے ہیں: ”ان دو طریقوں میں سے جس طریقہ سے امام کاشت کار کے حوالے کرے، کاشت کار کی طرف سے اس کی فروخت، اس میں تصرف یا توارث جائز نہیں، دوسرے طریقہ (کاشت کار کو اجارہ پر دینا) پر تو ظاہر ہے، رہا پہلے طریقہ پر تو اس لئے کہ کاشت کاروں کو مالکان کی جگہ بدرجہ مجبوری رکھا گیا ہے، لہذا یہ بقدر ضرورت ہوگا اور مجبوری سے زائد نہیں ہوگا، اس لئے کہ یہ تصرفات صرف مملوکہ عشری یا خراجی زمین میں معروف ہیں، جب کہ اراضی مملکت اور اراضی حوز مملوکہ نہیں، اور نہ ہی عشری یا خراجی ہیں،

ہے اجرت نہیں، اس لئے کہ اصل وضع کے اعتبار سے وہ خراجی ہے، اور حق اتباع کے زیادہ لائق ہے (۱)۔

سرزمین عراق وہاں کے رہنے والوں کی ملکیت تھی، یہ حنفیہ کے نزدیک ہے، لہذا یہ خراجی ہے، اور حنفیہ کے علاوہ دوسرے علماء کے نزدیک یہ مسلمانوں پر وقف ہے، جیسا کہ سرزمین شام و مصر ہے (۲)۔ اس سلسلہ میں تفصیل ہے جس کو فقہاء کتاب البیع میں ذکر کرتے ہیں، اور سارا جزیرہ عرب ان کے نزدیک عشری ہے، لہذا ان دونوں زمینوں کو بغیر کسی ایسے نئے سبب کے جو اوپر مذکور ہوا ”اُرض حوز“ نہیں مانا جائے گا۔

اُرض حوز میں امام کا تصرف

ملکیت کو باقی رکھتے ہوئے کاشت کار کو دینا:

۱۰۔ ان دو طریقوں میں سے کسی ایک کے ذریعہ امام ”اُرضی امیر“ کو کاشت کار کے حوالے کر سکتا ہے:

اول: زراعت اور خراج دینے میں کاشت کاروں کو مالکان کے

(۱) حاشیہ ابن عابدین ۳، ۲۵۸، ۲۵۷، قدرے تصرف کے ساتھ۔ سرزمین مصر کے بارے میں شیخ محمد ابو زمرہ نے لکھا ہے کہ بغیر مان مالی ۱۵/۱۸۹۱ء میں سول کورٹ کے لئے اوفرن مان مالی ۳/۱۸۹۸ء میں صادر ہوا، جس کی رو سے جس زمین پر لوگوں کا قبضہ اتفاق کے طور پر تھا، قبضہ کرنے والوں کی مکمل ملکیت کی شکل اختیار کر گیا، اور اس کے علاوہ جو زمینیں حکومت کی ملکیت میں تھیں وہ حکومت کی خصوصی ملکیت میں آگئیں، جن میں وہ بحیثیت ”مخلص معنوی“ تصرف کرتی ہے، اور عام اخصاص کو جو تصرفات حاصل ہوتے ہیں وہ حکومت کو حاصل ہوں گے۔

دوسری سرزمین مٹاؤ اور ان کی اُرضی امیر یہ (جو رعایا کے ہاتھ میں ہیں) ان میں عمل اس لحاظ سے جاری رہا ہے کہ وہ اُرضی امیر یہ ہیں، رعایا کی ملکیت نہیں۔ اور محکمہ (لھاؤ) کے یہاں خالی ہونے کے بعد ایک ہاتھ سے دوسرے ہاتھ میں منتقل ہوتی رہتی ہیں دیکھئے اسلمکیہ و نظریہ اھد ۸۵ ص ۸ طبع دار الفکر العربی ۱۳۷۷ء قاہرہ، القانون المدنی اردنی دفعہ ۱۱۹، اور اس کے بعد کے دفعات۔

(۲) کشاف القناع ۳، ۱۵۸۔

(۱) مجمع الاہم ۱/۶۷۱، ابن عابدین ۳/۲۵۶۔

ارض حوز ۱۱-۱۲

اس کے پاس اس کے سوا نفقہ کے لئے کچھ نہ ہو (۱)۔ اور اگر بیت المال سے خریدنے کی حالت کا علم نہ ہو کہ آیا کسی حاجت کی بنیاد پر تھی یا مصلحت کی بنیاد پر، کیونکہ ان میں سے کوئی ایک شرط ہے، پس اصل حکم اس کا درست ہونا ہے (۲)۔

فروخت شدہ اراضی حوز پر عائد وظیفہ:

۱۲- اگر امام کسی ارض حوز کو بیچ دے تو خریدار پر اجرت (خراج) واجب نہیں، کیونکہ امام اس کا عوض (قیمت) بیت المال کے لئے لے چکا ہے، لہذا خراج زمین کا وظیفہ باقی نہ رہا، اور اس کے بعد یہ ممکن ہے کہ کلی یا جزوی طور پر نفع امام کے لئے ہو، اور اگر دوبارہ خراج عائد ہونے کو قبول کر لے تو بھی جائز نہیں، اس لئے کہ جو سابقہ ہو گیا وہ لوٹ کر نہیں آتا۔

ابن عابدین نے کہا: پھر بھی خراج کا سابقہ ہو محل نزاع ہو سکتا ہے، اس حیثیت سے کہ وہ زمین خراجی تھی، یا خراج کے پانی سے سیراب ہوتی تھی، اس کی دلیل یہ ہے کہ جس غازی و مجاہد کے لئے امام نے یہ زمین گھربنانے کے لئے الاٹ کر دی اس پر اس زمین میں کچھ واجب نہیں، لیکن اگر اس کو باغ بنا دے اور عسری پانی سے سیراب کرے تو اس پر عشر واجب ہے، اور اگر خراجی پانی سے سیراب کرے تو خراج واجب ہے، جیسا کہ آئے گا، حالاں کہ اس وقت بہت سے موقوفہ گاؤں اور کھیتوں کا معاملہ یہ ہے کہ اس میں سے ”میری“ (زمین دار) کے لئے نصف یا چوتھائی یا عشر (دسواں) لیا جاتا ہے۔

رباعشر تو ابن عابدین نے ابن نجیم کے حوالہ سے لکھا ہے کہ یہ بھی

(۱) فتح القدیر ۵/۲۸۳، ابن عابدین نے اس کو ”الحجر“ (۲۵۵/۳) کی طرف

منسوب کیا ہے حاشیہ ابن عابدین ۳/۲۵۸، الدر المنثور ۱/۶۷۳۔

(۲) کمیٹی کی نظر میں اس حالت میں ایسی ضمانتوں کا وجود ضروری ہے جس سے جملہ

بازی کا ساتھ ختم ہو جائے۔

سلطان کی تملیک کے بغیر ان کی ملکیت نہیں ہوتی۔“

ابن عابدین نے کہا ہے: ”یہ بات معلوم ہے کہ ”خراج مقاسمہ“ زمین کو معطل رکھنے (کاشت نہ کرنے) کی صورت میں لازم نہیں آتا، لہذا اگر کاشت کا اس کو معطل رکھے تو اس پر کچھ واجب نہیں۔“

فتاویٰ خانہ میں ہے: ایک شخص نے ارض حوز کو زراعت پر لیا تو اس میں سے کاشت کاروں کا حصہ حائل و پاک ہے، اگر ارض حوز انکور یا عام درختوں کی شکل میں ہو جن کے مالکان معلوم ہوں تو کاشت کاروں کے لئے حائل نہیں (یعنی اس وجہ سے کہ صاحب درخت کا حق ثابت ہے)، اور اگر معلوم نہ ہو تو حائل ہے، اس لئے کہ اس صورت میں اس کا انتظام بادشاہ کے ہاتھ میں ہے جیسا کہ غیر آباد زمینوں میں ہے (۱)۔

امام کی طرف سے ارض حوز کی فروخت اور اس میں خریدار کا حق تصرف:

۱۱- امام اراضی حوز کو بیچ سکتا ہے، حنفیہ کے اس مسئلہ میں دو قول ہیں: اول: علی الاطلاق جائز ہے، یہی متقدمین حنفیہ کی رائے ہے، اور اسی کو ابن عابدین نے لیا ہے، اس لئے کہ امام کو عمومی ولایت حاصل ہے، وہ مسلمانوں کے مفادات میں تصرف کر سکتا ہے۔ دوسرا قول: بضرورت و حاجت ہی جائز ہے، یہ متاخرین کا قول ہے، اور اسی پر فتویٰ ہے۔ بعض نے کہا: یا کسی مصلحت کی وجہ سے جائز ہے، مثلاً کوئی زمین کو دو گنی قیمت سے خریدنا چاہے۔ ابن ہمام کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ان لوگوں میں سے ہیں جو اراضی حوز کو مسلمانوں کی ضرورت پر ہی بیچنے کے جواز کے قائل ہیں، اس لئے کہ امام یتیم کے ولی کی طرح ہے جو جائیداد کو بضرورت ہی فروخت کر سکتا ہے، مثلاً

(۱) الدر المنثور ۱/۶۷۳۔

ارض حوز ۱۳

واجب نہیں، اس لئے کہ انہوں نے اس کے بارے میں کوئی قول نہیں پایا۔

ابن عابدین نے کہا ہے: اس کی کمزوری واضح ہے، کیونکہ علماء نے صراحت کی ہے کہ عشر کی فرضیت کتاب و سنت، اجماع اور عقل سے ثابت ہے، نیز اس لئے کہ یہ پھلوں اور کھیتیوں کی زکاۃ ہے، نیز یہ کہ عشر غیر خراجی زمین میں واجب ہوتا ہے، بلکہ جوزمین عشری یا خراجی نہیں مثلاً بیابان و پہاڑ، اس میں بھی واجب ہوتا ہے، نیز اس لئے کہ اس کے وجوب کا سبب حقیقتاً پیداوار کے ذریعہ بڑھنے والی زمین ہے، اور یہ کہ وہ بچے، پاگل اور مکاتب کی زمین میں بھی واجب ہے، اس لئے کہ یہ زمین کا وظیفہ (ٹیکس) ہے، نیز اس لئے کہ اس میں ملکیت شرط نہیں، بلکہ پیداوار کی ملکیت مشروط ہے، لہذا موقوفہ زمین میں واجب ہے، کیونکہ یہ آیت عام ہے: ”الْفُقُوَا مِنْ طَيِّبَاتِ مَا كَسَبْتُمْ وَمِمَّا أَخْرَجْنَا لَكُمْ مِنَ الْأَرْضِ“ (۱) (خرق کرو ستمہری چیزیں اپنی کمائی میں سے اور اس چیز میں سے کہ جو ہم نے پیدا کیا تمہارے واسطے زمین سے)۔ نیز: ”وَأَتُوا حَقَّهُ يَوْمَ حَصَادِهِ“ (۲) (اور آؤ کروان کا حق جس دن ان کو کاٹو)۔

نیز فرمان نبوی ہے: ”ما سقت السماء ففيه العشر وما سقي بغرب أو دالية ففيه نصف العشر“ (۳) (جوزمین بارش کے پانی سے سیراب کی جائے اس میں عشر واجب ہے، اور جو ڈول یا ریت سے سیراب کی جائے اس میں نصف عشر ہے)، نیز اس لئے کہ

(۱) سورہ بقرہ ۲۶۷۔

(۲) سورہ انعام ۱۳۱۔

(۳) حدیث ”ما سقت السماء....“ کی روایت ان الفاظ کے ساتھ امام احمد نے بروایت علی مرزوعا کی ہے اس کی سند ضعیف ہے، اس لئے کہ اس میں ایک راوی محمد بن سالم ہمدانی (ابو سمیل) حد درجہ ضعیف ہے البتہ حدیث کا متن صحیح ہے، صحیح بخاری و کتب سنن میں اسی معنی کی حدیث بروایت ابن عمر موجود ہے دیکھئے سند احمد مع تحقیق احمد محمدیہ ۲/۲۹۹۔

عشر پیداوار میں واجب ہے زمین میں نہیں، تو زمین کا مالک ہونا اور نہ ہونا دونوں برابر ہوا، جیسا کہ ”البدائع“ میں ہے، اور بلاشبہ اس خرید کردہ زمین میں وجوب کا سبب یعنی نمونہ پذیر زمین، اور اس کی شرط یعنی پیداوار کی ملکیت، اور اس کی دلیل جو ہم نے بیان کی پائی جاتی ہیں، لہذا خاص طور پر اس زمین میں عدم وجوب کا قول دلیل خاص اور نقل صریح کا محتاج ہے، اور زمین سے متعلق خراج کے ساتھ ہونے سے پیداوار سے متعلق عشر کا ساتھ ہونا لازم نہیں آتا (۱)۔

اس نوعیت کے ساتھ امام سے ”ارضی امیر“ خریدنے والے کو زمین کی ملکیت حاصل ہے، وہ اس میں دوسری حقیقی ملکیت والی ارضی کی طرح بیع فروخت، کرایہ داری، رہن اور وقف کا تصرف کر سکتا ہے۔

ابن عابدین نے کہا ہے: اگر زمین وقف کرے تو وقف کی شرائط کی رعایت کی جائے گی، خواہ وقف کرنے والا سلطان ہو یا امیر یا کوئی اور، یعنی جب یہ معلوم ہو جائے کہ وقف کرنے سے پہلے وہ اس کا مالک تھا، اگر معلوم نہ ہو کہ اس نے اس کو وقف کرنے سے پہلے خرید اٹھایا نہیں تو ظاہر ہے کہ اس کے وقف کی صحت کا حکم نہیں لگایا جائے گا (۲)۔

امام کا اپنے لئے ارض حوز کو خریدنا:

۱۳ - حنفیہ کے نزدیک امام کا اپنے لئے ارض حوز خریدنا جائز نہیں ہے، کیونکہ وہ اس کا نگران ہے، جیسا کہ ولی یتیم کے مال کا نگران ہوتا ہے، انہوں نے کہا: اگر اپنے لئے خریدنا چاہے تو کسی اور کو ارض حوز دوسرے کے ہاتھ فروخت کرنے کا حکم دے، پھر اس

(۱) الدر المنثور ۱/۶۷۱، حاشیہ ابن عابدین ۳/۲۵۵۔

(۲) حاشیہ ابن عابدین ۳/۲۵۶۔

اُرض حوز ۱۴-۱۵

خریدنے والے سے اپنے لئے خریدے (۱)۔ اس لئے کہ اس صورت میں کم سے کم تہمت ہے۔

امام کا اس اُرض حوز کو وقف کرنا جو نفع اٹھانے والوں کے قبضہ میں ہے:

۱۴- اگر کوئی سلطان اُرض حوز کے کچھ گاؤں اور کھیتوں کو زمین کی ملکیت رعایا کے قبضہ میں باقی رکھتے ہوئے اپنی تعمیر کردہ مساجد، عمارات اور مدارس کے مصالح کے لئے وقف کر دے تو یہ وقف نہیں ہوگا، اگرچہ بہت سے لوگ اس کو وقف سمجھتے ہوں، بلکہ اس کا خراج (اس کی آمدنی جو فائدہ اٹھانے والے سے حکومت کے لئے لی جاتی ہے) ان جہات و مصارف کے لئے ہوگا جن کی واقف نے تعیین کی ہے۔

اس وقف پر خراج لازم نہیں، اور نہ بعد میں کسی سلطان کے لئے اس کو باطل کرنا جائز ہے (۲)۔ اس وقف کی شرائط کی رعایت لازم نہیں۔ ابن عابدین نے اس طرح کے تصرف کو ”ارصاد“ نام رکھنا نقل کیا ہے، جس کی وضاحت ”متعلقۃ الفاظ“ کے ذیل میں آچکی ہے۔

معیّن اشخاص پر کئے گئے وقف کو توڑنا جائز ہے۔

مختلف جہات مثلاً مساجد، مدارس، طلبہ علم، اور بیت المال کے بقیہ تمام مصارف پر کئے گئے وقف کو توڑنا جائز نہیں، کیونکہ شرعی مصرف کے لئے اس کو ہمیشہ کے واسطے مقرر کر کے اس نے ظالم حکام کو غیر مصرف میں خرچ کرنے سے روک دیا ہے (۳)۔

امام کا کسی اُرض حوز کو الاٹ کرنا:

۱۵- اگر امام کسی اُرض حوز کو الاٹ کر دے تو اس کی وضاحت ہے:

(۱) الدر المنثور ۱/۶۷۳، الدر المختار مع حاشیہ ابن عابدین ۳/۵۸۲۔

(۲) الدر المنثور ۱/۶۷۳۔

(۳) ابن عابدین ۳/۵۸۲۔

تو وہ غیر آباد ہوگی یا آباد ہوگی، اگر غیر آباد ہو تو جس کے لئے الاٹ کیا ہے حقیقتاً آباد کر کے وہ اس کا مالک بن جائے گا، دوسرا اس کو اس سے نکال نہیں سکتا، وہ اس کی بیع اور وقف کر سکتا ہے، اور اس کی دوسری املاک کی طرح اس کی وراثت جاری ہوگی، ہاں اس کے ذمہ اس کا وظیفہ عشر یا خراج واجب ہے۔

اگر زمین آباد ہو تو وہ صرف اس کے منافع کا مالک ہوگا، کرایہ کی چیز کی طرح اس کو کرایہ پر دے سکتا ہے، لیکن اس کی بیع اور وقف کی اس کو اجازت نہیں ہوگی، اور اس میں وراثت جاری نہیں ہوگی، اور امام جب چاہے اس کو اس سے نکال سکتا ہے (۱) اگر اس میں مصلحت سمجھے۔

فقہاء نے اس شکل کو ایک طرح کا عطیہ ثابت کیا ہے کہ سلطان کسی کو کوئی گاؤں یا کھیت اس طرح دے دے کہ زمین رعایا کے ہاتھ میں باقی رہے جو اس کی اجرت ادا کرتے رہیں، یہ بذات خود زمین کی تملیک نہیں بلکہ اس کے خراج کی تملیک ہے، زمین بیت المال کی رہتی ہے، جس کو یہ زمین دی گئی ہے اگر مر جائے تو اس کا کوئی وارث نہیں ہوگا، بلکہ یہ عطیہ ختم ہو جائے گا (۲) یعنی اس کا ارصاد ختم ہو جائے گا۔

اس طرح کے عطیہ کے ذریعہ جس کو زمین باقی ہے اس کو ”یتاری“ اور خود زمین کو ”یتار“ کہتے ہیں (۳)۔

ابن عابدین کی رائے ہے کہ بذات خود زمین الاٹ کرنے، یا صرف منافع الاٹ کرنے میں آباد اور غیر آباد زمین میں کوئی فرق نہیں ہے، اگر تصرف مسلمانوں کے مفاد کی خاطر ہوا ہے (۴)۔

(۱) الدر المنثور ۱/۶۷۱۔

(۲) الدر المنثور ۱/۶۷۲۔

(۳) حاشیہ ابن عابدین ۳/۱۸۲۔

(۴) حاشیہ ابن عابدین ۳/۲۶۵۔

اُرض حوز ۱۶-۱۷، اُرض عذاب

اس لئے کہتے ہیں کہ صاحب قبضہ اس کو پکڑے رہنے کا حق دار ہو جاتا ہے اور مال کے بدلہ وہ اپنے حق سے دست بردار بھی ہو سکتا ہے (۱)۔

اُرض عذاب

دیکھئے: ”ارض“۔



اُرض حوز سے انتفاع کے حق کا منتقل ہونا:

۱۶- اگر اُرض حوز سے انتفاع کرنے والا کوئی مر جائے تو یہ زمین اس کے ترک میں شمار نہ ہوگی، پس نہ اس سے اس کے قرضوں کی ادائیگی ہوگی، نہ میراث کی طرح اس کی تقسیم ہوگی، بلکہ سلطان کی صواب دید کے مطابق وہ منتقل ہو جائے گی، اگر اس زمین سے انتفاع کرنے والا اس کو زمین کے فرق کے اعتبار سے تین سال یا زیادہ تک معطل رکھے تو اس کے ہاتھ سے چھین لی جائے گی، اور دوسرے کے حوالے کر دی جائے گی، تاکہ وہ بیت المال کو اس زمین کی اجرت دے (۱)۔

رہا اُرض حوز کا ایک ہاتھ سے دوسرے ہاتھ میں منتقل ہونا تو سلطان یا اس کے نائب کی اجازت کے بغیر اس کو خالی کرنا درست نہیں (۲)، اور یہ حقیقی فروخت نہیں، اس لئے کہ زمین بیت المال کی ملکیت میں رہتی ہے، اور جب اس طرح یہ زمین فروخت ہو تو اس میں حق شفعہ بھی جاری نہیں ہوگا (۳)۔

صاحب قبضہ سے اُرض حوز کو چھیننا:

۱۷- جب تک صاحب قبضہ بدل اجارہ ادا کرتا رہے سلطان کے لئے جائز نہیں کہ زمین اس کے ہاتھ سے چھین لے (۴) بشرطیکہ وہ تین سال تک اس کو معطل نہ رکھے، اور صاحب قبضہ اپنے حق پر قائم رہ سکتا ہے، اور اس حق کو ”مشد مسکہ“ کہتے ہیں، اس کو ”مسکہ“

(۱) دیکھئے: تنقیح الفتاویٰ الحامیۃ لابن عابدین ۲/۲۲۶، حاشیہ ابن عابدین ۱۸/۳۔ کتب کی رائے یہ ہے کہ مدت کی تقسیم میں زمین کی طبیعت و نوعیت اور مفاد عامہ کا بھی لحاظ رکھا جائے، کتابوں میں تفصیلات موجود ہیں جو زمانہ کے حالات کی قبیل سے ہیں اور ان کا لکھ و نسق ولی الامر کرنا ہے ساتھ دونوں حوالوں میں یہ تفصیلات موجود ہیں، ان سے رجوع کیا جاسکتا ہے۔

(۲) الدر المنثور ۱/۶۷۳، حاشیہ ابن عابدین ۲/۵۶۳۔

(۳) الفتاویٰ الخیر میں اسی طرح ہے دیکھئے حاشیہ ابن عابدین ۲/۵۶۳۔

(۴) جامعہ الطحاوی علی الدر المختار ۲/۶۳۔

(۱) کتب کی رائے یہ ہے کہ مفاد عامہ ظاہرہ کے لئے ولی امر اس حق کو چھین سکتا ہے، جیسا کہ ملکیت ختم کر سکتا ہے بلکہ یہاں اجتماعی حق زیادہ رائج ہے اس لئے کہ اس کی ملکیت عمومی ہوتی ہے۔

اُرض عرب ۱

دیارِ شمود، بُرِ معطلہ، قصرِ مشید، اِرم ذاتِ العماؤ، اصحابِ اُخدوؤ،
دیارِ کندہ، جبالِ طیٰ اور اس کا مابین شامل ہے۔

جوباتِ بَشم اور اصمعی نے کہا ہے وہی فقہاء بھی ذکر کرتے ہیں۔
امام ابو داؤد نے سعید بن عبد العزیز کا یہ قول نقل کیا ہے: ”جزیرہ
عرب وادی سے انتہاءِ یمن تک، حدودِ عراق تک اور سمندر تک
کا درمیانی حصہ ہے“ (۱)۔

خلیل نے وضاحت کی ہے کہ اُرضِ عرب کو جزیرہ عرب اس لئے
کہا گیا کہ سمندر اور نہرِ فرات اس کو گھیرے ہوئے ہیں، اور عربوں کی
طرف اس لئے منسوب ہے کہ یہی عربوں کی زمین، ان کی سکونت گاہ
اور ان کی اصل ہے (۲)۔ اور باجی نے کہا ہے: ”امام مالک نے
فرمایا: جزیرہ عرب عربوں کی جائے پیدائش ہے، اس کو جزیرہ عرب
اس لئے کہتے ہیں کہ اس کو سمندر اور دریا گھیرے ہوئے ہیں“ (۳)۔

المغنی میں ہے: امام احمد نے فرمایا: ”جزیرہ عرب مدینہ اور اس کا
قرب و جوار ہے“، یعنی کفار کا جس علاقہ میں رہائش اختیار کرنا ممنوع
ہے وہ مدینہ اور اس کا قرب و جوار یعنی مکہ، یمامہ، خیبر، یثرب، فدک اور
ان کے اضلاع ہیں (۴)، اس لئے کہ ان کو یتاء اور یمن سے جلا وطن
نہیں کیا گیا، اور حضرت ابو عبیدہ بن الجراح کی روایت میں فرمانِ
نبوی ہے: ”اُخْرِجُوا يَهُودَ أَهْلِ الْحِجَازِ وَأَهْلَ نَجْرَانَ مِنْ
جَزِيرَةِ الْعَرَبِ“ (اہلِ حجاز، اور اہلِ نجران کے یہودیوں کو جزیرہ
عرب سے نکال دو) (۵)۔

(۱) حدیث ”جزیرۃ العرب...“ کی روایت ابو داؤد (عون المعبود ۳/۱۲۹
طبع الانصار یہ دہلی) نے کی ہے۔

(۲) احکام المل الذمۃ ۱/۷۸۔

(۳) المغنی شرح الموطا ۷/۱۹۵۔

(۴) کشاف القناع (۳/۱۰۷) میں ابن تیمیہ کے حوالہ سے تصریح ہے کہ حبشہ
حجاز میں داخل ہے۔

(۵) حدیث ”اُخْرِجُوا يَهُودَ أَهْلِ الْحِجَازِ...“ کی روایت امام احمد (۱/۱۹۵)۔

اُرض عرب

تعریف:

۱- اُرضِ عرب کو جزیرہ عرب بھی کہتے ہیں، سنتِ نبویہ میں یہ
دونوں نام وارد ہیں اور فقہاء کے یہاں بھی دونوں لفظوں کا استعمال
ہے۔ اور لفظ ان دونوں کا اطلاق اس خطہ پر ہوتا ہے جس میں عرب
لوگ بستے ہیں، وہ جزیرہ نما ہے، اس کے مغرب میں بحرِ قلزم (بحرِ اُحمر)
جنوب میں بحرِ عرب، اور مشرق میں خلیجِ بصرہ (خلیجِ عربی) ہے، ابدتہ
شمال کی طرف اس کی حد کی تعیین میں اختلاف ہے، صاحبِ معجم
البلدان نے جزیرہ عرب کی تحدید میں ابنِ اعرابی کے حوالہ سے
بَشم بن عدی کا یہ قول نقل کیا ہے کہ وہ مدیب (۱) سے حضرت موت
تک ہے، ابنِ اعرابی نے کہا: یہ قول کیا خوب ہے!! اور اصمعی سے
مروی ہے کہ جزیرہ عرب طول میں عدن ائین سے ریفِ عراق کا
درمیانی حصہ (۲)، اور چوڑائی میں ”بلکہ“ (۳) سے جدہ تک ہے۔

یا قوت نے کہا: جزیرہ عرب چار اقسام پر ہے: یمن، نجد، حجاز اور
غور (تہامہ)۔ لہذا جزیرہ عرب میں: حجاز اور اس کے متعلق علاقے،
تہامہ، یمن، سبا، احقاف، یمامہ، شحر، جحر، عُمان، طائف، نجران، حجر،

(۱) عذیب: ارضِ عراق سے قادیسیہ کے پار ریل بعدِ ادیب کے حدود پر واقع ہے
(انجم البلدان)۔

(۲) اس کو ابنِ حبان اور درریر نے بلغۃ السالک ۱/۳۶۷ میں نقل کیا ہے معجم
البلدان میں جو یہ عبارت ہے ”طول میں عدن ائین کے مابین“ تو اس میں
کچھ حصرہ گیا ہے۔

(۳) ”بلکہ“ بھرہ کے اطراف میں ہے۔

أرض عرب ۲-۳

اور وحی کے نزول کی جگہ ہے، اس لئے عام اسلامی شہروں سے اس کے چار الگ احکام ہیں:

اول: یہاں غیر مسلم رہائش اختیار نہیں کرے گا۔

دوم: یہاں کوئی غیر مسلم دفن نہیں کیا جائے گا۔

سوم: یہاں غیر مسلموں کا کوئی عبادت گھر باقی نہیں رہے گا۔

چہارم: اس کی زمین سے خراج نہیں لیا جائے گا۔

ان تمام احکام میں کچھ تفصیلات ہیں جو آری ہیں۔

أرض عرب میں کافر کی رہائش کہاں منع ہے؟

۳- مسلمانوں کی مفتوحہ زمین میں کافروں کی رہائش سے ممانعت کے بارے میں کئی احادیث نبویہ وارد ہیں مثلاً:

حضرت ابو ہریرہ نے فرمایا: ”بینما نحن فی المسجد إذ خرج علينا رسول الله ﷺ فقال: انطلقوا إلی یهود، فخرجنا معه حتی جئنا بیت الممراس، فقام النبی ﷺ

فناداهم: یا معشر یهود أسلموا تسلموا، فقالوا: بلغت یا أبا القاسم، فقال: ذلک أريد، ثم قالها الثانية، فقالوا: قد بلغت یا أبا القاسم، ثم قال الثالثة، فقال: اعلموا أن الأرض لله ورسوله، وإنی أريد أن أجلیکم فمن وجد بماله شیئاً فلیبعه، وإلا فاعلموا أن الأرض لله ورسوله“

(ہم لوگ مسجد میں بیٹھے تھے، اسنے میں حضور ﷺ پر آمد ہوئے اور

فرمانے لگے: یہودیوں کے پاس چلو! ہم آپ کے ساتھ چلے اور ان

کے مدرسہ (جہاں وہ توریت وغیرہ پڑھا کرتے تھے) پہنچے حضور

ﷺ وہاں کھڑے ہو گئے اور آواز دی: اے یہودیو! مسلمان

ہو جاؤ محفوظ رہو گے، انہوں نے کہا: اے ابو القاسم آپ کو جو (خدا کا

حکم) پہنچانا تھا پہنچا دیا، آپ نے فرمایا: میرا بھی مطلب یہی تھا، پھر

ابن قیم نے کہا: بکر بن محمد نے اپنے والد سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے کہا کہ میں نے ابو عبد اللہ (امام احمد) سے جزیرہ عرب کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے فرمایا: جزیرہ صرف عربوں کی جگہ ہے، اور جس جگہ پر اہل سواد اور فارسی لوگ ہیں وہ جزیرہ عرب نہیں، عربوں کی جگہ وہ ہے جس میں وہ موجود ہوں“ نیز ابن قیم نے فرمایا: ”عبد اللہ بن احمد نے کہا: میں نے اپنے والد کو حدیث: ”لایبقی دینان بجزیرۃ العرب“ (۱) (جزیرہ عرب میں دو دین باقی نہیں رہیں گے) کی تشریح میں یہ کہتے ہوئے سنا: جو فارس اور روم کے ہاتھ میں نہیں، ان سے دریافت کیا گیا: جو عربوں کے پیچھے ہے؟ انہوں نے فرمایا: ہاں (۲)۔

ان اقتباسات سے یوں لگتا ہے کہ امام احمد کے یہاں جزیرہ عرب کی سابقہ تعریفات کے علاوہ کوئی اور تعریف ہے، اور ابن قیم کہتے ہیں: حدیث ابو عبیدہ اس سلسلہ میں صریح ہے کہ نجران جزیرہ عرب میں ہے (۳)۔

جزیرہ عرب کے مخصوص احکام:

۲- چونکہ جزیرہ عرب اسلام کا سرچشمہ اور مسکن ہے، یہیں بیت اللہ

= طبع البیضاء (۱) نے کی ہے، اور ثقی نے کہا ہے امام احمد نے اس کو کئی سند سے نقل کیا ہے جن میں دو طرق کے رجال ثقہ ہیں اور ان کی اسناد متصل ہے (مجمع الرواۃ ۵/۳۲۵ طبع القدس)۔

(۱) حدیث: ”لایبقی دینان...“ کی روایت بخاری اور مسلم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اور امام مالک نے حضرت عمر بن عبد العزیز سے ان الفاظ میں کیا ہے ”لایبقی دینان فی جزیرۃ العرب“ (جزیرہ عرب میں دو دین بگزر جاتی نہ رہیں) (فتح الباری ۶/۲۷۰، ۲۷۱ طبع استنبول صحیح مسلم بہ تحقیق محمد فواد عبدالباقی ۳/۱۲۵، ۱۲۸ طبع عیسیٰ الخلیس، الموطا ۲/۸۹۲ طبع عیسیٰ الخلیس)۔

(۲) احکام الملئ لقدمہ ۱/۷۶، ۷۷، الاحکام السلطانیہ لابی یعلیٰ رص ۱۸۰ طبع الخلیس۔

(۳) احکام الملئ لقدمہ ۱/۱۸۵۔

ارض عرب ۴

چھوڑے نہیں جائیں گے)۔ اور حضرت ابن عمر کی مرفوع روایت میں ہے: ”لا يجتمع في جزيرة العرب دينان“ (۱) (جزیرہ عرب میں دو دین جمع نہیں ہوں گے)۔

حضرت عمر بن عبد العزیز روایت فرماتے ہیں: ”قاتل الله اليهود والنصارى اتخذوا قبور انبياءهم مساجد لا يبقين دينان بأرض العرب“ (۲) (اللہ یہود و نصاری پر لعنت کرے، انہوں نے اپنے انبیاء کی قبروں کو سجدہ گاہ بنایا، جزیرہ عرب میں ہرگز دو دین باقی نہیں رہیں گے)۔

ابن ہمام نے کہا: ”ان کو (یعنی اہل ذمہ کو) عرب کے شہروں اور دیہاتوں میں رہائش اختیار کرنے نہیں دیا جائے گا، البتہ مسلمانوں کے وہ شہر جو جزیرہ عرب میں نہیں ہیں وہاں اجازت ہے“ (۳)۔ اور درمختار میں آیا ہے: ”شرح بلالی کی شرح الوہابیہ میں ہے: ان کو مکہ و مدینہ کو وطن بنانے سے روکا جائے گا، اس لئے کہ وہ عرب کی زمین ہے، حضور ﷺ نے فرمایا: ”لا يجتمع دينان في جزيرة العرب“ (جزیرہ عرب میں دو دین جمع نہیں ہوں گے)۔ پھر ابن عابدین نے کہا: ان کا قول: ”اس لئے کہ وہ عرب کی زمین ہے“ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ حکم مکہ و مدینہ کے لئے خاص نہیں، بلکہ سارے جزیرہ عرب کے لئے ہے جیسا کہ فتح القدير وغیرہ میں اس کو بیان کیا ہے (۴)۔

مالکیہ میں سے قرطبی نے سورہ براءت کی تفسیر میں کہا ہے: رہا جزیرہ عرب تو یہ مکہ، مدینہ، یمامہ، یمن، اور ان کے اضلاع ہیں، اور

(۱) حدیث: ”لا يجتمع في جزيرة العرب...“ کی روایت ابو عبید نے ”الاسوال“ (ص ۹۸ طبع قاہرہ) میں کی ہے۔

(۲) حدیث: ”قاتل الله اليهود...“ کی روایت امام مالک نے مسند کی ہے (۸۹۲/۲ طبع عیسیٰ الجلیلی)، یہ حدیث صحیحین میں حضرت مالک سے مرفوعاً منقول ہے۔

(۳) فتح القدير ۳/۳۷۹۔

(۴) ابن عابدین ۳/۲۷۵۔

آپ نے دوبار فرمایا: (دیکھو یہودیو! مسلمان ہو جاؤ، محفوظ رہو گے) انہوں نے کہا: آپ کو جو پہنچانا تھا پہنچا دیا، آپ نے تیسری بار یہی فرمایا، نیز فرمایا: زمین سب اللہ اور اس کے رسول کی ہے اور میں تم کو یہاں سے نکالنا چاہتا ہوں، اگر تم میں سے کسی کو اپنے مال کے عوض کچھ ملے تو اس کو بیچ ڈالے، ورنہ یہ سمجھ رکھو کہ ساری زمین اللہ اور اس کے رسول کی ہے) (متفق علیہ) الفاظ بخاری کے ہیں (۱)۔

جزیرہ عرب کے کس حصہ پر یہ حکم منطبق ہے اس کے بارے میں فقہاء کے مختلف اقوال ہیں:

۴- اول: حنفیہ و مالکیہ کا مذہب یہ ہے کہ سارے جزیرہ عرب میں کفار کی رہائش ممنوع ہے (۲)، اس کی دلیل اس بابت احادیث کا ظاہر ہے مثلاً:

حضرت عمر بن خطاب کی حدیث میں ہے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: ”لا يخرجن اليهود والنصارى من جزيرة العرب حتى لا أدع إلا مسلماً“ (۳) (میں یہود و نصاری کو جزیرہ عرب سے ضرور نکال دوں گا، یہاں تک کہ اس میں مسلمان کے علاوہ کسی کو رہنے نہیں دوں گا)۔

حضرت عائشہ کی حدیث ہے کہ انہوں نے فرمایا: ”آخر ما عهد رسول اللہ ﷺ: لا يترك بجزيرة العرب دينان“ (۴) (حضور ﷺ کی آخری وصیت یہ ہے: جزیرہ عرب میں دو دین

(۱) فتح الباری ۱۲/۳۱۷ طبع استنبول، مسلم ۳/۱۳۸ طبع عیسیٰ الجلیلی۔

(۲) فتح القدير ۳/۳۷۹۔

(۳) حدیث: ”لا يخرجن اليهود...“ کی روایت مسلم (۳/۱۳۸۸ طبع عیسیٰ الجلیلی) نے کی ہے ابو عبید نے الاسوال (ص ۹۸ طبع قاہرہ) میں بروایت جابر ذکر کیا ہے اس میں یہ اضافہ ہے ”چنانچہ چون کہ حضرت عمر نے نکال دیا“۔

(۴) احکام اہل ائمہ ۱/۱۷۶، اور حضرت مالک کی حدیث ”آخر ما عهد...“ کی روایت امام احمد (۲/۲۷۵ طبع البیروت) نے کی ہے بیہقی نے (مجمع الزوائد ۳/۲۷۵ طبع القدسی میں) کہا ہے اس کے رجال صحیح کے رجال ہیں۔

اُرض عرب ۵

امام مالک نے فرمایا ہے: ان جگہوں سے ہر وہ شخص نکال دیا جائے گا جو اسلام پر نہیں، البتہ یہاں ان کو بحیثیت مسافر آمد و رفت کرنے سے روکا نہیں جائے گا (۱)۔

۵- دوسری رائے: شافعیہ و حنابلہ کا مذہب یہ ہے کہ ارض عرب سے مراد لغت میں وہ سارا علاقہ نہیں جس کو جزیرہ عرب شامل ہے، بلکہ خاص طور پر اس سے حجاز مراد ہے، ان کا استدلال حضرت ابو عبیدہ بن جراح کی اس حدیث سے ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی آخری گفتگو یہ تھی: ”آخر جوا یہود اهل الحجاز و اهل نجران من جزيرة العرب“ (۲) (اہل حجاز و اہل نجران کے یہودیوں کو جزیرہ عرب سے نکال دو)۔

مؤطا میں ہے: ”حضرت عمر بن خطاب نے نجران اور فدک کے یہودیوں کو جلا وطن کیا، رہے یہود خیبر تو وہ وہاں سے نکل گئے، اور زمین یا پھل میں سے ان کو کچھ نہیں ملا، البتہ فدک کے یہودیوں کے لئے آدھا پھل اور آدھی زمین تھی، اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ نے ان سے آدھی زمین اور آدھے پھل پر صلح کی تھی، لہذا حضرت عمر نے ان کے لئے آدھے پھل اور آدھی زمین کی قیمت سونے، چاندی، اونٹ، رسیاں، اور کچا دے کی صورت میں لگائی، پھر ان کو قیمت دے کر وہاں سے جلا وطن کر دیا“ (۳)۔

انہوں نے سابقہ احادیث کے عموم کی تخصیص اس حدیث اور صحابہ کی موجودگی میں بلا انکا حضرت عمر کے فعل سے کی ہے۔ ابن قدامہ نے کہا ہے: رہا اہل نجران کو وہاں سے جلا وطن کرنا تو اس لئے ہوا کہ حضور ﷺ نے ان سے سود چھوڑ دینے پر مصالحت

کی تھی، اور انہوں نے اس کی خلاف ورزی کی، لہذا ایسا لگتا ہے کہ ان احادیث میں جزیرہ عرب سے مراد حجاز ہے، اور ان کو اطراف حجاز مثلاً ”یتام“ اور ”فید“ سے نہیں روکا جائے گا، اس لئے کہ حضرت عمر نے ان کو وہاں رہنے سے نہیں روکا (۱)۔

امام شافعی نے فرمایا ہے: ”جس سے جزیہ لیا جاتا ہے، اگر وہ درخواست کرے کہ وہ جزیہ دے گا، اور اس پر حکم اسلام نافذ ہوگا اس شرط کے ساتھ کہ وہ حجاز میں رہائش اختیار کر لے، تو اس کو اس کی اجازت نہیں ہے، اور حجاز: مکہ، مدینہ، یمامہ اور ان کے سارے اضلاع ہیں، اس لئے کہ ان کو حجاز میں رہنے دینے کا حکم منسوخ ہے، حضور ﷺ نے اہل خیبر سے معاملہ کرتے وقت استثنا فرمایا اور کہا: ”نقروکم ما اقرکم اللہ“ (۲) جب تک اللہ تعالیٰ تم کو یہاں رکھے گا، تم بھی تم کو برقرار رکھیں گے۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے ان کو حجاز سے نکالنے کا حکم دیا، کسی ذمی سے کسی بھی حالت میں اس بات پر صلح کرنا جائز نہیں کہ وہ حجاز میں سکونت اختیار کرے، اور انہوں نے فرمایا ہے: میرے ظلم میں نہیں کہ کسی نے کسی ذمی کو یمن سے جلا وطن کیا ہے، وہاں ذمی تھے اور حجاز میں نہ تھے، لہذا یمن سے کوئی ان کو جلا وطن نہ کرے گا، اور یمن میں اقامت کرنے پر ان سے صلح کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے“ (۳)۔

غزالی نے ”الوجیز“ میں کہا ہے: ”حجاز کے علاوہ تمام شہروں میں ان کو برقرار رکھا جائے گا، اور حجاز: مکہ، مدینہ، یمامہ، نجد اور ان کے اضلاع ہیں، اور ”وج“، طائف اور خیبر مدینہ کے اضلاع ہیں، اور کیا اس میں یمن داخل ہے؟ اس میں اختلاف ہے، کیونکہ ایک قول یہ

(۱) المغنی ۶/۱۳ طبع بول۔

(۲) حدیث ”نقروکم ما اقرکم اللہ“ کی روایت بخاری (فتح المبارک ۵/۳۲۷ طبع استغیہ) نے کی ہے۔

(۳) الا ملہا فی ۳/۷۸۔

(۱) الاطاب ۳/۳۸۱، الدسوقی ۲/۲۰۱۔

(۲) احکام اہل الذمۃ ۶/۱۷۱، حدیث کی تخریج (نقرہ نمبر ۱) کے تحت گذر چکی ہے۔

(۳) الموطا اور اس کی شرح الرئیس ۷/۱۹۵۔

ارض عرب ۶-۹

ممانعت کا تمام کفار کے لئے عام ہونا:

۷- جزیرہ عرب میں کفار کے سکونت اختیار کرنے کی ممانعت تمام کفار کو شامل ہے خواہ ان کا دین اور وصف جیسا بھی ہو، یہی اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے: ”لا یبقی دینان بأرض العرب“ (۱)
(سرزمین عرب میں دو دین باقی نہیں رہیں گے)۔

اقامت اور وطن بنانے کے علاوہ کسی غرض کے لئے سرزمین عرب میں کفار کا داخل ہونا:

۸- جمہور اور حنفیہ میں محمد بن حسن کی رائے ہے کہ حرم کی میں کافر کا داخلہ کسی بھی حالت میں جائز نہیں ہے، اور حنفیہ کا مذہب یہ ہے کہ صلح یا اجازت کے ساتھ اس کا داخلہ جائز ہے، تفصیل کے لئے دیکھئے اصطلاح (حرم)، البتہ حرم مدینہ میں کافر کا داخلہ پیغام رسانی کے لئے، یا تجارت کے لئے یا بار برداری کے لئے ممنوع نہیں، اس کی تفصیل اصطلاح (مدینہ منورہ) میں دیکھئے (۲)۔

۹- ان کے علاوہ سرزمین عرب میں کافر بلا اجازت یا صلح داخل نہیں ہوگا، فقہاء کے یہاں اس سلسلہ میں تفصیل ہے:

چنانچہ حنفیہ نے کہا ہے: وہ (یعنی ذمی) سرزمین عرب میں تجارت کے لئے آئے تو جائز ہے، لیکن لمبا قیام نہیں کرے گا، لہذا دیر تک ٹھہرنے سے روکا جائے گا، کہ اس میں سکونت اختیار کرے، اس لئے کہ سرزمین عرب میں جزیہ کی پابندی کے ساتھ ان کی اقامت کی حالت ایسی ہی ہے جیسا کہ سرزمین عرب کے علاوہ میں وہ بلا جزیہ رہتے ہیں، اور وہاں ان کو تجارت سے نہیں روکا جاتا، ہاں لمبے قیام سے روکا جاتا ہے، لہذا سرزمین عرب میں بھی یہی حکم ہے، حنفیہ نے

ہے کہ جزیرہ عرب کی انتہاء اطراف شام و عراق ہیں“ (۱)۔

رہلی نے جزیرہ عرب سے یہود و نصاریٰ کو نکالنے کی احادیث ذکر کرنے کے بعد کہا ہے: ”سارا جزیرہ عرب مراد نہیں، بلکہ تجاز مراد ہے، اس لئے کہ حضرت عمر نے ان کو تجاز سے جاؤ وطن کیا، اور ان کو یمن میں باقی رکھا، حالانکہ یمن جزیرہ عرب میں سے ہے، اور وہ یعنی تجاز: مکہ، مدینہ، یمامہ، اور ان کی بستیاں مثلاً طائف، جدہ، خیبر اور یشع ہیں“ (۲)۔

جزیرہ عرب کا سمندر اور اس کے جزیرے:

۶- امام شافعی نے فرمایا ہے: ”اہل ذمہ کو تجاز کے سمندر میں سفر کرنے سے جو گزرنے کے طور پر ہو نہیں روکا جائے گا، ہاں اس کے سوا اہل اقامت اختیار کرنے سے روکا جائے گا، اسی طرح اگر تجاز کے سمندر میں قائل رہائش جزیرے اور پہاڑ ہوں تو وہاں سکونت اختیار کرنے سے روکا جائے گا، اس لئے کہ وہ سرزمین تجاز میں سے ہے“ (۳)۔

اور رہلی نے تصریح کی ہے کہ جزیروں پر خواہ وہ آباد ہوں یا غیر آباد، سکونت اختیار کرنے سے ان کو روکا جائے گا اور کہا ہے: قاضی نے فرمایا ہے: کسی کشتی میں تین دن سے زیادہ اقامت کرنے کی اجازت نہیں دی جائے گی، یعنی اگر وہ ایک جگہ ٹھہری ہوئی ہو (۴)۔

ہمارے علم میں شافعیہ کے علاوہ کسی نے اس مسئلہ کو نہیں چھیڑا

ہے (۵)۔

(۱) الوجیز ۱/۲۹۹، ”ور“ و”ج“ طائف ہے (مجمہد ان)۔

(۲) نہایت المختار ۸/۸۵، رہلی اور بعض شافعیہ نے کہا ہے کہ امام شافعی کی عبارت میں ”جو“ یمامہ“ آیا ہے اس سے مراد طائف کی ایک آبادی ہے۔

(۳) لام ۸/۷۸۔

(۴) نہایت المختار ۸/۸۵۔

(۵) مکلی پانی اور اس کے ماتحت جزیرے عرف میں فنگلی کا حکم لیتے ہیں، ایسا لگتا ہے کہ جن حضرات نے وضاحت کی وجہ سے اس کی طرف اشارہ نہیں کیا (کمپنی)۔

(۱) المواق بہامش الخطاب ۳/۳۸۱۔

(۲) احکام المل الذمہ ۱/۱۸۵۔

اُرض عرب ۱۰-۱۳

اس مدت کی تعیین ایک سال سے کی ہے، صاحب الاختیار نے کہا ہے: اس لئے کہ اس مدت میں جزیہ واجب ہوتا ہے، لہذا اقامت جزیہ کی مصلحت میں ہے (۱)۔

۱۰- مالکیہ نے کہا: اہل ذمہ اپنی تجارت وغیرہ کے سفر میں جزیہ عرب سے گزر سکتے ہیں، اور جس مصلحت مثلاً نلہ وغیرہ فرخت کرنا، سے آئے ہیں اس کی خاطر چند دن مثلاً تین دن بٹھہر سکتے ہیں، صاوی نے کہا ہے: تین دن کی قید نہیں ہے، بلکہ مدار مصلحت کے مطابق قیام پر ہے، اور بلا مصلحت ان کا قیام ممنوع ہے، اور خرفی کے قول: ”حضرت عمر نے ان کے لئے تین دن مقرر کئے تھے“ پر عدوی کا یہ تبصرہ ہے کہ ”بظاہر تین دن کا ذکر اس وجہ سے تھا کہ اس وقت تین دن ضرورت پوری کرنے کے لئے کافی تصور کیا جاتا تھا، ورنہ اگر اس سے زیادہ کی ضرورت ہو تو اس کی گنجائش ہے، صاوی کا کہنا ہے: اس کا ظاہر یہ ہے کہ ان کو آگے جانے کے لئے گزرنے کا حق ہے اگرچہ اس میں کوئی مصلحت نہ ہو، اور باجی کی ”المشقی“ میں ہے: ”یہود و نصاریٰ اور مجوسی اگر مدینہ آئیں تو امام مالک نے فرمایا: ان کے لئے تین راتوں تک کی مدت مقرر کی جائے گی جس کے دوران وہ سیراب ہو لیں، اور اپنی ضرورتوں کو دیکھ لیں، اور حضرت عمر نے ان کے لئے اتنی ہی مدت مقرر کی تھی (۲)۔“

۱۱- البتہ شافعیہ کے یہاں اس مسئلہ میں کچھ زیادہ تفصیل ہے، انہوں نے کہا ہے: اگر کافر تاجرانہ آنے کی اجازت مانگے تو اس کو اجازت دی جائے گی بشرطیکہ اس کے آنے میں کوئی مصلحت ہو، مثلاً پیغام پہنچانا، اور نلہ وغیرہ کا لانا جس کی اکثر ضرورت پڑتی ہے، اور مثلاً جزیہ کا معاملہ طے کرنے، یا کسی مصلحت سے صلح کرنے کے ارادے سے آئے، اور اس ضرورت میں اس کے داخلہ پر کوئی ٹیکس نہیں ہوگا، اور اگر

(۱) حاشیہ ابن ماجہ ص ۲۷۵ بحوالہ السیر الکبیر، الاختیار ص ۱۳۶ طبع دار المعرفہ۔

(۲) اشرح المفہوم وبلغتہ السالک ص ۳۶۷۔

بلا مصلحت آنا چاہے تو اس کو اجازت نہیں دی جائے گی، اور اگر وہ ایسی تجارت کی غرض سے داخل ہونا چاہے جس کی کوئی بڑی ضرورت نہ ہو تو اس کے لئے اجازت دینا جائز نہیں، مگر یہ کہ کافر ذمی ہو، اور اس شرط کے ساتھ کہ اس سے سامان یا اس کی قیمت میں سے کچھ لیا جائے گا۔

تاجرانہ جہاں آئے، تین دن یا اس سے کم ہی بٹھہر سکتا ہے، البتہ آنے اور جانے والا دن اس میں شمار نہیں ہوگا، کیونکہ حضرت عمر نے ایسا ہی کیا تھا، اور اگر ایک جگہ تین دن بٹھہرے، پھر دوسری جگہ تین دن اور اسی طرح تیسری جگہ تو ممانعت نہیں، اگر ان ہر دو جگہوں کے درمیان مسافت قصر ہو (۱)۔

امام شافعی کہتے ہیں: میرے نزدیک زیادہ پسندیدہ یہ ہے کہ مشرک کسی بھی حال میں تاجرانہ نہ آئے، اگر حضرت عمر کی رائے یہ نہ ہوتی کہ مدینہ آنے والے تاجر ذمیوں کے لئے تین دن کی اجازت ہے اس کے بعد وہ وہاں نہیں رہے گا تو میں یہی کہتا کہ ان سے مدینہ میں آنے پر کسی بھی حال میں صلح نہ کی جائے (۲)۔

۱۲- حنابلہ کے یہاں تین دین سے زیادہ قیام کی اجازت ان کو نہیں دی جائے گی، اور قاضی نے کہا ہے: چار دن پر مسافر نماز پوری پڑھتا ہے (یعنی قصر نہیں کرتا)، اور حنابلہ نے شافعیہ کی طرح کہا ہے: اگر وہ دوسری جگہ جا کر مزید تین دین رہیں تو جائز ہے (۳)۔

مدت اجازت سے زیادہ رہنا:

۱۳- فقہاء نے تصریح کی ہے کہ جس کافر کو سرزمین عرب میں کہیں داخلہ کی اجازت (حسب اختلاف سابق) دی جائے، اور وہ مدت اجازت سے زائد قیام کر لے تو اس پر تعزیر ہے بشرطیکہ اس کے پاس

(۱) نہلیۃ المحتاج ص ۸۵، ۸۶۔

(۲) الام ص ۶۳۔

(۳) المغنی مع الشرح الکبیر ص ۶۱۵۔

ارض عرب ۱۳-۱۶

کوئی عذر نہ ہو، حرم کے علاوہ جہاز میں مدت قیام کو بڑھانے کے لئے جو اعذار ذکر کیے ہیں تین ہیں:

الف- دین:

۱۳- حنابلہ نے کہا: وہ تجارت کے لئے آئے اور اس کا قرض ہو جائے تو اس صورت میں اگر قرض کی کوئی مدت طے نہ ہو اور وکیل بنانا ممکن ہو تو اس کو قیام سے منع کیا جائے گا، ورنہ اس کے قرضدار کو قرض چکانے پر مجبور کیا جائے گا تا کہ وہ نکل جائے، اور اگر ایسا دشوار ہو تو قرض وصول کرنے کے لئے اس کا قیام جائز ہے، اس لئے کہ عذر دوسرے کی طرف سے ہے، اور قرض وصول کرنے سے قبل اس کو نکالنے میں اس کی مالی بربادی ہے، خواہ یہ دشواری مال مول کرنے یا غیر حاضری کی وجہ سے ہو یا کسی اور وجہ سے۔

اگر دین کی مدت مقرر اور طے ہو تو مدت پوری ہونے تک اس کو قیام نہیں کرنے دیا جائے گا، تا کہ وہ اس کو سکونت کا بہانہ نہ بنالے، اور وہ کسی ایسے شخص کو اس کا وکیل بنادے گا جو مدت پوری ہونے پر اس کا قرض وصول کر لے (۱)۔

ہمارے علم کے مطابق دوسرے مذاہب میں سے کسی نے اس مسئلہ کو نہیں چھیڑا ہے۔

ب- سامان فروخت کرنا:

۱۵- حنابلہ نے کہا ہے: اگر اپنا سامان فروخت کرنے کے لئے اسے مزید کچھ دنوں کی ضرورت ہو تو ابن قدامہ نے کہا ہے: احتمال یہ ہے کہ اس کا قیام جائز ہو، کیونکہ اس کو سامان چھوڑنے، یا اپنے ساتھ سامان کو واپس لے جانے پر مجبور کرنے میں اس کی مالی بربادی ہے،

اور اس کے نتیجے میں جہاز میں سامان آمارک جائیں گے جس سے اہل جہاز کے مفاد کا ضیاع ہوگا، اور پھر مال کی آمد کے بند ہو جانے کی وجہ سے ان کا نقصان ہوگا، اور یہ بھی احتمال ہے کہ قیام ممنوع ہو، اس لئے کہ قیام کے بغیر بھی اس کے لئے راستہ ہے (۱)۔

ج- مرض:

۱۶- شافعیہ نے کہا ہے: اگر اس کو منتقل کرنے میں بڑی مشقت نہ ہو اور نہ اس کے مرض کے بڑھنے کا اندیشہ ہو تو اس قیام کے اترام میں اس کو قطعی طور پر منتقل کر دیا جائے گا، اور اگر منتقل کرنے میں مشقت زیادہ ہو تو معتد یہ ہے کہ دوسروں میں سے بڑے ضرر کے ازالہ کے لئے اس کو چھوڑ دیا جائے گا۔

اور امام شافعی نے تصریح کی ہے کہ: ”نکالنے میں مہلت دی جائے یہاں تک کہ وہ اٹھا کر لے جانے کے قابل ہو جائے“۔ اور شافعیہ کا ایک قول یہ ہے کہ نلی الاطلاق منتقل کر دیا جائے گا (۲)۔

حنابلہ کے یہاں مرض ایسا عذر ہے جو شفیاب ہونے تک قیام کو جائز قرار دیتا ہے، اس لئے کہ مریض کے لئے منتقل ہونا شاق ہے، اور اس کے تیماردار کے لئے بھی قیام جائز ہے، اس لئے کہ اس کا رہنا ضروری ہے، اور صاحب ”الانصاف“ کا ذکر کردہ ایک قول یہ ہے کہ اگر اس کا منتقل کرنا شاق ہو تو باقی رکھنا جائز ہے، ورنہ نہیں (۳)۔

مذکورہ نصوص سے یہ اخذ کیا جاتا ہے کہ اس کو باقی رکھنے اور نہ رکھنے میں حکم کا مدار مشقت پر ہے، شریعت کے عمومی قواعد شافعیہ و حنابلہ کے اقتباسات کے خلاف نہیں ہیں۔

(۱) المغنی ۱۰/۶۱۵۔

(۲) نہلیۃ المحتاج ۸/۸۶، ورام ۸/۷۸۔

(۳) کشاف القناع ۳/۱۳۷، الانصاف ۳/۲۳۱۔

(۱) کشاف القناع ۳/۱۰۸، الانصاف ۳/۲۳۰۔

ارض عرب ۱۷-۲۰

خریدنا ممنوع ہے، اس لئے کہ جس چیز کا استعمال ممنوع ہے اس کا رکھنا بھی ممنوع ہے، مثلاً سونے چاندی کے برتن اور لہو و لعب کے آلات، اور امام شافعی کا یہ قول اسی کی طرف اشارہ کرتا ہے: ”اور ذمی حجاز میں کہیں اپنا گھر نہیں بنائے گا (۱)۔“

حجاز کے علاوہ سرزمین عرب میں کنار کی اقامت: ۱۹- باتفاق فقہاء کسی مشرک، بت پرست اور دہریہ وغیرہ کو معاہدہ کے ساتھ یا اس کے بغیر کسی طرح سرزمین عرب میں برقرار رہنے نہیں دیا جائے گا، البتہ شافعیہ و حنابلہ کے مذہب میں خاص طور پر جائز ہے کہ ذمی یہودی یا نصرانی یا مجوسی حجاز کے باہر سرزمین عرب میں سکونت اختیار کرے (۲)۔ اس کی تفصیل اصطلاح: ”اہل ذمہ“ میں ہے۔

سرزمین عرب میں کنار کی تدفین:

۲۰- اگر ذمی حجاز میں آئے اور یہیں مر جائے تو وہاں سے اس کو منتقل کر دیا جائے گا، وہاں اس کی تدفین نہیں ہوگی، یہ شافعیہ کے یہاں ہے، اور اگر اس کو وہاں سے لاش میں تبدیلی وغیرہ کے ذریعے منتقل کرنا دشوار ہو تو اس کو مجبوراً وہاں (یعنی حرم کے علاوہ میں) دفن کر دیا جائے گا، البتہ حرم میں سختی ہے (دیکھئے اصطلاح: حرم)، حربی اور مرتد کا مسئلہ اس کے برخلاف ہے، کیونکہ حجاز میں ان کو کسی بھی حال میں دفن کرنا جائز نہیں، اگر ان کو بدبو سے تکلیف پہنچے تو ان کے مردہ جسم کو چھپا دیا جائے (۳)۔

حنابلہ کے یہاں معتقد یہ ہے کہ ذمی کو حجاز میں دفن کرنا جائز ہے اگر وہ اجازت لے کر آئے اور مر جائے، حنابلہ کے یہاں ایک قول یہ

سرزمین عرب میں کنار کے داخل ہونے کی شرط:

۱۷- سرزمین عرب کی تشریح میں سابقہ اقوال کو مد نظر رکھتے ہوئے حکم یہ ہے کہ اس میں کافر سکونت کے لئے داخل نہیں ہو سکتا، امام کے لئے یہ جائز نہیں کہ کسی کافر کے ساتھ وہاں سکونت کی شرط کے ساتھ معاہدہ کرے، لہذا اگر معاہدہ میں اس نے ایسی شرط لگائی تو شرط باطل ہے، اس کا پورا کرنا جائز ہے، اور معاملہ صحیح ہے۔

البتہ اس شرط پر امام معاہدہ کر سکتا ہے کہ ذمی تجارت وغیرہ کے لئے تین دنوں کے اندر اندر وہاں آکر رہ سکتا ہے، اور اگر اس شرط کے ساتھ معاہدہ نہ ہوا ہو تو اس کا داخلہ جائز نہیں، امام شافعی نے اس کی تصریح کی ہے، اسی طرح دوسرے کسی حربی کافر کے لئے امام یا اس کے نائب کی اجازت کے بغیر داخلہ جائز نہیں، نیز حربی بقیہ اسلامی شہروں میں امام یا اس کے نائب کی اجازت کے بغیر داخل نہیں ہوں گے۔

اگر ان میں سے کوئی بلا اجازت داخل ہو جائے تو اس کو سزا دی جائے گی، اور اس کو نکال دیا جائے گا، شافعیہ نے کہا ہے: اس کے لئے سزا اس صورت میں ہے جب کہ وہ ممانعت کو جانتا ہو، اور اگر نا واقف ہو تو بغیر سزا کے نکال دیا جائے گا، اور نا واقفیت کے اس کے دعوے کو صحیح مانا جائے گا۔

یہ ذکر آچکا ہے کہ حنفیہ و مالکیہ کے یہاں حجاز میں اہل ذمہ کے داخلہ کے لئے اجازت شرط نہیں ہے (۱)۔

سرزمین عرب کے کسی حصہ کا اہل ذمہ کی ملکیت میں آنا:

۱۸- شافعیہ میں سے ربی نے اس مسئلہ کو چھیڑتے ہوئے کہا ہے: درست یہ ہے کہ حجاز میں جہاں کافر مقیم نہیں، اس کے لئے وہاں زمین

(۱) نہایت المحتاج ۸/۸۵

(۲) نہایت المحتاج ۸/۸۲

(۳) نہایت المحتاج ۸/۸۷

(۱) الام للشافعی ۳/۱۷۸، نہایت المحتاج ۸/۸۶، احکام اہل الذمہ ۱/۱۸۷، کشاف القناع ۳/۱۰۷، ۱۳۵ طبع انصار السنۃ الحمدیہ، حاشیہ ابن عابدین ۳/۲۷۵، الشرح المفید ۱/۶۷

ارض عرب ۲۱-۲۲

بھی ہے کہ وہاں دفن نہیں کیا جائے گا، ایک اور قول میں یہ ہے کہ اگر منتقل کرنا دشوار ہو تو تدفین جائز ہے، انہوں نے حربی اور مرتد کی تدفین کی تصریح نہیں کی ہے (۱)۔

مالکیہ نے کہا ہے: اگر مشرک چوری چھپے حرم میں داخل ہو اور مرجائے تو اس کی قبر اکھاڑ کر اس کی ہڈیاں نکالی جائیں گی کہ ان کے لئے نہ وہاں وطن بنانے کی اجازت ہے اور نہ وہاں سے گزرنے کی۔ رہا جزیرہ عرب تو یہ مکہ، مدینہ، یمامہ، یمن اور ان کے اضلاع ہیں، امام مالک نے فرمایا: ان مقامات سے ہر غیر مسلم کو نکال دیا جائے گا، اور بحیثیت مسافر وہاں آمد و رفت کرنے سے روکا نہیں جائے گا، اور نہ ان کو وہاں دفن کیا جائے گا، اور ان کو ”حل“ (غیر حرم کے علاقہ) میں جانے پر مجبور کیا جائے گا (۲)۔ ہمیں اس مسئلہ میں حنفیہ کا کلام نہیں ملا۔

سرزمین عرب میں کنار کے عبادت خانے:

۲۱- حنفیہ نے تصریح کی ہے سرزمین عرب (تجاز وغیرہ) میں کوئی نیا کنیسہ، کلیسا، صومعہ، آتش خانہ، اور بت خانہ بنانا جائز نہیں ہے تاکہ عرب کی سرزمین کو دوسری زمین پر فوقیت رہے، اور باطل دین سے اس کو پاک کیا جائے، جیسا کہ صاحب ”البدائع“ کی تعبیر ہے، اس حکم میں شہر، دیہات اور آبی علاقے سب شامل ہیں۔ اسی طرح ان میں سے کوئی نیا یا پرانا عبادت خانہ (جو اسلامی فتح کے وقت موجود رہا ہو) وہ بھی باقی نہیں رکھا جائے گا (۳)۔ مالکیہ کے کلام سے بھی یہی سمجھ میں آتا ہے (۴)۔

(۱) الاضاف ۲/۲۳۱۔

(۲) القرطبی ۸/۹۳، المرقا فی ۳/۱۳۲۔

(۳) البحر الرائق ۵/۱۲۱، ۱۲۲، رد المحتار ۳/۲۷۱، البدائع ۷/۲۱۳۔

(۴) الدسوقی ۲/۲۰۱۔

شافعیہ و حنابلہ کے یہاں یہ حکم خاص طور پر تجاز کا ہے۔ بقیہ سرزمین عرب کا حکم عام اسلامی شہروں کی طرح ہے، جن کی پانچ انواع ہیں:

۱- وہاں کے باشندے اسلامی فتح سے قبل مسلمان ہو گئے، وہاں اہل ذمہ کے کسی عبادت خانہ کو نہ باقی رکھنا، اور نہ نیا بنانا جائز ہے۔
۲- جس شہر کو مسلمانوں نے زیر دست فتح کیا، یہاں کوئی نیا عبادت خانہ نہیں بنایا جائے گا، اور جو پہلے سے موجود تھا اس کو منہدم کرنا واجب ہونے کے بارے میں حنابلہ کے یہاں دو روایتیں ہیں۔
۳- مسلمانوں کے آباد کردہ شہر مثلاً بصرہ: ان میں اس طرح کی کوئی نئی چیز نہیں بنائی جاسکتی ہے اگرچہ اس پر مصالحت ہوئی ہو۔
۴- جس شہر کو صلح کے ساتھ فتح کیا گیا ہو اور یہ شرط ہو کہ زمین ہماری ہوگی، اس شہر میں وہ کوئی نیا عبادت گھر نہیں بنائیں گے، سوائے اس کے کہ عقد صلح میں اس طرح کی کوئی شرط لگا دی گئی ہو، اور حنابلہ کے یہاں جہاں کوئی شرط نہ لگائی گئی ہو وہاں حضرت عمرؓ کی شرائط کی رعایت ہوگی۔

۵- جو شہر صلح کے ساتھ فتح ہوا ہو اور یہ شرط ہو کہ زمین ان کی ہوگی، اور ہمارے لئے اس پر خراج (محصول) ہوگا، تو اس طرح کے شہروں میں وہ حسب منشاء نئی تعمیر کر سکتے ہیں، کیونکہ زمین ان کی ملکیت ہے (۱)۔

سرزمین عرب سے خراج کی وصولی:

۲۲- حنفیہ کی رائے ہے کہ عرب کی ساری زمین عشری (یعنی زکاۃ والی) ہے، ان میں سے کسی زمین سے خراج وصول نہیں کیا جائے گا، اس لئے کہ حضور ﷺ نے اراضی عرب سے خراج نہیں لیا، حنفیہ

(۱) نہالیۃ المحتاج ۸/۹۳، المصنوع مع حاشیہ ۵۲۹/۱، المغنی ۱۰/۶۰۹۔

اُرض عرب ۲۲

نے کہا ہے: اور اس لئے کہ یہ یعنی خراج بمنزلہ جز یہ ہے، لہذا اُرضی عرب میں ثابت نہیں ہوگا، جیسا کہ خود عربوں پر جز یہ نہیں ہے، اس لئے کہ خراج کی شرط یہ ہے کہ زمین والے کو کفر پر برقرار رکھا جائے، جیسا کہ سوا عراق کا مسئلہ ہے، اور مشرکین عرب کے سامنے صرف دو راستے ہیں: اسلام قبول کریں یا تلوار ہے (۱)، خواہ زمین والے کے پاس یہ زمین ایسی ہو جو عہد رسالت میں آباد تھی، یا اس وقت غیر آباد رہی ہو، جس کو بعد میں آباد کر لیا گیا۔

امام ابو یوسف اس کی وضاحت یوں کرتے ہیں کہ عربوں کی زمین عجم کی زمین سے الگ ہے، بایں معنی کہ عربوں سے جنگ صرف اسلام کے لئے ہوگی، ان سے جز یہ نہیں لیا جائے گا، اگر امام ان کی زمین ان کے حوالے کر دے تو یہ عسری زمین ہوگی، اور ہم نہیں جانتے کہ رسول اللہ ﷺ نے یا آپ کے بعد صحابہ کرام، یا خلفاء میں سے کسی نے عرب بت پرستوں سے جز یہ لیا تھا، ان کے لئے تو صرف اسلام ہے یا قتل (۲)۔

امام ابو یوسف کی رائے یہ بھی ہے کہ امام اُرض عرب کو عسری سے خراج میں تبدیل نہیں کر سکتا، امام ابو یوسف کا کہنا ہے کہ سر زمین حجاز، مکہ، مدینہ، یمن، اور رسول اللہ ﷺ کی فتح کی ہوئی سر زمین عرب ہے، ان میں کوئی کمی زیادتی نہیں ہوگی، اس لئے کہ ان کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کا فیصلہ نافذ ہو چکا ہے، اس لئے امام اس میں کوئی رد و بدل نہیں کر سکتا اور ہم کو یہ خبر پہنچی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے سر زمین عرب کے کچھ قلعے فتح کئے اور ان پر عسری مقرر فرمایا، کسی پر بھی خراج مقرر نہیں فرمایا اور ہمارے اصحاب کا قول ان زمینوں کے بارے میں یہی ہے، کیا آپ دیکھتے نہیں کہ مکہ و حرم کا حکم یہی ہے؟

کیا آپ دیکھتے نہیں کہ عرب بت پرستوں کے بارے میں حکم یہ ہے کہ اسلام لائیں یا قتل کر دئے جائیں، ان سے جز یہ نہیں لیا جائے گا جب کہ غیر عربوں کا یہ حکم نہیں، لہذا عربوں کی زمین کا حکم بھی یہی ہوگا، حضور ﷺ نے یمن کے کچھ لوگوں (جن کے بارے میں خیال تھا کہ وہ اہل کتاب ہیں) ان پر خراج مقرر کیا اور ہر بالغ مرد و عورت پر ایک دینار، یا اس کے مساوی معافری کپڑا مقرر فرمایا، بذات خود زمین پر کوئی خراج مقرر نہیں فرمایا اور عسری صرف تیج (جاری پانی) اور نصف عسریہٹ میں مقرر فرمایا (۱)۔

شافعیہ و حنابلہ کے یہاں اُرض عرب دو قسم پر ہے: قسم اول: حجاز کے علاوہ زمینیں ہیں، قسم دوم: حجاز کی زمین ہے، حجاز کے علاوہ زمینیں عام شہروں کی زمین سے مختلف نہیں، ان کے یہاں ضابطہ یہ ہے کہ اسلامی ممالک کی زمین چار قسم کی ہے۔

- ۱۔ جہاں کے باشندے مسلمان ہو گئے ہوں: اس میں عسری ہے۔
- ۲۔ جس کو مسلمانوں نے آباد کیا: اس میں بھی عسری ہے۔
- ۳۔ جو زبردستی فتح کی گئی اور امام نے اس کو وقف نہیں کیا بلکہ مجاہدین میں تقسیم کر دیا: اس میں بھی عسری ہے۔
- ۴۔ جہاں باشندوں کے ساتھ صلح ہوئی ہو: اس پر خراج مقرر کیا جائے گا، اور یہ دو قسمیں ہیں۔

قسم اول: وہاں کے باشندوں سے اس بات پر صلح ہوئی کہ اس سے ان کی ملکیت ختم ہو جائے گی تو اس زمین کا خراج اجرت ہے جو ان کے اسلام لانے سے ساقط نہیں ہوگی، یہ خراج مسلمان اور اہل ذمہ دونوں سے لیا جائے گا۔

قسم دوم: جہاں کے باشندوں سے اس بات پر صلح ہوئی کہ زمین پر ان کی ملکیت باقی رہے گی، تو اس کا خراج جز یہ ہوگا، جو اسلام لانے

(۱) فتح القدیر ۵/۲۷۸، ابن عابدین ۳/۲۳۹۔

(۲) الخراج ص ۶۶ طبع سوم استنباطیہ۔

(۱) الخراج ص ۵۸، ۵۹۔

ارض عرب ۲۳-۲۴

کے بعد ساقط ہو جائے گا، یہ خراج مسلمان سے نہیں بلکہ ذمی سے لیا جائے گا (۱)۔

۲۳- رضی سرزمین حجاز تو شافعیہ میں سے ماوردی نے اس سلسلہ میں شافعیہ کے کلام کا خلاصہ یہ لکھا ہے: سرزمین حجاز کی خاص طور پر رسول اللہ ﷺ کے دست مبارک سے فتح ہونے کی وجہ سے دو قسمیں ہیں۔ قسم اول: رسول اللہ ﷺ کے وہ صدقات جو آپ نے اپنے دونوں حقوق کی وجہ سے لیے تھے، کیونکہ آپ کا ایک حق فی اور غنیمت میں پانچویں کا پانچواں حصہ ہے، اور دوسرا حق: اس فی کے پانچ میں سے چار حصے ہیں، جو اللہ نے اپنے رسول پر لوٹا یا، اس زمین میں سے جس پر مسلمانوں نے گھوڑے اور اونٹ نہیں دوڑائے، ان دونوں حقوق کے واسطے سے جو آپ کے پاس آیا، اس میں سے آپ نے بعض صحابہ کو کچھ دیا اور باقی اپنے خرچہ، صلہ رحمی اور مسلمانوں کے مفادات کے لئے باقی رکھا، پھر اس کو چھوڑ کر آپ کا وصال ہو گیا، جس کے بعد اس کے حکم کے بارے میں لوگوں کا اختلاف ہوا، کچھ لوگوں نے اسے آپ کی وراثت قرار دیا، جو میراث کے مطابق بحیثیت ملکیت تقسیم ہو، اور بعض لوگوں نے کہا: یہ امام کے لئے ہے جو اسلام کی بنیاد کی حفاظت اور دشمن سے جہاد میں آپ کا قائم مقام ہوتا ہے اور جمہور فقہاء کی رائے یہ ہے کہ یہ صدقات کسی کی ملکیت نہیں، ان کے منافع کے مخصوص مصارف ہیں، اور ان کو مختلف مفادات عامہ میں صرف کیا جائے گا۔

پھر ماوردی نے حضور ﷺ کے صدقات کو ذکر کر کے ان کو آٹھ قسموں میں محصور کیا۔

قسم دوم: مذکورہ زمین کے علاوہ بقیہ سرزمین حجاز ہے، اور یہ تشری زمین ہے، اس پر خراج نہیں، اس لئے کہ یہ زمین یا تو غنیمت میں آئی

(۱) الاحکام السلطانیہ لابن بطی رص ۵۳، الاحکام السلطانیہ للماوردی رص ۷۱۔

ہوگی اور دوسروں کی ملکیت میں دے دی گئی ہوگی یا مالک زمین کے مسلمان ہونے کی وجہ سے اس کے ہاتھ میں چھوڑ دی گئی ہوگی، بہر صورت یہ زمین عسری ہے اس پر خراج نہیں، ان تمام مذکورہ امور میں حنابلہ میں سے قاضی ابویعلیٰ نے ماوردی سے اتفاق کیا ہے، البتہ قاضی ابویعلیٰ نے فی کے پانچ میں سے چار حصے کے بارے میں امام احمد سے ایک دوسری روایت ذکر کی ہے (اور اسی کو مقدم رکھا ہے) کہ یہ تمام مسلمانوں کے لئے ہے (۱)۔

نبی پاک ﷺ کی چراگاہ:

۲۴- بعض اقوال کے مطابق بقیہ سرزمین حجاز سے نبی پاک ﷺ کی محفوظ اور خاص کی گئی چراگاہ کو مستثنیٰ کرنا چاہئے، کسی کے لئے اس کو آباد کرنا جائز نہیں کہ اس کی وجہ سے اس میں عسریا خراج واجب ہو، آپ نے ”تقیع“ (اور بروایت ابو عبیدہ: تقیع، نون کے ساتھ) کو مسلمانوں کے گھوڑوں کے لئے محفوظ کر دیا تھا اور ایک پہاڑ پر چڑھ کر فرمایا تھا: ”هَذَا حِمَاي“ (یہ میری چراگاہ ہے) اور آپ نے غنیمت کی طرف اشارہ فرمایا، جس کی مقدار ایک میل سے چھ میل تک ہے۔

شافعیہ و حنابلہ کے یہاں حضور ﷺ کی مخصوص چراگاہ ثابت ہے، آپ ﷺ کی چراگاہ کو آباد کرنا باطل ہے، اس کو آباد کرنے کی کوشش کرنے والا مردود اور راندہ ہے (۲)۔ اور حنابلہ میں سے ابن قدامہ نے لکھا ہے: اگر رسول اللہ ﷺ کی چراگاہ کی ضرورت ختم ہو جائے تو اس کے آباد کرنے کے بارے میں وقول ہیں (۳)۔

(۱) الاحکام السلطانیہ للماوردی رص ۱۵۱ طبع ۱۳۲۷ھ الاحکام السلطانیہ لابن بطی رص ۱۸۳ طبع ۱۳۵۶ھ۔

(۲) الاحکام السلطانیہ للماوردی رص ۱۶۵، ولابی بطی رص ۲۰۶۔

(۳) المغنی ۵/۵۸۱، ۶/۱۶۶، الخطاب ۶/۱۰۷۔

ارضاع، ارفاق ۱-۲

نبی کریم ﷺ کا رمنہ برقرار رہے گا یا ختم ہو جائے گا؟ اس مسئلہ کو حنفیہ مالکیہ نے نہیں چھیڑا ہے، اور مالکیہ میں سے خطاب نے کہا ہے: ظاہر یہ ہے کہ اس کے استمرار کے ارادہ کی کوئی دلیل نہ ہو تو اس کو توڑنا جائز ہے۔

ارفاق

تعریف:

۱- ارفاق لغت میں: دوسرے کو فائدہ پہنچانا ہے میہ ”ارفق“ کا مصدر ہے، اور ”رفق“ اور ”ارفق“ کا معنی ایک ہے۔ رفق، عطف (تشدد) کی ضد ہے (۱)۔ اصطلاح میں: جائیداد کے منافع عطا کرنا۔

ارفاق، اقطاع کی ایک قسم ہے، اس لئے کہ اقطاع: اقطاع تمملیک ہے یا اقطاع ارفاق، نووی کے قول: ”اگر امام اس کے لئے کسی بنجر زمین کو اقطاع (الاٹ) کر دے تو وہ اس کو آباد کرنے کا زیادہ حقدار ہو جائے گا“، اس پر قلیوبی نے یہ تبصرہ کیا ہے: ”اسی طرح وہ مال جن کے مالکان نامعلوم ہوں، خواہ ارفاق کے طور پر معلوم نہ ہوں یا ملکیت کے طور پر معلوم نہ ہوں (۲)۔ اقطاع ارفاق کے تفصیلی احکام اصطلاح ”قطاع“ میں دیکھئے۔

متعلقہ الفاظ:

ارتفاق:

۲- ارفاق: نفع دینا: اور ارتفاق، ارفاق کا اثر ہے، ارتفاق کے تفصیلی احکام اس کی اپنی اصطلاح میں دیکھئے۔

ارضاع

دیکھئے: ”رضاع“۔



(۱) الصحاح، اللسان، المعصباح، مادہ (رفق)۔

(۲) الشرح المفصل، ۲/۵۱، القلیوبی، ۳/۹۲۔

إرفاق ۳، إرقاب، إزار

اجمالی حکم:

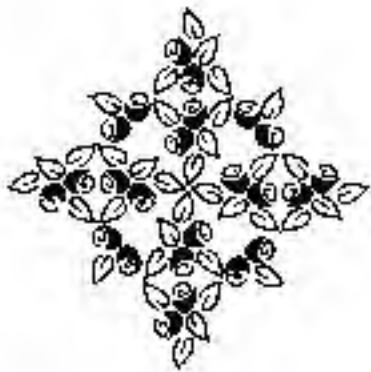
۳- امام کی طرف سے إرفاق إقطاع کا حکم، اغراض کے اعتبار سے مختلف ہے، اور اس کے علاوہ میں إرفاق مستحب ہے اس کی ”عقلی“ دلیل حضرت ابوہریرہؓ کی یہ روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے: ”لایمنع جار جارہ أن یغرز حشبة فی جدارہ“ (کوئی ہمسایہ اپنی دیوار میں اپنے ہمسایہ کو لکڑی لگانے سے نہ روکے)، حضرت ابوہریرہ اس حدیث کو روایت کر کے کہتے تھے: ”میں دیکھتا ہوں کہ تم یہ بات نہیں سنتے، خدا کی قسم میں تو یہ حدیث تم کو براہر سنا تا رہوں گا“ (۱)۔ حدیث میں نہی کراہت پر محمول کی گئی ہے، اور اس کی عقلی دلیل یہ ہے کہ جب انسان کو اپنی مملوکہ اشیاء سے فائدہ اٹھانے کا حق ہے تو وہ اسے عاریت کے طور پر دوسرے کو دے سکتا ہے اور بہہ بھی کر سکتا ہے، اور اگر اس سے اس کا مقصد آخرت کا ثواب ہو تو یہ اس کے لئے صدق ہوگا، اور اسی لئے دوسرے کو بلا معاوضہ معینہ مدت، یا ہمیشہ کے لئے معین فائدہ اٹھانے کی اجازت دینا مندوب ہے (۲)۔ اور فقہاء إرفاق کے مباحث عاریت، صدقہ اور بہہ پر کلام کے ضمن میں ذکر کرتے ہیں۔

إرقاب

دیکھئے: ”رقبی“۔

إزار

دیکھئے: ”لبترار“۔



(۱) حدیث ”لایمنع جار جارہ....“ کی روایت بخاری، مسلم، ترمذی، ابن ماجہ اور ابوداؤد نے کی ہے الفاظ بخاری کے ہیں (المؤلول والرجان / ص ۳۹۳)، اور ابوداؤد کے الفاظ یہ ہیں: ”مالی أراکم لادأعوضکم لالقبہا بین أکافکم“، ابوداؤد نے کہا یہ ابن ابی شلفہ کی حدیث ہے اور یہ زیادہ مکمل ہے (عون البیور ۳/ ۳۵۱ طبع البند)۔

(۲) ابن ماجہ ۲۸۲/ ۵ طبع اول بلاق، المغنی ۲۳۶/ ۶ طبع رشید رضا۔

نزویک جنابت کا ازالہ اور بسا اوقات بغیر نیت کے ہو جاتا ہے، مثلاً نجاست عینہ کا ازالہ (۱)۔

فعل کے طور پر مطلوبہ ازالہ کی مثال ہے: إزالة الضرر، اور فقہی قاعدہ ہے: "الضرر يزال" (ضرر کا ازالہ ہوگا)، اس لئے کہ فرمان نبوی ہے: "لا ضرر ولا ضرار" (۲) (یعنی اسلام میں نہ تو یہ جائز ہے کہ آدمی دوسرے کو ابتداءً اس کی کسی حرکت کے بغیر اس کو نقصان پہنچائے اور نہ یہ درست ہے کہ جواب میں کسی کو اس کے کئے سے زیادہ نقصان پہنچایا جائے)، البتہ ضرر کو اسی جیسے ضرر سے زائل نہیں کیا جائے گا، اور ضرر اشد کو ضرر اخف سے زائل کیا جائے گا (۳)۔ اس قاعدہ پر بہت سے فقہی ابواب مبنی ہیں، مثلاً عیب کی وجہ سے سامان واپس کرنا، خیار (اختیار) کی ساری انواع اور شفعہ، کیونکہ شفعہ میں تقسیم کے ضرر کا ازالہ ہے (۴)۔

۳- شرعی طور پر مطلوب ازالہ کی ایک مثال منکر کا ازالہ ہے، ازالہ منکر فی الجملہ فرض کفایہ ہے، اس لئے کہ فرمان باری ہے: "وَلْتَكُنْ مِنْكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ" (۵) (اور ضرور ہے کہ تم میں ایک ایسی جماعت رہے جو نیکی کی طرف بلایا کرے اور بھلائی کا حکم دیا کرے اور بدی سے روکا کرے)۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا کہ تم سب اچھے کاموں کا حکم کرنے والے اور بدے کاموں سے روکنے والے بنو، اور

(۱) جوہر الاکلیل ۱/ ۱۳ طبع الجلی۔

(۲) حدیث "لا ضرر ولا ضرار" کی روایت مالک نے مرسل کی ہے (المعنی ۲۰/ ۸۶ طبع احیاء)، اور حاکم نے موصولاً روایت کی ہے (۲/ ۵۷ طبع حیدرآباد)۔

(۳) الاشباہ والنظائر لابن نجیم رص ۳۵، ۳۳ طبع حیدر، الاشباہ والنظائر للسيوطی رص ۸۶، ۸۷ طبع الجلی۔

(۴) الاشباہ والنظائر لابن نجیم رص ۳۳۔

(۵) سورۃ آل عمران ۱۰۴۔

إزالة

تعریف:

۱- ازالہ کے لغوی معانی میں سے: دور کر دینا، لے جانا، اور کمزور کر دینا ہے، یہ "أزله" کا مصدر ہے (۱)۔ اصطلاحی معنی اس سے الگ نہیں ہے۔

بسا اوقات فقہاء کے یہاں ازالہ، اذہاب اور ابطال تینوں الفاظ ایک معنی میں استعمال ہوتے ہیں، اور ایک قول یہ ہے کہ ان تینوں الفاظ میں سے ہر ایک بسا اوقات ایسی جگہ صادق آتا ہے جہاں دوسرا صادق نہیں آتا، مثلاً اگر کسی نے اپنا مال کہیں صرف کیا تو کہا جائے گا: اذهب ماله فی کذا، یہاں پر "أبطله" یا "أزاله" نہیں کہا جائے گا، اگر کسی نے ایک چیز دوسری جگہ منتقل کر دی تو کہا جاتا ہے "أزاله"، یہاں پر "أبطله" یا "أذهبہ" نہیں کہتے، اور اگر کسی نے اپنی نماز فاسد کر دی تو "أبطلها" کہتے ہیں، یہاں پر "أذهبها" یا "أزالها" نہیں کہتے (۲)۔

اجمالی حکم اور بحث کے مقامات:

۲- ازالہ کبھی فعل کے طور پر شارع کی طرف سے مطلوب ہوتا ہے اور کبھی ترک کے طور پر۔

اور ازالہ بسا اوقات نیت پر موقوف ہوتا ہے، مثلاً جمہور فقہاء کے

(۱) تاج العروس: مادہ (زول)۔

(۲) قلیوبی ۸/ ۱۳ طبع الجلی۔

”من“، تہ عیض کے لئے ہے (۱)۔

اور ازالہ منکر سے متعلقہ تفصیل اصطلاح ”امر بالمعروف“ اور ”نہی عن المنکر“ کے تحت مذکور ہیں۔

۴- عدت وفات گزارنے والی عورت کے ذمہ لازم ہے کہ وہ شوہر کے غم میں خوشبو کو زائل کر دے، فقہاء اس پر اصطلاح ”إحداؤ“ میں بحث کرتے ہیں (۲)۔

اسی طرح موعے زیر ناف اور بغل وغیرہ کے بال کا ازالہ مندوب ہے (۳)، فقہاء اس کی تفصیلات ”خصال فطرت“ اور ”مسائل ظہر و بابت“ کے تحت ذکر کرتے ہیں۔

اسی طرح ازالہ مطلوبہ میں نجاست کا ازالہ ہے، اس کا ایک خاص باب ہوتا ہے جس میں فقہاء اس کی تفصیلات ذکر کرتے ہیں (۴)۔

۵- ازالہ ممنوعہ کی ایک مثال شہید کے خون کا ازالہ ہے جو عام فقہاء کے یہاں حرام ہے، اس لئے کہ فرمان نبوی ہے: ”ذملوہم فی دمانہم فإنہ لیس کلم یکلم فی اللہ إلا آتی یوم القیامۃ جرحہ یدمی، لونه لون الدم وریحہ ریح المسک“ (۵)

(۱) ابن ماجہ ۱/ ۶۰۳ طبع بلاق، الخطاب ۳/ ۳۲۸ طبع لیبیا، جوہر الاکلیل ۱/ ۲۵۱ طبع الجلی، نہایت المحتاج ۸/ ۳۳ طبع الجلی، الآداب الشرعیہ ۱/ ۱۸۱ طبع المنار، القرطبی ۴/ ۱۶۵، ۳/ ۸۴، ۲/ ۱۶۵ طبع دارالکتب، اتحاف السادة المتعلمین بشرح أسرار حیا علوم الدین ۷/ ۳، ۴، ۵، ۶، ۷، ۸، ۹، ۱۰، ۱۱، ۱۲، ۱۳، ۱۴، ۱۵، ۱۶، ۱۷، ۱۸، ۱۹، ۲۰، ۲۱، ۲۲، ۲۳، ۲۴، ۲۵، ۲۶، ۲۷، ۲۸، ۲۹، ۳۰، ۳۱، ۳۲، ۳۳، ۳۴، ۳۵، ۳۶، ۳۷، ۳۸، ۳۹، ۴۰، ۴۱، ۴۲، ۴۳، ۴۴، ۴۵، ۴۶، ۴۷، ۴۸، ۴۹، ۵۰، ۵۱، ۵۲، ۵۳، ۵۴، ۵۵، ۵۶، ۵۷، ۵۸، ۵۹، ۶۰، ۶۱، ۶۲، ۶۳، ۶۴، ۶۵، ۶۶، ۶۷، ۶۸، ۶۹، ۷۰، ۷۱، ۷۲، ۷۳، ۷۴، ۷۵، ۷۶، ۷۷، ۷۸، ۷۹، ۸۰، ۸۱، ۸۲، ۸۳، ۸۴، ۸۵، ۸۶، ۸۷، ۸۸، ۸۹، ۹۰، ۹۱، ۹۲، ۹۳، ۹۴، ۹۵، ۹۶، ۹۷، ۹۸، ۹۹، ۱۰۰، ۱۰۱، ۱۰۲، ۱۰۳، ۱۰۴، ۱۰۵، ۱۰۶، ۱۰۷، ۱۰۸، ۱۰۹، ۱۱۰، ۱۱۱، ۱۱۲، ۱۱۳، ۱۱۴، ۱۱۵، ۱۱۶، ۱۱۷، ۱۱۸، ۱۱۹، ۱۲۰، ۱۲۱، ۱۲۲، ۱۲۳، ۱۲۴، ۱۲۵، ۱۲۶، ۱۲۷، ۱۲۸، ۱۲۹، ۱۳۰، ۱۳۱، ۱۳۲، ۱۳۳، ۱۳۴، ۱۳۵، ۱۳۶، ۱۳۷، ۱۳۸، ۱۳۹، ۱۴۰، ۱۴۱، ۱۴۲، ۱۴۳، ۱۴۴، ۱۴۵، ۱۴۶، ۱۴۷، ۱۴۸، ۱۴۹، ۱۵۰، ۱۵۱، ۱۵۲، ۱۵۳، ۱۵۴، ۱۵۵، ۱۵۶، ۱۵۷، ۱۵۸، ۱۵۹، ۱۶۰، ۱۶۱، ۱۶۲، ۱۶۳، ۱۶۴، ۱۶۵، ۱۶۶، ۱۶۷، ۱۶۸، ۱۶۹، ۱۷۰، ۱۷۱، ۱۷۲، ۱۷۳، ۱۷۴، ۱۷۵، ۱۷۶، ۱۷۷، ۱۷۸، ۱۷۹، ۱۸۰، ۱۸۱، ۱۸۲، ۱۸۳، ۱۸۴، ۱۸۵، ۱۸۶، ۱۸۷، ۱۸۸، ۱۸۹، ۱۹۰، ۱۹۱، ۱۹۲، ۱۹۳، ۱۹۴، ۱۹۵، ۱۹۶، ۱۹۷، ۱۹۸، ۱۹۹، ۲۰۰، ۲۰۱، ۲۰۲، ۲۰۳، ۲۰۴، ۲۰۵، ۲۰۶، ۲۰۷، ۲۰۸، ۲۰۹، ۲۱۰، ۲۱۱، ۲۱۲، ۲۱۳، ۲۱۴، ۲۱۵، ۲۱۶، ۲۱۷، ۲۱۸، ۲۱۹، ۲۲۰، ۲۲۱، ۲۲۲، ۲۲۳، ۲۲۴، ۲۲۵، ۲۲۶، ۲۲۷، ۲۲۸، ۲۲۹، ۲۳۰، ۲۳۱، ۲۳۲، ۲۳۳، ۲۳۴، ۲۳۵، ۲۳۶، ۲۳۷، ۲۳۸، ۲۳۹، ۲۴۰، ۲۴۱، ۲۴۲، ۲۴۳، ۲۴۴، ۲۴۵، ۲۴۶، ۲۴۷، ۲۴۸، ۲۴۹، ۲۵۰، ۲۵۱، ۲۵۲، ۲۵۳، ۲۵۴، ۲۵۵، ۲۵۶، ۲۵۷، ۲۵۸، ۲۵۹، ۲۶۰، ۲۶۱، ۲۶۲، ۲۶۳، ۲۶۴، ۲۶۵، ۲۶۶، ۲۶۷، ۲۶۸، ۲۶۹، ۲۷۰، ۲۷۱، ۲۷۲، ۲۷۳، ۲۷۴، ۲۷۵، ۲۷۶، ۲۷۷، ۲۷۸، ۲۷۹، ۲۸۰، ۲۸۱، ۲۸۲، ۲۸۳، ۲۸۴، ۲۸۵، ۲۸۶، ۲۸۷، ۲۸۸، ۲۸۹، ۲۹۰، ۲۹۱، ۲۹۲، ۲۹۳، ۲۹۴، ۲۹۵، ۲۹۶، ۲۹۷، ۲۹۸، ۲۹۹، ۳۰۰، ۳۰۱، ۳۰۲، ۳۰۳، ۳۰۴، ۳۰۵، ۳۰۶، ۳۰۷، ۳۰۸، ۳۰۹، ۳۱۰، ۳۱۱، ۳۱۲، ۳۱۳، ۳۱۴، ۳۱۵، ۳۱۶، ۳۱۷، ۳۱۸، ۳۱۹، ۳۲۰، ۳۲۱، ۳۲۲، ۳۲۳، ۳۲۴، ۳۲۵، ۳۲۶، ۳۲۷، ۳۲۸، ۳۲۹، ۳۳۰، ۳۳۱، ۳۳۲، ۳۳۳، ۳۳۴، ۳۳۵، ۳۳۶، ۳۳۷، ۳۳۸، ۳۳۹، ۳۴۰، ۳۴۱، ۳۴۲، ۳۴۳، ۳۴۴، ۳۴۵، ۳۴۶، ۳۴۷، ۳۴۸، ۳۴۹، ۳۵۰، ۳۵۱، ۳۵۲، ۳۵۳، ۳۵۴، ۳۵۵، ۳۵۶، ۳۵۷، ۳۵۸، ۳۵۹، ۳۶۰، ۳۶۱، ۳۶۲، ۳۶۳، ۳۶۴، ۳۶۵، ۳۶۶، ۳۶۷، ۳۶۸، ۳۶۹، ۳۷۰، ۳۷۱، ۳۷۲، ۳۷۳، ۳۷۴، ۳۷۵، ۳۷۶، ۳۷۷، ۳۷۸، ۳۷۹، ۳۸۰، ۳۸۱، ۳۸۲، ۳۸۳، ۳۸۴، ۳۸۵، ۳۸۶، ۳۸۷، ۳۸۸، ۳۸۹، ۳۹۰، ۳۹۱، ۳۹۲، ۳۹۳، ۳۹۴، ۳۹۵، ۳۹۶، ۳۹۷، ۳۹۸، ۳۹۹، ۴۰۰، ۴۰۱، ۴۰۲، ۴۰۳، ۴۰۴، ۴۰۵، ۴۰۶، ۴۰۷، ۴۰۸، ۴۰۹، ۴۱۰، ۴۱۱، ۴۱۲، ۴۱۳، ۴۱۴، ۴۱۵، ۴۱۶، ۴۱۷، ۴۱۸، ۴۱۹، ۴۲۰، ۴۲۱، ۴۲۲، ۴۲۳، ۴۲۴، ۴۲۵، ۴۲۶، ۴۲۷، ۴۲۸، ۴۲۹، ۴۳۰، ۴۳۱، ۴۳۲، ۴۳۳، ۴۳۴، ۴۳۵، ۴۳۶، ۴۳۷، ۴۳۸، ۴۳۹، ۴۴۰، ۴۴۱، ۴۴۲، ۴۴۳، ۴۴۴، ۴۴۵، ۴۴۶، ۴۴۷، ۴۴۸، ۴۴۹، ۴۵۰، ۴۵۱، ۴۵۲، ۴۵۳، ۴۵۴، ۴۵۵، ۴۵۶، ۴۵۷، ۴۵۸، ۴۵۹، ۴۶۰، ۴۶۱، ۴۶۲، ۴۶۳، ۴۶۴، ۴۶۵، ۴۶۶، ۴۶۷، ۴۶۸، ۴۶۹، ۴۷۰، ۴۷۱، ۴۷۲، ۴۷۳، ۴۷۴، ۴۷۵، ۴۷۶، ۴۷۷، ۴۷۸، ۴۷۹، ۴۸۰، ۴۸۱، ۴۸۲، ۴۸۳، ۴۸۴، ۴۸۵، ۴۸۶، ۴۸۷، ۴۸۸، ۴۸۹، ۴۹۰، ۴۹۱، ۴۹۲، ۴۹۳، ۴۹۴، ۴۹۵، ۴۹۶، ۴۹۷، ۴۹۸، ۴۹۹، ۵۰۰، ۵۰۱، ۵۰۲، ۵۰۳، ۵۰۴، ۵۰۵، ۵۰۶، ۵۰۷، ۵۰۸، ۵۰۹، ۵۱۰، ۵۱۱، ۵۱۲، ۵۱۳، ۵۱۴، ۵۱۵، ۵۱۶، ۵۱۷، ۵۱۸، ۵۱۹، ۵۲۰، ۵۲۱، ۵۲۲، ۵۲۳، ۵۲۴، ۵۲۵، ۵۲۶، ۵۲۷، ۵۲۸، ۵۲۹، ۵۳۰، ۵۳۱، ۵۳۲، ۵۳۳، ۵۳۴، ۵۳۵، ۵۳۶، ۵۳۷، ۵۳۸، ۵۳۹، ۵۴۰، ۵۴۱، ۵۴۲، ۵۴۳، ۵۴۴، ۵۴۵، ۵۴۶، ۵۴۷، ۵۴۸، ۵۴۹، ۵۵۰، ۵۵۱، ۵۵۲، ۵۵۳، ۵۵۴، ۵۵۵، ۵۵۶، ۵۵۷، ۵۵۸، ۵۵۹، ۵۶۰، ۵۶۱، ۵۶۲، ۵۶۳، ۵۶۴، ۵۶۵، ۵۶۶، ۵۶۷، ۵۶۸، ۵۶۹، ۵۷۰، ۵۷۱، ۵۷۲، ۵۷۳، ۵۷۴، ۵۷۵، ۵۷۶، ۵۷۷، ۵۷۸، ۵۷۹، ۵۸۰، ۵۸۱، ۵۸۲، ۵۸۳، ۵۸۴، ۵۸۵، ۵۸۶، ۵۸۷، ۵۸۸، ۵۸۹، ۵۹۰، ۵۹۱، ۵۹۲، ۵۹۳، ۵۹۴، ۵۹۵، ۵۹۶، ۵۹۷، ۵۹۸، ۵۹۹، ۶۰۰، ۶۰۱، ۶۰۲، ۶۰۳، ۶۰۴، ۶۰۵، ۶۰۶، ۶۰۷، ۶۰۸، ۶۰۹، ۶۱۰، ۶۱۱، ۶۱۲، ۶۱۳، ۶۱۴، ۶۱۵، ۶۱۶، ۶۱۷، ۶۱۸، ۶۱۹، ۶۲۰، ۶۲۱، ۶۲۲، ۶۲۳، ۶۲۴، ۶۲۵، ۶۲۶، ۶۲۷، ۶۲۸، ۶۲۹، ۶۳۰، ۶۳۱، ۶۳۲، ۶۳۳، ۶۳۴، ۶۳۵، ۶۳۶، ۶۳۷، ۶۳۸، ۶۳۹، ۶۴۰، ۶۴۱، ۶۴۲، ۶۴۳، ۶۴۴، ۶۴۵، ۶۴۶، ۶۴۷، ۶۴۸، ۶۴۹، ۶۵۰، ۶۵۱، ۶۵۲، ۶۵۳، ۶۵۴، ۶۵۵، ۶۵۶، ۶۵۷، ۶۵۸، ۶۵۹، ۶۶۰، ۶۶۱، ۶۶۲، ۶۶۳، ۶۶۴، ۶۶۵، ۶۶۶، ۶۶۷، ۶۶۸، ۶۶۹، ۶۷۰، ۶۷۱، ۶۷۲، ۶۷۳، ۶۷۴، ۶۷۵، ۶۷۶، ۶۷۷، ۶۷۸، ۶۷۹، ۶۸۰، ۶۸۱، ۶۸۲، ۶۸۳، ۶۸۴، ۶۸۵، ۶۸۶، ۶۸۷، ۶۸۸، ۶۸۹، ۶۹۰، ۶۹۱، ۶۹۲، ۶۹۳، ۶۹۴، ۶۹۵، ۶۹۶، ۶۹۷، ۶۹۸، ۶۹۹، ۷۰۰، ۷۰۱، ۷۰۲، ۷۰۳، ۷۰۴، ۷۰۵، ۷۰۶، ۷۰۷، ۷۰۸، ۷۰۹، ۷۱۰، ۷۱۱، ۷۱۲، ۷۱۳، ۷۱۴، ۷۱۵، ۷۱۶، ۷۱۷، ۷۱۸، ۷۱۹، ۷۲۰، ۷۲۱، ۷۲۲، ۷۲۳، ۷۲۴، ۷۲۵، ۷۲۶، ۷۲۷، ۷۲۸، ۷۲۹، ۷۳۰، ۷۳۱، ۷۳۲، ۷۳۳، ۷۳۴، ۷۳۵، ۷۳۶، ۷۳۷، ۷۳۸، ۷۳۹، ۷۴۰، ۷۴۱، ۷۴۲، ۷۴۳، ۷۴۴، ۷۴۵، ۷۴۶، ۷۴۷، ۷۴۸، ۷۴۹، ۷۵۰، ۷۵۱، ۷۵۲، ۷۵۳، ۷۵۴، ۷۵۵، ۷۵۶، ۷۵۷، ۷۵۸، ۷۵۹، ۷۶۰، ۷۶۱، ۷۶۲، ۷۶۳، ۷۶۴، ۷۶۵، ۷۶۶، ۷۶۷، ۷۶۸، ۷۶۹، ۷۷۰، ۷۷۱، ۷۷۲، ۷۷۳، ۷۷۴، ۷۷۵، ۷۷۶، ۷۷۷، ۷۷۸، ۷۷۹، ۷۸۰، ۷۸۱، ۷۸۲، ۷۸۳، ۷۸۴، ۷۸۵، ۷۸۶، ۷۸۷، ۷۸۸، ۷۸۹، ۷۹۰، ۷۹۱، ۷۹۲، ۷۹۳، ۷۹۴، ۷۹۵، ۷۹۶، ۷۹۷، ۷۹۸، ۷۹۹، ۸۰۰، ۸۰۱، ۸۰۲، ۸۰۳، ۸۰۴، ۸۰۵، ۸۰۶، ۸۰۷، ۸۰۸، ۸۰۹، ۸۱۰، ۸۱۱، ۸۱۲، ۸۱۳، ۸۱۴، ۸۱۵، ۸۱۶، ۸۱۷، ۸۱۸، ۸۱۹، ۸۲۰، ۸۲۱، ۸۲۲، ۸۲۳، ۸۲۴، ۸۲۵، ۸۲۶، ۸۲۷، ۸۲۸، ۸۲۹، ۸۳۰، ۸۳۱، ۸۳۲، ۸۳۳، ۸۳۴، ۸۳۵، ۸۳۶، ۸۳۷، ۸۳۸، ۸۳۹، ۸۴۰، ۸۴۱، ۸۴۲، ۸۴۳، ۸۴۴، ۸۴۵، ۸۴۶، ۸۴۷، ۸۴۸، ۸۴۹، ۸۵۰، ۸۵۱، ۸۵۲، ۸۵۳، ۸۵۴، ۸۵۵، ۸۵۶، ۸۵۷، ۸۵۸، ۸۵۹، ۸۶۰، ۸۶۱، ۸۶۲، ۸۶۳، ۸۶۴، ۸۶۵، ۸۶۶، ۸۶۷، ۸۶۸، ۸۶۹، ۸۷۰، ۸۷۱، ۸۷۲، ۸۷۳، ۸۷۴، ۸۷۵، ۸۷۶، ۸۷۷، ۸۷۸، ۸۷۹، ۸۸۰، ۸۸۱، ۸۸۲، ۸۸۳، ۸۸۴، ۸۸۵، ۸۸۶، ۸۸۷، ۸۸۸، ۸۸۹، ۸۹۰، ۸۹۱، ۸۹۲، ۸۹۳، ۸۹۴، ۸۹۵، ۸۹۶، ۸۹۷، ۸۹۸، ۸۹۹، ۹۰۰، ۹۰۱، ۹۰۲، ۹۰۳، ۹۰۴، ۹۰۵، ۹۰۶، ۹۰۷، ۹۰۸، ۹۰۹، ۹۱۰، ۹۱۱، ۹۱۲، ۹۱۳، ۹۱۴، ۹۱۵، ۹۱۶، ۹۱۷، ۹۱۸، ۹۱۹، ۹۲۰، ۹۲۱، ۹۲۲، ۹۲۳، ۹۲۴، ۹۲۵، ۹۲۶، ۹۲۷، ۹۲۸، ۹۲۹، ۹۳۰، ۹۳۱، ۹۳۲، ۹۳۳، ۹۳۴، ۹۳۵، ۹۳۶، ۹۳۷، ۹۳۸، ۹۳۹، ۹۴۰، ۹۴۱، ۹۴۲، ۹۴۳، ۹۴۴، ۹۴۵، ۹۴۶، ۹۴۷، ۹۴۸، ۹۴۹، ۹۵۰، ۹۵۱، ۹۵۲، ۹۵۳، ۹۵۴، ۹۵۵، ۹۵۶، ۹۵۷، ۹۵۸، ۹۵۹، ۹۶۰، ۹۶۱، ۹۶۲، ۹۶۳، ۹۶۴، ۹۶۵، ۹۶۶، ۹۶۷، ۹۶۸، ۹۶۹، ۹۷۰، ۹۷۱، ۹۷۲، ۹۷۳، ۹۷۴، ۹۷۵، ۹۷۶، ۹۷۷، ۹۷۸، ۹۷۹، ۹۸۰، ۹۸۱، ۹۸۲، ۹۸۳، ۹۸۴، ۹۸۵، ۹۸۶، ۹۸۷، ۹۸۸، ۹۸۹، ۹۹۰، ۹۹۱، ۹۹۲، ۹۹۳، ۹۹۴، ۹۹۵، ۹۹۶، ۹۹۷، ۹۹۸، ۹۹۹، ۱۰۰۰، ۱۰۰۱، ۱۰۰۲، ۱۰۰۳، ۱۰۰۴، ۱۰۰۵، ۱۰۰۶، ۱۰۰۷، ۱۰۰۸، ۱۰۰۹، ۱۰۱۰، ۱۰۱۱، ۱۰۱۲، ۱۰۱۳، ۱۰۱۴، ۱۰۱۵، ۱۰۱۶، ۱۰۱۷، ۱۰۱۸، ۱۰۱۹، ۱۰۲۰، ۱۰۲۱، ۱۰۲۲، ۱۰۲۳، ۱۰۲۴، ۱۰۲۵، ۱۰۲۶، ۱۰۲۷، ۱۰۲۸، ۱۰۲۹، ۱۰۳۰، ۱۰۳۱، ۱۰۳۲، ۱۰۳۳، ۱۰۳۴، ۱۰۳۵، ۱۰۳۶، ۱۰۳۷، ۱۰۳۸، ۱۰۳۹، ۱۰۴۰، ۱۰۴۱، ۱۰۴۲، ۱۰۴۳، ۱۰۴۴، ۱۰۴۵، ۱۰۴۶، ۱۰۴۷، ۱۰۴۸، ۱۰۴۹، ۱۰۵۰، ۱۰۵۱، ۱۰۵۲، ۱۰۵۳، ۱۰۵۴، ۱۰۵۵، ۱۰۵۶، ۱۰۵۷، ۱۰۵۸، ۱۰۵۹، ۱۰۶۰، ۱۰۶۱، ۱۰۶۲، ۱۰۶۳، ۱۰۶۴، ۱۰۶۵، ۱۰۶۶، ۱۰۶۷، ۱۰۶۸، ۱۰۶۹، ۱۰۷۰، ۱۰۷۱، ۱۰۷۲، ۱۰۷۳، ۱۰۷۴، ۱۰۷۵، ۱۰۷۶، ۱۰۷۷، ۱۰۷۸، ۱۰۷۹، ۱۰۸۰، ۱۰۸۱، ۱۰۸۲، ۱۰۸۳، ۱۰۸۴، ۱۰۸۵، ۱۰۸۶، ۱۰۸۷، ۱۰۸۸، ۱۰۸۹، ۱۰۹۰، ۱۰۹۱، ۱۰۹۲، ۱۰۹۳، ۱۰۹۴، ۱۰۹۵، ۱۰۹۶، ۱۰۹۷، ۱۰۹۸، ۱۰۹۹، ۱۱۰۰، ۱۱۰۱، ۱۱۰۲، ۱۱۰۳، ۱۱۰۴، ۱۱۰۵، ۱۱۰۶، ۱۱۰۷، ۱۱۰۸، ۱۱۰۹، ۱۱۱۰، ۱۱۱۱، ۱۱۱۲، ۱۱۱۳، ۱۱۱۴، ۱۱۱۵، ۱۱۱۶، ۱۱۱۷، ۱۱۱۸، ۱۱۱۹، ۱۱۲۰، ۱۱۲۱، ۱۱۲۲، ۱۱۲۳، ۱۱۲۴، ۱۱۲۵، ۱۱۲۶، ۱۱۲۷، ۱۱۲۸، ۱۱۲۹، ۱۱۳۰، ۱۱۳۱، ۱۱۳۲، ۱۱۳۳، ۱۱۳۴، ۱۱۳۵، ۱۱۳۶، ۱۱۳۷، ۱۱۳۸، ۱۱۳۹، ۱۱۴۰، ۱۱۴۱، ۱۱۴۲، ۱۱۴۳، ۱۱۴۴، ۱۱۴۵، ۱۱۴۶، ۱۱۴۷، ۱۱۴۸، ۱۱۴۹، ۱۱۵۰، ۱۱۵۱، ۱۱۵۲، ۱۱۵۳، ۱۱۵۴، ۱۱۵۵، ۱۱۵۶، ۱۱۵۷، ۱۱۵۸، ۱۱۵۹، ۱۱۶۰، ۱۱۶۱، ۱۱۶۲، ۱۱۶۳، ۱۱۶۴، ۱۱۶۵، ۱۱۶۶، ۱۱۶۷، ۱۱۶۸، ۱۱۶۹، ۱۱۷۰، ۱۱۷۱، ۱۱۷۲، ۱۱۷۳، ۱۱۷۴، ۱۱۷۵، ۱۱۷۶، ۱۱۷۷، ۱۱۷۸، ۱۱۷۹، ۱۱۸۰، ۱۱۸۱، ۱۱۸۲، ۱۱۸۳، ۱۱۸۴، ۱۱۸۵، ۱۱۸۶، ۱۱۸۷، ۱۱۸۸، ۱۱۸۹، ۱۱۹۰، ۱۱۹۱، ۱۱۹۲، ۱۱۹۳، ۱۱۹۴، ۱۱۹۵، ۱۱۹۶، ۱۱۹۷، ۱۱۹۸، ۱۱۹۹، ۱۲۰۰، ۱۲۰۱، ۱۲۰۲، ۱۲۰۳، ۱۲۰۴، ۱۲۰۵، ۱۲۰۶، ۱۲۰۷، ۱۲۰۸، ۱۲۰۹، ۱۲۱۰، ۱۲۱۱، ۱۲۱۲، ۱۲۱۳، ۱۲۱۴، ۱۲۱۵، ۱۲۱۶، ۱۲۱۷، ۱۲۱۸، ۱۲۱۹، ۱۲۲۰، ۱۲۲۱، ۱۲۲۲، ۱۲۲۳، ۱۲۲۴، ۱۲۲۵، ۱۲۲۶، ۱۲۲۷، ۱۲۲۸، ۱۲۲۹، ۱۲۳۰، ۱۲۳۱، ۱۲۳۲، ۱۲۳۳، ۱۲۳۴، ۱۲۳۵، ۱۲۳۶، ۱۲۳۷، ۱۲۳۸، ۱۲۳۹، ۱۲۴۰، ۱۲۴۱، ۱۲۴۲، ۱۲۴۳، ۱۲۴۴، ۱۲۴۵، ۱۲۴۶، ۱۲۴۷، ۱۲۴۸، ۱۲۴۹، ۱۲۵۰، ۱۲۵۱، ۱۲۵۲، ۱۲۵۳، ۱۲۵۴، ۱۲۵۵، ۱۲۵۶، ۱۲۵۷، ۱۲۵۸، ۱۲۵۹، ۱۲۶۰، ۱۲۶۱، ۱۲۶۲، ۱۲۶۳، ۱۲۶۴، ۱۲۶۵، ۱۲۶۶، ۱۲۶۷، ۱۲۶۸، ۱۲۶۹، ۱۲۷۰، ۱۲۷۱، ۱۲۷۲، ۱۲۷۳، ۱۲۷۴، ۱۲۷۵، ۱۲۷۶، ۱۲۷۷، ۱۲۷۸، ۱۲۷۹، ۱۲۸۰، ۱۲۸۱، ۱۲۸۲، ۱۲۸۳، ۱۲۸۴، ۱۲۸۵، ۱۲۸۶، ۱۲۸۷، ۱۲۸۸، ۱۲۸۹، ۱۲۹۰، ۱۲۹۱، ۱۲۹۲، ۱۲۹۳، ۱۲۹۴، ۱۲۹۵، ۱۲۹۶، ۱۲۹۷، ۱۲۹۸، ۱۲۹۹، ۱۳۰۰، ۱۳۰۱، ۱۳۰۲، ۱۳۰۳، ۱۳۰۴، ۱۳۰۵، ۱۳۰۶، ۱۳۰۷، ۱۳۰۸، ۱۳۰۹، ۱۳۱۰، ۱۳۱۱، ۱۳۱۲، ۱۳۱۳، ۱۳۱۴، ۱۳۱۵، ۱۳۱۶، ۱۳۱۷، ۱۳۱۸، ۱۳۱۹، ۱۳۲۰، ۱۳۲۱، ۱۳۲۲، ۱۳۲۳، ۱۳۲۴، ۱۳۲۵، ۱۳۲۶، ۱۳۲۷، ۱۳۲۸، ۱۳۲۹، ۱۳۳۰، ۱۳۳۱، ۱۳۳۲، ۱۳۳۳، ۱۳۳۴، ۱۳۳۵، ۱۳۳۶، ۱۳۳۷، ۱۳۳۸، ۱۳۳۹، ۱۳۴۰، ۱۳۴۱، ۱۳۴۲، ۱۳۴۳، ۱۳۴۴، ۱۳۴۵، ۱۳۴۶، ۱۳۴۷، ۱۳۴۸، ۱۳۴۹، ۱۳۵۰، ۱۳۵۱، ۱۳۵۲، ۱۳۵۳، ۱۳۵۴، ۱۳۵۵، ۱۳۵۶، ۱۳۵۷، ۱۳۵۸، ۱۳۵۹، ۱۳۶۰، ۱۳۶۱، ۱۳۶۲، ۱۳۶۳، ۱۳۶۴، ۱۳۶۵، ۱۳۶۶، ۱۳۶۷، ۱۳۶۸، ۱۳۶۹، ۱۳۷۰، ۱۳۷۱، ۱۳۷۲، ۱۳۷۳، ۱۳۷۴، ۱۳۷۵، ۱۳۷۶، ۱۳۷۷، ۱۳۷۸، ۱۳۷۹، ۱۳۸۰، ۱۳۸۱، ۱۳۸۲، ۱۳

ازلام ۱-۲

یہ رائے ازہری کے قول سے ہم آہنگ ہے۔

ابن بطال نے ہروی کے حوالہ سے یہی مفہوم نقل کیا ہے، اور عزیزی سے منقول ہے: ان سے مراد وہ تیر ہیں جن سے اہل جاہلیت جوئے میں اپنا حصہ معلوم کیا کرتے تھے (۱)۔

اہل نقل کے کلام کا (جیسا کہ فتح الباری، قرطبی اور طبری میں آیا ہے) حاصل یہ ہے کہ ازلام کچھ تو امور زندگی مثلاً نکاح، سفر، جنگ اور تجارت وغیرہ میں فال کھولنے کے لئے خاص تھے، اور کچھ جوئے کے لئے خاص تھے (۲)۔ لیکن اطلاق کے وقت اس سے امور زندگی میں فال کھولنے کے مخصوص تیر مراد ہوتے ہیں، اور جوئے کے تیر کے تفصیلی احکام اصطلاح ”میسر“ میں دیکھئے۔

لفظ ”زلم“ کا اکثر استعمال استقسام (فال کھولنے) میں، اور لفظ ”سہم“ کا اکثر استعمال کمان کے تیر کے لئے، اور لفظ ”قدح“ کا اکثر استعمال جوئے کے تیر کے لئے ہوتا ہے۔

۲- ازلام کس چیز سے بنائے جاتے تھے؟ علماء کا اس بارے میں اختلاف ہے: ایک قول یہ ہے کہ یہ تیر اندازی کے تیر تھے، دوسرا قول ہے کہ سفید کنکر کے تھے، تیسرا قول ہے کہ کاغذ کے تھے، تاہم اس کی وجہ سے حکم میں کوئی اختلاف نہیں ہوتا جیسا کہ آئے گا (۳)۔

= ۲۲۳ طبع دارالمعرفہ بیروت۔

(۱) المعجم المصنف بآسفل المہرب ۲۸۷/۲ طبع دارالمعرفہ بیروت۔

(۲) فتح الباری ۲۷۷/۸ طبع المکتبۃ العلمیۃ سعودیہ، الطبری ۵۱۰/۹، اور اس کے بعد کے صفحات طبع دار المعارف مصر، قرطبی ۵۸۶/۱، اور اس کے بعد کے صفحات طبع دار الکتب المصریہ۔

(۳) فتح الباری ۲۷۷/۸، الطبری ۵۱۰/۹، القرطبی ۵۸۶/۱، المصنف ۲۲۳/۲، المدنی ۱۲۹/۲، احکام القرآن لابن العربی ۵۳۳/۲ طبع عیسیٰ الحلیمی، المرقوق للقرانی ۲۳۰/۲ طبع دارالمعرفہ بیروت۔

ازلام

تعریف:

۱- ازلام لغت میں: زلم (زاء کے فتح وضمہ اور لام کے فتح کے ساتھ) کی جمع ہے: ایسا تیر جس میں پر نہ لگے ہوں۔
زلم، سہم اور قدح مترادف الفاظ ہیں، جن کا معنی: شاخ کا تراشا ہوا برآمد نکلنا۔

ازہری نے کہا: ازلام دور جاہلیت میں قریش کے پاس کچھ تیر تھے جن پر لکھا ہوا تھا: حکم و ممانعت، کرو نہ کرو۔ جن کو برآمد تراش کر کعبہ میں رکھ دیا گیا تھا، بیت اللہ کا دربان اس کا ذمہ دار تھا، اگر کوئی سفیر یا شاہی کارادہ کرتا تو اس کے پاس آتا اور کہتا: میرے لئے ایک تیر نکالو، وہ اس کو نکالتا اور دیکھتا، اگر ”حکم“ والا تیر نکلتا تو اپنے ارادہ کی تکمیل کرتا، اور اگر ممانعت والا تیر نکل جاتا تو اپنے ارادہ کی تکمیل سے گریز کرتا، اور بسا اوقات آدمی خود اپنے ترکش میں یہ دو تیر رکھے ہوئے ہوتا، اور جب فال کھولنا چاہتا تو ایک تیر نکالتا تھا۔

مؤرخ سدوسی اور اہل لغت کی ایک جماعت نے کہا ہے: ازلام جوئے کے تیر ہیں، اور ازہری نے کہا ہے: یہ وہم ہے، ازہری کا استدلال حضرت سراق بن جشم مدلیجی کی روایت سے ہے (۱)۔

فقہاء کے یہاں ازلام کا ذکر اس حیثیت سے ہے کہ اس سے مراد وہ تیر ہیں جن سے وہ اپنے امور زندگی میں فال کھولا کرتے تھے (۲)۔

(۱) تاریخ العروس، لسان العرب، المصباح الممیر: مادہ (زلم)۔

(۲) طلبہ المطالبہ ص ۱۵۸ طبع المکتبۃ العلمیۃ بغداد، المدنی ۱۲۹/۲ طبع دار الفکر المصنوع

ازلام ۳-۴

کہ ان حضرات نے کبھی بھی ان ازلام کے ذریعہ فال نہیں کھولا۔

عربوں کے یہاں ازلام کی تعظیم:

۳- دور جاہلیت میں عربوں کے یہاں ازلام کا تقدس و احترام تھا اور ان کی زندگی میں اس کی بڑی حیثیت تھی، ہر چیز میں اس سے رجوع کیا جاتا تھا، رسول اللہ ﷺ کے جد امجد عبدالمطلب نے اپنے بیٹوں کے لئے اس وقت تیر نکالے جب انہوں نے یہ نذر مانی تھی کہ دس بیٹے ہو جائیں گے تو ایک کو ذبح کریں گے (۱)۔ اسی طرح سراقہ بن مالک بن جشم نے جب ہجرت کے وقت حضور ﷺ اور حضرت ابوبکر صدیق کا پیچھا کیا تو ان کا استعمال کیا (۲)۔ دینی جذبہ کا اس سلسلہ میں بڑا اثر تھا چنانچہ یہ تیر قریش مکہ کے سب سے بڑے بت ”ہبل“ کے پاس رکھے جاتے تھے اور اس کے کاہن اور دربان فال چاہنے والوں کے لئے ان کے پیش نظر کام کی عظمت کے تصور سے ان تیروں کو گھماتے تھے۔

ازلام کی تقدیس اس وجہ تھی کہ انہوں نے خانہ کعبہ میں حضرت ابراہیم واسماعیل علیہما السلام کی مورتی بنائی جس میں ان دونوں حضرات کو ان تیروں کے ذریعہ فال کھولتے ہوئے دکھایا گیا تھا اور یہی وجہ تھی کہ جب حضور ﷺ (فتح مکہ کے وقت) آئے تو خانہ کعبہ میں ان بتوں کی موجودگی میں داخل ہونے سے انکار کیا، اور آپ ﷺ کے حکم سے ان کو باہر نکالا گیا، جس میں حضرت ابراہیم واسماعیل کی وہ مورتیاں بھی تھیں اور ان کے ہاتھوں میں ازلام دکھائی دے رہے تھے تو حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا تھا: ”قاتلہم اللہ، لقد علموا انہما ما استقسما بها قط“ (۳) (اللہ ان کو غارت کرے، انہیں یہ علم تھا

(۱) عبدالمطلب کے تیروں کے گھمانے کا واقعہ ابن ہشام نے السیرۃ (۱/۱۵۲ طبع مصطفیٰ الجلی) میں ذکر کیا ہے۔

(۲) سراقہ کے تیروں کو گھمانے کا واقعہ ابن ہشام نے السیرۃ (۱/۲۸۹ طبع مصطفیٰ الجلی) میں ذکر کیا ہے۔

(۳) القرطبی ۱/۵۹، المغنی ۶/۶۷۔ حضرت ابراہیم واسماعیل کی مورتیوں کو خانہ

اجمالی حکم:

الف- ازلام بنانے، رکھنے اور اس کا معاملہ کرنے کا حکم:

۴- ازلام دور جاہلیت کے افعال میں سے ہے، اللہ تعالیٰ نے اس کو حرام فرمایا ہے: ”إِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْأَنْصَابُ وَالْأَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ فَاجْتَنِبُوهُ“ (۱) (شراب اور جو اور بہت اور پانسے تو بے ریزی گندی باتیں ہیں شیطان کے کام سواں سے بچے رہو)۔

اللہ تعالیٰ نے جس چیز کو حرام قرار دیا ہے اس کو بننا، اس کو رکھنا اور اس کا معاملہ کرنا بھی حرام ہے، صحیحین میں حضرت جابر بن عبد اللہ کی روایت میں ہے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا: ”إِنَّ اللَّهَ وَرَسُولَهُ حَرَّمَ بَيْعَ الْخَمْرِ وَالْمَيْتَةِ وَالْخَنْزِيرِ وَالْأَصْنَامِ“ (اللہ اور اس کے رسول نے شراب، مردار، سور اور بتوں کی بیع حرام قرار دی ہے)۔ ابن قیم کہتے ہیں کہ اس حدیث سے یہ سمجھ میں آتا ہے کہ ہر آلہ جو شرک کے لئے بنایا گیا ہو، جس شکل کا ہو، جس نوعیت کا ہو، صنم ہو یا وثن (مورتی) یا صلیب، اس کی فروخت حرام ہے، ان تمام چیزوں کا ازلام اور خاتمہ کرنا ضروری ہے، اور اس کی فروخت اس کو اپنے پاس رکھنے اور اپنانے کا ذریعہ ہے، لہذا فروخت حرام ہے (۲)۔

نیز اس لئے کہ خرید و فروخت کی ایک شرط جیسا کہ فقہاء کہتے ہیں، یہ ہے کہ سامان بیع ممنوع نہ ہو، اور ازلام (اپنی اس شکل اور حیثیت میں کہ ان تیروں پر ”حکم“ اور ”ممانعت“ لکھا ہوتا ہے، تاکہ اس کی ہدایت پر عمل ہو ممنوع ہیں، لہذا اس کی خرید و فروخت اس کو اپنے پاس رکھنے اور اس کا معاملہ کرنے کی حرمت کا جو حکم صنم اور صلیب پر

= کعبہ سے نکالنے کی حدیث بخاری (فتح الباری ۱/۶۸ طبع استقیمی) میں ہے۔ (۱) سورۃ مائدہ ۹۰۔

(۲) زاد المعاد ۳/۲۳۵ طبع مصطفیٰ الجلی۔

ازلام ۵-۶

یہ معلوم ہے کہ اگر ازلام کی حرام شکل بگاڑ دی جائے تو اس کا اصلی حکم لوٹ آئے گا یعنی جائز چیزوں میں اس سے فائدہ اٹھانا حلال ہے۔

ب- ازلام پاک ہیں یا ناپاک؟

۵- ازلام جس چیز سے بنائے جاتے ہیں اگر اس میں کسی ناپاک چیز کی آمیزش نہ ہو تو وہ فی نفسہ یا تو لکڑی ہیں، یا پتھر ہیں، یا کنکر ہیں، اور یہ سب پاک ہیں، ان کو کوئی خاص شکل دے دینا نجس نہیں بناتا۔

اسی لئے نووی نے المجموع میں فرمان باری: ”إِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْأَنْصَابُ وَالْأَزْلَامُ رَجَسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ فَاجْتَنِبُوهُ“ کو ذکر کرنے کے بعد کہا ہے: اس آیت کی بنیاد پر خمر نجس ہے، اور اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ اس کو میسر، انساب اور ازلام کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے، حالانکہ یہ تینوں چیزیں پاک ہیں، کیونکہ یہ تینوں چیزیں بالاجتماع اس سے خارج ہیں، لہذا خمر مقتضائے کلام پر باقی ہے، اور یہ آیت کی ظاہری دلالت بھی نہیں، کیونکہ ”رجس“ اہل لغت کے نزدیک ”قذر“ گھناؤنے کو کہتے ہیں، جو نجاست کو مستلزم نہیں، اسی طرح اجتناب کا حکم بھی نجاست کو مستلزم نہیں ہے (۱)۔

بحث کے مقامات:

۶- عرب ازلام کو اپنی زندگی کے امور میں قال کھولنے کے لئے رکھتے تھے، اس کے حکم کی وضاحت اور تفصیلی کلام اصطلاح ”استقسام“ میں دیکھیں، اسی طرح کچھ ازلام جوئے کے لئے خاص تھے جن کو ”قذاح میسر“ (جوئے کے تیر) کہا جاتا تھا، اس کی تفصیل اصطلاح ”میسر“ اور ”قمار“ میں دیکھئے۔

عائد ہوتا ہے اس پر بھی عائد ہوگا۔

بعض فقہاء کہتے ہیں: جس شی کا استعمال ناجائز ہے اس کو اپنانا بھی ناجائز ہے، اور اس طرح کی چیزوں کو بنانے کی اجرت حلال نہیں، چنانچہ فتاویٰ ہندیہ میں ہے: اگر کسی کو بتوں کو تراشنے کے لئے اجرت پر رکھا تو مزدور کے لئے کچھ نہیں۔

جس چیز سے یہ ازلام بنتے ہیں خواہ پتھر ہو یا لکڑی یا کوئی اور چیز اس کو ایسے شخص کے ہاتھ فروخت کرنا جائز نہیں جو اس سے اس طرح کی چیزیں بناتا ہے، اس لئے جمہور فقہاء کے یہاں انگوڑی بیج اس شخص کے ہاتھ جو اس سے شراب بناتا ہے یا جوئے باز کے ہاتھ بندوق (۱) کی فروخت، یا کیمہ بنانے کے لئے گھر کی فروخت، یا لکڑی کی فروخت اس شخص کے ہاتھ جو اس سے صلیب بنائے، یا اس شخص کے ہاتھ تانبے کی فروخت جو اس سے ناقوس بنائے درست نہیں، اور یہی حکم ہر اس چیز کا ہے جس کے بارے میں معلوم ہو کہ خریدنے والا اس کو ناجائز مقصد میں استعمال کرے گا (۲)۔

الموسو ط باب الاشرار میں ہے: فرمان باری ہے: ”إِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْأَنْصَابُ وَالْأَزْلَامُ رَجَسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ فَاجْتَنِبُوهُ“ (۳)۔ سرخسی نے اس آیت کے بعد کہا ہے: اللہ تعالیٰ نے بیان فرمادیا کہ یہ سب ”رجس“ ہیں اور ”رجس“ حرام لغویہ کو کہتے ہیں اور یہ کہ وہ شیطانی کام ہے (۴)۔

(۱) یہاں مراد کھائے جانے والی بندوق کی گولی ہے جسے جگ اور شکار کے لئے پھینکا جاتا ہے (انجم الوسیط)۔

(۲) المہذب ۱/۱۹۸، ۲/۸۱، منہج الارادات ۲/۱۵۵ طبع دار الفکر، البغی ۳/۲۸۳، ۵/۳۰۱ طبع المریض، معنی المحتاج ۲/۱۲ طبع مصطفیٰ الحلبي، الفتاویٰ الہندیہ ۳/۵۰ طبع المکتبۃ الاسلامیہ، الخطاب ۳/۲۵۳، ۲/۵۸ طبع المحتاج لبیبا، التحرشی ۵/۱۱ طبع دار صادر۔

(۳) سورۃ مائدہ ۹۰۔

(۴) الموسو ط ۲/۲۳ طبع دار المعرفۃ بیروت۔

(۱) المجموع شرح المہذب ۲/۵۶۳، ۵۶۳ طبع المطبعۃ المستقیمہ۔

تا دیب نہیں کر سکتا بلکہ دوسرے قاضی کے پاس مقدمہ دائر کرے، اور ابن رشد نے کہا ہے: صاحب فضل و دیانت قاضی کو یہ حق ہے کہ اپنے لئے اور اپنے اوپر زبان درازی کرنے والے پر اگرچہ وہ غائب ہو، ہزا کا فیصلہ کرے (۱)۔

المغنی لابن قدامہ میں ہے: قاضی کسی فریق کی تا دیب کر سکتا ہے اگر وہ قاضی پر الزام تراشی کرے، مثلاً کہے کہ تم نے میرے خلاف ناحق فیصلہ کیا، یا تم نے رشوت لی ہے (۲)۔

بعض اصولیین إساءة کو کراہت تحریمی و کراہت تنزیہی کا درمیانی درجہ مانتے ہیں، لہذا وہ کراہت تحریمی سے کم درجہ اور کراہت تنزیہی سے اشد درجہ ہے، یہ حضرات کہتے ہیں: سنت ہدی مثلاً اذان و جماعت کا ترک کرنے والا مسی (براکام کرنے والا) ہے، مستحق ملامت ہے (۳)۔

فتوحی نے کہا ہے: حرام کو محظور، ممنوع، معصیت، قبیح اور سب سے کہتے ہیں۔

مکروہ کام کرنے والے کو مخالف (مخالفت کرنیوالا)، مسی (براکام کرنے والا) اور نافرمان کہتے ہیں، حالانکہ مکروہ کام کرنے والے کی مذمت نہیں کی جاتی اور نہ وہ گنہگار ہوتا ہے، صحیح یہی ہے، امام احمد نے اس شخص کے بارے میں جس نے تشہد میں اضافہ کیا فرمایا ہے: اس نے برا کیا، اور ان میں بعض حضرات کے کلام کا ظاہر یہ ہے کہ إساءة حرام کے ساتھ خاص ہے، لہذا إساءة کا اطلاق کسی حرام کام کرنے ہی پر ہوگا (۴)۔

إساءة

تعریف:

۱- إساءة لغتاً احسان (حسن سلوک کرنا) کی ضد ہے، إساء الرجل إساءة (اس نے برا کام کیا) کا استعمال ”أحسن“ کے خلاف ہوتا ہے، اور ”إساء الیہ“ (برا سلوک کیا) کا استعمال أحسن إلیہ کے خلاف ہوتا ہے، اور ”إساء الشیء“ کا مطلب ہے اسکو خراب کر دیا اور اچھا کام نہیں کیا، اور إساءة ظلم و معصیت کا نام ہے (۱)۔

فقہاء کے یہاں اس کا استعمال لغوی معنی سے خارج نہیں ہے (۲)، مثلاً وہ إساءة کا اطلاق اس صورت پر کرتے ہیں جب زوجین میں کوئی دوسرے کو ضرر پہنچائے (۳)۔

منح الجلیل میں ہے: قاضی کے لئے مستحب ہے کہ جو اس کے ساتھ عدالت میں ماروا سلوک کرے وہ اس کی تا دیب کرتے ہوئے کہے: تم نے مجھ پر زیادتی کی، ظلم کیا، اور قاضی اس سلسلہ میں اپنے ظلم پر اعتما و کر کے اس کو تنبیہ کر سکتا ہے اگرچہ کوئی بینہ نہ ہو، اور اگر کوئی قاضی کے ساتھ عدالت کے باہر برا سلوک کرے تو وہ خود اس کی

(۱) لسان العرب، المصباح المہیر، ترتیب القاسوس الجلیط ۲/ ۵۹۰ طبع المرسلہ، الطبری ۱۵/ ۲۳ طبع اول بولاق، الفروق فی اللغة لابن ہلال عسکری ص ۱۳، الکلیات للکفوی ۱/ ۱۸۔

(۲) انظم المصنوع فی شرح غریب المہذب المہذب بجامع المہذب ۲۳۹/ ۱ طبع دار المعرفۃ، منح الجلیل ۲/ ۱۳۸ طبع المہذب لیبیا۔

(۳) جوہر الاکلیل ۱/ ۳۲۸، ۳۲۹ طبع دار المعرفۃ بیروت، شتی الارادات ۳/ ۱۰۶ طبع دار الفکر۔

(۱) منح الجلیل ۲/ ۱۳۸ طبع المہذب لیبیا۔

(۲) المغنی ۲/ ۳۳ طبع المہذب لیبیا۔

(۳) شرح المنار ص ۵۸ طبع المہذب لیبیا۔

(۴) شرح الکوکب المہیر ص ۱۲۰، ۱۳۰ طبع المہذب لیبیا۔

إساءة ۲-۵

جانا ہے، مثلاً جماعت، اذان، اقامت، تو یہ مکروہ ہے موجب ملامت و عقاب ہے (۱)۔

بحث کے مقامات:

۵- فقہاء عام طور پر إساءة کا استعمال اس سے مقصود معنی یعنی ضرر، اضرار اور ظلم کے لئے کرتے ہیں، اور اس کا ذکر اکثر حقوق ارتفاق مثلاً حق شرب، حق طریق، حق مسیل اور حق جوار میں آتا ہے۔
فقہاء إساءة کا لفظ بول کر حاصل مصدر مراد لیتے ہیں، اگر اس کا تعلق مال سے ہو تو اس پر غصب، ہرقہ (چوری)، اتلاف کا اطلاق کرتے ہیں، اگر اس کا تعلق عزت و آبرو سے ہو تو اس کو رب (گالی دینا)، قذف (الزام لگانا) یا زنا کا نام دیتے ہیں، اور اگر اس کا تعلق جان یا اعضاء سے ہو تو اس کو جنایت اور جراح کا نام دیتے ہیں وغیرہ۔



متعلقہ الفاظ:

الف- ضرر:

۲- ضرر لغة نفع کی ضد ہے، اور اصطلاح میں دوسرے کو نقصان پہنچانا ہے (۱)۔

جب کوئی کسی کے ساتھ کوئی ناپسندیدہ کام کرے تو اس کو عربی میں کہتے ہیں: "ضررہ یضرہ" (۲)۔

اسی طرح ضرر اور إساءة معنی میں ایک ہو جاتے ہیں، البتہ إساءة قبیح ہوتی ہے جب کہ مضرت اس صورت میں اچھائی ہو جاتی ہے جب اس کا مقصد نیک ہو، مثلاً تنبیہ کے لئے مار کی مضرت اور تعلیم و تعلم کے لئے مشقت کی مضرت (۳)۔

ب- تعدی:

۳- تعدی: کسی چیز کا اپنی حد سے آگے بڑھ جانا ہے، اور تعدی کا معنی ظلم بھی ہے (۴)، پس إساءة اور تعدی بسا اوقات معنی میں ایک ہو جاتے ہیں۔

اجمالی حکم:

۴- إساءة کا اجمالی حکم یہ ہو سکتا ہے کہ اگر وہ معصیت ہو، مثلاً زنا کاری، شراب نوشی، یا کسی فرض یا واجب کا ترک کرنا، یا دوسرے پر ظلم و زیادتی ہو، مثلاً گالی گلوچ کرنا، مال چھیننا، مارنا، تو یہ حرام ہے اور موجب سزا ہے، سزا خواہ حد ہو یا تعزیر۔

اگر اس میں ایسی سنت کی مخالفت ہو جس کو شعائر دین میں مانا

(۱) لسان العرب، المصباح الممیر۔

(۲) الفتح المبین شرح لا یحیی لابن حجر ص ۲۳۷۔

(۳) الفروق فی اللغة ص ۱۳۔

(۴) تاج العروس، المصباح الممیر، نیل الاوطار ص ۷۳ طبع اعمانیہ۔

(۱) المنار ص ۵۸، شرح الکوکب الممیر ص ۱۲۰، ۱۳۰۔

إسباغ ۱-۴

ہے، اور یہ مکروہ ہے (۱)، اور اسباغ اس کے برخلاف ہے اور اسی طرح ”اطال غرہ“ (اعضاء وضو کی چمک میں اضافہ کرنا ہے) جو وضو میں اعضاء کی مقررہ حد سے زیادتی اور واجب پر اضافہ ہے، اس لئے اطلال غرہ میں اسباغ اور زیادتی دونوں باتیں ہوتی ہیں (۲)۔

إسباغ

اجمالی حکم:

۴- اسباغ سے مراد اگر ان تمام اعضاء پر پانی پہنچانا ہو جن کا دھونا واجب ہے تو یہ اسباغ واجب ہے، اور اگر اس سے تکمیل اور اتمام مراد لیا جائے تو مندوب ہے، اس پر فقہاء کا اتفاق ہے، اس لئے کہ فرمان نبوی ہے: ”اسبغوا الوضوء“ (وضوء کو پورا پورا کرو)، نیز فرمایا ہے: ”اسباغ الوضوء علی المکارہ“ (۳) (تختی اور تکلیف کے باوجود وضوء کو پورا پورا کرنا)۔

تعریف:

۱- اسباغ کا لغوی معنی: مکمل اور پورا کرنا ہے، اور اسباغ وضو سے مراد: تمام اعضاء کو مکمل دھونا ہے۔
اصطلاحی معنی: یہ ہے کہ تمام اعضاء پر پانی پہنچ کر بہہ جائے (۱)۔
اور شافعی کی تعریف ہے: مکمل طور پر وضوء کرنا (۲)۔

متعلقہ الفاظ:

الف- إسبال:

۲- إسبال کا معنی: اوپر سے نیچے کی طرف کوئی چیز لٹکانا ہے، مثلاً پردہ یا لنگی لٹکانا، اور ”إسبال“ کے بھی یہی معنی ہیں (۳)۔
إسبال میں حد مطلوب سے زیادتی ہوتی ہے لہذا وہ فی الحکمہ ممنوع ہے لبتہ جس چیز کے جواز کے بارے میں نص آجائے تو وہ جائز ہوگی، مثلاً حالت احرام میں عورت کا چہرہ پر پردہ ڈالنا بشرطیکہ چہرہ سے مس نہ کرے، برخلاف اسباغ کے کہ وہ مطلوب ہے دیکھئے اصطلاح (اسبال)۔

ب- إسراف:

۳- إسراف واجب یا مطلوبہ حد کی یقینی طور پر تکمیل کے بعد اضافہ

(۱) حاشیہ ابن عابدین ۸۹/۱ طبع اول بولاق، المطاب ۱/ ۵۷۷، الموسط ۱/ ۹۔
(۲) حاشیہ ابن عابدین ۸۸/۱، اقلیو بی ۱/ ۵۳ طبع عینی لعلی۔
(۳) حدیث: ”اسبغوا الوضوء...“ کی روایت بخاری (۱/ ۱۶۷)، حدیث: ۱۶۵ طبع المستقیم نے محمد بن زید کی سند سے کی ہے، محمد بن زید نے کہا میں نے ابوہریرہ سے سنا، وہ ہمارے سامنے سے جایا کرتے تھے، اور لوگ برتن سے وضوء کیا کرتے تھے، تو انہوں نے کہا وضوء کو پورا کرو کیونکہ ابو القاسم علیؓ نے فرمایا: ”ویل للعقاب من الدار“ (ایہیوں کی تباہی ہے دوزخ کی آگ سے)، اور مسلم (۱/ ۲۱۳، ۲۱۵، حدیث: ۲۹۵ طبع لعلی) نے حدیث کی روایت ان الفاظ میں کی ہے: ”ویل للعقاب من الدار“ (تباہی ہے کونہیں کے لئے آگ سے)۔

حدیث: ”اسباغ الوضوء علی المکارہ“ کی روایت مسلم (۱/ ۲۱۹)، حدیث: ۳۱ طبع عینی لعلی نے کی ہے یہ حدیث ابوہریرہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”الا اذلکم علی ما یمنحو اللہ بہ الخطایا ویوقع بہ المبرجات؟“ قالوا: بلی یا رسول اللہ، قال: ”اسباغ الوضوء علی المکارہ، وکثرة الخطا إلی المساجد، والنظار الصلاة بعد الصلاة، فذلکم الرباط“ (کیا میں تم کو وہ باتیں نہ بتاؤں جن سے گناہ مت جائیں، اور درجے بلند ہوں؟ لوگوں نے کہا: کیوں نہیں

(۱) المغنی ۱/ ۲۲۳ طبع دار الکتب العربی، الموسط ۱/ ۹، ہواہب الجلیل ۱/ ۲۵۷۔
(۲) حاشیہ الجمل علی المسیح ۱/ ۳۵۔
(۳) الصحاح، معجم مقاییس اللغة۔

إسباغ ۵، إرسبال ۱-۳

بحث کے مقامات:

۵- فقہاء کے یہاں اسباغ کا ذکر کتاب الطہارۃ وضو کی بحث کے ضمن میں آتا ہے۔

إرسبال

تعریف:

۱- إرسبال کا لغوی معنی کوئی چیز اوپر سے نیچے لٹکانا ہے، مثلاً پردہ یا لنگی کا لٹکانا، اور إرسبال اسی کے معنی میں ہے (۱)۔
فقہاء اس لفظ کو اسی معنی میں استعمال کرتے ہیں (۲)۔

متعلقہ الفاظ:

الف- اشتمال صماء:

۲- اشتمال صماء یہ ہے کہ خالی بدن پر صرف ایک کپڑے کو اوڑھ کر اس کے ایک سرے کو اٹھایا جائے اور اس کو مونڈھوں پر ڈال لیا جائے یوں کہ اس سے آدمی کا کوئی حصہ کھل جائے (۳)۔ اشتمال صماء اور إرسبال میں فرق یہ ہے کہ إرسبال میں کپڑے کے سارے اطراف کو لٹکانا پایا جاتا ہے جب کہ اشتمال صماء میں کپڑے کے ایک سرے کو اٹھا کر مونڈھوں پر ڈالنا ہوتا ہے۔

ب- إغفاء:

۳- إغفاء کا اطلاق دو بنیادی معنوں پر ہوتا ہے: ترک (چھوڑنا) اور

(۱) الصحاح للجوهری، مجتمعاتنا، ص ۱۸۰۔

(۲) إرمسبال الحمر، طلبہ الطلبہ، المغرب فی ترتیب العرب، حاشیہ ابن عابدین ۱/ ۳۲۹ طبع بولاق، شرح الترغابی ۱/ ۱۸۰ طبع بیروت، إرمسبال ۱/ ۷۲ طبع مصنفی المجلس، الطحاوی علی سرائی الخلاص ص ۱۹۲ طبع الحامہ۔

(۳) المغنی ۱/ ۵۸۳، شرح الترغابی ۱/ ۱۸۰، مغنی المحتاج ۱/ ۱۸۶۔

= اے اللہ کے رسول، آپ ﷺ نے فرمایا: سختی اور تکلیف کے باوجود وضو کو پورا کرنا، مسجد تک قدموں کا زیادہ ہونا، ایک نماز کے بعد دوسری نماز کا انتظار کرنا، یہی ربط ہے (یعنی نفس کو عبادت کے لئے روکنا)۔

اسہال ۴-۵، استنجار

دوران، اور فقہاء شافعیہ و مالکیہ کے یہاں ستر کو چھپانے کی بحث میں آتا ہے، اور حالت احرام میں عورت کا اپنے چہرہ پر دوپٹہ کے لٹکانے کا ذکر کتاب الحج کے اندر محرمات احرام کے بیان میں کرتے ہیں۔ نماز وغیرہ میں کرنا، لنگی، اور پاجاموں کا اسہال خواہ تکبر کے طور پر ہو یا بغیر تکبر کے، اس کا تذکرہ کتاب الصلاۃ مکروہات نماز میں کرتے ہیں، اور نماز میں تکبیر تحریمہ کے بعد ہاتھوں کا اسدال (لٹکانے) یا باندھنے کا ذکر کتاب الصلاۃ کے فرائض نماز میں کرتے ہیں، اور جنائز میں بالوں کے لٹکانے کا ذکر میت کو غسل دینے کی بحث میں کرتے ہیں۔

استنجار

دیکھئے: ”اجارہ“۔



طلب (تلاش کرنا)، البتہ عفو کا زیادہ تر استعمال واجب سزا کے چھوڑنے کے لئے ہوتا ہے، اور اعفاء کا اطلاق مطلق چھوڑنے پر ہوتا ہے (خواہ کوئی بھی چیز ہو)، اور اسی سے ”اعفاء لحدیہ“ آتا ہے یعنی واڑھی کے تراشنے کو ترک کرنا اور اس کو بڑھانا (۱)۔

اجمالی حکم:

۴- اسہال یا اسدال جو چھوڑنے اور لٹکانے کے معنی میں آتا ہے، فقہاء اس کا استعمال مختلف امور میں کرتے ہیں، اور علاحدہ علاحدہ مواقع کے اعتبار سے اس کا حکم الگ الگ ہے۔

نماز میں اسدال ثوب، جس کا مفہوم کپڑوں کے پینے بغیر بدن پر ڈالنا و لٹکانا ہے جمہور فقہاء کے یہاں علی الاطلاق مکروہ ہے، خواہ تکبر سے ہو یا بغیر تکبر کے، اسدال ثوب کی صورت یہ ہے کہ سر یا کندھے پر کپڑا ڈال کر دونوں طرف سے اس کے سروں کے لٹکایا جائے اور کسی سرے کو نہ اٹھایا جائے بشرطیکہ بدن پر دوسرا ایسا کپڑا موجود ہو جس سے ستر چھپا ہوا ہو، اور یہ یہود کے پہناوے سے مشابہ ہے (۲) اور تکبر کی وجہ سے لنگی کو لٹکانا حرام ہے، اس کی تفصیل اصطلاح ”اختیال“ میں ہے۔

بسا اوقات اسہال مطلوب ہوتا ہے، مثلاً ستر کے چھپانے میں احتیاط کے لئے عورت کا چادر یا قمیص کو ایک بالشت یا ایک ہاتھ لٹکانا، اس کی تفصیل اصطلاح: ”عورة“ اور ”لباس“ میں ہے۔

بحث کے مقامات:

۵- اسدال ثوب کا ذکر فقہاء حنفیہ و حنابلہ کے یہاں مکروہات نماز کے

(۱) المغرب فی ترتیب المغرب۔

(۲) حاشیہ ابن عابدین ۲۲۹/ طبع بولاق، شرح الترغاتی ۱۸۱/۱، الجمل علی شرح الجمع ۳۰۶/۱، طبع مصطفیٰ الجلس، المغنی ۵۸۵/۱، طبع المیزان، مغنی المحتاج ۱۸۶/۱۔

عی کا ایک اثر ہے (۱)، بخاص نے احکام القرآن میں کہا ہے کہ استنذان کو استنناس اس لئے کہا گیا ہے کہ اجازت لینے اور سلام کرنے سے گھر والے مانوس ہو جاتے ہیں، اور اگر بلا اجازت ان کے پاس آجائیں تو ان کو وحشت معلوم ہوگی اور اگر اس بار ہوگا (۲)۔

استنذان

اجازت لینے کا شرعی حکم:

۲- استنذان کے شرعی حکم کا اذن سے بڑا مضبوط ربط ہے، چنانچہ جہاں پر تصرف کا حائل ہونا اذن پر موقوف ہو وہاں استنذان واجب ہے، مثلاً اجنبی کا دوسرے کے گھر میں جانے کے لئے استنذان اور شادی شدہ عورت کا اپنے شوہر کے گھر سے نکلنے کے لئے شوہر سے استنذان، اور شوہر کا اپنی آزاد بیوی سے عزل کرنے کے لئے اس سے استنذان، اور یہاں پر ہم نے: ”تصرف کا حائل ہونا“ کہا ”تصرف کا صحیح ہونا“ نہیں کہا، اس لئے کہ بسا اوقات تصرف اگر اجازت کے بغیر ہو تو بھی کراہت کے ساتھ صحیح ہوتا ہے، مثلاً عورت شوہر کی اجازت کے بغیر نفل روزہ رکھے (تو یہ روزہ کراہت کے ساتھ درست ہوتا ہے)۔

اور بسا اوقات تصرف صحیح ہی نہیں ہوتا، مثلاً ولی بالغہ و عاتقہ عورت کی شادی اس کی اجازت کے بغیر کر دے، یا باشعور بچہ اپنے ولی کی اجازت کے بغیر خرید و فروخت کرے وغیرہ، اس سلسلہ میں فقہاء کا اختلاف بھی ہے۔

تعریف:

۱- استنذان کا لغوی معنی اجازت طلب کرنا ہے، اور اذن کا ماخذ: اذن بالشیء اذنا ہے بمعنی مباح کرنا۔ لہذا استنذان کے معنی اباحت طلب کرنا ہے (۱)۔

فقہاء کے یہاں استنذان کا استعمال اسی معنی میں ہے، چنانچہ وہ کہتے ہیں کہ ”گھروں میں داخل ہونے کے لئے استنذان“ اور اس سے ان کی مراد ہوتی ہے اجازت طلب کرنے والے کے لئے گھر میں داخلہ کی اباحت کا طلب کرنا (۲)۔

قرآن کریم کی سورہ نور میں لفظ ”استنناس“ کا ذکر اس آیت میں ہے: ”يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَدْخُلُوا بُيُوتًا غَيْرَ بُيُوتِكُمْ حَتَّى تَسْتَأْذِنُوا وَتُسَلِّمُوا عَلَى أَهْلِهَا“ (۳) (اے ایمان والو تم اپنے (خاص) گھروں کے سوا دوسرے گھروں میں داخل مت ہو جب تک کہ اجازت حاصل نہ کر لو اور ان کے رہنے والوں کو سلام نہ کر لو)۔

اس سے مراد گھروں وغیرہ میں داخل ہونے کے لئے اجازت لینا ہے، ابن عباس، ابن مسعود، امیر ایہم نخعی اور قتادہ وغیرہ نے کہا ہے کہ یہاں استنناس سے مراد استنذان ہے، حالانکہ استنناس، استنذان

(۱) احکام القرآن للجصاص ۳/۳۸۱ طبع المہدیہ مصر، اور اس آیت کے سلسلہ میں

ابن کثیر و قرطبی کی تفسیر۔

(۲) احکام القرآن للجصاص ۳/۳۸۱۔

(۱) المصباح المہیر، القاسوس الحبیط: مادہ (اذن)۔

(۲) بدائع الصنائع ۵/۱۲۳ طبع المجلد مصر۔

(۳) سورہ نور ۲۷۔

اول

گھروں میں داخلہ کے لئے اجازت لینا

الف- کس جگہ داخلہ مراولیا گیا ہے:

۳- آدمی جس گھر میں داخل ہونا چاہتا ہے، وہ گھریا تو ذاتی ہوگا یا دوسرے کا، اگر ذاتی ہو تو اس کی دخل ہے خالی ہوگا اور اس میں اس کے علاوہ کوئی رہنے والا نہ ہوگا، یا اس میں اس کی بیوی ہوگی جس کے ساتھ کوئی اور نہیں ہوگا، یا اس کے ساتھ اس کے بعض محارم، اس کی بہن بیٹی، ماں وغیرہ میں سے کوئی ہوگا۔

اگر گھر اس کا ذاتی ہے، اس میں کوئی دوسرا نہیں رہتا، تو کسی کی اجازت کے بغیر اس میں آسکتا ہے، اس لئے کہ اجازت دینے کا حق اسی کے لئے ہے، اور انسان کا اپنی ذات سے اجازت لینا ایک طرح کا لغو کام ہے، جس سے شریعت مطہرہ پاک ہے (۱)۔

۴- اگر اس کے ذاتی گھر میں اس کی بیوی ہو اور اس کے ساتھ کوئی اور نہیں، تو اندر آنے کے لئے اجازت لینا اس پر واجب نہیں، کیونکہ وہ اپنی بیوی کے سارے بدن کو دیکھ سکتا ہے، البتہ مستحب یہ ہے کہ کھٹکھار کر، یا جوتے کی آواز وغیرہ کے ذریعہ اپنے آنے کی خبر کر دے، اس لئے کہ وہ کبھی ایسی حالت میں ہوگی جس میں وہ یہ نہ چاہتی ہو کہ اس کا شوہر اس حالت میں اسے دیکھے (۲)۔

اپنی مطلقہ رجعیہ بیوی کے پاس آنے کے لئے شوہر پر اجازت واجب ہونے کے بارے میں دقoul ہیں، جن کے بنیاد اس پر ہے کہ کیا طلاق رجعی سے عورت کا شوہر پر حرام ہونا لازم ہوتا ہے یا نہیں؟

(۱) تفسیر القرطبی ۲/۱۹، طبع دار الکتب المصریہ

(۲) تفسیر القرطبی ۲/۱۹، المشرع الصغیر ۴/۶۲، طبع دار المعارف مصر، الفواکر الدوانی ۲/۲۷، طبع مصطفیٰ البابی الحلبي، شرح الکافی ۲/۱۳۳، طبع اول ۱۳۹۸ھ، حاشیہ ابن عابدین ۲/۵۳۱، طبع بولاق، الآداب الشریعہ لابن مفلح ۱/۲۵۱، طبع مطبعہ المنار مصر۔

جو حضرات کہتے ہیں کہ حرام نہیں، مثلاً حنفیہ اور بعض حنابلہ وہ کہتے ہیں کہ اجازت لینا واجب نہیں، بلکہ مستحب ہے، اور اس کا اس بیوی کے پاس آنا ایسا ہی ہے جیسا کہ وہ اپنی غیر مطلقہ بیوی کے پاس آئے۔ جو لوگ کہتے ہیں کہ وہ حرام ہے، اور یہ کہ طلاق دینے سے حرمت واقع ہوگئی، مثلاً شافعیہ، مالکیہ، اور بعض حنابلہ، ان کا کہنا ہے کہ اس کے پاس آنے سے قبل اجازت لینا واجب ہے (۱)۔

۵- اگر گھر میں مرد کا کوئی حرم ہو مثلاً اس کی ماں، یا بہن وغیرہ، یعنی وہ مرد یا عورت جن کو نگلی حالت میں دیکھنا اس کے لئے صحیح نہیں، تو بلا اجازت داخل ہونا اس کے لئے حائل نہیں، یہ حنفیہ و مالکیہ کے نزدیک ہے، ان کے یہاں اس صورت میں اجازت لینا واجب ہے، اور اجازت کو ترک کرنا ناجائز ہے، بلکہ مالکیہ نے کہا ہے کہ اجازت لینے کے وجوب کا منکر کافر ہے، کیونکہ یہ چیز دین کی بدیہی معلومات میں سے ہے (۲)۔

اجازت طلب کرنے کے وجوب کی دلیل کتاب و سنت، آثار صحابہ اور شریعت کے اصول و مبادیات ہیں۔

قرآن کریم میں فرمان باری ہے: "وَإِذَا بَلَغَ الْأَطْفَالُ مِنْكُمُ الْحُلُمَ فَلْيَسْتَأْذِنُوا..." (۳) (اور جب تم میں سے لڑکے بلوغ کو پہنچ جائیں تو انہیں بھی اجازت لینا چاہئے۔)

حدیث سے اس کی دلیل حضرت عطاء بن یسار سے امام مالک کی یہ روایت ہے: "أَنَّ رَجُلًا سَأَلَ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ فَقَالَ:

(۱) حاشیہ ابن عابدین ۲/۵۳۱، المغنی لابن قدامة ۷/۲۷۹، طبع سوم المنار، المشرع الکبیر ۲/۳۲۲۔

(۲) بدائع الصنائع ۵/۱۲۳، احکام القرآن للجصاص ۳/۳۸۶، المشرع الصغیر ۴/۶۲، شرح الکافی ۲/۱۳۳، الفواکر الدوانی ۲/۲۷، تفسیر القرطبی ۲/۱۹۔

(۳) سورہ نور ۵۹۔

لئے اجازت لوں؟ تو حضرت حذیفہ نے فرمایا: ”اگر اجازت نہ لو گے تو قاتل نفرت چیز دیکھو گے“ (۱)۔

شرعی اصول و مبادیات سے اس کی دلیل یہ ہے کہ اگر بلا اجازت اس کے پاس آئے گا تو ہو سکتا ہے کہ اس کے ستر کا کوئی حصہ کھلا ہو، لہذا اس کی نگاہ ایسی جگہ پر جائے گی جس کو دیکھنا حلال نہیں ہے، لہذا سد باب کے لئے اجازت کا لینا واجب ہے۔

۶- محارم وغیرہ کے پاس بلا اجازت آنے کو حرام قرار دینے والے فقہاء اس بات پر متفق ہیں کہ محرم عورتوں نیز مردوں کے پاس بلا اجازت آنے کی حرمت، اجنبی عورتوں کے پاس بغیر اجازت طلب کئے آنے کے مقابلہ میں بلکی ہے، اس لئے کہ محرم عورتوں کے بال، سینہ، اور پنڈلی کو دیکھنا اس کے لئے جائز ہے، اجنبی عورتوں کے نہیں (۲)۔

شافعیہ نے مرد کو یہ اجازت دی ہے کہ اپنے ان محارم کے پاس جو اس کے ساتھ رہتے ہیں، بلا اجازت آ سکتا ہے، البتہ ضروری ہے کہ کھٹکھار، یا جوتے کی آواز وغیرہ کے ذریعہ اپنے آنے کی ان کو خبر کر دے، تاکہ برہنہ پردہ کر لے (۳)۔

۷- اگر گھر دوسرے کا ہو اور آدمی داخل ہونا چاہے تو اجازت لینا ضروری ہے، اجازت سے پہلے داخل ہونا بالاتفاق حرام ہے، خواہ دروازہ کھلا ہو یا بند (۴)۔ خواہ اس میں کوئی رہنے والا ہو یا نہ ہو، اس لئے کہ فرمان باری ہے: ”يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَدْخُلُوا بُيُوتًا غَيْرَ بُيُوتِكُمْ حَتَّى تَسْتَأْذِنُوا وَتُسَلِّمُوا عَلَى أَهْلِهَا“ (۵)۔

(۱) بدائع الصنائع ۵/۱۲۵۔

(۲) احکام الجصاص ۳۸۶/۳، بدائع الصنائع ۵/۱۳۵، الفواکیر الدروانی ۳۲۶/۲۔

(۳) معنی المحتاج ۱۹۹/۳، طبع مصنفی البابی للجلس۔

(۴) بدائع الصنائع ۵/۱۲۲، المشرح الصغير ۳۸۶/۷۔

(۵) سورہ نور ۷۲۔

استأذن علي أمي؟ فقال: نعم، فقال: إنها معي في البيت، فقال رسول الله ﷺ: استأذن عليها، فقال الرجل: إني خادمها، فقال رسول الله ﷺ: استأذن عليها، أتحب أن تراها عريانة؟ قال: لا، قال: فاستأذن عليها“ (۱) (ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا: کیا میں اپنی ماں کے پاس آنے کے لئے اجازت طلب کروں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں، انہوں نے عرض کیا: وہ میرے ساتھ گھر میں رہتی ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اجازت لے لو، انہوں نے عرض کیا: میں ان کا خادم ہوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اجازت لے لو، کیا تمہیں یہ پسند ہے کہ اس کو برہنہ دیکھو؟ انہوں نے عرض کیا: نہیں، آپ ﷺ نے فرمایا: تو پھر اجازت لے لو)۔

آثار صحابہ بکثرت ہیں مثلاً ”طبرانی“ میں حضرت عبد اللہ بن مسعود کا قول مروی ہے: تم پر ضروری ہے کہ اپنی ماؤں اور اپنی بہنوں کے پاس آنے کے لئے اجازت لے لیا کرو (۲)۔

بصاص نے حضرت عطاء سے نقل کیا ہے کہ میں نے ابن عباس سے دریافت کیا: کیا میں اپنی بہن کے پاس آنے کے لئے اجازت لوں؟ انہوں نے فرمایا: ہاں، میں نے عرض کیا: وہ میرے ساتھ گھر میں رہتی ہے، اس کا مان نفقہ میرے ذمہ ہے؟ فرمایا: اجازت لے لیا کرو (۳)۔

کاسانی نے حضرت حذیفہ بن یمان کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ ان سے کسی نے دریافت کیا کہ کیا میں اپنی بہن کے پاس آنے کے

(۱) حدیث ۳۴۸۱ در جملہ... کی روایت امام مالک (الموطا باب الاستئذان ۲/۹۳ طبع البابی للجلس) نے کی ہے۔

(۲) تفسیر الطبری ۱۱۰/۱۸، طبع مصنفی البابی للجلس، احکام القرآن للجصاص ۳۸۶/۳۔

(۳) احکام الجصاص ۳۸۶/۳۔

استئذان ۸

نیز اس لئے کہ گھروں کا احترام ہے، لہذا اس احترام کو پامال کرنا جائز نہیں، اور اس لئے کہ استئذان صرف خاص طور پر رہنے والوں کے لئے نہیں، بلکہ ان کے اپنے لئے اور ان کے اموال دونوں کے لئے ہوتا ہے، اس لئے کہ انسان اپنی حفاظت کے لئے گھر بناتا ہے، اسی طرح اپنے اموال کی حفاظت اور پردہ کے لئے بھی بناتا ہے، اور جس طرح غیر کا کسی شخص کو جھانکنا مکروہ ہے، اسی طرح اس کے اموال کو جھانکنا بھی مکروہ ہے (۱)۔

دوسرے کا گھر اگر اپنے محارم میں سے کسی کا ہو، اور دروازہ کھلا ہو یا بند ہو، ان دونوں مسئلوں میں شافعیہ کے یہاں فرق ہے، چنانچہ وہ کہتے ہیں:

اگر دروازہ بند ہو تو اجازت طلب کئے بغیر اور اجازت ملے بغیر داخل نہیں ہوگا، اور اگر دروازہ کھلا ہو تو دو ”وجہیں“ ہیں، سب سے مناسب یہ ہے کہ اجازت طلب کی جائے (۲)۔

گھروں میں داخلہ کے لئے اجازت طلب کرنے کے وجوب سے یہ مواقع عمومی اجازت کی وجہ سے مستثنیٰ ہیں:

۸- اول: غیر رہائشی گھر جن میں لوگوں کے فائدہ کی کوئی چیز ہو ان میں بلا اجازت طلب کئے داخل ہونا جائز ہے، کیونکہ داخلہ کی عمومی اجازت موجود ہے، ایسے گھروں کی تعریف و تحدید مختلف فیہ ہے۔

قنادہ، مجاہد، ضحاک اور محمد بن حنفیہ نے کہا ہے: اس سے مراد وہ گھر ہیں جو راستوں پر بنے ہوتے ہیں جن میں مسافر آرام کرتے ہیں، اسی طرح سرائے۔

اور حسن بصری، ابراہیم نخعی، علیؓ اور شعبی نے کہا ہے: ان سے مراد بازار کی دکانیں ہیں، حضرت علیؓ بارش سے بچنے کے لئے بلا اجازت بازار میں ایک فارسی کے خیمہ کے نیچے چلے گئے تھے۔

(۱) بدائع الصنائع ۵/۱۳۳۔

(۲) مفتی الحق صاحب ۱۹۹ھ طبع مصنفی المہاجر لکھنؤ۔

حضرت ابن عمر سے مروی ہے کہ وہ بازار کی دکانوں میں جانے کے لئے اجازت لیتے تھے، اس کا تذکرہ جب عکرمہ کے سامنے ہوا تو انہوں نے فرمایا: حضرت ابن عمر جو کر لیتے تھے وہ کون کر سکتا ہے؟ بھلاص نے کہا ہے: حضرت ابن عمر کا یہ عمل اس بات کی دلیل نہیں کہ وہ دکانوں میں بلا اجازت آنا ممنوع سمجھتے تھے، یہ ان کی احتیاط تھی، ورنہ یہ ہر شخص کے لئے مباح ہے۔

عطاء نے کہا: ان سے مراد وہ ان گھر ہیں جن میں لوگ پیشاب پاخانہ کے لئے جاتے ہیں، اور محمد بن حنفیہ سے یہ بھی مروی ہے کہ ان سے مراد مکہ کے گھر ہیں (۱)، امام مالک نے محمد بن حنفیہ کے اس قول کی دلیل یہ بیان کی ہے کہ محمد بن حنفیہ کے یہاں مکہ کے گھر میں بلا اجازت داخل ہونا اس قول کی بنیاد پر ہے کہ مکہ کے گھر کسی کی ملکیت میں نہیں ہیں، لوگ ان میں شریک ہیں (۲)، اور جابر بن زید نے اسی کے تحت ہر اس جگہ کو رکھا ہے جس میں کوئی فائدہ ہو، اور اس میں آدمی کی کوئی ضرورت ہو (۳)۔

مالکیہ نے اس کی بنیاد ”عرف“ پر رکھی ہے، انہوں نے کہا ہے: ہر عمومی جگہ پر بلا اجازت آنا مباح ہے مثلاً مسجد، حمام، ہوٹل، عالم، قاضی اور ڈاکٹر کا وہ گھر جہاں وہ لوگوں سے ملتا ہے، کیونکہ اندر آنے کی عمومی اجازت ہوتی ہے (۴)۔

حنفیہ نے کہا ہے: گھروں میں اگر کوئی رہنے والا نہ ہو، اور انسان کا اس میں کوئی فائدہ ہو تو بغیر اجازت طلب کئے ان میں جانا جائز ہے، مثلاً سرائے و مسافر خانے جو مسافروں کے لئے ہوتے ہیں، اور

(۱) احکام الوصا ص ۳/۳۸۷، الطبری ۱۸/۱۱۳، القزطبی ۱۲/۲۲۱-۲۲۲، حمدۃ القاری شرح البخاری ۲۲/۱۳۱ طبع المیزان۔

(۲) تفسیر قرطبی ۱۲/۲۲۱۔

(۳) تفسیر قرطبی ۱۲/۲۲۱۔

(۴) الفواکد الدوائی ۲/۲۶۲، شرح الکافی ۲/۱۱۳۳، الشرح البصیر ۳/۶۲۔

وہ کھنڈرمکانات جن میں پیشاب پانسانہ کی ضرورت پوری کی جاتی ہے، اس لئے کہ فرمان باری ہے: ”لیس علیکم جناح ان تدخلوا بیوتاً غیر مسکونۃ فیہا متاع لکم“ (نہیں گناہ تم پر اس میں کہ جاؤ ان گھروں میں جہاں کوئی نہیں بستا ان میں کچھ چیز ہو تمہاری)۔ متاع سے مراد منفعت ہے (۱)۔

۹- دوم: اسی طرح وہ صورت بھی مستثنیٰ ہے جب کسی گھر میں داخل ہونے کے لئے اجازت طلب کرنے کو چھوڑنے میں کسی جان و مال کا تحفظ ہوتی کہ اجازت طلب کرے اور جواب کا انتظار کرے تو جان تلف ہو جائے اور مال ضائع ہو جائے، حنفیہ نے اس مسئلہ کی کئی ایک فروعات ذکر کی ہیں، دوسرے مذاہب کے قواعد حنفیہ کی اس رائے کے خلاف نہیں ہیں، البتہ حنابلہ نے اگر مال کے ضیاع کا اندیشہ ہو تو بھی بغیر اجازت طلب کئے اور جواب لئے بغیر گھر میں داخل ہونے کو ناجائز کہا ہے (۲)، مسئلہ کی بعض فروعات یہ ہیں:

اول: اگر گھر دشمن کے ٹھکانے سے لگا ہوا ہو اور وہاں سے دشمن سے جنگ کی جاسکتی ہو اور حملہ کر کے اس کو نقصان پہنچایا جاسکتا ہو تو بغیر اجازت طلب کئے اس گھر میں داخل ہونا جائز ہے، کیونکہ دشمن کے دفاع اور اس کو نقصان پہنچانے میں مسلمانوں کا جانی و مالی تحفظ ہے۔

دوم: اگر کسی کا کپڑا دوسرے کے گھر میں گر جائے اور بتانے کی صورت میں اندیشہ ہو کہ وہ لے لے گا تو کپڑے کو لینے کے لئے بلا اجازت داخل ہونا جائز ہے، اور مناسب یہ ہے کہ نیک لوگوں کو داخل ہونے کا مقصد بتا دے۔

سوم: اگر ”اچکا“ کپڑا اچک کر اپنے گھر میں گھس گیا تو اپنا حق

(۱) بدائع الصنائع ۵/۲۵۵، اور آیتہ سورۃ نور ۲۹۔

(۲) حاشیہ ابن عابدین ۵/۲۶۵، ۲۷۷، کنی الطالب ۳/۳۸۷ طبع المکتبۃ الاسلامیہ، نہایت المحتاج ۵/۳۱۵ طبع المکتبۃ الاسلامیہ، المغنی ۸/۳۲۵ طبع سوم المنار۔

لینے کے لئے داخلہ میں کوئی حرج نہیں ہے۔

چہارم: اگر کسی کے پانی بچنے کی جگہ دوسرے کے گھر میں ہو اور وہ اس کی اصلاح کرنا چاہتا ہو اور اس کے اندر اندر گزر ناممکن نہ ہو تو گھر والے سے کہا جائے گا کہ یا تو اس کو ٹھیک کرنے دو، یا خود ہی ٹھیک کر دو۔

پنجم: کسی کو کرایہ پر گھر حوالے کر دیا تو اس کی نگرانی اور مرمت کے لئے داخل ہو سکتا ہے، اگر چہ کرایہ دار اس کو اجازت نہ دے، یہ حنفیہ میں صاحبین کے نزدیک ہے، اور امام ابو حنفیہ سے مروی ہے کہ کرایہ دار کی رضامندی کے بغیر داخل نہیں ہو سکتا (۱)۔

۱۰- سوم: حنفیہ و مالکیہ نے کہا ہے کہ جس گھر میں کوئی غلط کام ہو رہا ہو اس کو ختم کرنے کے لئے بغیر اجازت لئے اس میں داخل ہونا جائز ہے۔ مثلاً کسی گھر سے گانے بجانے کی آواز آئے تو بلا اجازت داخل ہو سکتا ہے، انہوں نے اس کی دو وجوہات بتائی ہیں:

اول یہ کہ جب گھر کو منکر (غلط کام) کے لئے استعمال کیا جاتا ہے تو اس کا احترام ختم ہو گیا، اور جب احترام ختم ہو گیا تو اس میں بغیر اجازت لئے داخل ہو سکتا ہے، دوم یہ کہ تغیر منکر (غلط کام کو ختم کرنا) فرض ہے، اگر اجازت کی شرط لگائی جائے تو تغیر منکر دشوار ہوگی (۲)۔

شافعیہ کے یہاں بمقابلہ حنفیہ اس مسئلہ کی کچھ زیادہ ہی تفصیل ہے، چنانچہ انہوں نے کہا ہے: اگر منکر (غلط کام) کا ازالہ نہ ہونے کا اندیشہ ہو تو اس منکر کو ختم کرنے کے لئے بغیر اجازت طلب کئے داخل ہونا جائز ہے، مثلاً اگر کوئی معتبر آدمی اطلاع دے کہ ایک شخص دوسرے کے پاس تنہائی کے حال میں اس کو قتل کرنے کے لئے گیا

(۱) حاشیہ ابن عابدین ۵/۲۶۵، ۱۲۷۔

(۲) حاشیہ ابن عابدین ۳/۱۸۰-۱۸۱، جوہر الاکلیل ۱/۲۵۱ طبع عباس شمعون مصر۔

اندیشہ ہوتا ہے ان اوقات میں داخل ہونے سے قبل ان کو اجازت طلب کرنے کا حکم دینا ضروری ہے، کیونکہ لوگ عادتاً ان اوقات میں ہلکا پھلکا لباس پہنتے ہیں۔

ان تین اوقات کے علاوہ میں اجازت نہ لینے میں اس کے لئے کوئی حرج نہیں ہے، کیونکہ ہر بار آنے جانے کے لئے اجازت لینے میں پریشانی ہوگی، اور بچہ بکثرت آتا جاتا ہے اس لئے کہ وہ کثرت سے پھرتے رہنے والوں میں ہے، فرمان باری ہے: "يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لِيَسْتَأْذِنَكُمْ الَّذِينَ مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ وَالَّذِينَ لَمْ يَبْلُغُوا الْحُلُمَ مِنْكُمْ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ مِّن قَبْلِ صَلَاةِ الْفَجْرِ وَحِينَ تَضَعُونَ ثِيَابَكُمْ مِنَ الظَّهِيرَةِ وَمِن بَعْدِ صَلَاةِ الْعِشَاءِ ثَلَاثُ عَوْرَاتٍ لَّكُمْ، لَيْسَ عَلَيْكُمْ وَلَا عَلَيْهِمْ جُنَاحٌ بَعْدَهُنَّ طَوَافُونَ عَلَيْكُمْ بَعْضُكُمْ عَلَى بَعْضٍ كَذَلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمْ الْآيَاتِ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ (۱)" (اے ایمان والو! تمہارے مملوکوں کو اور تم میں جو حد بلوغ کو نہیں پہنچے ان کو تین وقتوں میں اجازت لینا چاہئے، نماز صبح سے پہلے اور جب دوپہر کو کپڑے اتار دیا کرتے ہو اور نماز عشاء کے بعد، یہ تین وقت تمہارے پردہ کے ہیں، ان اوقات کے سوائہ تم پر کوئی حرج ہے اور نہ ان پر کچھ لازم ہے، وہ بکثرت تمہارے پاس آتے جاتے رہتے ہیں، کوئی کسی کے پاس اور کوئی کسی کے پاس، اسی طرح اللہ تعالیٰ تم سے احکام صاف صاف بیان کرتا ہے اور اللہ جانے والا حکمت والا ہے۔)

ابو قلابہ کی رائے یہ ہے کہ ان تینوں اوقات میں ان لوگوں کے لئے اجازت لینا مندوب ہے، واجب نہیں، وہ کہا کرتے تھے کہ ان کو

ہے، یا کسی عورت کے پاس تنہائی میں زنا کاری کے لئے گیا ہے تو اس صورت میں اس کی ٹوہ میں لگ سکتا ہے، اور بحث و گفتیش کر سکتا ہے، تاکہ ناقابل تنافی امر مثلاً معصوم کی جان لینا، آبروریزی اور ممنوع امر کے ارتکاب سے بچا جاسکے۔

اور اگر غلط کام کی تنافی کی گنجائش ہو مثلاً کسی عورت کے پاس تنہائی میں گھر میں جائے تاکہ اس کے ساتھ زنا کی اجرت طے کرے، پھر وہاں سے دونوں نکل کر دوسرے گھر میں جائیں اور وہاں زنا کریں، یا گھر میں داخل ہوئے بغیر اس منکر پر انکار اور اس کا خاتمہ ممکن ہو تو گھر میں بلا اجازت لئے داخل ہونا حلال نہیں، اسی طرح مثلاً احتساب کا ذمہ دار کسی گھر سے غلط کاموں کی آواز سنے اور گھر والوں کی آوازیں بھی خوب بلند ہوں تو گھر سے باہر ہی ان پر نکیر کرے گا، گھر میں داخل نہ ہوگا، اس لئے کہ منکر ظاہر ہے، اور اس کے علاوہ کی کھود کرید کرنا اس کا حق نہیں ہے (۱)۔

ب- اجازت لینے والا شخص:

۱۱- داخل ہونے کا ارادہ کرنے والا یا تو غیر ذی شعور بچہ ہوگا یا باشعور بچہ یا بڑا ہوگا، یہاں شعور سے مراد یہ ہے کہ وہ پوشیدہ اعضاء کا وصف بیان کرنے کی صلاحیت رکھتا ہو (۲)۔

بڑے شخص کے لئے اجازت لئے اور اجازت ملے بغیر داخل ہونا حلال نہیں۔

۱۲- ذی شعور بچہ کے بارے میں جمہور (عبداللہ بن عباس، عبداللہ بن مسعود، عطاء بن ابی رباح، طاؤس بن کیسان، حنفیہ اور مالکیہ وغیرہ) کی رائے یہ ہے کہ تین اوقات جن میں مقامات ستر کھلنے کا

(۱) سورہ نور / ۵۸، دیکھئے: بدائع الصنائع ۵/ ۱۲۵، احکام ابن العربی ۵/ ۱۳۸، الفواکیر الدواری ۲/ ۲۶۶، تفسیر القرطبی ۱۲/ ۳۰۳، تفسیر الطبری ۱۱/ ۱۸۔

(۱) حاشیہ قلیوبی ۳/ ۳۳ طبع عیسیٰ المہابی الجلیسی، معالم القرینہ فی احکام الجسید لابن الخوام ۳/ ۳۸، طبع مکتبہ دار الفنون ۷/ ۱۹۳۔
(۲) بدائع الصنائع ۵/ ۱۲۵۔

اس کا حکم انہیں کی رعایت میں دیا گیا ہے (۱)۔

ج- اجازت لینے کے الفاظ:

۱۳- اصل یہ ہے کہ استنذان (اجازت کا طلب کرنا) لفظوں میں ہو اور کبھی اس کی جگہ دوسری چیزیں بھی کام کرتی ہیں، استنذان (اجازت لینے) کے لئے بہترین لفظ یہ ہے کہ اجازت لینے والا کہے: ”السلام علیکم“ (آپ پر سلامتی ہو) کیا میں اندر آ سکتا ہوں؟“ (۲)، پہلے سلام کرے پھر اجازت لے، اس لئے کہ حضرت ربیع بن خراش کی روایت میں ہے: ”جاء رجل من بنی عامر فاستأذن علی رسول اللہ ﷺ وهو فی بیت فقال: أألج؟ فقال رسول اللہ ﷺ لخادمه: اخرج إلی هذا، فعلمه الاستنذان فقل له: قل: السلام علیکم أ أدخل؟ فسمع الرجل ذلك من رسول اللہ ﷺ فقال: السلام علیکم أ أدخل؟ فأذن له رسول اللہ ﷺ، فدخل“ (۳) (بنی عامر کا ایک شخص آیا، حضور ﷺ گھر میں تشریف فرما تھے، اس نے اجازت لینے ہوئے کہا: کیا میں اندر آ جاؤں؟ آپ ﷺ نے خادم سے فرمایا: باہر جا کر اسے اجازت لینے کا طریقہ سکھاؤ، اور اس سے کہو کہ یہ کہے: السلام علیکم کیا میں داخل ہو جاؤں؟ اس شخص نے رسول اللہ ﷺ کی یہ بات سن لی تو کہا: السلام علیکم کیا میں داخل ہو جاؤں؟ آپ ﷺ نے اس کو اجازت دے دی اور وہ اندر آ گیا)۔

بعض مالکیہ جن میں ابن رشد بھی ہیں انہوں نے کہا ہے: ابتداء

اجازت لینے سے کرے نہ کہ سلام سے، سلام بعد میں کرے گا (۱)۔
۱۴- زبانی استنذان کے قائم مقام دروازہ پر دستک دینا ہو سکتا ہے، دروازہ کھلا ہو یا بند (۲)، اس لئے کہ بخاری و غیرہ میں حضرت جابر بن عبد اللہ کی روایت ہے: ”أتیت رسول اللہ ﷺ فی أمر دین کان علی أبی، فدفقت الباب فقال: ”من ذا؟“ فقلت: أنا، فخرج وهو یقول: ”أنا، أنا“ کانہ کرہہ“ (۳) (میں رسول اللہ ﷺ کے پاس اس قرضہ کے سلسلہ میں آیا جو میرے والد پر تھا، دروازہ کھٹکھٹایا، آپ ﷺ نے (اندر سے) پوچھا: کون ہے؟ میں نے کہا: میں ہوں، آپ یہ کہتے ہوئے نکلے: میں ہوں، میں ہوں (یعنی نام کیوں نہیں لیتے) کو یا آپ نے اس کو ناپسند کیا)۔

اسی طرح کھٹکھٹانا بھی اس کے قائم مقام ہو سکتا ہے (۴)۔
حدیث کے ان منقول الفاظ کے قائم مقام استنذان کے وہ تمام الفاظ ہو سکتے ہیں جن سے لوگ متعارف ہوں، اس لئے کہ ابو بکر خطیب نے سند کے ساتھ ام مسکین بنت عاصم بن عمر بن خطاب کے غلام ابو عبد الملک سے نقل کیا ہے، انہوں نے کہا کہ مجھے میری مالکہ نے حضرت ابو ہریرہ کے پاس بھیجا، وہ میرے ساتھ آئے جب دروازے پر کھڑے ہوئے تو فرمایا: ”اندر؟“ (آ سکتا ہوں) انہوں نے کہا: ”اندر“ (آ جائیں) (۵)۔

(۱) الفواکیر الدوائی ۲/۳۷۲، اشراح الصغیر ۳/۶۲۔

(۲) شرح الکافی ۲/۱۱۳۳، اشراح الصغیر ۳/۶۳، تفسیر قرطبی ۱۲/۲۱۷۔

(۳) حدیث ”أتیت رسول اللہ ﷺ...“ کی روایت بخاری (کتاب الاستنذان: باب

إذا قال: من ذا قال: أنا)، مسلم (کتاب الأدب: باب کرہیہ قول المستأذن:

أنا)، ابوداؤد (کتاب الأدب) اور ترمذی (کتاب الاستنذان) نے کی ہے۔

(۴) الفواکیر الدوائی ۲/۳۷۲، اشراح الصغیر ۳/۶۲، شرح الکافی ۲/۱۱۳۳،

أحكام الجصاص ۳/۳۸۳۔

(۵) تفسیر قرطبی ۱۲/۲۱۸۔ فارسی لفظ ”اندر“ اجازت لینے کے لئے آتا ہے، اور

”اندر“ اجازت دینے کے لئے آتا ہے۔

(۱) القرطبی ۲/۳۰۲۔

(۲) الفواکیر الدوائی ۲/۳۷۲، اشراح الصغیر ۳/۶۲، شرح الکافی ۲/۱۱۳۳،

تفسیر قرطبی ۱۲/۲۱۵، حاشیہ ابن ماجہ ۵/۲۶۵۔

(۳) حدیث ”جاء رجل...“ کی روایت ابوداؤد نے اپنی سنن: کتاب الأدب:

باب الاستنذان میں کی ہے۔

لیکن مالکیہ نے ذکر خداوندی کے الفاظ کے ذریعہ اجازت لینے کو مکروہ کہا ہے کیونکہ اس میں اللہ کے نام کو اجازت کا ذریعہ بنانا ہے، الفواک الدوائی میں کہا ہے: یہ جو کچھ لوگ استئذان میں سبحان اللہ اور لا الہ الا اللہ کہتے ہیں یہ بدعت مذمومہ ہے، اللہ کا نام مبارک استئذان میں استعمال کرنے میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ گستاخی ہے (۱)۔

و- اجازت طلب کرنے کے آداب:

۱۵- اگر کسی سے اجازت طلب کرے، اور یہ یقین ہو جائے کہ اس نے اس کی آواز نہیں سنی تو دوبارہ اجازت طلب کر سکتا ہے تا آنکہ وہ سن لے۔

اور اگر اجازت طلب کرے اور گمان یہ ہے کہ اس نے نہیں سنا تو جمہور کے نزدیک سنت طریقہ یہ ہے کہ تین بارے سے زیادہ اجازت طلب نہ کرے۔

امام مالک نے کہا ہے: تین بار سے زیادہ بھی کر سکتا ہے تا آنکہ اس کے سن لینے کا یقین ہو جائے (۲)۔

نوی نے ایک تیسرا قول نقل کیا ہے: اگر مشروع الفاظ سلام کے ذریعہ اجازت طلب کی گئی تو دوبارہ نہیں کرے گا، اور اگر اس کے علاوہ کسی لفظ سے ہو تو دوبارہ کرے گا (۳)۔

اس کی دلیل بخاری و مسلم وغیرہ میں حضرت ابوسعید خدری وغیرہ کی روایت ہے، حضرت ابوسعید کہتے ہیں کہ میں انصار کی ایک مجلس میں تھا کہ ابوموسیٰ اشعری سہمے سہمے آئے اور کہا: میں حضرت عمر کے پاس گیا تھا، تین بار اجازت مانگی، مگر اجازت نہیں ملی، آخر میں لوٹ

گیا، حضرت عمر نے مجھ سے پوچھا: تم کو آنے سے کس چیز نے روکا؟ میں نے کہا: میں نے تین بار اجازت مانگی، مگر اجازت نہیں ملی اس لئے لوٹ گیا، اور حضور ﷺ نے فرمایا ہے: ”إذا استأذن أحدكم ثلاثاً فلم يؤذن له فليرجع“ (جب تم میں کوئی تین بار اجازت مانگے اور اس کو اجازت نہ ملے تو لوٹ جائے) حضرت عمر نے اس حدیث کو سن کر کہا: خدا کی قسم تجھ کو اس حدیث پر کوئی گواہ پیش کرنا ہوگا، تو کیا تم لوگوں میں سے بھی کسی نے یہ حدیث حضور ﷺ سے سنی ہے؟ اس وقت ابی بن کعب کہنے لگے: خدا کی قسم ابوموسیٰ کے ساتھ ہم میں سے وہ جائے جو سب لوگوں سے چھوٹا (کم عمر) ہو۔ ابوسعید کہتے ہیں کہ میں ہی سب لوگوں سے چھوٹا تھا، میں ان کے ساتھ گیا، اور حضرت عمر کو خبر کر دی کہ واقعی حضور ﷺ نے ایسا فرمایا ہے (۱)۔

۱۶- دوبارہ اجازت طلب کرنے کے درمیان کتنی دیر انتظار کرے گا اس کی تفصیل صرف حنفیہ نے کی ہے، انہوں نے کہا ہے: ہر بار استئذان کے بعد اتنی دیر انتظار کرے کہ کھانا کھانے والا، وضو کرنے والا، اور چار رکعات پڑھنے والا فارغ ہو جائے (۲)۔

ایسا اس لئے ہے تاکہ اگر کوئی اس طرح کا کام کر رہا ہے تو اس سے فارغ ہو جائے، اور اگر ایسے کسی کام میں نہ ہو تو اس کو تیاری کے لئے موقع مل جائے، اور وہ خود کو آنے والے سے ملنے سے قبل ٹھیک ٹھاک کر لے۔

بصاص نے اس سلسلہ میں اپنی سند سے فیضان نبوی ذکر کیا ہے:

(۱) حدیث ”إذا استأذن...“ کی روایت بخاری نے کتاب الاستئذان: باب المسلم والاستئذان ثلاثاً میں، اور مسلم نے کتاب الآداب: باب الاستئذان میں کی ہے نیز امام مالک، ترمذی اور ابوداؤد نے کتاب الاستئذان میں مختلف الفاظ کے ساتھ اس کی روایت کی ہے۔
(۲) حاشیہ ابن عابدین ۲۶۵/۵۔

(۱) الفواک الدوائی ۲/۲۷۔
(۲) عمدة القاری علی صحیح البخاری ۲۲/۲۳۱، المشرح الصغير ۳/۶۲، شرح الکافی ۲/۱۳۲، التفسیر قرطبی ۱۲/۲۱۳، حاشیہ ابن عابدین ۲۶۵/۵۔
(۳) شرح النووی مع مسلم ۱۳/۱۳۱، طبع المطبعة المعاصرة۔

”الاستئذان ثلاث، فالأولى يستنصتون، والثانية يستصلحون، والثالثة يأذنون أو يرددون“ (۱) (استئذان (اجازت کا طلب کرنا) تین بار ہے: پہلی بار گھر والے (ایک دوسرے کو) خاموش کراتے ہیں، اور دوسری بار انتظام کرتے ہیں، اور تیسری بار میں اجازت دیتے ہیں، یا لونا دیتے ہیں)۔

اگر اجازت کا طلب کرنا آواز کے ذریعہ ہو تو آواز اتنی بلند ہونی چاہئے کہ اندر والا سن لے، لیکن چیخنا نہیں چاہئے، اور اگر دروازہ کھٹکھا کر اجازت لی جائے تو آہستہ کھٹکھٹائے کہ اندر والا سن لے، بہت زور سے نہیں (۲)، اس لئے کہ حضرت انس ابن مالکؓ کی روایت میں ہے کہ حضور ﷺ کے دروازوں کو ناخنوں سے کھٹکھٹایا جاتا تھا (۳)۔

۱۷- اجازت لینے کے لئے دروازے کے بالکل سامنے کھڑا نہ ہو اگر دروازہ کھلا ہو، بلکہ دائیں بائیں ہٹ کر کھڑا ہو (۴)۔ سنت طریقہ یہی ہے، اور حضور ﷺ نمونہ عمل ہیں۔ چنانچہ عبد اللہ بن بسر کی روایت میں ہے کہ حضور ﷺ جب کسی کے دروازے پر آتے تو بالکل سامنے کھڑے نہ ہوتے، بلکہ اس کے دائیں یا بائیں کونے پر کھڑے ہو کر فرماتے: ”السلام علیکم، السلام علیکم“۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس وقت دروازوں پر پردے نہیں ہوتے تھے (۵)۔

یہی حضور ﷺ کی ہدایت بھی ہے، چنانچہ ہزیریل بن شریبیل کی روایت میں ہے کہ ایک شخص آئے اور حضور ﷺ کے دروازے پر

(۱) احکام الجصاص ۳/۳۸۲، بدائع الصنائع ۵/۱۲۳، ۱۲۵۔

(۲) تفسیر قرطبی ۱۲/۲۱۷۔

(۳) مجمع الزوائد میں ہے اس کو بخاری نے روایت کیا ہے، اس میں ایک روایت ”ضرار بن مرد“ ہے جو ضعیف ہے (۲۳/۸۸ طبع مکتبہ القدسی)۔

(۴) احکام القرآن للجصاص ۳/۸۳، تفسیر قرطبی ۱۲/۲۱۶۔

(۵) اس حدیث کی روایت ابو داؤد نے کتاب الادب: باب کم مرة یسلم الرجل فی الاستئذان میں کی ہے۔

اجازت لینے کے لئے کھڑے ہوئے تو بالکل دروازے پر کھڑے ہو گئے (ایک روایت میں ہے: دروازے کے سامنے کھڑے ہو گئے) تو حضور ﷺ نے ان سے فرمایا: ”ہکذا عنک أو ہکذا، فإنما الاستئذان من النظر“ (۱) (اھر ہٹ جاؤ یا اھر ہٹ جاؤ، اس لئے کہ اجازت طلب کرنے کا حکم نظر پرانے ہی کی وجہ سے ہے)۔

اور اگر دروازہ بند ہو تو جہاں چاہے کھڑے ہو کر اجازت لے سکتا ہے، اور اگر چاہے تو دروازہ پر دستک دے (۲)۔

۱۸- اجازت لینے والے کے لئے گھر کے اندر نظر ڈالنا حلال نہیں، اس لئے کہ گھروں کا احترام ہے اور سابقہ حدیث: ”إنما الاستئذان من النظر“ اس کی دلیل ہے (۳)۔

مروی ہے کہ حضرت حذیفہ بن یمان کا ایک پڑوسی دروازہ پر کھڑے ہو کر اندر دیکھنے لگا اور زبان سے کہہ رہا تھا: السلام علیکم، اندر آ جاؤں؟ حضرت حذیفہ نے فرمایا: اپنی آنکھ سے تو اندر آ چکے ہو، ہاں اپنی سرین سے داخل نہیں ہوئے (۴)۔

اگر اجازت لینے والے نے اندر نظر ڈال دی، اور گھر والے نے اس کی آنکھ کو کوئی نقصان پہنچا دیا تو کیا ضامن ہوگا؟ اس مسئلہ میں اختلاف و تفصیل ہے جو اصطلاح: ”جنایت“ میں ملے گی۔

اگر کوئی اجازت لے اور گھر والا پوچھے: دروازے پر کون ہے؟ تو نام بتانا ضروری ہے، اور یہ کہے: فلاں شخص ہے، یا کہے: فلاں شخص اندر آ سکتا ہے؟ وغیرہ وغیرہ، یہ نہ کہے کہ: ”میں“، اس لئے کہ ”میں“

(۱) اس حدیث کی روایت ابو داؤد نے کتاب الادب: باب الاستئذان میں کی ہے۔

(۲) تفسیر قرطبی ۱۲/۲۱۶۔

(۳) شرح النووی ص ۱۳/۱۳۸۔

(۴) تفسیر قرطبی ۱۲/۲۱۸۔

کہنے سے کوئی فائدہ یا مزید وضاحت نہیں ہوتی بلکہ وہم باقی رہتا ہے (۱)، جیسا کہ حضرت جابر کی سابقہ حدیث میں ہے۔

اگر اجازت ملے اور اجازت مل جائے تو اندر چلا جائے، اور اگر اجازت نہ ملے تو لوٹ جائے اور اجازت لینے پر اصرار نہ کرے، اور کوئی بری بات زبان سے نہ نکالے، دروازے پر انتظار میں نہ بیٹھے، اس لئے کہ گھر کے اندر لوگوں کے مختلف کام کاج اور ضروریات ہوتی ہیں، دروازے پر بیٹھ کر انتظار کرنے میں ان کو تنگی محسوس ہوگی، قلبی سکون باقی نہ رہے گا، اور ہو سکتا ہے کہ ان کی ضرورت پوری نہ ہو اس لئے لوٹ جائے اس کے لئے بہتر ہے، اس کی دلیل یفرمان باری ہے: ”وَإِنْ قِيلَ لَكُمْ اَرْجِعُوا فَاَرْجِعُوا هُوَ اَزْكَىٰ لَكُمْ“ (۲) (اگر تم کو جواب ملے کہ پھر جاؤ، تو پھر جاؤ اس میں خوب ستھرائی ہے تمہارے لئے)۔

کھانا، یا تصرف میں لانا حرام ہے، اس معاملہ میں دودھ اور دوسری چیزوں میں کوئی فرق نہیں ہے (۱)۔

بسا اوقات مالک اپنی ملکیت یا حق میں تصرف کی اجازت بغیر اجازت طلب کئے اپنی طرف سے از خود دے دیتا ہے، مثلاً اپنے اجیر سے کہہ دے کہ جو کھانے کی چیزیں تم ہمارے ہوان میں سے کھا سکتے ہو لیکن اٹھا کر لے نہیں جاسکتے، اور اس صورت میں اجازت لینے کی ضرورت نہیں، اس لئے کہ مقصود (اجازت) حاصل ہے۔

اور کبھی اجازت نہیں دیتا، اور اس صورت میں اگر کوئی دوسرے کی ملکیت میں تصرف کرنا چاہے تو اس کے لئے اجازت لینے ضروری ہے، دیکھئے اصطلاح: ”اذن“۔

دوسرے کی ملکیت یا حق میں تصرف کی چند شکلیں یہ ہیں:

الف- ممنوعہ املاک میں داخل ہونے کے لئے اجازت لینا: ۲۰- کسی کے لئے جائز نہیں کہ دوسرے کی ملکیت (خواہ گھر ہو یا چہار دیواری والا باغ یا کچھ اور) اس میں اس کی اجازت کے بغیر داخل ہو (۲)۔ گھروں میں داخل ہونے کے لئے اجازت طلب کرنے کے بارے میں گفتگو تفصیل سے گزر چکی ہے۔

ب- شوہر کے گھر میں دوسرے کو داخل کرنے کے لئے عورت کا اجازت لینا:

۲۱- عورت اگر گھر میں ایسے شخص کو داخل کرنا چاہتی ہے جس کے بارے میں معلوم ہے کہ اس کا شوہر اس کا آنا پسند نہیں کرتا، تو عورت کے لئے ضروری ہے کہ شوہر سے اجازت ملے، یہ اتفاقی مسئلہ ہے،

دوم
دوسرے کی ملکیت یا حق میں تصرف کے لئے اجازت لینا: ۱۹- اصل یہ ہے کہ کسی آدمی کے لئے دوسرے کی ملکیت یا اس کے حق میں شریعت یا صاحب حق کی اجازت کے بغیر تصرف کرنا جائز نہیں، اگر اجازت مل جائے تو زیادتی نہیں ہوگی، لہذا دوسرے کا کھانا مالک کی اجازت کے بغیر اور غیر مجبوری کی حالت میں کھانا جائز نہیں، اور دوسرے کے گھر میں اس کی اجازت کے بغیر ہائش اختیار کرنا جائز نہیں، اس کی دلیل یہ حدیث ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: ”لَا يَحِلُّ لِحَدٍّ مَّا شِئَ غَيْرُهُ إِلَّا بِإِذْنِهِ“ (کوئی بھی دوسرے کے جانور کا دودھ اس کی اجازت کے بغیر نہ دے)۔ اس لئے کہ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ دوسرے کے مال کو بلا اجازت لینا،

(۱) شرح النووی صحیح مسلم ۱۳/۱۳۵، حاشیہ ابن ماجہ ۵/۲۶۵، لشرح الصغیر ۶۲/۴، تفسیر قرطبی ۱۲/۲۱۷۔

(۲) سورہ نور ۲۸، دیکھئے بدائع الصنائع ۵/۱۲۵، لشرح الصغیر ۴۳/۶۲۔

(۱) شرح النووی صحیح مسلم ۱۲/۲۹، طبع المطبعة المصریہ۔

(۲) الفتاویٰ الہندیہ ۵/۳۷۳-۳۷۴، حاشیہ ابن ماجہ ۵/۲۵۵، الانصاف ۲۹۱۔

اس لئے کہ فرمان نبوی ہے: ”ولا تأذن فی بیتہ إلا بإذنه“ (۱)
(اور وہ (عورت) اپنے شوہر کے گھر میں اس کی اجازت کے بغیر کسی
کو آنے کی اجازت نہ دے)، اس سے صرف انطاری حالات مستثنیٰ
ہیں۔

بخاری بخاری عینی نے کہا ہے: ہاں اگر ضرورت کے وقت داخل
ہونے کا تقاضا ہو مثلاً کسی کو جس گھر میں وہ ہے اس سے متصل کسی جگہ
میں داخل ہونے کی اجازت دینا، یا ایسے گھر میں داخل ہونے کی
اجازت دینا جو اس کی رہائش گاہ سے الگ ہے، یا مہمانوں کے کمرہ
میں داخل ہونے کی اجازت دینا، تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے، اس
لئے کہ ضرورتیں شرعی طور پر مستثنیٰ ہیں (۲)۔

ج۔ باغ کا پھل کھانے اور جانور کا دودھ پینے کے لئے
اجازت لینا:

۲۲۔ کسی کے لئے جائز نہیں کہ اجازت کے بغیر دوسرے کے
جانور کا دودھ دے، یا اس کے باغ کا پھل کھائے، عمومی طور پر
حنفی، مالکیہ اور شافعیہ کے یہاں یہی حکم ہے (۳)۔ اس لئے کہ
بخاری و مسلم وغیرہ میں حضرت عبداللہ بن عمر کی روایت ہے کہ رسول
پاک ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”لا یحلبن أحد ماشیة امرئ
بغیر إذنه، أحب أحدکم أن تؤتی مشربته فتکسر
خزائنه فینتقل طعامه، فإنما تخزن لهم ضرورع مواشیهم

أطعماتهم، فلا یحلبن أحد ماشیة أحد إلا بإذنه“ (۱)
(کوئی دوسرے کے جانور کا دودھ اس کی اجازت کے بغیر نہ دے،
کیا تم میں کوئی اس بات کو پسند کرے گا کہ کوئی اس کے گودام میں
آکر اس کے غلہ کا کوٹھا توڑ دے، اور غلہ لے کر چل دے، ایسی ہی
جانوروں کے تھن ان کے کھانے کے (کوٹھے) ہیں کہ وہ ان کے
کھانے (کوٹھوں) پر رکھتے ہیں تو کسی کے جانور کا دودھ اس کی اجازت
کے بغیر نہ دے)۔

بعض حضرات مثلاً امام احمد بن حنبل اور اسحاق بن راہویہ کہتے
ہیں کہ بغیر اجازت باغ کا پھل کھانا، اور جانور کا دودھ نکالنا جائز ہے
اگرچہ اس کے مالک کی حالت معلوم نہ ہو، اس لئے کہ سنن ابوداؤد
میں حضرت سمرہ بن جندب کی روایت ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد
فرمایا: ”إذا أتى أحدکم علی ماشیة، فإن کان فیہا صاحبها
فلیستأذنه فإن أذن له فلیحلب ولیشرب، وإن لم یکن
فیہا فلیصوت ثلاثا، فإن أجاب فلیستأذنه، وإلا فلیتحلب
ولیشرب ولا یحمل“ (۲) (اگر تم میں سے کوئی جانوروں کے
پاس آئے، اور ان کا مالک موجود ہو تو اس سے اجازت لے لے، اگر
اجازت دے دے تو دودھ نکال کر پی لے، اگر مالک موجود نہ ہو تو
تین بار آواز لگائے، اگر جواب ملے تو اجازت لے لے، ورنہ دودھ
دوہ کر پی لے اور اٹھا کر نہ لے جائے)۔

و۔ عورت کا اپنے شوہر سے اس کے مال سے صدقہ کرنے
کے لئے اجازت لینا:

۲۳۔ شوہر کی ملکیت میں عورت کا جو طے شدہ حق ہے مثلاً کھانا، پیما،
(۱) اس حدیث کو بخاری (فتح المباری ۵/۸۸) اور مسلم (۳/۵۲) طبع عیسیٰ
الجلسی (دونوں نے کتاب النکاح میں روایت کیا ہے)
(۲) عمدة القاری ۱۲/۲۸، شرح النووی الصحیح مسلم ۱۲/۲۹، عون المعبود
۳/۳۳۳۔

(۱) اس حدیث کو بخاری نے کتاب النکاح باب لا تأذن المرأة فی بیت
زوجها لأحد إلا بإذنه میں، مسلم نے کتاب النکاح میں، ترمذی نے کتاب
الآداب میں، اور نسائی نے کتاب اہوم میں روایت کیا ہے۔
(۲) عمدة القاری ۱۸۶/۲۹ طبع المنار۔
(۳) عمدة القاری ۱۲/۲۸، شرح النووی الصحیح مسلم ۱۲/۲۹، عون المعبود
۳/۳۳۳ طبع ہندوستان۔

عادت کے موافق لباس، ان میں وہ شوہر سے اجازت نہیں لے گی، ان میں کسی کا اختلاف معلوم نہیں ہوتا، اس لئے کہ حضرت ہند بنت عتبہ کی روایت میں ہے کہ انہوں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! ابوسفیان بخیل آدمی ہیں، مجھے اتنا خرچ نہیں دیتے جو مجھ کو اور میرے بچوں کو کافی ہو، مگر یہ کہ ان مال میں سے کچھ لے لوں اور ان کو خبر نہ ہو، حضور ﷺ نے فرمایا: ”خذی ما یکفیک وولدک بالمعروف“ (۱) (تو ان کے مال سے خیر خواہی کے جذبہ کے ساتھ لے لے، جتنا تجھ کو اور تیرے بچوں کو کافی ہو)۔

اسی طرح معمولی چیز جس میں لوگ درگزر کرتے ہیں، اس کے صدقہ کرنے میں اجازت نہیں لے گی، مثلاً درہم اور روٹی وغیرہ، بشرطیکہ شوہر کی طرف سے ممانعت نہ ہو (۲)۔ اس لئے کہ صحیحین میں حضرت اسماء بنت ابوبکر صدیق کی روایت ہے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں آئیں اور عرض کیا: اے اللہ کے رسول! میرے پاس تو کچھ نہیں مگر جو زیر مجھے دیتے ہیں تو کیا مجھے گناہ ہوگا، اگر میں اس میں سے کچھ صدقہ کروں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ”ارضخی ولا توعی فیوعی علیک“ (۳) (جتنا تم دے سکو دو، اور سینت سینت کر نہ رکھو، ورنہ اللہ بھی تم سے سینت کر رکھے گا)، اور حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”ما أنفقت المرأة من بیت زوجها غیر مفسدة کان لها

أجرها وله مثله، ولها بما أنفقت وللخازن مثل ذلك، من غیر أن ینقص من أجورهم شیء“ (۱) (عورت اپنے شوہر کے گھر سے جو بھی خرچ کرے گی بشرطیکہ اس کے مال کو تباہ نہ کرے تو اس کو اجر ملے گا، اور اسی طرح اس کے شوہر کو ملے گا، اور عورت کو خرچ کرنے کے بدلہ ثواب ہے اور خازن (خزانچی) کے لئے بھی اسی کے مثل ثواب ہے، کسی کے اجر میں کوئی کمی نہیں کی جائے گی)۔

ایک قول یہ ہے کہ شوہر کی اجازت کے بغیر عورت کے لئے اس کے مال میں سے صدقہ کرنا جائز نہیں (۲)، اس لئے کہ حضرت ابو امامہ باہلی کی روایت میں ہے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: ”لا تنفق المرأة شیئا من بیتها إلا بإذن زوجها، قيل: یا رسول الله ولا الطعام؟ قال: ذلک افضل أموالنا“ (۳) (عورت اپنے گھر سے شوہر کی اجازت کے بغیر کچھ خرچ نہ کرے، دریافت کیا گیا، غلہ بھی نہیں؟ آپ نے فرمایا: یہ تو ہمارے افضل ترین اموال میں سے ہے)، نیز فرمان نبوی ہے: ”لا یحل مال امرئ مسلم إلا عن طیب نفس منه“ (۴) (کسی مسلمان کا مال اس کی خوش دلی کے بغیر حلال نہیں)، ابن قدامہ نے المغنی میں

(۱) اس کی روایت بخاری نے حضرت ما کثر فی اللہ عنہا سے کی ہے وہ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”إذا صدقت المرأة من طعام زوجها غیر مفسدة کان لها أجرها وله زوجها بما کسب وللخازن مثل ذلک“ (جب عورت اپنے شوہر کے غلہ میں سے صدقہ کرتی ہے بشرطیکہ اس کو برباد نہ کرے تو اسے اس کا اجر ملتا ہے اور شوہر کو کمائی کا اجر ملتا ہے اور خازن کو بھی اس کے مثل ملتا ہے) (بخاری ۱۱۹/۳، کتاب الزکاۃ، باب نمبر ۲۵ طبع استنبول)۔

(۲) المغنی ۵۱۵-۵۱۶، نیل الاوطار ۱۶/۶ طبع المطبعة العثمانیہ المصریہ۔
(۳) حدیث: ”لا تنفق...“ کی روایت ترمذی نے حضرت ابو امامہ باہلی سے مرفوعاً کی ہے اور کتبہ حدیث حسن ہے (۵۷/۳ طبع استنبول، کتاب الزکاۃ، باب نمبر ۳۲، فی نفقہ المرأة من بیت زوجها)۔
(۴) حدیث: ”لا یحل مال امرئ...“ کی روایت بیہقی نے ابو حرمہ رضاشی کے

(۱) اس حدیث کو بخاری نے کتاب المسقات میں، اور مسلم نے کتاب الاطعمہ میں روایت کیا ہے۔

(۲) لا سوال لابن ہبیر ۳۵۷ طبع مطبعة جازی مصر، مصنف ابن ابی شیبہ ۱۳۵/۱ ”ب“ مخطوطہ مطب قتلانی استنبول۔

(۳) اس کی روایت بخاری نے کی ہے حضرت اسماء بنت ابوبکر سے مروی ہے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے پاس آئیں تو آپ ﷺ نے فرمایا: ”لا توعی فیوعی علیک ارضخی ما استطعت“ (بخاری ۱۱۹/۳، کتاب الزکاۃ، باب نمبر ۲۲ طبع استنبول الکتاب المسد)۔

کہا ہے: پہلی بات زیادہ درست ہے، اس لئے کہ حضرت عائشہ و اسماء کی احادیث خاص ہیں اور صحیح ہیں، اور یہ حدیث ”لا یحل مال امرئ...“ عام ہے، اور خاص عام پر مقدم ہوتا ہے، جب کہ حضرت ابو امامہ کی حدیث ضعیف ہے (۱)۔

آپ کو اس کی تفصیل اصطلاح: ”صدق“ اور ”بہہ“ میں ملے گی۔

ھ۔ جس کے ذمہ حق ہو اس کا صاحب حق سے اجازت لینا: ۲۴۔ حنفیہ، مالکیہ اور شافعیہ کی رائے ہے کہ جس کے ذمہ لازمی فوری حق ہو، اس کے لئے ضروری ہے کہ صاحب حق سے اجازت لے مثلاً قرض و اقراض خواہ کے ساتھ اور اگر قرض و ارکسی فرض عین کی ادائیگی (جیسے نفیر عام کے وقت غزوہ میں نکلنے) کے لئے گیا ہو تو یہ وجوب سا قیہ ہو جاتا ہے۔

اگر حق فوری نہ ہو تو اجازت لینا واجب نہیں، اس لئے کہ وقت ادائیگی آنے سے قبل اس سے مطالبہ نہیں (۲)۔ اس سلسلہ میں تفصیل ہے جس کی جگہ اصطلاح ”جہاد“ اور ”دین“ ہے، اور حنابلہ کی رائے ہے کہ دین فوری ہو یا مؤجل، اجازت لینا واجب ہے (۳)۔

و۔ طبیب کا علاج کے لئے اجازت لینا:

۲۵۔ فقہاء نے فرق کیا ہے کہ اگر مریض مرنے والا ہو مثلاً زخمی اور

= چچا سے مرثوعا کی ہے نیز احمد نے اور ان کے صاحبزادہ نے ان کی زیادت میں کی ہے اور طبرانی نے عمر بن یثرب سے اس کی روایت کی ہے، شافعی نے کہا کہ احمد کے رجال ثقہ ہیں (اسنن الکبریٰ للبخاری ۱۰۰/۱ طبع الہند، مجمع الرواۃ ۳۸/۱، ۲۱/۱ طبع مکتبہ القدس)۔

(۱) المغنی ۳/۵۱۶۔

(۲) شرح الترغاتی ۳/۱۱۰ طبع دار الفکر بیروت، حاشیہ الجمل ۵/۱۹۰ طبع دار احیاء التراث الاسلامی، البحر الرائق ۵/۷۷-۷۸ طبع المطبعہ العلمیہ۔

(۳) المغنی ۸/۳۶۰، انصاف ۳/۱۲۲ طبع مطبعہ النبی محمد یہ ۵/۱۳۷۔

علاج کے ذریعہ اس کی زندگی بچائی جاسکتی ہو تو اس صورت میں طبیب کا فرض ہے کہ بلا اجازت علاج شروع کر دے تاکہ ایسے زخمی کو موت کے منہ سے بچا سکے، اس لئے کہ قدرت کے بعد اس کو بچانا فرض عین ہو گیا ہے، یہاں تک کہ اگر وہ گریز کرے تو گنہ گار ہوگا اور اگر اس کے بچانے کی کوشش نہ کرنے کی وجہ سے وہ مر جائے تو طبیب ضامن ہوگا یا نہیں؟ اس میں اختلاف ہے (۱)۔

اگر مریض کی یہ حالت نہ ہو تو بلا اجازت طبیب کے لئے علاج شروع کرنا جائز نہیں، اگر اس کی اجازت سے علاج شروع کرے اور مریض کا کچھ نقصان ہو تو طبیب پر ضمان نہیں، اور اگر بلا اجازت علاج شروع کر دے اور وہ ہلاک ہو جائے تو طبیب پر ضمان ہے (۲)۔ دیکھئے اصطلاح: ”تطیب“، ”جنایت“ اور ”دیت“۔

ز۔ جمعہ قائم کرنے کے لئے بادشاہ کی اجازت:

۲۶۔ مالکیہ اور شافعیہ کا قول ہے اور حنابلہ کے یہاں یہی صحیح قول ہے کہ جمعہ کی صحت کے لئے امام کی اجازت شرط نہیں، اور مالکیہ و شافعیہ نے تصریح کی ہے کہ اجازت لینا مستحب ہے، اس کی دلیل یہ ہے کہ جس وقت حضرت عثمانؓ کا محاصرہ تھا، اس وقت ان سے اجازت لئے اور اجازت ملے بغیر حضرت علیؓ نے جمعہ قائم کیا۔ یہ واقعہ صحابہ کی موجودگی میں پیش آیا، نیز اس لئے کہ یہ بدنی عبادت ہے اس کا قائم کرنا اجازت پر موقوف نہیں۔

حنفیہ کی رائے اور حنابلہ کے یہاں ایک قول یہ ہے کہ نماز جمعہ کی صحت کے لئے امام کی اجازت شرط ہے، ائمہ سے یہی منقول

(۱) المغنی ۵/۳۹۵، حاشیہ الجمل ۵/۷۷، شرح الترغاتی ۸/۸۔

(۲) بدائع الصنائع ۱۰/۷۹۷، طبع مطبعہ الامام مصر، الہدایہ بشرح فتح القدیر ۸/۲۹۱، طبع بولاق ۱۸/۱۳۱، حاشیہ الجمل ۵/۲۳۔

اور معمول ہے، نیز اس لئے کہ اس میں فتنہ کا سدباب ہے (۱)۔

ح- ماتحت کا اپنے سردار سے اجازت لینا:

۲۷- حکومتوں اور اختیارات کا تقرر مصالح کی نگہداشت اور حفاظت کے لئے ہوتا ہے اور ہر حاکم و ذمہ دار سے اس کے اختیارات کی حدود میں اجازت لینا ایک ضروری چیز ہے تاکہ تمام امور صحیح طور پر انجام پائیں اور انتشار نہ پیدا ہو، اور یہ بہت وسیع باب ہے۔

اگر امیر لوگوں کو لے کر جہاد میں جائے تو ساتھ والوں میں کسی کے لئے جائز نہیں کہ اس کی اجازت کے بغیر توشہ یا سامان لینے کے لئے نکلے، یا دشمن کے کسی فرد کو دعوت مبارزت دے، یا کوئی نیا کام کرے اس لئے کہ امیر لشکر کو، اپنے لوگوں اور دشمن کے حالات، ان کے خفیہ ٹھکانوں اور مقامات اور ان کے قرب و بعد کی زیادہ واقفیت ہوتی ہے، لہذا اگر وہ اس کی اجازت کے بغیر نکل جائے تو ہو سکتا ہے کہ گھات میں لگے ہوئے دشمن سے سامنا ہو جائے یا فوج کے اگلے دستہ سے اس کی مدد بھیڑ ہو جائے اور وہ تنہا رہ جائے اور وہیں ہلاک ہو جائے (۲)۔

کچھ لوگ جنگ میں لشکر کے ساتھ ہوں اور لشکر دوسری جگہ منتقل ہونا چاہے، اور کوئی فوجی کسی وجہ سے پیچھے رہنا چاہے تو ان میں سے کسی کے لئے جائز نہیں کہ اجازت کے بغیر لشکر کے ساتھ روانہ ہونے سے گریز کرے (۳)۔

اگر امام یا امیر اہل رائے کو کسی مسئلہ میں مشورہ کے لئے اکٹھا

کرے تو اس کی اجازت کے بغیر کسی کو واپس ہونے کا حق نہیں، کیونکہ اس کی رائے کی ضرورت پر ملکتی ہے (۱) اس لئے کہ فرمان باری ہے: ”إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَإِذَا كَانُوا مَعَهُ عَلَى أَمْرٍ جَامِعٍ لَمْ يَذْهَبُوا حَتَّى يَسْتَأْذِنُوهُ إِنَّ الَّذِينَ يَسْتَأْذِنُونَكَ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ“ (۲) (بس مومنین تو وہی ہیں جو ایمان رکھتے ہیں اللہ اور اس کے رسول پر اور جب رسول کے پاس (کسی ایسے) کام پر ہوتے ہیں جس کے لئے مجمع کیا گیا ہے تو جب تک آپ سے اجازت نہیں لے لیتے جاتے نہیں، بے شک جو لوگ آپ سے اجازت لیتے ہیں وہ تو وہی لوگ ہیں جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان رکھتے ہیں)۔ آیت حضور پاک ﷺ کے ساتھ خاص نہیں، کیونکہ حکمران مصالح عامہ کی نگہبانی میں رسول اللہ ﷺ کے خلیفہ و نائب ہوتے ہیں، لہذا ان پر بھی آیت کا حکم منطبق ہوگا۔

ط- عورت کا اپنے شوہر کے گھر سے نکلنے کے لئے اس سے اجازت لینا:

۲۸- عورت پر اپنے شوہر کے گھر سے نکلنے کے لئے اس سے اجازت لینا ضروری ہے، کیونکہ عورت کا گھر میں پابند رہنا شوہر کا حق ہے، اگر وہ شوہر کی اجازت کے بغیر نکل جائے تو وہ اس کو تنبیہ کر سکتا ہے، اس سے صرف ضرورت یا حاجت کے حالات مستثنیٰ ہیں (۳)۔

فقہاء نے اس سے صرف اس حالت کو مستثنیٰ کیا ہے کہ مسلمانوں پر دشمن کے حملہ کی وجہ سے جنگ کے لئے نکلنے کا اعلان عام ہو اور

(۱) الاحكام السلطانية لابن تيمية، ۸۳، ۸۳، الاحكام السلطانية للماوردي، ۱۰۳، المقنع، ۲۳، ۵۳، المحطاوى على مراقي الفلاح، ۲۷۸، جاهیة الدسوقی

۳۸۳/۱

(۲) المغنی، ۳۶۷/۸

(۳) المغنی، ۳۷۰/۸

(۱) تفسیر قرطبی، ۳۲۰/۱۲

(۲) سورہ نور، ۶۲

(۳) إحياء علوم الدين، ۵۷/۲ طبع مطبعة الاستقامة، شرح الترغاب، ۹۰/۲

أبني الطالب، ۲۳۹/۳ طبع المكتبة الإسلامية، المغنی، ۳۶۰/۲

عورت اپنے شوہر کی اجازت کے بغیر نکل جائے۔

حنفیہ نے اس کو بھی مستثنیٰ کیا ہے کہ عورت اپنے اپنا بیج باپ کی خدمت کے لئے نکلے، جب کہ باپ کے پاس کوئی خدمت گزار نہ ہو، یا اپنے ساتھ پیش آنے والے کسی واقعہ کے بارے میں فتویٰ معلوم کرنے نکلے، جب کہ کوئی ایسا شخص میسر نہ ہو جو اس کے نکلے بغیر اس کو مسئلہ کا شرعی حکم بتا دے (۱)۔ یہ اس صورت میں ہے جب کسی ممنوع کے ارتکاب کا اندیشہ ہو۔

ی۔ والدین سے ایسے کام کی اجازت لینا جسے وہ ناپسند کریں:

۲۹۔ اگر انسان ایسا کام کرنا چاہے جس کو والدین ناپسند کرتے ہیں اور وہ کام ایسا ہو کہ اس کے لئے اس سے منکر ہو تو ان کی اجازت کے بغیر اس کام کو انجام دینا جائز نہیں تاکہ ان کی فرمانبرداری، اور ان کے حقوق کی رعایت ہو، لیکن اگر والدین کافر ہوں اور اس کام کو اس وجہ سے ناپسند کریں کہ اس میں اسلام اور مسلمانوں کی مدد ہے، مثلاً جہاد، دین کا علم حاصل کرنا اور دعوت دین وغیرہ تو اس صورت میں ان کی اجازت ملنے اور نہ ملنے کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔

اس مسئلہ میں سفیان ثوری کا اختلاف ہے، وہ کہتے ہیں کہ والدین کی اجازت کے بغیر اگرچہ وہ کافر ہوں، جہاد نہیں کرے گا، اس لئے کہ روایات (جو آگے آ رہی ہیں) عام ہیں، لہذا اگر لڑکا ایسی جگہ کے لئے نکلتا چاہے جس میں بلاکت کا اندیشہ ہے مثلاً جہاد کے لئے نکلتا جب کہ فرض عین نہ ہو یا ایسی جگہ کے لئے نکلتا چاہے، جہاں بلاکت کا اندیشہ نہیں، البتہ والدین کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہے مثلاً کوئی حج کے

(۱) فتح القدیر ۵۲۰/۲ طبع بلاق، شرح السیر الکبیر ۲۰۱/۱، الفتاویٰ الہندیہ ۳۶۵/۵، ابن ماجہ ۱۳۰/۲، المغنی ۵۸۸/۸، الترمذی ۱۱۱/۳، جامعہ الترمذی ۱۲۶/۲۔

لئے نکلتا چاہے اور اس کے والدین تنگ دست ہوں، ان کا نفقہ اسی کے ذمہ واجب ہو، اس کے پاس اتنا مال نہیں کہ حج کے خرچہ (توشہ راہ اور سواری) اور والدین کے خرچہ کے لئے کافی ہو، یا دوسرے شہر میں جا کر طلب علم یا تجارت کرنا چاہے، اور والدین کے بے سہارا اور ضائع ہو جانے کا اندیشہ ہو تو ان کی اجازت کے بغیر نکلتا اس کے لئے جائز نہیں۔

اس کی دلیل سنن ابی داؤد ہنسائی میں مذکور یہ روایت ہے: ”جئت أبایعک علی الهجرة وترکت أبوی یسکیان، فقال ﷺ: ارجع فاضحکھما کما أبکیتھما“ (۱) (ایک شخص رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں آیا اور عرض کیا: میں ہجرت کے لئے آپ کے ہاتھ پر بیعت کرنے آیا ہوں، اور والدین کو روتے ہوئے چھوڑا ہے، حضور ﷺ نے فرمایا: واپس جا کر انہیں ہنسواؤ، جیسا کہ تم نے ان کو رلایا ہے)۔

نیز حضرت عبداللہ بن عمر بن العاص کی روایت میں ہے: ”جاء رجل إلی رسول اللہ ﷺ فقال: یا رسول اللہ! أجاهد؟ فقال: ألك أبوان؟ قال: نعم، قال: ففیہما فجاهد؟“ (۲) (ایک شخص رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا: اے اللہ کے رسول! کیا میں جہاد کو جاؤں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: والدین ہیں؟ انہوں نے عرض کیا: ہاں، آپ نے فرمایا: پھر تو انہیں میں جہاد کرو)۔

اگر کام ایسا ہے، جس سے منکر نہیں مثلاً یہ کہ وہ کام اس کے ذمہ فرض عین ہو تو اس کو انجام دینے کے لئے ان سے اجازت لینا شرط

(۱) اس کی روایت ہنسائی اور ابوداؤد نے کتاب الجہاد میں کی ہے۔
(۲) اس حدیث کو بخاری (فتح المباری ۲۰۳/۱۰ طبع استقبر) اور مسلم (۵/۳۲۵ طبع عینی الحلبي) نے روایت کیا ہے البتہ مسلم کی روایت میں ہے ”أحیی والعاک“ (کیا تمہارے والدین زندہ ہیں؟)

نہیں ہے مثلاً حالت جہاد میں اگر دشمن کسی اسلامی شہر پر حملہ کر دے تو اس کے دفاع میں اپنے والد کی اجازت کے بغیر نکل سکتا ہے (۱)۔

ک- بیوی سے عزل کرنے کے لئے اجازت لینا:

۳۰- اصل یہ ہے کہ زوجین میں سے ہر ایک کو اولاد پیدا کرنے کا حق ہے، لہذا شوہر کے لئے جائز نہیں کہ اپنی بیوی کی اجازت کے بغیر اس سے عزل کرے، یہی حنفیہ و مالکیہ کا مذہب، حنابلہ کے یہاں اولیٰ اور شافعیہ کے یہاں ایک قول ہے اور عورت کے لئے جائز نہیں کہ شوہر کی اجازت کے بغیر حمل کو روکنے کا کوئی ذریعہ اختیار کرے۔

اس لئے کہ حدیث نبوی ہے ”نہی رسول اللہ ﷺ أن يعزل عن الحرة إلا بإذنها“ (۲) (کہ رسول اللہ ﷺ نے آزاد عورت سے اس کی اجازت کے بغیر عزل کرنے سے منع کیا ہے) (اس کی روایت امام احمد نے کی ہے)، اور شافعیہ کے یہاں دوسرا یہ قول ہے کہ جائز ہے، اگرچہ عورت اجازت نہ دے۔

ل- عورت کا اپنے شوہر سے نفل روزہ رکھنے کے لئے اجازت لینا:

۳۱- عورت اپنے شوہر کی موجودگی میں نفل روزہ اس کی اجازت کے

بغیر نہیں رکھ سکتی، اس لئے کہ فرمان نبوی ہے: ”لا تصوم المرأة وبعلاها شاهد إلا بإذنه“ (۱) (عورت اپنے شوہر کی موجودگی میں اس کی اجازت کے بغیر روزہ نہ رکھے۔ اس میں حکمت یہ ہے کہ وہ شوہر کے کسی حق مثلاً جماع اور اس کے دوائی وغیرہ کو روک نہ دے۔ دیکھئے: اصطلاح ”صیام“۔

م- عورت کا اپنے شوہر سے دوسرے کے بچہ کو دودھ پلانے کے لئے اجازت لینا:

۳۲- اگر عورت دوسرے کے بچہ کو دودھ پلانا چاہے تو ضروری ہے کہ اپنے شوہر سے اس کے بارے میں اجازت لے لے، البتہ اگر اس کے ذمہ متعین ہو جائے تو اس صورت میں اس پر دودھ پلانا فرض ہے، اگرچہ اجازت نہ لی ہو (۲)۔ دیکھئے: اصطلاح ”رضاع“۔

ن- شوہر کا اپنی بیوی سے اس کی باری میں دوسری بیوی کے پاس رات گزارنے کے لئے اجازت لینا:

۳۳- مرد کے لئے ناجائز ہے کہ جس بیوی کی باری ہو اس کی اجازت کے بغیر دوسری بیوی کے پاس رات گزارے (۳)۔ دیکھئے اصطلاح: ”نکاح“ اور ”تسم“۔

= ابن حجر نے تلخیص الخیر (۳/ ۱۸۸ طبع شرکت المطابع النعیمیہ متحدہ قلمبرہ) میں بتائی ہے۔

(۱) اس حدیث کی روایت بخاری نے کتاب النکاح باب صوم المرأة بإذن زوجها نطوعاً میں کی ہے دیکھئے: عمدة القاری ۲۰/ ۱۸۳، تحفۃ لا حوذی ۳/ ۲۵۵ طبع دار الاتحاد العربی للمطابع۔

(۲) الفتاویٰ الہندیہ ۵/ ۳۷۲۔

(۳) شرح الترغاتی ۲/ ۵۸، اسنی الطالب ۳/ ۲۳۱، جامعۃ الخلیل ۲/ ۵۸، شرح الخیر ۲/ ۵۰۸، ۵۰۹۔

(۱) الفتاویٰ الہندیہ ۵/ ۳۶۵ طبع بلاق ۱۳۱۰ھ حاشیہ ابن عابدین ۲/ ۱۴۰، المغنی ۸/ ۳۵۸، اور اس کے بعد کے صفحات، شرح الترغاتی ۳/ ۱۱۱، جامعۃ الخلیل ۵/ ۱۹۰-۱۹۱ طبع دار الاتحاد العربی، حاشیہ قلیوبی ۲/ ۱۳۶۔

(۲) ابن عابدین ۵/ ۲۳۹، البدائع ۶/ ۲۹۶ طبع الامام، المغنی ۷/ ۲۳، فتاویٰ شیخ علیش ۱/ ۳۹۸، المہذب ۲/ ۶۷، اور حدیث کی روایت ابن ماجہ (۱/ ۶۲۰ طبع عینی الخلیل) اور احمد (۱/ ۳۱ طبع المیمیہ) نے کی ہے سنن ابن ماجہ کے محقق نے یوسفی کے حوالہ سے لکھا ہے کہ انہوں نے ”زوائد ابن ماجہ“ میں کہا ہے اس کی سند میں ابن لعیعہ ہیں، جو ضعیف ہیں، اور یہی علت

درمیان ان کی اجازت کے بغیر تفریق کرنا جائز نہیں)۔ اس میں حکمت یہ ہے کہ ہو سکتا ہے کہ ان دونوں کے درمیان محبت و مودت یا رازدارانہ بات ہو اور ان دونوں کے درمیان بیٹھ جانا ان کو اچھا نہ لگے۔

ص- دوسرے کے خط و کتابت کو پڑھنے کے لئے اجازت لینا:

۳۷- اگر دوسرے کے خصوصی خط کو دیکھنا ہو تو اس سے اجازت لینا ضروری ہے، اس لئے کہ حضرت عبداللہ بن عباس کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”من نظر فی کتاب آخیه بغیر إذنه فإنما ينظر فی النار“ (۱) (دوسرے کا خط اس کی اجازت کے بغیر دیکھنے والا آگ میں دیکھ رہا ہے)۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ دوسرے کا کوئی راز فاش نہ ہو۔

ق- عورت کا اپنے مال میں سے خرچ کرنے کے لئے شوہر سے اجازت لینا:

۳۸- جمہور فقہاء کی رائے ہے کہ بالغ رشیدہ (سمجھ دار) عورت اپنے مال میں کسی کی اجازت کے بغیر مکمل آزادی سے تصرف کر سکتی ہے۔

مالکیہ اور طاووس کی رائے یہ ہے کہ شادی شدہ عورت اپنے شوہر سے اجازت لئے بغیر تہائی سے زیادہ اپنے مال کا تبرع نہیں کر سکتی، اور اگر وہ تصرف کر دے تو کیا اس کو نافذ مانا جائے گا تا آنکہ شوہر اس کو رو کر دے؟ یا وہ رو ہے تا آن کہ شوہر اس کی اجازت دے

= الفاظ یہ ہیں: ”لا یجلس بین رجلین إلا بإذلهما“ (دو آدمیوں کے درمیان ان کی اجازت کے بغیر نہ بیٹھے) نیز دیکھئے: تحفۃ لا حوذی ۲۸/۸۔ (۱) اس حدیث کو ابو داؤد نے کتاب الدعاء میں روایت کیا ہے اور ”المسئل وحب الورد“ میں ہے یہ حدیث اگرچہ ضعیف ہے لیکن اس کے شواہد سے تقویت ملتی ہے (۲۸/۱۵۲)۔

س- مہمان کا واپسی کے لئے میزبان سے اجازت لینا:

۳۴- مہمان کا اپنے میزبان کے گھر سے اس سے اجازت لینے سے قبل لوٹنا جائز نہیں (۱)۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے فرمایا: جس شخص کے گھر جاؤ اس کی اجازت کے بغیر نہ نکلو، جب تک تم اس کے گھر میں ہو وہ تمہارا امیر ہے (۲)۔

ع- کسی کے گھر میں اس کی گدی (مخصوص جگہ) پر بیٹھنے کے لئے اجازت لینا:

۳۵- اگر انسان کسی کے گھر جائے تو صاحب خانہ کی اجازت کے بغیر نماز میں اس کی امامت نہ کرے اور نہ ہی اس کی مخصوص بیٹھنے کی جگہ پر بیٹھے، اس لئے کہ سنن ترمذی میں فرمان نبوی ہے: ”لا یوم الرجل فی سلطانه، ولا یجلس علی تکرمتہ فی بیتہ إلا بإذنه“ (۳) (کوئی بھی دوسرے کی اس کی حدود اقتدار میں امامت نہ کرے، اور اس کے گھر میں اس کی گدی پر اس کی اجازت کے بغیر نہ بیٹھے)۔

ف- دو آدمیوں کے درمیان بیٹھنے کے لئے ان سے اجازت لینا:

۳۶- اگر کوئی آدمی دو شخصوں کے درمیان بیٹھنا چاہے تو ان سے اجازت لینا ضروری ہے، اس لئے کہ فرمان نبوی ہے: ”لا یحل للرجل أن یفرق بین اثنین إلا بإذلهما“ (۴) (دو آدمیوں کے

(۱) الفتاویٰ الہندیہ ۵/۳۲۳، ۳۲۵۔

(۲) کتاب الاطعمہ باب فی یوسف نمبر: ۳۱۳ طبع مطبعۃ الاستقامہ۔

(۳) تحفۃ لا حوذی ۵۵/۸ طبع مطبعۃ المجلد ابو یوسف، سنن ترمذی کتاب الادب، حدیث نمبر: ۲۹۲۲۔

(۴) اس حدیث کی روایت ترمذی نے کتاب الادب باب ما جاء فی کواہبہ الجلولی بین الرجلین بغیر اذلهما، اور سنن ابو داؤد میں حدیث کے

دے؟ مالکیہ کے یہاں یہ دونوں قول ہیں (۱)۔

لیث بن سعد کی رائے یہ ہے کہ عورت اپنے مال میں سے کوئی بھی تبرع اپنے شوہر سے اجازت لیے بغیر نہیں کر سکتی، خواہ تہائی سے کم ہو یا زیادہ (۲)۔ اور تبرع کے علاوہ تصرفات میں مرد و عورت برابر ہیں، دیکھئے اصطلاح: ”حجر“۔

ر۔ وہ چیزیں جن میں اجازت لینے کی ضرورت ہی نہیں:

۳۹۔ وہ شخص جس پر پابندی نہ لگی ہو اگر اپنی ملکیت میں یا اپنے حق میں ایسا تصرف کرے جس سے دوسرے کا نقصان نہ ہو تو اس کے لئے کسی کی اجازت کی ضرورت نہیں، اس لئے کہ اجازت صاحب ملکیت یا صاحب حق سے لی جاتی ہے، اور انسان کا اپنے آپ سے اجازت لینا ایک طرح کا لغو کام ہے جس سے شریعت پاک ہے۔

لہذا اگر کوئی اپنا مال فروخت کرنا چاہے یا اپنا کھانا کھانا چاہے تو کسی کی اجازت کی ضرورت نہیں، اسی طرح عمومی ملکیتوں مثلاً راستوں، مساجد اور عام منہروں کا حال ہے، اس لئے کہ ہر ایک کا ان میں حق ہے، لہذا اس میں جائز تصرف جس سے دوسرے کا نقصان نہ ہو، کے لئے اجازت لینے کی ضرورت نہیں ہے (۳)۔

اسی قبیل سے فرض عین کا انجام دینا ہے مثلاً نماز ادا کرنا اور حملہ آور دشمنوں سے لڑنا وغیرہ، اس کا ذکر آچکا ہے۔

جہاں کسی وجہ سے اجازت لینا ساقط ہے:

الف۔ اجازت کا دشوار ہونا:

۴۰۔ اگر کسی دشواری کے سبب اجازت لینا مشکل ہو تو اجازت لینا

(۱) شرح الررکانی ۳۰۶/۵، نیل الاوطار ۶/۱۸، طبع المطبعة العثمانیہ المصریہ

(۲) نیل الاوطار ۶/۱۸، ۱۹۔

(۳) المغنی ۵/۵۲۰، ۵۳۱، ۵۳۲، ۵۱۸۔

ساقط ہوتا ہے جیسے اجازت دینے والے کی موت ہو جائے یا وہ لمبے سفر پر ہو، یا وہ قید میں ہو یا اسے کسی سے ملاقات سے روک دیا گیا ہو، اور تصرف کی نوعیت اس طرح کی ہو کہ سفر سے واپسی یا قید سے نکلنے وغیرہ تک اس کو مؤخر کرنا ممکن نہ ہو اور اسی وجہ سے فقہاء نے تصرف کی ہے کہ اگر مسجد کا کوئی متولی نہ ہو تو محلہ کا کوئی آدمی اپنی آمدنی سے اس پر خرچ کر سکتا ہے، اور بڑے ورثاء کا چھوٹے ورثاء پر جن کا کوئی ولی نہیں خرچ کرنا جائز ہے، اور جس کے پاس ودیعت (امانت) رکھی ہوئی ہو وہ ودیعت رکھنے والے کے والدین پر اس کی اجازت کے بغیر خرچ کر سکتا ہے، اگر ایسی جگہ ہو جہاں قاضی کی رائے لینا ممکن نہ ہو۔

اسی طرح جس کے پاس ودیعت رکھی ہے اس کا ودیعت پر خرچ کرنا جائز ہے اگر ودیعت پر خرچ کرنے کی ضرورت ہو (۱)۔ جس کے لئے تجارت کی اجازت دی گئی ہو وہ اجازت دینے والے کی موت کے بعد راستہ میں خرچ کر سکتا ہے، اور رفقاء سفر میت کے سامان کو بیچ سکتے ہیں، تاکہ اس کی قیمت سے میت کی تجنیز و تکفین کریں (۲)۔

ب۔ دفع ضرر:

۴۱۔ اگر اجازت لینے میں نقصان ہو تو اجازت لینا ساقط ہو جاتا ہے، لہذا جن امانتوں کے برباد ہونے کا اندیشہ ہو بلا اجازت لئے ان کو فروخت کرنا جائز ہے، اور جس عورت کا ولی غائب ہو یا قید میں ہو اور اس کے پاس پہنچنا ممکن نہ ہو تو بادشاہ اس عورت کی شادی کر سکتا ہے تاکہ انتظار کے ضرر سے بچا جاسکے، اور گھر میں بلا اجازت داخل ہونا جائز ہے، اگر داخل ہونے سے کسی جرم کو روکا جاسکتا ہو (۳)۔

(۱) حاشیہ ابن عابدین ۵/۱۲۷، المغنی ۶/۳۹۶۔

(۲) حاشیہ ابن عابدین ۵/۱۲۷۔

(۳) حاشیہ ابن عابدین ۵/۱۲۷، ۱۸۰، ۱۸۱، جوہر الاکلیل ۱/۲۵۱، حاشیہ

ج- ایسے حق کا حصول جو اجازت لینے کے بعد ناممکن ہو:

۴۲- اگر اجازت لینے میں حق کا ضیاع ہو تو صاحب حق سے اجازت لینا ساقط ہو جاتا ہے، اس لئے کہ فرمان باری ہے: ”فَمَنْ اَعْتَدَىٰ عَلَيْكُمْ فَاعْتَدُوا عَلَيْهِ بِمِثْلِ مَا اَعْتَدَىٰ عَلَيْكُمْ“ (۱) (تو جو کوئی تم پر زیادتی کرے تم بھی اس پر زیادتی کرو جیسی اس نے تم پر زیادتی کی ہے)۔

استسار

تعریف:

۱- استسار کا لغوی معنی ہے: قید کے لئے خود سپردگی، کہا جاتا ہے: استأسر یعنی میرے لئے اسیر ہو جاؤ (۱)۔ اور استأسر الرجل للعدو: اس وقت کہتے ہیں جب کہ آدمی خود کو دشمن کے سپرد کر دے اور اس کا تابع فرمان ہو جائے (۲)۔ اور فقہی مفہوم اس لغوی مفہوم سے الگ نہیں ہے۔

متعلقہ الفاظ:

۲- استسلام:

استسلام: فرماں بردار ہونا (۳)، استسلام میں بمقابلہ استسار عموم زیادہ ہے، کیونکہ استسلام جنگ کے بغیر بھی ہو سکتا ہے۔

اجمالی حکم:

۳- اصل یہ ہے کہ کسی شرعی تقاضے کے بغیر استسار جائز نہیں، تاہم اگر قید ہونے کا اندیشہ ہو تو بہتر یہ ہے کہ لڑتا رہے تا آن کہ شہید ہو جائے اور خود کو قید کے لئے سپرد نہ کرے، کیونکہ اس صورت میں اس کو بڑے درجے کے ثواب کے ساتھ کامیابی ملے گی، اور کفار کے

لہذا عورت اپنے شوہر کے مال سے بلا اجازت اتنا لے سکتی ہے جو اس کے لئے اور اس کی اولاد کے لئے دستور کے مطابق کافی ہو اگر شوہر نفقہ نہ دے (۲)، کیونکہ یہ اس کا حق ہے، اور مہمان کھانے کے بقدر بلا اجازت لے سکتا ہے اگر میزبان اس کی مہمان نوازی نہ کرے (۳)۔ اگر کسی کا دوسرے پر دین ہو اور قرض وار انکار کرے اور اس کے پاس ثبوت نہ ہو تو صاحب دین قرضدار کے مال سے اس کی اجازت کے بغیر اپنے دین کے بقدر لے سکتا ہے (۴)۔ اس میں کچھ شرائط ہیں، اور معمولی سا اختلاف ہے جسے اس کی اپنی جگہ پر دیکھا جائے۔

= قلیوبی ۳۳۳، ۲۲۸، معالم القرینۃ فی احکام الجسہ ۷ ص ۳۸، ۳۸۔

(۱) سورہ بقرہ ۱۹۳، دیکھئے حاشیۃ الدرستی ۳۳۱ ص ۳ طبع دار الفکر، حاشیۃ قلیوبی

۳۳۵، المغنی ۹ ص ۳۲۔

(۲) المغنی ۸ ص ۲۷۸۔

(۳) المغنی ۸ ص ۲۷۸، ۶۱۳۔

(۴) المغنی ۹ ص ۳۲۔

(۱) الصحاح، لسان العرب: مادہ (أسر)۔

(۲) المغرب فی ترتیب المغرب، نیل لاوطار ۷ ص ۲۶۹ طبع مصنفی المجلس۔

(۳) المصباح الممیر۔

صاحب المغنی نے کہا ہے: حضرت عاصم نے عزیمت پر عمل کیا اور حضرت خبیب وزید نے رخصت پر عمل کیا، ان میں سے ہر ایک قاتل ستائش ہے کسی پر مذمت یا ملامت نہیں (۱)۔

بحث کے مقامات:

۴- ابواب جہاد و سیر میں جنگ میں فرار اور پیش قدمی سے متعلق گفتگو کے موقع پر اس سلسلہ میں بحث آتی ہے۔



تلا، ان کے عذاب، ان کی خدمت گری اور فتنہ سے بچ جائے گا، لیکن اگر خود سپردگی کروے تو جائز ہے جیسا کہ حضرت عاصم بن ثابت انصاری اور ان کے رفقاء کا واقعہ اس پر شاہد ہے، چنانچہ حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت میں ہے: ”أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ بَعَثَ عَشْرَةَ عِينَا وَأَمَرَ عَلَيْهِمُ عَاصِمُ بْنُ ثَابِتٍ، فَتَفَرَّتْ إِلَيْهِمْ هَذِيلُ بِقَرِيبٍ مِنْ مِائَةِ رَجُلٍ رَامَ، فَلَمَّا أَحْسَسَ بِهِمْ عَاصِمٌ وَأَصْحَابُهُ لَجَنُوا إِلَى فِدْفِدٍ فَقَالُوا لَهُمْ: انْزِلُوا، فَأَعْطُونَا بِأَيْدِكُمْ، وَلَكُمْ الْعَهْدُ وَالْمِيثَاقُ أَلَّا نَقْتُلَ مِنْكُمْ أَحَدًا، فَقَالَ عَاصِمٌ: أَمَّا أَنَا فَلَا أَنْزِلُ فِي ذِمَّةِ كَافِرٍ، فَرَمَوْهُمْ بِالْغَبْلِ فَقَتَلُوا عَاصِمًا فِي سَبْعَةِ مَعَهُ، وَنَزَلَ إِلَيْهِمْ ثَلَاثَةٌ عَلَى الْعَهْدِ وَالْمِيثَاقِ، مِنْهُمْ خَبِيبٌ وَزَيْدُ بْنُ الدُّثَنَةِ فَلَمَّا اسْتَمَكَّنُوا مِنْهُمْ، أَطْلَقُوا أَوْتَارَ قَسِيَّتِهِمْ فَرَبَطُوهُمْ بِهَا“ (۱) (حضور ﷺ نے دس آدمیوں کو جاسوسی کے لئے بھیجا، اور ان کا امیر عاصم بن ثابت کو مقرر فرمایا، قبیلہ ہذیل کے تقریباً سو تیر انداز ان کے تعاقب میں روانہ ہوئے، جب عاصم اور ان کے رفقاء کو ان کی خبر لگی تو انہوں نے ایک بلند جگہ پر چڑھ کر پناہ لی، اور ان لوگوں نے ان سے کہا: نیچے اتر آؤ اور خود کو سپرد کرو، ہم تم سے عہد و پیمان کرتے ہیں کہ تم میں سے کسی کو نہیں ماریں گے، تو حضرت عاصم نے کہا: میں تو کسی کافر کی پناہ میں نہیں اتروں گا، ہذیل والوں نے ان پر تیر برسانا شروع کر دئے، اور حضرت عاصم کو سات آدمیوں کے ساتھ شہید کر دیا، اور باقی تین ان میں سے عہد و پیمان کے ساتھ اتر آئے جن میں حضرت خبیب وزید بن دھنہ تھے، اور جب دشمنوں نے ان پر قابو پا لیا تو اپنی کمانوں کی تانت کھولی اور ان حضرات کو باندھ دیا)۔

(۱) در مختار مع حاشیہ ابن ماجہ ص ۲۲۲ طبع بولاق، المواق ۳۵۷/۳ طبع لیبیا، کشف المحجۃ عن جمیع الامت للہجرانی ۲/۵۳ طبع الجلی، المغنی ۱۰/۵۵۳ طبع المنار۔

(۱) اس حدیث کی روایت بخاری (فتح الباری ۷/۳۰۸، ۳۰۷، ۳۰۶، ۳۰۵، ۳۰۴، ۳۰۳، ۳۰۲، ۳۰۱، ۳۰۰، ۲۹۹، ۲۹۸، ۲۹۷، ۲۹۶، ۲۹۵، ۲۹۴، ۲۹۳، ۲۹۲، ۲۹۱، ۲۹۰، ۲۸۹، ۲۸۸، ۲۸۷، ۲۸۶، ۲۸۵، ۲۸۴، ۲۸۳، ۲۸۲، ۲۸۱، ۲۸۰، ۲۷۹، ۲۷۸، ۲۷۷، ۲۷۶، ۲۷۵، ۲۷۴، ۲۷۳، ۲۷۲، ۲۷۱، ۲۷۰، ۲۶۹، ۲۶۸، ۲۶۷، ۲۶۶، ۲۶۵، ۲۶۴، ۲۶۳، ۲۶۲، ۲۶۱، ۲۶۰، ۲۵۹، ۲۵۸، ۲۵۷، ۲۵۶، ۲۵۵، ۲۵۴، ۲۵۳، ۲۵۲، ۲۵۱، ۲۵۰، ۲۴۹، ۲۴۸، ۲۴۷، ۲۴۶، ۲۴۵، ۲۴۴، ۲۴۳، ۲۴۲، ۲۴۱، ۲۴۰، ۲۳۹، ۲۳۸، ۲۳۷، ۲۳۶، ۲۳۵، ۲۳۴، ۲۳۳، ۲۳۲، ۲۳۱، ۲۳۰، ۲۲۹، ۲۲۸، ۲۲۷، ۲۲۶، ۲۲۵، ۲۲۴، ۲۲۳، ۲۲۲، ۲۲۱، ۲۲۰، ۲۱۹، ۲۱۸، ۲۱۷، ۲۱۶، ۲۱۵، ۲۱۴، ۲۱۳، ۲۱۲، ۲۱۱، ۲۱۰، ۲۰۹، ۲۰۸، ۲۰۷، ۲۰۶، ۲۰۵، ۲۰۴، ۲۰۳، ۲۰۲، ۲۰۱، ۲۰۰، ۱۹۹، ۱۹۸، ۱۹۷، ۱۹۶، ۱۹۵، ۱۹۴، ۱۹۳، ۱۹۲، ۱۹۱، ۱۹۰، ۱۸۹، ۱۸۸، ۱۸۷، ۱۸۶، ۱۸۵، ۱۸۴، ۱۸۳، ۱۸۲، ۱۸۱، ۱۸۰، ۱۷۹، ۱۷۸، ۱۷۷، ۱۷۶، ۱۷۵، ۱۷۴، ۱۷۳، ۱۷۲، ۱۷۱، ۱۷۰، ۱۶۹، ۱۶۸، ۱۶۷، ۱۶۶، ۱۶۵، ۱۶۴، ۱۶۳، ۱۶۲، ۱۶۱، ۱۶۰، ۱۵۹، ۱۵۸، ۱۵۷، ۱۵۶، ۱۵۵، ۱۵۴، ۱۵۳، ۱۵۲، ۱۵۱، ۱۵۰، ۱۴۹، ۱۴۸، ۱۴۷، ۱۴۶، ۱۴۵، ۱۴۴، ۱۴۳، ۱۴۲، ۱۴۱، ۱۴۰، ۱۳۹، ۱۳۸، ۱۳۷، ۱۳۶، ۱۳۵، ۱۳۴، ۱۳۳، ۱۳۲، ۱۳۱، ۱۳۰، ۱۲۹، ۱۲۸، ۱۲۷، ۱۲۶، ۱۲۵، ۱۲۴، ۱۲۳، ۱۲۲، ۱۲۱، ۱۲۰، ۱۱۹، ۱۱۸، ۱۱۷، ۱۱۶، ۱۱۵، ۱۱۴، ۱۱۳، ۱۱۲، ۱۱۱، ۱۱۰، ۱۰۹، ۱۰۸، ۱۰۷، ۱۰۶، ۱۰۵، ۱۰۴، ۱۰۳، ۱۰۲، ۱۰۱، ۱۰۰، ۹۹، ۹۸، ۹۷، ۹۶، ۹۵، ۹۴، ۹۳، ۹۲، ۹۱، ۹۰، ۸۹، ۸۸، ۸۷، ۸۶، ۸۵، ۸۴، ۸۳، ۸۲، ۸۱، ۸۰، ۷۹، ۷۸، ۷۷، ۷۶، ۷۵، ۷۴، ۷۳، ۷۲، ۷۱، ۷۰، ۶۹، ۶۸، ۶۷، ۶۶، ۶۵، ۶۴، ۶۳، ۶۲، ۶۱، ۶۰، ۵۹، ۵۸، ۵۷، ۵۶، ۵۵، ۵۴، ۵۳، ۵۲، ۵۱، ۵۰، ۴۹، ۴۸، ۴۷، ۴۶، ۴۵، ۴۴، ۴۳، ۴۲، ۴۱، ۴۰، ۳۹، ۳۸، ۳۷، ۳۶، ۳۵، ۳۴، ۳۳، ۳۲، ۳۱، ۳۰، ۲۹، ۲۸، ۲۷، ۲۶، ۲۵، ۲۴، ۲۳، ۲۲، ۲۱، ۲۰، ۱۹، ۱۸، ۱۷، ۱۶، ۱۵، ۱۴، ۱۳، ۱۲، ۱۱، ۱۰، ۹، ۸، ۷، ۶، ۵، ۴، ۳، ۲، ۱) طبع المنار۔

اجمالی حکم:

۳- عورت سے اس کی شادی میں مشورہ لیما شرعی طور پر مطلوب ہے، یہ یا تو واجبی طور پر ہوتا ہے، جیسا کہ ثیبہ (شادی شدہ) بالغہ عاقلہ کے بارے میں فقہاء کا اجماع ہے، یا استحبائی طور پر، جیسا کہ جمہور فقہاء کے یہاں باکرہ (کنواری) بالغہ عاقلہ کے بارے میں حکم ہے، البتہ حنفیہ اس کو واجب قرار دیتے ہیں۔ ماں سے اس کی بیٹی کی شادی میں اس کی دل جوئی کے لئے مشورہ لیما مستحب ہے (۱)۔

اس کی تفصیل نکاح کے باب میں اصطلاح ”نکاح“ کے تحت ہے۔



تعریف:

۱- استنمار کا لغوی معنی: مشاورت (مشورہ کرنا) ہے (۱)۔

فقہاء کی اصطلاح میں: حکم یا اجازت طلب کرنا ہے (۲)، اور فقہاء نے اس کا استعمال بالغہ عورت سے اس کی شادی کے موقع پر اجازت میں بھی کیا ہے۔

متعلقہ الفاظ:

استندان:

۲- استندان: اجازت طلب کرنا، کہا جاتا ہے: استاذنتہ فاذن لی: میں نے اس سے فلاں مسئلہ میں اجازت لی تو اس نے اجازت دے دی۔ بسا اوقات اذن کا علم سکوت و خاموشی سے ہوتا ہے، لیکن امر (حکم) کا علم نطق کے بغیر نہیں ہوتا (۳)۔ اس کی دلیل فی زمان نبوی ہے: ”البکر تستاذن والایم تستامر“ (۴) (کنواری عورت سے اذن لیا جائے گا اور شادی شدہ (بے شوہر) عورت سے زبان سے صاف صاف اجازت لی جائے گی)۔

(۱) لسان العرب: مادہ (أمر)۔

(۲) فتح القدیر علی الہدایہ ۳۹۶/۲ طبع دارصادر۔

(۳) المصباح للمیر: مادہ ”أذن“، النہایۃ لابن حجر، لسان العرب: مادہ (أمر)۔

(۴) حدیث: ”البکر تستاذن.....“ من الفاظ کے ساتھ آئی ہے: ”لا نکح الایم حتی تستامر، ولا نکح البکر حتی تستاذن“ (شادی شدہ

= بے شوہر عورت کا اس وقت تک نکاح نہ کیا جائے جب تک اس سے صاف صاف زبان سے اجازت نہ لی جائے، اسی طرح کنواری عورت کا بھی نکاح نہ کیا جائے یہاں تک کہ وہ اجازت دے دے)۔ اس کی روایت بخاری (فتح المبارک ۱۹۱/۹، ۱۲/۳۰۰ طبع المستقیم) نیز مسلم (۴/۱۰۳۶ تحقیق محمد فواد عبدالباقی طبع عیسیٰ الخلیفی) نے کی ہے۔

(۱) المصباح للمیر: مادہ ”أذن“، النہایۃ لابن حجر، لسان العرب: مادہ (أمر)۔
لیما، فتح القدیر علی الہدایہ ۳۹۶/۲ طبع دارصادر، حاشیہ قلیوبی ۳/۲۲۲، نہایۃ المحتاج ۶/۲۲۳ طبع المکتب الاسلامی۔

استئمان ۱-۵

کرے، ذمہ اور استئمان میں فرق یہ ہے کہ عقد استئمان وقتی ہوتا ہے جب کہ عقد ذمہ اصلاً دائمی ہوتا ہے (۱)۔

ج- استجارہ:

۴- استجارہ کے لغوی معانی میں سے: کسی کا دوسرے سے یہ درخواست کرنا ہے کہ اس کی حفاظت و حمایت کرے، اور اصطلاحی معنی اس سے الگ نہیں ہے۔

استجارہ میں عموم زیادہ ہے کیونکہ اس کے تحت طلب حمایت کی تمام صورتیں اور حالات آتے ہیں، جب کہ استئمان غیر مسلم کا دارالاسلام میں داخلہ یا اس کے برعکس صورت کے لئے ہوتا ہے۔

اجمالی حکم:

۵- حربی کا امان طلب کرنا جائز ہے خواہ لفظوں سے ہو یا لکھ کر یا کسی طرح کی دلالت سے ہو، جیسے ہاتھ یا جھنڈا یا امان کی کوئی اور علامت بلند کرنا، اس کے لئے کچھ شرائط اور تفصیلات ہیں جن کا ذکر اصطلاح ”مستامن“ میں ہے۔

جب استئمان مکمل ہو جائے تو ان کی جان و مال حرام ہو جاتے ہیں۔

اسی طرح مسلمان کے لئے جائز ہے کہ دارالحرب میں تجارت یا پیغام بری کے لئے امان طلب کرے اگر وہ عہد کو پورا کرتے ہوں، اس لئے کہ اس صورت میں ظاہر یہ ہے کہ وہ اس سے تعرض نہیں کریں گے (۲)۔

(۱) المصباح لسان العرب: مادہ (ذم)۔

(۲) ابن ماجہ ۳/۲۲۳، ۲۲۴، ۲۲۵، طبع بولاق، المغنی ۸/۳۹۶، ۳۹۹،

۳/۳۰۲، قلیوبی و عمیرہ ۳/۱۰۵، ۱۰۶، ۲۲۵، ۲۲۶، جوہر الاکلیل

۱/۲۵۵، ۲۵۸، ۲۵۹، طبع مشرق، بدائع الصنائع ۹/۳۳۲، طبع الامام۔

استئمان

تعریف:

۱- استئمان کا لغوی معنی: امان طلب کرنا ہے، کہا جاتا ہے: استأمنہ: اس نے اس سے امان طلب کیا، اور استأمنن إلیہ: اس کے امان میں داخل ہو گیا، اور أمانہ: وہ اس سے مامون ہو گیا اور آمنہ: فلاں نے اس کو امان دیا۔ اصطلاح میں: استئمان دوسرے کی مملکت میں امان کے ساتھ داخل ہونا ہے، داخل ہونے والا مسلمان ہو یا حربی (۱)۔

متعلقہ الفاظ:

الف- عہد:

۲- عہد کا اصل معنی: مختلف حالات میں کسی چیز کی حفاظت اور نگرانی ہے، پھر اس کا استعمال اس ”معادہ“ کے لئے ہوا جس کی رعایت لازم ہے، عہد اور استئمان میں فرق یہ ہے کہ عہد میں بمقابلہ استئمان عموم زیادہ ہے (۲)۔

ب- ذمہ:

۳- ذمہ کے معانی میں سے: عہد، امان، اور ضمان ہیں۔

اس کے اصطلاحی معانی میں سے: کسی کافر کو کفر پر اس شرط کے ساتھ باقی رکھنا ہے کہ وہ جز یہ دے اور دین کے احکام کی پابندی

(۱) المصباح لسان العرب: مادہ (أمن) (رد المحتار ۳/۲۲۳، تحریقات للحر جانی۔

(۲) المصباح لسان العرب: مادہ (عہد)۔

میں رفقاء کی وجہ سے اطمینان قلب، نیکوں کی صحبت کی وجہ سے اطمینان قلب، قریب المرگ اور سخت مریض کو اطمینان دلانا اگر اس کی وجہ سے اس کو اطمینان قلب حاصل ہو، اور یہ بھی فی الجملہ مطلوب ہے کہ اس میں خیر و رحمت ہے، لیکن اگر اس میں گھروالے کو تکلیف ہو یا کسی خرابی کا ذریعہ ہو تو حرام ہے، اس لئے کہ فرمان باری ہے: "فَإِذَا طَعِمْتُمْ فَانْتَشِرُوا وَلَا مَسْتَأْذِينَ لِحَدِيثٍ إِنَّ ذَلِكُمْ كَانَ يُؤْذِي النَّبِيَّ فَيَسْتَحْيِي مِنْكُمْ" (۱) (پھر جب کھانا کھا چکو تو اٹھ کر چلے جایا کرو، اور باتوں میں جی لگا کر مت بیٹھے رہا کرو، اس بات سے نبی کو نا کواری ہوتی ہے، سو وہ تمہارا لحاظ کرتے ہیں)۔

علماء نے جمعہ و جماعت چھوڑنے کی اجازت دی ہے اگر ان کی ادائیگی میں قافلہ سے پیچھے رہ جانے کا اندیشہ ہو، کیونکہ اس کی وجہ سے رفقاء کے سبب جو اطمینان قلب حاصل تھا، فوت ہو جاتا ہے، اور تیمم جائز ہے اگر پانی کی تلاش میں رفقاء چھوٹ جائیں، یا قریب المرگ یا مریض کو اس کی وجہ سے (یعنی پانی کی تلاش میں جانے کی وجہ سے) مشقت ہو، فقہاء نے اس کا تفصیلی بیان تیمم، سفر، احتضار اور مرض کے ذکر میں کیا ہے (۲)۔

سوم۔ بمعنی وحشت ختم ہونا

۵- وحشی جانور کو مانوس کرنے کے لئے سدھانا جائز ہے، اس میں یہ مصلحت ہے کہ اس کی کھال یا ہڈی یا گوشت وغیرہ سے فائدہ اٹھایا جاسکے، وحشی جانور کے استنناس پر چند آثار مرتب ہوتے ہیں، مثلاً اس کا ذبح کرنا مانوس جانور کے ذبح کرنے کی طرح ہوگا اگر وہ

(۱) سورہ احزاب ۵۳۔

(۲) بدائع الصنائع ۱۸۶/۱ طبع زکریا یوسف، ابن عابدین ۳۸۳/۱ طبع بول بلاق، حاشیہ الجمل ۱۹۹/۱ طبع احیاء التراث العربی، المغنی ۲۳۹/۱ طبع سعودیہ حاشیہ الدسوقی ۱۳۹/۱، ۱۵۰ طبع دار الفکر۔

استنناس

تعریف:

۱- استنناس کا ایک لغوی معنی: استنذ ان ہے، اور کہا جاتا ہے: "استننس به" اس کا دل اس سے مطمئن ہو گیا، اور "استننس الحيوان" اس کی وحشت جاتی رہی (۱)۔
اس لفظ کا فقہی استعمال مذکورہ لغوی معانی سے الگ نہیں ہے۔

متعلقہ الفاظ:

استنذ ان:

۲- استنذ ان: کسی چیز کے بارے میں اذن طلب کرنا ہے، لہذا پہلے استعمال کے اعتبار سے استنذ ان استنناس کے مترادف ہے۔

اول۔ بمعنی استنذ ان

اجمالی حکم:

۳- استنناس شرعی طور پر فی الجملہ مطلوب ہے، اور اس میں کچھ تفصیل ہے جس کی جگہ اصطلاح "استنذ ان" ہے (۲)۔

دوم۔ بمعنی اطمینان قلب

۴- استنناس بمعنی اطمینان قلب: اس کی چند صورتیں ہیں، مثلاً سفر

(۱) المصباح المہیر، لسان العرب، مادہ (السن)۔

(۲) المقرطبی ۲۱۲/۱ طبع دارالکتب، الفخر الرازی ۱۹۶/۲۳، الآلوسی ۱۸/۱۳۲، ابن عابدین ۱۳۷/۵، ۲۶۵ طبع بلاق۔

استنواف ۱

ماکول اللحم ہو، اور دوسرے مانوس جانوروں پر جاری ہونے والے
تصرفات کے بھی احکام اس وحشی جانور پر بھی جاری ہوں گے۔
اس کی تفصیل کے لئے دیکھئے بیان ”ذکاۃ“ اور ”صيد“ (۱)۔

استنواف

تعریف:

۱- استنواف کے لغوی معانی میں سے: ابتداء کرنا اور از سر نو کرنا ہے،
”استنواف الشئ“ یعنی اس کے ابتدائی حصہ کو لے لیا اور اس کو شروع
کیا (۱)۔

فقہاء کے یہاں اس اصطلاح کے استعمالات کی تلاش و جستجو کے
بعد اس کی یہ تعریف کی جاسکتی ہے کہ کسی شرعی ماہیت و حقیقت کو کسی
خاص سبب کی وجہ سے اس میں توقف اور اس کو قطع کرنے کے بعد
از سر نو شروع کرنا (۲)۔

لہذا استنواف پہلی حقیقت و فعل کو ختم کرنے کے بعد ہی ہوگا،
کیونکہ رد المحتار میں ہے ”ان کا قول: ”واستنوافه افضل“ کا
مطلب یہ ہے کہ کوئی ایسا عمل کرے جس سے نماز قطع ہو جائے پھر
وضو کے بعد نماز کو شروع کرے (شر نبلا لہ بحوالہ ”کافی“)، اور حاشیہ
ابوسعود میں ان کے شیخ کے حوالہ سے ہے: اگر ایسا کام نہ کرے جس
سے نماز قطع ہو جائے، بلکہ فوری طور پر جا کر وضو کر لے، پھر استنواف
کی نیت سے تکبیر کہے تو یہ استنواف کرنے والا نہ ہوگا بلکہ ”بناء“



(۱) تاج العروس: مادہ (أَنَف) ۳۸/۶، المصباح المیز: مادہ (أَنَف) ۳۵/۱،
النبایہ ۱/۵۷، ۷۶۔

(۲) تبیین الحقائق ۱/۳۵، المغنی ۱/۲۳۳-۲۳۵، الفروع ۱/۳۰۱،
رد المحتار ۱/۶۰۳، بدائع الصنائع ۳/۲۰۲، طبع الامام، الدسوقی ۲/۵۲،
المصباح ۱/۲۷۹-۲۸۰، المجموع ۳/۵۷۔

(۱) ابن عابدین ۲۹۸/۵-۳۰۵، الدسوقی ۲/۱۰۳-۱۰۹، نہایت المحتاج
۱۱/۸، المغنی مع المشرح الکبیر ۱۱/۲۶۔

استنفا ۲-۲

کرنے والا ہوگا“ (۱)۔ کسی چیز کو ابتداء سے شروع کرنا ہے، اور اصطلاحی تعریف اس سے الگ نہیں۔

متعلقہ الفاظ:

الف- بناء:

۲- بناء کے لغوی معانی میں سے یہ ہے کہ بناء منہدم کرنے کی ضد ہے۔ اصطلاح میں یہ ہے کہ شروع کی گئی اس شرعی حقیقت کو از سر نو انجام دینا جسے اس نے کسی خاص وجہ سے روک دیا تھا یا قطع کر دیا تھا اس کی اجتناء تک پہنچایا جائے، اس کی مثال یہ ہے کہ ایک رکعت پڑھنے کے بعد نمازی کو ”حدث“ لاحق ہو جائے، تو وہ وضو کرے اور اپنی نماز پر بناء کرتے ہوئے بقیہ نماز پوری کر لے، یہ حنفیہ کے یہاں ہے (۲)۔ اس میں اختلاف ہے جس کی تفصیل مباحث ”صلاة“ میں ہے، لہذا بناء استنفا کی ضد ہے۔

ب- استقبال:

۳- استقبال کا لغوی معنی: آسنے سامنے ہونا ہے، اور شرعی معنی: استنفا کے مترادف ہے، اس کی مثال کا سانی کا یہ قول ہے: اگر حیض کے ذریعہ عدت گزارنے والی عورت ”آسنہ“ ہو جائے تو اس کی عدت مہینوں میں تبدیل ہو جائے گی، اور وہ مہینوں کے حساب سے عدت کو نئے سرے سے شروع کرے گی (۳)۔ استقبال کا معنی قبلہ وغیرہ کی طرف منہ کرنا بھی آتا ہے۔

ج- ابتداء:

۴- ابتداء کے لغوی معانی کے درمیان سے: تقدیم (مقدم کرنا) اور

(۱) رد المحتار ۱/ ۶۰۳۔

(۲) تبیین الحقائق ۱/ ۱۳۵۔

(۳) بدائع الصنائع ۱/ ۱۳۹، ۲۰۱۷ طبع لاہور، جامعۃ اسلامیہ علی تبیین الحقائق

۱/ ۱۳۹، رد المحتار ۱/ ۶۰۳، المغنی ۱/ ۲۳۶۔

ابتداء اور استنفا کے درمیان فرق یہ ہے کہ ابتداء میں عموم زیادہ ہے (۱)۔

و- اعادہ:

۵- اعادہ کے لغوی معانی میں سے: کسی چیز کو دوبارہ کرنا ہے، اور اس کی معنی میں ”تکرار“ ہے۔

اصطلاح میں: امام غزالی نے موقت عبادت کے اعادہ پر بحث کرتے ہوئے اس کی تعریف یہ کی ہے: اعادہ کسی چیز کو وقت کے اندر دوبارہ کرنا ہے جب کہ اس کو ایک بار کسی خلل کے ساتھ کر چکا ہو (۲)۔ اعادہ اور استنفا میں فرق یہ ہے کہ اعادہ اسی وقت ہوتا ہے جب پہلے عمل کو کسی خلل کے ساتھ (مکمل طور پر) کیا ہو، جب کہ استنفا عمل کو اس کے مکمل ہونے سے پہلے قطع کرنے کے بعد ہی ہوتا ہے۔

ھ- قضاء:

۶- قضاء کا لغوی معنی: کسی چیز کی ادائیگی ہے، اور اصطلاح میں: امام غزالی نے اس کی تعریف یہ کی ہے: جس چیز کا معینہ وقت فوت ہو چکا ہو اس کے مثل کام کرنا، استنفا اور قضاء میں فرق یہ ہے کہ قضاء وقت کے بعد ہی ہوگی اور صرف معینہ اوقات والے افعال میں ہوگی، جب کہ استنفا وقت کے اندر بھی ہوتا ہے، وقت کے بعد بھی اور بسا اوقات بے وقت بھی۔

(۱) المصباح۔

(۲) المستصفیٰ ۱/ ۹۵، رد المحتار ۲/ ۶۵۔

استنفا ۷-۱۱

استنفا کا شرعی حکم:

۷- استنفا کے کئی شرعی احکام ہیں:

بسا اوقات استنفا بالاتفاق واجب ہوتا ہے، مثلاً اگر حالت نماز میں قصداً کوئی شخص حدث کر دے، اور یہ مالکیہ کے یہاں بھی واجب ہے (۱) اگر تکبیر کے علاوہ کوئی اور حدث لاحق ہو۔ کیونکہ مالکیہ کے یہاں تکبیر کے علاوہ میں بناء نہیں ہے، اس لئے کہ یہ رخصت ہے، لہذا یہ حکم مورد نص کے ساتھ خاص ہوگا۔

اور استنفا کبھی مستحب ہوتا ہے، مثلاً کسی کو اذان دیتے ہوئے حدث لاحق ہو جائے، اور پاکی حاصل کرنے کے دوران لمبے فاصلہ کی ضرورت پیش آگئی ہو تو از سر نو اذان دینا زیادہ بہتر ہے۔ اور کبھی استنفا مکروہ ہوتا ہے، مثلاً مذکورہ بالا صورت میں اگر پاکی حاصل کرنے کے لئے فاصلہ معمولی ہو، اس لئے کہ اس صورت میں بناء کرنا زیادہ بہتر ہے، تاکہ استنفا کرنے میں کھیل کرنے کا وہم نہ ہو۔ اور کبھی استنفا مباح ہوتا ہے، مثلاً بیع صحیح، اور اجارہ صحیح میں اگر اقالہ ہو جائے یا بیع فاسد ہو تو عقد کا استنفا درست ہے۔

بحث کے مقامات:

اصطلاح استنفا کا ذکر فقہ کے بہت سے ابواب میں ہے، ابتداً دوسرے ابواب کے مقابلہ میں عبادات کے ابواب میں اس کا استعمال زیادہ ہے، ذیل میں اس کی کچھ صورتیں پیش کی جا رہی ہیں:

وضو میں استنفا:

۸- ابن مفلح کی کتاب ”الفروع“ میں تسمیہ کے بھولنے کی وجہ سے

وضو کی صحت پر پڑنے والے اثر کے سیاق میں آیا ہے ”اگر وضو کے دوران تسمیہ یاد آ جائے تو شروع سے وضو کرے، اور ایک قول یہ ہے کہ بناء کرے، اور ان (امام احمد) سے مروی ہے کہ تسمیہ مستحب ہے“ (۱)، یعنی اگر وضو کرنے والے کو وضو کے دوران تسمیہ یاد آ جائے تو اس پر واجب ہے کہ از سر نو وضو کرے۔ یہ حنابلہ کے یہاں ایک قول ہے، اور دوسرا قول یہ ہے کہ استنفا واجب نہیں، اور بناء جائز ہے۔

غسل میں استنفا:

۹- ابن مفلح کی ”الفروع“ میں غسل کی بحث میں ہے: ”اور جب غسل یا وضو میں ”موالات“ فوت ہو جائے اور ہمارے (حنابلہ) یہاں اس کے جواز کا حکم ہو تو اتمام کے لئے از سر نو نیت ضروری ہوگی، کیونکہ حکمی نیت میں بھی فعل کا اس سے قریب ہونا شرط ہے جیسا کہ ابتدا کی حالت میں ہوتا ہے (۲)۔

اذان و اقامت میں استنفا:

۱۰- در مختار میں اذان و اقامت کی بحث میں ہے: ”اگر کسی نے اذان یا اقامت کے دوران بات کر لی، اگرچہ وہ سلام کا جواب ہی ہو، تو وہ از سر نو شروع کرے گا“ (۳)۔

نماز میں استنفا:

۱۱- زیلعی نے کہا ہے: (اگر اس کو حدث لاحق ہو) یعنی نماز پڑھنے والے کو (تو وہ وضو کرے گا اور بناء کرے گا) اور قیاس یہ ہے کہ

(۱) الفروع ۱/ ۱۳۳-۱۳۴ طبع دوم ۱۳۷۹ھ۔

(۲) الفروع ۱/ ۲۰۴-۲۰۵۔

(۳) الدر المختار بر حاشیہ رد المحتار ۱/ ۳۸۵، ۳۸۹، ۳۹۳۔

(۱) الدبوتی ۱/ ۲۰۷، رد المحتار ۱/ ۳۸۹، ۳۹۳، ۳۵۷، ۶۰۳، المجموع

۳/ ۵۶، ۵۷، نہایت المحتاج ۱/ ۳۱۵، المغنی ۱/ ۲۳۶، ۲۳۷، ۵۵، طبع مطبعہ

الحاصرہ قلمیہ، نواتج الرحموت ۱/ ۸۵ طبع الامیریہ، بدائع الصنائع ۲/ ۱۳۰۔

استنفا ۱۲-۱۳

تشہد کے بقدر بیٹھنے سے قبل ملا ہو تو ہمارے نزدیک تیمم ٹوٹ جائے گا، اور وضو کر کے نئے سرے سے نماز ادا کرے گا، اور امام شافعی کے تین اقوال ہیں: ایک قول ہمارے موافق ہے، دوسرا قول یہ ہے کہ پانی اس سے قریب ہوتا کہ اس سے وضو کر کے بناء کرے، تیسرا قول یہ ہے کہ نماز پوری کرے اور یہی ان کے اقوال میں زیادہ رائج قول ہے“ (۱)۔

کفارات میں استنفا:

۱۳- کفارات میں استنفا کی ایک مثال وہ ہے جس کو صاحب درمختار نے کفارہ یمین میں بیان کیا ہے: ”(شرط یہ ہے کہ عاجزی روزہ سے فراغت تک برقرار رہے، لہذا اگر تنگ دست دو دن روزے رکھے پھر) اس سے فراغت سے قبل، اگرچہ کچھ ہی دیر پہلے ہو (مال دار ہو جائے) اگرچہ اپنے مال دار مورث کے مرنے کی وجہ سے ہو (تو اس کے لئے روزہ رکھنا جائز نہیں) اور مال کے ذریعہ کفارہ نئے سرے سے ادا کرے“ (۲)۔ اور یہاں عاجزی سے مراد: کھانا کھانے، کپڑا دینے، اور غلام آزاد کرنے سے عاجزی ہے، اس لئے کہ یہاں روزہ ان تینوں سے عاجزی کے بعد ہی مقبول ہے۔

عدت میں استنفا:

۱۴- بدائع الصنائع میں ہے: ”..... اگر کسی نے اپنی بیوی کو طلاق دی پھر مر گیا، تو اگر طلاق رجعی ہو تو اس کی عدت، عدت وفات میں تبدیل ہو جائے گی، خواہ حالت مرض میں طلاق دی ہو یا حالت صحت میں، اور عدت طلاق ختم ہو جائے گی، اور عورت پر ضروری ہے کہ عدت وفات کا استنفا کرے، سب کا قول یہی ہے“ (۳)۔

(۱) بدائع الصنائع ۱/ ۵۷۔

(۲) الدر المختار فی ہامش رد المحتار ۴/ ۳۳۵۔

(۳) بدائع الصنائع ۴/ ۹۹۵، ۱۰۱۷، ۲۰۱۸، ۲۰۲۰، طبع لاہور۔

(استنفا) کرے، یہی امام شافعی کا قول ہے، اس لئے کہ حدیث نماز کے منافی ہے، اور چلنا اور (قبلہ سے) منحرف ہونا نماز کو فاسد کرتے ہیں، لہذا یہ قصداً حدیث کے مشابہ ہے، اور ہماری دلیل یہ حدیث ہے: ”من أصابه قيء أو رعاف أو قلنس أو مذي فليصرف فليتوضأ، ثم ليسن على صلاته، وهو في ذلك لا يتكلم“ (جس کو قی یا نکسیر یا متلی یا مزی پیش آجائے تو وہ اٹھے اور وضو کرے اور پھر اپنی نماز پر بناء کرے، اور وہ اس دوران بات نہ کرے)۔ اور فرمان نبوی ہے: ”إذا رعف أحدكم في صلاته أو قلنس، فليصرف فليتوضأ وليرجع فليتم صلاته على ما مضى منها ما لم يتكلم“ (۱) (اگر نماز میں کسی کو نکسیر پھوٹ جائے، یا تے ہو جائے تو وہ لوٹ کر وضو کرے، پھر واپس آ کر اپنی نماز وہاں سے پوری کرے جہاں تک ہو چکی تھی، بشرطیکہ بات نہ کی ہو)۔

اختلاف کے شبہ سے بچنے کے لئے استنفا افضل ہے (۲)۔

مالکیہ کے یہاں یہ حکم وجوب کے طور پر نکسیر کے علاوہ میں ہے، اس لئے کہ بناء رخصت ہے۔

تیمم میں استنفا:

۱۵- کاسانی نے کہا ہے: ”اگر دوران نماز پانی مل جائے تو اگر آخری

(۱) تبیین الحقائق ۱/ ۱۳۵۔ حدیث: ”من أصابه قيء.....“ کی روایت ابن ماجہ دار قطنی اور احمد نے بروایت ماکن بن القاضی کے ساتھ کی ہے۔ ”من أصابه قيء أو رعاف أو قلنس أو مذي فليصرف فليتوضأ ثم ليسن على صلاته، وهو في ذلك لا يتكلم“ (جس کو قی یا نکسیر یا متلی یا مزی پیش آجائے وہ لوٹ کر وضو کرے پھر اپنی نماز پر بناء کرے، اور وہ اس دوران بات نہ کرے)۔ امام احمد نے اس کو مرئوفاً ضعیفاً قرار دیا ہے صحیح یہ ہے کہ مرسل ہے دیکھئے: منی الاخبار فی ہامش نبل الاوطار ۱/ ۲۲۲، بلوغ المرآم فی ہامش نبل السلام ۱/ ۶۸۔

(۲) متن الحرقی فی ہامش المغنی ۱/ ۳۶۱، المغنی ۱/ ۳۶۲، ۳۷۳۔

اُستار، استباق، استبداد ۱-۴

در مختار میں ہے: ”(صغیرہ کو) اگر مہینوں کے پورے ہونے کے بعد حیض آجائے تو استنفا (نہیں) کرے گی، (مگر یہ کہ مہینوں کے دوران حیض آجائے) تو حیض کے ذریعہ استنفا عدت کرے گی، (جیسا کہ وہ عورت مہینوں کی عدت کا استنفا کرتی ہے جس کو ایک بار حیض آئے) یا دوبار آئے (پھر آئسہ ہو جائے) تاکہ اصل اور بدل کا اجتماع لازم نہ آئے“ (۱)۔

استبداد

تعریف:

- ۱- استبداد لغت میں استبداد کا مصدر ہے، کہا جاتا ہے: استبداد بالأمور: کسی کام کو تنہا کسی کی شرکت کے بغیر انجام دینا (۱)۔
- اصطلاحی مفہوم اس سے الگ نہیں۔

متعلقہ الفاظ:

الف- استقلال:

- ۲- استقلال کے لغوی معانی میں سے: خود اعتمادی اور خود مختاری ہے، اس معنی کے لحاظ سے استقلال اور استبداد مترادف ہیں، لیکن دوسرے لغوی استعمالات میں دونوں میں فرق ہے، چنانچہ استقلال: لفظ قلت (بمعنی کمی) اور ارتقاء (اٹھنے) کے معنی میں بھی آتا ہے (۲)۔

ب- مشورہ:

- ۳- شوری کا لغوی و شرعی معنی خود رائے نہ ہونا ہے، اور یہ رائے میں استبداد کی ضد ہے۔

استبداد کا شرعی حکم:

- ۴- جس استبداد کے نتیجے میں ضرر یا ظلم ہو وہ ممنوع ہے، مثلاً خوراک

(۱) المصباح المہیر: مادہ (بذ)۔

(۲) لسان العرب، الصحاح، تاج المعجم: مادہ (قلیل)۔

اُستار

دیکھئے: ”استنار“۔

استباق

دیکھئے: ”سباق“۔

استبدال، استبراء ۱

کی ذخیرہ اندوزی میں استبدال (۱)، امام کے خصوصی اختیارات مثلاً جہاد کے بارے میں رعایا میں سے کسی کا استبدال (۲)، اور امام کی اجازت کے بغیر کسی شرعی حد (سزا) کو نافذ کرنے کے بارے میں استبدال (۳)۔ اس کی تفصیلات کے لئے دیکھئے اصطلاحات ”احتکار“، ”حدود“ اور ”جہاد“، نیز فقہی کتابوں کے وہ مقامات جن کا ذکر حواشی میں ہے۔

استبراء

تعریف:

۱- استبراء کا لغوی معنی: طلب براءت ہے، اور ”برئ“ کا استعمال تین معانی کے لئے ہوتا ہے، برئ: چھٹکارا پانا، برئ: پاک ہونا، دور رہنا، اور برئ: منذر ختم کرنا، اغتباہ دینا (۱)۔

استبراء کا استعمال کرتے ہوئے کہا جاتا ہے: استبراء المذکر: یعنی اس نے عضو تناسل کو پیشاب سے پاک کیا (۲)۔

استبراء من بولہ: پیشاب سے ”استبراء“ کیا یعنی مکمل پاکی حاصل کی (۳)۔

استبراء کے دو شرعی استعمال ہیں:

پہلے استعمال کا تعلق طہارت سے ہے، اس طور پر کہ وہ طہارت کی صحت کے لئے شرط ہے، اس اعتبار سے وہ ”عبادات“ کے مباحث میں سے ہے، اور یہ ”قسم تحسین“ کے تحت داخل ہے، شاطبی کہتے ہیں: تحسینات کا مفہوم مناسب اور اچھی عادات کو اختیار کرنا ہے، عبادات میں اس کی مثال نجاست کا ازالہ ہے (۴)۔

دوسرے استعمال کا تعلق انساب کی حفاظت اور ان میں خلط ملط

استبدال

دیکھئے: ”ابدال“۔

(۱) المغنی ۳/۲۳۳ طبع سعودیہ ابن ماجہ ۵/۵۵۶، ۲۵۶ طبع اول بلاق،

جوہر لکھیل ۱/۱۳۲ طبع مقرون، قلیوبی ۲/۱۸۶ طبع الجلیلی۔

(۲) المغنی ۷/۶۹۰، ۶۹۲، ۸/۱۱۰، ۶۷۷، سیاست الشریعہ ص ۵۷۔

(۳) المغنی ۸/۷۶، الاختیار ۳/۸۳، ۸۵، ابن ماجہ ۳/۱۳۶ طبع اول بلاق، شرح روض الطالب ۲/۱۲۲۔

(۴) ابن ماجہ ۲/۱۳۶، المغنی ۳/۲۳۰ طبع سعودیہ روض الطالب ۱/۲۳۵

طبع المکتب الاسلامی، جامعۃ الدنوتی ۲/۹ طبع دار الفکر۔

(۱) لسان العرب (برک)۔

(۲) تاج المعروس۔

(۳) لا ساس۔

(۴) الموافقات ۲/۱۱۔

استبراء ۲-۷

ج- استبراء:

۵- استبراء کا مفہوم پیشاب سے احتیاط کرنا اور بچنا ہے۔

و- استبراء:

۶- استبراء: نووی نے ”تہذیب لاسماء“ میں کہا: استبراء الرجل

من بولہ: اس نے اپنے عضو تناسل کو دبا کر باقی پیشاب نکالا (۱)۔

لہذا ان الفاظ اور استبراء کے درمیان ربط یہ ہے کہ سب کا تعلق مخرجین (پاخانہ و پیشاب کے راستوں) کو ان سے نکلنے والی چیز سے صاف و پاک کرنے سے ہے۔

استبراء کا شرعی حکم:

۷- حنفیہ، مالکیہ اور بعض شافعیہ مثلاً قاضی حسین کی رائے یہ ہے کہ استبراء فرض ہے، (۲) جب کہ جمہور شافعیہ اور حنابلہ کی رائے یہ ہے کہ مستحب ہے، اس لئے کہ بظاہر اگر پیشاب آمارک جائے گا تو دوبارہ نہیں آئے گا (۳)۔

تاکلین وجوب کا استدلال دارقطنی کی اس حدیث سے ہے: ”تنزهوا من البول فإن عامة عذاب القبر منه“ (۴) (پیشاب سے خوب پاکی حاصل کیا کرو، کہ عام طور پر عذاب قبر اسی کی وجہ سے ہوتا ہے)، حدیث کا تعلق اس صورت سے ہے جب اس کو اپنی عادت کے مطابق غالب گمان یا یقین ہو کہ اگر استبراء نہ کرے گا

(۱) رد المحتار ۱/ ۲۳۰، شرح الرزقانی علی مختصر غلیل ۱/ ۷۵، فتح الباری ۱/ ۳۳۵، حاشیہ کنون علی الرزقانی ۱/ ۶۳۔

(۲) رد المحتار ۱/ ۲۳۰، شرح الرزقانی ۱/ ۸۰، شرح کملی علی منہاج الطالبین ۱/ ۳۲۔

(۳) شرح کملی علی منہاج الطالبین ۱/ ۳۲، المغنی ۱/ ۱۳۶ طبع اول المنار۔

(۴) حدیث: ”تنزهوا من البول.....“ کی روایت دارقطنی (۱/ ۱۲۷ طبع شرکت الطباعة القیسیہ) نے کی ہے ابو زرعہ نے کہا ہے اس کی سند صحیح ہے دیکھئے: علل الحدیث لابن ابی حاتم ۱/ ۲۶ طبع السنۃ۔

نہ ہونے پر اطمینان سے ہے، اور اس اعتبار سے وہ ”نکاح“ کے مباحث میں سے ہے، اور یہ ”قسم ضروری“ کے تحت داخل ہے جیسا کہ شاطبی کی رائے ہے۔

اول: طہارت میں استبراء:

۲- ابن عرفہ نے پہلے استعمال کے اعتبار سے استبراء کی تعریف یوں کی ہے: پیشاب پاخانہ کی جگہ پر لگی ہوئی گندگی کو دور کرنا، اس اعتبار سے استبراء پیشاب، پاخانہ، مذی، ووی اور منی سے ہوگا (۱)، اور شافعیہ و حنابلہ کے کلام سے بھی یہی سمجھا جاتا ہے (۲)۔

حنفیہ نے استبراء کی تعریف یہ کی ہے کہ یہ نجاست کے نکلنے سے اطمینان کا حاصل ہونا ہے (خواہ چل کر یا کھانسی کر یا لیٹ کر ہو) اور انہوں نے صراحت کی ہے کہ عورت کے بارے میں اس استبراء کا کوئی تصور نہیں ہے (۳)۔

متعلقہ الفاظ:

استنقاء، استنجاء، استبراء، اور استبراء۔

الف- استنقاء:

۳- استنقاء: صفائی اختیار کرنا ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ مقعد کو پتھر سے یا پانی سے استنجاء کرنے کی صورت میں انگلیوں سے رگڑ جائے۔

ب- استنجاء:

۴- استنجاء کا مطلب پتھروں یا پانی کا استعمال کرنا ہے۔

(۱) شرح حدود ابن عرفہ للراعی ص ۳۶۔

(۲) نہایۃ المحتاج ۱/ ۱۲۷، مطالب اولی الثبی ۱/ ۷۲۔

(۳) حاشیہ ابن ماجہ ۱/ ۲۳۰ مطبوعہ ۱۲۷۲ھ۔

تو کچھ پیشاب نکل آئے گا (۱)۔

ابن عابدین کہتے ہیں: بعض فقہاء نے اس کو ”یثغی“ (مناسب ہے) کے لفظ سے بیان کیا ہے، جس کا تقاضا ہے کہ یہ مستحب ہو، جیسا کہ بعض شافعیہ نے صراحت کی ہے، اور یہ اس وقت ہے جب کہ اس کے بعد کچھ نکلنے کا اندیشہ نہ ہو، لہذا استبراء میں احتیاط و مبالغہ کی غرض سے یہ مستحب ہے (۲)۔

۸- استبراء کی دلیل و حدیثیں ہیں:

پہلی دلیل: صحاح ستہ میں حضرت ابن عباس کی حدیث ہے: ”مر النبي ﷺ بحائط (أي بستان) من حيطان المدينة أو مكة، فسمع صوت إنسانين يعلبان في قبورهما، فقال النبي ﷺ: يعلبان وما يعلبان في كبير ثم قال: بلى، كان أحدهما لا يستتر من بوله وكان الآخر يمشي بالنميمة، ثم دعا بجريدة فكسرها كسرتين فوضع علي كل قبر منهما كسرة، فقيل له: يا رسول الله لم فعلت هذا؟ قال النبي ﷺ: لعله يخفف عنهما ما لم تيبسا“ (حضور ﷺ مکہ یا مدینہ کے ایک باغ سے گزرے، وہاں دو آدمیوں کی آواز سنی، جن کو قبر میں عذاب ہو رہا تھا، تو حضور ﷺ نے فرمایا: ان دونوں کو عذاب ہو رہا ہے، اور کسی بڑی چیز میں نہیں ہو رہا ہے، پھر فرمایا: کیوں نہیں (بڑا گناہ ہے)، ان میں سے ایک تو اپنے پیشاب سے احتیاط نہیں کرتا تھا، اور دوسرا چغل خوری کرتا پھرتا تھا، پھر آپ نے (کھجور کی ایک ہری) ٹہنی منگوائی اور اس کے دو ٹکڑے کر کے ہر قبر پر ایک ٹکڑا رکھ دیا، عرض کیا گیا: اے اللہ کے رسول! آپ نے ایسا کیوں کیا؟ فرمایا: امید ہے کہ جب تک وہ نہ سوچیں ان کا عذاب ہلکا رہے)۔ بخاری نے اس کی روایت کی ہے (۳)۔

(۱) معنی الحجاج ۴/۴۳، المغنی ۱/۱۳۶۔

(۲) رد المحتار ۲/۲۳۰۔

(۳) حدیث: ”يعلبان وما يعلبان“ کی روایت بخاری (فتح الباری

ابن حجر نے اس حدیث کی شرح میں کہا ہے: ”لا يستتر“ اکثر روایات میں دوتا کے ساتھ ہے، پہلی تا پرزہ اور دوسری تا پرزہ ہے، البتہ ابن عساکر کی روایت میں: ”يستبرئ“ (باء ساکنہ کے ساتھ) لفظ استبراء سے مشتق ہے، پھر فرمایا: اور استبراء والی روایت میں احتیاط کے اعتبار سے مبالغہ زیادہ ہے۔

دوسری دلیل: حضور ﷺ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ”تنزهوا من البول فإن عامة عذاب القبر منه“ (۱) (پیشاب سے احتیاط کرو کہ عام طور پر عذاب قبر اسی کی وجہ سے ہوتا ہے)۔

مشروعیت استبراء کی حکمت:

۹- علیؑ اہوری کہتے ہیں: استبراء عقلاً سمجھ میں آنے والی بات ہے، امر تعبدی نہیں، اس لئے کہ استبراء کی وجہ سے حدیث کا نکلنا جو منافی وضو ہے بند ہو جاتا ہے (۲)۔

اس بنیاد پر تمام مذاہب کا اتفاق ہے کہ بے وضو شخص کو اگر غالب گمان ہو کہ نجاست کا نکلنا بند نہیں ہوا ہے تو اس کا وضو درست نہیں، اس لئے کہ احکام کی بنیاد بالاتفاق غلبہ ظن پر ہے (۳)۔

استبراء کا طریقہ:

۱۰- استبراء، پاخانہ سے ہوگا یا پیشاب سے، اگر پاخانہ سے ہو تو ذاتی طور پر یہ احساس کافی ہے کہ مخرج سے جو پاخانہ نکلنے والا تھا نکل گیا، وہاں کچھ نکلنے کو اب باقی نہیں ہے۔

اور اگر استبراء پیشاب سے ہو تو مرد کا ہوگا یا عورت کا، اگر عورت

= ۱/۳۱ طبع السنہ (۱) اور مسلم (۲/۲۳۰، ۲۳۱ طبع عینی المجلد) نے کی ہے۔

(۱) نیل الاوطار ۱/۱۱۳۔

(۲) شرح الترغی علی مختصر ضلیل ۱/۸۱۔

(۳) ساہتہ جملہ۔

ہو تو حنفیہ کے نزدیک اس پر استبراء واجب نہیں، ہاں پیشاب سے فراغت کے بعد تھوڑا انتظار کرے، پھر استبراء کرے، اور شافعیہ و حنابلہ کی رائے ہے کہ عورت اپنے پیڑ کو دبا کر استبراء کرے۔ اگر مرد ہو تو جس چیز کی بھی اس کو عادت ہو اس کے ذریعہ سے استبراء ہو جاتا ہے، بشرطیکہ اس کا یہ عمل اسے موسمہ تک نہ لے جائے (۱)۔

استبراء کے آداب:

۱۱- استبراء کے کچھ آداب ہیں، مثلاً خود سے موسمہ کو دور کرے، غزالی نے کہا: استبراء کے بارے میں بہت زیادہ فکر نہ کرے، ورنہ موسمہ پیدا ہوگا اور پھر دشواری ہوگی (۲)۔
موسمہ دور کرنے کا ایک طریقہ ”نضح“ ہے یعنی پانی کا چھینٹا مارے۔ چھینٹا کس جگہ مارے؟ اس میں اختلاف ہے، نووی نے نقل کیا ہے کہ موسمہ دور کرنے کے لئے وضو کے بعد تھوڑا سا پانی لے کر شرم گاہ پر چھینٹا مارے۔

ایک قول یہ ہے کہ استبراء سے فراغت کے بعد کپڑے پر چھینٹا مارے تاکہ موسمہ دور ہو جائے (۳)۔

غزالی نے کہا ہے: اگر تری کا احساس ہو تو یہ فرض کرے کہ یہ پانی کا بقیہ حصہ ہے، اگر اس کو تکلیف ہو (یعنی اس سے الجھن ہو) تو اس پر پانی کا چھینٹا مار لے تاکہ یہ پہلو اس کے نزدیک قوی ہو جائے، اور شیطان اس میں موسمہ پیدا نہ کر سکے، روایت میں ہے کہ حضور ﷺ نے ایسا کیا ہے (۴)، اس روایت کو امام نسائی نے حکم سے

انہوں نے اپنے باپ سے نقل کیا ہے: ”ان رسول اللہ ﷺ کان إذا توضأ أخذ حفنة من ماء فقال بها هكذا“ (رسول اللہ ﷺ جب وضو فرماتے تو ایک چلو پانی لے کر اسی طرح کرتے تھے)۔ ایک دوسری روایت حکم ابن سفیان سے ہے، انہوں نے فرمایا: ”رأيت رسول الله ﷺ توضأ ونضح فرجه“ (میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ آپ ﷺ نے وضو کیا اور شرم گاہ پر چھینٹا مارا)، امام احمد کی روایت میں ہے: فنضح فرجه - سندی نے اس پر حاشیہ لکھا ہے کہ ایک قول یہ ہے کہ ”نضح“ سے مراد پانی سے استبراء کرنا ہے، لہذا روایت میں ”وضو کیا“ سے مراد ”وضو کا ارادہ کرنا ہے“۔ دوسرے قول یہ ہے کہ ”نضح“ سے مراد استبراء کے بعد شرم گاہ پر پانی کا چھینٹا مارنا ہے تاکہ شیطانی موسمہ دور ہو جائے، اور یہی جمہور کی رائے ہے۔ ایسا لگتا ہے کہ آپ ﷺ چھینٹا مارنے کا عمل بسا اوقات وضو سے فراغت تک مؤخر فرماتے تھے (۱)۔

دوم: نسب میں استبراء:

۱۲- نسب میں استبراء کا مفہوم ہے: عورت کا حمل سے بری ہونے کا اطمینان حاصل کرنا۔ کہا جاتا ہے کہ: استبرأت المرأة: یعنی حمل سے اس کے بری ہونے کا اطمینان کیا گیا (۲)۔

ابن عرفہ نے اس کی جو تعریف کی ہے، اس کی وضاحت یہ ہے: آقا کا اپنی باندی کو شرعی طور پر مقررہ مدت تک چھوڑے رکھنا جس سے یہ معلوم ہو جائے کہ رحم خالی ہے (۳)۔

(۱) رد المحتار ۱/۲۳۰، حاشیہ قلیوبی ۱/۴۱، شرح الترغاتی علی فہم ۱/۸۰، المغنی لابن قدامة ۱/۵۵، لا حیاء ۱/۳۶۔

(۲) لا حیاء ۱/۳۶۔

(۳) طرح المقریب ۲/۸۶۔

(۴) لا حیاء ۱/۳۶۔

(۱) حاشیہ السندی علی التہذیب ۱/۸۶، ۸۷، اس کی سند میں فطر اب ہے جیسا کہ ابن عبد البر نے الاستیعاب (۱/۳۶۱ طبع مطبعة مہمہ مصر) میں کہا ہے اس حدیث کے شواہد سنن دارقطنی (۱/۱۱۱ طبع شركة المطابع النعیمیہ) میں ہیں۔

(۲) المصباح المہیر۔

(۳) شرح حدود ابن عرفہ للرماع ص ۲۱۷۔

استبراء ۱۳-۱۶

ج۔ استبراء میں ”قرء“ سے مراد حیض ہے جب کہ عدت میں ”قرء“ سے مراد حیض ہے یا طہر اس میں اختلاف ہے۔
د۔ عدت میں جماع کرنے سے بعض علماء کے نزدیک جماع کی ہوئی عورت ہمیشہ کے لئے حرام ہو جاتی ہے، جبکہ مدت استبراء کے دوران مملوکہ باندی سے جماع کرنے سے بالاتفاق وہ ہمیشہ کے لئے حرام نہیں ہوتی (۱)۔

آزاد عورت کا استبراء:

۱۶۔ آزاد عورت کے حق میں استبراء پر فقہاء کا اتفاق ہے۔ البتہ واجب ہے یا مستحب اور کن حالات میں مطلوب ہے؟ اس میں اختلاف ہے۔

چنانچہ مزنیہ (جس عورت سے زنا کیا گیا ہو) کے بارے میں مالکیہ کے نزدیک استبراء واجب ہے، اور یہی امام محمد بن حسن سے منقول ہے، امام محمد سے دوسری روایت یہ ہے کہ مستحب ہے، جیسا کہ امام ابو حنیفہ اور امام ابو یوسف سے منقول ہے، اور شافعیہ نے صراحت کی ہے کہ اگر کوئی آدمی اپنی بیوی کی طلاق کو اس کے حاملہ ہونے پر مطلق کرے تو اس عورت کا استبراء کرنا مستحب ہے، اور اگر غیر حاملہ ہونے پر مطلق کرے تو استبراء واجب ہے۔

حنابلہ نے صراحت کی ہے کہ میراث کی ایک صورت میں استبراء کر لیا جائے گا، وہ صورت یہ ہے کہ ایک عورت کا لڑکا جو اس کے سابق شوہر سے ہو، مر جائے اور اس لڑکے کا اصل فرع میں سے کوئی موجود نہ ہو تو اس صورت میں اس عورت کا استبراء کر لیا جائے گا (یعنی ایک حیض عورت اس طرح گزارے گی کہ اس کا موجودہ شوہر اس سے صحبت نہ کرے) تاکہ یہ واضح ہو جائے کہ آیا اس لڑکے کے انتقال کے وقت وہ حاملہ تھی یا نہیں، اگر حاملہ تھی تو اس کے حمل کو وراثت قرار

۱۳۔ استبراء بسا اوقات حیض کے ذریعہ ہوتا ہے، کیونکہ حیض آنا رحم کے خالی ہونے کی دلیل ہے، اور کبھی اتنی مدت تک انتظار کے ذریعہ استبراء ہوتا ہے، جس میں حمل نہ ہونے کا اطمینان ہو جائے، اور کبھی وضع حمل کے ذریعہ استبراء ہوتا ہے، اور کبھی ٹھہرے ہوئے حمل کے زندہ یا مردہ، تام الخلق یا ناقص الخلق حالت میں پیدا ہونے سے ہوتا ہے (۱)۔

متعلقہ الفاظ:

عدت:

۱۴۔ عدت اس انتظار کا نام ہے، جو نکاح ختم ہونے پر عورت پر لازم ہوتا ہے (۲)۔ لہذا عدت اور استبراء میں قدر مشترک یہ ہے کہ وہ دونوں ایسی مدت کا نام ہیں، جس میں عورت انتظار کرتی ہے تاکہ اس سے استمتاع حلال ہو جائے۔

۱۵۔ تاہم ان دونوں کے درمیان درج ذیل پہلوؤں کے لحاظ سے فرق ہے:

الف۔ قرآنی کہتے ہیں کہ: عدت واجب ہے اگرچہ دونوں کو یقین ہو کہ رحم خالی ہے، مثلاً شوہر عورت سے دس سال غائب رہنے کے بعد طلاق دے یا وفات پائے، نیز اسی طرح اگر کسی کی صغیر اسن بیوی ہو جو کود میں ہو، اور اس کے شوہر کا انتقال ہو جائے، جب کہ استبراء کا یہ حکم نہیں ہے، اور عدت ہر حال میں واجب ہوتی ہے، اس لئے کہ اس میں تعبدی (عبادت ہونے کا) پہلو غالب ہے (۳)۔

ب۔ استبراء میں ایک حیض کافی ہے جب کہ عدت میں ایک حیض کافی نہیں۔

(۱) الرہوتی ۳/۲۰۷۔

(۲) ابن ماجہ ۲/۵۹۸۔

(۳) الفروق ۳/۲۰۵۔

(۱) الفروق ۳/۲۰۵۔

دیا جائے گا۔

نیز اس پر فقہاء کا اتفاق ہے کہ ایسی آزاد عورت کا استبراء واجب ہے، جس پر حد یا قصاص نافذ کرنا واجب ہو چکا ہو، تاکہ زندہ حمل کے حق کی رعایت ہو (۱)۔ اس کی دلیل غامدہ یہ کا مشہور واقعہ ہے (۲)۔

۱۷- مالکیہ نے جن مسائل میں آزاد عورت کے استبراء کے وجوب کی صراحت کی ہے وہ مندرجہ ذیل ہیں:

الف۔ اگر اس عورت کا حمل ظاہر ہو جس سے نکاح صحیح ہوا ہو، اور خلوت کا علم نہ ہو، شوہر وطی کا منکر ہو اور لعان کے ذریعہ حمل کی نفی کر دے، تو وضع حمل کے ذریعہ اس عورت کا استبراء ہوگا (۳)۔

ب۔ شادی شدہ آزاد عورت کے ساتھ زنا کے طور پر وطی کی گئی (تو استبراء واجب ہوگا) اور اسی طرح کا قول خفیہ کا ہے (۴)۔

ج۔ جب وطی بالفہم ہو، مثلاً وطی کرنے والے نے اس عورت کو اپنی بیوی سمجھا۔

د۔ ایسے نکاح کے ذریعہ وطی جس کے فاسد ہونے پر اجماع ہے، اور اس کی وجہ سے حد ساقط نہیں ہوتی ہو، مثلاً نسب یا رضاعت کی وجہ سے حرام ہو۔

ھ۔ اگر کوئی شخص کسی عورت کو اغوا کر کے لے گیا یعنی وہ اغوا کنندہ کے ساتھ کچھ دیر رہی، اور اس سے خلوت ہوئی اگرچہ اغوا کار دعویٰ کرے کہ اس نے اس سے ہم بستری نہیں کی اور عورت اس کی تصدیق بھی کرے، اس کی وجہ یہ ہے کہ اس صورت میں مرد پر یہ تہمت ہو سکتی ہے کہ اس نے اپنی سزا کو ہلکا کرنے کے لئے ایسا کہا ہو، اور عورت پر یہ تہمت ہو سکتی ہے کہ اس نے ظاہری طور پر اپنی عزت

(۱) ابن عابدین ۲/۲۴۲، ۲/۲۹۲، قلیوبی ۳/۳۵۳، المغنی ۷/۴۸۷، طبع المباحث ۳۱۶/۶۔

(۲) واقعہ غامدہ کی روایت مسلم (۳/۱۳۲۳ طبع عیسیٰ الخلیلی) نے کی ہے۔

(۳) البانی ۳/۱۹۹۔

(۴) البدائع ۳/۱۹۸، طبع الامام۔

بچانے کے لئے ایسا کہا ہو، نیز اس لئے کہ یہ اللہ کا حق ہے، اور نیز اس کی غیبی ہمت سے وطی کا گمان ہوتا ہے (۱)۔

استبراء کی مشروعیت کی حکمت:

۱۸- عورتیں آزاد ہوں یا باندیاں، ان کے استبراء کی مشروعیت میں حکمت یہ ہے کہ اختلاط انساب کو روکنے کے لئے احتیاطاً رحم کے خالی ہونے کا علم ہو جائے، اور حفظ نسب اسلامی شریعت کے اہم ترین مقاصد میں سے ہے (۲)۔

باندی کا استبراء:

باندی کا استبراء کبھی واجب ہوتا ہے اور کبھی مستحب بھی، درج ذیل صورتوں میں واجب ہے:

الف- اس باندی کی ملکیت ملنے کے وقت جس سے وطی کا ارادہ ہو:

۱۹- اگر ملکیت کے اسباب میں سے کسی سبب کی بنیاد پر باندی حاصل ہو اور اس سے وطی کا ارادہ کیا جائے تو اس کا استبراء واجب ہے۔

اور اس حد تک تمام مذاہب میں اجمالی طور پر اتفاق ہے، اس لئے کہ حضرت ابو سعید خدریؓ کی روایت میں ہے کہ حضور ﷺ نے اوطاس کی قیدی عورتوں کے بارے میں فرمایا: "لا توطأ حامل حتی تضع ولا غیر ذات حمل حتی تحيض" (۳) (کسی

(۱) شرح الترغاتی ۲/۲۰۲، المدونہ ۳/۱۲۲۔

(۲) المصوط للسرہنی ۳/۱۳۶۔

(۳) المصوط ۳/۱۳۶، اور حدیث: "لا توطأ حامل....." کی روایت ابو داؤد

(عون المعبود ۲/۲۱۳، ۲/۲۱۳ طبع المطبعۃ الانصاریہ دہلی) اور احمد (۳/۶۲

طبع المیزان) نے کی ہے اور ابن حجر نے التحفص (۱/۱۷۲ طبع شرکت المطبعا

الغنیہ) میں اس کو صحت کہا ہے۔

حاملہ عورت سے وضع حمل سے قبل وطمی نہ کی جائے اور غیر حاملہ سے حیض آنے تک وطمی نہ کی جائے۔

قیاس سے اس کی دلیل بقول سرخسی یہ ہے کہ قیدی عورت جس کے حصہ میں آئے ملک رقبہ کے سبب وہ استمتاع کا مالک ہوگا اور اس کی وجہ سے استبراء واجب ہوگا۔ اور یہ حکم خرید کر دیا بہ شدہ باندی کی طرف بھی متعدی ہوگا، اور اس کی حکمت اپنے نطفہ کو خلط ملط ہونے سے بچانا ہے۔ اصل مسئلہ میں اتفاق کے بعد تفصیل میں فقہاء کا اختلاف ہے:

چنانچہ مالکیہ نے استبراء کے واجب ہونے کے لئے چند شرائط ذکر کی ہیں، جن کا خلاصہ یہ ہے:

اول: رحم کا حمل سے خالی ہونا غیر یقینی ہو، اس شرط کے قائل: ابن سرتج، ابن تیمیہ اور ابن قیم بھی ہیں، اور متأخرین کی ایک جماعت نے اس کو رائج قرار دیا ہے (۱)۔ اور یہی امام ابوحنیفہ کے شاگرد امام ابو یوسف سے مروی ہے جب کہ امام ابوحنیفہ، جمہور شافعیہ اور امام احمد کی اکثر روایات کے مطابق رائے یہ ہے کہ استبراء ضروری ہے، کیونکہ علت موجود ہے یعنی باندی کی ذات کا مالک ہونے کی وجہ سے اس سے استمتاع کا مالک ہونا۔

دوم: جس کی طرف ملکیت منتقل ہو رہی ہے انتقال ملکیت سے قبل اس کے لئے اس عورت سے وطمی مباح نہ ہو، مثلاً ایک آدمی نے اپنی بیوی کو خرید لیا جس سے اس نے خریدنے سے قبل عقد نکاح کر لیا تھا، اس صورت میں اس کے لئے استبراء واجب نہیں ہے۔

مباح ہونے سے مراد معتبر مباح ہونا ہے، جو حقیقت کے مطابق ہو، لیکن اگر یہ انکشاف ہو جائے کہ اس کے لئے وطمی حائل نہ تھی تو

استبراء واجب ہے، اور یہی شافعیہ و حنابلہ کے یہاں معتد ہے (۱)۔
سوم: ملکیت کے بعد مرد پر اس باندی سے استمتاع حرام نہ ہو، اگر حرام ہو جائے تو استبراء واجب نہیں ہے، مثلاً کسی نے اپنی بیوی کی بہن کو خرید لیا، یا ایسی باندی خریدی جس کی شادی دوسرے سے ہوئی، ہو خواہ اس کے شوہر نے وطمی کی ہو یا نہ کی ہو (۲)۔

ب- باندی کی شادی کرنے کا ارادہ:

۲۰- آقا پر اپنی باندی کا استبراء کرنا ضروری ہے، اگر اس کی شادی کرنا چاہے، یہ اس صورت میں ہے جب کہ اس نے اس سے جماع کیا ہو۔ یا باندی نے اس کے پاس رہتے ہوئے زنا کیا ہو، جب کہ جس سے خرید ہے اس نے اس باندی سے وطمی کرنے کا انکار نہ کیا ہو، اور اس کے علاوہ صورتوں میں آقا پر اس کا استبراء واجب نہیں ہے۔
حنفیہ و شافعیہ نے زنا اور وطمی کے درمیان تفصیل کی ہے کہ اگر آقا اس سے وطمی کرے تو استبراء واجب ہے اور اگر اس کے پاس رہتے ہوئے زنا کرے تو شادی کرنے سے قبل آقا پر اس کا استبراء لازم نہیں (۳)۔

ج- موت یا آزادی کی وجہ سے ملکیت کا زوال:

۲۱- اگر آقا مر جائے تو اس کے وارث پر اس باندی کا استبراء ضروری ہے، جو اس کو آقا کی طرف سے وراثت میں ملی ہے، وارث اس باندی سے استمتاع، استبراء کے بعد ہی کر سکتا ہے، خواہ اس کا آقا (موت کے وقت اس کے پاس) موجود رہا ہو یا کسی دوسری جگہ رہا ہو جہاں

(۱) شرح الترغاتی ۲۲۶/۳، الربوئی ۴۰۷/۳، المغنی ۵۱۳/۷، المدونہ ۲۵۳/۸، تحفۃ المحتاج ۲۷۳/۸۔

(۲) المصنوع ۱۳۹/۱۳، الترغاتی ۲۲۷/۳۔

(۳) المصنوع ۱۵۲/۱۳-۱۵۳، لوطاب ۱۶۸/۳، الترغاتی ۲۲۷/۳، تحفۃ المحتاج

استبراء ۲۲-۲۴

سے باندی کے پاس آسکتا ہو اور خواہ آقا نے اس سے وطی کا اقرار کیا ہو یا نہ کیا ہو، اور اسی طرح اگر باندی شادی شدہ رہ چکی ہو، اس کی عدت گزر چکی ہو، اور عدت گزرنے کے بعد آقا کا انتقال ہو، اور یہ اس لئے کہ وہ اس وقت آقا کے لئے حایل تھی۔

لیکن اگر عدت پوری نہ ہوئی ہو یا آقا کی موت کے وقت وہ شوہر والی ہو تو استبراء واجب نہیں ہے۔ اسی طرح اس صورت میں بھی استبراء واجب نہیں جب آقا ایسی جگہ ہو کہ باندی تک اس کی رسائی ناممکن ہو اور اس کا غائب ہونا استبراء کے بقدر یا اس سے زیادہ مدت تک دراز ہو (۱)۔

رعی ام ولد (ام ولد وہ باندی ہے جو آقا کے زیر استعمال رہی ہو اور اس کے نطفہ سے اس کے بچے پیدا ہوئے ہوں) تو حلق کے بعد اس کے لئے از سر نو استبراء ضروری ہے، اور امام شافعی کا مذہب یہ ہے کہ آقا کا فراش اگر اس باندی سے زائل ہو چکا ہو جس سے وہ وطی کرتا تھا، تو استبراء واجب ہے، اس سے اولاد ہوئی ہو یا نہ ہوئی ہو، خواہ اس کا فراش حلق کی وجہ سے زائل ہوا ہو یا موت کی وجہ سے، اور خواہ اس پر مدت استبراء گزر چکی ہو یا نہ گزری ہو (۲)۔

و سفر و خت کی وجہ سے ملکیت کا زوال:

۲۲- اگر آقا باندی کو فر و خت کرنا چاہے تو دو حال سے خالی نہیں: اس سے قبل اس سے وطی کی تھی یا نہیں۔

اگر وطی نہیں کی تھی تو اس باندی کو بلا استبراء فر و خت کر سکتا ہے، البتہ امام احمد اس کے استبراء کو مستحب کہتے ہیں۔

اگر باندی سے آقا وطی و استمتاع کر رہا تھا، تو امام مالک کا مذہب یہ ہے کہ فر و خت سے قبل آقا پر اس کا استبراء واجب ہے، البتہ امام احمد

(۱) حاشیہ العدوی علی الخرشنی ص ۱۶۳۔

(۲) حوالہ سابق، نیز دیکھئے قلیوبی و عمیرہ ص ۵۹۳۔

آئہ (درازی عمر کی وجہ سے جن کا حیض بند ہو گیا ہو) اور غیر آئہ میں تفصیل کرتے ہیں۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ حضرت عمر بن الخطاب نے حضرت عبدالرحمن بن عوف پر اس وجہ سے نکیر کی تھی کہ انہوں نے ایک باندی کو جس سے وطی کرتے تھے، استبراء سے قبل فر و خت کر دیا تھا (۱)۔

شافعیہ کی رائے ہے کہ اس صورت میں استبراء سنت ہے، یہ استبراء فر و خت کرنے سے قبل ہوگا، تاکہ اس کے بارے میں اس کو واقفیت رہے، اور حنفیہ نے کہا: یہ مستحب ہے (۲)۔

ھ- سوء ظن کی وجہ سے استبراء:

۲۳- مازری نے کہا ہے: اور جس باندی کے حاملہ ہونے کا امکان ہے، اس کے استبراء کے بارے میں وقول ہیں، مازری نے اس کی کئی مثالیں دی ہیں مثلاً: باندی کا اس اندیشہ سے استبراء کہ اس نے زنا کیا ہے، اور اسی کی تعبیر ”استبراء بسوء الظن“ سے کی گئی ہے (۳)۔

مدت استبراء:

جس عورت کا استبراء مطلوب ہے اس کے چند حالات ہیں مثلاً: آزاد عورت، باندی جو حیض کی عمر کو پہنچ چکی ہو اور انہیں حیض آ رہا ہو، حاملہ، اور وہ عورت جس کو صغریٰ یا کبر سنی کی وجہ سے حیض نہ آ رہا ہو۔

آزاد عورت کا استبراء:

۲۴- آزاد عورت کا استبراء اس کی عدت کی طرح ہے، البتہ تین مسائل میں ایک حیض کے ذریعہ استبراء کافی ہے، زنا یا ارتداد کی حد اس پر نافذ کرنے کے لئے اس کا استبراء تاکہ اس کا غیر حاملہ ہونا ظاہر

(۱) المغنی ص ۱۵۷۔

(۲) لشروائی ص ۲۷۵، الوسوط ص ۱۵۱/۱۳۔

(۳) شرح المواق علی مختصر فہمیل ص ۱۶۸/۳۔

استبراء ۲۵-۲۷

ہو جائے، اس لئے کہ حاملہ ہونا حد کے نفاذ سے مانع ہے یا حمل کی نفی کرنے کے لئے لعان کرنے والی عورت کے بارے میں (استبراء ہو تو ایک حیض سے ہوگا) اور وہ عورت جس سے زنا کیا گیا ہو اس کے بارے میں ایک حیض پر اکتفا کرنا، یہ حنفیہ کا مذہب اور شافعیہ اور حنابلہ میں سے دونوں کی ایک روایت ہے۔ اور ان دونوں کی دوسری روایت یہ ہے کہ تین حیض کے ذریعہ اس کا استبراء ہوگا (۱)۔

حائضہ باندی کا استبراء:

۲۵- امام مالک، شافعی، احمد (ایک روایت کے مطابق)، عثمان، عائشہ، حسن، شعبی، قاسم بن محمد، ابو قلابہ، مکحول، ابو ثور اور ابو عبیدہ کی رائے ہے کہ اگر باندی کو ہر ماہ یا اس سے کم و بیش پر عورتوں کی عادت کی طرح حیض آتا ہو تو اس کا استبراء ایک مکمل حیض کے ذریعہ ہوگا، خواہ یہ استبراء غر وخت کا ہو یا متیقن کا یا وفات کا، وہ ام ولد ہو یا نہ ہو۔ حنفیہ نے ام ولد اور غیر ام ولد میں تفریق کرتے ہوئے کہا ہے کہ اگر وہ غیر ام ولد ہو تو اس کا استبراء ایک مکمل حیض کے ذریعہ ہوگا، رہی ام ولد تو اگر وہ آقا کے آزاد کرنے کی یا اس کی موت کی وجہ سے آزاد ہو جائے تو اس کی عدت تین قروء (حیض) ہے، کیونکہ حضرت عمر وغیرہ سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ ام ولد کی عدت تین حیض ہے (۲)۔

حاملہ کا استبراء:

۲۶- مالکیہ، حنفیہ اور حنابلہ کی رائے ہے کہ اگر عورت حاملہ ہو تو اس کا استبراء اس کے مکمل وضع حمل سے ہوگا اگرچہ اسے استبراء کے واجب ہونے کے ایک لمحہ بعد ہی وضع حمل ہو جائے۔

امام شافعی کا مذہب یہ ہے کہ قیدی باندی یا اس باندی کا استبراء جس سے آقا کا فراش زائل ہو چکا ہو اس کے وضع حمل کے ذریعہ ہوگا، اور اگر باندی خریدی ہوئی ہو اور وہ حاملہ ہو (خواہ اس کے شوہر کا حمل ہو یا طبی بالمشبہہ کی وجہ سے حاملہ ہو) تو فی الحال استبراء نہیں، عدت یا نکاح کے زوال کے بعد استبراء واجب ہے، اس لئے کہ استمتاع کے حائل ہونے کا وجود اس کے بعد ہی ہوتا ہے، اگرچہ ملکیت اس پر مقدم ہو، کیونکہ اس ملکیت کے ساتھ دوسرے کا حق مشغول ہے، اور زنا کی وجہ سے حاملہ عورت کو اگر مدت حمل کے دوران حیض نہ آتا ہو تو اس کا استبراء وضع حمل کے ذریعہ ہوگا، اور اگر حیض آتا ہو تو بھی صحیح قول کے مطابق یہی حکم ہے، اور ایک قول یہ ہے کہ اس کا استبراء حمل کے بعد ایک حیض کے ذریعہ ہو جائے گا (۱)۔

اس باندی کا استبراء جس کو صغریٰ یا کبریٰ کی وجہ سے حیض نہ آتا ہو:

۲۷- امام مالک کا مذہب یہ ہے کہ جس باندی کو صغریٰ یا کبریٰ کی وجہ سے حیض نہ آتا ہو وہ تین ماہ انتظار کرے گی، ابن رشد نے ”المقدمات“ میں نقل کیا ہے کہ مالکیہ کے مذہب میں اختلاف ہوا ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ اس کا استبراء ایک ماہ ہے، ایک قول یہ ہے کہ ڈیڑھ ماہ ہے، ایک قول دو ماہ کا ہے اور ایک قول تین ماہ کا ہے، اور یہی حنابلہ کے یہاں مشہور ہے اور یہی حسن، ابن سیرین، نخعی اور ابو قلابہ کا قول اور مذہب شافعی کا دوسرا قول ہے۔

امام ابو حنیفہ کا مذہب اور امام شافعی سے رائج روایت یہ ہے کہ اس کا استبراء صرف ایک ماہ کے ذریعہ ہوگا، اس کی علت یہ بتائی گئی ہے کہ ایک ماہ میں اس جیسی عورت کے علاوہ میں طہر اور حیض آجاتا ہے، نیز

(۱) الترقائی ۳/۲۰۳۔

(۲) الترقائی ۳/۲۰۱، المغنی ۷/۵۰۰، المدونہ ۳/۳۵۲، بدائع الصنائع

۲/۲۰۰، الموطأ ۱۳/۱۳۸۔

(۱) الترقائی ۸/۲۷۷، المغنی ۹/۲۱۵، روایت الطائیفین ۸/۲۶۶۔

استبراء ۲۸-۳۰، استبضاع ۱-۲

اس لئے کہ مہینہ شرعی طور پر طہر اور حیض کے قائم مقام ہے (۱)۔

دوران استبراء باندی سے استمتاع کا حکم:

۲۸- امام ابوحنیفہ اور امام مالک کا مذہب اور امام شافعی کی ایک روایت یہ ہے کہ جس باندی کا استبراء ہو رہا ہو استبراء کی مدت پوری ہونے تک اس کا بوسہ نہیں لے گا، نہ اس سے مباشرت کرے گا، اور نہ ہی اس کی شرم گاہ کو دیکھے گا، اور اس کی وجہ یہ ہے کہ ممکن ہے وہ فریخت کرنے والے سے حاملہ ہو اور یہ فریخت باطل ہو اور مذکورہ تصرفات ملکیت کے بغیر جائز نہیں ہیں، امام احمد نے ان سے اتفاق کیا ہے، امام احمد سے دوسری روایت ہے کہ جو باندی وطی کی طاقت رکھتی ہو اور جو وطی کی طاقت نہ رکھتی ہو ان دونوں میں فرق ہے (۲)۔

دوران استبراء عقد اور وطی کا اثر:

۲۹- جس باندی کا استبراء جاری ہو اس سے عقد کرنا تمام مذاہب میں حرام ہے، اور وطی بدرجہ اولیٰ حرام ہے، اور حرمت کے پیدا ہونے کے اعتبار سے اس کے اثرات کی تفصیل کتب فقہ میں موجود ہے (۳)۔

دوران استبراء سوگ منانے (ترک زینت) کا حکم:

۳۰- اس پر فقہاء کا اتفاق ہے کہ دوران استبراء عورت پر سوگ منانا نہ واجب ہے، نہ مستحب ہے، اس لئے کہ سوگ منانے کی مشروعیت نعمت نکاح کے زائل ہونے کی وجہ سے ہے (۴)۔

استبضاع

تعریف:

۱- الف- استبضاع لغت میں: بضع سے ماخوذ ہے جس کا معنی کاٹنا اور پھاڑنا ہے، نکاح اور جماع میں مجاز استعمال ہوتا ہے۔

بضع (باء کے ضمہ کے ساتھ) کے معنی جماع اور خود شرم گاہ کے بھی

ہیں (۱)۔ اس معنی کے لحاظ سے استبضاع کا معنی: طلب جماع ہے، اور اسی

سے نکاح استبضاع آتا ہے جس کی تعریف ابن حجر نے یہی کی ہے: دور

جاہلیت میں مرد اپنی بیوی سے کہتا تھا: ”أرسلني إلى فلان واستبضعني

منه“، یعنی فلاں کے پاس قاصد بھیج کر اس سے مباشرت یعنی جماع طلب

کرو (۲)۔ یہ دور جاہلیت میں تھا جس کو اسلام نے ختم کر دیا۔

ب- استبضاع لغت میں ایک اور معنی میں آتا ہے: استبضاع

الشيء: یعنی کسی چیز کو ”بضاعت“ (سامان) بنانا (۳)۔ اس لئے کہ

بضاعت مال کے اس حصہ کو کہتے ہیں کہ جس کو انسان تجارت کے

لئے بیچے۔

نکاح استبضاع کا اجمالی حکم:

۲- چوں کہ نکاح استبضاع خالص زنا ہے اس لئے اس پر بعینہ وہی

آثار مرتب ہوں گے جو زنا پر مرتب ہوتے ہیں یعنی سزا ہونا، شہرہ کی

(۱) تاج المعروس، لسان العرب: مادہ (بضغ)۔

(۲) فتح الباری شرح صحیح البخاری ۱۵/۱ طبع المطبعة البهية المصرية، ۱۳۳۸ھ۔

(۳) لسان العرب۔

(۱) الوسوط ۱۳/۱۳، المقدمات ۲/۹۵، الشروانی ۸/۲۷۷۔

(۲) الوسوط ۱۳/۱۳، المدونہ ۲/۳۵۹، الترغابی ۲/۲۳۰، عمدة القاری

۶۰۱/۵، اہلبیوی ۲/۶۱، المغنی ۷/۵۱۱۔

(۳) الترغابی ۳/۱۶۵-۱۶۶، ابن قاسم العبادی ۸/۲۷۷، المغنی ۷/۵۱۳۔

(۴) المغنی ۷/۵۱۷، حاشیہ اہلبیوی علی الترمذی ۳/۳۵۳، الاشراف علی مسائل

الخلاف ۲/۷۲، ابن عابدین ۲/۶۱۸۔

استبضاع ۳، استتابہ ۱-۳

وجہ سے وٹلی کا تاوان ہونا، استبراء کا واجب ہونا، اور زانی کے ساتھ اس وٹلی سے پیدا ہونے والے بچے کا نسب لاحق نہ کرنا، بلکہ بچے کا نسب صاحب فراش سے ثابت ہوگا، الا یہ کہ صاحب فراش انکار کر دے اور انکار کی شرائط پائی جائیں، اس کے علاوہ اور دوسرے آثار (دیکھئے اصطلاح: زنا)۔

استتابہ

تعریف:

۱- استتابہ لغت میں: توبہ طلب کرنا ہے، کہا جاتا ہے استتبت فلانا: میں نے اس سے اپنے گناہ سے توبہ کرنے کا مطالبہ کیا۔ اور توبہ گناہ پر ندامت اور اس کو چھوڑنا ہے، اور استتابہ: اس سے توبہ کرنے کا مطالبہ کیا (۱)۔ اصطلاحی مفہوم لغوی مفہوم سے الگ نہیں ہے۔

استتابہ کا شرعی حکم:

۲- مالکیہ کے یہاں مرتد سے توبہ کرنا واجب ہے، شافعیہ و حنابلہ میں سے ہر ایک کے یہاں بھی معتقد قول یہی ہے، کیونکہ ہو سکتا ہے کہ اس کو کوئی شبہ ہو تو اس کو دور کیا جائے گا۔ حنفیہ کا مذہب اور شافعیہ و حنابلہ کے یہاں دوسرا قول یہ ہے کہ مرتد سے توبہ کرنا مستحب ہے، کیونکہ اس کو دعوت اسلام پہنچ چکی ہے (۲)۔

زند یقوں اور باطنیوں سے توبہ کرانا:

۳- زند یقوں اور باطنیہ کے فرقوں سے توبہ کرانے کے بارے میں دو آراء ہیں:

اول: مالکیہ کا مذہب، حنفیہ کے یہاں ”ظاہر“ اور شافعیہ و حنابلہ

(۱) لسان العرب ۱/ ۲۳۳ طبع بیروت، المصباح الحمیر، المغنی ۸/ ۱۵۳۔

(۲) فتح القدیر ۳/ ۳۸۵، ابن ماجہ ۳/ ۲۸۵، الدسوقی ۳/ ۳۰۴، قلیوبی ۳/ ۱۷۷، المغنی ۸/ ۱۲۳۔

تجارت میں استبضاع:

۳- بعض فقہاء لفظ استبضاع کو اس صورت پر بھی بولتے ہیں کہ ایک شخص دوسرے کو کچھ مال دے تاکہ وہ اس میں کوئی کام کرے اور شرط یہ ہو کہ سارا نفع صاحب مال کا ہوگا، کام کرنے والے کا کچھ نہ ہوگا، اس صورت میں صاحب مال کو مستبضع اور مبضع (ضاد کے کسرہ کے ساتھ) کہا جاتا ہے اور کام کرنے والے کو: مستبضع اور مبضع معہ (ضاد کے زبر کے ساتھ) کہتے ہیں، اور اس معاملہ کو استبضاع اور ابضاع کہتے ہیں (۱)۔

اس کے احکام جاننے کے لئے دیکھئے: ”ابضاع“۔



(۱) حاشیہ ابن ماجہ بن علی الدر المختار ۳/ ۳۲۲، ۳۸۹ طبع ول بلاق، سواہب الجلیل شرح مختصر ضلیل ۵/ ۲۵۵ طبع مطبعة انوار طرابلس لیبیا۔

استنباط ۴-۵

ﷺ وہم متوافرون: هل لها من توبة فما أفتاها أحمد“ (۱)
(ایک جادوگر عورت نے صحابہ کرام سے جن کی اچھی خاصی تعداد تھی دریافت کیا کہ کیا اس کے لئے توبہ کی گنجائش ہے؟ تو کسی نے بھی اس کو فتویٰ نہیں دیا)۔ اور اس لئے کہ جادو جادوگر کی ذات میں پائی جانے والی ایک معنوی چیز ہے اور اس لئے بھی کہ وہ فساد کی سعی کرتا ہے۔

دوم: شافعیہ کا مذہب اور مالکیہ و حنابلہ کی ایک رائے یہ ہے کہ اس سے توبہ کرائی جائے گی، اور اگر توبہ کرے تو مقبول ہے، اس لئے کہ جادو و شرک سے بڑھا ہوا نہیں، اور اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے فرعون کے جادوگروں کی توبہ قبول کی، نیز یہ کہ جادوگر اگر کافر ہو پھر اسلام لائے تو اس کا اسلام اور توبہ درست ہے، تو جب ان دونوں (ساحر اور کافر) کی توبہ مقبول ہے، تو ان میں سے ایک (مسلم جادوگر) کی توبہ درست ہے (دیکھئے اصطلاح: ”سحر“)، اور اس کا حکم مرتد کا ہوگا، جب تک توبہ نہ کر لے قید کیا جائے گا (۲)۔

تارک فرض سے توبہ کرانا:

۵- تمام فقہاء کا اتفاق ہے کہ انکار یا تخفیر کے بغیر فرض چھوڑنے والے سے توبہ کرائی جائے گی کیونکہ اس کی توبہ قبول ہوتی ہے، اگر وہ توبہ کرنے سے انکار کرے تو حنفیہ کا مذہب اور حنابلہ کی ایک رائے یہ ہے کہ توبہ یا موت تک اس کو قید رکھا جائے گا۔
مالکیہ و شافعیہ کا قول اور حنابلہ کی ایک رائے یہ ہے کہ اگر وہ توبہ کرنے سے گریز کرے تو قتل کر دیا جائے گا، یہی جمہور کا مختار مذہب ہے (۳)۔

(۱) اس حدیث کی روایت ابن ابی حاتم نے کی ہے جیسا کہ تفسیر ابن کثیر (۱/۲۳۹ طبع دارالاندلس) میں ہے۔

(۲) نہایت المحتاج ۷/۳۹۸، اقلیو بی و عمیرہ ۳/۱۶۹، جوہر الاکلیل ۲/۲۶۵، ۲۷۸، المغنی ۸/۱۵۳، ابن ماجہ ۱/۳۱ طبع بول بلاق۔

(۳) ابن ماجہ ۱/۲۳۵، البحر علی الخطیب ۳/۲۰۸۔

کے یہاں ایک رائے یہ ہے کہ ان سے توبہ کرائی جائے گی اور نہ ہی ان کی توبہ قبول کی جائے گی، بلکہ ان کو قتل کر دیا جائے گا، اس لئے کہ فرمان باری ہے: ”إِلَّا الَّذِينَ تَابُوا وَأَصْلَحُوا وَبَيَّنُّوا“ (۱) (ابتدائے جن لوگوں نے توبہ کی اور اصلاح کر لی اور حق بات کو بیان کر دیا)۔ اور زندیق سے کوئی علامت ظاہر نہیں ہوتی جس سے اس کا رجوع اور توبہ معلوم ہو، اس لئے کہ وہ اسلام کا اظہار کرتا تھا اور کفر کو چھپاتا تھا۔ جب یہ بات معلوم ہو گئی تو اس نے توبہ کا اظہار کر دیا، اور توبہ سے پہلے اس کی جو حالت تھی اس میں کچھ اضافہ نہیں ہوا، یعنی اسلام کا اظہار، نیز اس لئے کہ وہ باطن میں خلاف ظاہر کا اعتقاد رکھتے ہیں۔

دوم: حنفیہ کے یہاں غیر ظاہر الروایہ اور شافعیہ و حنابلہ کے یہاں ایک رائے یہ ہے کہ اس سے توبہ کرائی جائے گی کیونکہ وہ مرتد کے حکم میں ہے، لہذا اس پر مرتد کے احکام جاری ہوں گے (۲) دیکھئے: زندیق۔

جادوگر سے توبہ کرانا:

۴- جادوگر سے توبہ کرانے کے بارے میں دو روایتیں ہیں:

اول: حنفیہ کا ظاہر مذہب، مالکیہ کی ایک رائے، اسی طرح حنابلہ کی ایک رائے یہ ہے کہ اس سے توبہ نہیں کرائی جائے گی، اور صحابہ سے منقول روایتوں کا ظاہر مفہوم بھی یہی ہے، کیونکہ کسی صحابی سے یہ منقول نہیں کہ انہوں نے کسی جادوگر سے توبہ کرائی ہو، اس لئے کہ حضرت عائشہ کی روایت ہے: ”إن الساحرة سألت أصحاب النبي

(۱) سورہ بقرہ ۱۶۰۔

(۲) ابن ماجہ ۱/۳۱، ۲۶۹/۳، نہایت المحتاج ۷/۳۹۸ طبع المکتبۃ الاسلامیہ، البحر ۱۲۶/۵ طبع احیاء التراث، اقلیو بی و عمیرہ ۳/۱۷۷ طبع مکتبۃ المدین، جوہر الاکلیل ۲/۲۶۵ طبع مکتبۃ الریاض الحدیث۔

حدیث میں ہے: ”لیسترو احدکم ولو بسهم“ (۱) (تم میں سے ہر ایک کو سترہ بنالینا چاہئے اگر چہ تیر کے ذریعہ ہو)۔ پھر اس کے حکم کے بارے میں کہ واجب ہے یا سنت یا مستحب، فقہاء کا اختلاف اور تفصیل ہے جس کی جگہ ”سترہ مصلیٰ“ کی اصطلاح ہے (۲)۔

استنار

جماع کے وقت استنار:

۴- استنار سے مراد یہاں دو چیزیں ہیں:

اول: جماع کے وقت لوگوں کی نگاہوں سے چھپنا۔
دوم: جماع کے وقت برہنہ نہ ہونا۔
اول: جماع یا تو ستر کے کھلنے کی حالت میں ہوگا یا نہ کھلنے کی حالت میں؟

اگر ستر کے کھلنے کی حالت میں ہو تو بالاجماع استنار فرض ہے، اور اگر ستر کا کچھ بھی حصہ ظاہر ہونے کی حالت میں نہ ہو تو اتفاق فقہاء استنار سنت ہے، اور اس میں لاپرواہی کرنے والا مخالف سنت ہے، اس لئے کہ فرمان نبوی ہے: ”إذا أتى أحدكم أهله فليستتر“ (۳) (جب تم میں سے کوئی اپنی بیوی کے پاس آئے تو پردہ کر لے) فقہاء نے کہا ہے کہ یہاں امر استحباب کے لئے ہے۔
نیز اس حالت میں پردہ نہ کرنا دنائت اور غیرت کے خلاف ہے (۴)۔

(۱) حدیث: ”لیسترو.....“ کی روایت حاکم (۱/۲۵۲) مطبوعہ دار الفکر (عثمانیہ) نے کی ہے مناوی نے فیض القدیر (۱/۳۸۶) طبع المکتبۃ التجاریہ (لکھنؤ) میں اس پر مرسل ہونے کا حکم لگایا ہے۔
(۲) الطحاوی علی مرآۃ الفلاح ص ۲۰۰، الدرر علی خلیل ۱/۲۳۳، المغنی ۲/۲۳۷۔
(۳) اس کی روایت ابن ماجہ نے کتاب النکاح باب الاستنار عند الجماع میں کی ہے۔
(۴) البحر الرائق ۳/۲۳۷ طبع المطبعۃ العلمیہ، فتاویٰ رضویٰ خاں ص ۲۰۸ طبع دوم بولاق ۱۳۱۰ھ، البحر علی صیح الطراب ۳/۲۳۶ طبع مصطفیٰ محمدی روضۃ

تعریف:

۱- استنار لغت میں ڈھکنا اور چھپنا ہے۔

کہا جاتا ہے: استنر و تستر (اس نے پردہ کیا) جاریۃ مستترۃ (۱) (پردہ نشیں لڑکی)۔ فقہاء نے اسی لفظ کو اسی معنی میں استعمال کیا ہے، اسی طرح انہوں نے اس لفظ کو نماز میں سترہ بنانے کے معنی میں بھی استعمال کیا ہے۔

سترہ (سین کے ضمہ کے ساتھ) دراصل ہر اس چیز کو کہتے ہیں جس سے پردہ کیا جائے، پھر فقہ میں اس کا غالب استعمال اس لکڑی یا مٹی کے ڈھیر پر کیا جانے لگا جس کو نمازی اپنے آگے بنالینا ہے (۲) تاکہ کوئی اس کے آگے سے نہ گزرے۔
اور صدقہ کے چھپانے کو ”ستر صدقہ“ بھی کہا جاتا ہے۔

استنار کا شرعی حکم:

۲- ان حالات اور افعال کے اعتبار سے جن میں استنار ہوتا ہے اس کا حکم الگ الگ ہے جس کی تفصیل یہ ہے:

استنار بمعنی نمازی کا سترہ بنانا:

۳- نمازی کے لئے سترہ بنانا بالاتفاق مشروع ہے، اس لئے کہ

(۱) المصباح الحیر، القاموس لسان العرب۔
(۲) الطحاوی علی مرآۃ الفلاح ص ۲۰۰، الدرر علی خلیل ۱/۲۳۳، المغنی ۲/۲۳۷۔

استتار ۵

دوم: (جماع کے وقت برہنہ نہ ہونا) اگرچہ زوجین کے ساتھ کوئی اور نہ ہو جو ان کو دیکھے، اس کے بارے میں فقہاء کا اختلاف ہے، حنفیہ، مالکیہ اور شافعیہ (۱) کی رائے یہ ہے کہ شوہر اپنی بیوی کو جماع کے لئے برہنہ کر سکتا ہے، اور حنفیہ نے یہ قید لگائی ہے کہ گھر چھوٹا ہو، اس کی دلیل حضرت بہر بن حکیم عن ابیہ عن جدہ کی روایت ہے کہ انہوں نے کہا: "قلت یا رسول اللہ عورتنا ما نأتی منها وما نذر؟ قال: احفظ عورتک إلا من زوجتک، أو ما ملک یمینک، قلت: یا رسول اللہ! آرایت ان کان القوم بعضهم من بعض؟ قال ان استطعت ألا ترہا أحدا فلا ترہا، قلت یا رسول اللہ، فإن کان أحلنا خالیاً قال: فاللہ أحق أن یمسحہ منہ من الناس" (۲) (میں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! ہمارے ستر کا کیا حکم ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اپنی بیوی اور باندی کے علاوہ ہر ایک سے چھپاؤ، میں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! اگر مرد ہی مرد ہوں تو کیا حکم ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اگر ایسا کر سکو کہ کسی کو اپنی شرم گاہ نہ دکھاؤ تو ضرور ایسا کرو، میں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! اگر کوئی تنہا ہو؟ آپ ﷺ

= الطائیین ۲/۶۰۶ طبع المکتب الاسلامی، نہایت المحتاج ۶/۵۷۳ طبع مصطفیٰ الباب الحلیس ۵/۱۳۵، حامیۃ الشروانی علی الجہد ۶/۵۰۰، المغنی لابن قدامہ ۸/۱۳۵ طبع المنان مکتبی الارادات ۲/۲۲۹ طبع دار الخلیل، المشرح الکبیر علی متن الخرقی ۸/۱۳۳ طبع المنان حامیۃ الرمہونی علی شرح الخرقانی لمتن غلیل ۳/۲۶۳-۲ طبع بولاق ۱۳۰۶ھ، حامیۃ محمد بن المدنی علی کنون علی شرح الخرقانی لمتن غلیل ۳/۲۷۳۔

(۱) نیل الاوطار ۶/۱۹۵، مراتب الفلاح مع حامیۃ الخطاوی ص ۵۷، حاشیہ ابن عابدین ۵/۲۳۳، اہلبیوی ۳/۲۱۳، البحر فی علی الحج ۳/۳۱۶، المغنی والمشرح الکبیر ۸/۱۳۵، القواعد الفقہیہ ص ۲۹۳۔

(۲) حدیث: "احفظ عورتک" کی روایت ابو داؤد نے کتاب الحجام میں، ابن ماجہ نے کتاب الحجام میں، ترمذی نے کتاب الادب میں اور احمد بن حنبل (۳/۵) نے کی ہے۔

نے فرمایا: لوگوں کے مقابلہ میں اللہ سے زیادہ حیا کرنی چاہئے)۔ نیز عبد اللہ بن عمرؓ کی روایت میں فرمان نبوی ہے: "یاکم والتعری! فإن معکم من لا یفارقکم إلا عند العائط وحین یفضی الرجل إلی أہلہ، فاستحیوہم واکرموہم" (۱) (برہنہ ہونے سے بچو، کیونکہ تمہارے ساتھ ایسے لوگ رہتے ہیں جو صرف قضاء حاجت کے وقت تم سے جدا ہوتے ہیں اور جس وقت آدمی اپنی بیوی سے ملتا ہے، لہذا تم ان سے حیا کرو اور ان کی عزت کرو)۔ حنابلہ کے یہاں یہ مکروہ ہے، اس لئے کہ حضرت عتبہ بن عبد سلمیٰ کی روایت میں فرمان نبوی ہے: "إذا أتى أحدکم أہلہ فلیستتر ولا یتجردا تجرد العیرین" (۲) (جب تم میں سے کوئی اپنی بیوی کے پاس آئے تو پردہ کر لے، اور دونوں گدھوں کی طرح برہنہ نہ ہوں)۔

۵- کیا چیز پردہ کے خلاف ہے:

الف - میاں بیوی کے ساتھ گھر میں کسی باشعور بیدار شخص کی موجودگی پردہ کے خلاف ہے، خواہ وہ اس کی بیوی ہو یا باندی یا کوئی اور (۳)، جو دیکھ رہا ہو یا آہٹ محسوس کر رہا ہو (۴)۔ یہی جمہور کا قول ہے۔ حسن بصری سے دریافت کیا گیا کہ اگر مکان میں کسی کی دو بیویاں ہوں؟ تو انہوں نے فرمایا: صحابہ کرام یہ پسند نہیں کرتے تھے کہ آدمی کسی ایک بیوی سے جماع کرے اور دوسری دیکھ رہی ہو یا محسوس کر رہی ہو (۵)۔

(۱) اس کی روایت ترمذی نے کتاب الادب میں کی ہے۔

(۲) اس کی روایت ابن ماجہ نے کتاب الحجام باب الاستعر عند الجماع میں کی ہے۔

(۳) حامیۃ الشروانی علی تحفہ المحتاج شرح المحتاج ۶/۵۰۰۔

(۴) الرمہونی ۳/۲۶۳-۲، المغنی ۸/۱۳۵۔

(۵) مخطوطہ مصنف ابن ابی شیبہ ۱/۲۳۰۔

اول: اصل یہ ہے کہ قضاے حاجت کے وقت ستر کا چھپانا واجب ہے اگر کوئی ایسا شخص موجود ہو جس کے لئے شرم گاہ کو دیکھنا جائز نہیں، اس کی تفصیل اصطلاح: ”عمورۃ“ میں ہے۔ اسی طرح بعض فقہاء کے نزدیک سنت یہ ہے کہ بیت الخلاء کے وقت بذات خود انسان اپنی ذات کو بھی چھپائے۔

رہا کسی آڑ کے ذریعہ قبلہ سے پردہ کرنا تو بعض فقہاء کی رائے ہے کہ قضاے حاجت کے وقت قبلہ کی طرف منہ یا پشت کرنا جائز ہے اگر قبلہ کی طرف کوئی آڑ موجود ہو۔

اور بعض فقہاء علی الاطلاق قبلہ کی طرف منہ یا پشت کرنے کو حرام قرار دیتے ہیں۔ قبلہ سے پردہ کرنے کے متعلق تفصیل ”قضاء حاجت“ کی اصطلاح میں ہے۔

غسل کے وقت پردہ کرنا:

الف۔ جس کے لئے کسی کی شرم گاہ کا دیکھنا جائز نہیں اس سے پردہ کا وجوب:

۸۔ جس کے لئے غسل کرنے والے کے ستر کا دیکھنا جائز ہے اس کی موجودگی میں غسل کرتے ہوئے پردہ کرنا فرض ہے، اس مسئلہ میں کسی کا اختلاف نہیں (۱)۔ اس کی دلیل فرمان نبوی ہے: ”احفظ عورتک إلا من زوجتک أو ما ملکت یمینک“ (۲) (اپنی بیوی اور باندی کے علاوہ ہر ایک سے اپنی شرم گاہ کو چھپاؤ)۔

(۱) ابن ماجہ ۱/۱۰۵، ۲۲۵، حاشیہ الجمل ۱/۸۷، البحرانی علی خلیل ۱/۱۳۶، المغنی ۱/۲۳۱۔

(۲) حدیث: ”احفظ عورتک...“ کی روایت ابن ماجہ (۱/۶۱۸ طبع عتیق الجلی)، احمد (۳/۵ طبع المکتبہ) نے کی ہے اور ابن حجر نے فتح الباری (۱/۳۸۶ طبع المستقر) میں اس کو صحت قرار دیا ہے نیز اس حدیث کی تخریج فقرہ نمبر ۳ کے تحت ہو چکی ہے۔

ب۔ سونے والے کی موجودگی بھی پردہ کے منافی ہے۔ مالکیہ نے اس کی صراحت کی ہے، چنانچہ رہونی نے متن خلیل کی شرح زرقانی پر اپنے حاشیہ میں لکھا ہے: جائز نہیں کہ آدمی اپنی بیوی یا باندی کے پاس آئے جب کہ اس کے ساتھ مکان میں کوئی اور بیدار یا سویا ہوا ہو (۱)۔ اس لئے کہ سونے والا ہو سکتا ہے کہ جاگ جائے اور ان دونوں کو اس حالت میں دیکھ لے۔

ج۔ جمہور مالکیہ کے نزدیک غیر ذی شعور چھوٹے بچے کا وجود بھی پردہ کے منافی ہے، کیونکہ حضرت ابن عمر جماع کے وقت کوہ کے بچے کو بھی باہر نکال دیتے تھے (۲)۔ جب کہ جمہور (جن میں بعض مالکیہ بھی ہیں) کی رائے ہے کہ بے شعور کی موجودگی پردہ کے منافی نہیں ہے، اس لئے کہ اس میں مشقت اور حرج ہے۔

جماع کے وقت پردہ نہ کرنے پر مرتب ہونے والے اثرات:

۶۔ اگر شوہر جماع کے وقت لوگوں سے پردہ نہ کرنا ہو اور اپنی عورت کو بستر پر بلائے تو عورت کو انکار کرنے کا حق ہے، اور اس انکار سے وہ مافران نہیں ہوگی، اس لئے کہ یہ انکار رد حق ہے، نیز اس لئے کہ یہ حیا اور غیرت کے خلاف ہے، حنفیہ وشافعیہ نے اس کی صراحت کی ہے (۳)۔ مالکیہ وحنابلہ کے قواعد بھی اس کے خلاف نہیں ہیں۔

قضاء حاجت کے وقت پردہ کرنا:

۷۔ اس کے تحت دو چیزیں آتی ہیں: لوگوں کی نظر سے پردہ کرنا، اور قبلہ سے پردہ کرنا اگر آبادی کے باہر ہو۔

(۱) حاشیہ رہونی ۳/۳۶، ۳۷۔
(۲) حاشیہ رہونی ۳/۳۶، ۳۷۔
(۳) البحر الرائق ۳/۲۳، شرح البحرانی علی مسیح المصاب ۳/۳۶ طبع مصطفیٰ محمد نہایت الحناج ۱/۵۷، ۵۸ طبع مصطفیٰ البابی الخلیف ۱/۱۳۵۔

”وعن أم هانئ قالت: ”ذهبت إلى رسول الله عام الفتح فوجدته يغتسل و فاطمة تستره فقال: من هذه؟ فقلت: أنا أم هانئ“ (۱) (حضرت ام ہانی سے مروی ہے کہ انہوں نے کہا: فتح مکہ کے سال میں رسول اکرم ﷺ کی خدمت میں گئی تو آپ ﷺ کو غسل کرتے ہوئے پایا، اور فاطمہؓ آپ ﷺ کے لئے پردہ کئے ہوئی تھیں، آپ ﷺ نے فرمایا: کون ہے؟ میں نے عرض کیا: میں ام ہانی ہوں)۔ دیکھئے: اصطلاح ”عورة“۔

اگر ان میں کسی کے سامنے شرم گاہ کھولے بغیر غسل ناممکن ہو تو حنفیہ نے صراحت کی ہے کہ اس صورت میں ستر کے کھلنے کی وجہ سے غسل واجب سا قہ نہ ہوگا اگر مرد مردوں کے درمیان یا عورت عورتوں کے درمیان ہو، اس کی وجہ دو امور ہیں:

اول: جنس کا اپنے ہم جنس کو دیکھنا غیر جنس کے دیکھنے کے مقابلہ میں ہلکا ہے۔
دوم: غسل فرض ہے، لہذا ستر کھلنے کے ڈر سے اس کو ترک نہیں کیا جائے گا۔

اور اگر عورت مردوں کے درمیان، یا مرد عورتوں کے درمیان ہو، یا حنفی مردوں یا عورتوں کے درمیان ہو، یا دو حنفی ساتھ ہوں تو غسل کے لئے ستر کو کھولنا جائز نہیں بلکہ یہ لوگ تیمم کریں گے، لیکن شارح ”منیۃ المصلی“ اس تفصیل سے متفق نہیں ہیں، دوسرے حضرات نے یہ اجازت اس لئے دی ہے کہ مہی عنہ کا ترک فعل مامور پر مقدم ہے، اور غسل کا بدل تیمم ہے (۲)۔

ایسا شخص جس کے لئے ستر کا دیکھنا حرام ہے اس کی موجودگی میں غسل کے وقت ستر کھولنے کے حرام ہونے کے بارے میں حنا بلہ کی

(۱) بخاری نے اس حدیث کی روایت کتاب الغسل: باب من اغتسل عریاناً میں کی ہے (فتح المبارک ۱/ ۳۰۶، ۳۰۸)۔

(۲) ابن ماجہ ۱/ ۱۰۵، ۲۲۵، المغنی ۱/ ۲۳۳۔

عمومی گفتگو سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ حنفیہ کے مخالف ہیں۔
مالکیہ اور شافعیہ کے کلام سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ پانی سے طہارت حاصل کرنے میں اگر ستر کے کھلنے کی نوبت آ رہی ہو تو تیمم کیا جائے گا، اس لئے کہ ستر کے چھپانے کا کوئی بدل نہیں، نیز یہ کہ ستر کا چھپانا نماز کے لئے اور لوگوں کی نگاہوں سے بچنے کے لئے واجب ہے، اور اس کی خاطر ممنوع چیز کا ارتکاب مباح ہو جاتا ہے، مثلاً کسی آدمی کا ریشمی کپڑے کے ذریعہ پردہ کرنا جب پردہ کے لئے وہی متعین ہو جائے (یعنی دوسرا کپڑا میسر نہ ہو)، لیکن پانی سے طہارت حاصل کرنے کا بدل موجود ہے اور اس کی وجہ سے ممنوع کا ارتکاب مباح نہیں ہوتا (۱)۔ اور اسی وجہ سے حضرات سلف و ائمہ اربعہ بغیر لنگی کے حمام میں داخل ہونے کی سختی سے ممانعت کرتے تھے، ابن ابوشیبہ نے اس سلسلہ میں حضرت علی ابن ابوطالب، محمد بن سیرین، ابو جعفر محمد بن علی، اور سعید بن جبیر کے آثار نقل کیے ہیں، یہاں تک کہ انہوں نے نقل کیا ہے کہ حضرت عمر بن خطابؓ نے لکھا کہ کوئی شخص لنگی کے بغیر حمام میں ہرگز داخل نہ ہو، اور حضرت عمر بن عبد العزیزؒ نے بصرہ میں اپنے عامل کو لکھا: حمد و صلاۃ کے بعد اپنے علاقہ کے لوگوں کو حکم دو کہ لنگی کے بغیر حمام میں داخل نہ ہوں، اور انہوں نے حمام میں تہبند کے بغیر داخل ہونے والوں اور حمام میں داخل ہونے کی اجازت دینے والے ماکان کے لئے سخت سزائیں مقرر کیں، حضرت عبادہ کہتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ حضرت عمر بن عبد العزیزؒ حمام کے مالک اور بغیر تہبند کے حمام میں داخل ہونے والے کو مارتے تھے (۲)۔

(۱) منہج الجلیل ۱/ ۸۷، المجموع ۲/ ۲۷۵۔

(۲) مصنف ابن ابی شیبہ ۱/ ۱۹ مخطوطہ استنبول، مؤلف طویل قبوسرائی، شیخ لاہوری، نمبر: ۳۳۳، ۳۳۳، نہایۃ المحتاج ۱/ ۲۱۳ طبع المکتبۃ الاسلامیہ الریاض، مثنوی الارادات ۱/ ۳۲ طبع دار المعروب۔

ب- بیوی کی موجودگی میں شوہر کا غسل کے لئے پردہ کرنا:
 ۹- بالاتفاق میاں بیوی میں سے ہر ایک دوسرے کی موجودگی میں برہنہ غسل کر سکتا ہے (۱)۔ اس لئے کہ حدیث سابق میں ہے: ”احفظ عورتک إلا من زوجتک أو ما ملک یمینک“ (اپنی بیوی اور باندی کے علاوہ ہر ایک سے اپنی شرمگاہ کی حفاظت کرو) اور حضرت عائشہؓ کی روایت میں ہے وہ فرماتی ہیں: ”کنت اغتسل أنا والنبی ﷺ من إماء واحد من قدح یقال له الفرت“ (۲) (میں اور حضور ﷺ (دونوں ایک ساتھ) ایک برتن سے غسل کرتے تھے، اور وہ برتن کیا تھا ایک کوئٹا جس کو ”فرت“ کہتے ہیں) (متفق علیہ)۔

اکیسے غسل کرنے والے کا پردہ کرنا:

۱۰- حنفیہ، مالکیہ، شافعیہ اور حنابلہ کی رائے ہے کہ اکیلا آدمی برہنہ غسل کر سکتا ہے (۳)۔ اس کی دلیل بخاری شریف میں حضرت ابوہریرہ کی یہ حدیث ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: ”کانت بنو اسرائیل یغتسلون عراة ینظر بعضهم إلی بعض، وکان موسی یغتسل وحده، فقالوا: واللہ ما یمنع موسی أن یغتسل معنا إلا أنه آذر (منفوخ الخصیة) فذهب مرة یغتسل، فوضع ثوبه علی حجر، ففتر الحجر بثوبه، فخرج موسی فی اثره یقول: ثوبی یا حجر، حتی نظر بنو اسرائیل إلی موسی، فقالوا: واللہ ما یموسی من بأس،

(۱) کجلی، ۱۰/۳۳، فتاویٰ قاضی خاں ۳/۳۰۷، مغنی المحتاج ۵/۷۵، الخرش

۳/۵۸، المغنی ۷/۵۸، فتح الباری ۳/۳۰۳، طبع المطبعة البیہ ۱۳۲۸ھ۔

(۲) حدیث: ”کنت اغتسل...“ کی روایت بخاری (فتح الباری ۱/۳۶۳، طبع الاستیعاب) نے کی ہے۔

(۳) مغنی المحتاج ۵/۷۵، المغنی ۱/۳۳۱، فتح الباری ۱/۳۰۷۔

و أخذ ثوبه فطفق بالحجر ضرباً“ (۱) (بنی اسرائیل کے لوگ ننگے نہایا کرتے تھے، ایک دوسرے کو دیکھتے تھے، اور موسی علیہ السلام اکیلے ہو کر نہاتے تھے، بنی اسرائیل کہنے لگے: خدا کی قسم! موسی ہمارے ساتھ اس وجہ سے نہیں نہاتے کہ ان کے کھیسے بڑھے ہوئے ہیں، ایک بار موسی علیہ السلام اپنا کپڑا ایک پتھر پر رکھ کر نہانے لگے، پتھر ان کا کپڑا لے بھاگا، موسی اس کے پیچھے یہ کہتے ہوئے لپکے: پتھر! میرا کپڑا دے دو، یہاں تک کہ بنو اسرائیل نے حضرت موسی کو (ننگا) دیکھ لیا، اور کہنے لگے: خدا کی قسم! موسی میں کوئی بیماری نہیں ہے، موسی نے اپنا کپڑا لے لیا، اور پتھر کو مارنے لگے)۔

حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”بینا یوب یغتسل عریانا فخر علیہ جراد من ذهب فجعل یوب یحتشی فی ثوبه فناداه ربہ: یا یوب ألم اکن أغنیتک عما توی؟ قال: بلی وعزتك ولكن لا غنی بی عن برکتک“ (۲) (ایک بار حضرت یوبؑ ننگے نہا رہے تھے، ان پر سونے کی ٹڈیاں گرنے لگیں، وہ ان کو اپنے کپڑے میں پکڑ پکڑ کر رکھنے لگے، ان کے رب نے ان کو پکارا: کیا میں نے تم کو ان چیزوں سے جن کو تم دیکھ رہے ہو بے نیاز نہیں کیا؟ حضرت یوبؑ نے کہا: بے شک تیری عزت کی قسم! مگر تیرے کرم سے میں کہیں بے نیاز ہو سکتا ہوں؟)۔

رسول اللہ ﷺ نے ان واقعات کو بلا تکیر بیان فرمایا جو جواز کی دلیل ہے، اس لئے کہ ہم سے قبل کی شریعت ہمارے لئے بھی ہے اگر ہماری شریعت میں اس کے خلاف حکم موجود نہ ہو۔

امام مالک سے کھلی جگہ میں غسل کرنے کے بارے میں دریافت

(۱) حدیث: ”کانت بنو اسرائیل...“ کی روایت بخاری نے اپنی صحیح (فتح

الباری ۱/۳۸۵، طبع الاستیعاب) میں کی ہے۔

(۲) فتح الباری ۱/۳۰۷۔

کیا گیا تو فرمایا: کوئی حرج نہیں ہے، عرض کیا گیا کہ اے ابو عبد اللہ (امام مالک) اس کے بارے میں ایک حدیث ہے تو امام مالک نے اس پر نکیر کی اور حیرت سے فرمایا: کیا آدمی کھلی جگہ میں غسل نہیں کر سکتا! آدمی کے لئے کھلی جگہ میں غسل کرنے کی اجازت امام مالک کی طرف سے اسی صورت میں ہے جب کسی کے گزرنے کا اندیشہ نہ ہو، اور یہ کہ شریعت نے انسانوں سے ستر چھپانے کو واجب فرما دیا ہے فرشتوں سے نہیں، اس لئے کہ آدمی پر مقرر فرشتے کسی بھی حال میں اس سے جدا نہیں ہوتے فرمان باری ہے: ”مَا يَلْفُظُ مِنْ قَوْلٍ إِلَّا لَدَيْهِ رَقِيبٌ عَتِيدٌ“ (۱) (وہ کوئی لفظ منہ سے نکالنے نہیں پاتا مگر یہ کہ اس کے آس پاس ہی ایک تاک میں لگا رہنے والا تیار ہے)، نیز فرمایا: ”وَأَنَّ عَلَيْكُمْ لِحَافِظِينَ كِرَامًا كَاتِبِينَ يَعْلَمُونَ مَا تَفْعَلُونَ“ (۲) (در آنحالیکہ تمہارے اوپر (ہماری طرف سے) یاد رکھنے والے معزز لکھنے والے (مقرر) ہیں، وہ جانتے ہیں اس کو جو کچھ تم کر رہے ہو)۔

اور اسی وجہ سے امام مالک نے حیرت سے فرمایا: آدمی کھلی جگہ میں غسل نہ کرے! کیونکہ فرشتوں کے حق میں کھلی جگہ اور بند جگہ برابر ہے (۳)۔

البتہ یہ جواز کراہت تفریحی کے ساتھ ہے، لہذا پردہ کر لینا مستحب ہے (۴)، اس لئے کہ امام بخاری نے تعلیقاً اور دوسرے حضرات نے موصلاً بروایت معاویہ بن حیدہ حضور ﷺ کا یہ ارشاد

نقل کیا ہے: ”احفظ عورتک إلا من زوجتک أو ماملکت یمینک، قلت: یا رسول اللہ فإن کان آملنا خالیما؟ قال فاللہ أحق أن یمسحہ منہ من الناس“ (۱) (اپنی بیوی اور باندی کے علاوہ ہر ایک سے اپنی شرم گاہ کو چھپاؤ، میں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! اگر ہم میں سے کوئی تنہا ہو؟ فرمایا: لوگوں کے مقابلہ میں اللہ سے زیادہ حیا کرنی چاہئے)۔

حضرت عبدالرحمن بن ابی لیلیٰ کی رائے ہے کہ غسل کے وقت پردہ کرنا واجب ہے، اگرچہ خلوت میں ہو (۲)، ان کا استدلال بخاری، ابو داؤد اور نسائی کی اس حدیث سے ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک شخص کو کھلی جگہ میں غسل کرتے ہوئے دیکھا، تو آپ ﷺ منبر پر جلوہ افروز ہوئے اور حمد و ثنا کے بعد فرمایا: ”إن اللہ عزوجل حلیم حی ستر یحب الحیاء والستر فإذا اغتسل أحدکم فلیستر“ (۳) (اللہ تعالیٰ بردبار، حیا دار اور پردہ پوشی کرنے والا ہے، حیا اور پردہ کو پسند کرتا ہے، لہذا جب تم میں سے کوئی غسل کرے تو پردہ کر لے)۔

عورت کا اعضا زینت کا پردہ کرنا:

۱۱- عورت کے لئے ضروری ہے کہ شوہر اور محارم کے علاوہ سے پردہ کرتے ہوئے اپنے ستر کو چھپائے اور اپنی زینت کو ظاہر نہ کرے (۴)، اس لئے کہ فرمان باری ہے: ”يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّأَزْوَاجِكَ

(۱) تہذیب المحتاج مع شرح المنہاج ۱/ ۲۹۷، اور حدیث کی تخریج فقہ (۴) کے تحت آچکی ہے۔

(۲) فتح الباری ۱/ ۳۰۶، نیل الاوطار ۱/ ۲۵۳۔

(۳) ابو داؤد نے کتاب الحجام میں اور نسائی نے کتاب الاعمال باب الاستنار عند الاعمال میں اس حدیث کی روایت کی ہے۔

(۴) تفسیر طبری ۱۸/ ۱۱۸، ۱۱۹، تفسیر قرطبی ۱۲/ ۲۲۸۔

(۱) سورہ ق ۱۸۔

(۲) سورہ انفطار ۱۱۰، ۱۱۱۔

(۳) جامعہ الربوئی ۱/ ۲۲۶۔

(۴) فتح الباری ۱/ ۳۸۶، نیل الاوطار ۱/ ۲۵۳، طبع المطبعۃ المصنوعۃ ۱۳۵۷ھ، معنی المحتاج ۱/ ۵۷، شرح الربوئی ۱/ ۲۲۶، طبع مول بولاق ۱۳۰۶ھ، المعنی ۱/ ۲۳۱، الطحاوی علی مراتب الفلاح ص ۵۷۔

وَبَنَاتِكَ وَنِسَاءَ الْمُؤْمِنِينَ يُدْنِينَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيبِهِنَّ“ (۱)
(اے نبی کہہ دیجئے اپنی بیویوں اور بیٹیوں اور (عام) ایمان والوں کی عورتوں سے کہ اپنے اوپر نیچی کر لیا کریں اپنی چادریں تھوڑی سی)۔
محارم وغیرہ سے اعضاء کے چھپانے کے وجوب کے سلسلے میں،
نیز چہرہ، ہتھیلی اور قدم کے چھپانے کے بارے میں اختلاف و تفصیل
ہے، جس کی جگہ اصطلاح: ”ترتین“ اور ”عورة“ ہے۔

بدکاری کی پردہ پوشی:

۱۲- جو شخص کسی معصیت مثلاً شراب نوشی اور زنا کاری میں مبتلا
ہو جائے، اس کے لئے ضروری ہے کہ اس کو چھپائے اور اپنی برائی کو
ظاہر نہ کرے، اسی طرح اگر کسی کو اس کی بدکاری کا علم ہو جائے تو اس
کی پردہ پوشی کرے، اور اس کو سمجھائے اور حتی الوسع کسی ذریعہ سے اس
کو روکے۔

۱۳- باتفاق فقہاء اگر انسان سے کوئی معیوب کام سرزد ہو جائے تو
اپنی پردہ پوشی اس کے لئے مستحب ہے، اور اپنی بدکاری کی اطلاع کسی
کو نہ دے حتیٰ کہ قاضی کو بھی نہیں کہ اس پر حد یا تعزیر قائم کرے (۲)۔
اس لئے کہ بخاری وغیرہ میں حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ انہوں
نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: ”کل أمتي معافي
إلا المجاهرين وإن من المجاهرة أن يعمل الرجل بالليل
عملاً ثم يصبح وقد ستره الله تعالى فيقول: يا فلان
عملت البارحة كذا وكذا وقد بات يستره ربه ويصبح
يكشف ستر الله عنه“ (۳) (میری امت کے سب لوگوں کو اللہ

تعالیٰ بخش دے گا مگر جو لوگ گناہ کو ظاہر کریں، اور گناہ کو ظاہر کرنے
میں یہ بھی شامل ہے کہ آدمی رات میں کوئی (بر) کام کرے حالانکہ
اللہ نے اس کو چھپائے رکھا، لیکن وہ صبح کو ایک ایک سے کہتا پھرے:
یار! میں نے رات کو یہ یہ کیا، جبکہ اللہ تعالیٰ نے رات بھر اس کے عیب
کو چھپائے رکھا، اور وہ صبح کو اللہ کی پردہ پوشی کو فاش کرنے لگے)۔

نیز فرمان نبوی ہے: ”من أصاب من هذه القاذورات شيئاً
فليستر بستر الله فإنه من يبدى لنا من صفحته نقيم عليه
كتاب الله“ (۱) (جو ان فواحش میں سے کسی میں مبتلا ہو جائے تو اللہ
کے پردہ سے اس کو چھپائے رکھے، کیونکہ جو اپنے اعمال میں سے کچھ
ہمارے سامنے ظاہر کرے گا ہم اس پر اللہ کا حکم نافذ کریں گے)، اور
حضرت ابو بکر صدیقؓ نے فرمایا: ”اگر میں کسی شرابی کو پکڑ لوں تو مجھے
یہی پسند ہے کہ اللہ اس پر پردہ ڈال دے، اور اگر میں کسی چور کو
پکڑ لوں تو مجھے یہی پسند ہے کہ اللہ اس کی پردہ پوشی کرے“ (۲)۔ اور
حضرات صحابہ: ابو بکر، عمر بنی، عمار بن یاسر، ابو ہریرہ، ابو ذر، اور
حسن بن علی وغیرہ رضی اللہ عنہم (۳) سے منقول ہے کہ انہوں نے
معصیت کا اعتراف کرنے والے کی پردہ پوشی کی، یا اس کی پردہ پوشی
کے پیش نظر معصیت کا اقرار کرنے والے کو اس سے رجوع کرنے کی
تلقین کی، اور معصیت کے معترف کا اپنی پردہ پوشی کرنا دوسرے کا اس
کی پردہ پوشی کرنے سے بہتر ہے۔

ماواقفیت کی وجہ سے معصیت کا اظہار فخریہ انداز سے معصیت
کے اظہار کی طرح نہیں ہے، ابن حجر نے کہا ہے: جس نے تصدأ

(۱) اس حدیث کی روایت حاکم، بیہقی اور امام مالک نے الموطأ باب الحدود میں کی
ہے۔

(۲) مصنف ابن ابی شیبہ (مخطوطہ) ۲/۱۳۲۔

(۳) مصنف ابن ابی شیبہ (مخطوطہ) ۲/۱۲۳، ۱۳۰۔

(۱) سورۃ احزاب، ۵۹۔

(۲) فتح الباری ۱/۳۹۹، لفروع ۳/۲۶۳، منشی الارادات ۲/۶۰، مفتی المحتاج

۱۵۰/۳، حاشیہ ابن ماجہ ۵/۱۳۰۔

(۳) فتح الباری ۱۰/۳۹۹۔

میں توبہ کی شرط یہ ہے کہ حق، حق دار تک پہنچا دیا جائے، یا اصحاب حقوق اس کو معاف کر دیں، اور اسی وجہ سے اگر کسی نے خفیہ طور پر ایسا گناہ کیا جس کا تعلق کسی آدمی کے حق سے ہو تو اس حق کو حقدار کے پاس پہنچانا ضروری ہے (۱)۔ دیکھئے: اصطلاح ”توبہ“۔

معصیت کا اظہار اور اعلان کیا اس نے اپنے رب کو ناراض کیا (۱)۔ اور خطیب شریعی نے کہا: معصیت کو مزالے لے کر بیان کرنا قطعی طور پر حرام ہے (۲)۔

معصیت کی پردہ پوشی کا اثر:

۱۴۔ معصیت کی پردہ پوشی کے نتائج مندرجہ ذیل ہیں:

الف۔ دنیوی سزا قائم نہ کرنا، اس لئے کہ سزائوں کے واجب ہونے کے لئے ان کا اثبات ضروری ہے (دیکھئے: اصطلاح ”اثبات“)، اور جب اس نے اس کو مخفی رکھا اور اس کا اعلان نہیں کیا، اور نہ اس کا اقرار کیا، اور نہ کسی طرح سے اس کا ثبوت ہو سکا، تو سزا نہیں ہے۔
ب۔ برائی کا عام نہ ہونا: فرمان باری ہے: ”إِنَّ الَّذِينَ يُحِبُّونَ أَنْ تَشِيعَ الْفَاحِشَةُ فِي الَّذِينَ آمَنُوا لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَاللَّهُ يَعْلَمُ وَأَنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ“ (۳) (یقیناً جو لوگ چاہتے ہیں کہ مومنین کے درمیان بے حیائی کا چہ چار ہے، ان کے لئے سزائے دردناک ہے دنیا میں (بھی)، اور آخرت میں (بھی) اللہ علم رکھتا ہے اور تم علم نہیں رکھتے)۔

ج۔ معصیت کا ارتکاب کرنے والا اگر اس کو مخفی رکھے تو وہ توبہ کے زیادہ قریب ہے، اگر وہ توبہ کر لے تو مواخذہ ختم ہو جاتا ہے، پھر اگر معصیت کا تعلق حقوق اللہ سے ہو تو توبہ کرنے سے مواخذہ ساقط ہو جاتا ہے، اس لئے کہ اللہ سب سے زیادہ کریم ہے، اس کی رحمت اس کے غضب پر بھاری ہے، لہذا جب اللہ نے دنیا میں اس کی پردہ پوشی فرمائی تو آخرت میں اس کی پردہ دری نہیں کرے گا، اور اگر معصیت کا تعلق حقوق العباد سے ہو مثلاً قتل اور قذف وغیرہ، تو ان

(۱) فتح الباری ۱۰/۳۰۰۔

(۲) مغنی المحتاج ۳/۱۵۰۔

(۳) فتح الباری ۱۰/۳۰۰، آیت سورہ نور ۱۹۔

(۱) مغنی المحتاج ۳/۱۵۰، ابن ماجہ ۵/۱۳۰، کتایب المطالب ۲/۵۵۵،

الشروانی ۳/۲۳۲-۲۳۵ طبع دوم مصنف البابی الجلی ۱۹۶۳ء۔

فرق ہے، چنانچہ کوئی اپنے باغ کے شجرہ کی اگر وصیت کرے تو اس سے مراد خاص طور پر وہ پھل ہوگا جو بوقت وصیت موجود ہو، اور اگر اپنے باغ کے غلہ کی وصیت کرے تو جو موجود ہے وہ اور جو جو میں آنے والا ہے دونوں کو شامل ہے (۱)۔

استثمار

استثمار کا شرعی حکم:

۴- اصل یہ ہے کہ قابل فرائض اموال کا استثمار مستحب ہے، کیونکہ اس میں مختلف قسم کے فائدے ہیں (۲)۔

استثمار کے ارکان:

استثمار کے لئے دو ارکان کا پایا جانا ضروری ہے: مستثمر (دوسرے میم کے کسرہ کے ساتھ یعنی استثمار کرنے والا)، اور مستثمر (دوسرے میم کے زیر کے ساتھ یعنی جس مال کا استثمار کیا جائے)۔

اول: مستثمر (میم کے زیر کے ساتھ):

۵- اصل یہ ہے کہ مال کا استثمار اس کے مالک کی طرف سے ہو، لیکن کبھی کسی وجہ سے مالک مال کے بجائے کوئی اور استثمار کرتا ہے، اور اس کی دو صورتیں ہیں:

الف - نائب بنانے کی وجہ سے استثمار:

نائب بنانا کبھی مالک کی طرف سے ہوتا ہے، مثلاً وکالت، اور کبھی شریعت کی طرف سے ہوتا ہے، مثلاً (مال و جائیداد کا) نگران۔

ب - ظالمانہ استثمار:

اور کبھی اجنبی آدمی استثمار ممول کرتا ہے، جب کہ اس کو صاحب مال

(۱) اس اس البلاغ، المغرب، المصباح الحامی، مادة (نخل)، حاشیہ اقلیو بی

۳۱/۱، الہدایہ مع شرح فتح القدیر ۸/۸۳۲ طبع بولاق، حاشیہ ابن ماجہ

۵/۳۲۲ طبع بولاق، دیکھئے: المغرب: ماده (ریح)۔

(۲) اقلیو بی ۳۹۵۔

تعریف:

۱- استثمار لغت میں: شجر سے ماخوذ ہے، کہا جاتا ہے: ثمر الشیء: اگر اس سے کوئی دوسری چیز پیدا ہو (۱)۔ ثمر الرجل مالہ: مال کو اچھے طریقہ پر تصرف کر کے بڑھایا، اور "ثمر الشیء" اس کی پیداوار کو کہتے ہیں، لہذا استثمار سے مراد: کسی چیز سے نفع حاصل کرنے کی کوشش کرنا ہے۔
فقہاء بھی اس لفظ کو اسی معنی میں استعمال کرتے ہیں۔

متعلقہ الفاظ:

الف - انتفاع:

۲- انتفاع کا معنی کسی منفعت کو حاصل کرنا ہے، انتفاع اور استثمار میں فرق یہ ہے کہ انتفاع استثمار سے عام ہے، اس لئے کہ استثمار سے انتفاع کبھی ہوتا ہے اور کبھی نہیں ہوتا۔

ب - استعمال:

۳- استعمال غلہ کا طلب کرنا، اور غلہ بہرہ وہ سامان جو کسی مملوک چیز کے نفع سے حاصل ہو، اور عینہ یہی استثمار بھی ہے، لہذا زمین کی پیداوار کو شجرہ، غلہ اور ریح سب کہا جاتا ہے۔

حنفیہ کے یہاں خاص طور پر وصیت کے باب میں شجرہ اور غلہ میں

(۱) مقایس اللغة، لسان العرب، المصباح۔

نے اجازت نہیں دی، اور نہ ہی شریعت نے اس کو یہ حق دیا ہو، اور اس صورت میں وہ غاصب سمجھا جاتا ہے (دیکھئے: اصطلاح غصب) (۱)۔

دوم: مال مستثمر (میم کے زیر کے ساتھ):

۶- استثمار کے حوالہ ہونے کے لئے مال مستثمر میں یہ شرط ہے کہ وہ مستثمر (میم کے زیر کے ساتھ) کی جائز ملکیت میں ہو، یا اس شخص کی ملکیت میں ہو جس کی طرف سے مستثمر شرعی طور پر یا معاملہ کر کے مانع بنا ہے، ورنہ اس مال کا استثمار حلال نہیں ہوگا، مثلاً غصب یا چوری کا مال۔

اسی طرح ودیعت کا استثمار جائز نہیں، کیونکہ امانت دار کا قبضہ حفاظت کے لئے ہے۔

ملکیت ثمرہ:

۷- اگر استثمار جائز ہو تو ثمرہ مالک کی ملکیت ہوگا، اور اگر ناجائز ہو، مثلاً کسی نے زمین غصب کر کے اس سے نفع حاصل کیا، تو حنفیہ کے نزدیک خبیث ملکیت کے طور پر غاصب ثمرہ کا مالک ہوگا، اور اس کو حکم دیا جائے گا کہ اس کو صدقہ کر دے، جب کہ مالکیہ، شافعیہ اور حنابلہ کی رائے ہے کہ پیداوار مالک کی ہوگی، اور امام احمد سے ایک روایت ہے کہ اس کو صدقہ کر دے گا (۲)۔

استثمار کے طریقے:

۸- اموال کا استثمار کسی بھی جائز طریقہ سے درست ہے (۳)۔

استثناء

تعریف:

۱- استثناء لغت میں: ”استثنیٰ“ فعل کا مصدر ہے، کہتے ہیں: ”استثنیت الشیء من الشیء“ میں نے فلاں شے کو فلاں شے سے نکال دیا، اور کہا جاتا ہے: ”حلف فلان یمینا لیس فیہا ثنیا ولا مشنویۃ ولا استثناء“ (فلاں نے قسم کھائی جس میں ثنیا نہیں، مشنویۃ نہیں، اور استثناء نہیں)، سب ایک معنی میں ہیں (۱)۔

شہاب الدین خفاجی نے لکھا ہے کہ استثناء لغت اور استعمال میں کسی شرط کے ساتھ مقید کرنے پر بولا جاتا ہے (۲)۔ اور اسی سے فرمان باری: ”ولا یستثنون“ (۳) ہے یعنی انہوں نے انشاء اللہ نہیں کہا۔ فقہاء اور اصولیین کی اصطلاح میں استثناء یا تو لفظی ہوگا یا معنوی یا حکمی، استثناء لفظی: ”إلا“ یا کسی حرف استثناء کے ذریعہ متعدد افراد سے بعض کو نکالنا (۴)۔ استثنیٰ و آخرج جیسے الفاظ کے مضارع کے صیغے سے نکالنے کا حکم بھی یہی ہے، اور سبکی نے اس کی تعریف یوں کی ہے: ”ایک متکلم کی طرف سے إلا یا کسی حرف استثناء کے ذریعہ کسی چیز کو نکالنا استثناء ہے“ (۵)۔

(۱) لسان العرب: مادہ (ثنی)۔

(۲) حاشیہ ابن عابدین ۵۰۹/۲۔

(۳) سورہ قلم ۱۸۔

(۴) روحۃ الناظر ص ۱۳۲ طبع استغیہ ۱۳۸۵ھ۔

(۵) جمع الجوامع مع حاشیہ البنانی ۹/۲۔

(۱) الخراج لابی بن آدم ص ۹۵۔

(۲) ابن عابدین ۱۲۰/۵، الشرح المختصر ۵۹۵/۳، اہلبی ۳۳۳، المغنی ۲۷۵/۵۔

(۳) ابن عابدین ۲/۵۳۳، جوہر الاکلیل ۱/۳۶۱، ۳۷۷، ۱۲۰/۲، حاشیہ اہلبی ۳۳۳، المغنی ۵۲۱/۵، تکرار فتح القدیر ۸/۳۲۳، ۳۵۵۔

استثناء ۲

صدر الشریعہ حنفی نے اس کی تعریف یہ کی ہے: ابتداء کلام کے حکم میں جو چیزیں داخل ہو سکتی تھیں، ان میں سے بعض کو ایسا کسی حرف استثناء کے ذریعہ داخل ہونے سے روکنا۔ انہوں نے استثناء کی تعریف میں اخراج (نکالنا) کے بجائے منع (روکنا) کا لفظ استعمال کیا ہے، اس لئے کہ حنفیہ کے یہاں استثناء میں اخراج (نکالنا) نہیں ہوتا، کیونکہ مستثنیٰ مستثنیٰ منہ میں داخل ہی نہ تھا کہ نکالا جاتا، لہذا استثناء داخل ہونے سے روکنے کے لئے ہے (۱)۔ اور فقہاء استثناء کو کلام انشائی یا خبری میں ”انشاء اللہ“ کہنے کے معنی میں بھی استعمال کرتے ہیں (۲)۔

یہ قسم حقیقی استثناء نہیں بلکہ عرفی استثناء ہے، اور اگر اِلا وغیرہ کے ذریعہ ہو تو ”استثناء حقیقی“ یا ”استثناء وضعی“ ہے (۳) مثلاً کہے: ”لا أفعَل كذا إلا أن يشاء الله“، یا ”لأفعلن كذا إلا أن يشاء الله“۔ اور استثناء عرفی کی مثال لوگوں کا یہ قول ہے: ”إن يسر الله“ (اگر اللہ نے آسان کر دیا) یا ”إن أعان الله“ (اگر اللہ کی مدد رہی) یا ”ما شاء الله“۔

اس تعلیق کو اگرچہ وہ حرف استثناء کے بغیر ہے، استثناء اس لئے کہا گیا ہے کہ وہ کلام سابق کو اس کے ظاہر سے پھیرنے اور بدلنے میں استثناء متصل کی طرح ہے (۴)۔

استثناء معنوی: الفاظ استثناء کے بغیر مجموعہ سے کسی چیز کا نکالنا، مثلاً قرآن کرنے والا کہے: ”له المار وهذا البيت منها لي“ (گھر اس کا ہے اور اس کا یہ کمرہ میرا ہے)، اس کو استثناء کے حکم میں اس لئے رکھا گیا کہ یہ قول ”له جميع الدار إلا هذا البيت“ کے معنی میں ہے (۵)۔

(۱) التوضیح مع التلویح علی التوضیح ۲/۲۰ طبع صبح۔

(۲) المغنی ۷/۳۵۱۔

(۳) حاشیہ ابن عابدین ۲/۵۱۳۔

(۴) المغنی ۵/۱۵۵ طبع الریاض۔

(۵) حاشیہ الدسوقی علی الشرح الکبیر ۳/۳۱۱۔

استثناء حکمی: اس سے مراد یہ ہوتا ہے کہ مثلاً تصرف کسی ایسی چیز میں ہو جس میں دوسرے کا حق ہو، مثلاً کرایہ پر دئے ہوئے گھر کو فروخت کرنا، کہ اس فروخت سے کرایہ داری ختم نہ ہوگی، اور فروختگی صحیح ہے، تو گویا ایسا ہے کہ اس چیز کی فروختگی مدت اجارہ میں اس کی منفعت کے استثناء کے ساتھ ہوتی ہے۔

فقہاء اور اصولیین کے عرف میں یہ اطلاق کم ہے، سیوطی کی الاشباہ والنظائر، اور ابن رجب کی القواعد میں اس کا ذکر آیا ہے (۱)۔ لیکن استثناء کی یہ قسم اصطلاحی استثناء کے مفہوم میں داخل نہیں، اس لئے ذیل کی بحث میں استثناء کے احکام اس پر منطبق نہیں ہوں گے۔

متعلقہ الفاظ:

الف- تخصیص:

۲- تخصیص: عام کو اس کے بعض افراد میں محدود کرنا ہے (۲)۔ تخصیص سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ لفظ میں اس کے بعض افراد داخل نہیں ہیں۔

غزالی نے کہا ہے: استثناء اور تخصیص میں فرق یہ ہے کہ استثناء میں اتصال شرط ہے، اور یہ کہ استثناء ”ظاہر“ و ”نص“ دونوں میں آتا ہے (۳)، اس لئے یہ کہا جاسکتا ہے: ”له علي عشرة إلا ثلاثة“ (اس کا میرے ذمہ دس ہے مگر تین)، اسی طرح یہ بھی کہا جاسکتا ہے: ”اقتلوا المشركين إلا زيدا“ (مشرکین کو قتل کرو مگر زید کو)، جب کہ تخصیص نص میں بالکل ہی نہیں ہوتی، استثناء اور تخصیص میں ایک فرق یہ بھی ہے کہ استثناء کے لئے قول ضروری ہے جب کہ تخصیص

(۱) القواعد لابن رجب ص ۳۱، الاشباہ والنظائر للسيوطی ص ۲۸۸۔

(۲) شرح جمع الجوامع ۲/۳۔

(۳) المستمسک ۲/۱۶۳۔

استثناء ۳-۵

نہیں ہوتی، جب کہ شرط کے اندر روکنے کا حکم شرط کے پائے جانے تک ہی ہوتا ہے، جیسا کہ کہا جائے: اکرم بنی تمیم ان دخلوا دارہ (بنی تمیم کی عزت کروں اگر وہ میرے گھر آئیں)، اس حیثیت سے استثناء بالمشیت تعلیق اور شرط کی بحث میں داخل نہیں، اور فقہاء اس کو تعلیق طلاق کے مباحث میں ذکر بھی نہیں کرتے، بلکہ استثناء کے باب میں ذکر کرتے ہیں، کیونکہ نام میں دونوں شریک ہیں (۱)۔

۵- استثناء کا بنیادی ضابطہ:

نفی سے استثناء اثبات ہے اور اثبات سے استثناء نفی ہے، مثلاً ”ما قام احد الا زيدا“، اس میں زید کے لئے قیام کا اثبات ہے، اور ”قام القوم الا زيدا“ میں زید سے قیام کی نفی ہے۔ اس میں امام ابوحنیفہ اور امام مالک کا اختلاف ہے۔

رہے امام ابوحنیفہ تو ایک قول ہے کہ ان کا اختلاف دونوں مسئلوں میں ہے، دوسرا قول ہے کہ صرف دوسرے مسئلہ میں ان کا اختلاف ہے، کیونکہ انہوں نے فرمایا ہے: کہ مستثنیٰ کے بارے میں کوئی حکم نہیں ہوتا ہے بلکہ خاموشی ہوتی ہے، چنانچہ گذشتہ مثال میں زید کے بارے میں نہ قیام کا حکم ہے نہ عدم قیام کا۔

”قام القوم الا زيدا“ کی مثال میں اختلاف کا حاصل یہ ہے کہ بقول جمہور زید استثناء کی وجہ سے عدم قیام میں داخل ہو گیا جب کہ حنفیہ کے یہاں اس کے بارے میں کوئی حکم نہیں رہا، البتہ فریقین کے نزدیک وہ کلام اول سے نکالا ہوا ہے (۲)۔

اور امام مالک اس مسئلہ میں جمہور سے متفق ہیں کہ قسم کے علاوہ دوسرے ابواب میں نفی سے استثناء اثبات ہے، لیکن قسم کے باب میں

(۱) ابن ماجہ ۵۰۹/۲، شرح فتح القدیر ۳/۳۳، طبع بلاق۔

(۲) شرح جمع الجوامع مع حاشیہ الجنائی ۵/۲، ۱۶، ۱۷، شرح مسلم الشبوت ۳۲۶/۱ اور اس کے بعد کے صفحات۔

قول یا ترینہ یا فعلی یا عقلی دلیل کسی سے بھی ہو سکتی ہے (۱)۔

پیش نظر رہے کہ امام غزالی نے ان دونوں کے درمیان جو پہلا فرق یہ بیان کیا ہے کہ استثناء میں اتصال شرط ہے، تخصیص میں شرط نہیں ہے، یہ فرق حنفیہ کے یہاں نہیں ہے، کیونکہ وہ تخصیص میں بھی اتصال کے قائل ہیں۔

ب- نسخ:

۳- نسخ: شارع کا اپنے کسی حکم کو بعد کے کسی امر کے ذریعہ ختم کرنا ہے، اور استثناء اور نسخ میں فرق یہ ہے کہ نسخ لفظ کے تحت داخل چیز کو اٹھانا اور ختم کرنا ہے، اور استثناء جس کلام میں آتا ہے اس کے اندر اس چیز کو لفظ کے تحت داخل ہونے سے روک دیتا ہے جو استثناء نہ ہونے کی صورت میں داخل ہو جاتی ہے، لہذا نسخ میں ختم کرنا اور اٹھانا (قطع و رفع) جب کہ استثناء میں منع یا اخراج (روکنا یا نکالنا) ہے، نیز یہ کہ استثناء متصل ہوتا ہے جب کہ نسخ کے لئے منفصل ہونا ضروری ہے (۲)۔

ج- شرط:

۴- لا اور اس جیسے الفاظ کے ذریعہ کیا جانے والا استثناء شرط و تعلیق کے مشابہ ہے، کیونکہ دونوں ہی کلام کے حکم کو ثابت کرنے سے روک دیتے ہیں، اور دونوں میں فرق یہ ہے کہ شرط کل کو روک دیتی ہے جب کہ استثناء بعض کو روکتا ہے۔

اور جو استثناء ”مشیت“ (یعنی لفظ انشاء اللہ اور ما شاء اللہ وغیرہ) کے ساتھ ہوتا ہے وہ شرط سے مشابہت رکھتا ہے، کیونکہ پورے طور پر روکنے اور تعلیق و شرط کے الفاظ کے ذکر میں دونوں شریک ہیں، لیکن یہ استثناء شرط کے انداز پر نہیں ہوتا، کیونکہ اس میں روکنے کی کوئی حد

(۱) کشاف اصطلاحات الفنون ۱/۱۸۳۔

(۲) المستعمی ۲/۱۶۳، روضۃ المناظر ۲/۱۳۲۔

استثناء ۶

استثناء، اثبات نہیں ہے۔

مثلاً کسی نے قسم کھائی: ”لا یلبس الیوم ثوبا إلا الکتان“ یعنی آج کتان (ایک باریک کپڑا) کے علاوہ کوئی کپڑا نہیں پہنے گا، اور وہ اس دن ننگا بیٹھا رہا، اس نے کوئی کپڑا نہیں پہنا، تو جمہور کے نزدیک حادث ہو جائے گا، کیونکہ جب نفی سے استثناء اثبات ہے تو اس نے قسم کھائی کہ کتان پہنے گا، اور کتان نہیں پہنا بلکہ ننگا بیٹھا رہا، اس لئے حادث ہو جائے گا۔

امام مالک کے نزدیک اس صورت میں حادث نہ ہوگا، اور یہی شافعیہ کے یہاں ایک قول ہے قرانی نے اس کی توجیہ یہ کی ہے کہ اس مثال میں ”إلا“ وغیرہ صفت ہے، لہذا یہ ”غیر“ کے معنی میں ہے، تو کو یا اس نے قسم کھائی کہ ایسے کپڑے نہیں پہنے گا جو کتان کے علاوہ ہوں۔

قرانی نے اس کی ایک توجیہ یہ بھی کی ہے کہ اس کلام کا مفہوم یہ ہے کہ کتان کے علاوہ تمام کپڑوں کے بارے میں قسم کھائی گئی ہے (۱)۔

استثناء کے اقسام:

۶۔ استثناء بیا تو متصل ہوگا یا منفصل ہوگا۔

استثناء متصل وہ ہے جس میں مستثنیٰ مستثنیٰ منہ کا جز ہو، مثلاً ”جاء القوم إلا زیداً“ (زید کے علاوہ قوم آئی)۔

استثناء منقطع (اس کو منفصل بھی کہتے ہیں) وہ ہے جس میں مستثنیٰ مستثنیٰ منہ کا جز نہ ہو، مثلاً فرمان باری ہے: ”مَا لَهُمْ بِهِ مِنْ عِلْمٍ إِلَّا اتَّبَاعُ الظَّنِّ“ (۲) (ان کے پاس کوئی علم (صحیح) تو ہے نہیں ہاں بس

گمان کی پیروی ہے) اس لئے کہ اتباع ظن علم نہیں ہے (۱)۔

اس تفصیل سے یہ واضح ہوتا ہے کہ استثناء منقطع کے ذریعہ اخراج نہیں ہوتا اور نہ تخصیص ہوتی ہے، اس لئے کہ مستثنیٰ داخل ہی نہیں ہوتا، یاد رہے کہ استثناء منقطع کے لئے ضروری ہے کہ مستثنیٰ اور مستثنیٰ منہ کے درمیان کسی اعتبار سے اس چیز میں مخالفت ضروری ہے جس میں موافقت کا وہم و خیال ہو سکتا ہے، اور اس استثناء کا فائدہ اسی وہم کو دور کرنا ہے، اور اس سلسلہ میں وہ لیکن کے مشابہ ہے جو استدراک کے لئے ہے یعنی ماسبق سے پیدا ہونے والے وہم کو دور کرنے کے لئے، اور مخالفت کی مشہور صورت یہ ہے کہ مستثنیٰ منہ کے لئے ثابت شدہ حکم کی مستثنیٰ سے نفی کی جائے، مثلاً: ”جاءني المدرسون إلا طالباً“، اس مثال میں مدرسین کے لئے نفی (آنا) ثابت کرنے کے بعد طالب علم سے اس کی نفی کی گئی ہے۔

چوں کہ استثناء منقطع کے ذریعہ اخراج (نکالنا) نہیں ہوتا، اس لئے وہ حقیقی استثناء نہیں، بلکہ مجازی ہے (۲)۔

مخلی نے کہا ہے: یہی اصح ہے، اس کی دلیل یہ ہے کہ فوراً ذہن میں استثناء متصل آتا ہے، نہ کہ منقطع۔ اور اسی کے پیش نظر ماسبق میں استثناء کی تعریف ذکر کی گئی ہے، چنانچہ ایسی تعریف کی گئی ہے جس میں استثناء منقطع داخل نہیں (۳)، اور اس مسئلہ میں کچھ مزید اقوال ہیں جن کی تفصیل کی جگہ کتب اصول ہیں۔

(۱) ”کشاف اصطلاحات الفنون“ میں ہے: استثناء کے تمام الفاظ استثناء منقطع کے لئے مستعمل نہیں، بلکہ صرف ”إلا“، ”غیر“، ”بغیر“ اس کے لئے استعمال کئے جاتے ہیں۔

(۲) کشاف اصطلاحات الفنون ۱/۱۸۳، شرح مسلم الشیوخ ۱/۳۱۶، دیکھئے اصطلاح (ایران)۔

(۳) شرح جمع الجوامع مع حاشیہ البزازی ۲/۱۲۔

(۱) شرح جمع الجوامع مع حاشیہ البزازی ۲/۱۵، ۱۶، ۱۷، ۱۸، ۱۹، ۲۰، ۲۱، ۲۲، ۲۳، ۲۴، ۲۵، ۲۶، ۲۷، ۲۸، ۲۹، ۳۰، ۳۱، ۳۲، ۳۳، ۳۴، ۳۵، ۳۶، ۳۷، ۳۸، ۳۹، ۴۰، ۴۱، ۴۲، ۴۳، ۴۴، ۴۵، ۴۶، ۴۷، ۴۸، ۴۹، ۵۰، ۵۱، ۵۲، ۵۳، ۵۴، ۵۵، ۵۶، ۵۷، ۵۸، ۵۹، ۶۰، ۶۱، ۶۲، ۶۳، ۶۴، ۶۵، ۶۶، ۶۷، ۶۸، ۶۹، ۷۰، ۷۱، ۷۲، ۷۳، ۷۴، ۷۵، ۷۶، ۷۷، ۷۸، ۷۹، ۸۰، ۸۱، ۸۲، ۸۳، ۸۴، ۸۵، ۸۶، ۸۷، ۸۸، ۸۹، ۹۰، ۹۱، ۹۲، ۹۳، ۹۴، ۹۵، ۹۶، ۹۷، ۹۸، ۹۹، ۱۰۰، ۱۰۱، ۱۰۲، ۱۰۳، ۱۰۴، ۱۰۵، ۱۰۶، ۱۰۷، ۱۰۸، ۱۰۹، ۱۱۰، ۱۱۱، ۱۱۲، ۱۱۳، ۱۱۴، ۱۱۵، ۱۱۶، ۱۱۷، ۱۱۸، ۱۱۹، ۱۲۰، ۱۲۱، ۱۲۲، ۱۲۳، ۱۲۴، ۱۲۵، ۱۲۶، ۱۲۷، ۱۲۸، ۱۲۹، ۱۳۰، ۱۳۱، ۱۳۲، ۱۳۳، ۱۳۴، ۱۳۵، ۱۳۶، ۱۳۷، ۱۳۸، ۱۳۹، ۱۴۰، ۱۴۱، ۱۴۲، ۱۴۳، ۱۴۴، ۱۴۵، ۱۴۶، ۱۴۷، ۱۴۸، ۱۴۹، ۱۵۰، ۱۵۱، ۱۵۲، ۱۵۳، ۱۵۴، ۱۵۵، ۱۵۶، ۱۵۷، ۱۵۸، ۱۵۹، ۱۶۰، ۱۶۱، ۱۶۲، ۱۶۳، ۱۶۴، ۱۶۵، ۱۶۶، ۱۶۷، ۱۶۸، ۱۶۹، ۱۷۰، ۱۷۱، ۱۷۲، ۱۷۳، ۱۷۴، ۱۷۵، ۱۷۶، ۱۷۷، ۱۷۸، ۱۷۹، ۱۸۰، ۱۸۱، ۱۸۲، ۱۸۳، ۱۸۴، ۱۸۵، ۱۸۶، ۱۸۷، ۱۸۸، ۱۸۹، ۱۹۰، ۱۹۱، ۱۹۲، ۱۹۳، ۱۹۴، ۱۹۵، ۱۹۶، ۱۹۷، ۱۹۸، ۱۹۹، ۲۰۰، ۲۰۱، ۲۰۲، ۲۰۳، ۲۰۴، ۲۰۵، ۲۰۶، ۲۰۷، ۲۰۸، ۲۰۹، ۲۱۰، ۲۱۱، ۲۱۲، ۲۱۳، ۲۱۴، ۲۱۵، ۲۱۶، ۲۱۷، ۲۱۸، ۲۱۹، ۲۲۰، ۲۲۱، ۲۲۲، ۲۲۳، ۲۲۴، ۲۲۵، ۲۲۶، ۲۲۷، ۲۲۸، ۲۲۹، ۲۳۰، ۲۳۱، ۲۳۲، ۲۳۳، ۲۳۴، ۲۳۵، ۲۳۶، ۲۳۷، ۲۳۸، ۲۳۹، ۲۴۰، ۲۴۱، ۲۴۲، ۲۴۳، ۲۴۴، ۲۴۵، ۲۴۶، ۲۴۷، ۲۴۸، ۲۴۹، ۲۵۰، ۲۵۱، ۲۵۲، ۲۵۳، ۲۵۴، ۲۵۵، ۲۵۶، ۲۵۷، ۲۵۸، ۲۵۹، ۲۶۰، ۲۶۱، ۲۶۲، ۲۶۳، ۲۶۴، ۲۶۵، ۲۶۶، ۲۶۷، ۲۶۸، ۲۶۹، ۲۷۰، ۲۷۱، ۲۷۲، ۲۷۳، ۲۷۴، ۲۷۵، ۲۷۶، ۲۷۷، ۲۷۸، ۲۷۹، ۲۸۰، ۲۸۱، ۲۸۲، ۲۸۳، ۲۸۴، ۲۸۵، ۲۸۶، ۲۸۷، ۲۸۸، ۲۸۹، ۲۹۰، ۲۹۱، ۲۹۲، ۲۹۳، ۲۹۴، ۲۹۵، ۲۹۶، ۲۹۷، ۲۹۸، ۲۹۹، ۳۰۰، ۳۰۱، ۳۰۲، ۳۰۳، ۳۰۴، ۳۰۵، ۳۰۶، ۳۰۷، ۳۰۸، ۳۰۹، ۳۱۰، ۳۱۱، ۳۱۲، ۳۱۳، ۳۱۴، ۳۱۵، ۳۱۶، ۳۱۷، ۳۱۸، ۳۱۹، ۳۲۰، ۳۲۱، ۳۲۲، ۳۲۳، ۳۲۴، ۳۲۵، ۳۲۶، ۳۲۷، ۳۲۸، ۳۲۹، ۳۳۰، ۳۳۱، ۳۳۲، ۳۳۳، ۳۳۴، ۳۳۵، ۳۳۶، ۳۳۷، ۳۳۸، ۳۳۹، ۳۴۰، ۳۴۱، ۳۴۲، ۳۴۳، ۳۴۴، ۳۴۵، ۳۴۶، ۳۴۷، ۳۴۸، ۳۴۹، ۳۵۰، ۳۵۱، ۳۵۲، ۳۵۳، ۳۵۴، ۳۵۵، ۳۵۶، ۳۵۷، ۳۵۸، ۳۵۹، ۳۶۰، ۳۶۱، ۳۶۲، ۳۶۳، ۳۶۴، ۳۶۵، ۳۶۶، ۳۶۷، ۳۶۸، ۳۶۹، ۳۷۰، ۳۷۱، ۳۷۲، ۳۷۳، ۳۷۴، ۳۷۵، ۳۷۶، ۳۷۷، ۳۷۸، ۳۷۹، ۳۸۰، ۳۸۱، ۳۸۲، ۳۸۳، ۳۸۴، ۳۸۵، ۳۸۶، ۳۸۷، ۳۸۸، ۳۸۹، ۳۹۰، ۳۹۱، ۳۹۲، ۳۹۳، ۳۹۴، ۳۹۵، ۳۹۶، ۳۹۷، ۳۹۸، ۳۹۹، ۴۰۰، ۴۰۱، ۴۰۲، ۴۰۳، ۴۰۴، ۴۰۵، ۴۰۶، ۴۰۷، ۴۰۸، ۴۰۹، ۴۱۰، ۴۱۱، ۴۱۲، ۴۱۳، ۴۱۴، ۴۱۵، ۴۱۶، ۴۱۷، ۴۱۸، ۴۱۹، ۴۲۰، ۴۲۱، ۴۲۲، ۴۲۳، ۴۲۴، ۴۲۵، ۴۲۶، ۴۲۷، ۴۲۸، ۴۲۹، ۴۳۰، ۴۳۱، ۴۳۲، ۴۳۳، ۴۳۴، ۴۳۵، ۴۳۶، ۴۳۷، ۴۳۸، ۴۳۹، ۴۴۰، ۴۴۱، ۴۴۲، ۴۴۳، ۴۴۴، ۴۴۵، ۴۴۶، ۴۴۷، ۴۴۸، ۴۴۹، ۴۵۰، ۴۵۱، ۴۵۲، ۴۵۳، ۴۵۴، ۴۵۵، ۴۵۶، ۴۵۷، ۴۵۸، ۴۵۹، ۴۶۰، ۴۶۱، ۴۶۲، ۴۶۳، ۴۶۴، ۴۶۵، ۴۶۶، ۴۶۷، ۴۶۸، ۴۶۹، ۴۷۰، ۴۷۱، ۴۷۲، ۴۷۳، ۴۷۴، ۴۷۵، ۴۷۶، ۴۷۷، ۴۷۸، ۴۷۹، ۴۸۰، ۴۸۱، ۴۸۲، ۴۸۳، ۴۸۴، ۴۸۵، ۴۸۶، ۴۸۷، ۴۸۸، ۴۸۹، ۴۹۰، ۴۹۱، ۴۹۲، ۴۹۳، ۴۹۴، ۴۹۵، ۴۹۶، ۴۹۷، ۴۹۸، ۴۹۹، ۵۰۰، ۵۰۱، ۵۰۲، ۵۰۳، ۵۰۴، ۵۰۵، ۵۰۶، ۵۰۷، ۵۰۸، ۵۰۹، ۵۱۰، ۵۱۱، ۵۱۲، ۵۱۳، ۵۱۴، ۵۱۵، ۵۱۶، ۵۱۷، ۵۱۸، ۵۱۹، ۵۲۰، ۵۲۱، ۵۲۲، ۵۲۳، ۵۲۴، ۵۲۵، ۵۲۶، ۵۲۷، ۵۲۸، ۵۲۹، ۵۳۰، ۵۳۱، ۵۳۲، ۵۳۳، ۵۳۴، ۵۳۵، ۵۳۶، ۵۳۷، ۵۳۸، ۵۳۹، ۵۴۰، ۵۴۱، ۵۴۲، ۵۴۳، ۵۴۴، ۵۴۵، ۵۴۶، ۵۴۷، ۵۴۸، ۵۴۹، ۵۵۰، ۵۵۱، ۵۵۲، ۵۵۳، ۵۵۴، ۵۵۵، ۵۵۶، ۵۵۷، ۵۵۸، ۵۵۹، ۵۶۰، ۵۶۱، ۵۶۲، ۵۶۳، ۵۶۴، ۵۶۵، ۵۶۶، ۵۶۷، ۵۶۸، ۵۶۹، ۵۷۰، ۵۷۱، ۵۷۲، ۵۷۳، ۵۷۴، ۵۷۵، ۵۷۶، ۵۷۷، ۵۷۸، ۵۷۹، ۵۸۰، ۵۸۱، ۵۸۲، ۵۸۳، ۵۸۴، ۵۸۵، ۵۸۶، ۵۸۷، ۵۸۸، ۵۸۹، ۵۹۰، ۵۹۱، ۵۹۲، ۵۹۳، ۵۹۴، ۵۹۵، ۵۹۶، ۵۹۷، ۵۹۸، ۵۹۹، ۶۰۰، ۶۰۱، ۶۰۲، ۶۰۳، ۶۰۴، ۶۰۵، ۶۰۶، ۶۰۷، ۶۰۸، ۶۰۹، ۶۱۰، ۶۱۱، ۶۱۲، ۶۱۳، ۶۱۴، ۶۱۵، ۶۱۶، ۶۱۷، ۶۱۸، ۶۱۹، ۶۲۰، ۶۲۱، ۶۲۲، ۶۲۳، ۶۲۴، ۶۲۵، ۶۲۶، ۶۲۷، ۶۲۸، ۶۲۹، ۶۳۰، ۶۳۱، ۶۳۲، ۶۳۳، ۶۳۴، ۶۳۵، ۶۳۶، ۶۳۷، ۶۳۸، ۶۳۹، ۶۴۰، ۶۴۱، ۶۴۲، ۶۴۳، ۶۴۴، ۶۴۵، ۶۴۶، ۶۴۷، ۶۴۸، ۶۴۹، ۶۵۰، ۶۵۱، ۶۵۲، ۶۵۳، ۶۵۴، ۶۵۵، ۶۵۶، ۶۵۷، ۶۵۸، ۶۵۹، ۶۶۰، ۶۶۱، ۶۶۲، ۶۶۳، ۶۶۴، ۶۶۵، ۶۶۶، ۶۶۷، ۶۶۸، ۶۶۹، ۶۷۰، ۶۷۱، ۶۷۲، ۶۷۳، ۶۷۴، ۶۷۵، ۶۷۶، ۶۷۷، ۶۷۸، ۶۷۹، ۶۸۰، ۶۸۱، ۶۸۲، ۶۸۳، ۶۸۴، ۶۸۵، ۶۸۶، ۶۸۷، ۶۸۸، ۶۸۹، ۶۹۰، ۶۹۱، ۶۹۲، ۶۹۳، ۶۹۴، ۶۹۵، ۶۹۶، ۶۹۷، ۶۹۸، ۶۹۹، ۷۰۰، ۷۰۱، ۷۰۲، ۷۰۳، ۷۰۴، ۷۰۵، ۷۰۶، ۷۰۷، ۷۰۸، ۷۰۹، ۷۱۰، ۷۱۱، ۷۱۲، ۷۱۳، ۷۱۴، ۷۱۵، ۷۱۶، ۷۱۷، ۷۱۸، ۷۱۹، ۷۲۰، ۷۲۱، ۷۲۲، ۷۲۳، ۷۲۴، ۷۲۵، ۷۲۶، ۷۲۷، ۷۲۸، ۷۲۹، ۷۳۰، ۷۳۱، ۷۳۲، ۷۳۳، ۷۳۴، ۷۳۵، ۷۳۶، ۷۳۷، ۷۳۸، ۷۳۹، ۷۴۰، ۷۴۱، ۷۴۲، ۷۴۳، ۷۴۴، ۷۴۵، ۷۴۶، ۷۴۷، ۷۴۸، ۷۴۹، ۷۵۰، ۷۵۱، ۷۵۲، ۷۵۳، ۷۵۴، ۷۵۵، ۷۵۶، ۷۵۷، ۷۵۸، ۷۵۹، ۷۶۰، ۷۶۱، ۷۶۲، ۷۶۳، ۷۶۴، ۷۶۵، ۷۶۶، ۷۶۷، ۷۶۸، ۷۶۹، ۷۷۰، ۷۷۱، ۷۷۲، ۷۷۳، ۷۷۴، ۷۷۵، ۷۷۶، ۷۷۷، ۷۷۸، ۷۷۹، ۷۸۰، ۷۸۱، ۷۸۲، ۷۸۳، ۷۸۴، ۷۸۵، ۷۸۶، ۷۸۷، ۷۸۸، ۷۸۹، ۷۹۰، ۷۹۱، ۷۹۲، ۷۹۳، ۷۹۴، ۷۹۵، ۷۹۶، ۷۹۷، ۷۹۸، ۷۹۹، ۸۰۰، ۸۰۱، ۸۰۲، ۸۰۳، ۸۰۴، ۸۰۵، ۸۰۶، ۸۰۷، ۸۰۸، ۸۰۹، ۸۱۰، ۸۱۱، ۸۱۲، ۸۱۳، ۸۱۴، ۸۱۵، ۸۱۶، ۸۱۷، ۸۱۸، ۸۱۹، ۸۲۰، ۸۲۱، ۸۲۲، ۸۲۳، ۸۲۴، ۸۲۵، ۸۲۶، ۸۲۷، ۸۲۸، ۸۲۹، ۸۳۰، ۸۳۱، ۸۳۲، ۸۳۳، ۸۳۴، ۸۳۵، ۸۳۶، ۸۳۷، ۸۳۸، ۸۳۹، ۸۴۰، ۸۴۱، ۸۴۲، ۸۴۳، ۸۴۴، ۸۴۵، ۸۴۶، ۸۴۷، ۸۴۸، ۸۴۹، ۸۵۰، ۸۵۱، ۸۵۲، ۸۵۳، ۸۵۴، ۸۵۵، ۸۵۶، ۸۵۷، ۸۵۸، ۸۵۹، ۸۶۰، ۸۶۱، ۸۶۲، ۸۶۳، ۸۶۴، ۸۶۵، ۸۶۶، ۸۶۷، ۸۶۸، ۸۶۹، ۸۷۰، ۸۷۱، ۸۷۲، ۸۷۳، ۸۷۴، ۸۷۵، ۸۷۶، ۸۷۷، ۸۷۸، ۸۷۹، ۸۸۰، ۸۸۱، ۸۸۲، ۸۸۳، ۸۸۴، ۸۸۵، ۸۸۶، ۸۸۷، ۸۸۸، ۸۸۹، ۸۹۰، ۸۹۱، ۸۹۲، ۸۹۳، ۸۹۴، ۸۹۵، ۸۹۶، ۸۹۷، ۸۹۸، ۸۹۹، ۹۰۰، ۹۰۱، ۹۰۲، ۹۰۳، ۹۰۴، ۹۰۵، ۹۰۶، ۹۰۷، ۹۰۸، ۹۰۹، ۹۱۰، ۹۱۱، ۹۱۲، ۹۱۳، ۹۱۴، ۹۱۵، ۹۱۶، ۹۱۷، ۹۱۸، ۹۱۹، ۹۲۰، ۹۲۱، ۹۲۲، ۹۲۳، ۹۲۴، ۹۲۵، ۹۲۶، ۹۲۷، ۹۲۸، ۹۲۹، ۹۳۰، ۹۳۱، ۹۳۲، ۹۳۳، ۹۳۴، ۹۳۵، ۹۳۶، ۹۳۷، ۹۳۸، ۹۳۹، ۹۴۰، ۹۴۱، ۹۴۲، ۹۴۳، ۹۴۴، ۹۴۵، ۹۴۶، ۹۴۷، ۹۴۸، ۹۴۹، ۹۵۰، ۹۵۱، ۹۵۲، ۹۵۳، ۹۵۴، ۹۵۵، ۹۵۶، ۹۵۷، ۹۵۸، ۹۵۹، ۹۶۰، ۹۶۱، ۹۶۲، ۹۶۳، ۹۶۴، ۹۶۵، ۹۶۶، ۹۶۷، ۹۶۸، ۹۶۹، ۹۷۰، ۹۷۱، ۹۷۲، ۹۷۳، ۹۷۴، ۹۷۵، ۹۷۶، ۹۷۷، ۹۷۸، ۹۷۹، ۹۸۰، ۹۸۱، ۹۸۲، ۹۸۳، ۹۸۴، ۹۸۵، ۹۸۶، ۹۸۷، ۹۸۸، ۹۸۹، ۹۹۰، ۹۹۱، ۹۹۲، ۹۹۳، ۹۹۴، ۹۹۵، ۹۹۶، ۹۹۷، ۹۹۸، ۹۹۹، ۱۰۰۰، ۱۰۰۱، ۱۰۰۲، ۱۰۰۳، ۱۰۰۴، ۱۰۰۵، ۱۰۰۶، ۱۰۰۷، ۱۰۰۸، ۱۰۰۹، ۱۰۱۰، ۱۰۱۱، ۱۰۱۲، ۱۰۱۳، ۱۰۱۴، ۱۰۱۵، ۱۰۱۶، ۱۰۱۷، ۱۰۱۸، ۱۰۱۹، ۱۰۲۰، ۱۰۲۱، ۱۰۲۲، ۱۰۲۳، ۱۰۲۴، ۱۰۲۵، ۱۰۲۶، ۱۰۲۷، ۱۰۲۸، ۱۰۲۹، ۱۰۳۰، ۱۰۳۱، ۱۰۳۲، ۱۰۳۳، ۱۰۳۴، ۱۰۳۵، ۱۰۳۶، ۱۰۳۷، ۱۰۳۸، ۱۰۳۹، ۱۰۴۰، ۱۰۴۱، ۱۰۴۲، ۱۰۴۳، ۱۰۴۴، ۱۰۴۵، ۱۰۴۶، ۱۰۴۷، ۱۰۴۸، ۱۰۴۹، ۱۰۵۰، ۱۰۵۱، ۱۰۵۲، ۱۰۵۳، ۱۰۵۴، ۱۰۵۵، ۱۰۵۶، ۱۰۵۷، ۱۰۵۸، ۱۰۵۹، ۱۰۶۰، ۱۰۶۱، ۱۰۶۲، ۱۰۶۳، ۱۰۶۴، ۱۰۶۵، ۱۰۶۶، ۱۰۶۷، ۱۰۶۸، ۱۰۶۹، ۱۰۷۰، ۱۰۷۱، ۱۰۷۲، ۱۰۷۳، ۱۰۷۴، ۱۰۷۵، ۱۰۷۶، ۱۰۷۷، ۱۰۷۸، ۱۰۷۹، ۱۰۸۰، ۱۰۸۱، ۱۰۸۲، ۱۰۸۳، ۱۰۸۴، ۱۰۸۵، ۱۰۸۶، ۱۰۸۷، ۱۰۸۸، ۱۰۸۹، ۱۰۹۰، ۱۰۹۱، ۱۰۹۲، ۱۰۹۳، ۱۰۹۴، ۱۰۹۵، ۱۰۹۶، ۱۰۹۷، ۱۰۹۸، ۱۰۹۹، ۱۱۰۰، ۱۱۰۱، ۱۱۰۲، ۱۱۰۳، ۱۱۰۴، ۱۱۰۵، ۱۱۰۶، ۱۱۰۷، ۱۱۰۸، ۱۱۰۹، ۱۱۱۰، ۱۱۱۱، ۱۱۱۲، ۱۱۱۳، ۱۱۱۴، ۱۱۱۵، ۱۱۱۶، ۱۱۱۷، ۱۱۱۸، ۱۱۱۹، ۱۱۲۰، ۱۱۲۱، ۱۱۲۲، ۱۱۲۳، ۱۱۲۴، ۱۱۲۵، ۱۱۲۶، ۱۱۲۷، ۱۱۲۸، ۱۱۲۹، ۱۱۳۰، ۱۱۳۱، ۱۱۳۲، ۱۱۳۳، ۱۱۳۴، ۱۱۳۵، ۱۱۳۶، ۱۱۳۷، ۱۱۳۸، ۱۱۳۹، ۱۱۴۰، ۱۱۴۱، ۱۱۴۲، ۱۱۴۳، ۱۱۴۴، ۱۱۴۵، ۱۱۴۶، ۱۱۴۷، ۱۱۴۸، ۱۱۴۹، ۱۱۵۰، ۱۱۵۱، ۱۱۵۲، ۱۱۵۳، ۱۱۵۴، ۱۱۵۵، ۱۱۵۶، ۱۱۵۷، ۱۱۵۸، ۱۱۵۹، ۱۱۶۰، ۱۱۶۱، ۱۱۶۲، ۱۱۶۳، ۱۱۶۴، ۱۱۶۵، ۱۱۶۶، ۱۱۶۷، ۱۱۶۸، ۱۱۶۹، ۱۱۷۰، ۱۱۷۱، ۱۱۷۲، ۱۱۷۳، ۱۱۷۴، ۱۱۷۵، ۱۱۷۶، ۱۱۷۷، ۱۱۷۸، ۱۱۷۹، ۱۱۸۰، ۱۱۸۱، ۱۱۸۲، ۱۱۸۳، ۱۱۸۴، ۱۱۸۵، ۱۱۸۶، ۱۱۸۷، ۱۱۸۸، ۱۱۸۹، ۱۱۹۰، ۱۱۹۱، ۱۱۹۲، ۱۱۹۳، ۱۱۹۴، ۱۱۹۵، ۱۱۹۶، ۱۱۹۷، ۱۱۹۸، ۱۱۹۹، ۱۲۰۰، ۱۲۰۱، ۱۲۰۲، ۱۲۰۳، ۱۲۰۴، ۱۲۰۵، ۱۲۰۶، ۱۲۰۷، ۱۲۰۸، ۱۲۰۹، ۱۲۱۰، ۱۲۱۱، ۱۲۱۲، ۱۲۱۳، ۱۲۱۴، ۱۲۱۵، ۱۲۱۶، ۱۲۱۷، ۱۲۱۸، ۱۲۱۹، ۱۲۲۰، ۱۲۲۱، ۱۲۲۲، ۱۲۲۳، ۱۲۲۴، ۱۲۲۵، ۱۲۲۶، ۱۲۲۷، ۱۲۲۸، ۱۲۲۹، ۱۲۳۰، ۱۲۳۱، ۱۲۳۲، ۱۲۳۳، ۱۲۳۴، ۱۲۳۵، ۱۲۳۶، ۱۲۳۷، ۱۲۳۸، ۱۲۳۹، ۱۲۴۰، ۱۲۴۱، ۱۲۴۲، ۱۲۴۳، ۱۲۴۴، ۱۲۴۵، ۱۲۴۶، ۱۲۴۷، ۱۲۴۸، ۱۲۴۹، ۱۲۵۰، ۱۲۵۱، ۱۲۵۲، ۱۲۵۳، ۱۲۵۴، ۱۲۵۵، ۱۲۵۶، ۱۲۵۷، ۱۲۵۸، ۱۲۵۹، ۱۲۶۰، ۱۲۶۱، ۱۲۶۲، ۱۲۶۳، ۱۲۶۴، ۱۲۶۵، ۱۲۶۶، ۱۲۶۷، ۱۲۶۸، ۱۲۶۹، ۱۲۷۰، ۱۲۷۱، ۱۲۷۲، ۱۲۷۳، ۱۲۷۴، ۱۲۷۵، ۱۲۷۶، ۱۲۷۷، ۱۲۷۸، ۱۲۷۹، ۱۲۸۰، ۱۲۸۱، ۱۲۸۲، ۱۲۸۳، ۱۲۸۴، ۱۲۸۵، ۱۲۸۶، ۱۲۸۷، ۱۲۸۸، ۱۲۸۹، ۱۲۹۰، ۱۲۹۱، ۱۲۹۲، ۱۲۹۳، ۱۲۹۴، ۱۲۹۵، ۱۲۹۶، ۱۲۹۷، ۱۲۹۸، ۱۲۹۹، ۱۳۰۰، ۱۳۰

صیغہ استثناء:

الف- الفاظ استثناء:

۷- اہل لغت اور اہل اصول استثناء حقیقی کے لئے یہ الفاظ ذکر کرتے ہیں: الا، غیر، سوی، خلا، عدا، حاشا، بید، لیس، اور لا یكون (۱)۔

ب- مشیت وغیرہ کے ذریعہ استثناء:

۸- اس طرح کے استثناء کو اللہ تعالیٰ نے جائز قرار دیا ہے، چنانچہ نبی کریم ﷺ سے فرمایا: ”وَلَا تَقُولَنَّ لشيءٍ اِنِّي فاعِلٌ ذَلِكْ عَمَلًا اِلَّا اَنْ يَّشَاءَ اللّٰهُ“ (۲) (اور آپ کسی چیز کی نسبت پر نہ کہا کیجئے کہ میں اسے کل کروں گا سوا اس (صورت) کے کہ اللہ بھی چاہے)۔

قرطبی نے کہا ہے: اس آیت میں اللہ کی طرف سے حضور پر عتاب ہے، کیونکہ آپ ﷺ نے کفار کی طرف سے روح، چند نوجوانوں اور ذوالقرنین کے بارے میں سول کیے جانے پر فرمایا: کل میرے پاس آؤ، (۳) اور آپ ﷺ نے انشاء اللہ نہیں کہا، چنانچہ پندرہ دنوں تک وحی کا سلسلہ رک گیا، جس سے آپ کو گرانی محسوس ہوئی، اور کفار انہیں پھیلانے لگے، تو سورہ کہف مازل ہوئی، اور اس آیت میں آپ ﷺ کو تعلیم دی گئی کہ اللہ کی مشیت پر مطلق کیے بغیر کسی چیز کے بارے میں یہ نہ کہیں کہ میں کل یہ کروں گا اور یہ کروں گا، تاکہ اس خبر کے حکم کو یقینی و قطعی کرنے والے نہ ہوں، کیونکہ اگر یہ کہے کہ ”لأفعلن کذا“ (میں کل اس کو کروں گا) اور نہ کرے، تو جھوٹا ہو جائے گا، اور اگر ”لأفعلن ذلک ان شاء اللہ“ کہے تو

(۱) روحہ الناظر ص ۱۳۲۔

(۲) سورہ کہف ص ۲۳۔

(۳) ذوالقرنین کے بارے میں سوال سے متعلق حدیث کی روایت ابن منذر نے اپنی تفسیر میں مجاہد کے واسطے سے مرسل کی ہے (الدر المنثور ص ۲۱۷ طبع المصنف)۔

جس کی خبر دی گئی ہے وہ یقینی نہیں رہے گا۔

قرطبی نے کہا ہے: ابن عطیہ کا کہنا ہے: عبارت میں حذف ہے، پوری عبارت یہ ہے: ”اِلَّا اَنْ تَقُولَ : اِلَّا اَنْ يَّشَاءَ اللّٰهُ“ یا ”اِلَّا اَنْ تَقُولَ : اِنْ شَاءَ اللّٰهُ“۔

نیز انہوں نے کہا ہے: آیت قسم کے بارے میں نہیں بلکہ قسم کے علاوہ میں انشاء اللہ کے سنت ہونے کے بارے میں ہے (۱)۔ اسی طرح انہوں نے وضاحت کی ہے کہ آیت کا آخری حصہ: ”وَإِذْ كُنْ رَبُّكَ إِذَا نَسِيتَ“ (۲) سے معلوم ہوتا ہے (جیسا کہ آیت کی تفسیر میں ایک قول آیا ہے) کہ اگر انشاء اللہ کے ذریعہ استثناء کرنا بھول جائے تو یاد آنے کے بعد کہہ لے۔

حضرت حسن بصری سے مروی ہے کہ جب تک اس کلام کی مجلس میں رہے (ان شاء اللہ کہہ لے)، حضرت ابن عباس اور مجاہد کہتے ہیں: اگرچہ ایک سال کے بعد ہو، اور حضرت ابن عباس سے ایک روایت میں ہے کہ اگرچہ دو سال کے بعد ہو، حصول برکت کی تلافی کی جائے۔

لیکن قسم وغیرہ میں جو استثناء حکم کے لئے مفید ہے وہ صرف متصلاً صحیح ہے، اور مشیت وغیرہ کے ذریعہ استثناء عام لوگوں کی گفتگو میں خبر، قسم، نذر، طلاق، عتاق، وعدہ اور عقد وغیرہ میں آتا ہے، پھر قسم وغیرہ کے ختم ہونے میں اس کا اثر ہوتا ہے۔

ایسے دو وعدہ کا استثناء جن کے درمیان حرف شک آیا ہو:

۹- اگر کوئی کہے: لہ علی ألف درہم إلا مائۃ درہم أو خمسین درہم (اس کا مجھ پر ایک ہزار درہم ہے مگر سو درہم یا

(۱) الجامع لاحکام القرآن ۱۰/۳۸۵۔

(۲) سورہ کہف ص ۲۳۔

پچاس درہم) تو اس قول کا حاصل کیا ہے؟ اس کے بارے میں دو اقوال ہیں:

اول: حنفیہ کے یہاں صحیح یہی ہے کہ: اس کے ذمہ نو سو واجب ہیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ استثناء کی حقیقت یہ ہے کہ استثناء کے بعد جو باقی ہے وہ بات کہی گئی ہے، اور یہاں استثناء کے بعد کہی جانے والی بات میں شک ہے (کہ وہ نو سو ہے یا ساڑھے نو سو) اس لئے منقطع بہ (جس کو بولا گیا ہے) میں شک ہو گیا، اور اصل ذمہ کا مشغول نہ ہونا ہے، اس لئے کم والی مقدار ثابت ہوگی۔

دوم: مذہب شافعی کا ظاہر اور حنفیہ کے یہاں ایک روایت یہ ہے کہ استثناء دراصل داخل ہونے کے بعد نکلتا ہے، لہذا نو سو پچاس اس کے ذمہ لازم ہوں گے، کیونکہ جب ایک ہزار داخل ہو گیا تو اس سے نکلے ہوئے میں شک ہوا، پس کم مقدار نکلے گی (۱)۔

اس کی تفصیل اصطلاح ”اقرار“ نیز ”اصولی ضمیرہ“ میں دیکھی جائے۔

عطف والے جملوں کے بعد استثناء:

۱۰- اگر ا لا وغیرہ کے ذریعہ استثناء ایسے جملوں کے بعد آئے جن میں واو کے ذریعہ عطف کیا گیا ہے، تو حنفیہ اور شافعیہ میں سے فخر الدین رازی کے نزدیک ظاہر یہ ہے کہ استثناء صرف آخری جملہ سے متعلق ہوگا، جب کہ جمہور شافعیہ اور ان کے موافقین کے نزدیک ظاہر یہ ہے کہ اس کا تعلق تمام جملوں سے ہوگا۔

آخری جملہ کے علاوہ دوسرے جملوں سے اس کا تعلق ہو گیا نہیں، باقانی نے اس میں توقف کیا ہے۔

غزالی نے بھی مطلقاً توقف کیا ہے۔

ابو الحسن معتزلی نے کہا ہے: اگر پہلے جملہ سے اعراض کرنا ظاہر ہو، جیسے ایک جملہ انشائیہ اور دوسرا خبریہ ہو یا ایک امر ہو دوسرا انہی ہو یا غرض کلام میں دونوں مشترک نہ ہوں تو استثناء صرف آخری جملہ سے متعلق ہوگا ورنہ تمام جملوں سے متعلق ہوگا۔

یہ اختلاف جیسا کہ آپ دیکھ رہے ہیں صرف ظاہر ہونے میں ہے ورنہ مذکورہ احتمالات میں سے کسی کے بارے میں صریح ہونے کا دعویٰ نہیں کیا جاسکتا، اور استثناء کا تعلق صرف آخری جملہ سے ہونے کے امکان اور تمام جملوں سے ہونے کے امکان میں بھی کسی کا اختلاف نہیں، لغت میں یہ سب ثابت ہیں، یہ تفصیل اس صورت میں ہے جب عطف واو کے ذریعہ ہو، اور اگر عطف ”فاء“ یا ”ثم“ کے ذریعہ ہو تو بھی اختلاف باقی رہتا ہے، البتہ بعض شافعیہ مثلاً امام الحرمین، اور آمدی کہتے ہیں کہ اس صورت میں صرف آخری جملہ سے متعلق ہوگا۔

حنفیہ کا استدلال یہ ہے کہ پہلے جملہ کا حکم ثبوت میں عموماً ظاہر ہے، اور استثناء کے ذریعہ بعض سے حکم کو ختم کرنے میں شک ہے، کیونکہ اس کا امکان ہے کہ اس کا تعلق صرف آخری جملہ سے ہو، لہذا پہلے جملہ کا حکم ختم نہ ہوگا، اس لئے کہ مشکوک ظاہر کے برابر نہیں ہو سکتا۔ اس کے برخلاف آخری جملہ کا حکم ظاہر نہیں ہے، کیونکہ اس میں حکم رفع ظاہر ہے، اور اس ظاہر سے کلام کو پھیرنے والی کوئی وجہ موجود نہیں، لہذا استثناء کا تعلق صرف اخیر جملہ سے ہوگا۔

حنفیہ کا دوسرا استدلال یہ ہے کہ استثناء کی ایک شرط اتصال ہے، اور اخیر جملہ میں اتصال ثابت ہے، اس سے پہلے والے جملوں میں اتصال عطف کے ذریعہ ہے، لیکن چوں کہ صرف عطف کے ذریعہ اتصال کمزور ہے، اس لئے اس اتصال کے معتبر ہونے کے لئے کوئی دوسری دلیل ضروری ہے۔

شافعیہ اور ان کے موافقین نے: شرط پر قیاس سے استدلال

کیا ہے اس لئے کہ شرط اگر چند جملوں کے بعد آتی ہے تو بالاتفاق اس کا تعلق تمام جملوں سے ہوتا ہے۔

ان کا استدلال یہ بھی ہے کہ عطف متعدد کو مفرد کی طرح بنا دیتا ہے، لہذا جس کا تعلق ایک سے ہوگا، اس کا تعلق سب سے ہوگا، نیز یہ کہ استثناء کی غرض بسا اوقات سب سے متعلق ہوتی ہے، اور اس وقت یا تو استثناء کو ہر جملہ کے بعد لایا جائے، یا صرف کسی ایک کے بعد یا سب کے بعد لایا جائے، ہر جملہ کے بعد لانا برا ہے۔ تو پہلی شکل باطل ہوئی، اور دوسری شکل میں ترجیح بلا مرجح ہے، لہذا تیسری ہی شکل رہ گئی، اس لئے استثناء کا اسی شکل میں ظاہر ہونا لازم قرار پایا۔

۱۱- اسی قاعدہ کی بنیاد پر مندرجہ ذیل آیت کے حکم میں اختلاف ہوا ہے: ”وَالَّذِينَ يَرْمُونَ الْمُحْصَنَاتِ ثُمَّ لَمْ يَأْتُوا بِأَرْبَعَةِ شُهَدَاءَ فَاجْلِدُوهُمْ ثَمَانِينَ جَلْدَةً وَلَا تَقْبَلُوا لَهُمْ شَهَادَةً أَبَدًا وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ إِلَّا الَّذِينَ تَابُوا...“ (۱) (اور جو لوگ تہمت لگائیں پاکدامن عورتوں کو، اور پھر چار گواہ نہ لائیں تو انہیں اسی دڑے لگاؤ اور کبھی ان کی کوئی گواہی نہ قبول کرو، یہی لوگ تو فاسق ہیں، ہاں البتہ جو لوگ اس کے بعد توبہ کر لیں)۔ حنفیہ نے کہا ہے: زنا کا جھوٹا الزام لگانے والوں میں سے توبہ کر لیں تب بھی ان کی شہادت قبول نہیں کی جائے گی، استثناء کا تعلق ان کے فسق کے حکم سے ہے۔ اور شافعیہ اور ان کے موافقین نے کہا ہے: ان کی گواہی قبول کی جائے گی، اس لئے کہ استثناء کا تعلق تینوں جملوں سے ہے، ”فَاجْلِدُوهُمْ ثَمَانِينَ جَلْدَةً“ (۲) (تو انہیں اسی دڑے لگاؤ) سے استثناء کا تعلق نہ ہونے کی دلیل موجود ہے، اور وہ یہ ہے کہ کوڑے لگانا آدمی کا حق ہے، اور آدمی کا حق توبہ سے ساقط نہیں ہوتا۔

(۱) مسلم الشبوت اور اس کی شرح ۳۳۲-۳۳۸، شرح جمع الجوامع

۲/۱۷-۱۹، روضۃ الناظرین ص ۵۳، اور آیت کریمہ سورہ نور ص ۳۲

(۲) سورہ نور ص ۳۲

عطف والے مفرد الفاظ کے بعد استثناء:

۱۲- مفرد الفاظ جو عطف کے ساتھ آئیں ان کے بعد استثناء کے بارے میں بھی اختلاف ہے جو جملوں کے بعد والے استثناء میں ہے، البتہ شافعیہ نے صراحت کی ہے کہ عطف والے جملوں کے بعد آنے والے استثناء کے مقابلہ میں اس استثناء کا ہر ایک سے متعلق ہونا زیادہ بہتر ہے، کیونکہ مفردات مستقل نہیں ہوتے مثلاً: ”تصدق علی الفقراء والمساکین وابن السبیل إلا الفسقة منهم“ (فقیروں، مسکینوں اور مسافر پر صدقہ کرو، سوائے ان کے جو ان میں سے فاسق ہوں)۔

عطف والے کلام کے بعد استثناء عربی:

۱۳- اگر ”ان شاء اللہ“ وغیرہ کے ذریعہ استثناء عربی جملوں کے بعد آئے جیسے ”واللہ لا اکل ولا اشرب انشاء اللہ“ تو بالاتفاق استثناء کا تعلق سب سے ہوگا، اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ استثناء شرط ہے، حقیقت میں استثناء نہیں، اور شرط تقدیری طور پر مقدم ہوتی ہے، کیونکہ نحو یوں کا اتفاق ہے کہ شرط ابتدائے کلام میں ہوتی ہے، لہذا اول سے اس کا متعلق ہونا درست ہے، کیونکہ تقدیر اوہ اس سے متصل ہے، برخلاف استثناء کے کہ وہ لفظی یا تقدیری دونوں اعتبار سے مؤخر ہوتا ہے (۱)۔

استثناء کے بعد استثناء:

۱۴- استثناء کے اس نوع کی دو قسمیں ہیں:

اول: حرف عطف کے ساتھ کئی استثناء آئے مثلاً ”لہ علی عشرة إلا أربعة وإلا ثلاثة وإلا اثنين“۔

اس کا حکم یہ ہے کہ ان سب کا تعلق ما قبل میں مذکور مستثنیٰ منہ سے ہوگا، لہذا اس مثال میں اس کے ذمہ صرف ایک لازم ہوگا۔

(۱) مسلم الشبوت اور اس کی شرح ۳۳۲-۳۳۸، شرح جمع الجوامع

۲/۱۷-۱۹، روضۃ الناظرین ص ۵۳، اتھمد لاسنوی ص ۳۹۲، ۳۹۳۔

دوم: بغیر حرف عطف کے مسلسل آنے والے استثناء، اگر ان میں سے کوئی بھی اپنے ماقبل کا احاطہ کرنے والا نہ ہو تو ان میں سے ہر ایک کا تعلق اپنے ماقبل سے ہوگا، لہذا اگر کسی نے کہا: لا علی عشرة إلا سبعة إلا خمسة إلا درہمین، تو یہ کہنا درست ہے، اور وہ چھ درہم کا اقرار کرنے والا ہوگا، اس لئے کہ خمسة إلا درہمین سے مراد تین درہم ہیں جس کا استثناء اس نے سات سے کیا ہے، تو چار بچے، اور چار کدوئیں سے مستثنیٰ کیا ہے تو چھ بچے (۱)۔

اگر کوئی ایک استثناء اپنے ماقبل کا احاطہ کرنے والا ہو تو سارے استثناء لغو نہیں ہوں گے، بلکہ سب کے سب مستثنیٰ منہ سے متعلق ہوں گے، اس مسئلہ میں کچھ اختلاف و تفصیل بھی ہے (۲)۔

شرائط استثناء

۱۵- شروط استثناء استغراق کی شرط کے علاوہ عام ہیں، اس لئے کہ استغراق کی شرط استثناء بالمشیت میں نہیں آتی ہے۔ مگر اس کی صراحت کی ہے (۳)۔ اور آگے آئے گا کہ استثناء بالمشیت میں قصد کی شرط بھی مختلف فیہ ہے۔

شرط اول:

۱۶- استثناء کی شرط یہ ہے کہ مستثنیٰ منہ سے متصل ہو، یعنی درمیان میں کوئی ایسی چیز نہ ہو جس کو عرف میں فصل کرنے والا سمجھا جاتا ہو۔ اگر فصل سانس لینے، یا کھانسنے وغیرہ کے ذریعہ ہو تو یہ اتصال سے مانع نہیں ہے، اسی طرح اگر مستثنیٰ اور مستثنیٰ منہ کے درمیان کوئی غیر اجنبی کلام حائل ہو مثلاً نداء، کہ وہ تنبیہ اور تاکید کے لئے ہوتا ہے

(۱) شرح المکلی علی جمع الجوامع ۲/ ۷۵، المغنی ۵/ ۱۳۷۔

(۲) المصنف ۱/ ۳۹۱۔

(۳) نہایۃ المحتاج ۶/ ۵۵۵۔

(تو بھی اتصال سے مانع نہیں)۔ اور اگر اتنی دیر خاموش رہا جس میں گفتگو کر سکتا ہے، یا اجنبی کلام کے ذریعہ فصل ہو، یا گفتگو میں کسی اور چیز کی طرف چلا جائے تو مستثنیٰ کا حکم مکمل ہو جائے گا اور ختم نہیں ہوگا، برخلاف اس صورت کے جب گفتگو کرنا ممکن نہ ہو، مثلاً کسی نے اس کا منہ پکڑ لیا اور اس کو بولنے سے روک دیا (۱)۔ فقہاء اور اصولیین کے یہاں قول مقدم یہی ہے، اور اتصال کے پائے جانے کی شرط یہ ہے کہ کلام سابق میں استثناء کی نیت کرے، لہذا اگر مستثنیٰ منہ سے فراغت کے بعد نیت کرے تو درست نہیں ہے۔ اور مالکیہ کے نزدیک اعتبار نفس اتصال کا ہے، خواہ ابتدائے کلام میں نیت کرے یا دوران کلام میں، یا مستثنیٰ منہ سے فارغ ہونے کے بعد۔

کچھ حضرات سے اس کے برخلاف منقول ہے، چنانچہ حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ ایک ماہ تک استثناء جائز ہے، ایک قول یہ ہے کہ کبھی بھی جائز ہے۔ سعید بن جبیر سے چار ماہ تک کا قول اور حضرت عطاء و حسن سے دوران مجلس تک کا قول منقول ہے، امام احمد نے قسم میں استثناء کے اندر اس طرف اشارہ کیا ہے (۲)۔ حضرت مجاہد سے دو سال تک کا قول مروی ہے، ایک قول یہ ہے کہ جب تک دوسری گفتگو شروع نہ کر دے جائز ہے، ایک قول یہ ہے کہ اگر دوران کلام استثناء کی نیت کرے تو اس کے بعد تاخیر جائز ہے، یہ قول امام احمد کی طرف منسوب ہے۔

اور ایک قول یہ ہے کہ صرف کلام الہی میں تاخیر جائز ہے۔ اور ایک روایت میں جو یہ آیا ہے کہ جب حضور ﷺ نے مکہ کو حرام قرار دیتے ہوئے فرمایا: "لا یختلی شوکھا ولا یعضد شجرھا، قال العباس: یا رسول اللہ إلا الاذخر، فقال: إلا

(۱) الدر المختار مع حاشیہ ابن ماجہ ۴/ ۵۸، حاشیۃ الدر المنثور ۲/ ۳۸۸۔

(۲) روۃ الناظر ۱/ ۱۳۲۔

شرط دوم:

۱۷- استثناء کی شرط یہ ہے کہ مستثنیٰ، مستثنیٰ منہ کو مکمل طور پر احاطہ کرنے والا نہ ہو، اس لئے کہ وہ استثناء جو مستثنیٰ کو پورے طور پر احاطہ کرتا ہو وہ بالاتفاق باطل ہے، البتہ بعض لوگ اس کے قائل ہیں، مگر ان کی رائے شاذ ہے۔

بعض حضرات نے اس پر اجماع کا دعویٰ کیا ہے، چنانچہ اگر کسی نے کہا: ”لہ علی عشرة إلا عشرة“ (اس کا میرے ذمہ دس ہے سوائے دس کے) تو ”إلا عشرة“ لغو ہے، اور اس کے ذمہ پورے دس واجب ہوں گے۔ شذوذ اختیار کرنے والوں میں ابن ظلمہ مالکی ہیں جنہوں نے ”المدخل“ میں یہ رائے اختیار کی ہے۔ قرآنی نے ان کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ اگر کسی نے اپنی بیوی سے کہا: أنت طالق ثلاثا إلا ثلاثا (۱) (تم کو تین طلاق ہے سوائے تین طلاق کے) تو اس پر کوئی طلاق واقع نہیں ہوگی۔

حنفیہ کے یہاں تفصیل ہے، وہ اس بات سے متفق ہیں کہ اگر عینہ مستثنیٰ منہ کے لفظ سے استثناء ہو تو باطل ہے، مثلاً کہے: ”عبيدي أحرار إلا عبيدي“، یا اس کے ہم معنی لفظ سے ہو، مثلاً کہے: ”نساني طوالق إلا زوجاتي“۔

اگر ان کے علاوہ کسی اور لفظ سے ہو، مثلاً کہے: ثلاث مالي لزيد إلا ألفا (میرا تہائی مال زید کے لئے ہے سوائے ایک ہزار کے) اور تہائی مال ایک ہزار کے بقدر ہے تو استثناء درست ہے، اور زید کسی چیز کا مستحق نہیں ہوگا۔

لہذا حنفیہ کے یہاں بقاء کا امکان شرط ہے اس کی حقیقت شرط نہیں، چنانچہ اگر اس نے چھ طلاقیں دیں اور چار کا استثناء کیا تو درست ہے، اور دو طلاق پڑے گی، اگر چہ حکم کے اعتبار سے چھ طلاقیں

(۱) جمع الجوامع مع الشرح ۲/۱۳۔

الإذخر، فإنه لقيتهم وبيوتهم“ (۱) (وہاں کا کاٹنا نہ توڑا جائے اور وہاں کا درخت نہ جھاڑا جائے تو حضرت عباسؓ نے کہا: اے اللہ کے رسول! مکہ کے درختوں میں سے اذخر گھاس کاٹنے کی اجازت دے دیجئے، اس لئے کہ یہ یہاں کے لوہار اور گھروں کے لئے کام میں آتا ہے۔ تو حضور ﷺ نے فرمایا: ”إلا الإذخر“ (یعنی مگر اذخر گھاس))، بظاہر اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ استثناء منفصل ہے۔ لیکن یہ حدیث محذوف و مقدر سے استثناء پر محمول ہے، کو یا آپ نے دوبارہ یہ ارشاد فرمایا، لہذا اس استثناء کا تعلق پہلے مذکور کلام سے نہیں ہے (۲)۔

جمہور کی دلیل جو وجوب اتصال کے قائل ہیں، یہ ہے کہ استثناء غیر متصل کے جائز تر اردینے کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ استثناء کے احتمال کی وجہ سے کسی بھی خبر کے سچی یا جھوٹی ہونے کا یقین نہیں ہوگا۔ اسی طرح سے کوئی بھی عقد ثابت نہیں ہوگا، نیز انحراف کا وجوب اتصال پر اجماع ہے، چنانچہ اگر کوئی کہے: ”لہ عشرة“ پھر ایک ماہ کے بعد إلا ثلاثة کہہ دے، تو یہ استثناء لغو ہوگا۔

حضرت ابن عباس کے قول اور اس جیسے دوسرے اقوال کا مقصد غالباً یہ ہے کہ اگر کوئی ان شاء اللہ کہنا بھول جائے تو جب یاد آئے کہہ لے، اگر چہ طویل مدت گزر چکی ہو، تاکہ آیت کا اتباع ہو جائے، اور یہ اس استثناء میں داخل نہیں ہے جو مستثنیٰ کے حکم کو ختم کر دیتا ہے (۳) جیسا کہ گذار۔

(۱) حدیث: ”لا يخلط شو كها“ کی روایت بخاری نے کی ہے (فتح الباری ۱۲/۲۰۵ طبع المنقذ)۔

(۲) شرح مسلم المبتوت ۱/۳۲۰، ۳۲۱۔

(۳) تفسیر قرطبی ۱۰/۳۸۵، شرح جمع الجوامع مع حامیۃ البزازی ۱۰/۲ اور اس کے بعد کے صفحات۔

مستثنیٰ منہ میں سے دونوں عدد صریح ہوں۔ ایک قول یہ ہے کہ قاضی ابوبکر (باقلائی) کا دوسرا قول یہی ہے۔

غیر عدد میں اکثر کے استثناء کے جواز کی دلیل یہ فرمان باری ہے: ”إِنَّ عِبَادِي لَأَنسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطَانٌ إِلَّا مَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْغَاوِينَ“ (۱) (بے شک میرے بندوں پر تیرا فورا بھی بس نہ چلے گا مگر ہاں بہکے ہوئے میں سے بھی جو تیری پیروی کرنے لگیں)۔ اور بہکے ہوئے ہی اکثر ہیں، کیونکہ فرمان باری ہے: ”وَمَا أَكْثَرُ النَّاسِ وَلَوْ حَرَصْتَ بِمُؤْمِنِينَ“ (۲) (اور اکثر لوگ ایمان لانے والے نہیں کو آپ کا کیسا ہی جی چاہے)۔

عدد میں اس کے جواز کی دلیل یہ بھی دی گئی ہے کہ باتفاق جمیع فقہاء اگر کوئی: ”لہ علیٰ عشرة إلا تسعة“ کے ذریعہ اتر کر رہے تو صرف ایک لازم ہوگا (۳)۔ اور حنابلہ کا استدلال یہ ہے کہ امر لغت نے اس سے انکار کیا ہے کہ لغوی طور پر اکثر کا استثناء جائز ہو، مثلاً ابن جنی، زجاج، اور قتیبی۔ زجاج نے کہا ہے: استثناء محض کثیر سے قلیل کے لئے آتا ہے (۴)۔

شرط سوم:

۱۹- استثناء کی شرط یہ ہے کہ مستثنیٰ، مستثنیٰ منہ میں داخل ہو۔ اگر مستثنیٰ، مستثنیٰ منہ کی جنس سے نہ ہو تو استثناء کے صحیح ہونے میں علماء کا اختلاف ہے، چنانچہ امام مالک، شافعی، باقلانی اور متکلمین کی ایک جماعت نے اس کو جائز قرار دیا ہے، اس کی مثال یہ ہے کہ کہے: لہ علیٰ ألف من الملائكة إلا فرسا (اس کا میرے ذمہ ہزار دیوتا ہے

درست نہیں ہیں، کیونکہ طلاق تین سے زائد نہیں، تاہم اس کو اس طرح نہیں سمجھا جائے گا کہ اس نے گویا یوں کہا ہے: ”أنت طالق ثلاثاً إلا أربعاً“۔ تو ایسا لگتا ہے کہ لفظ کا اعتبار اولیٰ ہے (۱)۔

حنابلہ میں صاحب المغنی نے استثناء مستغرق میں اس مثال کو بھی شمار کیا کہ کوئی کہے: ”لہ علیٰ ثلاثة دراهم ودرهمان إلا درهمین“ کہ یہ استثناء درست نہیں، اور وہ سب اس پر لازم ہوں گے جن کا اس نے اقرار کیا ہے، اور یہ ہماری مثال میں پانچ درہم ہیں (۲)۔

اکثر اور اقل کا استثناء:

۱۸- اکثر علماء کے نزدیک نصف اور نصف سے زائد کا استثناء درست ہے، بشرطیکہ وہ پورے کا احاطہ کرنے والا نہ ہو جیسا کہ گذرا، مثلاً کہے: ”لہ علیٰ عشرة إلا ستة“ (۳) یا: ”لہ علیٰ عشرة إلا خمسة“، صاحب فوائد الرحموت نے اس قول کو خفیہ اور اکثر مالکیہ و شافعیہ کی طرف منسوب کیا ہے۔

اس میں حنابلہ نیز مالکیہ میں سے قاضی ابوبکر باقلانی کا اختلاف ہے (۴)۔

ایک قول یہ ہے کہ حنابلہ کے یہاں صرف نصف سے زائد کا استثناء ممنوع ہے، اور نصف کا استثناء جائز ہے، ایک دوسرا قول ہے کہ ان کے یہاں نصف کا استثناء بھی ممنوع ہے۔

مسئلہ میں تیسرا قول یہ ہے کہ اکثر کا استثناء ممنوع ہے اگر مستثنیٰ اور

(۱) الدر المختار مع حاشیہ ابن عابدین ۴/ ۵۸، مسلم الشیوخ ۱/ ۳۲۳، ۳۲۴۔

(۲) المغنی لابن قدامہ ۵/ ۵۹، ۶۰، ۶۱، مجمع کردہ مکتبۃ الریاض الحدیث۔

(۳) ابن عابدین ۴/ ۵۸۔

(۴) فوائد الرحموت میں ہے وہ شافعیہ میں سے ہیں، لیکن صحیح یہ ہے کہ وہ مالکیہ میں

سے ہیں، جیسا کہ الاعلام ملحد رکلی ۷/ ۲۶ میں ہے۔

(۱) سورة حجر ۲۲۔

(۲) سورة يوسف ۱۰۳۔

(۳) فوائد الرحموت ۱/ ۳۳۵-۳۳۶، جمع الجوامع مع شرح المحلی ۲/ ۱۳۔

(۴) روضة الناظر ۱/ ۱۳۳۔

سوائے ایک گھوڑے کے)۔

اسی طرح اگر کہے: ”لہ علی فرس إلا عشرة دنانیر“ (اس کا میرے ذمہ ایک گھوڑا ہے سوائے دس دینار کے) تو اس کو وضاحت کرنے پر مجبور کیا جائے گا، اگر گھوڑے کی قیمت ایک ہزار دینار ہو تو استثناء باطل ہو جائے گا، اور اس کے ذمہ پورے ایک ہزار لازم ہوں گے (۱)۔

حنفیہ میں امام ابو حنیفہ و امام ابو یوسف کے نزدیک استحساناً مافی اور تولی جانے والی چیز کا استثناء، اور شمار کی جانے والی چیز جس کے افراد متفاوت نہ ہوں مثلاً پیسے اور آخروٹ کا استثناء، وراثہ و دمانیر سے درست ہے، کیونکہ یہ ذمہ میں واجب ہوتے ہیں، اس لئے ان کو ایک جنس مانا گیا ہے، اور اس طرح وہ سونے چاندی کی طرح ہو گئے، اور اس کے متراسے مستثنیٰ کی قیمت الگ کر دی جائے گی۔

ان دونوں حضرات کے نزدیک اس طرح کا استثناء درست ہے اگرچہ قیمت پورے متراس کا احاطہ کئے ہوئے ہو، کیونکہ اس کا احاطہ غیر مساوی لفظ سے ہے (یعنی جو نہ بعینہ مستثنیٰ منہ کا لفظ ہے اور نہ اس کا ہم معنی ہے)۔

حنفیہ کے یہاں دوسرا قول یہ ہے کہ درست نہیں، یہ امام محمد اور زفر کا قول ہے، اور یہی قیاس کا تقاضہ ہے۔

البتہ غیر مقدرات میں (یعنی جو نہ کیلی ووزنی ہوں اور نہ ایسی عددی جن کے افراد یکساں ہوں) مثلاً کہے: اس کا میرے ذمہ سو درہم ہے سوائے ایک کپڑے کے، تو حنفیہ کے یہاں بالاتفاق صحیح نہیں، نہ قیاساً اور نہ استحساناً۔

حنابلہ کے یہاں غیر جنس سے استثناء صحیح نہیں، ہاں یہ کہ وراثہ کا دمانیر سے، یا دمانیر کا وراثہ سے استثناء کرے، تو صحیح ہے، ان کی

دوسری روایت ہے کہ بالکل درست نہیں۔

جائز متر اردینے والوں کی دلیل یہ ہے کہ غیر جنس سے استثناء قرآن میں آیا ہے، مثلاً فرمان باری ہے: ”وَإِذْ قُلْنَا لِلْمَلَائِكَةِ اسْجُدُوا لِآدَمَ فَسَجَدُوا إِلَّا إِبْلِيسَ كَانَ مِنَ الْجِنِّ“ (۱) (اور) وہ دن یاد کرو جب ہم نے فرشتوں سے کہا کہ آدم کے رو بہ و جھکو، وہ جھکے البتہ ابلیس (نہ جھکا) وہ جنات میں سے تھا، نیز ارشاد باری ہے: ”لَا يَسْمَعُونَ فِيهَا لَغْوًا وَلَا تَأْثِيمًا إِلَّا قِيلًا سَلَامًا سَلَامًا“ (۲) (وہ وہاں نہ بک بک سنیں گے اور نہ کوئی بیہودہ بات، بس (ہر طرف) سے سلام ہی سلام کی آواز آئے گی)۔

مانعین کی دلیل یہ ہے کہ استثناء کا مطلب یہ ہے کہ حرف استثناء کے ذریعہ لفظ کو اس مفہوم سے ہٹانا جس کا وہ استثناء کی عدم موجودگی میں متقاضی تھا۔

جنس مذکور کے علاوہ کلام میں داخل ہی نہیں ہے، لہذا جب استثناء کو ذکر کیا تو اس نے کلام کو اس کی روش سے نہیں ہٹایا، اور نہ ہی اس کے رخ کو موڑا، لہذا یہ استثناء نہیں ہوا، اس طرح کے استثناء کو صرف مجازاً استثناء کہتے ہیں، جس کا بیان استثناء منقطع (فقرہ ۶) کے تحت آچکا ہے، فی الواقع یہ صرف استدراک ہے، اور ”إلا“ ”لکن“ کے معنی میں ہے، لہذا اگر متراس کے بعد استدراک کرے مثلاً یوں کہے: ”لہ عندی مائۃ درہم إلا ثوباً لی علیہ“ (اس کا میرے پاس سو درہم ہے مگر ایک کپڑا میرا اس پر ہے) تو استدراک باطل ہے، اس لئے کہ وہ ایک چیز کا متراس کرنے والا اور دوسری چیز کا دعویٰ کرنے والا ہوگا، اس لئے اس کا متراس مقبول، اور اس کا دعویٰ یعنی استثناء باطل ہے۔

ثمن اور غیر ثمن (یعنی سونا و چاندی، وراثہ و دمانیر اور ان کے ماسوا) میں فرق متر اردینے والوں کی دلیل یہ ہے کہ وراثہ و دمانیر کے

(۱) سورہ کہفہ ۵۰۔

(۲) سورہ واقعہ ۲۵۔

(۱) جامع الدعوتی سہ ۱۱ طبع دار الفکر۔

درمیان تناسب معلوم ہے، ایک کو دوسرے کے ذریعہ بیان کیا جاتا ہے، لہذا جب اس نے ایک کو دوسرے سے مستثنیٰ کیا تو یہ سمجھا جائے گا کہ وہ ایک کو دوسرے کے ذریعہ بیان کرنا چاہتا ہے، اس لئے کہ کچھ لوگ دس درہم کو ایک دینار کہتے ہیں، اور بعض ممالک میں آٹھ درہم کو ایک دینار کہا جاتا ہے (۱)۔

شرط چہارم: استثناء کو زبان سے ادا کرنا:

۲۰۔ مالکیہ میں سے ابن حبیب کی رائے یہ ہے کہ استثناء میں ہوتوں کا بلانا کافی ہے اگر آدمی حلف اٹھانے والا نہ ہو، اور اگر حلف اٹھا رہا ہو تو جہر ضروری ہے۔

ابن القاسم نے کہا ہے کہ ایسا کرنا اس کے لئے نفع بخش ہے اگرچہ مخلوف (جس کے لئے قسم کھائی ہے) نہ سنے (۲)۔

شافعیہ کے یہاں استثناء کے لئے شرط ہے کہ اس طور پر زبان سے کہے کہ دوسرا سن لے، ورنہ انکار نفی میں اس کے مخالف کے قول کا اعتبار ہوگا اور اس کے وقوع کا حکم لگایا جائے گا اگر دوسرا فریق استثناء کی نفی پر حلف اٹھا لے۔

یہ اس صورت میں ہے جب اس سے دوسرے کا حق متعلق ہو، اس کے علاوہ میں خود اس کا سن لیتا کافی ہے اگر اس کا سننا معمول کے مطابق ہے اور کوئی عارضہ نہیں ہے، اور ”فیما بینہ و بین اللہ“ اس کی بات کا اعتبار ہوگا (۳)۔

استثناء میں کس طرح کے نطق کا اعتبار ہے، حنا بلہ کے یہاں بظاہر

اس مسئلہ کا ذکر نہیں ہے، البتہ انہوں نے دل سے استثناء کی نیت کرنے کے مسئلہ میں فرق کیا ہے کہ اگر مستثنیٰ منہ جس کا اس نے تلفظ کیا ہے عام ہو، مثلاً کہنے ”نسائی طوالق“ اور دل سے ایک کو مستثنیٰ کر لے تو دیا نہ اس کا استثناء درست ہے قضاء درست نہیں، اس لئے کہ لفظ ”نسائی“ عام ہے، اس سے اس کا بعض موضوع لہ مراد لیا جاسکتا ہے، اور اگر مستثنیٰ منہ اپنے موضوع لہ میں صریح ہو، اس میں دوسرے کا احتمال نہ ہو، مثلاً عدد، تو جو کچھ لفظ کے ذریعہ ثابت ہو چکا نیت کے ذریعہ ختم نہیں ہوگا، مثلاً کہنے ”نسائی الأربع أو الثلاث طوالق“ تو ظاہر اس کا استثناء مقبول نہیں ہے، اور ایک قول یہ ہے کہ باطناً بھی مقبول نہیں (۱)۔

حنفیہ کے یہاں صحیح یہ ہے کہ اگر طلاق کا لفظ کہے اور استثناء کرے تو استثناء کا سنا جانا ضروری ہے، مراد یہ ہے کہ قابل سماعت ہو، اس طور پر کہ اگر کوئی اپنا کان اس کے منہ کے قریب کرے تو اس کے استثناء کو سن لے اگرچہ شور یا بہرہ پن کی وجہ سے کہنے والے کی بات سنائی نہ دے۔ اور حنفیہ میں سے کرنی کا قول ہے کہ استثناء کی صحت کے لئے یہ شرط نہیں کہ لفظ سنا جائے (۲)۔ اور حنفیہ یہ بھی کہتے ہیں کہ کتابت کے ذریعہ استثناء صحیح ہے، چنانچہ اگر طلاق زبانی دے اور ساتھ ساتھ استثناء لکھ دیا اس کے برعکس، یا لکھنے کے بعد استثناء کو منادے تو طلاق نہیں پڑے گی (۳)۔

حنفیہ کی ایک کتاب فتاویٰ ”تاتارخانیہ“ میں ہے: اگر بیوی طلاق سنے لیکن استثناء نہ سنے تو اس کے لئے جائز نہیں کہ شوہر کو اپنے ساتھ چلی کرنے کا موقع دے، بلکہ اس کے لئے ضروری ہے کہ شوہر کی مخالفت کرے۔

(۱) ابن عابدین ۳/۵۸، المغنی لابن قدامہ ۵/۱۵۳ اور اس کے بعد کے صفحات طبع الریاض، روہۃ الناظر ص ۱۳۲، الاحکام لمدی ۸/۵۸ اور اس کے بعد کے صفحات طبع محمد صبیح۔

(۲) المواقیہ لہامش لخطاب ۳/۲۶۸۔

(۳) نہایۃ المحتاج ۶/۵۶، حواشی تحتہ المحتاج للعرف والی ۷/۶۳۔

(۱) کشاف القناع ۵/۲۷۲، المغنی ۷/۱۵۸ طبع سوم۔

(۲) حاشیہ ابن عابدین ۲/۵۱۰، ۵۱۳۔

(۳) حاشیہ ابن عابدین ۲/۵۱۰۔

۲۱- اگر استثناء کے صادر ہونے میں زمین کا اختلاف ہو، شوہر دعویٰ کرے اور عورت منکر ہو تو شوہر کا قول قبول کیا جائے گا، یہ امام ابوحنیفہ سے ظاہر الروایہ ہے اور یہی مذہب ہے۔

حنفیہ کے یہاں ایک قول یہ ہے کہ بغیر بینہ کے قبول نہیں کیا جائے گا، عموم فساد کی وجہ سے احتیاطاً اسی پر اعتماد اور فتویٰ ہے، کیونکہ کچھ اللہ سے نہ ڈرنے والے لوگ اس کو حیلہ بنا سکتے ہیں، نیز شوہر کا دعویٰ خلاف ظاہر ہے، کیونکہ وہ استثناء کا دعویٰ کر کے حکم کے باطل کرنے کا دعویٰ کر رہا ہے، حالانکہ وہ حکم کو تسلیم کر چکا ہے، اس لئے ظاہر اس کے خلاف ہے، اور جب فساد عام ہو تو ظاہر کا اعتبار کرنا چاہئے۔

حنفیہ کے یہاں تیسرا قول جس کو ابن ہمام نے ”الحیظ“ کے حوالے سے نقل کیا ہے، یہ ہے کہ اگر شوہر کا صلاح و تقویٰ معروف ہو تو اس کی تصدیق کے لئے اس کا قول معتبر ہوگا، اور اگر اس کا فسق و فجور معروف ہو یا اس کے بارے میں ناواقفیت ہو تو اس کا قول معتبر نہیں، کیونکہ فساد غالب ہے، ابن عابدین نے اس کی تائید کی ہے (۱)، اس مسئلہ میں حنفیہ کے علاوہ دوسرے فقہاء کی تصریحات ہمیں نہیں ملیں۔

شرط پنجم - قصد:

۲۲- مالکیہ، شافعیہ اور حنابلہ کے یہاں قسم اور طلاق میں استثناء کے صحیح ہونے کے لئے قصد شرط ہے، ”إلا“ یا اس کے ہم معنی الفاظ کے ذریعہ استثناء حقیقی ہو یا انشاء اللہ وغیرہ کے ذریعہ استثناء عرفی ہو۔ استثناء قسم کھانے والے کے لئے صرف اس وقت مفید ہوگا جب استثناء کے معنی یعنی قسم کے ختم کرنے کا ارادہ کرے، محض تہک مقصد ہو یا کوئی مقصد نہ ہو تو مفید نہیں، اسی طرح ارادہ سے تلفظ کرنا بھی ضروری ہے،

(۱) ابن عابدین ۵۱۱/۲۔

لہذا اگر استثناء اس کی زبان پر بھول کر آگیا تو بے فائدہ ہے۔
ان کا اس پر بھی اتفاق ہے کہ اگر استثناء والے جملہ کے بولتے وقت شروع میں یا اس سے فارغ ہونے سے پہلے درمیان میں یہ ارادہ پایا جائے تو صحیح ہے، لیکن اگر اس سے فارغ ہونے کے بعد نیت پائی جائے تو یہ نیت حنابلہ کے یہاں صحیح ہے بشرطیکہ متصل ہو، جب کہ مالکیہ اور شافعیہ میں سے ہر ایک کے یہاں اس کے بارے میں دو قول ہیں: پہلا قول جو مالکیہ کے یہاں مقدم اور شافعیہ کے یہاں اصح کے بالمقابل ہے، یہ ہے کہ نیت صحیح ہے، اور اس کی وجہ سے قسم اور طلاق ختم ہو جائے گی، بشرطیکہ متصل ہو جیسا کہ گذرا۔ دوسرا قول جو مالکیہ کے یہاں مقدم کے بالمقابل اور شافعیہ کے یہاں اصح یہ ہے کہ کلام سے فراغت کے بعد نیت صحیح نہیں، لہذا قسم منعقد ہو جائے گی اور طلاق پر جائے گی (۱)۔

حنفیہ نے صراحت کی ہے کہ استثناء بالمشیت میں قصد شرط نہیں، لہذا ”إلا“ اور اس کے ہم معنی الفاظ کے ذریعہ استثناء میں اس کا شرط نہ ہونا بدرجہ اولیٰ ہے (۲)۔

حنفیہ میں سے اسد بھی کہتے ہیں اور یہی ظاہر مذہب ہے، اس لئے کہ استثناء کے ساتھ طلاق، طلاق نہیں، اور اسی طرح اگر ”انشاء اللہ“ ایسا شخص کہے، جو اس کا مفہوم نہیں جانتا، حنفیہ کے یہاں دوسرا قول یہ ہے کہ نیت ضروری ہے، یہ امام خلف کا قول ہے (۳)۔

۲۳- مجہول ہونے کے ہم معنی الفاظ کے ذریعہ مستثنیٰ کا مجہول ہونا:

(۱) نہایت المحتاج ۳۵۵/۶، المغنی ۷۸/۷، حاشیہ الدسوقی ۱۲۹/۲، ۱۳۰/۳۔

(۲) فتح القدیر ۱۳۳/۳، حاشیہ ابن عابدین ۵۱۰/۲۔

(۳) فتح القدیر ۱۳۳/۳، الدر المختار مع حاشیہ ابن عابدین ۵۱۰/۲۔

پہلی قسم: غیر عقود مثلاً اقرار، اس صورت میں شنی مجہول کا استثناء کرنا جائز ہے، مثلاً اقرار کرنے والا کہے: ”لہ عندی ألف دینار إلا شینا یا إلا قلیلاً، یا ”إلا بعضہا“۔ یا گھر کا اقرار کرے، اور اس کے کسی غیر معین کمرہ کا استثناء کرے۔

اقرار کی طرح نذر، قسم اور طلاق وغیرہ میں بھی یہ قسم پائی جاتی ہے، اور منکظم سے مطالبہ کیا جائے گا کہ جس مستثنیٰ کو اس نے مبہم رکھا ہے اس کی وضاحت کرے، اور یہ اس کے ذمہ لازم ہے اگر اس سے دوسرے کا حق متعلق ہو، مختلف ابواب میں اس کے حکم کے بارے میں ان ابواب سے متعلق اصطلاحات دیکھی جائیں۔

دوسری قسم: عقود: عقود (خرید و فروخت وغیرہ) میں استثناء مبہم باطل ہے اور عقد کو فاسد کر دیتا ہے (۱)۔ حدیث میں آیا ہے: ”نہی النبی ﷺ عن الثنیا إلا أن تعلم“ (۲) (حضور ﷺ نے مجہول استثناء سے منع فرمایا ہے)۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ جس پر عقد کیا جائے اس کا معلوم ہونا شرط ہے، اور اگر مستثنیٰ معلوم نہ ہو تو مستثنیٰ منہ بھی مجہول ہو جائے گا، مثلاً کسی نے کپڑا بچاؤ اس کے کچھ حصے کا استثناء کر دیا۔

۲۴- عقود میں جس چیز کا استثناء کرنا جائز ہے اس کے لئے حنفیہ نے ایک قاعدہ مقرر کیا ہے، وہ یہ کہ ”تنہا جس چیز پر عقد کرنا جائز ہے اس کو عقد سے مستثنیٰ کرنا بھی جائز ہے“ چنانچہ غلہ کے ڈھیر سے ایک قیر کی بیج جائز ہے، تو اسی طرح اس کا استثناء بھی جائز ہے (۳)۔

اسی طرح مالکیہ نے مستثنیٰ کے معلوم ہونے کی شرط لگائی ہے، لہذا اگر وہ غیر معین جز کا استثناء کرے تو اس کو حسب منشاء استثناء کا حق حاصل

(۱) الاشیاء والافعال للسیوطی ص ۷۹ طبع مصطفیٰ لجنہ۔

(۲) اس حدیث کی روایت نسائی (۲۹۶/۷ طبع المکتبۃ التجاریہ) اور ترمذی (۵۸۵/۳ طبع لجنہ) نے کی ہے اور اس کی سند صحیح ہے۔

(۳) ابن ماجہ ص ۳۰، ۳۱۔

ہے، البتہ اگر غلہ کے ڈھیر کو اکل سے بیچ کر اس میں سے ماپ کے ذریعہ معلوم مقدار کا استثناء کرے، یا بکری کے گوشت میں سے کچھ رطل (ایک پیانہ) کا استثناء کرے تو تہائی سے زیادہ کا استثناء کرنا جائز نہیں، اور ان کے نزدیک صرف سفر میں کھال، اور کم قیمت والے اجزاء یعنی سر اور پائے کا استثناء کرنا جائز ہے، صرف سفر میں ان کا استثناء اس لئے جائز ہے کہ دوران سفر ان کی قیمت معمولی ہوتی ہے، حضر میں نہیں (۱)۔

مستثنیٰ کے معلوم ہونے کی شرط کے بارے میں حنابلہ حنفیہ سے متفق ہیں، اسی طرح اس مسئلہ میں حنفیہ کا وضع کردہ قاعدہ بھی مانتے ہیں، البتہ بعض جزوی مسائل میں تحقیق مناط میں اختلاف کی وجہ سے وہ حنفیہ کے مخالف ہیں، مثلاً حنابلہ فروخت شدہ بکری کے سر اور پائے کا استثناء جائز قرار دیتے ہیں، کیونکہ وہ ان کو معلوم سمجھتے ہیں۔

ان کی دلیل یہ ہے کہ حضور ﷺ نے جب حضرت ابو بکر اور عامر بن نبیرہ کے ساتھ مدینہ ہجرت فرمائی تو ان کا گدڑ بکری کے ایک چرواہے کے پاس سے ہوا، تو حضرت ابو بکر اور عامر نے جا کر اس چرواہے سے ایک بکری خریدی، اور اس کے لئے اس بکری کے چمڑے، پائے اور اوجھڑی وغیرہ کی شرط رکھی (۲)۔

استثناء حقیقی کا حکم کہاں ثابت ہوتا ہے؟

۲۵- جمہور کے نزدیک استثناء حقیقی کا حکم تخصیص ہے اور حنفیہ کے یہاں قصر ہے، اس لئے کہ حنفیہ قصص میں یہ شرط لگاتے ہیں کہ وہ مستقل ہو اور استثناء حقیقی کا یہ حکم وہاں ثابت ہوگا جہاں اس کی معتبر شرائط پائی جائیں جن کا ذکر گذرا، اس لئے عقود و ہدے بندر قسم، طلاق، اور تمام قولی تصرفات میں ثابت ہوگا، لہذا اگر فروخت شدہ چیز

(۱) حاشیۃ الدسوقی ص ۱۸۔

(۲) المغنی ص ۱۰۰-۱۰۳ طبع سوم ذبیحہ کے ملب سے مراد اس کی کھال، پائے اور شکم کے اندر کی چیزیں ہیں (لسان العرب)۔

سے کسی معین جزویا معین مدت تک معین انتفاع کو مستثنیٰ کرے تو جائز ہے، البتہ بعض استثناء میں کسی مانع کی وجہ سے باطل ہوتے ہیں (۱)۔

استثناء بالمشیت کا حکم کہاں ثابت ہوتا ہے؟

۲۶- اگر استثناء بالمشیت کی شرائط موجود ہوں تو اس کا اثر ظاہر ہوگا، یعنی اس کے ماقبل کا حکم باطل ہوگا، اور اس ابطال کا معنی یہ ہے کہ یمین منعقد ہونے کے بعد ختم ہو جائے گی یا منعقد ہی نہیں ہوگی، لہذا اگر قسم کھانے والے کو مثلاً قسم کے پورا ہونے کے بعد استثناء کا خیال آیا، تو جو لوگ قسم کے مکمل ہونے کے بعد استثناء کی نیت جائز مقرر دیتے ہیں، ان کے نزدیک اس کے استثناء کی وجہ سے اس کی یمین ختم ہو جائے گی، اور اپنی یمین سے فراغت سے قبل حلف اٹھانے والے نے استثناء کی نیت کی پھر استثناء کیا، تو اس صورت میں یمین منعقد نہیں ہوگی (۲)۔

۲۷- رہا یہ کہ استثناء کس چیز کو باطل کرتا ہے تو باتفاق فقہاء استثناء قسم کو باطل کرتا ہے (۳)۔ اس لئے کہ احادیث میں اس کا تذکرہ ہے جیسا کہ گذرا، اور اس کے علاوہ کے ابطال کے بارے میں دو مختلف نقطہ نظر ہیں:

پہلا نقطہ نظر: استثناء بالمشیت جن قولی تصرفات کے ساتھ پایا جائے ان کو منعقد ہونے سے روک دیتا ہے، یہ حنفیہ اور شافعیہ کا مذہب ہے، البتہ حنفیہ نے صراحت کی ہے کہ استثناء کا حکم اخبار کے الفاظ میں ثابت ہوگا اگرچہ وہ ایجاب کے لئے انشاء ہوں اور امر و نہی میں ثابت نہیں ہوگا۔ لہذا اگر کہے: ”أعطو ثلث مالي لفلان بعد موتي إن شاء الله“ (میرے مال کا تہائی حصہ میری موت کے بعد

فلاں کو دے دو انشاء اللہ) تو استثناء باطل ہوگا اور وصیت صحیح ہوگی۔ حنفیہ میں حلوانی سے منقول ہے کہ جو عمل زبان کے ساتھ مخصوص ہے استثناء اس کو باطل کر دیتا ہے، مثلاً طلاق اور بیع، اور جو عمل زبان کے ساتھ مخصوص نہیں ہے جیسے روزہ کی نیت، استثناء اس کو ختم نہیں کرتا، لہذا اگر کہے: ”نويت صيام غد إن شاء الله“ (میں نے کل کے روزہ کی نیت کی انشاء اللہ) تو اس نیت سے وہ روزہ پورا کر سکتا ہے (۱)۔ دوسرا نقطہ نظر: استثناء بالمشیت قسم کے علاوہ کسی تصرف کے انعقاد سے مانع نہیں، یہ مالکیہ اور حنابلہ کا مذہب ہے اور یہی قول اوزاعی، حسن اور قتادہ کا ہے، چنانچہ ابن موار کے علاوہ مالکیہ کے نزدیک ”إن شاء الله“ کے ذریعہ استثناء قسم کو باطل کر دیتا ہے، اور غیر قسم میں اپنے ماقبل کو باطل نہیں کرتا، لہذا اگر کوئی یہ کہہ کر قرار کرے: ”له في ذمتي ألف إن شاء الله“ یا ”إن قضی الله“ تو اس کے ذمہ ہزار لازم ہوں گے، اس لئے کہ جب اس نے قرار کر لیا تو ہمیں معلوم ہو گیا کہ یہ اللہ کی مشیت اور فیصلہ ہے (۲)۔

مالکیہ کے یہاں خواہ طلاق و آزادی منجر (فوری) ہوں یا علق، حکم میں سب برابر ہیں، مالکیہ میں سے ابن عبد البر نے تعلیق طلاق کے بعد مشیت کے بارے میں کہا ہے: توقیف یعنی شریعت اللہ کی قسم کے ساتھ استثناء میں وارد ہے، اور متقدمین کا یہ کہنا ہے: ”طلاق اور عتاق کی قسم“ تقریبی اور توسع کے طور پر جائز ہے، ورنہ حقیقت میں قسم صرف اللہ کی ہوتی ہے۔ اور یہ طلاق و عتاق ہیں (جو حکم مذکور کے خلاف ہے) (۳)۔

حنابلہ نے صراحت کی ہے کہ استثناء یمین کو باطل کر دیتا ہے، اور

(۱) فتح القدیر ۳/۱۳۳، حاشیہ ابن طاہرین ۲/۵۰۶، نہایۃ المحتاج ۶/۶۰، قلیوبی ۳۰۳۔
(۲) حاشیہ الدسوقی علی المشرح الکبیر ۳۰۲۔
(۳) المغنی لابن قدامہ ۸/۷۱۹۔

(۱) القواعد لابن رجب ۱/۳۱، نیل المآرب ۱/۱۰۱، ۱۰۲، ۲/۲، طبع بلاق، جمع الجوامع ۳/۱۰، مسلم الشیوخ ۱/۳۱۶۔
(۲) دیکھئے بحث ایران، فقرہ ۲۵۰، ۲۰، تمہیدی لکچریشن موسوعہ فقہیہ۔
(۳) تفسیر قرطبی ۱/۲۷۳، ۲۷۴۔

غیر یقین میں وہ مؤثر نہیں مثلاً اگر کہے: ”بعتک او وہبتک کذا ان شاء اللہ“ (میں نے تم کو یہ فروخت کر دیا یا بیہ کر دیا انشاء اللہ) تو بیع اور بیہ کا حکم ثابت ہوگا۔
ان کے یہاں یہی قول مقدم ہے۔

اور طلاق و عتاق کے بارے میں ایک روایت ہے کہ امام احمد نے ان میں کچھ کہنے سے توقف کیا ہے، اور دوسری روایت ہے کہ امام احمد نے قطعی طور پر فرمایا کہ ان دونوں میں استثناء بے سود ہے، اور انہوں نے فرمایا ہے: جس نے قسم کھا کر کہا: ان شاء اللہ وہ حائث نہیں ہوگا۔ اور وہ طلاق اور عتاق میں استثناء نہیں کر سکتا، کیونکہ وہ قسم میں سے نہیں ہیں، صاحب المغنی نے اس کو حسن اور قماہ سے بھی نقل کیا ہے اور کہا ہے: حدیث میں صرف قسم کا ذکر ہے اور یہ قسم نہیں بلکہ یہ شرط پر مطلق کرنا ہے (۱)۔

۲۸- طلاق و عتاق وغیرہ میں استثناء کے بارے میں متاخرین حنابلہ نے ایک تیسرا قول ذکر کیا ہے، ابن تیمیہ نے کہا ہے، اور امام احمد سے ایک روایت نقل کی ہے کہ طلاق و عتاق کا واقع کرنا اس میں داخل نہیں ہے جس کو استثناء باطل کر دیتا ہے، لیکن طلاق و عتاق کا حلف داخل ہے۔ انہوں نے کہا ہے: ان کے بعض اصحاب کا قول ہے کہ اگر حلف صیغہ قسم سے ہو مثلاً کہے: ”علی الطلاق لأفعلن کذا“ (میرے ذمہ طلاق دینا واجب ہے کہ میں ایسا کروں گا) تو یہ استثناء کی حدیث میں داخل ہے، اور مشیت اس کے لئے نفع بخش ہے، اس مسئلہ میں صرف ایک روایت ہے۔

اگر صیغہ جزاء سے ہو مثلاً اپنی بیوی سے کہے: ”ان فعلت کذا فانت طالق“ (اگر میں ایسا کروں تو تم کو طلاق) تو اس کے بارے میں دو روایتیں ہیں، ابن تیمیہ نے کہا ہے: یہی قول درست اور صحابہ

کرام و جمہورتا بعین مثلاً سعید و حسن سے منقول ہے، وہ طلاق میں استثناء کے قائل نہیں، اور نہ انہوں نے اس کو ”قسم“ میں سے شمار کیا ہے، پھر انہوں نے صحابہ و جمہورتا بعین سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے صدق، قربانی کی نذر اور عتاق وغیرہ کے حلف کو یقین قرار دیا ہے، جس میں کفارہ ہے، اور امام احمد نے کہا: استثناء اس چیز میں سے ہے جس میں کفارہ ہے (۱)، اور طلاق مطلق میں استثناء پر مکمل کلام ایمان کی بحث میں دیکھی جائے، اور استثناء کے فروعی مسائل پر مکمل اور تفصیلی کلام فقہ کے مختلف ابواب میں دیکھئے۔ ہر مسئلہ کو طلاق، عتاق، بیہ، یقین، اور نذر وغیرہ کے اپنے اپنے ابواب میں ملاحظہ فرمائیں، اور ان سے متعلق اصولی مباحث کے لئے ”اصولی ضمیمہ“ کی طرف رجوع کیا جائے۔

(۱) مجموع فتاویٰ ابن تیمیہ ۵/۳۸۳ اور اس کے بعد کے صفحات۔ نیز دیکھئے استثناء کے معنی اور اس کے مواقع کے تجزیہ پر ابن تیمیہ کی عمدہ بحث (۵/۳۵۷ اور اس کے بعد کے صفحات)۔

اجتہار

تعریف:

۱- اجتہار کا معنی لغت میں: پتھر سے استنباء کرنا ہے، اور یہ جمرات اور جمار سے ماخوذ ہے، جو چھوٹے چھوٹے پتھر ہیں۔ اور ”استجمر“ اور ”استنجی“ ایک معنی میں ہیں (۱)۔

اجتہار کا شرعی حکم:

۲- استنباء: جمہور کے نزدیک صرف پتھر سے یا صرف پانی سے استنباء کرنا واجب ہے، اور حنفیہ کے نزدیک سنت مؤکدہ ہے، اور دونوں کا استعمال کرنا افضل ہے۔

البتہ منی، حیض، نفاس، پیشاب اور پاخانہ اگر بہت پھیل جائے تو پانی سے استنباء کرنا متعین ہے، اور عورت کے پیشاب کے بارے میں اختلاف ہے (۲)۔ اجتہار کے تفصیلی احکام ”استنباء“ کی اصطلاح میں ہیں۔

استخاضہ

تعریف:

۱- استخاضہ لغت میں: ”استحيضت المرأة“ کا مصدر ہے، لہذا وہ عورت مستخاضہ ہے۔ اور مستخاضہ: وہ عورت ہے جس کا خون ماہواری کے معین ایام کے علاوہ میں برابری جاری رہے اور جو حیض کی رگ سے نہ ہو بلکہ ایک دوسری رگ سے ہو جس کو ”عاذل“ کہا جاتا ہے (۱)۔

حنفیہ کے نزدیک استخاضہ کی تعریف یہ ہے کہ یہ وہ خون ہے جو کسی رگ سے نکلے، رحم سے نہ نکلے۔

شافعیہ کے یہاں اس کی تعریف ہے کہ یہ ایک بیماری کا خون ہے جو رحم سے بہت قریب ایک رگ سے بہتا ہے، اس رگ کو ”عاذل“ کہتے ہیں۔ رٹی نے کہا ہے: استخاضہ ایسا خون ہے جس کو عورت دیکھے اور دم حیض و نفاس کے علاوہ ہو خواہ وہ حیض و نفاس سے متصل ہو یا نہ ہو، اور انہوں نے اس کی مثالوں میں اس خون کو بھی قرار دیا ہے جس کو کم سن بچی دیکھے (۲)۔

متعلقہ الفاظ:

الف- حیض:

۲- حیض: ایسا خون ہے جو بالغ عورت کے رحم (بچہ دانی) سے نکلے

(۱) الطحاوی علی مرقی الفلاح ص ۶۷۔

(۲) نہایت المحتاج ۱/ ۳۱۵، مرقی الفلاح بحیث الطحاوی ص ۷۷، مغنی المحتاج ۱/ ۸۸، شرح العنایہ ۱/ ۶۳، کشاف القناع ۱/ ۷۷، جامع رد المحتار علی الدر المختار ۱/ ۱۸۸، فتح القدیر ۱/ ۳۱۔

(۱) لسان العرب، مادۃ (جمر)۔

(۲) البدوی ۱/ ۱۱۱، ابن عابدین ۱/ ۳۲۶، المغنی ۱/ ۵۹، نہایت المحتاج ۱/ ۱۲۹۔

استحاضہ ۳-۶

جب کہ اس کو کوئی مرض یا حمل نہ ہو اور نہ وہ سن یاس کو پہنچی ہو (۱)۔

ھ۔ دم نفاس صرف ولادت کے ساتھ ہی ہوتا ہے۔

ب۔ نفاس:

۳۔ نفاس: پیدائش کے بعد نکلنے والا خون ہے، اتنی تعریف میں کوئی اختلاف نہیں، راجح قول کے مطابق مالکیہ نے مع الولادة (ولادت کے ساتھ) کا اضافہ کیا ہے، اور حنابلہ نے ولادت کے ساتھ اس سے دو یا تین دن قبل ہونے کا اضافہ کیا ہے (۲)۔

۴۔ استحاضہ اور حیض و نفاس کے درمیان چند امور میں فرق ہے:

الف۔ حیض کا وقت مقرر ہے یعنی جب عورت نو سال یا زیادہ کی ہو جائے تب اس کو حیض آتا ہے، اس سے قبل نظر آنے والا خون حیض نہیں، اسی طرح سن یاس کے بعد جو خون نظر آئے وہ اکثر کے نزدیک حیض نہیں، جب کہ استحاضہ کا کوئی متعین وقت نہیں۔

ب۔ حیض: ایسا خون ہے جو ہر ماہ عورت کو عادت کے طور پر مقررہ اوقات میں آتا ہے، جب کہ استحاضہ خلاف عادت مختلف اوقات میں عورت کی شرم گاہ سے آنے والا خون ہے۔

ج۔ حیض ایک فطری خون ہے، اس کا کسی مرض سے کوئی تعلق نہیں ہوتا، جب کہ استحاضہ ایسا خون ہے جو کسی خرابی یا مرض یا اعضا میں گڑبڑ یا رگ پھٹنے کی وجہ سے آتا ہے۔

د۔ دم حیض اکثر کالے رنگ کا، گاڑھا، اور نہایت بدبو دار ہوتا ہے، جب کہ دم استحاضہ سرخ رنگ کا پتلا ہوتا ہے اور اس میں کوئی بو نہیں ہوتی۔

(۱) الطحاوی علیٰ مراتب الاصلاح ص ۵۷، اور سن یاس راجح قول کے مطابق بھین سال ہے۔ دیکھئے کشاف القناع ۱/ ۹۶، نہایت المحتاج ۱/ ۳۰۳، بالغۃ السالک ۱/ ۲۰۷۔

(۲) نہایت المحتاج ۱/ ۳۰۵، ابن عابدین ۱/ ۹۹، کشاف القناع ۱/ ۲۱۸، بالغۃ السالک ۱/ ۲۱۶۔

حنفیہ کے یہاں استمرار:

۵۔ استحاضہ اکثر استمرار و تسلسل کے ساتھ آتا ہے، اور ایسا خون ہوتا ہے جو حیض یا نفاس کی اکثر مدت سے بڑھ جاتا ہے۔ یہ حنفیہ کے یہاں ہے، کیونکہ غیر حنفیہ کے یہاں اس مفہوم میں استمرار و تسلسل معتبر نہیں ہے، اور استمرار یا تو عادت والی میں ہوگا یا اس عورت میں ہوگا جس کو پہلی بار خون آیا ہے۔

عادت والی عورت میں استمرار:

۶۔ اگر عادت والی عورت کا خون مسلسل آئے اور حیض کی اکثر مدت سے بڑھ جائے تو اس کا طہر اور حیض اس کی عادت کے مطابق ہوگا، تمام احکام میں اس کو حیض و طہر کے بارے میں اس کی عادت کا اعتبار ہوگا، بشرطیکہ عادت اس کا طہر چھ ماہ سے کم ہو، اور اگر چھ ماہ سے زیادہ ہو تو طہر میں اس کی عادت کا اعتبار نہیں ہوگا۔ ابن عابدین نے اس کی وجہ بتاتے ہوئے کہا ہے: اس لئے کہ دو خون کے درمیان طہر عام طور پر حمل کی ادنی مدت سے کم ہوتا ہے، اور حمل کی کم سے کم مدت جیسا کہ معلوم ہے چھ ماہ ہے۔

اس جیسی حالت میں عورت کے طہر کی مقدار کے بارے میں علماء کے مختلف اقوال ہیں، جن میں قوی تر قول دو ہیں:

الف۔ اس کا طہر چھ ماہ سے کچھ کم متعین کیا جائے گا، تاکہ حمل کے طہر اور حیض کے طہر کے درمیان فرق قائم رہے (۱)۔

ب۔ اس کا طہر دو ماہ متعین کیا جائے گا، حاکم شہید نے اسی کو اختیار کیا ہے۔

(۱) مہمل الواردین (مجموعہ رسائل ابن عابدین) ۱/ ۹۳۔

استحاضہ ۷-۸

ابن عابدین نے کہا ہے: اکثر علماء اول کے قائل ہیں، لیکن فتویٰ دوسرے پر ہے، اس لئے کہ وہ مفتی اور عورتوں کے لئے زیادہ آسان ہے۔

مبتدأہ میں استمرار:

۷- برکوی نے مبتدأہ کے چار حالات ذکر کئے ہیں، اور یہ حنفیہ کے یہاں ہے، امر ثلاثہ: امام مالک، شافعی اور احمد کے یہاں اس کے احوال کا ذکر آگے آئے گا۔

مبتدأہ کے تین حالات کا تعلق استمرار کے موضوع سے ہے، اور حنفیہ کے یہاں چوتھی حالت کا ذکر فقرہ ۱۳ میں آئے گا۔

مبتدأہ میں استمرار کے حالات:

۸- پہلی حالت: یہ ہے کہ بالغ ہونے کے ساتھ ہی اس کا خون مسلسل آنے لگے تو اس کا حیض خون کے تسلسل کے آغاز سے دس دن اور اس کا طہر بیس دن ہوگا، پھر یہی اس کی عادت ہوگی، اور جب اس کو دم نفاس آئے تو اس کی مدت چالیس دن مقرر ہوگی، اور نفاس کے بعد بیس دن طہر مانا جائے گا، اس لئے کہ حنفیہ کے نزدیک حیض و نفاس ایک کے بعد دوسرے متصل نہیں آسکتا، بلکہ ان دونوں کے درمیان مکمل طہر ضروری ہے، اور چونکہ دو حیضوں کے درمیان مدت طہر بیس دن تھی اس لئے مطابقت کی غرض سے حیض و نفاس کے درمیان بھی یہی مدت طہر ہوگی۔

دوسری حالت: یہ ہے کہ دم فاسد اور طہر فاسد دیکھے، حنفیہ کے یہاں ”دم فاسد“ وہ خون ہے جو دس دن سے زیادہ ہو، اور ”طہر فاسد“ وہ طہر ہے جو پندرہ دن سے کم ہو، لہذا جو کچھ وہ دیکھے عادت مقرر کرانے کے لئے اس کا اعتبار نہیں ہوگا، بلکہ اس کا حیض دس دن ہوگا

اگرچہ حیض حکماً پایا جائے، اور یہ مدت اس وقت سے شمار ہوگی جب سے خون جاری ہوا ہے، اور اس کا طہر بیس دن ہوگا، اور یہ اس کی عادت رہے گی یہاں تک کہ وہ دم صحیح اور طہر صحیح دیکھے۔

اس کی تفصیل یہ ہے کہ ایک مرتبہ (قریب الملوغ لڑکی) نے گیارہ دن خون دیکھا، اور چودہ دن طہر، پھر خون مسلسل جاری ہو گیا، تو اس کا حیض دس دن اور طہر بیس دن ہوگا۔ اور طہر ناقص جو دو خون کے درمیان آئے اس کو حکماً مسلسل خون مانا جائے گا۔ لہذا یہ عورت اس عورت کی طرح ہوگی جس کا خون بلوغ کے ساتھ ہی مسلسل جاری ہو گیا، لہذا اس کا حیض خون کے گیارہ دنوں میں سے دس دن ہوگا، اور اس کا طہر بیس دن۔ یہ اس صورت میں ہے جب کہ طہر فاسد ہو، یعنی پندرہ دن سے کم ہو۔ اور اگر پندرہ دن یا اس سے زیادہ ہو، اور دم استحاضہ سے ملنے کی وجہ سے طہر فاسد ہو چکا ہو، مثلاً کسی مبتدأہ نے گیارہ دن خون اور پندرہ دن طہر دیکھا، پھر اس کا خون مسلسل جاری ہو گیا، تو دم اول فاسد ہے، اس لئے کہ وہ دس دن سے زائد ہے، اور طہر بظہر صحیح ہے، اس لئے کہ وہ مکمل پندرہ دن ہے، لیکن یہ طہر معنوی اعتبار سے فاسد ہے، اس لئے کہ اس کی ابتداء میں خون ہے، یعنی وہ دن جو دس سے زائد ہے۔ اور یہ حنفیہ کے یہاں حیض نہیں، اس لئے کہ اکثر حیض ان کے یہاں محض دس دن ہے، لہذا یہ طہر ہوا، اور چوں کہ اس طہر کی ابتداء میں خون آ گیا ہے، اس لئے یہ عادت بننے کے قابل نہیں۔

ابن عابدین نے ”رسالة الحيض“ کی شرح میں کہا: خلاصہ یہ ہے کہ دم کا فاسد ہونا طہر مختل (دو خون کے درمیان پایا جانے والا طہر) کو فاسد کر دیتا ہے، اور اس کو لگاتار خون کی طرح بنا دیتا ہے۔ لہذا عورت اس طرح ہو جاتی ہے جیسا کہ اس کو ابتداء میں خون تسلسل کے ساتھ آیا ہے، اور اس کا حیض دس دن اور طہر بیس دن ہوگا، البتہ اگر یہ

خون اور طہر تین دن سے زائد نہ ہو تو اس کا اعتبار پہلے دن سے ہوگا جب اس نے خون دیکھا ہے، اور اگر تین دن سے زائد ہو جائے تو اس کا اعتبار تسلسل حقیقی کے آغاز سے ہوگا، اور پہلے حیض کے خون اور مسلسل آنے والے خون کی پوری درمیانی مدت طہر ہوگی (۱)۔

تیسری حالت: یہ ہے کہ دم صحیح اور طہر فاسد دیکھے۔ تو صرف دم صحیح کو اس کی عادت مانا جائے گا، اور مسلسل خون آنے کے زمانے میں اسی کا اعتبار کیا جائے گا، اور مسلسل خون آنے کے دوران اس کا طہر مہینہ کا باقی ماندہ حصہ ہوگا۔

اگر مبتدأہ نے پانچ دن خون اور چودہ دن طہر دیکھا، پھر خون مسلسل جاری ہو گیا، تو اس کا حیض پانچ دن اور طہر مہینہ کا بقیہ پچیس دن ہوگا۔ لہذا وہ تسلسل کے آغاز سے طہر کی تکمیل کے لئے گیارہ دن نماز پڑھے گی، پھر پانچ دن نماز چھوڑے گی، پھر غسل کر کے پچیس دن نماز پڑھے گی، اور آئندہ بھی اسی طرح کرے گی۔ اور یہی حکم اس صورت کا بھی ہے جب کہ طہر صرف معنوی اعتبار سے فاسد ہو، مثلاً مبتدأہ نے تین دن خون اور پندرہ دن طہر دیکھا، پھر ایک دن خون دیکھا، پھر پندرہ دن طہر دیکھا، پھر اس کا خون مسلسل ہو گیا، تو وہ ایک دن جس میں اس نے خون دیکھا ہے (جو وہ طہر کے درمیان آیا ہے) اس نے ان دنوں طہر کو فاسد کر دیا، اس لئے کہ اس کو حیض نہیں مانا جائے گا، لہذا وہ طہر ہے، اور اس بنیاد پر ابتدائی تین دن حیض اور اکتیس دن طہر ہے۔ پھر تسلسل کے پہلے دن سے شروع کرے گی، اور تین دن حیض اور ستائیس دن طہر ہوگا، اور یہی اس کی عادت ہوگی، اور یہ مسئلہ حکم میں سابقہ مسئلہ کے ساتھ اس اعتبار سے شریک ہو جائے گا کہ عادت کا تعین ہر مہینہ میں استمرار کے وقت سے ہوگا۔

اگر طہر ثانی جو استمرار سے پہلے گذرا ہے طہر فاسد ہو جائے اس

لئے کہ وہ پندرہ دنوں سے کم ہو، تو اس صورت میں حکم بدل جائے گا، اس لئے کہ اس صورت میں اس دن کو جس میں اس نے ابتدائی پندرہ دن کے بعد خون دیکھا ہے ایام حیض میں سے ماننا ممکن ہے۔

اگر مرہقہ نے تین دن خون دیکھا، پھر پندرہ دن طہر، پھر ایک دن خون، پھر چودہ دن طہر دیکھا، پھر اس کا خون مسلسل ہو گیا، تو ابتدائی تین دن دم صحیح ہے، اور وہ حیض ہے، اور اس کے بعد پندرہ دن طہر صحیح ہے، اور اس کے بعد والا دن اگلے دو دنوں کے ساتھ حیض ہے، پھر اس کا طہر پندرہ دن ہے، بارہ دن ان ایام میں سے جو مسلسل خون آنے کے پہلے ہیں اور تین دن مسلسل خون آنے کے ابتدائی ایام میں سے ہیں۔ لہذا وہ تسلسل کے آغاز سے تین دن نماز پڑھے گی، پھر تین دن حائضہ مانی جائے گی، اور اس میں نماز چھوڑ دے گی، پھر غسل کر کے پندرہ دن نماز پڑھے گی، اور اسی طرح اس کا حیض تین دن اور طہر پندرہ دن ہوگا۔

چوتھی حالت کا ذکر فقرہ ۱۳ میں ”مبتدأہ بالحمل کے استحاضہ“ کے ذکر میں آئے گا۔

مبتدأہ بالحيض اور مبتدأہ بالحمل کا استحاضہ:

۹- مبتدأہ بالحيض: وہ عورت ہے جس کے حیض کا آغاز ہوا (۱)، اس نے پہلی بار خون دیکھا، پھر خون مسلسل آنے لگا، حنفیہ کے یہاں اس کا تفصیلی حکم گزر چکا ہے۔

۱۰- مالکیہ کے یہاں مبتدأہ کے بارے میں اس کی ہم عمر عورتوں کا اعتبار ہوگا، اور اگر اس کا خون ان عورتوں سے بڑھ جائے تو ”المدونہ“ میں ابن قاسم کی روایت ہے کہ وہ پندرہ دنوں کی مدت

(۱) رد المحتار علی الدر المختار ۱/ ۹۰، فتح القدیر ۱/ ۵۸، حاشیہ الطحاوی علی مراتب الاصلاح۔

(۱) شرح رسالۃ الخیض (مجموعہ رسائل ابن ماجہ) ۱/ ۹۳-۹۶۔

استحاضہ ۱۱-۱۲

پوری کرے گی، پھر مستحاضہ مانی جائے گی، غسل کر کے نماز و روزہ کرے گی۔

امام مالک سے ابن زیاد کی روایت ہے کہ وہ صرف اپنی ہم عمر عورتوں کی عادتوں پر عمل کرے گی، لہذا وہ حیض کے خون کی قلت و کثرت میں ان کی عادت کو اختیار کرے گی، کہا جائے گا کہ وہ اپنی ہم عمر عورتوں کے یام کے بقدر حائضہ ہے، پھر اس کے بعد وہ مستحاضہ ہے، روزہ نماز کرے گی الا یہ کہ وہ اتنا خون دیکھے جس کو وہ زیادہ سمجھے اور اس کے حیض ہونے میں اس کو شک نہ ہو (۱)۔ انہوں نے مزید کہا ہے: کہ اگر مستحاضہ کو معلوم ہو جائے کہ آنے والا خون حیض کا ہے، مثلاً وہ بو، یا گاڑھے پن، یا رنگ یا درد کی وجہ سے تمیز کر لے، تو یہ دم حیض ہوگا، بشرطیکہ اس سے قبل کم سے کم مدت طہر پندرہ دن گزر چکی ہو، اور اگر وہ امتیاز نہ کر سکے، یا کم سے کم مدت طہر کے مکمل طور پر گزرنے سے قبل امتیاز کرے تو یہ مستحاضہ ہے یعنی بحالت پاکی باقی رہے گی، اگرچہ اسی حال پر اس کی ساری زندگی گزر جائے۔

۱۱- مبتدأہ بالجیض کے بارے میں شافعیہ نے کہا ہے: مبتدأہ یا تو خون کو پہچانے گی یا نہیں پہچانے گی، اگر مبتدأہ خون کو پہچان لے بائیں طور کہ بعض دنوں میں قوی خون دیکھے اور بعض دنوں میں کمزور خون دیکھے، یا بعض دنوں میں کالا اور بعض دنوں میں سرخ خون دیکھے، اور خون اکثر مدت حیض سے بڑھ جائے تو کمزور یا سرخ رنگ کا خون استحاضہ ہے اگرچہ بہت دنوں تک آئے، اور کالا یا قوی خون حیض ہے (۲) بشرطیکہ کالا یا قوی خون حیض کی اقل مدت سے کم نہ ہو، اور یہ ان کے نزدیک ایک دن ایک رات ہے، اور اکثر مدت حیض یعنی پندرہ دن سے زیادہ بھی نہ ہو، لہذا اگر ایک دن ایک رات کالا خون

دیکھے، پھر اس کے ساتھ ضعیف خون آئے، اور کئی سال تک جاری رہے تو طہر ہوگا، اگرچہ ہمیشہ خون دیکھتی رہے، اس لئے کہ اکثر مدت طہر کی کوئی حد نہیں۔ اگر ان میں سے کوئی شرط نہ پائی جائے، مثلاً کالا خون ایک دن ایک رات سے کم، یا سولہ دن دیکھے، یا ضعیف خون چودہ دن دیکھے، یا ہمیشہ ایک دن کالا اور دو دن سرخ دیکھے تو اس کا حکم اس عورت کی طرح ہے جو اپنے خون کو نہ پہچانے۔

شافعیہ کے نزدیک خون کو نہ پہچاننے والی مبتدأہ مثلاً ایک طرح کا خون دیکھے یا کئی قسم کا دیکھے، لیکن تمیز کی مذکورہ شرطوں میں سے کوئی شرط نہ ہو، تو اگر اس کو ابتداء خون کا وقت معلوم نہ ہو تو اس کا حکم متحیرہ کی طرح ہے جیسا کہ رافعی نے ذکر کیا ہے (۱) اور جس کا بیان آگے آئے گا، اور اگر ابتداء خون کا وقت معلوم ہو تو اظہر یہ ہے کہ اس کا حیض ابتداء خون سے ایک دن ایک رات ہوگا اگرچہ ضعیف دم ہو، اس لئے کہ یہی یقینی ہے، اور جو زائد ہوا اس میں شک ہے۔ اس لئے اس کے حیض ہونے کا حکم نہیں لگایا جائے گا، اور اس کا طہر مہینہ پورا کرتے ہوئے انتیس دن ہوگا (۲)۔

۱۲- حنابلہ کہتے ہیں کہ: مبتدأہ یا تو اپنا خون پہچانے گی یا نہیں، اگر پہچانے گی تو اپنی پہچان کے مطابق عمل کرے گی بشرطیکہ قوی تر خون حیض بننے کے قابل ہو یعنی ایک دن ایک رات سے کم نہ ہو اور پندرہ دن سے زائد نہ ہو، اور اگر پہچاننے والی نہ ہو تو اس کا حیض ایک دن ایک رات مقرر کیا جائے گا، اس کے بعد وہ غسل کر کے وہ سارے کام کرے گی جو پاک عورتیں کرتی ہیں۔ یہ حکم پہلے، دوسرے اور تیسرے مہینہ کا ہے۔ اور چوتھے مہینہ میں وہ اکثر حیض میں منتقل ہو جائے گی، اور اکثر حیض اس کے اپنے اجتہاد یا تحری (غور و فکر) کی بنیاد پر چھ یا

(۱) اہل المدارک شرح ارشاد السالک فی فقہ الامام مالک ص ۱۳۱۔

(۲) معنی المحتاج ص ۱۱۳، جامعہ الشرائع علی تحتہ المطالب ص ۵۳، المجموع شرح

المہذب الامام النووی ص ۱۳۲۔

(۱) المجموع شرح المہذب الامام النووی ص ۱۰۷۔

(۲) جامعہ الشرائع علی تحتہ المطالب ص ۱۵۶، ۱۵۵۔

استحاضہ ۱۳

سات دن ہوگا (۱)۔ اور صاحب مطالب اولیٰ الہی نے شرح غایۃ المنتہی میں کہا ہے (۲) کہ اگر ایک رات ایک دن کالا خون دیکھے، پھر سرخ خون دیکھے، اور یہ پندرہ دن سے آگے بڑھ جائے تو اس کا حیض کالے خون کا زمانہ ہوگا اور اس کے علاوہ استحاضہ ہوگا، اس لئے کہ وہ حیض نہیں بن سکتا، یا پہلے مہینہ میں پندرہ دن کالا خون دیکھے، اور دوسرے ماہ میں چودہ دن اور تیسرے ماہ میں تیرہ دن، تو اس کا حیض کالے خون کا زمانہ ہوگا۔ اور اگر اس کا خون قابل امتیاز نہ ہو مثلاً سارا ہی کالا ہو یا سرخ ہو یا اس کے علاوہ ہو، یا قابل امتیاز تو ہو لیکن کالا اور اس جیسا خون حیض بننے کے لائق نہ ہو یعنی ایک دن ایک رات سے کم ہو یا پندرہ دن سے زیادہ ہو تو وہ ہر ماہ حیض کی کم سے کم مدت میں حائضہ رہے گی، اس لئے کہ یہی یقینی ہے، تا آنکہ اس کا استحاضہ تین بار آجائے، اس لئے کہ اس کے بغیر عادت کا ثبوت نہیں ہوتا۔ پھر وہ تیسری بار کے بعد جس وقت سے اس کو خون شروع ہوا ہے اس کے اول کا اعتبار کرتے ہوئے تخری کے ذریعہ ہر ماہ چھ یا سات دن حائضہ ہوگی اگر اس کو اول وقت کا علم ہو، یا اگر وہ موقوف ہو یعنی خون آنے کے آغاز کا وقت اس کو معلوم نہ ہو تو خون کی حالت اور اپنے رشتہ کی عورتوں کی عادت میں غور و فکر کر کے ہر قمری ماہ کے شروع میں چھ یا سات دن و رات حائضہ ہوگی۔ اس لئے کہ حضرت حمزہ بنت جحش کی حدیث میں ہے کہ انہوں نے عرض کیا: ”یا رسول اللہ انی استحاض حیضۃ کبیرۃ شدیدۃ، قد منعتنی الصوم والصلاۃ، فقال: تمحیضی فی علم اللہ ستا أو سبعا ثم اغتسلی“ (۳) (۱) اے اللہ کے رسول! مجھے بہت ہی زیادہ خون آتا ہے جس کی وجہ سے میرا روزہ نماز بند ہے، تو آپ ﷺ نے فرمایا:

(۱) المغنی مع لشرح الکبیر ۱/ ۳۲۲۔

(۲) مطالب اولیٰ الہی ۱/ ۲۵۳۔

(۳) امام احمد وغیرہ نے اس کی روایت کی ہے۔

اللہ کے علم کے مطابق تم چھ یا سات دن حیض کے گزارو، پھر غسل کرو، اور یہ قوی احتمال ہے کہ جس کو خون کے آغاز کا وقت معلوم نہ ہو اور وہ بغیر تخری (غور و فکر) روزہ رکھے تو اس پر واجب طواف اور اعتکاف کی طرح روزہ کی بھی قضا ہوگی، جیسا کہ قبلہ سے ما واقف شخص اگر بلا تخری (بغیر غور و فکر) نماز پڑھ لے تو اس کی قضا کرنا ہے اگرچہ دوران نماز وہ قبلہ رخ رہا ہو۔

۱۳۔ مبتدأہ بالحمل: یعنی وہ عورت جس کو حیض آنے سے قبل شوہر سے حمل ہو جائے۔ اور پھر اگر ولادت کے بعد حنفیہ و حنابلہ کے نزدیک خون چالیس دن سے زیادہ دیکھے تو یہ زائد خون حنفیہ کے نزدیک استحاضہ ہے، اس لئے کہ نفاس کے چالیس دن حیض کے دس دن کی طرح ہیں، لہذا تمیز یا عدم تمیز کو مد نظر رکھے بغیر ان دونوں میں جو زائد ہوگا وہ استحاضہ ہے۔

البتہ حنابلہ کے نزدیک اگر حیض ہونے کا امکان ہو تو حیض ہے، ورنہ استحاضہ ہے، کیونکہ حنابلہ کے یہاں حیض و نفاس کا ایک ساتھ ہونا ممکن ہے (۱)۔

مالکیہ وشافعیہ کے نزدیک ساٹھ دن سے زائد استحاضہ ہے، اور انہوں نے خون کو پیچا ننے والی اور نہ پیچا ننے والی کے درمیان فرق کیا ہے، جیسا کہ حیض میں ہے۔

لہذا اگر وہ حمل کے ساتھ بالغ ہوئی اور ولادت کے بعد اس کو خون مسلسل آتا رہا اور ولادت اور مدت نفاس کے پورے ہونے کے بعد (جو حنفیہ و حنابلہ کے نزدیک چالیس دن ہے) طہر صحیح نہیں دیکھا، تو اس کا طہر چالیس دن کے بعد بیس دن مقرر ہوگا، پھر اس کے بعد اس کا حیض دس دن اور طہر بیس دن ہوگا، اور جب تک خون کا تسلسل ہے اس کی یہی حالت مقرر رہے گی۔

(۱) کشاف القناع ۱/ ۱۸۸ طبع انصار السنہ۔

اگر ولادت کے بعد چالیس دن خون دیکھے پھر پندرہ دن طہر دیکھے، پھر اس کا خون مسلسل ہو گیا تو اس کا حیض تسلسل کے آغاز سے دس دن ہوگا اور اس کا طہر پندرہ دن، یعنی طہر میں اس کی اپنی عادت کا اعتبار ہوگا اگر طہر صحیح یعنی پندرہ دن یا اس سے زائد ہو۔ اور اسی طرح اس صورت میں بھی اس کی عادت کا اعتبار ہوگا جب سولہ دن یا اس سے زائد آکیس دن تک طہر دیکھے، تو اس صورت میں اس کا حیض نو دن اور اس کا طہر آکیس دن مقرر ہوگا، پھر جیسے جیسے طہر میں اضافہ ہوگا اس کے بقدر حیض میں کمی ہوگی یہاں تک کہ اس کا حیض تین دن ہو جائے اور طہر ستائیس دن، اور اگر طہر ستائیس دن سے زیادہ ہو تو اس کا حیض آغاز تسلسل سے دس دن ہوگا، اور اس کا طہر اس کے بقدر ہوگا جو اس نے تسلسل سے پہلے دیکھا تھا خواہ ان ایام کی تعداد کتنی ہی ہو، برخلاف اس صورت کے جب کہ اس کا طہر پندرہ دن سے کم ہو تو چالیس دن کے بعد (جو کہ مدت نفاس ہے) وہ بیس دن اور حیض دس دن مقرر ہوگا، لہذا یہ عورت بمنزلہ اس عورت کے ہے جس کو وضع حمل کے بعد شروع ہی سے خون مسلسل ہو گیا، اور اگر اس کا طہر جس کو اس نے نفاس کے چالیس دن کے بعد دیکھا، پورا ہو یعنی پندرہ دن یا اس سے زیادہ ہو، اور اس کا خون نفاس میں چالیس دن سے مثلاً ایک دن زیادہ ہو گیا ہو تو یہ طہر معنوی اعتبار سے فاسد ہے، اس لئے کہ اس کے ساتھ ایسے دن کا خون ملا ہے جس میں اس کو نماز کا حکم دیا جاتا ہے، اور اسی وجہ سے یہ طہر اس کی عادت کے طور پر اعتبار کے لائق نہیں ہے، لہذا اس کا حیض طہر تفصیل ذیل کے مطابق ہوگا:

اگر نفاس کی آخری مدت یعنی چالیس دن اور آغاز تسلسل کے درمیان بیس دن یا اس سے زیادہ (کا فاصلہ) ہو، مثلاً اس کا خون چالیس دن سے پانچ یا چھ دن زائد ہو پھر اس کے بعد وہ پندرہ دن پاک رہی، پھر اس کا خون مسلسل ہو گیا تو اس کا حیض آغاز تسلسل سے دس دن

اور اس کا طہر بیس دن مقرر ہوگا، اور یہی اس کی حالت رہے گی۔ اگر نفاس اور آغاز تسلسل کے درمیان بیس دن سے کم کا وقفہ ہو، مثلاً اس کا خون چالیس دن سے ایک یا دو دن بڑھ گیا تو اس کا طہر کامل بیس دن ہوگا، اور آغاز تسلسل سے اتنے دن لئے جائیں گے جن سے بیس دن کی تکمیل ہو جائے، پھر اس کے بعد اس کا حیض دس دن اور اس کا طہر بیس دن مقرر ہوگا، اور اسی طرح جاری رہے گا۔

قابل ذکر امر یہ ہے کہ مبتدأ بالحيض یا مبتدأ بالنفاس کا خون اگر حیض میں دس دن سے کم پر اور نفاس میں چالیس دن سے کم پر بند ہو جائے تو وہ غسل کر کے آخری وقت میں نماز پڑھے گی اور احتیاطاً روزہ رکھے گی، اور شوہر کے لئے اس سے جماع جائز نہیں، تا آنکہ یہ خون کا بند ہونا حیض کے دس دنوں تک برقرار رہے۔ یہ اس صورت میں ہے جب کہ مکمل تین دن پر خون بند ہوا ہو، لیکن اگر تین دن سے کم پر بند ہو گیا تو یہ استحاضہ ہے، حیض نہیں، لہذا وہ وضو کر کے آخر وقت میں نماز پڑھے گی (۱)۔ یہ سارے مسائل حنفیہ کے یہاں ہیں۔

۱۴- شافعیہ و مالکیہ کے یہاں مبتدأ بالحيض کے احکام مبتدأ بالحيض کی طرح ہیں۔

مالکیہ نے کہا ہے: مبتدأ اپنی ہم عمر عورتوں کا اعتبار کرے گی، اور اگر خون کی مدت دراز ہو جائے تو مشہور یہ ہے کہ وہ ساٹھ دن رکے گی، پھر یہ مستحاضہ ہوگی، غسل کر کے روزہ و نماز کرے گی، اور اس کا شوہر اس سے جماع کر سکتا ہے (۲)۔

شافعیہ کے نزدیک اگر خون ساٹھ دن سے آگے بڑھ جائے تو وہ اکثر حیض کی مدت سے آگے بڑھنے کے درجہ میں ہے، اس لئے کہ حیض و نفاس کے اکثر احکام یکساں ہیں، لہذا اسی طرح اس کے اعتبار

(۱) رد المحتار علی الدر المختار ۱/ ۱۹۰۔

(۲) اہل المذہب شرح اصابہ السالك ص ۱۴۲۔

کا حکم بھی ہوگا۔ اس کے مسائل کو حیض میں مذکورہ اختلافی و اتفاقی مسائل پر قیاس کیا جائے گا، نیز یہاں یہ دیکھا جائے گا کہ نفاس کے بارے میں عورت مبتدأہ ہے یا معتادہ ممیزہ ہے یا غیر ممیزہ، اور اس کو حیض کے سابقہ حکم پر قیاس کیا جائے گا، لہذا مبتدأہ ممیزہ کو تمیز کی طرف لوٹایا جائے گا، اور مبتدأہ غیر ممیزہ کو شافعیہ کے اظہر قول کے مطابق خون دیکھنے کے وقت کی طرف لوٹایا جائے گا، اور معتادہ ممیزہ کو تمیز کی طرف لوٹایا جائے گا عادت کی طرف نہیں، اصح یہی ہے، اور عادت یا درکھنے والی غیر ممیزہ کو عادت کی طرف لوٹایا جائے گا شافعیہ کے یہاں اصح یہ ہے کہ ایک مرتبہ سے عادت کا ثبوت ہو جاتا ہے، رعی وہ عورت جس کو عادت یا دنہ ہو تو ایک قول کے مطابق مبتدأہ کی طرح لوٹائی جائے گی، اور دوسرے قول کے مطابق احتیاط پر عمل کرے گی (۱)۔

حتابلہ کی رائے یہ ہے کہ اگر نفاس والی عورت کا خون چالیس دن سے زائد ہو اور عادت حیض کے موافق ہو تو حیض ہے اور جو زائد ہو استحاضہ ہے، اور اگر عادت حیض کے موافق نہ ہو تو جو چالیس دن سے زائد ہو استحاضہ ہے، مبتدأہ بالجمہل اور معتادہ بالجمہل کے درمیان ان کے یہاں کوئی فرق نہیں۔

عادت والی عورت کا استحاضہ:

الف- حیض کی عادت والی عورت:

۱۵- حنفیہ کا مذہب حیض کی عادت والی عورت (یعنی جس کو اپنے مہینہ، اپنے حیض کے وقت اور حیض کے دنوں کی تعداد کا علم ہو) کے بارے میں یہ ہے کہ اس طرح کی معتادہ اگر زمانہ اور تعداد یا م کے اعتبار سے اپنی عادت کے موافق خون دیکھے، تو وہ سارا خون حیض

ہے، اور اگر زمانہ یا تعداد یا دنوں کے اعتبار سے اس کی جو عادت ہو اس کے خلاف خون دیکھے تو اس صورت میں کبھی تو اس کی عادت بدل جائے گی اور کبھی نہیں بدلے گی، اور اس خون کا حکم الگ الگ ہوگا، لہذا حیض و نفاس کے نظر آنے والے خون کی حالت کا علم انتقال عادت پر موقوف ہوگا۔

اگر عادت نہ بدلے مثلاً خون دس دن سے زائد آگیا تو اس کی عادت کا اعتبار کیا جائے گا، عادت کے مطابق جو خون ہوگا اس کو حیض اور باقی جو عادت سے زائد ہے استحاضہ مانا جائے گا۔

اگر عادت بدل جائے تو جو بھی خون نظر آئے حیض ہے۔

عادت کے بدلنے کا قاعدہ، اس کے حالات اور اس کے مثالوں کی تفصیل اصطلاح ”حیض“ میں ہے (۱)۔

۱۶- مالکیہ کے یہاں کئی اقوال ہیں جن کی طرف ابن رشد نے ”المقدمات“ میں اشارہ کیا ہے، ان میں سب سے مشہور یہ ہے:

اس کے یام عادت باقی رہیں گے اور وہ تین دن احتیاط کرے گی، پھر مستحاضہ ہوگی، غسل کر کے روزہ، نماز اور طواف کرے گی، اس کا شوہر اس سے وطی کر سکتا ہے جب تک وہ اس پر استحاضہ کا حکم لگنے کے دن سے کم سے کم مدت طہر کے گزرنے کے بعد کوئی دوسرا خون نہ دیکھے، یہی امام مالک سے ”المدونۃ“ میں ابن قاسم کی روایت کا ظاہر ہے، اور اس روایت کی بنا پر وہ پورے پندرہ دن پر غسل کرے گی، یہ مستحب ہے واجب نہیں۔

مذکورہ تفصیل اس صورت میں ہے جب کہ عورت خون کو نہ پہچانتی ہو، لیکن اگر وہ پہچانتی ہو تو خون کے اوصاف اور احوال یعنی کمی، زیادتی، اور رنگ کے اعتبار سے اپنی پہچان کے مطابق عمل کرے گی، اور اس طرح وہ حیض اور استحاضہ میں فرق کرے گی (۲)۔

(۱) شرح رسالۃ الخفص (مجموعہ رسائل ابن ماجہ بن) ۸۶/۱-۸۷-۸۸۔

(۲) اہل المدارک شرح ادب السالک ص ۱۳۲۔

(۱) حاشیہ قلیوبی و میرہ ۱۰۹، ۱۱۰۔

استحاضہ ۱۷-۱۸

طہر آچکا ہو، اور اس کو اپنے یام حیض و طہر کی مقدار و وقت کا علم ہو تو حیض و طہر میں اسی مقدار و وقت کا اعتبار کیا جائے گا، اور اس صحیح یہ ہے کہ ایک مرتبہ سے عادت کا ثبوت ہوتا ہے۔

اور وہ معتادہ جو خون پہچانتی ہو، صحیح قول کے مطابق عادت کے بجائے پہچان پر حکم ہوگا، مثلاً ہر ماہ کے شروع میں پانچ دن اس کی عادت ہو اور باقی طہر ہو، پھر اس کو استحاضہ آگیا، اس نے آغاز ماہ میں دس دن کالا خون دیکھا اور باقی دنوں میں لال خون، تو اس کا حیض کالے خون والے دس دن ہیں، اور اس کے بعد استحاضہ ہے۔

دوسرا قول یہ ہے کہ عادت پر حکم لگایا جائے گا، لہذا اس کا حیض ابتدائی پانچ دن ہوگا (۱)، اور پہلا قول اس صحیح ہے، اس لئے کہ تمیز ایسی علامت ہے جو ماہ استحاضہ میں موجود ہے، لہذا اس کا اعتبار کرنا اس عادت کے اعتبار کرنے سے زیادہ بہتر ہے جو گزر چکی ہے (۲)۔

۱۸- حنابلہ نے کہا ہے: مستحاضہ چار حال سے خالی نہیں: ممیزہ غیر معتادہ، معتادہ غیر ممیزہ، معتادہ معتادہ غیر ممیزہ۔

ممیزہ: وہ عورت جس کے خون کے لئے ایک آغاز اور ایک اختتام ہو، بعض کالا گاڑھا، بدبودار ہو اور بعض تیز سرخی یا زرد ہو، یا بغیر مہک کے ہو، اور کالا یا غلیظ حیض کی اکثر مدت سے زیادہ اور اس کی اقل مدت سے کم نہ ہو۔ اس عورت کا حکم یہ ہے کہ اس کا حیض کالے یا غلیظ یا بدبودار خون کا زمانہ ہے، یہ اگر رک جائے تو وہ مستحاضہ ہے، حیض کے لئے غسل کرے گی، پھر اس کے بعد ہر نماز کے لئے وضو کر کے نماز پڑھے گی۔

(۱) مغنی المحتاج ۱/ ۱۱۵، حاشیہ الشرح فی شرح المطالب ۳/ ۱۵۶، المجموع شرح

المہذب ۲/ ۲۲۳۔ (۲) المجموع شرح المہذب ۲/ ۳۹۲، ۳۲۱۔ اس میں یہ بھی لکھا ہے کہ اگر وہ اپنی عادت کو بھولے والی، اور مثلاً رنگ کے ذریعہ حیض کو استحاضہ سے ممتاز کرنے والی ہو تو اس کو تمیز کی طرف لوٹایا جائے گا، اور جو لوگ کہتے ہیں کہ عادت تمیز پر مقدم ہے ان کے اعتبار سے اس کا حکم غیر ممیزہ کا ہے۔

اگر اس کو حیض وقت پر آئے، پھر ایک دن یا دو دن یا کچھ وقت کے بعد رک جائے، اور پھر اس کے بعد ایک طہر کے مکمل ہونے سے قبل آئے، تو وہ ایام دم کو ایک دوسرے سے ملائے گی۔ پھر اگر وہ معتادہ ہو تو عادت اور احتیاط کو ملائے، اور اگر مبتدأہ ہو تو نصف مہینہ کو ملائے، اور اگر تین ماہ یا اس سے زیادہ کی حاملہ ہو تو تقریباً نصف مہینہ کو ملائے گی، اور اگر چھ ماہ سے زائد کی حاملہ ہو تو تقریباً تیس دن کو ملائے گی۔

جن یام میں اس نے احتیاط کیا ہے ان میں وہ حائضہ سمجھی جائے گی، اور یہ حیض میں شمار کئے جائیں گے اگر وہ ان میں اس کے بعد خون دیکھے اگرچہ (اس سے پہلے) اس کو نہ دیکھا ہو، اور ایام طہر جن کو وہ اس کے دوران خون رکنے کی وجہ سے لغو قرار دیتی تھی، اور ان میں خون نہیں دیکھتی تھی، ان میں وہ طاہرہ ہوگی، نماز ادا کرے گی، اس کا شوہر اس سے وطی کر سکتا ہے، اور اس میں روزہ رکھے گی، اور یہ یام وہ طہر نہیں ہیں جن کا شمار طاق کی عدت میں کیا جائے، اس لئے کہ جو خون ان یام سے پہلے ہے اور جو ان یام کے بعد ہو ایک دوسرے سے ملایا جائے گا اور اسے ایک حیض قرار دیا جائے گا، اور اس کے درمیان جو بھی طہر ہے کالعدم ہوگا، پھر وہ احتیاطی مدت کے بعد غسل کرے گی اور نماز پڑھے گی، اور ہر نماز کے لئے وضو کرے گی اگر ان دنوں میں خون دیکھے، اور ہر دن غسل کرے گی اگر یام طہر میں اس کا خون رک جائے (۱)۔

۱۷- شافعیہ کے یہاں معتادہ بالحبض یا تو اپنے خون کے بارے میں غیر ممیزہ ہوگی کہ خون ایک ہی صفت کا ہوگا یا کئی مختلف صفات کا ہوگا، اور اس کو تمیز کی شرط معلوم نہ ہو، البتہ اس کو اس سے قبل حیض اور

(۱) المواق ۱/ ۳۶۹، اہل المدارک شرح اصناد السالک فی فقہ الامام مالک ص ۱۳۳۔

ب۔ نفاس کی عادت والی عورت:

۱۹۔ اگر نفاس کی عادت والی عورت اپنی عادت سے زیادہ خون دیکھے، تو اگر اس کی عادت چالیس دن ہو تو حنفیہ کے یہاں زائد خون استحاضہ ہے، اور اگر اس کی عادت چالیس دن سے کم ہو اور زیادتی چالیس دن یا اس سے کم ہو تو زائد خون نفاس ہے، اور اگر چالیس دن سے زیادہ ہو تو اس کی عادت کا اعتبار کیا جائے گا، اور اس کی عادت کے مطابق نفاس اور عادت سے زائد استحاضہ ہوگا (۱)۔

مالکیہ و شافعیہ کے یہاں جو کچھ حیض سے متعلق معتادہ کے بارے میں ذکر کیا گیا وہی یہاں بھی ہے۔

چنانچہ امام مالک و شافعی کی رائے ہے کہ نفاس کی اکثر مدت ساٹھ دن ہے، اور مالکیہ کے نزدیک ساٹھ سے زائد سب کا سب استحاضہ ہے، اور وہ احتیاط نہیں کرے گی، اس لئے کہ احتیاط حیض کے ساتھ خاص ہے۔ اور شافعیہ کے یہاں ساٹھ دن سے زائد استحاضہ ہے، لہذا جب نفاس والی عورت کا خون ساٹھ دن سے زیادہ ہو جائے تو اس میں دھریقے ہیں:

اصح یہ ہے کہ وہ حیض کی طرح ہے جب کہ پندرہ دن سے آگے بڑھ جائے، یعنی اگر تمیز ہوتو اس کی تمیز کا، اور اگر معتادہ غیر تمیز ہو تو اس کی عادت کا اعتبار ہوگا، اور دوسرے طریقے کی تین صورتیں ہیں:

اول: اصح یہ ہے کہ وہ طریق اول کی طرح ہے یعنی حیض کی طرح ہے۔

دوم: ساٹھ دن سب کا سب نفاس اور ساٹھ سے زیادہ استحاضہ ہے، اس کو زنی نے اختیار کیا ہے۔

سوم: ساٹھ دن تک نفاس اور اس کے بعد حیض ہے، اور اسی بنیاد پر ابو الحسن بن مرزبانی نے کہا ہے: صاحب ”تنہ“ اور صاحب ”عدۃ“

(۱) جامعہ رد المحتار علی الدر المختار ۱/ ۲۰۰۔

رعی وہ مستحاضہ جس کی عادت ہے لیکن تمیز نہیں، کیونکہ اس کا خون امتیاز والا نہیں ہے، اس لئے کہ وہ مختلف صفت کا نہیں اور ایک دوسرے سے ممتاز نہیں، یا امتیاز والا تو ہے لیکن جو خون حیض بن سکتا ہے وہ حیض کے اقل مدت سے کم یا اس کی اکثر مدت سے زیادہ ہے، تو چونکہ اس عورت کے پاس تمیز نہیں، لہذا اگر استحاضہ سے قبل اس کی کوئی عادت رعی ہو تو وہ ایام عادت میں حائضہ رہے گی، اور اس کے پورا ہونے پر غسل کرے گی، پھر اس کے بعد ہر نماز کے وقت کے لئے وضو کرے گی۔

قسم سوم: وہ عورت جو معتادہ تمیزہ ہے اس کو استحاضہ آگیا، اور اس کا خون قائل امتیاز ہے، کچھ کالا اور کچھ سرخ ہے، تو اگر کالا خون زمانہ عادت میں ہو تو عادت اور تمیز دونوں یکساں ہیں، اس لئے ان دونوں پر عمل ہوگا، اور اگر کالا خون عادت سے زیادہ یا کم ہو (اور حیض بن سکتا ہو) تو اس کے بارے میں دو روایات ہیں: پہلی روایت: عادت کا اعتبار ہے، کیونکہ حضرت ام حبیبہؓ نے خون کے بارے میں آپ ﷺ سے جب سوال کیا تو جواب میں آپ ﷺ کا فیضان عام ہے: ”امکھی قدر ما کانت تحبسک حیضتک ثم اغتسلی و صلی“ (۱) (اتنے دن ٹھہری رہ جتنے دنوں تم کو حیض آیا کرتا تھا، پھر غسل کر اور نماز پڑھ)، نیز یہ کہ عادت زیادہ قوی ہے (۲)۔ دوسری روایت یہ ہے کہ تمیز مقدم ہے، لہذا تمیز پر عمل ہوگا اور عادت کو چھوڑ دیا جائے گا۔

قسم چہارم: غیر معتادہ غیر تمیزہ، اس کی تفصیل ”اس عورت کا استحاضہ جس کی کوئی معروف عادت نہ ہو“ کے تحت آ رہی ہے (۳)۔

(۱) اس کی روایت مسلم (صحیح مسلم ۱/ ۲۶۳ بہ تحقیق محمد فواد عبدالباقی، طبع البانی المجلد ۱۵/ ۱۳۵ھ/ ۱۹۵۵ء) نے کی ہے۔

(۲) مطالب اولیٰ ائیں شرح غایۃ المنتہی ۱/ ۲۵۵۔

(۳) المغنی مع لشرح الکبیر ۱/ ۳۲۲، ۳۲۸، ۳۳۲، ۳۳۶۔

استحاضہ ۲۰-۲۱

کہتے ہیں: اگر خون ساٹھ دن سے زیادہ ہو تو ہم یہی فیصلہ کریں گے کہ وہ حیض میں مستحاضہ ہے، یہ صورت انتہائی ضعیف اور ماقبل سے بھی اضعف ہے (۱)۔

حنابلہ نے کہا: اگر دم نفاس چالیس دن سے زیادہ ہو اور اس کو حیض قرار دینا ممکن ہو تو حیض ہے، ورنہ استحاضہ ہے۔

ہمارے پاس موجود حنبلی مراجع میں نفاس میں عادت کے بارے میں ان کی گفتگو ہمیں نہیں ملی۔

اس عورت کا استحاضہ جس کی کوئی معروف عادت نہ ہو:

۲۰۔ جس عورت کی حیض میں کوئی معروف عادت نہ ہو (مثلاً کسی ماہ میں چھ دن اور کسی ماہ میں سات دن دیکھتی ہو) اور اس کا خون مسلسل ہو جائے تو وہ نماز، روزہ اور رجعت کے حق میں کم سے کم مدت حیض کا اعتبار کرے گی، اور عدت کے پوری ہونے اور وطی کے حق میں اکثر مدت کا اعتبار کرے گی، لہذا ضروری ہے کہ وہ چھٹے دن کے پورا ہونے پر ساتویں دن غسل کرے، نماز پڑھے، احتیاطاً روزہ رکھے اگر رمضان کا مہینہ آگیا ہو۔

اور جب یہ عورت موجودہ دنوں کو تیسرا حیض اعتبار کر رہی ہو تو اس سے رجعت کے بارے میں شوہر کا حق ساقط ہو جائے گا۔

البتہ دوسرے مرد سے شادی کے لئے عدت ختم ہونے اور دوسرے شوہر کے اس سے استتھاع کے حلال ہونے کے لئے وہ اکثر کو اختیار کرے گی، اس لئے کہ جواز کے باوجود شادی نہ کرنا شادی کا حق نہ ہوتے ہوئے شادی کرنے سے بہتر ہے، اسی طرح حلت کی گنجائش کے باوجود وطی نہ کرنا حرمت کے شبہ کے ساتھ وطی کرنے سے بہتر ہے، اور جب آٹھواں دن آئے تو ضروری ہے کہ دوبارہ غسل

کرے اور ساتویں دن جس کا اس نے روزہ رکھا ہے اس کی قضاء کرے، اس لئے کہ اداء واجب تھی، اور مطالبہ ساقط ہونے کے بارے میں شک ہے، اس وجہ سے کہ اگر اس دن وہ حائضہ نہ ہوگی تو اس کا روزہ صحیح ہوگا، اور اس کے ذمہ قضا نہیں ہوگی، اور اگر حائضہ ہوگی تو اس کے ذمہ قضا ہوگی، لہذا شک کی وجہ سے قضا ساقط نہ ہوگی۔

اس کے ذمہ نمازوں کی قضا نہیں، اس لئے کہ اگر وہ اس دن پاک تھی تو اس نے نماز پڑھ لی، اور اگر حائضہ تھی تو اس کے ذمہ نماز نہیں تھی، لہذا اس کے ذمہ قضا بھی نہیں (۱)۔

اگر اس کی عادت پانچ دن ہو اور اس کو چھ دن حیض آیا، پھر سات دن دوسرا حیض آیا، پھر چھ دن تیسرا حیض آیا تو اس کی عادت بالاجماع چھ دن ہے، یہاں تک کہ آئندہ تسلسل اسی پر مبنی ہوگا۔

امام ابو یوسف کے نزدیک تو اس لئے کہ ایک مرتبہ سے عادت بدل جاتی ہے، اور تسلسل آخری بار پر مبنی ہوگا، اس لئے کہ عادت بدل کر وہی ہوگئی، اور امام ابو حنیفہ و محمد کے نزدیک اس لئے کہ اگرچہ عادت دو مرتبہ کے بغیر نہیں بدلتی ہے، اور اس نے دو مرتبہ چھ دن خون دیکھا ہے۔

یہی سارے احکام اس عورت کے بھی ہیں جس کی نفاس میں کوئی معروف عادت نہ ہو۔

متحیرہ کا استحاضہ:

۲۱۔ متحیرہ وہ عورت جس کو خون کے تسلسل کے بعد اپنی عادت یاد نہ رہی، اس کو ”محیرہ“ صیغہ اسم فاعل کے ساتھ (حیران کرنے والی) بھی کہا جاتا ہے، اس لئے کہ وہ مفتی کو حیران کر دیتی ہے، اور متحیرہ: اسم مفعول کے ساتھ (حیران عورت) اس لئے کہا جاتا ہے کہ وہ بھولنے کی وجہ سے خود حیران ہو جاتی ہے (۲)۔ اور اس کو ”مضلہ“ بھی کہا

(۱) البدائع ۱/ ۱۷۳۔

(۲) مخطاوی ۱/ ۶۷۔

(۱) المجموع للإمام النووي ۲/ ۵۳۳، الدرر النوری ۱/ ۱۷۳، المہذب ۱/ ۵۲۔

”اقرء“ (حیض) کے حق میں نہیں۔

ان کا استدلال اس حدیث سے ہے کہ حضور ﷺ نے فاطمہ بنت ابی حبش سے فرمایا: ”إذا أقبل قِرْوُك فمدعی الصلاة“ (جب تمہارا حیض آجائے تو نماز چھوڑ دو) اور آپ ﷺ نے مختلف حالات میں فرق نہیں کیا۔ نیز اس لئے کہ حاملہ ”اقرء“ والی ہے۔ البتہ اس کا حیض عدت کے اقرء کے بارے میں معتبر نہیں، اس لئے کہ عدت کے اقرء کا مقصد رحم کا خالی ہونا ہے، اور اس کے حیض سے یہ معلوم نہیں ہوتا۔

رہے مالکیہ تو انہوں نے صراحت کی ہے کہ حاملہ اگر پہلے یا دوسرے ماہ میں خون دیکھے تو وہ حیض سمجھا جائے گا، اور اس کے ساتھ حاملہ جیسا معاملہ کیا جائے گا، اس لئے کہ اس مدت میں (عادتا) حمل ظاہر نہیں ہوتا، البتہ اگر تیسرے یا چوتھے یا پانچویں مہینے میں خون دیکھے، اور خون مسلسل جاری رہا تو اس کے حیض کی اکثر مدت بیس دن ہوگی، اور اس سے زائد استحاضہ ہوگا۔

انہوں نے حاملہ اور غیر حاملہ کے درمیان حیض کی اکثر مدت کے بارے میں اس لئے فرق کیا ہے کہ حمل کی وجہ سے خون رک جاتا ہے تو جب نکلے گا تو زائد ہوگا۔ اور کبھی طویل مدت تک بند رہنے کی وجہ سے مسلسل جاری بھی رہ سکتا ہے۔ اور اگر ساتویں یا آٹھویں یا نویں مہینے میں خون دیکھے اور مسلسل آتا رہے تو اس کے حق میں حیض کی اکثر مدت تیس یا چھ مہینے میں دیکھے تو ”امد ونہ“ کی عبارت کا ظاہری مفہوم یہ ہے کہ اس کا حکم تیسرے مہینے میں خون دیکھنے کے حکم کی طرح ہے، اور اس مسئلہ میں مشائخ فریقہ کی رائے دوسری ہے، ان کی رائے یہ ہے کہ اس کا حکم وہی ہے جو اس کے مابعد کا حکم ہے، اور یہی معتمد ہے (۱)۔

(۱) حاشیۃ المدنی ۱/۱۶۹، ۱۷۰، الذخیرہ ۳۸۶/۱ طبع مکتبۃ المشرق جامع الزمر۔

جاتا ہے، اس لئے کہ وہ اپنی عادت بھول جاتی ہے۔

محیرہ کے مسائل حیض کے نہایت مشکل اور دقیق مسائل ہیں، اس کی بہت سی صورتیں اور دقیق فروعات ہیں، اور اسی وجہ سے ضروری ہے کہ عورت اپنی عادت کے زمانہ اور تعداد کو یاد رکھے۔

اس مسئلہ کے جملہ احکام احتیاط پر مبنی ہیں، اگر بعض صورتوں میں سختی ہے تو اس کا مقصد تشدد نہیں، کیونکہ اس نے کسی ممنوع کا ارتکاب نہیں کیا ہے۔ محیرہ کے تفصیلی احکام اس کی اپنی اصطلاح میں ہیں۔

حاملہ عورت کا دوران حمل خون دیکھنا:

۲۲- اگر حاملہ کو دوران حمل اور زچگی سے قبل خون نظر آئے تو وہ حیض نہیں، اگرچہ نصاب حیض تک پہنچ جائے، بلکہ یہ حنفیہ اور حنابلہ کے نزدیک استحاضہ ہے (۱)۔ اسی طرح زچگی کی حالت میں اور بچہ کے اکثر حصے کے نکلنے سے قبل جو خون نظر آئے وہ حنفیہ کے نزدیک استحاضہ ہے، رہے حنابلہ تو انہوں نے اس کی صراحت کی ہے کہ ولادت سے دو تین روز قبل حاملہ عورت کو جو خون نظر آئے وہ بھی دم نفاس ہے (۲)، اگرچہ ان ایام کو مدت نفاس میں شمار نہیں کیا جائے گا۔ حنفیہ کا استدلال حضرت عائشہؓ کے اس قول سے ہے کہ ”الحامل لا تحيض“ (حاملہ کو حیض نہیں آتا)، اور اس طرح کی بات ”رائے“ سے معلوم نہیں ہو سکتی (۳) (یہ مدرک بالقیاس نہیں)۔

امام شافعیؒ نے فرمایا ہے: روزہ و نماز کو چھوڑ دینے اور صحبت کے حرام ہونے کی حد تک اس خون کو حیض شمار کیا جائے گا، لیکن عدت کے

(۱) فتح القدیر ۱/۱۶۳۔

(۲) المغنی مع لشرح الکبیر ۱/۳۷۵۔

(۳) اس لئے ظاہر یہ ہے کہ انہوں نے اسے رسول اللہ ﷺ سے سن کر کہا ہے نیز اس لئے کہ عادتاً دوران حمل رحم کا مشہد ہو جاتا ہے اور بچے کے نکلنے پر ہی کہلاتا ہے پھر اس وقت نفاس کا خون حیزی سے آنے لگتا ہے فتح القدیر ۱/۱۶۵۔

استحاضہ ۲۳-۲۵

اس مدت کے بعد استحاضہ مانا جائے گا (۱)۔

عورت کا دو ولادتوں کے درمیان خون دیکھنا
(اگر جڑواں بچوں (تو امین) کا حمل ہو):

۲۳- تو ام: اس بچہ کو کہتے ہیں جس کے ساتھ ایک بطن میں دوسرا بچہ موجود ہو۔ لہذا تو امین: ایک بطن کے دو بچوں کو کہتے ہیں جن کے درمیان چھ ماہ سے کم کی مدت ہو۔ ان میں سے ہر ایک بچہ کو ”تو ام“ اور بچی کو ”تو امہ“ کہتے ہیں (۲)۔

اگر پہلے اور دوسرے بچے کے درمیان چھ ماہ سے کم کا فاصلہ ہو تو ان دونوں ولادتوں کے درمیان نفاس والی عورت جو خون دیکھے وہ دم صحیح ہے یعنی نفاس ہے، یہ امام ابو حنیفہ و ابو یوسف کے یہاں ہے، جب کہ امام محمد و زفر کے نزدیک دم فاسد یعنی استحاضہ ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ جب عورت نے بچہ جنا، اور اس کے پیٹ میں دوسرا بچہ ہے، تو امام ابو حنیفہ و ابو یوسف کے نزدیک نفاس پہلے بچے سے شروع ہوگا، اور امام محمد و زفر کے نزدیک دوسرے بچہ سے، البتہ عدت بالا جہاں دوسرے بچے سے پوری ہوگی۔

امام محمد و زفر کے قول کی وجہ یہ ہے کہ نفاس کا تعلق جو کچھ پیٹ میں ہے اس کے پیدا ہو جانے سے ہے جیسے عدت کا گذر جانا، پس نفاس کا تعلق آخری بچے کی ولادت سے ہوگا، اس کی وجہ یہ ہے کہ (دوسرا بچہ پیدا ہونے سے پہلے پہلے) وہ حاملہ ہی رہتی ہے، اور جس طرح وضع حمل کے بغیر عدت کا ختم ہونا متصور نہیں، حاملہ عورت سے نفاس کا وجود بھی متصور نہیں، اس لئے کے نفاس حیض کے درجہ میں ہے، لہذا دوسرے بچے کی ولادت سے قبل جو خون ہے وہ ایک اعتبار سے نفاس ہے، ایک

اعتبار سے نہیں، تو شک کی وجہ سے اس سے نماز ساقط نہیں ہوگی۔

امام ابو حنیفہ و ابو یوسف کی دلیل یہ ہے کہ نفاس اگر ولادت کے بعد نکلنے والا خون ہے، تو پہلے بچہ کی ولادت کی وجہ سے دم نفاس وجود میں آگیا، رہا عدت کا ختم ہونا تو اس کا تعلق رحم کے خالی ہونے سے ہے اور ایسا ابھی نہیں ہوا، اور شکم میں دوسرے بچے کا وجود نفاس کے منافی نہیں ہے (۱)۔

حنابلہ ایک روایت میں شیخین کے ساتھ ہیں، اور دوسری روایت میں امام محمد و زفر کے ساتھ ہیں، اور ابو الخطاب نے لکھا ہے کہ نفاس کا آغاز پہلے بچہ کی ولادت سے ہوگا، اور دوسرے بچے کی پیدائش سے نیا نفاس شروع ہوگا (۲)۔

۲۴- مالکیہ کے نزدیک: تو امین کے درمیان آنے والا خون نفاس ہے، ایک قول یہ ہے کہ حیض ہے، یہ دونوں قول ”المدونہ“ میں ہیں (۳)۔
شافعیہ کے یہاں تین ”وجوہ“ ہیں جیسا کہ حنابلہ سے مروی ہیں۔

مستحاضہ کے احکام:

۲۵- دم استحاضہ کا حکم ہمیشہ رہنے والی نکسیر، یا سلس البول کی طرح ہے، چنانچہ مستحاضہ سے کچھ خاص احکام مطلوب ہیں جو تندرست کے احکام اور حیض و نفاس کے احکام سے الگ ہیں، اور وہ یہ ہیں:

الف- استحاضہ کے خون کو روکنا یا اگر پوری طرح اس کو روکنا دشوار ہو تو اس کو کم کرنا واجب ہے خواہ پٹی باندھ کر یا گدی کے ذریعہ، یا کھڑے ہو کر یا بیٹھ کر۔ مثلاً اگر دورانِ جہود خون آئے اور سجدہ کے علاوہ حالت میں نہ بچے تو وہ عورت کھڑی ہو کر یا بیٹھ کر اشارہ سے نماز پڑھے، اسی طرح اگر کھڑے ہونے پر آئے تو بیٹھ کر پڑھے، اس لئے کہ جہود یا

(۱) بدائع الصنائع للکاسانی ۷/۱۷۶، فتح القدیر ۱/۱۶۷۔

(۲) المغنی ۱/۳۶۵۔

(۳) اہل المذاہب شرح اوطا دالسا لک ۱/۱۳۹۔

(۱) اہل المذاہب شرح اوطا دالسا لک فی فقہ الامام مالک ۱/۱۳۷،

الدسوقی ۱/۱۶۹۔

(۲) اہل المذاہب شرح اوطا دالسا لک فی فقہ الامام مالک ۱/۱۳۸۔

استحاضہ ۲۵

ﷺ نے فرمایا: ”إن ذلک عرق ولیس بالحیضۃ فإذا أقبلت الحيضۃ فاتركی الصلاة فإذا ذهب قدرها فاغسلی عنک الدم واصلی“ (۱) وفي رواية توضی لكل صلاة“ (۲) وفي رواية: ”توضی لوقت كل صلاة“ (۳) وفي رواية أخرى: ”وإن قطر الدم علی الحصیر“ (۴) (یہ خون ایک رگ کا ہے، حیض نہیں، جب حیض کے دن آئیں تو نماز چھوڑ دو، اور جب وہ دن گزر جائیں تو خون دھوڈالو اور نماز پڑھو)۔ ایک روایت میں ہے: (ہر نماز کے لئے وضو کرو) اور ایک روایت میں ہے: (ہر نماز کے وقت کے لئے وضو کرو) اور ایک دوسری روایت میں ہے: (اگر چہ چٹائی پر خون ٹپک جائے)۔

حنفیہ نے مستحاضہ اور دوسرے معذورین کے لئے تین شرطیں ذکر کی ہیں:

پہلی: ثبوت کی شرط: اس طرح کہ جو شخص کسی عذر میں مبتلا ہو وہ معذور قرار نہیں پائے گا، اور نہ اس پر معذورین کے احکام جاری ہوں گے جب تک کہ یہ عذر ایک فرض نماز کے پورے وقت کو نہ گھیر لے اگرچہ حکماً ہو، اور اس پورے وقت میں اتنی دیر کے لئے بھی عذر ختم نہ ہو جس میں وہ طہارت حاصل کر کے نماز پڑھ سکے، یہ شرط فقہاء کے یہاں متفق علیہ ہے۔

دوسری: دوام کی شرط: وہ یہ کہ اس پہلے وقت کے علاوہ جس میں عذر ثابت ہوا ہے دوسرے وقت میں بھی یہ عذر پایا جائے خواہ

(۱) اس کی روایت ترمذی نے کی ہے اور کہا ہے یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ نیز اس کی روایت بخاری، مسلم اور مؤطا میں امام مالک نے کی ہے (فتح الباری ۱/۳۰۹ طبع استقویہ، صحیح مسلم ۱/۲۶۲، مؤطا ۱/۱۱۱، ابوعبد اللہ الباقی)۔

(۲) اس کی روایت بھی امام ترمذی نے کی ہے۔

(۳) اس کی روایت ترمذی نے کی ہے اور کہا ہے یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

(۴) ابن ماجہ نے اپنی سنن میں اور ترمذی نے اس کی روایت کی ہے۔

قیام یا قعود کا ترک کرنا حدث کے ساتھ نماز پڑھنے سے آسان ہے۔ اس طرح اگر مستحاضہ عورت گدی لگا کر خون روک سکتی ہو تو روکنا اس پر لازم ہے، اور اس صورت میں اگر تری گدی کے اوپر آجائے یا تر گدی باہر نکال دے تو اس کا وضو ٹوٹ جائے گا۔

اگر مستحاضہ مذکورہ بالا اسباب یا کسی اور سبب سے خون روکنے میں کامیاب ہو جائے تو وہ عذر روائی نہیں رہے گی (۱)۔

مالکیہ نے مستحاضہ کو صاحب عذر قرار دیا ہے جیسا کہ وہ شخص صاحب عذر ہے جس کو سلسلہ ابول ہو، تو اگر خون وقت نماز کی مدت سے زیادہ دیر تک رک جائے تو وہ صاحب عذر نہیں سمجھی جائے گی۔

مالکیہ نے صراحت کی ہے کہ اگر وضو کرتے وقت اس کو خون نظر آئے اور جب کھڑی ہو تو رک جائے تو امام مالک نے فرمایا کہ کسی چیز سے باندھ لے اور نماز نہ چھوڑے (۲)۔

باندھنے اور گدی لگانے کے وجوب سے دو امور مستثنیٰ ہیں:

اول: باندھنے یا گدی لگانے سے مستحاضہ کو نقصان ہو۔

دوم: روزہ سے ہو تو دن میں گدی لگانا چھوڑ دے تاکہ روزہ فاسد نہ ہو۔

اگر مستحاضہ اور معذورین میں سے جو اس کے حکم میں ہوں پٹی باندھیں یا گدی لگائیں پھر بھی خون نکل آئے اور نہ رکے یا روکنا دشوار ہو، اور ایک نماز کے مکمل وقت تک جاری رہے، تو خون کا ٹکٹا یا اس کا موجود رہنا طہارت اور نماز کی صحت سے مانع نہیں، اس لئے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ فاطمہ بنت ابی حیثم نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا: یا رسول اللہ! مجھے استحاضہ ہوتا ہے، میں پاک نہیں رہتی ہوں کیا نماز چھوڑ دوں؟ تو رسول اللہ

(۱) جامعہ رد المحتار علی الدر المختار ۱/۲۰۳، الطحاوی علی مراقی الفلاح ۱/۸۰، اہلبی ۱/۱۰۱، المغنی مع الشرح المکبیر ۱/۵۸۔

(۲) المواق ۱/۳۶۷۔

استحاضہ ۲۶-۲۷

ایک بار ہو۔

تیسری: انقطاع کی شرط: اس کی وجہ سے صاحب عذر معذور باقی نہیں رہے گا، اور وہ اس طرح کہ پورے وقت تک خون بند ہو جائے عذر نہ رہے تو خون بند ہونے کے وقت سے اس کے لئے تندرست کے احکام ثابت ہوں گے (۱)۔

مستحاضہ کے لئے کیا ممنوع ہے:

۲۶- علمائے حنفیہ میں سے ”برکوی“ نے کہا ہے: استحاضہ نکسیر کی طرح حدث اصغر ہے، پس استحاضہ کی وجہ سے نماز کی فرضیت ساقط نہ ہوگی اور نہ نماز کی صحت کے لئے مانع ہوگا یعنی بطور رخصت بسبب ضرورت، اور نہ اس کی وجہ سے جماع ممنوع ہوگا، حضرت حمہ کی حدیث کی وجہ سے کہ وہ طہی کرنے سے مستحاضہ رہتی تھیں اور اس حالت میں ان کے شوہر ان کے پاس آتے (جماع کرتے)، اور استحاضہ کی وجہ سے قرآن کا پڑھنا، مصحف کا چھونا اور مسجد میں داخل ہونا اور طواف کرنا بھی ممنوع نہیں ہوگا بشرطیکہ مسجد کے مآپا کی سے ملوث ہونے کا خطرہ نہ ہو۔

استحاضہ کا حکم دائمی نکسیر کی طرح ہے، لہذا استحاضہ سے نماز اور روزہ کا مطالبہ کیا جائے گا (۲)۔

اسی طرح شافعیہ و حنابلہ نے کہا ہے: مستحاضہ کے لئے کوئی چیز ممنوع نہیں، عبادات کے وجوب میں اس کا حکم پاک عورتوں کے حکم کی طرح ہے، اور طہی کے بارے میں امام احمد سے روایت مختلف

ہے، اس سلسلہ میں ان سے ایک دوسری روایت ممانعت کی ہے جیسا کہ حالت حیض میں، جب تک کہ شوہر کو برائی میں مبتلا ہو جانے کا اندیشہ نہ ہو۔

مالکیہ نے کہا ہے جیسا کہ ”الشرح الصغیر“ میں ہے کہ: یہ حقیقت میں پاک ہے۔

یہ مستحاضہ متحیرہ کے علاوہ کا حکم ہے، مستحاضہ متحیرہ کے کچھ خاص احکام ہیں جو ”متحیرہ“ کے عنوان کے تحت ملاحظہ فرمائیں۔

مستحاضہ کی طہارت:

۲۷- شافعیہ و حنابلہ کے نزدیک مستحاضہ پر حدث اور نجس دونوں سے طہارت میں احتیاط واجب ہے، لہذا اپنے بدن سے خون دھوئے گی، اور نجاست کو دور کرنے یا کم کرنے کے لئے روئی یا کپڑے کے ٹکڑے کی گدی رکھے گی، اگر اس سے خون نہ رکے تو احتیاطاً پٹی باندھے گی، اور اس عمل کو استغفار (لگوت کستا) اور تلم (لگام لگاتا) کہتے ہیں، امام شافعی نے اس کو تعصیب (پٹی باندھنا) کہا ہے (۱)۔

شافعیہ نے کہا ہے: یہ گدی لگانا اور باندھنا واجب ہے، البتہ دو مقام اس سے مستثنیٰ ہیں: اول: باندھنے سے اس کو اذیت پہنچے، دوم: روزہ سے ہو تو دن میں گدی نہ رکھے، اور باندھنے اور لگام لگانے پر اکتفا کرے۔

مذکورہ صفت کے ساتھ جب وہ کچھ باندھ لے اور پھر کسی کوتاہی کے بغیر خون نکل آئے تو اس کی وجہ سے اس کی طہارت یا نماز باطل نہیں ہوگی۔

اگر احتیاط میں کوتاہی کرنے کی وجہ سے خون نکل آئے تو اس کی طہارت باطل ہو جائے گی۔

(۱) مراقی الفلاح بحاشیہ المخطاوی ص ۸۱۔

(۲) مجموعہ رسائل ابن عابدین ۱/ ۱۱۳، جامعہ رد المحتار علی الدر المختار ۱/ ۱۹۸، فتح القدیر ۱/ ۵۶۶، جامعہ المخطاوی ص ۸۰، الدرر السنی ۱/ ۶۹، المغنی مع الشرح الکبیر ۱/ ۳۵۷، شرح المنہاج ۱/ ۱۰۱، الشرح الصغیر ۱/ ۲۱۰، القوانین الفقہیہ ص ۳۲ طبع بیروت۔

(۱) المجموع خلاصہ امام النووی ۲/ ۵۳۸، شرح منشی الادب ۱/ ۱۱۳۔

استحاضہ ۲۸-۲۹

تھیں) بخاری نے اسے روایت کیا ہے۔

کپڑے پر مستحاضہ کا جو خون لگ جائے اس کا حکم:

۲۸- اگر خون پھیلی کی گہرائی کے بقدر یا اس سے زیادہ کپڑے کو لگ جائے تو حنفیہ کے نزدیک اس کا دھونا واجب ہے اگر دھونا مفید ہو اس طرح کہ بار بار نہ لگتا ہو، لہذا اگر نہ دھوئے اور نماز پڑھ لے تو جائز نہیں، اور اگر دھونا مفید نہ ہو تو جب تک عذر باقی رہے واجب نہیں ہوگا (۱)۔ یعنی ایسا ہو کہ اگر کپڑے کو دھو دے تو نماز سے فراغت سے قبل دوبارہ نجس ہو جائے گا تو یہ جائز ہے کہ نہ دھوئے، اس لئے کہ اس پر پاکی کو لازمتر اردینے میں حرج و مشقت ہے۔

اور اگر ایسا ہو کہ اس کو دھو دے تو نماز سے فراغت سے قبل دوبارہ نجس نہیں ہوگا تو اس کے باقی رہتے ہوئے اس کے لئے نماز پڑھنا جائز نہیں، ہاں ایک مرجوح قول کے مطابق دھوئے بغیر نماز جائز ہے۔

شافعیہ کے نزدیک اگر وہ احتیاط و پیش بندی کر لے تو خون کا نکلنا مضر نہیں، اگرچہ اسی نماز میں اس کے کپڑے کو ملوث کر دے (۲)۔

اسی طرح حنابلہ کے یہاں بھی مضر نہیں کیونکہ ان کا کہنا ہے کہ اگر اس کے بعد خون غالب آجائے اور ٹپک پڑے تو اس کی طہارت باطل نہیں ہوگی (۳)۔

مستحاضہ پر غسل کرنا کب لازم ہے؟

۲۹- صاحب المغنی نے اس سلسلہ میں چند قول نقل کیے ہیں:

اول: جس وقت اس کے حیض یا نفاس کے ختم ہونے کا حکم لگے گا اس وقت غسل کرے گی، اس کے بعد اس پر صرف وضو واجب

حنفیہ کے نزدیک معذور پر واجب ہے کہ اپنے عذر کو روکے، اور اگر پوری طرح اس کا روکنا ممکن نہ ہو تو کم کرے، اور اس کو روک دینے کے بعد وہ معذور باقی نہیں رہے گا، ہاں اگر وہ باندھ نہ سکے یا ٹپکنے سے نہ روک سکے تو معذور ہے (۱)۔

رہا ہر فرض کے لئے ”مقام“ کو دھونا اور نئی پٹی اور گدی لگانا تو شافعیہ نے کہا کہ دیکھا جائے گا کہ اگر پٹی اپنی جگہ سے ہٹ جائے اور اس کا اثر باقی رہ جائے، یا اس کے اطراف میں خون ظاہر ہو تو بغیر کسی اختلاف کے نئی پٹی لگانا واجب ہے، اس لئے کہ نجاست زیادہ ہوگئی ہے اور اس کو کم کرنا اور اس سے احتراز ممکن ہے۔ اور اگر پٹی اپنی جگہ سے نہ ہٹے اور نہ ہی خون ظاہر ہو تو شافعیہ کے یہاں وقول ہیں: اصح یہ ہے کہ تجدید واجب ہے، جیسا کہ تجدید وضو واجب ہے۔ دوم: واجب نہیں، اس لئے کہ جب نجاست برابر جاری ہے تو اس کے زائل کرنے کا حکم دینا بے معنی ہے، برخلاف اس کے کہ حدث کے برقرار رہتے ہوئے حدث سے طہارت کی تجدید کا حکم دیا جائے۔ کیونکہ یہ تیمم میں معروف ہے (۲)۔

حنابلہ کے نزدیک ہر نماز کے لئے دوبارہ دھونا، اور پٹی بدلنا لازم نہیں، اگر اس کی طرف سے کوئی نہ ہو، حنابلہ نے کہا ہے: اس لئے کہ اس حدث کے قوی اور غالب ہونے کی وجہ سے احتراز ممکن نہیں، نیز حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت میں ہے، انہوں نے فرمایا: ”اعتكفت مع النبي ﷺ امرأة من أزواجه، فكانت تری الدم والصفرة والطمست تحتها وهي تصلي“ (۳) (حضور ﷺ کے ساتھ ایک زوجہ مطہرہ نے اعتکاف کیا، وہ خون اور زردی کو دیکھتی تھیں، طشت ان کے نیچے ہوتا تھا، اور وہ نماز پڑھتی

(۱) ابن ماجہ ۱/۲۰۴۔

(۲) المجموع ۲/۵۳۰۔

(۳) شرح المنہج ۱/۱۱۳، صحیح بخاری ۸/۸۱ طبع مبیع۔

(۱) البدائع ۱/۱۳۷، حاشیہ رد المحتار علی الدر المختار ۱/۲۰۴۔

(۲) حاشیہ قلیوبی ۱/۱۰۱۔

(۳) کشاف القناع ۱/۱۹۳۔

استحاضہ ۳۰

کرے گی، اور نماز صبح کے لئے غسل کرے گی (۱) (یعنی ظہر اور عصر کے لئے ایک غسل اور مغرب و عشاء کے لئے ایک غسل اور فجر کے لئے ایک غسل کرے گی)۔

مستحاضہ کا وضو اور عبادت:

۳۰۔ امام شافعی نے فرمایا ہے: مستحاضہ ہر فرض کے لئے وضو کرے گی، اور جس قدر نوافل چاہے پڑھے گی (۲)، اس کی دلیل حضرت فاطمہ بنت ابو حنیس کی سابقہ حدیث ہے، نیز اس لئے کہ اس کی طہارت کو معتبر ماننا فرض کی ادائیگی کے لئے بدرجہ مجبوری ہے، لہذا فرض سے فراغت کے بعد اس کی طہارت باقی نہیں رہے گی (۳)۔

امام مالک کا ایک قول یہ ہے کہ ہر نماز کے لئے وضو کرے گی، ان کی دلیل بھی مذکورہ بالا حدیث ہے، امام مالک نے مطلق لفظ ”صلاة“ پر عمل کیا ہے، جب کہ امام شافعی نے اس میں ”فرض“ کی قید لگائی ہے، اس لئے کہ مطلق ”صلاة“ سے فرض نماز سمجھی جاتی ہے، اور نوافل فرائض کے تابع ہیں، اس لئے کہ ان کی مشروعیت فرائض کی تکمیل کے لئے ہے تاکہ فرائض میں رہ جانے والی کمی کی تلافی ہو جائے، لہذا نوافل اس کے اجزاء میں داخل ہو گئے، اور جو طہارت کسی فرض نماز کے لئے ہوگی وہ اس کے تمام اجزاء کے لئے بھی ہوگی، برخلاف دوسرے فرض کے کہ وہ اس کے تابع نہیں ہے بلکہ وہ مستقل ہے (۴)۔ مالکیہ کا دوسرا قول یہ ہے کہ ہر نماز کے وقت کے لئے نیا وضو مستحب ہے، اور یہ مالکیہ میں سے اہل عراق کا طریقہ ہے (۵)۔

ہوگا، اور یہی اس کے لئے کافی ہے، یہ جمہور علماء کی رائے ہے، اس کی دلیل: حضرت فاطمہ بنت ابو حنیس سے اللہ کے رسول ﷺ نے یہ فرمایا ہے کہ: ”إنما ذلک عرق ولیست بالحیضة فإذا أقبلت فدعی الصلاة، فإذا أدبرت فاغسلی عنک الدم وصلی، وتوضی لکل صلاة“ (یہ رگ کا خون ہے، حیض نہیں، اس لئے جب آجائے تو نماز چھوڑ دو، اور جب ہند ہو جائے تو اپنے اوپر سے خون دھو کر نماز پڑھو، اور ہر نماز کے لئے وضو کرو)۔ امام ترمذی نے کہا: یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ نیز عدی بن ثابت عن ابی عن جدہ کی روایت ہے کہ حضور ﷺ نے مستحاضہ کے بارے میں فرمایا: ”تدع الصلاة أيام أقرانها ثم تغتسل وتوضأ لكل صلاة“ (اپنے ایام حیض میں نماز چھوڑ دے، پھر غسل کر کے نماز پڑھے، اور ہر نماز کے لئے وضو کرے)۔

دوم: ہر نماز کے لئے غسل کرے گی، یہ حضرت علی، ابن عمر، ابن عباس اور ابن زبیر سے مروی ہے، اور متحیرہ کے بارے میں امام شافعی کا ایک قول یہی ہے، اس کی دلیل حضرت عائشہ کی روایت ہے: ”أن أم حبیبة استحیضت، فأمرها النبی ﷺ أن تغتسل لكل صلاة“ (ام حبیبہ کو استحاضہ آگیا، تو حضور ﷺ نے ان کو ہر نماز کے لئے غسل کرنے کا حکم فرمایا) متفق علیہ۔ لیکن پہلے قول والوں کا کہنا ہے کہ ہر نماز کے لئے وضو کا ذکر حدیث میں ایسی ”زیادتی“ ہے جس کو قبول کرنا واجب ہے، اور اسی وجہ سے مالکیہ و حنابلہ نے کہا ہے کہ اس کے لئے ہر نماز کے واسطے غسل کرنا مستحب ہے، اور حدیث میں امر انتخاب کے لئے ہے۔

سوم: ہر دن کے لئے ایک غسل کرے گی، یہ حضرت عائشہ، ابن عمر اور سعید بن المسیب سے مروی ہے۔

چہارم: جمع کی جانے والی ہر دو نمازوں کے لئے ایک غسل

(۱) المغنی مع الشرح الکبیر ۱/ ۳۷۸، الدرستی ۱/ ۳۰۔

(۲) المغنی مع الشرح الکبیر ۱/ ۳۷۸۔

(۳) اس کی روایت ترمذی نے کی ہے۔

(۴) المجموع ۱/ ۵۳۱۔

(۵) الدرستی ۱/ ۱۱۶۔

استحاضہ ۳۱

امام زفر نے کہا ہے: صرف وقت کے داخل ہونے سے وضو ٹوٹے گا، یہی امام احمد کا ظاہر کلام ہے، اس لئے کہ حدیث میں ہے: ”توضیء لكل صلاة“ (ہر نماز کے لئے وضو کرو)، دوسری روایت میں ہے: ”لوقت كل صلاة“ (ہر نماز کے وقت کے لئے وضو کرو)۔ امام ابو یوسف نے کہا ہے: دونوں سے وضو ٹوٹ جائے گا، یہ احتیاط کی بنا پر ہے، یہی حنابلہ میں ابو یعلیٰ کا قول ہے (۱)۔

شمرہ اختلاف دو مقامات پر ظاہر ہوگا:

اول: کسی نماز کا وقت اٹھے اور دوسری نماز کا وقت داخل نہ ہو، مثلاً فجر کے وقت وضو کرے، پھر سورج طلوع ہو جائے تو اس کی طہارت امام ابو حنیفہ، امام ابو یوسف اور امام محمد کے نزدیک ٹوٹ جائے گی، اس لئے کہ خروج وقت پایا گیا، امام زفر اور امام احمد کے یہاں نہیں ٹوٹے گی، اس لئے کہ دخول وقت نہیں پایا گیا، کیونکہ طلوع شمس سے ظہر تک کسی فرض نماز کا وقت نہیں، بلکہ یہ خالی وقت ہے۔

دوم: کسی نماز کا وقت داخل ہو خارج نہ ہو، مثلاً زوال سے قبل وضو کرے، پھر زوال شمس ہو تو اس کی طہارت امام ابو حنیفہ اور امام محمد کے یہاں نہیں ٹوٹے گی، اس لئے کہ خروج وقت نہیں پایا گیا، اور امام ابو یوسف و امام زفر اور امام احمد کے یہاں ٹوٹ جائے گی، اس لئے کہ دخول وقت پایا گیا۔

لہذا اگر چاشت یا عید کی نماز کے لئے وضو کرے تو اس وضو سے امام ابو یوسف، امام زفر اور امام احمد کے نزدیک ظہر نہیں پڑھ سکتی، بلکہ اس کی طہارت ظہر کا وقت داخل ہونے سے ختم ہو جائے گی۔

جب کہ امام ابو حنیفہ اور امام محمد کے نزدیک اس وضو سے ظہر کی نماز پڑھ سکتی ہے، اس لئے کہ خروج وقت نہیں پایا گیا۔

حنفیہ و حنابلہ کے یہاں: مستحاضہ اور اس جیسے معذورین ہر فرض نماز کے وقت کے لئے وضو کریں گے، اور وقت کے اندر جس قدر فرائض (۱)، نذر، نوافل اور واجبات میں سے جو چاہیں ادا کریں گے، جیسے وتر، نماز عید، نماز جنازہ، طواف اور قرآن کو چھو (۲)، حنفیہ کا استدلال حضور ﷺ کے اس فرمان سے ہے جو آپ نے فاطمہ بنت ابوحذیفہ سے فرمایا: ”وتوضی لوقت كل صلاة“ (۳) (اور ہر نماز کے وقت کے لئے وضو کرو)۔

اگر مستحاضہ نے خون جاری رہنے کی حالت میں وضو کیا پھر از سر نو خون جاری ہو گیا تو اس سے وضو نہیں ٹوٹے گا۔ حنفیہ نے کہا ہے: اگر خون بند ہونے کے بعد وضو کیا، پھر خون آ گیا تو وضو ٹوٹ جائے گا۔ اگر خون بند ہونے کی حالت میں دوسرے حدث کی وجہ سے وضو کیا پھر خون آ گیا تو بھی وضو ٹوٹ جائے گا۔

اسی طرح اگر خون کے عذر کی وجہ سے وضو کرے پھر کوئی دوسرا حدث پیش آ جائے تو وضو ٹوٹ جائے گا (۴)۔

اس کی وضاحت یہ ہے کہ اگر مثلاً اس کا خون جاری ہو اور اس کی وجہ سے وضو کرے پھر پیشاب کے ذریعہ حدث پیش آیا تو وضو ٹوٹ جائے گا۔

۳۱- حنفیہ کے یہاں مستحاضہ کی طہارت میں اختلاف ہے کہ وقت نکلنے سے وہ ٹوٹے گی؟ یا داخل ہونے سے؟ یا دونوں سے؟

امام ابو حنیفہ اور امام محمد نے کہا ہے: صرف وقت نکلنے سے طہارت ٹوٹے گی، اس لئے کہ معذور کی طہارت وقت کے ساتھ مقید ہے، جب وقت نکل جائے گا تو حدث ظاہر ہو جائے گا۔

(۱) البدائع ۱/ ۱۳۳، حاشیہ رد المحتار علی الدر المختار ۱/ ۲۰۳، مطالب ۱/ ۳۱۸۔

(۲) الطحاوی علی سرائی الفلاح ص ۸۰۔

(۳) ترمذی نے اس کی روایت کی ہے اور کہا ہے یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

(۴) حاشیہ رد المحتار علی الدر المختار ۱/ ۲۰۳، المغنی مع المشرع المکبیر ۱/ ۳۷۹۔

(۱) فتح القدیر ۱/ ۵۹، الطحاوی علی سرائی الفلاح ص ۸۰، کشاف القناع ۱/ ۱۹۶،

البدائع لکھنؤ ۱/ ۱۳۵، مطالب مولیٰ السن ۱/ ۲۶۳۔

استحاضہ ۳۲-۳۳

شافعیہ کے نزدیک اس کا وضو محض کسی فرض کے ادا کرنے سے ٹوٹ جائے گا، اگرچہ کسی نماز کا وقت نہ اٹھے یا نہ داخل ہو جیسا کہ گذرا۔ مالکیہ کے یہاں یہ درحقیقت پاک ہے جیسا کہ گذرا۔

مستحاضہ کا شفا یاب ہونا:

۳۲- شافعیہ کے نزدیک اگر مستحاضہ کا خون پوری طرح بند ہو جائے اور اسی کے ساتھ اس کو اس مرض سے شفا حاصل ہو جائے اور استحاضہ ختم ہو جائے تو دیکھا جائے گا: اگر یہ نماز کے باہر ہو:

الف۔ اگر نماز کے بعد پیش آئے تو اس کی نماز صحیح ہو جائے گی، اور اس کی طہارت باطل ہو جائے گی، لہذا اس کے بعد اس طہارت سے نفل پڑھنا مباح نہیں ہوگا۔

ب۔ اگر نماز پڑھنے سے قبل پیش آئے تو اس کی طہارت باطل ہو جائے گی، اور وہ نماز یا کوئی دوسری نماز اس طہارت سے پڑھنا مباح نہیں ہوگا۔

اگر خون کا بند ہونا خود نماز کے اندر پیش آئے: تو دو قول ہیں:

اول۔ اس کی طہارت اور نماز باطل ہو جائے گی۔

دوم۔ باطل نہیں ہوگی، جیسا کہ تیمم میں ہے۔

اور رائج پہلا قول ہے (۱)۔

اور اگر مستحاضہ طہارت حاصل کر کے نماز پڑھ لے تو اس پر اعادہ

واجب نہیں ہوگا۔

یہ تفصیل حنفیہ کے یہاں متصور نہیں، اس لئے کہ وہ اس کو معذور گردانتے ہیں، کیونکہ وقت کے اندر عذر موجود ہے اگرچہ ایک لحظہ کے لئے ہے جیسا کہ گذرا۔ اور مالکیہ کے یہاں بھی یہ متصور نہیں، اس

لئے کہ وہ حقیقت میں طاہرہ ہے۔

البتہ حنابلہ کے یہاں تفصیل ہے، انہوں نے کہا: اگر اتنے وقت تک خون بند رہنے کی عادت ہو، جس میں وضو اور نماز کر سکتی ہو تو اسی وقت میں ان کو انجام دینا متعین ہوگا، لیکن اگر عادت مسلسل خون آنے کی ہو، اور یہ رکنا عارضی طور پر پیش آیا ہو تو اس کی طہارت باطل ہے، اور اس کو از سر نو کرنا لازم ہوگا، پس اگر خون بند ہونا نماز شروع کرنے سے پہلے پیش آئے تو نماز شروع کرنا جائز نہیں، اور اگر دوران نماز پیش آئے تو وضو کے ساتھ نماز بھی باطل ہو جائے گی، اور محض خون بند ہونے پر نماز چھوڑ دے گی الا یہ کہ تھوڑا بہت خون بند ہونے کی اس کو عادت ہو۔ اور اگر وضو کرے پھر شفا یاب ہو جائے پھر وضو کے بعد اس کو خون آجائے تو اس کا وضو باطل ہے (۱)۔

مستحاضہ کی عدت:

۳۳- اس کے بعض احکام کی طرف اشارہ گذر چکا ہے، اور اس کی تفصیل ”عدت“ کی اصطلاح میں ہے۔

(۱) کشاف القناع ۱/ ۱۹۷۔

(۱) المجموع الامام النووی ۵/ ۵۴۔

لیکن دوسری نجاستیں اگر اپنی اصل سے بدل جائیں تو ان کی طہارت میں اختلاف ہے۔

فقہاء اس کی تفصیل ”نجاست اور ان کے پاک کرنے کے طریقہ“ کی بحث میں کرتے ہیں، جو لوگ اس کے پاک ہونے کے قائل ہیں وہ کہتے ہیں کہ بعض فقہاء کے یہاں عین (اصل نجاست) کے بدلنے کے نتیجے میں اس پر مرتب ہونے والا وصف ختم ہو جاتا ہے (۱)۔

اور اس کی بنیاد پر فقہاء نے بہت سے جزوی مسائل کا استخراج کیا ہے جن کی تفصیل اصطلاح ”تحول“ میں ہے۔

۳- دوسرا فقہی استعمال: ناممکن ہونے کے معنی میں ہے، اسی معنی میں ہے: ”استحالة وقوع المحلوف عليه“ (جس پر قسم کھائی جائے اس کا ناممکن ہونا)، یا جس شرط پر طلاق وغیرہ مطلق ہے اس کا ناممکن ہونا۔

محلوف علیہ کے بارے میں فقہاء نے جو شرطیں ذکر کی ہیں ان میں سے یہ ہے کہ اس کا وقوع عقلاً یا عادتاً محال نہ ہو، یعنی اس کا وجود حقیقتاً یا عادتاً ممکن ہو۔ فقہاء اس کی کئی مثالیں دیتے ہیں، مثلاً قسم کھائے کہ میں اس پیالے کا پانی ضرور پیوں گا، حالانکہ اس میں پانی نہیں ہے، یہ حقیقتاً محال ہونے کی مثال ہے۔ اور مثلاً قسم کھائے کہ آسمان پر ضرور چڑھے گا، یہ عادتاً محال ہونے کی مثال ہے۔

حادث ہونے، نہ ہونے، کفارہ ہونے، نہ ہونے کے بارے میں فقہاء کا اختلاف ہے، نیز کیا یہ یحیٰ بن بر (جائز اور طاعت کی قسم) میں ہوگا یا حث (غلط و معصیت کی قسم) میں؟ اور کیا اس سلسلہ میں یحیٰ بن کے موقت یا مطلق ہونے میں حکم یکساں ہوگا، اور فقہاء اس کی تفصیل قسم، طلاق اور حث کے مسائل میں کرتے ہیں۔

استحالة

تعریف:

۱- استحالة کا ایک لغوی معنی: کسی چیز کے مزاج اور صفت کا بدل جانا، اور دوسرا معنی ناممکن ہونا ہے (۱)۔ لفظ استحالة کا فقہاء و اصولیین کے یہاں استعمال ان دونوں لغوی معانی سے خارج نہیں۔

اجمالی حکم اور بحث کے مقامات:

فقہی یا اصولی استعمالات کے اعتبار سے اس کا حکم الگ الگ ہے: ۲- پہلا فقہی استعمال: جو کسی چیز کی صفت کے بدل جانے کے معنی میں ہو اسی معنی میں ”استحالة العين النجسة“ (نجس عین کا بدلنا) اور ”بم تكون الاستحالة“ (استحالة کس چیز سے ہوتا ہے) ہے۔

نجس چیزیں مثلاً پاخانہ، شراب، اور خنزیر، بسا اوقات ان کی حقیقت متغیر ہو جاتی ہے، اور ان کے اوصاف بدل جاتے ہیں، اور یہ بدلنے یا سرکہ بننے یا پاک چیز میں پڑ جانے کی وجہ سے ہوتا ہے، جیسا کہ خنزیر نمک کی کان میں گر جائے اور نمک ہو جائے۔

اس پر فقہاء کا اتفاق ہے کہ شراب اگر خود بخود سرکہ بن جائے تو پاک ہے، اور اگر اس کو سرکہ بنا دیا جائے تو اس کے پاک ہونے میں اختلاف ہے (۲)۔

(۱) المصباح الحمیر، مادۃ (حول)۔

(۲) نہایۃ المحتاج ۱/ ۲۳۰، المغنی ۱/ ۷۲، الدرر ۱/ ۵۲، فتح القدیر ۱/ ۱۳۹۔

(۱) نہایۃ المحتاج ۱/ ۲۳۰، المغنی ۱/ ۷۲، الدرر ۱/ ۵۲، فتح القدیر ۱/ ۱۳۹۔

اصولی استعمال:

۴- اصولیین کے نزدیک لفظ ”استحالة“ کا استعمال ناممکن ہونے کے معنی میں ہوتا ہے۔ اور اسی سے مستحیل لذاتہ یا مستحیل لغیرہ کے مکلف بنانے کا حکم ہے۔ اور محال کے مکلف بنانے کے جواز کے بارے میں اصولیین کا اختلاف ہے، اور انہوں نے اس کی دو قسمیں کی ہیں: ممتنع لذاتہ، اور ممتنع لغیرہ۔

ممتنع لذاتہ کی مثال: جمع بین الضدین ہے، جمہور اصولیین کے یہاں مختار یہ ہے کہ ممتنع لذاتہ کا مکلف بنانا جائز ہے۔

اور ممتنع لغیرہ کا ناممکن ہونا اگر عادتاً ہو جیسے پہاڑ اٹھانے کا مکلف بنانا، تو جمہور کے نزدیک عقلاً اس کا مکلف بنانا جائز ہے، البتہ شرعاً اس کا وقوع نہیں۔ اور اگر استحالة اس وجہ سے ہو کہ اللہ تعالیٰ نے اس کا ارادہ نہیں کیا، مثلاً ابوجہل کا ایمان لانا، تو بالاجماع یہ عقلاً جائز اور شرعاً واقع ہے۔ (۱) اس کی تفصیل ”اصولی ضمیمہ“ میں ہے۔

استحباب

تعریف:

۱- استحباب لغت میں: استحباب کا مصدر ہے بمعنی أحبہ (پسند کرنا)، اور استحباب اتحسان کے معنی میں بھی آتا ہے (۱)۔ اور کہا جاتا ہے: استحباب علیہ یعنی ترجیح دینا (۲)۔

حنفیہ کے علاوہ اصولیین کے یہاں استحباب کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ کے حکم سے کسی فعل کا کرنا قطعی طور پر ضروری نہ ہو بایں معنی کہ اس کا چھوڑنا جائز ہو (۳)۔ اور اس کی ضد کراهیت ہے (۴)۔

۲- مستحب کے مترادف مندوب، تطوع، طاعت، سنت، نافلہ، نفل، قربت، مرغب فیہ، احسان، فضیلت، رغیبہ، ادب اور حسن ہیں (۵)۔ ان کے مترادف ہونے میں بعض شافعیہ (مثلاً قاضی حسین وغیرہ) کا اختلاف ہے، ان کا کہنا ہے کہ اگر کسی فعل کی رسول اللہ ﷺ نے پابندی کی ہو تو وہ سنت ہے، اور اگر پابندی نہ کی ہو (مثلاً ایک دوبار کیا ہو) تو مستحب ہے، اور اگر رسول اللہ ﷺ نے اس کو نہ کیا ہو (مثلاً وہ

(۱) المصباح لمیر (جب)۔

(۲) مختار الصحاح مادہ (جب)۔

(۳) شرح جمع الجوامع ۱/ ۸۰ طبع محمودیہ کرلکشی۔

(۴) شرح المکوٰۃ لمیر ص ۱۲۸ طبع مطبعة النبی محمد بن قاسم۔

(۵) شرح جمع الجوامع بحقیقہ الجنائی ۱/ ۹۰، ۹۱، الکلیات لابی البقاء ۱/ ۷۳،

۲/ ۱۰۸، ۱۱۳ طبع دمشق، اصناد النکول ص ۶ طبع مصطفیٰ الخلیفی، شرح المکوٰۃ

لمیر ص ۱۲۶، کشاف اصطلاحات الفنون: مادہ (جب) ۲/ ۷۳، ۷۴،

نیز مادہ (سنن) ص ۷۰۵ طبع خیاط۔

(۱) فوائد المحتوت مع حاشیہ المستعمی ۱/ ۲۳، الاحکام لمدی ۱/ ۶۹۔

استحباب ۳

اورادو اذکار جن کو انسان اپنے اختیار سے کرے (وہ تطوع ہے۔

ان حضرات نے یہاں مندوب کو ذکر نہیں کیا، کیونکہ اس میں بلاشبہ تینوں اقسام داخل ہیں۔

اور یہ اختلاف لفظی ہے، کیونکہ اس کا حاصل یہ ہے کہ ان تینوں اقسام کے جس طرح یہ مذکور نام ہیں، کیا ان ناموں کے علاوہ ان کو کوئی اور نام دیا جاسکتا ہے؟ تو بعض نے کہا: نہیں، کیونکہ سنت کے معنی: طریقہ و عادت، مستحب کے معنی: محبوب، اور تطوع کے معنی: اضافہ کے ہیں، جب کہ اکثر حضرات کا کہنا ہے کہ ہاں ان کو دوسرا نام دیا جاسکتا ہے، اور ان تینوں کے متعلق یہ کہنا صحیح ہے کہ وہ دین کا ایک طریقہ یا عادت ہے، اور شارع کے نزدیک مطلوب ہونے کی وجہ سے محبوب ہے، اور واجب سے زائد ہے (۱)۔

حنفیہ کے یہاں مستحب: وہ ہے جس کو رسول اللہ ﷺ نے کبھی کیا اور کبھی چھوڑا ہو، لہذا ایسے سنن مؤکدہ سے نیچے ہے جیسا کہ تھانوی نے کہا ہے، بلکہ سنن زائدہ سے نیچے ہے جیسا کہ ابو البقاء کفوی نے کہا ہے۔

حنفیہ کے نزدیک اس کو مندوب اس لئے کہا جاتا ہے کہ شریعت نے اس کی ترغیب دی ہے، اور تطوع اس لئے کہا جاتا ہے کہ وہ واجب نہیں، اور نفل اس لئے کہا جاتا ہے کہ وہ دوسرے سے زائد ہے (۲)۔

مستحب کو مستحب اس لئے کہا گیا ہے کہ شریعت نے اس کو بمقابلہ مباح پسند کیا ہے (۳)۔ اور اس اعتبار سے حنفیہ کی رائے قاضی حسین کی رائے سے قریب ہے، لیکن حنفیہ کا تطوع کے بارے میں ان سے

اختلاف ہے، کیونکہ حنفیہ تطوع کو مستحب کے مترادف مانتے ہیں، جب کہ قاضی حسین تطوع کو مستحب کی قسم مانتے ہیں جیسا کہ گذر چکا ہے، اور حنفیہ کے یہاں مستحب اور سنت میں فرق یہ ہے کہ سنت دین میں وہ طریقہ ہے جس کو عیشگی کے التزام کے بغیر اپنایا گیا ہو۔ اور عیشگی کی قید سے مستحب سنت کی تعریف سے نکل گیا، کیونکہ حضور ﷺ کی طرف سے اس پر موانعت نہیں ہوئی (۱)۔

بعض حنفیہ نے مستحبات اور سنن زوائد میں فرق نہ کرتے ہوئے کہا ہے: مستحب وہ ہے جو عادت کے طور پر ہو خواہ کبھی کبھی اس کا ترک ہو یا نہ ہو۔

”نور الانوار شرح المنار“ میں ہے: سنن زوائد مستحب کے معنی میں ہیں، لیکن فرق یہ ہے کہ مستحب وہ کہلاتا ہے جس کو علماء نے پسند کیا ہو، اور سنن زوائد وہ ہیں جن پر نبی کریم ﷺ کا عمل رہا ہو۔

اسی طرح مستحب کا اطلاق فعل کے مطلوب ہونے پر ہوتا ہے، خواہ قطعی طور پر مطلوب ہو یا غیر قطعی طور پر، لہذا فرض، سنت اور مندوب سب اس میں داخل ہوں گے۔ اور کبھی مستحب کا اطلاق فعل کے غیر یقینی طور پر مطلوب ہونے پر ہوتا ہے، اس اعتبار سے اس میں صرف سنت اور مندوب داخل ہوں گے (۲)۔

مستحب کا حکم:

۳- غیر حنفی اصولیین کی رائے ہے کہ مستحب کو انجام دینے والا قابل ستائش ہے، اس کو ثواب ملے گا، لیکن اس کے چھوڑنے والے کی مذمت نہیں ہوگی اور نہ اس کو کوئی سزا دی جائے گی (۳)۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ مستحب کا ترک جائز ہے، لیکن اگر اس ترک کے بارے میں غیر

(۱) جامع الزہد علی شرح المنار ص ۵۸۶ طبع اول۔

(۲) کشاف اصطلاحات الفنون (جب) ۲/۲۷۳، دستور العلماء ۲/۱۸۵۔

(۳) ارشاد لکھنؤ ص ۶، شرح جامع الجوامع ۱/۸۰، الکلیات ۱/۷۳۔

(۱) شرح جامع الجوامع ص ۹۰، ۹۱۔

(۲) کشاف اصطلاحات الفنون (جب) ۲/۲۷۳، کلیات ابو البقاء ۱/۷۳، ۱۰۸/۲، ۱۱/۵، ۹۶/۵، جامع الزہد علی شرح المنار ص ۵۸۶ طبع استنبول۔

(۳) کشاف اصطلاحات الفنون (جب) ۲/۲۷۳، جامع الزہد علی شرح جامع الجوامع ۱/۹۱۔

استحداد

تعریف:

۱- استحداد لغت میں ”حدیدہ“ سے ماخوذ ہے، کہا جاتا ہے: ”استحداد“ یعنی زیر ناف کے بال مونڈنا، اس کا استعمال کنایہ اور توریہ کے طور پر ہوتا ہے (۱)۔

اصطلاحی تعریف لغوی معنی سے الگ نہیں ہے، چنانچہ فقہاء نے اس کی تعریف یوں کی ہے کہ استحداد زیر ناف کا مونڈنا ہے، اس کو ”استحداد“ اس لئے کہتے ہیں کہ اس میں حدیدہ یعنی استرے کا استعمال ہوتا ہے (۲)۔

متعلقہ الفاظ:

الف- احداد:

۲- احداد: اَحَدًا کا مصدر ہے، اور ”احمداء المرأة علی زوجها“ کا معنی: عورت کا زینت چھوڑ دینا ہے، اس اعتبار سے استحداد، احداد کے خلاف ہے، ان دونوں میں کسی بھی اعتبار سے یکسانیت نہیں ہے۔

ب- تنویر:

۳- تنویر کا معنی بال صفا لگانا ہے، کہا جاتا ہے: قَنَوْرٌ: یعنی اس نے بال صاف کرنے کے لئے بال صفا لگایا، اور نورہ بال صفا پاؤں پر ہے جو

قطعی ممانعت آئے تو دیکھا جائے گا: اگر وہ مخصوص ہو مثلاً صحیحین کی اس حدیث میں ممانعت: ”إِذَا دَخَلَ أَحَدُكُمُ الْمَسْجِدَ فَلَا يَجْلِسُ حَتَّى يَصْلِيَ رَكْعَتَيْنِ“ (۱) (جب تم میں سے کوئی مسجد میں آئے تو نہ بیٹھے تا آنکہ دو رکعت پڑھ لے) تو مکروہ ہے، اور اگر ممانعت مخصوص نہ ہو، مثلاً عمومی طور پر مندوبات کے چھوڑنے کی ممانعت جو ان کے اوامر سے ماخوذ ہو، اس لئے کہ کسی چیز کا حکم دینا اس کے چھوڑنے سے منع کرنا ہے۔ لہذا یہ چھوڑنا خلاف اولیٰ ہوگا، مثلاً چاشت کی نماز کا ترک۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ کسی عام دلیل کے ذریعہ کسی کام کا مطالبہ کرنے سے کسی خاص دلیل کے ذریعہ مطالبہ کرنا زیادہ مؤکد ہوتا ہے۔

متقدمین مکروہ کا اطلاق مخصوص اور غیر مخصوص ممانعت والے پر کرتے ہیں، اور بسا اوقات اول کو مکروہ کراہۃ شدیدۃ (سخت مکروہ) کہتے ہیں، جیسا کہ مندوب کو سنت مؤکدہ کہا جاتا ہے (۲)۔ اور خفیہ صراحت کرتے ہیں کہ اگر کوئی چیز ان کے نزدیک مستحب یا مندوب ہے اور سنت نہیں، تو اس کا چھوڑنا مطلقاً مکروہ نہیں، اور نہ اس کا چھوڑنا بے ادبی ہے، لہذا اس کی وجہ سے آخرت میں عتاب نہیں ہوگا، مثلاً سنن زوائد کا چھوڑنا، بلکہ بے ادبی اور قائل عتاب نہ ہونے میں مستحب زیادہ بہتر ہے، اس لئے کہ عیشگی میں وہ سنت سے کم تر ہوتا ہے، اگرچہ اس کا کر لیا افضل ہے (۳)۔

استحباب کے بقیہ مباحث مثلاً مستحب کا مامور بہ ہونا، اور کیا شروع کر دینے سے لازم ہو جاتا ہے؟ اس کے لئے دیکھئے: ”اصولی ضمیمہ“۔

(۱) حدیث: ”إِذَا دَخَلَ أَحَدُكُمُ الْمَسْجِدَ فَلَا يَجْلِسُ حَتَّى يَصْلِيَ رَكْعَتَيْنِ“ کی روایت بخاری (فتح الباری ۳/۲۸ طبع استقبر) اور مسلم (۱/۲۹۵ طبع عیسیٰ الحلبي) نے کی ہے۔

(۲) شرح جمع الجوامع ۱/۸۱۔

(۳) کشاف اصطلاحات الفنون (سنن) ۳/۵۵۔

(۱) لسان العرب: مادہ (حدد) ۳/۱۳۱ طبع دار صادر۔

(۲) تحفۃ الاحوذی ۸/۳۳ طبع استقبر، مدینہ منورہ۔

پتھر جلا کر اور چونا ملا کر تیار کیا جاتا ہے، اور بال صاف کرنے کے کام میں آتا ہے (۱)۔

اس لحاظ سے استعمال میں تنور کے مقابلہ میں استحدا اور زیادہ عام ہے، اس لئے کہ استحدا جیسے استرا سے ہوتا ہے اسی طرح بال صفا پاؤں وغیرہ سے بھی ہوتا ہے۔

استحدا کا شرعی حکم:

۴- اس پر فقہاء کا اتفاق ہے کہ استحدا اور مردوں اور عورتوں دونوں کے لئے سنت ہے، البتہ صرف شافعیہ و مالکیہ نے صراحت کی ہے کہ عورت پر استحدا واجب ہو جاتا ہے اگر اس کا شوہر اس سے اس کا مطالبہ کرے (۲)۔

استحدا کی مشروعیت کی دلیل:

۵- استحدا کی مشروعیت کی دلیل سنت نبویہ ہے، چنانچہ حضرت سعید بن المسیب حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے حضور پاک ﷺ کا ارشاد نقل کرتے ہیں: ”الفطرة خمس، أو خمس من الفطرة: الختان والاستحدا، ونتف الإبط وتقليم الأظفار، وقص الشارب“ (۳) (سنت پانچ امور ہیں: ختنہ کرنا، زیر ناف کو صاف کرنا، بغل کے بال اکھاڑنا، ناخن تراشنا، اور مونچھ کترنا)۔ اور حضرت عائشہؓ کی روایت میں فرمان نبوی ہے: ”عشرة من الفطرة: قص الشارب، إعفاء اللحية، والسواك

والاستنشاق، وقص الأظفار، وغسل البراجم ونتف الإبط وحلق العانة وانتقاص الماء“ (دس چیزیں سنت میں داخل ہیں: مونچھ کترنا، ڈانٹھی بڑھانا، مسواک کرنا، ناک میں پانی ڈالنا، ناخن تراشنا، پوروں کو دھونا، بغل کے بال اکھاڑنا، زیر ناف کو صاف کرنا، پانی سے استنجاء کرنا (یا شرم گاہ پر وضو کے بعد تھوڑا سا پانی چھڑکنا)، زکریا (راوی) نے کہا: میں دسویں بات بھول گیا، شاید کلی کرنا ہو (۱)۔

استحدا کا طریقہ:

۶- استحدا کیسے ہو؟ اس سلسلہ میں فقہاء کا اختلاف ہے: حنفیہ نے کہا: مرد کے لئے بال کا مونڈنا، اور عورت کے لئے اکھاڑنا سنت ہے۔

مالکیہ نے کہا: مونڈنا مرد اور عورت دونوں کے لئے ہے، عورت کے لئے اکھاڑنا مکروہ ہے، اس لئے کہ یہ تمص (بال نوچنا) میں شمار ہوگا جو ممنوع ہے، اور یہی بعض شافعیہ کی بھی رائے ہے (۲)۔

جمہور شافعیہ نے کہا: جو ان عورت کے لئے اکھاڑنا، اور بوڑھی کے لئے مونڈنا ہے، یہ رائے ابن العربی کی طرف منسوب ہے (۳)۔ حنابلہ نے کہا: کسی بھی چیز سے صاف کرنے میں کوئی حرج نہیں، البتہ مونڈنا افضل ہے (۴)۔

(۱) اس حدیث کی روایت مسلم، احمد نسائی، ترمذی نے کی ہے اور امام ترمذی نے اس کو حسن کہا ہے (صحیح مسلم ۲۲۳/۱ طبع مجلس، سنن النسائی ۱۰۹/۸ طبع المجلس)۔

(۲) کلائیة الطالبي ۲/۳۵۳، فتح الباری ۱۰/۲۷۳ طبع عبد الرحمن محمد۔

(۳) فتح الباری ۱۰/۲۷۳۔

(۴) المغنی ۸/۶۱ طبع سعودیہ کشف القناع ۱/۶۵۔

(۱) لسان العرب: مادہ (نور) ۲۲۳/۵ طبع دار صادر، الصحاح: مادہ (نور)

۸۳۹/۲ طبع دار الکتاب العربی۔

(۲) المجموع للنووی ۲۸۹/۱ طبع المیزان، کلائیة الطالبي ۲/۳۵۳ طبع مصطفی المجلس۔

(۳) بخاری اور ترمذی نے اس کی روایت کی ہے۔

وقت استحداو:

۷- چالیس دن کے بعد تک اس کا چھوڑے رکھنا مکروہ ہے، جیسا کہ مسلم میں حضرت انس کی روایت ہے: ”وقت لنا فی قص الشارب وتقلیم الأظافر ونشف الإبط وحلق العانة ألا یترک اکثر من أربعین یوما“ (۱) (مونچھ کترنے، ناخن کاٹنے، بغل کے بال اکھاڑنے، اور زیر ناف کے بال مونڈنے کے لئے ہمارے واسطے وقت مقرر کیا گیا کہ ہم ان کو چالیس دن سے زائد نہ چھوڑیں)۔

اس سلسلہ میں ضابطہ حالات، افراد، زمانوں اور مقامات کے اعتبار سے مختلف ہے بشرطیکہ چالیس دن سے زیادہ نہ ہو۔ یہی معاد حدیث صحیح میں وارد ہے (۲)۔

استحداو کے لئے دوسرے سے مدد لینا:

۸- تمام فقہاء کے یہاں اصل یہ ہے کہ انسان کے لئے مرد ہو یا عورت اپنے ستر کا کسی اجنبی کے سامنے بلا ضرورت کھولنا حرام ہے، اس کی تفصیل کے لئے اصطلاح ”استتار“ اور ”عمورة“ دیکھئے۔ فقہاء نے اس شخص کے لئے جو زیر ناف بالوں کو استرے کے ذریعہ نہ مونڈ سکے یا پاؤں کے ذریعہ اس کو صاف نہ کر سکے زیر ناف کی صفائی کو ضرورت شمار کیا ہے (۳)۔

آداب استحداو:

۹- فقہاء نے آداب استحداو سے بحث استحداو، خصال فطرت، اور

(۱) فتح الباری ۱۰/۲۸۳، سنن ترمذی (تختہ الاحوذی ۸/۳۸)، مسلم ۱/۲۲۲ طبع عیسیٰ الجلیلی۔

(۲) تختہ الاحوذی ۸/۳۹، فتح الباری ۱۰/۲۸۳، کشاف القناع ۱/۶۵ طبع السنہ الحمدیہ النووی ۱/۲۸۹، ابن حابدین ۵/۲۶۱، الہندیہ ۵/۳۵۷، المغنی ۱/۸۷۷، کفایہ الطالب ۲/۳۵۳۔

(۳) البحر الرائق ۸/۲۱۹۔

ستر کے مباحث کے ضمن میں کی ہے، چنانچہ انہوں نے کہا ہے کہ زیر ناف کی صفائی میں ناف کے نیچے سے شروع کرے، نیز مستحب ہے کہ دائیں سے شروع کرے، پھر بائیں سے، اور یہ بھی مستحب ہے کہ پردہ کر لے، اور بال کو حمام یا پانی میں نہ ڈالے، اور صفائی کے بعد ناخن اور بال کو دفن کر دے (۱)۔

صاف کئے ہوئے بال کو دفن کرنا یا ضائع کرنا:

۱۰- فقہاء نے صراحت کی ہے کہ زیر ناف کے بال کو دفن کرنا مستحب ہے، اس لئے کہ خلال نے اپنی اسناد سے ممل بنت مشرہ شرح اشعریہ سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا: میں نے اپنے والد کو دیکھا وہ اپنے ناخن تراشتے تھے اور ان کو دفن کر دیتے تھے، اور کہتے تھے کہ ”رأیت النبی ﷺ یفعل ذلک“ (۲) (میں نے رسول اللہ ﷺ کو ایسا ہی کرتے ہوئے دیکھا ہے)۔ اور امام احمد سے دریافت کیا گیا کہ آدمی اپنے بال اور ناخن کو صاف کرنے کے بعد پھینک دے یا دفن کر دے؟ انہوں نے فرمایا: دفن کر دے، دریافت کیا گیا: کیا آپ کو اس سلسلہ میں کوئی حدیث پہنچی ہے؟ فرمایا: ابن عمر دفن کرتے تھے، اور روایت آئی ہے کہ: ”أن النبی ﷺ أمر بدفن الشعر والأظافر“ (حضور ﷺ نے بال اور ناخن کو دفن کرنے کا حکم دیا)۔ حافظ ابن حجر نے فرمایا: ہمارے اصحاب نے اس کے دفن کو مستحب کہا ہے کیونکہ یہ انسان کے اجزاء ہیں (۳)۔ اور یہ ابن عمر سے منقول ہے، اور تمام مذاہب میں متفق علیہ ہے۔

(۱) الفتاویٰ الہندیہ ۵/۳۵۸، المغنی ۱/۸۶، نور سہاۃ مراجع۔

(۲) حدیث ”رأیت النبی ﷺ“ کی روایت بخاری نے شعب الایمان میں کیا ہے اور اس کی اسناد بہت ضعیف ہے الاصل ابن حجر (۳/۳۲۱ طبع المہادیہ)۔

(۳) تختہ الاحوذی ۸/۳۹، کشاف القناع ۱/۶۵، المغنی ۱/۸۸، المجموع للنووی ۱/۲۸۹، ۲۹۰۔

کہ وہ اس کے قائل ہیں، اور بعض نے کہا ہے: امام مالک کے مذہب کا ظاہر استحسان کا قائل ہونا ہے، لیکن سابقہ مفہوم میں نہیں، بلکہ اس مفہوم میں جس کا حاصل قیاس کلی کے مقابلہ میں جزوی مصلحت کا استعمال کرنا ہے، اس لئے وہ مصالح مرسلہ کو قیاس پر مقدم کرتے ہیں۔

حنابلہ سے بھی منقول ہے کہ وہ اس کے قائل ہیں۔

تحقیق یہ ہے کہ یہ اختلاف لفظی ہے، اس لئے کہ اگر استحسان کا مفہوم اس بات کا قائل ہونا ہے جس کو انسان بلا دلیل اچھا سمجھے اور اس کی رغبت و خواہش کرے تو یہ باطل ہے، اس کا کوئی قائل نہیں، اور اگر اس کا معنی یہ ہے ایک دلیل کو چھوڑ کر اس سے زیادہ قوی دلیل کو اختیار کرنا تو اس کا کوئی منکر نہیں (۱)۔

استحسان کی اقسام:

جس دلیل سے استحسان ثابت ہوتا ہے اس کے اعتبار سے استحسان کی چار اقسام ہیں:

اول: استحسان اثر یا حدیث:

۳- وہ یہ ہے کہ سنت نبویہ میں کسی مسئلہ کا ایسا حکم آئے جو اس جیسے مسائل میں شریعت کے معروف قاعدہ کے خلاف ہو، اس اختلاف کی وجہ شارع کے پیش نظر کوئی حکمت ہوتی ہے، مثلاً بیع سلم جس کو سنت نے حاجت کے پیش نظر جائز قرار دیا ہے، حالانکہ یہ اس اصل حکم کے خلاف ہے جو انسان کو غیر موجود چیز کی بیع کے بارے میں دیا گیا ہے، اور وہ اس کا ممنوع ہونا ہے۔

استحسان

تعریف:

۱- استحسان لغت میں: کسی چیز کو اچھا سمجھنا ہے (۱)، اس کی ضد استقباح (برا سمجھنا) ہے۔ اور علم اصول فقہ میں بعض حنفیہ نے اس کی تعریف یوں کی ہے کہ استحسان اس دلیل کا نام ہے جو قیاس جلی کے مقابلہ میں جوئیں یا اجماع یا ضرورت کے ذریعہ ہوتا ہے، یا قیاس خفی کو کہتے ہیں۔

اسی طرح حنفیہ کے یہاں (کتاب الکراہیۃ والاستحسان میں) ”مسائل حسان“ کے استخراج پر بھی اس کا اطلاق ہوتا ہے، لہذا یہ استعمال بمعنی انعال ہے جیسا کہ استخراج بھی بمعنی اخراج ہے۔ نجم الدین نسبی نے کہا ہے: ایسا لگتا ہے کہ یہاں استحسان سے مراد مسائل کی تحسین اور دلائل کی توثیق ہے (۲)۔

اصولیین کے یہاں استحسان کا حجت ہونا:

۲- استحسان کے قائل قبول ہونے میں اصولیین کا اختلاف ہے، چنانچہ حنفیہ کے یہاں مقبول اور شافعیہ و جمہور اصولیین کے یہاں غیر مقبول ہے۔

رہے مالکیہ تو امام الحرمین نے امام مالک کی طرف منسوب کیا ہے

(۱) تاج العروس: مادہ (حسن)۔

(۲) إقناعہ لأئوار بجمیۃ مسات لا سوار ص ۱۵۵ طبع بول، طلبۃ العلم ص ۸۹ طبع اول، رد المحتار ص ۲۱۳ طبع اول۔

(۱) ارتداد الخول ص ۲۳۰ طبع مصطفیٰ الحلبي، البحر المحیط للورکشی، مخطوطہ پیرس، ورقہ: (۳۳۳ ب)، المستملی ص ۲۷۳ طبع بلاق، شرح المعتمد المختصر ابن الحاج ۲۸۸/۲ طبع اول۔

استحسان ۴-۶

دوم: استحسان اجماع:

۴- وہ یہ ہے کہ قاعدہ کے مقتضی کے خلاف کسی مسئلہ پر اجماع ہو جائے جیسے عقد استصناع (آرڈر دے کر کسی چیز کو بنوانے کا معاملہ) کا صحیح ہونا، یہ بھی دراصل غیر موجودگی بیع ہے جو ناجائز ہے، لیکن عمومی حاجت کے پیش نظر استحساناً اس کو اجماع کی بنیاد پر جائز قرار دیا گیا ہے۔

سوم: استحسان ضرورت:

۵- وہ یہ ہے کہ مجتہد قاعدہ کے حکم کی خلاف ورزی کسی ایسی ضرورت کے پیش نظر کرے جس کا مقصد کسی مصلحت کا حاصل کرنا یا کسی مفسدہ کو دور کرنا ہو، اور یہ اس صورت میں ہوتا ہے جب قیاسی حکم کو عام رکھنے میں بعض مسائل کے اندر پریشانی اور دشواری پیدا ہو جائے، مثلاً کنویں اور حوض کو پاک کرنا، اس لئے کہ قیاس کا تقاضا ہے کہ جب تک ان پر پانی بہہ نہ جائے پاک نہ ہوں، اور اس میں سخت پریشانی ہے۔

چہارم: استحسان قیاسی:

۶- وہ یہ ہے کہ کسی ظاہر اور متبادر قیاس کے حکم کو چھوڑ کر اس کے مخالف حکم کو اختیار کیا جائے، اور اس کی وجہ دوسرا قیاس ہو جو پہلے قیاس کے مقابلہ میں دقیق اور خفی ہو، لیکن دلیل کے اعتبار سے مضبوط تر اور نظر و فکر کے لحاظ سے زیادہ درست ہو، تو یہ بھی حقیقت میں قیاس ہی ہے، لیکن اس کو استحسان یعنی قیاس مستحسن اس لئے کہا گیا تاکہ دونوں میں فرق رہے۔ اس کی مثال شکاری پرندوں کے جوٹھے کے بارے میں حکم لگانا ہے، اس میں قیاس یہ ہے کہ چوپائے درندوں مثلاً شیر اور چیتا کے جوٹھے کی نجاست پر قیاس کرتے ہوئے ان کا جوٹھا بھی نجس ہو، اس لئے کہ جوٹھے میں گوشت کا اعتبار کیا جاتا ہے، اور

ان کا گوشت ناپاک ہے، اور استحسان یہ ہے کہ آدمی کے جوٹھے کی طہارت پر قیاس کرتے ہوئے ان کا جوٹھا پاک ہو، اس لئے کہ ان کا جو حصہ پانی سے ملتا ہے پاک ہے۔ اور قیاس دوم ہی کو ترجیح دینے کی وجہ یہ ہے کہ قیاس اول کے حکم میں جو چیز مؤثر ہے وہ کمزور ہے، اور وہ درندے چوپایوں کے جوٹھے میں پانی سے ناپاک لعاب کا ملنا ہے، اور یہ معنی شکاری پرندوں میں نہیں پایا جاتا ہے، اس لئے کہ وہ اپنی چونچ سے پیتے ہیں، اور چونچ پاک اور خشک ہڈی ہوتی ہے، اس میں لعاب نہیں ہوتا، لہذا اس میں نجاست کی علت نہیں رہی، اس لئے ان کا جوٹھا آدمی کے جوٹھے کی طرح پاک ہے، البتہ مکروہ ہے، اس لئے کہ یہ مردار سے احتیاط نہیں کرتے، لہذا یہ آزاد مرغی کی طرح ہوں گے (۱)۔

استحسان کی قوت اور دوسرے قیاس کے مقابلہ میں اس کی ترجیح کے اعتبار سے اس کی دوسری اقسام اور اس کے بقیہ مباحث کے لئے دیکھئے: ”اصولی ضخیمہ“۔

(۱) إفتاحہ لأنوار بحامیۃ نسائ لا سحار ص ۱۵۵ طبع اول، الوسوط للشرح ص ۱۰/۱۲ طبع اول، تقریر و تقریر لاہن امیر الحاج ۳۲۲ طبع بلاق۔

استحقاق ۱-۴

متعلقہ الفاظ:

تملک:

۲- تملک: نئی ملکیت کا ثبوت ہے خواہ ایک مالک سے نئے مالک کی طرف منتقل ہونے کی وجہ سے ہو یا کسی مباح چیز پر قبضہ کے ذریعہ ہو اور استحقاق: غیر مالک سے حق کو نکال کر مالک کے حوالے کرنا ہے، لہذا استحقاق اور تملک میں فرق ہے، اس لئے کہ تملک میں مالک کی اجازت اور رضایا ملکیت سے نکلنے کے لئے حاکم کے فیصلہ کی ضرورت ہوتی ہے، جب کہ استحقاق میں حق اپنے مالک کی طرف لوٹ آتا ہے، اگرچہ دوسرا راضی نہ ہو۔

استحقاق کا حکم:

۳- استحقاق (بمعنی طلب) میں اصل جواز ہے، اور کبھی واجب ہو جاتا ہے جب کہ اس کے اسباب موجود ہوں، اور اس کو طلب نہ کرنے کی صورت میں حرام کا ارتکاب لازم آئے، مالکیہ نے اس کی صراحت کی ہے، دوسرے مذاہب کے قواعد بھی اس کے خلاف نہیں ہیں (۱)۔

استحقاق کا اثبات:

۴- عام فقہاء کے نزدیک استحقاق ”بینہ“ (ثبوت) کے ذریعہ ثابت ہوتا ہے، اور حقوق کے اعتبار سے ”بینہ“ الگ الگ ہوتا ہے، اور ایک ہی حق میں بعض ”بینہ“ کے سلسلہ میں مذاہب میں اختلاف ہے، اسی طرح استحقاق کا ثبوت: مستحق کے لئے خریدار کے اقرار کرنے سے ہوتا ہے یا استحقاق سے ناواقفیت کی قسم کھانے سے گریز کرنے کی وجہ

(۱) الخطاب ۵/۲۹۵، حاشیہ البزازی ۱/۲۸۳، الحاشیہ فی غلیل علی غلیل ۱/۵۷، المشرح الصغیر ۳/۶۱۳، اشروانی علی التھمہ ۱۰/۳۳۶، المغنی ۹/۸۲، الفتاویٰ الہندیہ ۱۲۳/۴۔

استحقاق

تعریف:

۱- استحقاق لغت میں یا تو حق کا ثبوت و وجوب ہے اور اسی سے فرمان باری ہے: ”فَإِنْ غُثِرَ عَلَىٰ أَنَّهُمَا اسْتَحَقَّا إِثْمًا“ (۱) (پھر اگر خبر ہو جائے کہ وہ دونوں (وصی) حق بات دبا گئے) یعنی ان دونوں پر سزا ثابت ہو جائے۔ یا اس کا معنی ہے: حق کا مطالبہ کرنا (۲)۔

اصطلاحاً حنفیہ کے نزدیک اس کی تعریف یہ ہے کہ یہ ظاہر ہو جائے کہ فلاں شی کسی دوسرے کا واجب حق ہے (۳)۔ اور مالکیہ میں سے ابن عرفہ نے اس کی تعریف یوں کی ہے کہ سابقہ ملکیت کے ثبوت کی وجہ سے کسی چیز سے ملکیت کو بلا معاوضہ اٹھا دینا (۴)۔

شافعیہ اور حنابلہ اس کو لغوی معنی میں استعمال کرتے ہیں، ان دونوں کے یہاں ہمیں استحقاق کی تعریف نہیں ملی۔ البتہ ان کے کلام کے تتبع سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ اس کو اصطلاحی معنی میں استعمال کرتے ہیں اور اس میں وہ لغوی معنی سے باہر نہیں جاتے (۵)۔

(۱) سورہ مائدہ ۱۰۷۔
(۲) المصطلح علی ابواب الفقہ ص ۲۷۵، لسان العرب، المصباح مادہ (حق) قدرے تصرف کے ساتھ۔
(۳) ابن عابدین ۱/۱۹۱۔
(۴) حاشیہ البزازی ۱/۵۸، المشرح الصغیر ۲/۲۶۶، الحاشیہ علی غلیل مع حاشیہ الصدوق ۶/۵۰، المباحث کردہ دارصادر، الخطاب ۵/۲۹۳، ۲۹۵، المباحث کردہ لیبیا، جوہر الاکلیل ۲/۵۳، المباحث کردہ دارصادر۔
(۵) قلیوبی و عمیرہ ۳/۱۹۵، المغنی ۲/۵۹۷۔

استحقاق ۵-۷

ہیں: فعل اور سکوت۔

فعل کی مثال یہ ہے کہ جس چیز پر دعویٰ ہے اس کو اس کے قابض کے پاس سے خریدے، اور خریداری سے قبل خفیہ طور پر کسی کو کوہ نہ بنائے کہ میں یہ سامان محض اس اندیشہ سے خرید رہا ہوں کہ یہ مجھ سے اس سامان کو غائب کر دے گا، پھر جب میں ثابت کر دوں گا تو اس سے قیمت واپس لے لوں گا (تو یہ خریداری مانع استحقاق ہوگی) اور اگر خریدتے وقت اس کا خیال تھا کہ اس کے پاس کوہ نہیں ہیں، پھر کوہ مل گئے تو وہ مطالبہ کر سکتا ہے۔

سکوت کی مثال یہ ہے کہ مدت قبضہ میں کسی مانع کے بغیر مطالبہ ترک کر دے (۱)۔

بقیہ فقہاء کے یہاں موانع استحقاق کا ذکر صراحتاً نہیں، لیکن ان کے قواعد مانع اول (فعل) کے خلاف نہیں ہیں (۲)، رہا قبضہ کی مدت کے دوران سکوت اور اس کی وجہ سے استحقاق کا باطل ہونا تو ہمارے علم میں ان کے علاوہ بجز خفیہ، کسی نے اس کی صراحت نہیں کی ہے، البتہ خفیہ کے یہاں اس کی مدت میں تفصیل ہے، نیز ان حقوق کے بارے میں بھی جو اس کی وجہ سے ساقط ہوتے ہیں یا نہیں ہوتے، خفیہ اس کا ذکر ”کتاب الدعویٰ“ میں کرتے ہیں (۳)۔

استحقاق کے فیصلہ کی شرائط:

۷- مالکیہ نے استحقاق کے فیصلہ کی تین شرطیں شمار کرائی ہیں، جن میں سے دو میں بعض دوسرے فقہاء بھی ان کے ہم خیال ہیں:

شرط اول: قابض کو اس کے ثبوت کی تردید کا موقع دینا، اگر

سے ہوتا ہے (۱)۔

یہ حکم فی الجملہ ہے اور اس کی تفصیل فقہاء ”بینات“ میں ذکر کرتے ہیں۔

وہ چیز جس سے استحقاق ظاہر ہوتا ہے؟

۵- مالکیہ نے لکھا ہے کہ استحقاق (یعنی ثبوت حق) کا سبب یہ ہے کہ اس بات پر بینہ قائم ہو کہ جس شیء پر استحقاق ثابت ہو رہا ہے وہ مدعی کی ملکیت ہے، اور اس چیز کا یا اس کے کسی جزء کا اب تک اس کی ملکیت سے نکلتا ان کے علم میں نہیں ہے، بقیہ فقہاء اس کے خلاف نہیں ہیں، لہذا بینہ غیر قابض کے لئے حق واجب کے اظہار کا سبب ہے، اور بینہ قائم کرنا ضروری ہے تاکہ استحقاق ظاہر ہو سکے، اس لئے کہ ثبوت شہادت سے مقدم سبب کی وجہ سے تھا (۲)۔

جس شیء پر حق نکل رہا ہے اس پر دعویٰ کرنے کا سبب عینہ وہی ہے جو اس شیء پر ملکیت کا سبب ہے خواہ وراثت ہو یا خریداری، یا وصیت یا وقف یا بیہ یا اس کے علاوہ ملکیت کا کوئی سبب ہو، کیا استحقاق کے دعویٰ میں، ہر ہر دعویٰ میں استحقاق کے سبب اور شرائط کا بیان ضروری ہے؟ یا صرف بعض دعویٰ میں ضروری ہے مثلاً مال، نکاح وغیرہ؟ اس سلسلہ میں فقہاء کے یہاں تفصیل اور اختلاف ہے، اس کی تفصیل کی جگہ اصطلاح ”دعویٰ“ ہے (۳)۔

موانع استحقاق:

۶- موانع استحقاق جیسا کہ مالکیہ نے صراحت کی ہے دو طرح کے

(۱) الفتاویٰ الہندیہ ۳۴/۱۳۳، شرح الروض ۲/۳۲۳، طبع المیسریہ، کشاف القناع ۳۴/۱۳۱ طبع انصار السنہ۔

(۲) جامع البزازی ۶/۱۵۷، معین الحکام ۹/۷۷، البحر علی الخیاب ۳۴/۳۳۵۔

(۳) ابن ماجہ ۳۴/۱۹۳، الفتاویٰ الہندیہ ۳۴/۱۳۱، الاشباہ والنظائر للسیوطی ۳/۳۵۵ طبع التجاریہ، نہایت المحتاج ۸/۳۲۲، ۳۲۳۔

(۱) الخطاب ۵/۲۹۶، اشرح المغیر ۳/۶۱۳ طبع دار المعارف۔

(۲) الفتاویٰ الہندیہ ۳۴/۱۲۲، أدب القضاء لابن ابی الدم ۳/۱۷۳، مطالب اولی النہی ۶/۶۷۲۔

(۳) ابن ماجہ ۳۴/۳۲۲، ۳۲۳۔

استحقاق ۸-۹

بیج میں استحقاق:

خریدار کو خرید کردہ شی کے استحقاق کا علم ہونا:

۸۔ جس چیز میں دوسرے کا حق ہے استحقاق کو جانتے ہوئے اسے خریدنا حرام ہے، پھر اگر خرید فرمخت خریدار کے اس بات کو جاننے کے باوجود ہوتی ہے کہ اس میں کسی کا حق ہے تو خریدار کو حق ہے کہ استحقاق کے وقت فرمخت کرنے والے سے قیمت کو واپس لے لے، اگر استحقاق بینہ سے ثابت ہو، اور اگر استحقاق کا ثبوت خریدار کے اقرار کی وجہ سے ہو یا استحقاق کی قسم کھانے سے انکار کی وجہ سے ہو، تو جمہور فقہاء کے یہاں قیمت واپس نہیں لے گا، یہ مالکیہ کے یہاں خلاف مشہور قول ہے، ان کا مشہور قول یہ ہے کہ واپس لے گا (۱)۔

اس مسئلہ میں حسب ذیل تفصیل ہے:

پوری بیع کا استحقاق:

۹۔ اگر پوری بیع کا کوئی مستحق نکل آئے تو شافعیہ و حنابلہ کے نزدیک بیع باطل ہے، اور یہی حنفیہ کا قول ہے، اگر استحقاق ملکیت کو باطل کرنے والا ہو یعنی اس استحقاق کا تعلق ایسی چیز سے ہو جو ملکیت کے منتقل ہونے کے لائق نہ ہو اور مذہب مالکیہ کی فروعات سے یہی سمجھ میں آتا ہے۔

اور اگر استحقاق ملیت کو منتقل کرنے والا ہو یعنی اس استحقاق کا تعلق ایسی چیز سے ہو جس کا مالک بنا جاسکتا ہو تو عقد حق دار کی اجازت پر موقوف ہوگا، اگر وہ اجازت دے دے تو مانڈ ہو جائے گا

تقابل سے ایسی چیز کا دعوے دار ہو جس سے دعویٰ ختم ہو جاتا ہے تو تقاضی اپنی صوابدید کے مطابق اس کو اپنی بات ثابت کرنے کے لئے مہلت دے، حنفیہ و مالکیہ نے اس شرط کی صراحت کی ہے، اور دوسرے فقہاء نے ”بینات“ میں اس کی طرف اشارہ کیا ہے (۱)۔

شرط دوم: یحییٰ بن اسحاق (اس کو یحییٰ استظہار بھی کہتے ہیں)، اس کے لازم ہونے کے بارے میں مالکیہ کے یہاں تین آراء ہیں: سب سے مشہور رائے یہ ہے کہ یہ تمام چیزوں میں ضروری ہے، یہ ابن قاسم، ابن وہب اور ابن بھون کا قول ہے، اور یہی ابو یوسف کا قول اور حنفیہ کے یہاں مفتی بہ ہے۔ اور حنفیہ کا طریقہ جیسا کہ خطاب اور جامع المصولین وغیرہ میں ہے، یہ ہے کہ مستحق اللہ کی قسم کھا کر کہے کہ نہ اس نے اس چیز کو بیچا ہے، نہ بہہ کیا ہے، نہ ضائع کیا ہے، اور نہ اب تک کسی طرح سے اس کی ملکیت سے نکلی ہے (۲)۔

شرط سوم: جس کے قائل صرف مالکیہ ہیں کہ استحقاق والے سامان پر کوئی قائم کرنا اگر ممکن ہو، یہ منقولہ چیز کے بارے میں ہے، ورنہ قبضہ پر کواہ بننا، اور یہ عقار (غیر منقولہ) کے بارے میں ہے۔ اور اس کی صورت یہ ہے کہ تاقضی دو عادل آدمیوں کو اور ایک قول ہے کہ ایک عادل آدمی کو ان کو انہوں کے ساتھ بھیجے جنہوں نے ملکیت کی کو اسی دی ہے، اگر مثلاً گھر ہو تو وہ کواہ ان دونوں سے کہیں گے کہ یہی وہ گھر ہے جس کے بارے میں ہم نے تاقضی کے پاس کو اسی دی ہے جس کا اندراج اوپر ہوا ہے (۳)۔

(۱) الفروق ۲۳۲/۳ طبع الهندیه، الفتاویٰ الہندیہ ۳۸۳، جامع المقصولین ۲۱۸/۵، شرح المروض ۲/۱۰، ۳۲۹، شرح غنی الارادات ۲/۱۳، ۲۱۸، سماع کردہ انصار السنۃ الحمدیہ، المرقاتی علی خلیل ۵/۳، الفتاویٰ البر ازیہ ۵/۳۳۳، ۳۳۶، ۳۳۰، الخطاب ۵/۷، ۳۰، المرقاتی علی الخ ۶/۵۲، سماع کردہ دارصادر، الجمل علی التبع ۳۸۰، ۵۰۸، حاشیۃ الدبوسی علی الشرح المکبیر ۳۰/۷، ۳۰/۷، ۳۰/۷.

(۱) البیانی علی الترتیب فی ۱/ ۵۸، معین الحکام ص ۷۳، تبصرة الحکام مع فتح العالی المائک ۱/ ۱۳۔

(۲) جامع الفصولین ۲/ ۱۵۶، الخطاب ۵/ ۲۹۵۔

(۳) الخطب ۵/ ۴۹۵، ابن ماجہ ۴۳۴۰

استحقاق ۱۰-۱۱

ورنہ فسخ ہوگا، یہ حنفیہ کے یہاں ہے، استحقاق کی وجہ سے فسخ ہونے کے سلسلہ میں حنفیہ کے یہاں تین اقوال ہیں۔ صحیح یہ ہے کہ جب تک خریدار فروخت کرنے والے سے قیمت واپس نہ لے لے، عقد فسخ نہیں ہوگا، ایک قول یہ ہے کہ فیصلہ ہونے ہی سے فسخ ہو جائے گا، تیسرا قول یہ ہے کہ جب مستحق قبضہ کر لے تب فسخ ہوگا (۱)۔

قیمت کا واپس لینا:

۱۰- اس بارے میں فقہاء کا اختلاف ہے کہ فسخ کے وقت خریدار فروخت کرنے والے سے قیمت واپس لے گا یا نہیں، جب استحقاق کی وجہ سے بیع باطل ہو جائے، اس مسئلہ میں ان کی دو آراء ہیں:

اول: خریدار فروخت کرنے والے سے علی الاطلاق قیمت واپس لے گا، خواہ استحقاق بینہ سے ثابت ہو یا اقرار سے، یا نکول (قسم کھانے سے انکار) سے، یہ حنابلہ کا قول ہے، اور یہی حنفیہ و شافعیہ کا قول ہے اگر استحقاق بینہ سے ثابت ہو۔

مالکیہ نے کہا ہے: اگر خریدار کو فروخت کرنے والے کی ملکیت کے درست ہونے یا نہ ہونے کا علم نہ رہا ہو تو واپس لے گا، اور اسی طرح اگر بائع کی عدم ملکیت کا علم ہو تو مشہور قول کے مطابق (قیمت واپس لے گا) اس لئے کہ بائع نے ایسی چیز فروخت کر کے ظلم کیا جو اس کی ملکیت میں نہیں تھی، کیونکہ اس نے غیر مملوکہ چیز کو بیچ دیا ہے، لہذا اس پر بوجھڈ النازیادہ مناسب ہے (۲)۔

(۱) الخرشبی ۱/۱۵۶، الخطاب والتاج والاکلیل ۳/۲۶۱ طبع لیبیا، المہذب ۱/۲۸۸ طبع عینی الحلبي، مغنی لابن قدامہ ۳/۵۹۸ طبع الریاض، ابن حابدین ۳/۱۹۱، ۳/۳۸۳ شرح تہذیب الارادات ۲/۱۷۲، قواعد ابن رجب ۳/۳۸۳۔

(۲) المغنی ۳/۵۹۸، ابن حابدین ۳/۱۹۳، جامع الفصولین ۲/۱۵۱، نہایۃ المحتاج ۵/۳۲۵ طبع مصطفی الحلبي، شرح الروض ۲/۳۲۹، ۳/۳۵۰، ۳/۳۱۳ طبع البیہ، الشروانی علی التہذیب ۱/۳۳۶، المہذب ۱/۲۸۸، الترغاتی علی فہم ۵/۳۰۷۔

دوم: خریدار بیچنے والے سے قیمت واپس نہیں لے گا اگر خریدار خرید کردہ شئی کے استحقاق کا اقرار کرے یا قسم سے انکار کرے، یہ حنفیہ و شافعیہ کا قول ہے، شافعیہ نے اس کی علت یہ بتائی ہے کہ خریدار نے شراء کے باوجود استحقاق کا اعتراف کر کے یا حلف سے انکار کر کے کوتاہی کی ہے۔

یہ مالکیہ میں سے ابن قاسم کا قول ہے، اگر خریدار اقرار کرے کہ کل خرید کردہ شئی مکمل طور پر فروخت کنندہ کی ہے۔ اور اشہب وغیرہ نے کہا: اس کا اقرار رجوع سے مانع نہیں (۱)۔

بیع کے بعض حصے کا استحقاق:

۱۱- اگر پوری بیع کے بجائے اس کے بعض حصہ میں استحقاق نکل آئے تو بھی فقہاء کے یہاں حسب ذیل مختلف اقوال ہیں:

الف۔ پوری بیع میں بیع باطل ہو جائے گی خواہ خرید کردہ شئی ذوات التیم میں سے ہو یا ذوات الامثال میں سے، یہ حنابلہ کے یہاں ایک روایت ہے، اور شافعیہ کا ایک قول ہے، امام شافعی نے ”لام“ میں اسی پر اکتفا کیا ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ اس عقد میں دو چیزیں جمع ہو گئی ہیں: حرام یعنی دوسرے کا حق اور حلال یعنی بقیہ، لہذا کل کی بیع باطل ہو جائے گی۔

یہ مالکیہ کا بھی قول ہے اگر اکثر حصہ میں حق نکل آئے (۲)۔
ب۔ خریدار کو یہ اختیار ہے کہ بیع کو فسخ کر کے بیع لوٹا دے، یا باقی حصہ کو روک لے اور جتنی مقدار کا حق نکلا ہے اس کے حصہ کے مطابق شمن واپس لے لے، یہ حنابلہ کے یہاں دوسری روایت ہے۔

(۱) جامع الفصولین ۲/۱۵۱، شرح الروض ۲/۳۲۹، ۳/۳۵۰، الترغاتی علی فہم ۵/۳۰۷، الخطاب ۵/۳۰۷، الفتاویٰ المیزان ۵/۳۲۰۔
(۲) لام ۳/۲۲۲، المجموع ۱۰/۳۶۷، ۱۲/۲۱۹، الجمل ۳/۳۳۳، الدرر النوری ۳/۱۳۵ طبع دار الفکر المغنی ۳/۵۹۸، الانصاف ۱/۲۹۰ طبع اول۔

استحقاق ۱۲-۱۳

اگر جزء معین کا حق نکلے، اور وہ ذوات القیم میں سے ہو مثلاً سامان اور جانور، تو حق کے بقدر بازار کی قیمت کے مطابق واپس لے گا نہ کہ عقد میں مقررہ قیمت کے مطابق۔
اگر سامان کے اکثر حصہ میں استحقاق نکل آئے تو باقی کو لوٹا نامتعیین ہے، اور اقل کو روک لیا جائز نہیں۔

اگر جزء معین مثلی ہو تو پھر اگر اقل میں استحقاق نکلے تو اس کے حصہ کے بقدر قیمت واپس لے گا، اور اگر اکثر میں استحقاق نکلے تو اس کو اختیار ہے کہ روک لے اور اس کے حصہ کے بقدر قیمت واپس لے لے یا بیع کو واپس کر دے (۱)۔

۱۲- رجوع کا طریقہ یہ ہے کہ استحقاق کے دن پوری بیع کی قیمت دیکھی جائے گی، اور خریدار فروخت کنندہ سے اپنی ادا کردہ قیمت بازار کی قیمت کے تناسب سے واپس لے، مثلاً اگر کہا جائے کہ مکمل فروخت کردہ سامان کی قیمت ایک ہزار ہے، اور استحقاق والے حصے کی دوسو، اور باقی کی قیمت آٹھ سو ہے، تو طے شدہ قیمت کا پانچواں حصہ اس سے واپس لے گا (۲)۔

قیمت کا استحقاق:

۱۳- اکثر فقہاء کے نزدیک اگر معین قیمت میں استحقاق نکل آئے تو بیع باطل ہے، البتہ حنابلہ کی ایک ضعیف روایت اس کے خلاف ہے، حنفیہ و مالکیہ نے کہا ہے: فروخت کرنے والا اصل فروخت کئے ہوئے سامان کو واپس لے گا اگر باقی ہو، ورنہ اس کی قیمت کو واپس لے گا اگر وہ ختم ہو چکا ہو، اور جس چیز میں حق ثابت ہوا ہے اس کی قیمت نہیں لے گا، البتہ بعض شافعیہ نے یہ قید لگائی ہے کہ تعین عقد میں

اختیار دینا حنفیہ کا بھی قول ہے، اگر خرید کردہ شی میں قبضہ سے قبل حق نکل آئے خواہ اس استحقاق کی وجہ سے باقی میں عیب پیدا ہو یا نہ ہو، کیونکہ مکمل ہونے سے قبل یہ معاملہ دو حصوں میں ہو گیا، اسی طرح اگر بعض میں استحقاق قبضہ کے بعد نکلے اور بقیہ میں عیب پیدا کر دے (۱)۔

ج- حق کے بقدر حصے میں بیع باطل اور باقی میں صحیح ہے، یہ شافعیہ کا دوسرا قول ہے، اور یہی حنفیہ کا بھی قول ہے اگر کل پر قبضہ کے بعد بعض میں استحقاق ہو، اور اس استحقاق کی وجہ سے باقی میں عیب پیدا نہ ہو، مثلاً دو کپڑے تھے ان میں سے ایک میں کسی کا حق نکل گیا، یا کیلی یا وزنی چیز تھی بعض میں حق نکل آیا، اور یہی حکم ہر اس چیز کا ہے جس میں دو حصے کرنا نقصان دہ نہ ہو (۲)۔

مالکیہ نے معین اور غیر معین میں استحقاق کے درمیان، اور حق کے تہائی یا تہائی سے کم ہونے کے درمیان فرق کیا ہے۔
بنانی نے کہا ہے: بعض کے استحقاق کا حاصل یہ کہا جاسکتا ہے کہ وہ یا تو غیر معین ہو گا یا معین۔

اگر غیر معین ہو اور اس چیز میں سے ہو جو قابل تقسیم نہیں ہو اور آمدنی والی جائیدادوں میں سے نہ ہو تو مشتری کو اختیار ہے کہ سامان کو رکھ لے، اور قیمت میں سے حق کے بقدر واپس لے لے، یا بیع کو لوٹا دے اس لئے کہ شرکت کی وجہ سے ضرر ہے، خواہ کم میں حق نکلا ہو یا اکثر میں۔ اگر وہ غیر معین اس چیز میں سے ہو جو قابل تقسیم ہو یا اس کو آمدنی کا ذریعہ بنایا گیا ہو تو ثلث کے استحقاق کی صورت میں خریدار کو اختیار دیا جائے گا، اور اس سے کم کے استحقاق کی صورت میں خریدار کے لئے اپنے پاس روکنا واجب ہے۔

(۱) ابن ماجہ ۲۰۱۳، الفتاویٰ البرازیلیہ ۳۳۹/۵

(۲) ابن ماجہ ۲۰۱۳، فتح القدیر ۵۳۳/۵ طبع بلاق، فتح العزیز ۳۶۷/۱۰، المجموع ۲۱۹/۱۲، الجمل ۹۳/۳۔

(۱) البانی علی المرتضیٰ ۱۶۶/۶

(۲) الدسوقی علی لشرح الکبیر ۳۶۹/۳، الخرش ۱۵۹/۶، المرتضیٰ ۱۶۲/۵، ۱۶۶/۶

استحقاق ۱۴

ہو عقد کے بعد نہیں (تو یہ حکم ہے)، اور اگر قیمت مضمین نہ ہو تو اس میں استحقاق کی وجہ سے بیع فاسد نہیں ہوتی، اور اس کی قیمت واپس لے گا اگر ذوات القیم میں سے ہو، اور اس کا مثل لے گا اگر وہ مثلی ہو، البتہ یہ پیش نظر رہنا ضروری ہے کہ کون سی چیز مضمین کرنے سے مضمین ہو جاتی ہے اور کون نہیں، اس مسئلہ میں فقہاء کا اختلاف ہے (۱)۔

جس بیع میں استحقاق نکلا ہے اس میں اضافہ:

۱۴۔ جس بیع میں استحقاق ثابت ہو اس میں اگر اضافہ ہو جائے تو فقہاء کے درمیان مندرجہ ذیل اختلاف و تفصیل ہے:

حنفیہ کے نزدیک اگر اضافہ جدا اور پیدا شدہ ہو، مثلاً بچہ اور پھل، اور استحقاق کا ثبوت بینہ سے ہو تو یہ اضافہ حق دار کا ہے، البتہ کیا اضافہ کا مستقل الگ سے فیصلہ ضروری ہے یا اصل کا فیصلہ کافی ہے یہ مختلف فیہ ہے؟ اور اس میں دو آراء ہیں:

اور اگر اضافہ متصل ہو اور پیدا شدہ نہ ہو مثلاً مکان بنانا اور پودا لگانا، اور اصل میں استحقاق نکل آیا تو حق دار کو اختیار ہے کہ اس اضافہ کو اکھاڑے ہوئے ہونے کی حالت میں اس کی قیمت سے لے لے یا جس سے لیا ہے اس کو اس اضافہ کے اکھاڑنے کا حکم دے، اور اس کو زمین کے نقصان کا ضامن بنائے، اور یہ دوسرا شخص بائع سے شمن واپس لے گا۔ اور اگر اضافہ متصل اور پیدا شدہ ہو مثلاً موٹا پا، اور اصل میں استحقاق نکل آیا تو یہ اضافہ حق دار کا ہوگا، اور ”حامد“ میں ہے کہ خریدار فر وخت کنندہ سے اضافہ کو واپس لے سکتا ہے، اس طور پر کہ اضافہ سے پہلے اور اضافہ کے بعد اس سامان کی قیمت لگائی جائے، اور جو فرق نکلے اس کو واپس کر لے، (اور خریدار فر وخت کنندہ

سے اپنے اخراجات واپس نہیں لے گا) (۱)۔

مالکیہ کی رائے یہ ہے کہ استحقاق والے سامان کی آمدنی یعنی اجرت یا خدمت لیمایا دودھ یا اون یا پھل قبضہ کرنے کے وقت سے فیصلہ کے وقت تک اس شخص کا ہے جس سے سامان لیا جائے، یعنی خریدار۔

یہ مسئلہ غصب کے علاوہ کا ہے اور استحقاق والی شئی منسوب ہو اور غاصب سے خریدنے والا اس سے ماوائف ہو تو اضافہ حق دار کا ہے (۲)۔

اور حنفیہ کی طرح حنابلہ کے نزدیک بھی اضافہ حق دار کا ہے خواہ متصل ہو یا منفصل، اور اگر اس نے اس میں کوئی تصرف کر دیا ہے مثلاً تلف کر دیا یا پھل کھالیا، تو اس سے قیمت لی جائے گی، اور اگر مستحق منہ یعنی خریدار کے فعل کے بغیر تلف ہو تو وہ ضامن نہیں ہوگا، اور اگر اضافہ مستحق کو واپس کر دیا جائے تو جس سے سامان استحقاق کی وجہ سے لیا جائے اس کو خرچ یا پودا لگانے کی قیمت لوٹائی جائے گی، اگر اس نے پودا لگا دیا ہو یا کاشت کاری کی ہو، اور قیمت میں استحقاق کے دن کا اعتبار ہے، اور قاضی ابو یعلیٰ نے ذکر کیا ہے کہ اخراجات کی ادائیگی مالک (مستحق) کرے گا اور اس کو اس شخص سے واپس لے گا جس نے خریدار کو دھوکہ دیا ہے (۳)۔

شافعیہ کی رائے یہ ہے کہ اضافہ اس شخص کا ہے جس سے سامان لیا جائے، انہوں نے اس میں یہ قید لگائی ہے کہ عین استحقاق والے سامان کو ایسے بینہ کے ذریعہ لیا گیا ہو جس میں تاریخ ملکیت کی صراحت نہ ہو، ان کے نزدیک اخراجات واپس نہیں لے گا، اس لئے

(۱) البندیہ ۲/۲۳، ابن ماجہ ۲/۱۹۵، ۲۰۲۔

(۲) الشرح المصغر ۳/۶۱۸۔

(۳) قواعد ابن رجب ۸/۵۳، ۱۶۸، ۲۱۳۔

(۱) الخرش ۶/۱۵۹، ۱۶۰، شرح الروض ۲/۲۳۲ طبع المصیہ، الانصاف

۶/۲۹۰، ابن ماجہ ۲/۳۷۳، اقلیوی ۲/۳۳۶، تبیین الحقائق

۵/۳۳۲، مجمع کردہ دار المعرفہ، قواعد ابن رجب ۵/۳۸۳۔

استحقاق ۱۵

کہ بیع فاسد ہے (۱)۔

مالکیہ نے تفصیل کرتے ہوئے کہا ہے کہ آمدنی ہر حال میں مستحق کی ہے اگر پھل کے علاوہ ہو، یا پھل ہو لیکن اس کی تاخیر (گابھا) نہ کی گئی ہو (اور ”مدونہ“ میں ہے: اگر خشک ہو جائے، اور ابن قاسم کی روایت میں ہے: اگر وہ توڑ لیا جائے) (اگر اس کی سیچائی اور دیکھ رکھ میں خرچ ہوا ہو اور پھل میں گابھا نہ لگایا گیا ہو) تو خریدار سے سیچائی اور دیکھ رکھ کے اخراجات لینے کے سلسلہ میں فقہاء کا اختلاف ہے، جیسا کہ عیب کی وجہ سے لوٹانے کی صورت میں رجوع کرنے کے بارے میں ان کی دو مختلف آراء ہیں (۲)۔

خرید کردہ زمین میں استحقاق:

۱۵- اگر اضافہ درخت یا مکان ہو مثلاً زمین خرید کر اس میں تعمیر کردی یا درخت لگادیا تو اکثر فقہاء (حنفیہ اور حنابلہ کی رائے اور شافعیہ کا اظہر قول) یہ ہے کہ مستحق درخت اور تعمیر کو اکھاڑ سکتا ہے (۳)۔

حنابلہ نے صراحت کی ہے اور یہی شافعیہ کے یہاں اظہر ہے کہ خریدار فرخت کنندہ سے اس نقصان کا تاوان لے گا جو اس کو پہنچا ہے، یعنی وہ شمن جو اس نے بائع کو دیا تھا، معمار کی اجرت، خرچ کئے گئے سامانوں کی قیمت اور اکھاڑنے کی وجہ سے نقص کا تاوان وغیرہ، اس لئے کہ فرخت کنندہ نے اس خریدار فرخت میں خریدار کو دھوکہ دیا اور اس کو یہ تاثر دیا کہ زمین اس کی ملکیت ہے اور خریدار کے

(۱) المشروانی علی الجہد ۳۳۶/۱۰، العلوی بی ۱۸۱/۲، شرح المروض ۳۳۰/۲، ۳۳۱۔

(۲) المحرشی ۲۹۵/۱۰، ۱۵۰، ۱۳۷/۱۰، جامعہ البیانی ہاشم الزرقانی علی غلیل ۱۵۲/۵، المقدمات علی المدونہ ۲۶۱/۲، ۲۶۲ طبع ۱۴۰۵ھ۔

(۳) فتح العزیز ۳۶۸/۱۰، المروض ۲۳۹/۳، الفتاویٰ الہندیہ ۱۳۳/۳، کشاف القناع ۸۶/۳، قواعد ابن رجب، قاعدہ نمبر ۷ و ۹، شرح منشی الارادات ۳۱۷/۲۔

درخت لگانے، تعمیر کرنے اور فائدہ اٹھانے کا سبب بنا، لہذا خریدار اپنے نقصان کا بدلہ لے گا، حنابلہ نے کہا ہے: قیمت میں استحقاق کے دن کا اعتبار ہوگا (۱)۔

حنفیہ کے نزدیک شمن واپس لے گا، درخت کی قیمت واپس نہیں لے گا اور نہ ہی زمین کے نقصان کا ضمان، یہ اس صورت میں ہے جب کہ پھل کے نکلنے سے قبل استحقاق پایا جائے لیکن اگر استحقاق پھل کے نکلنے کے بعد ہوا (خواہ توڑنے کے قابل ہو چکا ہو یا نہ ہو) تو مستحق درخت کو بھی اکھاڑ سکتا ہے، اور اگر فرخت کنندہ موجود ہو تو کھڑے رہنے کی حالت میں درخت کی جو قیمت ہوگی اسے لے کر درخت کو اسی حالت میں سپرد کر دے گا، اور بائع سے پھل کی قیمت نہیں وصول کرے گا اور خریدار کو پھل توڑنے پر مجبور کیا جائے گا خواہ توڑنے کے قابل ہو چکا ہو یا نہ ہو، اور فرخت کنندہ کو درخت اکھاڑنے پر مجبور کیا جائے گا، اور اگر مستحق نے پسند کیا کہ خریدار کو اکھڑے ہوئے ہونے کی حالت میں درخت کی جو قیمت ہو مشتری کو دے دے اور درخت کو روک لے، اور اس نے اس کو قیمت دے دی پھر خریدار کو فرخت کنندہ مل گیا تو وہ اس سے شمن واپس لے گا، درخت کی قیمت واپس نہیں لے گا اور مستحق فرخت کنندہ یا خریدار سے نقصان کا تاوان واپس نہیں لے سکتا (۲)۔

مالکیہ کی رائے یہ ہے کہ مستحق مکان، درخت اور بھیتی کو اکھاڑ نہیں سکتا، اور مالکیہ میں سے درویر نے کہا: اگر شبہ ولا آدمی درخت لگا دے یا تعمیر کر دے اور مستحق اس کا مطالبہ کرے تو مالک سے کہا جائے گا کہ اس کو زمین کے بغیر کھڑے ہوئے ہونے کی حالت میں درخت یا مکان کی قیمت دے دو، اگر مالک انکار کرے تو درخت لگانے والے

(۱) اس تعلیل و توجیہ سے معلوم ہوتا ہے کہ مسئلہ کو غصب میں مانا گیا ہے (کمیٹی)۔

(۲) الفتاویٰ الہندیہ ۱۳۵/۳، الحانیہ ہاشم الزرقانی ۲۳۳/۲۔

استحقاق ۱۶

یا تعمیر کرنے والے کے لئے حق ہے کہ وہ درخت اور تعمیر کے بغیر زمین کی قیمت دے دے اور اگر وہ انکار کرے تو وہ دونوں قیمت کے اعتبار سے شریک ہوں گے، یہ اپنی زمین کی قیمت اور وہ اپنے درخت یا مکان کی قیمت سے شریک ہوگا اور قیمت لگانے میں فیصلہ کے دن کا اعتبار ہے نہ کہ درخت لگانے اور تعمیر کے دن کا، اس حکم سے وقف زمین مستثنیٰ ہے جس کا تفضیلی حکم اس کے اپنے مقام پر ہے۔

مالکیہ نے یہ بھی صراحت کی ہے کہ مستحق اس سال کے کرایہ کا حق دار ہوگا، اگر سال میں صرف ایک بار کاشت کی جاتی ہو اور استحقاق اس وقت کے نکلنے سے قبل ہو جب وہ زمین کاشت کے لئے واپس لی جاسکتی تھی، لہذا اگر کاشت کا وقت نکلنے کے بعد اس میں استحقاق ثابت ہو تو مستحق کے لئے کچھ نہیں ہے، اس لئے کہ کاشت کرنے والے نے فائدہ مکمل اٹھالیا ہے، اور اس کی پیداوار اسی کے لئے ہوگی (۱)۔

کرایہ دار، موہوب لہ (جس کو زمین بہت کی گئی ہو) اور مستعیر (عاریت پر لینے والے) کا درخت لگانا مالکیہ و حنابلہ کے یہاں اکھاڑنے کے ممنوع ہونے کے بارے میں خریدار کے درخت لگانے کی طرح ہے، یہ سب اس صورت میں ہے جب کہ وہاں کوئی شبہ ہو، مثلاً اس کو معلوم نہ ہو کہ وہ بیچنے والے یا کرایہ پر دینے والے وغیرہ کی نہیں ہے، ابن رجب نے اپنی کتاب ”التواعد“ میں اسی طرح کا قول امام احمد سے نقل کیا ہے، اور کہا ہے کہ امام احمد سے اس کے علاوہ کا ثبوت نہیں ہے (۲)۔

بیع صرف میں استحقاق:

۱۶- اگر بیع صرف (سونے و چاندی کی باہمی بیع) کے دونوں طرف

کے مال میں یا کسی ایک میں استحقاق نکل آئے تو اس خرید و فروخت کے باطل ہونے یا نہ ہونے کے بارے میں فقہاء کے تین اقوال ہیں: الف۔ عقد کا باطل ہونا، یہ شافعیہ کا قول ہے (۱) اور حنابلہ کے یہاں رائج مذہب ہے (۲)، اور یہی مالکیہ کا بھی قول کسی خاص شکل میں ڈھلے ہوئے کے بارے میں مطلقاً ہے خواہ استحقاق جدائی اور طول مجلس سے قبل ہو یا اس کے بعد، اس لئے کہ خاص شکل میں ڈھلا ہوا سونا و چاندی مقصود بالذات ہوتا ہے، دوسرا اس کے قائم مقام نہیں ہو سکتا، اسی طرح مالکیہ کا مذہب ہے کہ اس صورت میں بھی جب دونوں پگھلائے ہوئے ہوں یا ایک پگھلایا ہوا ہو اور دوسرا (بدتن یا زیور کی شکل میں) ڈھلا ہوا ہو تو اگر پگھلائے ہوئے میں عاقدین کے جدا ہونے کے بعد یا جدا ہونے سے قبل لیکن مجلس کے اس قدر طویل ہونے کے بعد جس میں بیع صرف صحیح نہیں رہتی ہے، استحقاق نکل آئے (تو بیع باطل ہوگی) (۳) اور بطلان کے ساتھ بدل جائز نہیں ہوگا، اور ”مسکوک“ (ڈھلا ہوا) سے مراد ”مصوغ“ (گرہا ہوا) کے بالمقابل ہے، لہذا اس میں سونے کا ڈالا، ٹوٹا ہوا بدتن اور زیور بھی شامل ہوں گے۔

ب۔ عقد صحیح ہے، یہ حنفیہ کا مذہب اور امام احمد سے ایک روایت ہے اور مسکوک کے بارے میں اگر استحقاق، تفرق اور طول مجلس سے قبل ہو تو مالکیہ کا بھی قول ہے، اور معاملہ کرنے والے کے لئے بدل مستحق دینا جائز ہے اور یہ بدل دینا رضامندی کے طور پر ہوگا یا بالجبر؟ ہمارے علم میں کسی نے بالجبر کی صراحت نہیں کی، ہاں متاخرین مالکیہ نے اپنے یہاں دو طریقوں میں سے ایک طریقہ میں اس کی صراحت

(۱) المجموع ۹/۱۰ طبع الممیر یہ

(۲) المغنی ۳/۵۰، ۵۱ طبع المریض۔

(۳) الخطاب ۳/۳۲۶، ۳۲۷ طبع لیبیا۔

(۱) الخرش ۱/۱۵۲ طبع کردہ دارصادر۔

(۲) البدوی ۳/۶۶ طبع کردہ دارالفرق۔

استحقاق ۱۷-۱۹

ب۔ رہن باطل ہے، یہ حنفیہ کا قول ہے اگر باقی ان چیزوں میں سے ہو جن کا ابتداء رہن رکھنا ان کے نزدیک جائز نہیں ہے مثلاً ایسا سامان ہو جو مشترک ہو اور رہن رکھنے والے کا حصہ متعین نہ ہو (۱)۔

ج۔ رہن استحقاق کے حصہ کے بقدر باطل ہو جائے گا اور مرہون کا باقی حصہ اس کے مقابل دین کے بدلہ رہن ہوگا، یہ مالکیہ میں سے ابن شعبان کا قول ہے، اور یہ حنفیہ کا قول ہے اگر باقی حصہ ان چیزوں میں ہو جس کا ابتداء رہن رکھنا جائز ہو (۲)۔

مرتہن کے قبضہ میں استحقاق والے مرہون کا ضائع ہونا:
۱۹۔ اگر رہن رکھا ہو سامان مرتہن کے قبضہ میں تلف ہو جائے پھر اس میں استحقاق نکل آئے تو تلف شدہ مرہون کا ضامن کون ہوگا؟ اس کے بارے میں علماء کی تین آراء ہیں:

الف۔ مستحق راہن یا مرتہن کو ضامن بنا سکتا ہے، اس لئے کہ ان میں سے ہر ایک نے زیادتی کی ہے، راہن کی زیادتی تو یہ ہے کہ اس نے مرتہن کے سپرد کر دیا اور مرتہن کی زیادتی قبضہ کرنا ہے اور ضمان راہن پر طے ہے، لہذا اگر وہ ضمان دے تو دوسرے سے واپس نہیں لے گا اور اگر مرتہن ضمان دے تو راہن سے ضمان اور اپنا دین واپس لے گا، یہ حنفیہ و شافعیہ کا قول ہے، البتہ شافعیہ کے یہاں شرط ہے کہ مرتہن ما و اتف ہو اور اگر و اتف ہو تو ضمان دونوں پر طے ہے (۳)۔

ب۔ مستحق راہن یا مرتہن کو ضامن بنا سکتا ہے اور ضمان مرتہن پر طے ہے اگر وہ ضمان دے دے تو کسی سے واپس نہیں لے گا، یہ حنابلہ کا قول ہے، اگر مرتہن کو غصب کا علم ہو، اور اگر راہن ضمان دے تو

کی ہے، ان کے یہاں دوسرا طریقہ آپسی رضامندی والا ہے (۱)۔
ج۔ متعین دراہم میں باطل ہے اور اس کے علاوہ میں باطل نہیں بشرطیکہ تفرق اور طول مجلس سے قبل ہو، یہ مالکیہ میں سے اہلب کا قول ہے (۲)۔

رہن رکھے ہوئے سامان کا استحقاق:

۱۷۔ اگر پورے متعین مرہون میں استحقاق نکل آئے تو رہن بالاتفاق باطل ہو جائے گا، اور اگر قبضہ سے قبل متعین مرہون میں استحقاق نکل آئے تو مرتہن کو اختیار ہے کہ دین والے عقد یعنی بیع وغیرہ کو فسخ کر دے یا عقد کو برقرار رکھے اور دین بلا رہن کے باقی رکھے، اسی طرح مرتہن کو اس صورت میں بھی اختیار ہوگا جب استحقاق قبضہ کے بعد ہو اور راہن نے اس کو دھوکہ دیا ہو، اور اگر دھوکہ نہ دیا ہو تو دین بلا رہن باقی رہے گا (۳)، اور اگر رہن رکھا ہو سامان غیر متعین ہو اور اس پر قبضہ کے بعد استحقاق نکل آئے تو راہن کو مجبور کیا جائے گا کہ اس کے بدلہ کوئی اور رہن لائے، رائج قول یہی ہے، اور غیر متعین سامان میں قبضہ سے قبل استحقاق کا کوئی تصور نہیں (۴)۔

۱۸۔ اگر رہن رکھے ہوئے سامان کے کچھ حصہ میں استحقاق نکل آئے تو رہن کے باطل ہونے یا باقی رہنے کے بارے میں تین آراء ہیں:
الف۔ رہن صحیح ہے اور مرہون کا باقی حصہ پورے دین کے بدلہ میں رہن ہوگا، یہ مالکیہ، شافعیہ اور حنابلہ کا قول ہے (۵)۔

(۱) حاشیہ شریکائی ۲/۲۰۳ طبع احمدی ۱۳۳۰ھ، المغنی ۴/۵۰، ۵۱، ۵۲، ۵۳، ۵۴، ۵۵، ۵۶، ۵۷، ۵۸، ۵۹، ۶۰، ۶۱، ۶۲، ۶۳، ۶۴، ۶۵، ۶۶، ۶۷، ۶۸، ۶۹، ۷۰، ۷۱، ۷۲، ۷۳، ۷۴، ۷۵، ۷۶، ۷۷، ۷۸، ۷۹، ۸۰، ۸۱، ۸۲، ۸۳، ۸۴، ۸۵، ۸۶، ۸۷، ۸۸، ۸۹، ۹۰، ۹۱، ۹۲، ۹۳، ۹۴، ۹۵، ۹۶، ۹۷، ۹۸، ۹۹، ۱۰۰، ۱۰۱، ۱۰۲، ۱۰۳، ۱۰۴، ۱۰۵، ۱۰۶، ۱۰۷، ۱۰۸، ۱۰۹، ۱۱۰، ۱۱۱، ۱۱۲، ۱۱۳، ۱۱۴، ۱۱۵، ۱۱۶، ۱۱۷، ۱۱۸، ۱۱۹، ۱۲۰، ۱۲۱، ۱۲۲، ۱۲۳، ۱۲۴، ۱۲۵، ۱۲۶، ۱۲۷، ۱۲۸، ۱۲۹، ۱۳۰، ۱۳۱، ۱۳۲، ۱۳۳، ۱۳۴، ۱۳۵، ۱۳۶، ۱۳۷، ۱۳۸، ۱۳۹، ۱۴۰، ۱۴۱، ۱۴۲، ۱۴۳، ۱۴۴، ۱۴۵، ۱۴۶، ۱۴۷، ۱۴۸، ۱۴۹، ۱۵۰، ۱۵۱، ۱۵۲، ۱۵۳، ۱۵۴، ۱۵۵، ۱۵۶، ۱۵۷، ۱۵۸، ۱۵۹، ۱۶۰، ۱۶۱، ۱۶۲، ۱۶۳، ۱۶۴، ۱۶۵، ۱۶۶، ۱۶۷، ۱۶۸، ۱۶۹، ۱۷۰، ۱۷۱، ۱۷۲، ۱۷۳، ۱۷۴، ۱۷۵، ۱۷۶، ۱۷۷، ۱۷۸، ۱۷۹، ۱۸۰، ۱۸۱، ۱۸۲، ۱۸۳، ۱۸۴، ۱۸۵، ۱۸۶، ۱۸۷، ۱۸۸، ۱۸۹، ۱۹۰، ۱۹۱، ۱۹۲، ۱۹۳، ۱۹۴، ۱۹۵، ۱۹۶، ۱۹۷، ۱۹۸، ۱۹۹، ۲۰۰، ۲۰۱، ۲۰۲، ۲۰۳، ۲۰۴، ۲۰۵، ۲۰۶، ۲۰۷، ۲۰۸، ۲۰۹، ۲۱۰، ۲۱۱، ۲۱۲، ۲۱۳، ۲۱۴، ۲۱۵، ۲۱۶، ۲۱۷، ۲۱۸، ۲۱۹، ۲۲۰، ۲۲۱، ۲۲۲، ۲۲۳، ۲۲۴، ۲۲۵، ۲۲۶، ۲۲۷، ۲۲۸، ۲۲۹، ۲۳۰، ۲۳۱، ۲۳۲، ۲۳۳، ۲۳۴، ۲۳۵، ۲۳۶، ۲۳۷، ۲۳۸، ۲۳۹، ۲۴۰، ۲۴۱، ۲۴۲، ۲۴۳، ۲۴۴، ۲۴۵، ۲۴۶، ۲۴۷، ۲۴۸، ۲۴۹، ۲۵۰، ۲۵۱، ۲۵۲، ۲۵۳، ۲۵۴، ۲۵۵، ۲۵۶، ۲۵۷، ۲۵۸، ۲۵۹، ۲۶۰، ۲۶۱، ۲۶۲، ۲۶۳، ۲۶۴، ۲۶۵، ۲۶۶، ۲۶۷، ۲۶۸، ۲۶۹، ۲۷۰، ۲۷۱، ۲۷۲، ۲۷۳، ۲۷۴، ۲۷۵، ۲۷۶، ۲۷۷، ۲۷۸، ۲۷۹، ۲۸۰، ۲۸۱، ۲۸۲، ۲۸۳، ۲۸۴، ۲۸۵، ۲۸۶، ۲۸۷، ۲۸۸، ۲۸۹، ۲۹۰، ۲۹۱، ۲۹۲، ۲۹۳، ۲۹۴، ۲۹۵، ۲۹۶، ۲۹۷، ۲۹۸، ۲۹۹، ۳۰۰، ۳۰۱، ۳۰۲، ۳۰۳، ۳۰۴، ۳۰۵، ۳۰۶، ۳۰۷، ۳۰۸، ۳۰۹، ۳۱۰، ۳۱۱، ۳۱۲، ۳۱۳، ۳۱۴، ۳۱۵، ۳۱۶، ۳۱۷، ۳۱۸، ۳۱۹، ۳۲۰، ۳۲۱، ۳۲۲، ۳۲۳، ۳۲۴، ۳۲۵، ۳۲۶، ۳۲۷، ۳۲۸، ۳۲۹، ۳۳۰، ۳۳۱، ۳۳۲، ۳۳۳، ۳۳۴، ۳۳۵، ۳۳۶، ۳۳۷، ۳۳۸، ۳۳۹، ۳۴۰، ۳۴۱، ۳۴۲، ۳۴۳، ۳۴۴، ۳۴۵، ۳۴۶، ۳۴۷، ۳۴۸، ۳۴۹، ۳۵۰، ۳۵۱، ۳۵۲، ۳۵۳، ۳۵۴، ۳۵۵، ۳۵۶، ۳۵۷، ۳۵۸، ۳۵۹، ۳۶۰، ۳۶۱، ۳۶۲، ۳۶۳، ۳۶۴، ۳۶۵، ۳۶۶، ۳۶۷، ۳۶۸، ۳۶۹، ۳۷۰، ۳۷۱، ۳۷۲، ۳۷۳، ۳۷۴، ۳۷۵، ۳۷۶، ۳۷۷، ۳۷۸، ۳۷۹، ۳۸۰، ۳۸۱، ۳۸۲، ۳۸۳، ۳۸۴، ۳۸۵، ۳۸۶، ۳۸۷، ۳۸۸، ۳۸۹، ۳۹۰، ۳۹۱، ۳۹۲، ۳۹۳، ۳۹۴، ۳۹۵، ۳۹۶، ۳۹۷، ۳۹۸، ۳۹۹، ۴۰۰، ۴۰۱، ۴۰۲، ۴۰۳، ۴۰۴، ۴۰۵، ۴۰۶، ۴۰۷، ۴۰۸، ۴۰۹، ۴۱۰، ۴۱۱، ۴۱۲، ۴۱۳، ۴۱۴، ۴۱۵، ۴۱۶، ۴۱۷، ۴۱۸، ۴۱۹، ۴۲۰، ۴۲۱، ۴۲۲، ۴۲۳، ۴۲۴، ۴۲۵، ۴۲۶، ۴۲۷، ۴۲۸، ۴۲۹، ۴۳۰، ۴۳۱، ۴۳۲، ۴۳۳، ۴۳۴، ۴۳۵، ۴۳۶، ۴۳۷، ۴۳۸، ۴۳۹، ۴۴۰، ۴۴۱، ۴۴۲، ۴۴۳، ۴۴۴، ۴۴۵، ۴۴۶، ۴۴۷، ۴۴۸، ۴۴۹، ۴۵۰، ۴۵۱، ۴۵۲، ۴۵۳، ۴۵۴، ۴۵۵، ۴۵۶، ۴۵۷، ۴۵۸، ۴۵۹، ۴۶۰، ۴۶۱، ۴۶۲، ۴۶۳، ۴۶۴، ۴۶۵، ۴۶۶، ۴۶۷، ۴۶۸، ۴۶۹، ۴۷۰، ۴۷۱، ۴۷۲، ۴۷۳، ۴۷۴، ۴۷۵، ۴۷۶، ۴۷۷، ۴۷۸، ۴۷۹، ۴۸۰، ۴۸۱، ۴۸۲، ۴۸۳، ۴۸۴، ۴۸۵، ۴۸۶، ۴۸۷، ۴۸۸، ۴۸۹، ۴۹۰، ۴۹۱، ۴۹۲، ۴۹۳، ۴۹۴، ۴۹۵، ۴۹۶، ۴۹۷، ۴۹۸، ۴۹۹، ۵۰۰، ۵۰۱، ۵۰۲، ۵۰۳، ۵۰۴، ۵۰۵، ۵۰۶، ۵۰۷، ۵۰۸، ۵۰۹، ۵۱۰، ۵۱۱، ۵۱۲، ۵۱۳، ۵۱۴، ۵۱۵، ۵۱۶، ۵۱۷، ۵۱۸، ۵۱۹، ۵۲۰، ۵۲۱، ۵۲۲، ۵۲۳، ۵۲۴، ۵۲۵، ۵۲۶، ۵۲۷، ۵۲۸، ۵۲۹، ۵۳۰، ۵۳۱، ۵۳۲، ۵۳۳، ۵۳۴، ۵۳۵، ۵۳۶، ۵۳۷، ۵۳۸، ۵۳۹، ۵۴۰، ۵۴۱، ۵۴۲، ۵۴۳، ۵۴۴، ۵۴۵، ۵۴۶، ۵۴۷، ۵۴۸، ۵۴۹، ۵۵۰، ۵۵۱، ۵۵۲، ۵۵۳، ۵۵۴، ۵۵۵، ۵۵۶، ۵۵۷، ۵۵۸، ۵۵۹، ۵۶۰، ۵۶۱، ۵۶۲، ۵۶۳، ۵۶۴، ۵۶۵، ۵۶۶، ۵۶۷، ۵۶۸، ۵۶۹، ۵۷۰، ۵۷۱، ۵۷۲، ۵۷۳، ۵۷۴، ۵۷۵، ۵۷۶، ۵۷۷، ۵۷۸، ۵۷۹، ۵۸۰، ۵۸۱، ۵۸۲، ۵۸۳، ۵۸۴، ۵۸۵، ۵۸۶، ۵۸۷، ۵۸۸، ۵۸۹، ۵۹۰، ۵۹۱، ۵۹۲، ۵۹۳، ۵۹۴، ۵۹۵، ۵۹۶، ۵۹۷، ۵۹۸، ۵۹۹، ۶۰۰، ۶۰۱، ۶۰۲، ۶۰۳، ۶۰۴، ۶۰۵، ۶۰۶، ۶۰۷، ۶۰۸، ۶۰۹، ۶۱۰، ۶۱۱، ۶۱۲، ۶۱۳، ۶۱۴، ۶۱۵، ۶۱۶، ۶۱۷، ۶۱۸، ۶۱۹، ۶۲۰، ۶۲۱، ۶۲۲، ۶۲۳، ۶۲۴، ۶۲۵، ۶۲۶، ۶۲۷، ۶۲۸، ۶۲۹، ۶۳۰، ۶۳۱، ۶۳۲، ۶۳۳، ۶۳۴، ۶۳۵، ۶۳۶، ۶۳۷، ۶۳۸، ۶۳۹، ۶۴۰، ۶۴۱، ۶۴۲، ۶۴۳، ۶۴۴، ۶۴۵، ۶۴۶، ۶۴۷، ۶۴۸، ۶۴۹، ۶۵۰، ۶۵۱، ۶۵۲، ۶۵۳، ۶۵۴، ۶۵۵، ۶۵۶، ۶۵۷، ۶۵۸، ۶۵۹، ۶۶۰، ۶۶۱، ۶۶۲، ۶۶۳، ۶۶۴، ۶۶۵، ۶۶۶، ۶۶۷، ۶۶۸، ۶۶۹، ۶۷۰، ۶۷۱، ۶۷۲، ۶۷۳، ۶۷۴، ۶۷۵، ۶۷۶، ۶۷۷، ۶۷۸، ۶۷۹، ۶۸۰، ۶۸۱، ۶۸۲، ۶۸۳، ۶۸۴، ۶۸۵، ۶۸۶، ۶۸۷، ۶۸۸، ۶۸۹، ۶۹۰، ۶۹۱، ۶۹۲، ۶۹۳، ۶۹۴، ۶۹۵، ۶۹۶، ۶۹۷، ۶۹۸، ۶۹۹، ۷۰۰، ۷۰۱، ۷۰۲، ۷۰۳، ۷۰۴، ۷۰۵، ۷۰۶، ۷۰۷، ۷۰۸، ۷۰۹، ۷۱۰، ۷۱۱، ۷۱۲، ۷۱۳، ۷۱۴، ۷۱۵، ۷۱۶، ۷۱۷، ۷۱۸، ۷۱۹، ۷۲۰، ۷۲۱، ۷۲۲، ۷۲۳، ۷۲۴، ۷۲۵، ۷۲۶، ۷۲۷، ۷۲۸، ۷۲۹، ۷۳۰، ۷۳۱، ۷۳۲، ۷۳۳، ۷۳۴، ۷۳۵، ۷۳۶، ۷۳۷، ۷۳۸، ۷۳۹، ۷۴۰، ۷۴۱، ۷۴۲، ۷۴۳، ۷۴۴، ۷۴۵، ۷۴۶، ۷۴۷، ۷۴۸، ۷۴۹، ۷۵۰، ۷۵۱، ۷۵۲، ۷۵۳، ۷۵۴، ۷۵۵، ۷۵۶، ۷۵۷، ۷۵۸، ۷۵۹، ۷۶۰، ۷۶۱، ۷۶۲، ۷۶۳، ۷۶۴، ۷۶۵، ۷۶۶، ۷۶۷، ۷۶۸، ۷۶۹، ۷۷۰، ۷۷۱، ۷۷۲، ۷۷۳، ۷۷۴، ۷۷۵، ۷۷۶، ۷۷۷، ۷۷۸، ۷۷۹، ۷۸۰، ۷۸۱، ۷۸۲، ۷۸۳، ۷۸۴، ۷۸۵، ۷۸۶، ۷۸۷، ۷۸۸، ۷۸۹، ۷۹۰، ۷۹۱، ۷۹۲، ۷۹۳، ۷۹۴، ۷۹۵، ۷۹۶، ۷۹۷، ۷۹۸، ۷۹۹، ۸۰۰، ۸۰۱، ۸۰۲، ۸۰۳، ۸۰۴، ۸۰۵، ۸۰۶، ۸۰۷، ۸۰۸، ۸۰۹، ۸۱۰، ۸۱۱، ۸۱۲، ۸۱۳، ۸۱۴، ۸۱۵، ۸۱۶، ۸۱۷، ۸۱۸، ۸۱۹، ۸۲۰، ۸۲۱، ۸۲۲، ۸۲۳، ۸۲۴، ۸۲۵، ۸۲۶، ۸۲۷، ۸۲۸، ۸۲۹، ۸۳۰، ۸۳۱، ۸۳۲، ۸۳۳، ۸۳۴، ۸۳۵، ۸۳۶، ۸۳۷، ۸۳۸، ۸۳۹، ۸۴۰، ۸۴۱، ۸۴۲، ۸۴۳، ۸۴۴، ۸۴۵، ۸۴۶، ۸۴۷، ۸۴۸، ۸۴۹، ۸۵۰، ۸۵۱، ۸۵۲، ۸۵۳، ۸۵۴، ۸۵۵، ۸۵۶، ۸۵۷، ۸۵۸، ۸۵۹، ۸۶۰، ۸۶۱، ۸۶۲، ۸۶۳، ۸۶۴، ۸۶۵، ۸۶۶، ۸۶۷، ۸۶۸، ۸۶۹، ۸۷۰، ۸۷۱، ۸۷۲، ۸۷۳، ۸۷۴، ۸۷۵، ۸۷۶، ۸۷۷، ۸۷۸، ۸۷۹، ۸۸۰، ۸۸۱، ۸۸۲، ۸۸۳، ۸۸۴، ۸۸۵، ۸۸۶، ۸۸۷، ۸۸۸، ۸۸۹، ۸۹۰، ۸۹۱، ۸۹۲، ۸۹۳، ۸۹۴، ۸۹۵، ۸۹۶، ۸۹۷، ۸۹۸، ۸۹۹، ۹۰۰، ۹۰۱، ۹۰۲، ۹۰۳، ۹۰۴، ۹۰۵، ۹۰۶، ۹۰۷، ۹۰۸، ۹۰۹، ۹۱۰، ۹۱۱، ۹۱۲، ۹۱۳، ۹۱۴، ۹۱۵، ۹۱۶، ۹۱۷، ۹۱۸، ۹۱۹، ۹۲۰، ۹۲۱، ۹۲۲، ۹۲۳، ۹۲۴، ۹۲۵، ۹۲۶، ۹۲۷، ۹۲۸، ۹۲۹، ۹۳۰، ۹۳۱، ۹۳۲، ۹۳۳، ۹۳۴، ۹۳۵، ۹۳۶، ۹۳۷، ۹۳۸، ۹۳۹، ۹۴۰، ۹۴۱، ۹۴۲، ۹۴۳، ۹۴۴، ۹۴۵، ۹۴۶، ۹۴۷، ۹۴۸، ۹۴۹، ۹۵۰، ۹۵۱، ۹۵۲، ۹۵۳، ۹۵۴، ۹۵۵، ۹۵۶، ۹۵۷، ۹۵۸، ۹۵۹، ۹۶۰، ۹۶۱، ۹۶۲، ۹۶۳، ۹۶۴، ۹۶۵، ۹۶۶، ۹۶۷، ۹۶۸، ۹۶۹، ۹۷۰، ۹۷۱، ۹۷۲، ۹۷۳، ۹۷۴، ۹۷۵، ۹۷۶، ۹۷۷، ۹۷۸، ۹۷۹، ۹۸۰، ۹۸۱، ۹۸۲، ۹۸۳، ۹۸۴، ۹۸۵، ۹۸۶، ۹۸۷، ۹۸۸، ۹۸۹، ۹۹۰، ۹۹۱، ۹۹۲، ۹۹۳، ۹۹۴، ۹۹۵، ۹۹۶، ۹۹۷، ۹۹۸، ۹۹۹، ۱۰۰۰، ۱۰۰۱، ۱۰۰۲، ۱۰۰۳، ۱۰۰۴، ۱۰۰۵، ۱۰۰۶، ۱۰۰۷، ۱۰۰۸، ۱۰۰۹، ۱۰۱۰، ۱۰۱۱، ۱۰۱۲، ۱۰۱۳، ۱۰۱۴، ۱۰۱۵، ۱۰۱۶، ۱۰۱۷، ۱۰۱۸، ۱۰۱۹، ۱۰۲۰، ۱۰۲۱، ۱۰۲۲، ۱۰۲۳، ۱۰۲۴، ۱۰۲۵، ۱۰۲۶، ۱۰۲۷، ۱۰۲۸، ۱۰۲۹، ۱۰۳۰، ۱۰۳۱، ۱۰۳۲، ۱۰۳۳، ۱۰۳۴، ۱۰۳۵، ۱۰۳۶، ۱۰۳۷، ۱۰۳۸، ۱۰۳۹، ۱۰۴۰، ۱۰۴۱، ۱۰۴۲، ۱۰۴۳، ۱۰۴۴، ۱۰۴۵، ۱۰۴۶، ۱۰۴۷، ۱۰۴۸، ۱۰۴۹، ۱۰۵۰، ۱۰۵۱، ۱۰۵۲، ۱۰۵۳، ۱۰۵۴، ۱۰۵۵، ۱۰۵۶، ۱۰۵۷، ۱۰۵۸، ۱۰۵۹، ۱۰۶۰، ۱۰۶۱، ۱۰۶۲، ۱۰۶۳، ۱۰۶۴، ۱۰۶۵، ۱۰۶۶، ۱۰۶۷، ۱۰۶۸، ۱۰۶۹، ۱۰۷۰، ۱۰۷۱، ۱۰۷۲، ۱۰۷۳، ۱۰۷۴، ۱۰۷۵، ۱۰۷۶، ۱۰۷۷، ۱۰۷۸، ۱۰۷۹، ۱۰۸۰، ۱۰۸۱، ۱۰۸۲، ۱۰۸۳، ۱۰۸۴، ۱۰۸۵، ۱۰۸۶، ۱۰۸۷، ۱۰۸۸، ۱۰۸۹، ۱۰۹۰، ۱۰۹۱، ۱۰۹۲، ۱۰۹۳، ۱۰۹۴، ۱۰۹۵، ۱۰۹۶، ۱۰۹۷، ۱۰۹۸، ۱۰۹۹، ۱۱۰۰، ۱۱۰۱، ۱۱۰۲، ۱۱۰۳، ۱۱۰۴، ۱۱۰۵، ۱۱۰۶، ۱۱۰۷، ۱۱۰۸، ۱۱۰۹، ۱۱۱۰، ۱۱۱۱، ۱۱۱۲، ۱۱۱۳، ۱۱۱۴، ۱۱۱۵، ۱۱۱۶، ۱۱۱۷، ۱۱۱۸، ۱۱۱۹، ۱۱۲۰، ۱۱۲۱، ۱۱۲۲، ۱۱۲۳، ۱۱۲۴، ۱۱۲۵، ۱۱۲۶، ۱۱۲۷، ۱۱۲۸، ۱۱۲۹، ۱۱۳۰، ۱۱۳۱، ۱۱۳۲، ۱۱۳۳، ۱۱۳۴، ۱۱۳۵، ۱۱۳۶، ۱۱۳۷، ۱۱۳۸، ۱۱۳۹، ۱۱۴۰، ۱۱۴۱، ۱۱۴۲، ۱۱۴۳، ۱۱۴۴، ۱۱۴۵، ۱۱۴۶، ۱۱۴۷، ۱۱۴۸، ۱۱۴۹، ۱۱۵۰، ۱۱۵۱، ۱۱۵۲، ۱۱۵۳، ۱۱۵۴، ۱۱۵۵، ۱۱۵۶، ۱۱۵۷، ۱۱۵۸، ۱۱۵۹، ۱۱۶۰، ۱۱۶۱، ۱۱۶۲، ۱۱۶۳، ۱۱۶۴، ۱۱۶۵، ۱۱۶۶، ۱۱۶۷، ۱۱۶۸، ۱۱۶۹، ۱۱۷۰، ۱۱۷۱، ۱۱۷۲، ۱۱۷۳، ۱۱۷۴، ۱۱۷۵، ۱۱۷۶، ۱۱۷۷، ۱۱۷۸، ۱۱۷۹، ۱۱۸۰، ۱۱۸۱، ۱۱۸۲، ۱۱۸۳، ۱۱۸۴، ۱۱۸۵، ۱۱۸۶، ۱۱۸۷، ۱۱۸۸، ۱۱۸۹، ۱۱۹۰، ۱۱۹۱، ۱۱۹۲، ۱۱۹۳، ۱۱۹۴، ۱۱۹۵، ۱۱۹۶، ۱۱۹۷، ۱۱۹۸، ۱۱۹۹، ۱۲۰۰، ۱۲۰۱، ۱۲۰۲، ۱۲۰۳، ۱۲۰۴، ۱۲۰۵، ۱۲۰۶، ۱۲۰۷، ۱۲۰۸، ۱۲۰۹، ۱۲۱۰، ۱۲۱۱، ۱۲۱۲، ۱۲۱۳، ۱۲۱۴، ۱۲۱۵، ۱۲۱۶، ۱۲۱۷، ۱۲۱۸، ۱۲۱۹، ۱۲۲۰، ۱۲۲۱، ۱۲۲۲، ۱۲۲۳، ۱۲۲۴، ۱۲۲۵، ۱۲۲۶، ۱۲۲۷، ۱۲۲۸، ۱۲۲۹، ۱۲۳۰، ۱۲۳۱، ۱۲۳۲، ۱۲۳۳، ۱۲۳۴، ۱۲۳۵، ۱۲۳۶، ۱۲۳۷، ۱۲۳۸، ۱۲۳۹، ۱۲۴۰، ۱۲۴۱، ۱۲۴۲، ۱۲۴۳، ۱۲۴۴، ۱۲۴۵، ۱۲۴۶، ۱۲۴۷، ۱۲۴۸، ۱۲۴۹، ۱۲۵۰، ۱۲۵۱، ۱۲۵۲، ۱۲۵۳، ۱۲۵۴، ۱۲۵۵، ۱۲۵۶، ۱۲۵۷، ۱۲۵۸، ۱۲۵۹، ۱۲۶۰، ۱۲۶۱، ۱۲۶۲، ۱۲۶۳، ۱۲۶۴، ۱۲۶۵، ۱۲۶۶، ۱۲۶۷، ۱۲۶۸، ۱۲۶۹، ۱۲۷۰، ۱۲۷۱، ۱۲۷۲، ۱۲۷۳، ۱۲۷۴، ۱۲۷۵، ۱۲۷۶، ۱۲۷۷، ۱۲۷۸، ۱۲۷۹، ۱۲۸۰، ۱۲۸۱، ۱۲۸۲، ۱۲۸۳، ۱۲۸۴، ۱۲۸۵، ۱۲۸۶، ۱۲۸۷، ۱۲۸۸، ۱۲۸۹، ۱۲۹۰، ۱۲۹۱، ۱۲۹۲، ۱۲۹۳، ۱۲۹۴، ۱۲۹۵، ۱۲۹۶، ۱۲۹۷، ۱۲۹۸، ۱۲۹۹، ۱۳۰۰، ۱۳۰۱، ۱۳۰۲، ۱۳۰۳، ۱۳۰۴، ۱۳۰۵، ۱۳۰۶، ۱۳۰۷، ۱۳۰۸، ۱۳۰۹، ۱۳۱۰، ۱۳۱۱، ۱۳۱۲، ۱۳۱۳، ۱۳۱۴، ۱۳۱۵، ۱۳۱۶، ۱۳۱۷، ۱۳۱۸، ۱۳۱۹، ۱۳۲۰، ۱۳۲۱، ۱۳۲۲، ۱۳۲۳، ۱۳۲۴، ۱۳۲۵، ۱۳۲۶، ۱۳۲۷، ۱۳۲۸، ۱۳۲۹، ۱۳۳۰، ۱۳۳۱، ۱۳۳۲، ۱۳۳۳، ۱۳۳۴، ۱۳۳۵، ۱۳۳۶، ۱۳۳۷، ۱۳۳۸، ۱۳۳۹، ۱۳۴۰، ۱۳۴۱، ۱۳۴۲، ۱۳۴۳، ۱۳۴۴، ۱۳۴۵، ۱۳۴

استحقاق ۲۰

اور مرتہن کی رضامندی سے وہ اس کو فر وخت کر کے مرتہن کو قیمت دے دے پھر فر وخت شدہ مرتہن میں استحقاق نکل آئے تو کون واپس لے گا اور کس سے واپس لے گا اس سلسلہ میں فقہاء کی چند آراء ہیں:

الف۔ مستحق عادل یا راہن سے رجوع کرے گا، یہ حنفیہ کا قول ہے، اگر مبیع بلاک ہو چکی ہو، اور اگر راہن اس کی قیمت کا ضمان دے دے تو بیع اور قبضہ صحیح ہے، اس لئے کہ ضمان کو ادا کرنے کی وجہ سے وہ مالک ہو گیا تو معلوم ہوا کہ اس نے اپنی ملکیت کو فر وخت کیا ہے، اور اگر عادل ضمان دے تو اس کو اختیار ہے کہ راہن سے قیمت واپس لے، اس لئے کہ یہ اس کی طرف سے وکیل اور اس کے لئے کام کرنے والا ہے، لہذا جو تاوان اس نے دیا ہے اس کو اسی سے واپس لے گا، بیع نافذ و درست ہوگی اور مرتہن کا اپنے دین کو وصول پانا درست ہوگا یا اگر عادل چاہے تو مرتہن سے واپس لے، اس لئے کہ ظاہر ہو چکا ہے کہ اس نے قیمت ماحق لی ہے، اور جب وہ واپس لے لے گا، تو مرتہن کا اس سے اپنے دین کو وصول پانا باطل ہو جائے گا، لہذا راہن سے اپنا دین واپس لے گا (۱)۔

اگر فر وخت کردہ سامان باقی ہو تو مستحق اسے خریدار سے لے لے گا، اس لئے کہ اس نے اپنا مال بعینہ پالیا پھر مشتری عادل سے ثمن واپس لے گا، اس لئے کہ وہی عقد کرنے والا ہے، لہذا عقد کے حقوق اسی سے متعلق ہوں گے، کیونکہ وہ بیع کی اجازت کے بعد وکیل ہو گیا ہے، اور بیع کے حقوق میں سے ہے، اس لئے کہ یہ حق اس کے لئے بیع کی وجہ سے ثابت ہے، اس نے تو ثمن اس لئے دیا تھا کہ اس کو محفوظ ملے اور وہ محفوظ نہیں رہا پھر عادل کو اختیار ہے چاہے تو راہن سے قیمت واپس لے، اس لئے کہ اسی نے اس کو اس فہم واری میں داخل کیا

مرتہن سے واپس لے گا اور اگر مرتہن کو غصب کا علم نہ ہو اور اس کی کوتاہی سے رہن تلف ہو گیا تو بھی یہی حکم ہے، اس لئے کہ ضمان اسی پر طے ہے اور اگر اس کی کوتاہی کے بغیر رہن تلف ہو جائے تو اس میں تین قول ہیں:

اول: مرتہن ضامن ہوگا اور اسی پر ضمان طے ہے، اس لئے کہ دوسرے کا مال اس کے خالمانہ قبضہ میں ضائع ہوا۔
دوم: اس پر ضمان نہیں، اس لئے کہ اس نے امانت کے طور پر لاطمی میں اس پر قبضہ کر لیا ہے، لہذا ضامن نہیں ہوگا جیسا کہ ودیعت میں (ضمان نہیں ہوتا) اس قول کے مطابق مالک صرف غاصب سے واپس لے گا۔

سوم: مالک جس کو چاہے ضامن بنا دے اور ضمان غاصب پر طے ہے اگر غاصب ضمان دے دے تو کسی سے واپس نہیں لے گا اور اگر مرتہن ضمان دے تو غاصب سے واپس لے گا، اس لئے کہ اس نے دھوکہ دیا ہے، لہذا اسی سے واپس لے گا (۲)۔

ج: مستحق مرتہن کو ضامن بنا سکتا ہے اگر استحقاق کے ظہور سے قبل مال تلف ہوا ہو اور اگر استحقاق کے بعد مستحق نے اس کو بلا عذر مرتہن کے ہاتھ میں چھوڑ دیا تو وہ ضامن نہ ہوگا، اس لئے کہ رہن رکھا ہوا سامان استحقاق کی وجہ سے رہن نہیں رہا اور مرتہن اس کا امین ہو گیا، اس لئے ضامن نہیں ہوگا، مالکیہ نے اس کی صراحت کی ہے (۲)۔

عادل کے فر وخت کرنے کے بعد مرتہن میں استحقاق:

۲۰۔ اگر مرتہن کو کسی عادل کے ہاتھ میں رکھ دیا جائے اور راہن

(۱) المغنی ۴/۳۲۰ طبع الریاض۔

(۲) الخرش ۲۳۱/۵۔ کمیٹی کی رائے یہ ہے کہ مالکیہ کی تصریح محل خلاف نہیں ہوتی

چاہئے۔

(۱) الہدایہ مع شرح فتح القدیر ۸/۲۲۳، ابن ماجہ ۵/۲۲۶۔

استحقاق ۲۱-۲۲

دیوالیہ کی فروخت کردہ چیزیں استحقاق:

۲۱- مالکیت، شافعیہ اور حنابلہ کا اتفاق ہے کہ اگر کسی دیوالیہ نے پابندی لگنے سے قبل کوئی چیز فروخت کر دی اور اس میں استحقاق نکل آیا تو خریدار تقسیم کو ختم کیے بغیر قرض خواہوں کے ساتھ شریک ہوگا اگر قیمت تلف ہو چکی ہو اور اس کا لوٹنا دشوار ہو اور اگر ثمن تلف نہ ہوا ہو تو خریدار اس کا زیادہ حق دار ہے۔

اگر حاکم کے فروخت کرنے کے بعد کسی چیز میں استحقاق نکل آئے تو دشمن کے بارے میں دوسرے قرض خواہوں کے مقابلہ میں خریدار کو مقدم کیا جائے گا، مالکیہ و شافعیہ نے اس کی صراحت کی ہے اور شافعیہ کے یہاں ایک قول یہ ہے کہ قرض خواہوں کے ساتھ وہ حصہ دار ہوگا (۱)۔

امام ابو حنیفہ کے نزدیک اس مسئلہ کا کوئی تصور ممکن نہیں، اس لئے کہ وہ دیوالیہ ہونے کی وجہ سے پابندی کو جائز نہیں سمجھتے، البتہ صاحبین کے قول پر اس کا تصور ممکن ہے، اس لئے کہ وہ کچھ شرائط کے ساتھ دیوالیہ پر پابندی کے قائل ہیں، لیکن ہمارے علم میں حنفیہ نے خاص طور پر اس مسئلہ کو صاحبین کے قول پر تفریع کرتے ہوئے ذکر نہیں کیا ہے۔

صالح میں استحقاق:

۲۲- حنفیہ وحنابلہ اقرار کیا انکار یا سکوت کے ساتھ صلح کرنے میں فرق کرتے ہیں، چنانچہ اگر اقرار کے ساتھ صلح ہو تو وہ ان کے نزدیک دونوں صلح کرنے والوں کے حق میں بیع کے درجہ میں ہے، اور بیع میں

ہے، لہذا اس کو اس سے آزاد کرنا بھی اس پر واجب ہوگا اور جب عادل راہن سے واپس لے لے تو مرتہن کا قبضہ درست ہو جائے گا، اس لئے کہ مقبوضہ چیز اس کے لئے محفوظ رہی اور اگر عادل چاہے تو مرتہن سے واپس لے لے، اس لئے کہ جب عقد ٹوٹ جائے گا تو شمن باطل ہو جائے گا اور اس نے شمن پر قبضہ کیا ہے، لہذا مجبوراً اس کے قبضہ کو توڑنا واجب ہوگا اور جب عادل مرتہن سے واپس لے لے تو مرتہن کا حق اپنی حالت پر لوٹ آئے گا، لہذا وہ راہن سے وصول کرے گا (۱)۔

ب۔ مشتری راہن سے رجوع کرے گا، اس لئے کہ مجمع اسی کی ہے، لہذا ازمہ داری بھی اسی پر ہوگی اور عادل سے وصول نہیں کرے گا اگر اس کو وکالت کا علم ہو اور اگر وکالت کا علم نہ ہو تو اس سے واپس لے گا، یہ حنا بلہ کا مذہب ہے (۲)۔

ج۔ مستحق مرتہن سے قیمت واپس لے گا اور بیع جائز ہوگی اور مرتہن راہن سے واپس لے گا، یہ مالکیہ کا ایک قول ہے، اور ابن القاسم نے کہا ہے: راہن سے واپس لے گا **لا** یہ کہ وہ دیوالیہ ہو تو مرتہن سے واپس لے گا، مالکیہ کی یہ رائے اس وقت ہے جب سلطان دشمن کو مرتہن کے سپرد کرے، اس لئے کہ غیر سلطان عادل کے ضامن ہونے کے بارے میں مالکیہ کی کوئی صریح عبارت نہیں مل سکی (۳)۔

دخریدار کو اختیار ہے کہ عادل سے واپس لے (بشرطیکہ عادل حاکم یا حاکم کی طرف سے اجازت یافتہ نہ ہو) یا راہن سے وصول کرے یا مرتہن سے واپس لے، اگر مرتہن نے قیمت وصول کر لی ہو، یہ شافعیہ کا قول ہے (۳)۔

(۱) سابقہ دونوں حوالے۔

(۲) مطالبہ ہولی ایسی سر ۷۷۷، کشاف القناع سر ۷۸۷، المغنی مع المشرح الکبیر سر ۷۹۷

(۳) ۵/۹، ۳/۱۰، ۳/۱۱

(۳) اشروانی علی اچھے ۸۵/۵، نہایت محتاج ۲۷۰/۳۔

(۱) اثر رفائی علی خلیل ۱۵/۴۷۳، الدسوقی ۳۳/۲۷۳ طبع مصطفیٰ النجاشی، روضۃ

الطائفتين ٢٠٢٢، كشفاف القناع ٢٠٢٣ طبع انصار السنة المحمدية ابن

ماہدین ۹۲/۵ طبع مول بولاق، السراج الوہاج ص ۲۲۵ طبع مصطفیٰ النجاشی۔

استحقاق ۲۳-۲۴

استحقاق کا حکم گذر چکا ہے۔

اور اگر صلح انکار یا سکوت کے ساتھ ہو تو یہ مدعی کے حق میں معاوضہ ہے، اور مدعا علیہ کے حق میں قسم اور نذرانہ کو ختم کرنے کا فائدہ ہے، اور اس بنیاد پر اگر سارے بدل صلح میں استحقاق نکل آئے، تو صلح باطل ہو جائے گی، اور مدعی دوبارہ مقدمہ کرے گا، اور اگر بعض میں استحقاق نکلے، تو اس بعض میں مدعی دوبارہ مقدمہ کرے گا۔

اور اگر اس شی میں استحقاق نکل آئے جس کے بدلہ میں صلح ہوئی ہے، تو مدعا علیہ مدعی سے کل یا بعض بدل واپس لے گا، اس لئے کہ مدعی نے ناحق طور پر بدل لیا ہے، لہذا اس کا مالک اس کو واپس لے سکتا ہے (۱)۔ مالکیہ کے یہاں اگر صلح اقرار کے ساتھ ہو اور بدل صلح میں استحقاق نکل آئے تو مدعی عین مدعا بہا کو اگر وہ باقی ہو واپس لے گا اور اگر وہ موجود نہ ہو تو اس کا عوض یعنی قیمت واپس لے گا اگر وہ ذوات التیم میں سے ہو، اور مثل واپس لے گا اگر وہ مثلی ہو..... اور اگر صلح انکار کے ساتھ ہو اور بدل صلح میں استحقاق نکل آئے تو علی الاطلاق عوض واپس لے گا اور عینہ اس چیز کو واپس نہیں لے گا اگرچہ موجود ہو۔

جس چیز کے بارے میں صلح کی گئی جو محل نزاع ہے اگر اس میں استحقاق نکل آئے اور صلح انکار کے ساتھ ہو تو مدعا علیہ نے مدعی کو جو کچھ دیا ہے اس سے واپس لے گا اگر موجود ہو، اور اگر فوت ہو چکی ہو تو اس کی قیمت لے گا اگر ذوات التیم میں سے ہو، اور مثل واپس لے گا اگر مثلی ہو، اور اگر صلح اقرار کے ساتھ ہو تو اقرار کرنے والا مدعی سے کچھ واپس نہیں لے گا، کیونکہ اس نے اعتراف کیا ہے کہ وہ اس کی ملکیت ہے اور جس چیز میں استحقاق نکلا ہے اس کو اس نے مدعی سے ظمماً لیا ہے (۲)۔

- (۱) رد المحتار ۳/۴۷۳، الاختیار ۲/۶۹، المغنی ۳/۵۳۶، الانصاف ۵/۲۳۷،
کشاف القناع ۳/۳۳۳۔
(۲) الترغاب فی علی فلیل ۹/۹، الدرر النوری ۳/۷۰۔

شافعیہ کے نزدیک صلح اقرار کے ساتھ ہی ہو سکتی ہے، اور اگر بدل صلح میں استحقاق نکل آئے اور وہ معین ہو تو صلح باطل ہوگی، خواہ کل میں استحقاق نکلے یا بعض میں، اور اگر بدل صلح غیر معین ہو یعنی ذمہ سے متعلق ہو اور واجب ہو تو مدعی اس کا بدل لے گا اور صلح فسخ نہیں ہوگی (۱)۔

قتل عمد سے صلح کے عوض میں استحقاق:

۲۳- قتل عمد سے مال پر صلح صحیح ہے اگر اس عوض میں استحقاق نکل آئے تو صلح باطل نہیں ہوگی بلکہ حق دار استحقاق والے سامان کا عوض لے گا، یہ حنفیہ مالکیہ اور حنابلہ کے نزدیک ہے اور شافعیہ کے نزدیک جنایت کا تاوان واپس لے گا (۲)۔

ضمان درک:

۲۴- بعض فقہاء نے کہا ہے: ضمان درک عرفاً ضمان استحقاق میں استعمال ہوتا ہے اور اس کی صورت یہ ہے کہ مجمع میں استحقاق کے وقت ثمن کا ضامن ہو، اور بعض فقہاء نے اس کو ”ضمان عہدہ“ کی ایک قسم بتایا ہے اور بعض نے کہا: ضمان درک اور ضمان عہدہ ایک ہیں (۳)۔

فقہاء کا اس پر اتفاق ہے کہ مجمع میں استحقاق کے وقت ثمن کا ضمان جائز ہے، کیونکہ اس کی ضرورت پڑتی ہے مثلاً کسی اجنبی کی بیع، یا اس کی قیمت میں اگر استحقاق نکل آئے تو وہ تلاش کرنے پر

- (۱) شرح الروض ۲/۲۱۸، روہۃ الطالبین ۳/۲۰۳۔
(۲) الترغاب فی علی فلیل ۶/۶۸، الدرر النوری ۳/۷۱، القواعد لابن رجب ۳/۲۴۸، مطالب اولی النہی ۳/۱۸۸، شرح الروض ۳/۵۵، البحر الرائق ۷/۲۸۰۔
(۳) فتح القدیر ۵/۳۳۵، ابن ماجہ ۳/۲۸۱، القلیوبی ۲/۳۲۵، المغنی ۳/۵۵۵، منہج الجلیل ۳/۲۳۹، الترغاب فی علی فلیل ۵/۱۳۹۔

استحقاق ۲۵-۲۶

نہیں ملے گا (۱)۔

ضمان درک پر تفصیلی بحث کے لئے دیکھئے اصطلاح: ”ضمان درک“۔

شفعہ میں استحقاق:

۲۵- اس پر فقہاء کا اتفاق ہے کہ اگر شفعہ والی جائیداد میں استحقاق نکل آئے تو شفعہ باطل ہوگا اور جس نے ثمن لیا ہے شفعہ اس سے واپس لے گا اور انجام کار ضمان بائع پر ہوگا (۲)۔

اگر اس قیمت میں استحقاق نکل آئے جس پر پہلی بیع ہوئی ہے تو اس کے بارے میں فقہاء کی دو مختلف آراء ہیں:

الف۔ اول: بیع اور شفعہ دونوں باطل ہیں: یہ حنفیہ، شافعیہ اور حنابلہ کا قول ہے اور مالکیہ کے یہاں بھی غیر رائج قول ہے اگر ثمن معین ہو، اس لئے کہ مالک نے اس کی اجازت نہیں دی ہے، اور شفعہ نے جو کچھ دیا ہے اس کا مثل واپس لے گا اور یہی مالکیہ کا قول ہے، جب کہ استحقاق شفعہ لینے سے پہلے ہو اور یہ کہ ثمن نقد نہ ہو (۳)۔

ب۔ دوم: شفعہ صحیح ہے، یہ مالکیہ کا قول اور یہی رائج مذہب ہے اگر استحقاق شفعہ میں لینے کے بعد ہو اور فروخت کنندہ شفعہ کی قیمت واپس لے گا نہ کہ استحقاق والی چیز کی قیمت والا یہ کہ استحقاق والی چیز نقد ہو تو اس کا مثل واپس لے گا۔

اگر ثمن معین نہ ہو تو بیع و شفعہ دونوں بالاتفاق صحیح ہیں (مثلاً ثمن

(۱) راہۃ مراجع، حاشیہ ابو سعید علی الکفر ۸/۲ طبع اول، البحر الرائق ۶/۲۳ طبع اعلیہ۔

(۲) ابن ماجہ ۲/۲۰۲، ۵/۳۸، البیہقی ۱۳/۲۹۹، فتح القدیر ۸/۳۲۳ طبع دار احیاء التراث العربی، الترغیب فی علی فلیل ۶/۸۹، المہذب ۱/۳۹۰ طبع مصطفیٰ الحلبنی، کشف القناع ۳/۱۸۹ طبع انصار السنۃ الحدیث، الانصاف ۶/۲۹۰۔

(۳) ابن ماجہ ۲/۲۰۱، ۲/۲۰۲، القتاویٰ البزازیہ ۵/۳۳، الترغیب فی علی فلیل ۶/۸۹، لطاب ۵/۳۲۶، المدونہ ۵/۲۳، الدرر النوری ۳/۳۹۵۔

ذمہ میں لے کر خریداری کی اور اس کے بدلہ میں کچھ دیا اور اس دی ہوئی چیز میں استحقاق نکل آیا) اور بیع اور شفعہ کے صحیح ہونے پر شفعہ کے ذریعہ لینے کی صورت میں ثمن کے بدلہ میں اس کے قائم مقام کوئی چیز دے گا (۱)۔

اگر معین قیمت کے کچھ حصہ میں استحقاق نکل آئے تو اس میں بیع شافعیہ و حنابلہ کے یہاں باطل ہوگی اور باقی میں شافعیہ کے یہاں صحیح ہے اور اس میں حنابلہ کے یہاں صنفہ کی تفریق میں دو روایتوں کی بنیاد پر اختلاف ہے (۲)۔

اگر شفعہ نے ایسا بدلہ لیا جس میں استحقاق نکل آیا تو شافعیہ و مالکیہ کے نزدیک اس کا حق شفعہ باطل نہیں ہوگا اور شافعیہ نے مزید کہا ہے کہ اگرچہ معلوم ہو کہ اس میں دوسرے کا حق ہے، اس لئے کہ اس نے طلب کرنے اور لینے میں کوتاہی نہیں کی، خواہ لینا معین یا غیر معین ثمن کے ذریعہ ہو اور اگر معین کے ذریعہ ہو تو نئی تملیک کی ضرورت ہوگی (۳)۔

مساقات میں استحقاق:

۲۶- حنفیہ، شافعیہ اور حنابلہ کا اس پر اتفاق ہے کہ درختوں میں استحقاق کی وجہ سے عقد مساقات فسخ ہو جاتا ہے اور اس صورت میں مزدور کے لئے پھل میں کوئی حق نہیں ہے، اس لئے کہ اس نے مالک کی اجازت کے بغیر کام کیا ہے۔

جس کے ساتھ معاملہ ہوا ہے اس کے ذمہ مزدور کے لئے اجرت مثل ہوگی، البتہ اجرت کے واجب ہونے کے لئے حنفیہ کے یہاں

(۱) الحرجل علی المصنوع ۳/۵۰۸، شرح الروض ۲/۳۵۰، ۳/۳۷۱، المغنی ۵/۳۳۸، ۳۳۹۔

(۲) شرح الروض ۲/۳۷۱، الانصاف ۶/۲۹۰۔

(۳) الحرجل علی المصنوع ۳/۵۰۸، الکافی ۲/۲۸۸، مجمع کردہ مکتبۃ المریض۔

استحقاق ۲۷

پھل کا ظاہر ہونا شرط ہے، لہذا اگر پھل ظاہر ہونے سے قبل درختوں میں استحقاق نکل آیا تو اس کے لئے اجرت نہیں ہوگی اور شافعیہ نے کہا ہے: استحقاق سے ماواضیت کی حالت میں وہ اجرت کا مستحق ہے، اس لئے کہ اس کے ساتھ معاملہ کرنے والے نے اس کو دھوکہ دیا ہے، لہذا اگر اس کو علم ہو تو اس کو اجرت نہیں ملے گی (۱)۔

اگر درخت پر پھل آنے کے بعد زمین میں استحقاق نکل آیا تو سب مستحق کے لئے ہیں (زمین درخت اور پھل) اور جس نے مزدور کے ساتھ معاملہ کیا ہے مزدور اس سے اپنے عمل کی اجرت مثل وصول کرے گا۔

مالکیہ نے کہا ہے: حق دار کو اختیار ہے کہ مزدور کو باقی رکھے یا عقد کو فسخ کر دے، اگر فسخ کرتا ہے تو اس کو اس کے کام کی اجرت دے گا (۲)۔

استحقاق کے بعد تلف شدہ درختوں اور پھلوں کے ضمان کا حکم باب ضمان میں دیکھا جائے۔

اجارہ میں استحقاق

کرایہ پر لی گئی چیز میں استحقاق:

۲۷- کرایہ پر لی گئی چیز میں استحقاق کی صورت میں فقہاء کا اختلاف ہے۔ کچھ حضرات فرماتے ہیں کہ اجارہ باطل ہے، جب کہ بعض حضرات کہتے ہیں کہ مستحق کی اجازت پر موقوف ہوگا، پہلا قول شافعیہ و حنابلہ کا اور دوسرا قول حنفیہ و مالکیہ کا ہے اور ہو سکتا ہے کہ یہ حنابلہ کا بھی ایک قول ہو، اس وجہ سے کہ ان کے نزدیک فضولی کی بیع جائز اور

مالک کی اجازت پر موقوف ہوتی ہے (۱)۔

اسی طرح اجرت کا مستحق کون ہوگا اس کے بارے میں بھی فقہاء کی تین مختلف آراء ہیں:

الف۔ اجرت عقد کرنے والے کو ملے گی، یہ حنفیہ کا قول ہے اگر اجازت فائدہ اٹھالینے کے بعد ہو اور اس صورت میں اجازت کا اعتبار نہیں (۲)۔ اور یہی مالکیہ کا قول ہے اگر استحقاق مدت کے بعد ہو (۳) اسی طرح شافعیہ کا قول بھی یہی ہے اگر کرایہ پر لی گئی چیز غصب شدہ نہ ہو، اس لئے کہ وہ بظاہر ملکیت کی وجہ سے مستحق ہوا ہے (۴)۔

ب۔ اجرت مستحق کو ملے گی، یہ حنابلہ کا قول ہے اور یہی حنفیہ کا قول ہے اگر اجازت فائدہ اٹھالینے سے قبل ہو اور امام ابو یوسف کے قول کے مطابق کچھ فائدہ اٹھالینے کے بعد بھی یہی حکم ہے، اور یہی شافعیہ کا قول ہے اگر کرایہ پر دی گئی چیز غصب شدہ ہو اور کرایہ دار کو غصب کا علم نہ ہو (۵)۔

شافعیہ کے نزدیک مالک غاصب یا کرایہ دار سے وہ منفعت واپس لے گا جو اس نے حاصل کی ہے، اور انجام کار ضمان کرایہ دار پر ہوگا، اگر اس نے فائدہ اٹھالیا ہے، لیکن اگر اس نے فائدہ نہیں اٹھایا ہے تو آخر کار ضمان کرایہ پر دینے والے دھوکہ باز پر ہوگا (۶)۔

(۱) الفتاویٰ الہندیہ ۳۳۶/۳، لطايف مع التاج والاكيل ۲۹۶/۵، المحمل علی المسج ۳۳۰/۵، المشروانی علی التہمہ ۳۳۶/۱۰، المجموع ۲۹۱/۵، المغنی ۵/۵۷۵، الانصاف ۳۳۶/۶، طبع اول، الترواکد ص ۳۹۰ طبع المستقیم۔

(۲) الفتاویٰ الہندیہ ۳۳۶/۳۔

(۳) التاج والاكيل ۲۹۶/۵۔

(۴) المشروانی علی التہمہ ۳۳۶/۱۰، المحمل علی المسج ۳۳۰/۵، المجموع ۲۹۱/۵۔

(۵) الانصاف ۳۳۶/۶، ۱۸۱، الفتاویٰ الہندیہ ۳۳۶/۳، شرح المروض ۳۳۱/۲، ۳۶۱۔

(۶) الام ۳۷۷۔

(۱) ابن عابدین ۵/۵۸۱، الفتاویٰ الہندیہ ۳۵۶/۵، ۲۸۳، شرح المروض

۳۰۰/۳، العلوی ۶۶/۳، المغنی ۵/۳۱۵، الفتاویٰ الہندیہ ۳۸۳/۵۔

(۲) الترواکد علی ضلیل ۶/۲۲۲، الدسوقی ۵۳۶/۳، طبع دار الفکر۔

استحقاق ۲۸-۲۹

حنا بلہ کے یہاں بھی مستحق ان دونوں سے وصول کرے گا اور انجام کارضمان کرایہ دار پر ہوگا (۱)، اور ”المواہب السنیہ“ میں ہے: موقوف زمین جس میں حق نکل آیا ہے اگر نگران نے اس کو کرایہ پر دیا اور اس کی اجرت لے کر مستحقین میں صرف کر دی تو مالک کرایہ دار سے وصول کرے گا، نگران سے نہیں، اور کرایہ دار اس سے واپس لے گا جس نے اس کے درہم لئے ہیں (۲)۔

ج۔ سابقہ اجرت عقد کرنے والے کو اور اگلی اجرت حق دار کو ملے گی، یہ مالکیہ کا قول ہے اور حنفیہ میں محمد بن حسن کا بھی یہی قول ہے، امام محمد کے نزدیک عقد کرنے والا نقصان کے ضمان کے بعد اپنے حصہ کو صدقہ کر دے گا (۳) اور مالکیہ کے یہاں ”سابقہ اجرت“ سے مراد استحقاق کا فیصلہ ہونے سے قبل کی اجرت ہے (۴)۔

کرایہ پر لی گئی استحقاق والی چیز کا تلف ہونا:

۲۸۔ اگر کرایہ پر لی ہوئی چیز بلاک ہو جائے یا اس میں کوئی نقص پیدا ہو جائے پھر ظاہر ہو کہ اس میں کسی کا حق ہے تو مستحق کرایہ پر لینے والے یا کرایہ پر دینے والے کو ضامن بنا سکتا ہے اور انجام کارضمان کرایہ پر دینے والے پر ہوگا، یہ حنفیہ، شافعیہ اور حنا بلہ کے یہاں ہے (۵)۔

شافعیہ و حنا بلہ کے یہاں غصب کے دن سے بلاک ہونے کے دن تک کی اعلیٰ قیمت وصول کرے گا، کیونکہ جس حالت میں اس کی قیمت میں اضافہ ہوا ہے اس میں وہ غصب شدہ تھی، اس لئے اضافہ

(۱) شرح منہجی الارادات ۲/۳۱۳۔

(۲) المواہب السنیہ ہامش الاشباہ والنظائر للسیوطی ص ۳۵۵، ۳۵۶ طبع ہجریہ۔

(۳) الفتاویٰ الہندیہ ۳۳۶/۳، المتاج والاکلیل ۵/۳۰۰۔

(۴) الخرش ۶/۱۵۳۔

(۵) البحر الرائق ۲/۳۲۳، طبع اعلیٰ، دمام ۳۵۷، شرح المروض

۳۳۱/۳، مطالب اولیٰ امسی ۱۸۸، کشاف القناع ۸۶/۳، الانصاف

۷۴/۱، قواعد ابن رجب ص ۶۸، ۱۵۳ شرح منہجی الارادات ۲/۳۱۳۔

مالک کا ہوگا اور اس کا ضمان غاصب پر ہوگا (۱)۔

مالکیہ نے کہا ہے: مستحق کرایہ دار سے وصول کرے گا اگر اس کی طرف سے تعدی پائی جائے، لیکن اگر اس نے جائز کام کیا ہو اور اس کی طرف سے تعدی نہ پائی جائے تو اس سے وصول نہیں کرے گا، لہذا اگر گھر کرایہ پر لیا، پھر اس کو منہدم کر دیا اور اس کے بعد کوئی حق دار ظاہر ہوا تو مستحق بلے کو لے گا اگر اس کو موجود پائے، اور گرانے والے سے گرانے کی قیمت لے سکتا ہے یعنی گرانے کی وجہ سے تعمیر کا جو نقصان ہوا ہے اس کی قیمت لے گا (۲)۔

اجرت میں استحقاق:

۲۹۔ حنفیہ کے نزدیک اگر اجرت میں استحقاق نکل آئے تو یا تو اجرت مثلی ہوگی یا قیمی ہوگی، اگر اجرت قیمی ہو اور اس میں استحقاق نکل آئے تو اجارہ باطل ہوگا اور اس میں منفعت کی قیمت (اجرت مثلی) واجب ہوگی نہ کہ بدل کی قیمت، اور اگر اجرت مثلی ہو تو اجارہ باطل نہیں ہوگا، اور مثل واجب ہوگا، لہذا اگر کسی کو دس درہم اجرت کے طور پر دیئے اور اس میں حق نکل آیا تو اسی جیسے دس درہم دینا ضروری ہوگا، نہ کہ منفعت کی قیمت (۳)۔

مالکیہ نے کہا ہے: اگر اجارہ پر دینے والے کے قبضہ میں معینہ اجرت مثلاً جانور وغیرہ میں استحقاق نکل آئے اور استحقاق کا ثبوت کرایہ کی زمین جو تنے سے پہلے ہو یا کاشت سے پہلے ہو تو اجارہ بالکلیہ فسخ ہو جائے گا اور زمین والا زمین لے لے گا، اور اگر جو تنے یا بونے کے بعد استحقاق نکلا تو کرایہ پر دینے والے اور کرایہ پر لینے

(۱) شرح المروض ۲/۳۶۱، شرح منہجی الارادات ۲/۳۱۳، المغنی ۵/۲۷۹ طبع

الریاض، اقلیو بی ۱۸۱/۳۔

(۲) المتاج والاکلیل ۵/۳۰۳۔

(۳) الفتاویٰ البرازیہ ۵/۳۳۸، جامع المقبولین ۱/۱۶۳۔

استحقاق ۳۰

والے کے درمیان اجارہ فسخ نہیں ہوگا، اور اس حالت میں اگر مستحق اپنا مال کرایہ پر دینے والے سے لے لے اور اجارہ کو منظور نہ کرے تو کرایہ دار کے ذمہ کرایہ پر دینے والے کے لئے اجرت مثل ہوگی، اور زمین اس کے لئے باقی رہے گی جیسا کہ پہلے تھی۔

اور اگر مستحق اپنا مال کرایہ پر دینے والے سے نہ لے بلکہ اس کو اس کے لئے چھوڑ دے اور اجارہ منظور کر لے تو اگر کرایہ دار کو اس کے کاشت کی اجرت دے دے تو اجارہ کی مدت کے دوران اس کو زمین سے فائدہ اٹھانے کا حق ہوگا اور اگر مستحق جوتنے کی اجرت دینے سے انکار کرے تو کرایہ دار سے کہا جائے گا کہ مستحق کو زمین کی اجرت دے دو اور تمہارے لئے اس کی منفعت ہوگی، اگر وہ دے دیتا ہے تو قصہ تمام ہے ورنہ اس سے کہا جائے گا کہ زمین مدت اجارہ میں جوتنے کے معاوضہ کے بغیر مفت اس کے سپرد کرو۔

اگر اجرت غیر معین چیز ہو مثلاً نقود، کیلی، یا وزنی چیز اور اس میں استحقاق نکل آیا تو اجارہ فسخ نہیں ہوگا، خواہ استحقاق جوتنے سے قبل ہو یا اس کے بعد، اس لئے کہ اس کا عوض اس کے قائم مقام ہوگا (۱)۔

جس زمین میں کرایہ دار کا درخت یا مکان ہے اس میں استحقاق:

۳۰- اگر کرایہ کی زمین میں جس میں کرایہ دار نے درخت لگا دیئے تھے استحقاق نکل آیا تو درخت کو اکھاڑنے اور اس کو باقی رکھتے ہوئے اس کے مالک ہو جانے کے بارے میں فقہاء کی تین مختلف آراء ہیں: اول: مستحق بلا معاوضہ درخت کو اکھاڑ سکتا ہے، یہ قول حنفیہ کا ہے لیکن مدت اجارہ کے پوری ہونے کے بعد میں اور شافعیہ کا بھی قول ہے نیز شافعیہ نے کہا ہے: مالک کو یہ حق نہیں کہ قیمت دے کر درخت

کا مالک بن جائے یا اجرت دے کر اس کو باقی رکھے، اس لئے کہ غاصب اس کو اکھاڑ سکتا ہے (۱)۔

حنفیہ کے نزدیک کرایہ دار کرایہ پر دینے والے سے اکھڑی ہوئی حالت میں درخت کی قیمت کا تاوان لے گا، اور شافعیہ کے نزدیک کرایہ دار غاصب سے تاوان لے گا، کیونکہ اس نے عقد کا آغاز صحیح سالم ہونے کے خیال سے کیا ہے۔

دوم: مستحق کو حق ہے کہ کھڑے رہنے کی حالت میں درخت کی قیمت کے بدلہ درخت کا مالک ہو جائے، یہ مالکیہ کا قول ہے اگر مستحق مدت کے گزرنے سے قبل اجارہ کو فسخ کر دے اور اس کو یہ حق نہیں کہ درخت اکھاڑ دے یا اکھڑی ہوئی حالت کی اس کی قیمت دے، اس لئے کہ کرایہ دار نے ایک قسم کے شبہ کی بنا پر درخت لگایا ہے، اور اگر مستحق کھڑے رہنے کی حالت میں درخت کی قیمت دینے سے انکار کرے تو کرایہ دار سے کہا جائے گا اس کو زمین کی قیمت دے دو اور اگر وہ انکار کرے تو دونوں شریک ہوں گے (۲)، کرایہ دار درخت کی قیمت کے ساتھ اور مستحق اپنی زمین کی قیمت کے ساتھ، اور اگر مدت کے گزرنے کے بعد اجازت دے تو اکھڑی ہوئی حالت میں درخت کی قیمت دے گا اور اکھاڑنے کی اجرت وضع کر لے گا (۳)۔

سوم: حق دار کرایہ دار کو وہ اخراجات جو درخت لگانے میں اس کی طرف سے ہوئے ہیں ادا کر کے درخت کا مالک ہوگا، حنابلہ کے یہاں اسی کی صراحت ہے اور یہی قاضی اوران کے موافقین کا رائج قول ہے اگر درخت غاصب کے لگانے کی طرح لگایا ہے، اوران کا ایک دوسرا قول یہ ہے کہ درخت کرایہ دار کا ہوگا اور اس کے ذمہ زمین والے کے لئے اجرت ہوگی اور وہ کرایہ پر دینے والے سے وصول

(۱) الفتاویٰ البر ازب ۵/۳۳۵، شرح الروض ۲/۳۵۹۔

(۲) الخرش ۶/۱۵۵، الروض ۵/۳۷۷، حاشیہ اقلیو بی علی ۳/۳۹۳۔

(۳) مرجع سابق۔

(۱) حاشیہ الدسوقی ۳/۶۲۳، الخرش ۶/۱۵۲۔

استحقاق ۳۱-۳۳

کرے گا (۱)، اور تعمیر کرنا فقہاء مذاہب اربعہ کے یہاں درخت لگانے کی طرح ہے (۲)۔

ہلاک ہونے کے بعد جہہ میں استحقاق:

۳۱- ہلاک شدہ جہہ میں استحقاق کے بارے میں علماء کے دو نقطہ نظر ہیں:

الف- مستحق کو اختیار ہے کہ جہہ کرنے والے سے وصول کرے یا جس کو جہہ کیا گیا ہے اس سے رجوع کرے، جہہ کرنے والے سے وصول اس لئے کرے گا کہ وہی اس کے مال کے ہلاک ہونے کا سبب ہے اور جس کو جہہ کیا گیا ہے اس سے اس لئے وصول کرے گا کہ وہی اس کو ختم کرنے والا ہے، یہ مالکیہ، شافعیہ اور حنابلہ کا قول ہے، اہل مالکیہ نے موہوب لہ سے رجوع اس وقت قرار دیا ہے جب کہ واجب سے رجوع کرنا دشوار ہو اور موہوب لہ کو اس کی آمدنی میں سے اس کے عمل اور محنت و تدبیر کی قیمت ملے گی، لہذا اگر واجب سے وصول کرے تو اس کے لئے موہوب لہ پر کچھ نہیں ہوگا، مالکیہ اور شافعیہ نے اس کی صراحت کی ہے اور اگر موہوب لہ سے وصول کرے تو حنابلہ کے نزدیک وہ واجب سے وصول کرے گا، صاحب ”کشاف القناع“ نے یہی ایک قول ذکر کیا ہے اور ابن رجب نے اسی کو مشہور کہا ہے، اس لئے کہ وہ اس معاملہ میں اس شرط کے ساتھ داخل ہوا ہے کہ وہ کسی چیز کا ضامن نہیں ہوگا، لہذا اس کو دھوکہ دیا گیا ہے، اور شافعیہ کے یہاں اختلاف اس صورت میں بھی ہے جب موہوب لہ واجب سے وصول کرے، اور ایک قول ہے کہ واجب سے وصول نہیں کرے گا، اس لئے کہ واجب نے اس سے عوض نہیں لیا کہ وہ اپنے

عوض کو واپس لے، البتہ واجب ایسا شخص ہے جس نے اس کو ایسی چیز میں دھوکہ دیا ہے جس کے نہ قبول کرنے کا اس کو حق تھا۔

ب- واجب کے بجائے موہوب لہ سے وصول کرے گا، یہ حنفیہ کا قول ہے، اس لئے کہ جہہ مفہود تفرع ہے اور واجب اس کو اپنے لئے کرنے والا نہیں ہے، لہذا موہوب لہ سلامتی کا مستحق نہیں اور نہ ہی اس کی وجہ سے دھوکہ دہی ثابت ہوگی نیز اس لئے کہ موہوب لہ اپنے لئے قبضہ کرتا ہے (۱)۔

موصی بہ (جس چیز کی وصیت کی گئی) میں استحقاق:

۳۲- موصی بہ میں استحقاق کی وجہ سے وصیت باطل ہو جاتی ہے، اگر بعض میں استحقاق ہو تو باقی میں وصیت باقی رہتی ہے، اس لئے کہ موصی بہ وصیت کرنے والی کی ملکیت سے نکلنے کی وجہ سے باطل ہو جاتی ہے، اور استحقاق کی وجہ سے یہ ظاہر ہو گیا کہ اس نے غیر مملوک مال کی وصیت کی ہے اور غیر مملوک مال کی وصیت باطل ہے (۲)۔

مہر میں استحقاق:

۳۳- فقہاء کا اتفاق ہے کہ مہر میں استحقاق کی وجہ سے نکاح باطل نہیں ہوتا، اس لئے کہ مہر نکاح کی صحت کی شرط نہیں لیکن استحقاق کی صورت میں بیوی کے لئے کیا واجب ہوگا اس میں فقہاء کے دو مختلف نقطہ نظر ہیں:

اول: ذوات التیم میں سے ہو تو قیمت، اور مثلی ہو تو مثل وصول

(۱) لا م ۳۵۷، البحر الرائق ۳۲۱ طبع احمدیہ، التاج والاکلیل ۲۹۱، المدونہ ۳۶۱/۵، مجمع کردہ دارصادر، کشاف القناع ۳۸۳، قواعد ابن رجب ص ۲۱۶۔

(۲) اختایہ علی الہدایہ ہامش مکتبہ فتح القدیر ۲۸/۸، شرح المکیر لابن ابی عمر ۲۶۶/۵، المغنی ۵۷۶/۶ طبع اول المئتان، جوہر الاکلیل ۳۱۸، ۳۲۲۔

(۱) قواعد ابن رجب ص ۱۵۳۔

(۲) التاج والاکلیل ۳۰۰/۵، شرح الروض ۳۵۶/۲، الفتاویٰ للہذازیہ ۳۳۵/۵، البحر ۲۶۱/۵، قواعد ابن رجب ص ۱۵۳۔

استحقاق ۳۴-۳۵

کے احوال معین ہوں) تو اس میں مثل واجب ہے (۱)۔
دوم: عورت مہر مثل کے ساتھ جائے ہوگی، یہ شافعیہ کا قول ہے (۲)، اس لئے کہ عوض کے فاسد ہونے کی صورت میں اسی کا اعتبار ہے۔

قربانی کے جانور میں استحقاق:

۳۵- حنفیہ، شافعیہ اور حنابلہ کے یہاں اگر قربانی کے جانور میں استحقاق نکل آئے تو نہ ذبح کرنے والے کی طرف سے کافی ہے اور نہ ہی مستحق کی طرف سے، البتہ اگر مالک ذبح کرنے والے کو قیمت کا ضامن بنادے اور اس سے ضمان لے لے تو یہ صورت حنفیہ کے یہاں مستثنیٰ ہے، اور ذبح کرنے والے کی طرف سے قربانی ہو جائے گی۔
بدل کے لازم ہونے کے بارے میں حنفیہ نے کہا ہے کہ کافی نہ ہونے کی صورت میں ان میں سے ہر ایک پر قربانی کرنا لازم ہے، اور اگر قربانی کا وقت گزر جائے تو ذبح کرنے والے پر اوسط درجہ کی بکری کی قیمت کا صدقہ کرنا واجب ہے، اور حنابلہ نے کہا ہے کہ اس کے ذمہ بدل اس وقت لازم ہوگا جبکہ استحقاق سے قبل متعین ہو جائے اور تعین سے قبل قربانی واجب ہو مثلاً اس نے اس کی قربانی کی نذرمانی تھی، اور اگر استحقاق تعین سے قبل ہو تو اس کے ذمہ اس کا بدل لازم نہیں، اس لئے کہ اس صورت میں تعین درست نہیں (۳)۔

مالکیہ نے کہا ہے: استحقاق والا قربانی کا جانور مستحق کی اجازت پر

کرے گی، یہ حنفیہ و حنابلہ کا مذہب اور شافعیہ کا ایک قول ہے، اور مالکیہ بھی مثلی میں علی الاطلاق ان کے ساتھ ہیں اور ذوات الیم میں اگر معین ہو لیکن اگر ذوات الیم میں سے ہو اور موصوف ہو، ذمہ میں واجب ہو، حالات و صفات معین ہوں خود ذوات نہیں) تو عورت مثل واپس لے گی (۱)۔

دوم: مہر مثل وصول پائے گی، یہ شافعیہ کا قول ہے (۲)۔

عوض خلع میں استحقاق:

۳۴- مذاہب مشہورہ کے فقہاء کا اس پر اتفاق ہے کہ خلع کے عوض میں استحقاق کی وجہ سے خلع باطل نہیں ہوتا (۳)، البتہ استحقاق کی صورت میں شوہر کے لئے کیا واجب ہوگا اس کے بارے میں ان کے دو مختلف نقطہ نظر ہیں:

اول: قیمت یا مثل کا وصول کرنا: یہ حنفیہ، مالکیہ اور حنابلہ کا مذہب ہے، اس لئے کہ طے شدہ عوض کا دینا و شواہ ہے باوجودیکہ اس کی سپردگی کا متقاضی سبب جو کہ خلع ہے موجود ہے، کیونکہ خلع مکمل ہونے کے بعد ناقابل فسخ ہے (۴)، البتہ حنابلہ نے کہا ہے: قیمت واپس لے گا اگر عوض قیمی ہو اور مثل لے لے گا اگر مثلی ہو، اور مالکیہ نے کہا ہے: قیمت واجب ہے اگر معین ہو، اور اگر موصوف ہو (یعنی اوصار ہو مگر اس

(۱) ابن ماجہ ۲/۳۵۰، حاشیہ جامع المفصلین ۱/۱۶۳، فتح القدیر ۲/۳۵۵ طبع اول بولاق، البدائع ۵/۳۷۸ طبع المطبوعات العلمیہ، الترقائی علی غلیل ۳/۳۸۳، المطالب ۳/۵۰۱، المدونہ ۵/۳۸۷، شرح کردہ دار صادر، المشروانی علی التھ ۷/۳۸۳، الجمل ۳/۹۸، المغنی ۶/۶۸۹ طبع الریاض، مطالب ولی التمس ۳/۱۸۸۔

(۲) المشروانی علی التھ ۷/۳۸۳، شرح الروض ۳/۲۰۳، ۲۰۵ طبع لیسبہ۔

(۳) فتح القدیر ۳/۱۰۹، جامع المفصلین ۲/۱۶۳، شرح الروض ۳/۲۵۵، مطالب ولی التمس ۳/۱۸۸۔

(۴) فتح القدیر ۳/۱۰۹، جامع المفصلین ۲/۱۶۳۔

(۱) الخرش ۱۶/۳، المغنی ۸/۱۹۵، ۲۰۲، کشاف القناع ۳/۱۳۱، قواعد ابن رجب ص ۲۱۳۔

(۲) شرح الروض ۵/۲۵۵۔

(۳) البدائع ۵/۷۶، نہایت المحتاج ۸/۱۳۶، کشاف القناع ۳/۱۱، طبع مکتبہ انصاریہ۔

استحقاق ۳۶

موقوف ہوگا، اگر وہ بیع کو منظوری دے دے تو قطعی طور پر جائز ہے (۱)۔

تقسیم کردہ شی کے کچھ حصہ کا استحقاق:

۳۶- کسی چیز کو تقسیم کرنے پر اس کے بعض حصے میں استحقاق کے وقت تقسیم کے باطل ہونے اور اس کے صحیح باقی رہنے کے بارے میں فقہاء کے مختلف نظریات ہیں:

الف۔ اول: تقسیم صحیح باقی رہے گی اگر بعض معین کا استحقاق نکلے، یہ خفیہ کا قول ہے، ان کے یہاں برآمد ہے کہ استحقاق والا جزء معین کسی ایک شریک کے حصہ میں ہو یا دونوں کے حصوں میں۔ اگر دونوں میں سے کسی ایک کے حصہ میں ہو تو وہ اپنے استحقاق والے حصہ کے بقدر اپنے دوسرے شریک سے واپس لے گا، اور شافیہ و حنابلہ کی رائے ہے کہ تقسیم صحیح باقی رہے گی اگر استحقاق دونوں شریک کے حصے میں برآمد ہو (۲)۔

ب۔ تقسیم باطل ہے، یہ خفیہ کا قول ہے، اگر استحقاق پورے میں پھیلا ہوا ہو، یا امام ابو یوسف کے نزدیک کسی ایک حصہ میں پھیلا ہوا ہو، اور باطل ہونا شافیہ و حنابلہ کا بھی قول ہے اگر استحقاق بعض حصہ میں پھیلا ہوا ہو، اس لئے کہ مستحق ان دونوں کا شریک ہے، اور انہوں نے اس کی موجودگی یا اجازت کے بغیر تقسیم کر لیا تو اس کی صورت یوں ہوگئی کہ ان دونوں کا کوئی تیسرا شریک رہا ہو اور ان کو اس کا علم بھی ہو پھر بھی انہوں نے اس کے بغیر تقسیم کر لیا ہو، شافیہ و حنابلہ کے یہاں پھیلے ہوئے ہی کی مانند یہ ہے کہ کسی ایک ہی کے حصے میں معین جز کا استحقاق ہو، یا کسی ایک کے حصہ میں دوسرے کے مقابلہ میں زیادہ کا

استحقاق ہو، اس کی دلیل یہ ہے کہ اس تقسیم میں حصے برابر برآمد نہیں ہیں، اس لئے باطل ہوگی (۱)۔

ج۔ استحقاق والی مقدار میں تقسیم باطل ہے اگر استحقاق شائع (غیر معین) ہو، اور باقی کے بارے میں اختیار ہے کہ تقسیم کو نافذ کرے یا ختم کر دے، یہ شافیہ کے یہاں دو طریقوں میں سے اظہر ہے (۲)۔

د۔ اس کو اختیار ہے کہ باقی کو رکھ لے اور کچھ واپس نہ لے یا اپنے شریک کے ہاتھ میں سے استحقاق کی نصف مقدار واپس لے اگر وہ موجود ہو، ورنہ قبضہ کے دن کی اس کی قیمت کا نصف واپس لے لے، یہ مالکیہ کا قول ہے، اگر استحقاق نصف یا تہائی میں ہو، اور اگر استحقاق چوتھائی میں ہو تو اس کو کوئی اختیار نہیں، تقسیم باقی رہے گی، نہیں ٹوٹے گی، اور وہ استحقاق کی نصف قیمت ہی واپس لے سکتا ہے (۳)۔

ه۔ اس کو اختیار ہے کہ تقسیم کو اپنے حال پر باقی رکھے اور کچھ واپس نہ لے یا تقسیم کو فسخ کر دے، یہ مالکیہ کا قول ہے اگر استحقاق اکثر میں ہو یعنی نصف سے زائد میں (۴)۔

و۔ اس کو اختیار ہے کہ باقی کو واپس کر کے دوبارہ تقسیم کرے یا تقسیم کو باقی رکھتے ہوئے استحقاق کے بقدر شریک سے واپس لے لے، یہ امام ابو حنیفہ کا قول ہے، اگر استحقاق محض ایک کے حصہ کے اندر جزو شائع میں ہو، اور امام ابو یوسف کے نزدیک تقسیم ٹوٹ جائے گی جیسا کہ گذرا (۵)۔

(۱) الہدایہ مع نتائج الافکار والکفایہ ۸/ ۳۷۴، ابن عابدین ۵/ ۱۶۸، ۱۶۹، شرح الروض ۳/ ۳۳۳، القلیوبی ۳/ ۳۱۸، المہذب ۲/ ۳۱۰، المغنی ۹/ ۱۲۸، قواعد ابن رجب ۵/ ۳۱۵۔

(۲) شرح الروض ۳/ ۳۳۳۔

(۳) الدوسقی ۳/ ۵۱۳ طبع دار الفکر۔

(۴) سہ ماہیہ جلد ۱۔

(۵) اللفایہ مع نتائج الافکار ۸/ ۳۷۴، ابن عابدین ۵/ ۱۶۸، ۱۶۹۔

(۱) الرقانی علی ضلیل ۳/ ۳۳۔

(۲) الہدایہ مع نتائج الافکار والکفایہ ۸/ ۳۷۴ طبع دار احیاء التراث العربی، شرح الروض ۳/ ۳۳۳، المہذب ۲/ ۳۱۰ طبع مصطفیٰ الحسن، المغنی ۹/ ۱۲۸، قواعد ابن رجب ۵/ ۳۱۳۔

استحلال ۱-۲

بدیہی طور پر ثابت ہو اس کا انکار حضور ﷺ کی تکذیب ہے، فقہاء نے اس کی کئی مثالیں دی ہیں، مثلاً قتل، زنا (۱)، شراب نوشی (۲) اور جادو (۳) کو حلال سمجھنا۔

اور کبھی استحلال حرام ہوتا ہے، اور حلال سمجھنے والا فاسق قرار پاتا ہے لیکن کافر نہیں ہوتا، مثلاً باغیوں کا مسلمانوں کی جان و مال کو حلال سمجھنا، اور اس کی بنا پر تکفیر نہ کرنے کی وجہ یہ ہے کہ وہ تاویل کرنے والے ہیں، اور استحلال کی وجہ سے فسق کے نتیجے میں عام فقہاء کے نزدیک ان کے قاضی کا فیصلہ قابل قبول نہیں ہوگا، صرف مالکیہ کی ایک رائے ہے کہ ان کے فیصلوں کا جائزہ لیا جائے گا، ان میں جو درست ہونا نڈ ہوگا، ورنہ رد کر دیا جائے گا۔

جس طرح ان کے فیصلے منسوخ کر دیے جائیں گے اسی طرح ان کی کوئی بھی رد کر دی جائے گی، جیسا کہ بہت سے فقہاء نے اس کی صراحت کی ہے، ان احکام کی تفصیل کے لئے اصطلاح ”غنی“ دیکھئے (۴)۔

رہا استحلال بمعنی کسی چیز کو حلال کرنا مثلاً نکاح کے ذریعہ شرمگاہوں کو حلال کرنا، تو یہ کبھی مکروہ ہوتا ہے، کبھی مباح اور کبھی مستحب۔

رہا استحلال بمعنی دوسرے سے معاف کر دینے کی درخواست کرنا

(۱) الشروانی علی التھد ۸/۷، المواق علی فلیل ۶/۲۸۰، الرقانی علی فلیل ۶۵/۸۔

(۲) الموسط ۲/۲۳ طبع دار المعرفۃ، المواق علی فلیل ۶/۲۸۰، الرقانی علی فلیل ۶۵/۸۔

(۳) الشروانی علی التھد ۹/۶۲، ابن عابدین ۳/۳۱۷ طبع سوم، الخطاب مع الحاج والاکیل ۶/۲۸۰، المغنی مع الشرح الکبیر ۱۰/۱۱۳۔

(۴) البحر الرائق ۵/۱۵۳، منہج الجلیل ۳/۶۲، الدسوقی ۳/۳۰۰ طبع دار الفکر، نہایت المحتاج ۸/۹، البحر علی علی النج ۳/۲۰۱ طبع المکتبۃ الاسلامیہ، المغنی مع الشرح ۱۰/۷۰۔

استحلال

تعریف:

۱- یہ ”استحل الشئ“ کا مصدر بمعنی اس نے اس کو حلال بنایا، دوسرے سے اپنے لئے حلال کرنے کی درخواست کی (۱)، اور ”تحللته“ اور ”استحللته“ اس وقت کہا جاتا ہے جب کسی سے معافی کی درخواست کی جائے (۲)۔

فقہاء کے یہاں اس کا استعمال لغوی معنی میں اور حلال سمجھنے کے معنی میں ہے (۳)۔

اجمالی حکم:

۲- استحلال بمعنی کسی چیز کو حلال سمجھنا، اگر اس میں شریعت کی حرام کردہ چیز کو حلال کرنا ہو تو حرام ہے، بلکہ بسا اوقات کفر ہو جائے گا اگر حرمت دین کی بدیہی معلومات میں سے ہو، لہذا اگر کسی کا عقیدہ کسی ایسے حرام کے حلال ہونے کا ہو (جس کی حرمت دین کی بدیہی معلومات میں سے ہو) اور کوئی عذر نہ ہو تو وہ کافر ہو جائے گا (۴)، اس کی وجہ سے کافر قرار دینے کا سبب یہ ہے کہ جس چیز کا دین محمدی میں سے ہونا

(۱) ترتیب القاموس (جل)۔

(۲) لسان العرب (جل)۔

(۳) الرقانی علی فلیل ۶۵/۸ طبع دار الفکر۔

(۴) البحر الرائق ۱/۲۰۷ طبع المطبعیہ، الخطاب ۶/۲۸۰ طبع لیبیا، منہج الجلیل ۳/۶۲، طبع لیبیا، حامیۃ الشروانی علی التھد ۹/۷۰، طبع دار صادر، المغنی مع الشرح الکبیر ۱۰/۸۵ طبع اول المنار۔

استحلال ۳، استحياء ۱

تو بسا اوقات واجب ہوتا ہے مثلاً غیبت معاف کرنا اگر جس کی غیبت کی گئی ہے اس کو ظلم ہو جائے (۱)، اور بسا اوقات مباح ہوتا ہے مثلاً غاصب کا مال مغضوب واپس کرنے کے بجائے اس کو مالک سے معاف کرنا، اس کی تفصیل فقہاء غیبت اور غصب کے احکام میں ذکر کرتے ہیں۔

استحياء

تعریف:

۱- استحياء لغت میں چند معافی کے لئے آتا ہے، مثلاً:

الف - بمعنی حیاء یعنی سکڑنا اور منقبض ہونا (۱)، بعض حضرات نے اس انقباض کے استحياء ہونے کے لئے یہ قید لگائی ہے کہ بُری چیزوں سے انقباض ہو، قرآن کریم کی متعدد آیات کے اندر اسی مفہوم میں ”استحياء“ آیا ہے، مثلاً: ”فَجَاءَتْهُ إِحْلَاهُمَا تَمْشِي عَلَىٰ سَنَابِلٍ فَإِذَا تَلَمَّحَتْ أَبْيَ يَدْعُوكَ لِيَجْزِيَكَ أَجْرَ مَا سَقَيْتَ لَنَا“ (۲) (پھر ان دو میں سے ایک لڑکی موسیٰ کے پاس آئی کہ شرماتی ہوئی چلتی تھی بولی کہ میرے والد تم کو بلاتے ہیں تاکہ تم کو اس کا صلہ دیں جو تم نے ہماری خاطر پانی پلا دیا تھا)۔ نیز فرمان باری ہے: ”إِنَّ اللَّهَ لَا يَسْتَحْيِي أَنْ يَضْرِبَ مَثَلًا مَّا بَعُوضَةً فَمَا فَوْقَهَا“ (۳) (اللہ اس سے ذرا نہیں شرماتا کہ کوئی مثال بیان کرے مچھر کی یا اس سے بھی بڑھ کر) (کسی اور چیز کی)۔ نیز ارشاد فرمایا: ”وَاللَّهُ لَا يَسْتَحْيِي مِنَ الْحَقِّ“ (۴) (اور اللہ حق بات کہنے سے نہیں شرماتا)۔

اس معنی میں استحياء فی الجملہ پسندیدہ ہے، اس کی تفصیل اصطلاح

بحث کے مقامات:

۳- لفظ استحلال بہت سے مقامات پر آیا ہے، مثلاً قتل، حد زنا، شراب نوشی، بغاوت، ارتداد، تو بہ اور غیبت۔
ہر حرام چیز کو حلال قرار دینے کے احکام کو جاننے کے لئے اس کی جگہ پر دیکھنا چاہئے۔



(۱) المصباح الحامی۔

(۲) سورہ بقرہ ۲۵۵۔

(۳) سورہ بقرہ ۲۶۔

(۴) سورہ احزاب ۵۳۔

(۱) ابن ماجہ ۵/۲۶۳، ۲۶۴، شرح المروض ۳/۳۵۷ طبع المکتبۃ، مطالب
اولیٰ اسی ۶/۲۱۰ طبع المکتبۃ الاسلامی، مدارج المہمکین ۱/۲۹۰، ۲۹۱ طبع
السید محمد یحییٰ

استحياء ۲-۳

”حیاء“ میں ہے۔

ب۔ زندہ رکھنے کے معنی میں، کہا جاتا ہے: استحیاء فلاناً، میں نے فلاں کو زندہ چھوڑ دیا، قتل نہیں کیا، اور اسی معنی میں فرمان باری ہے: ”يُذَبِّحُ أَبْنَاءَهُمْ وَيَسْتَحْيِي نِسَاءَهُمْ“ (۱) (ان کے بیٹوں کو ذبح کر دیتا تھا اور ان کی عورتوں کو زندہ رکھتا تھا) (۲)۔

فقہاء نے لفظ استحياء کو ان دونوں معانی میں استعمال کیا ہے، مثلاً کنواری عورت کے بارے میں کہتے ہیں: نکاح میں اس سے اجازت لی جائے گی، اور اس کی خاموشی اس کی اجازت ہے، اس لئے کہ وہ بولنے سے شرمائے گی۔

مسلمانوں کے ہاتھ آنے والے قیدیوں کے بارے میں فقہاء نے کہا ہے: اگر امیر المؤمنین چاہے تو ان کو زندہ رکھے اور اگر چاہے تو ان کو قتل کر دے۔

فقہاء اکثر استحياء کی تعبیر لفظ ”إبقاء على الحياة“ (زندہ باقی رکھنے) سے کرتے ہیں، مثلاً چھوٹے بچے کے بارے میں جو اپنی ماں کے علاوہ کسی دوسری عورت کا دودھ پینے سے گریز کرے، کہتے ہیں: ”تجبر أمه على إرضاعه إبقاء على حياته“ (اس کی زندگی باقی رکھنے کے لئے اس کی ماں کو دودھ پلانے پر مجبور کیا جائے گا)۔

استحياء بمعنی زندگی باقی رکھنا:

متعلقہ الفاظ:

إحياء:

۲۔ لفظ ”إحياء“ کا استعمال غیر جاندار میں جان پیدا کرنے کے معنی میں ہے، مثلاً فرمان باری ہے: ”كَيْفَ تَكْفُرُونَ بِاللَّهِ وَكُنْتُمْ“ (۱) سورہ بقرہ ۲۳۔

(۲) دیکھئے لسان العرب، مفردات الراغب اصفہانی، تفسیر النبی: سورہ احزاب کی آیت ۵۳ کے تحت، سورہ بقرہ کی آیت ۲۳ کے تحت۔

أَمْوَاتًا فَأَحْيَاكُمْ“ (۱) (تم لوگ کس طرح کفر کر سکتے ہو اللہ سے، ورنہ اُنحالیکہ تم بے جان تھے سو اس نے تمہیں جاندار کیا)۔

رہا لفظ ”استحياء“ تو اس کا استعمال موجودہ زندگی کو برقرار رکھنے اور اس کو ختم نہ کرنے کے معنی میں ہوتا ہے، جیسا کہ سابقہ مثالوں میں گذرا۔

لہذا دونوں میں فرق یہ ہے کہ ”إحياء“ سے پہلے ”عدم“ ہوتا ہے جب کہ ”استحياء“ میں ایسا نہیں ہوتا۔

زندگی باقی رکھنے کا شرعی حکم:

۳۔ زندگی باقی رکھنے کا کوئی ایک جامع حکم بیان نہیں کیا جاسکتا، اس لئے کہ اس کے احوال مختلف ہیں بلکہ اس پر اکثر شرعی احکام یکے بعد دیگرے آتے رہتے ہیں۔

بسا اوقات زندگی باقی رکھنا واجب ہوتا ہے، مثلاً جس کو ہم نے امان دے دی ہے اس کی زندگی باقی رکھنا (دیکھئے اصطلاح: امان)، دودھ پلانے پر مجبور کر کے بچہ کی زندگی باقی رکھنا (دیکھئے اصطلاح: ”رضاع“)، کمانے سے عاجز انسان اور قید میں رکھے ہوئے جانور پر خرچ کر کے ان کی زندگی باقی رکھنا (دیکھئے اصطلاح: نفقہ)، جنگی قیدیوں میں سے چھوٹے بچوں اور عورتوں کو زندہ باقی رکھنا (دیکھئے: اصطلاح ”سبی“)، اور جنین کو شکم مادر میں زندہ باقی رکھنا (دیکھئے: اصطلاح ”إجهاض“)۔

اور کبھی زندہ باقی رکھنا مکروہ ہوتا ہے، مثلاً طبعی طور پر ایذا رساں جانور کو زندہ باقی رکھنا۔

اور کبھی زندہ باقی رکھنا حرام ہوتا ہے، مثلاً کسی حد میں واجب القتل شخص کو زندہ باقی رکھنا (دیکھئے: اصطلاح ”حد“)، اور ان جانوروں

(۱) سورہ بقرہ ۲۸۔

استحیاء ۴

ہے: ”تداووا عباد اللہ“ (۱) (اللہ کے بندو! دوا کیا کرو)۔
اگر اپنی ذات سے بلاکت کو دور کرنے میں دوسرے کی بلاکت یا اس کے کسی عضو کا ضیاع نہ ہو یا غیر محترم نفس کا ضیاع ہو تو اپنی ذات کو زندہ باقی رکھنا واجب ہے، مثلاً اپنے ساتھی سے توشہ مانگنا جب کہ اس کی اسے ضرورت نہ ہو، یا جان پر حملہ آور کو دور کرنا (۲)۔
اگر اپنی جان بچانے میں محترم نفس کا ضیاع ہو تو اپنی جان بچانے کے لئے اس کو ضائع کرنا جائز نہیں، اس لئے کہ ضرر اسی جیسے ضرر کے ذریعہ زائل نہیں کیا جائے گا۔

دوم: براہ راست یا بالواسطہ خود کو مارنے کی کوشش نہ کرنا، براہ راست اپنے کو مارنے کی کوشش کی مثال دھاردار چیز سے شکم پھاڑ لینا یا مارنے کے لئے خود کو اونچی جگہ سے گرا دینا اور اس کے نتیجے میں موت ہو جائے، اس کی دلیل فرمان نبوی ہے: ”من تردی من جبل فہو فی نار جہنم، یتردی خالداً مخلداً فیہا أبداً، ومن تحسی سماً فسمہ بیدہ، یتحساہ فی نار جہنم خالداً مخلداً فیہا أبداً، ومن وجأ بطنہ بحدیدۃ فحدیدتہ فی یلہ، یجأ بها فی بطنہ فی نار جہنم خالداً مخلداً فیہا أبداً“ (۳) (جو شخص پہاڑ سے گرا کر خود کو مار ڈالے تو جہنم کی آگ میں اس کا سدا یہی حال رہے گا کہ اونچے مقام سے نیچے گرتا رہے گا، جو زہر پی کر خود کشی کر لے تو اس کا زہر اس کے ہاتھ میں ہوگا جس کو وہ جہنم کی آگ میں ہمیشہ پیتا رہے گا، اور جو شخص کسی ہتھیار سے اپنا شکم چاک کر لے تو اس کا وہ ہتھیار اس کے ہاتھ میں ہوگا جس سے جہنم کی

کو زندہ باقی رکھنا جن سے دشمن کا لشکر ہم سے جنگ کرنے کے لئے قطعی طور پر فائدہ اٹھا سکتا ہے، مثلاً ان کے وہ جانور جن کو اسلامی ملک میں لا کر لانا ہمارے لئے دشوار ہو (دیکھئے: اصطلاح ”جہاد“)۔
اور بسا اوقات زندہ باقی رکھنا مباح ہوتا ہے، مثلاً مشرک قیدیوں کے بارے میں اختیار ہے کہ قتل کر دے یا احسان کر کے چھوڑ دے یا فدیہ لے لے یا غلام بنالے۔

زندہ باقی رکھنے والا:

زندہ باقی رکھنے والا یا تو بذات خود اپنے کو رکھنے والا ہوگا یا دوسرے کو۔

انسان کا اپنے آپ کو زندہ رکھنا:

۴- انسان پر واجب ہے کہ اپنی ذات کو زندہ باقی رکھنے کی حتی الوسع کوشش کرے، اور یہ دو طریقے سے ہوگا:

اول: سبب بلاکت کو زائل کر کے اپنی ذات سے بلاکت کو دور کرے، مثلاً بھوک و پیاس (۱)، آگ بجھانا یا اس سے دور بھاگنا، مثلاً کشتی میں آگ لگ جائے اور اس کو بجھانا ممکن نہ ہو اور غالب گمان یہ ہو کہ اگر اس کے سوار پانی میں کود پڑیں تو بچ جائیں گے، تو ایسا کرنا ان پر واجب ہے (۲)۔

دوا کا استعمال کرنا اس قبیل سے نہیں، اس لئے کہ مرض قطعی طور پر موت کا باعث نہیں ہوتا، نیز اس لئے کہ دوا کے استعمال سے شفاء یقینی نہیں (۳)، البتہ دوا کرنا شرعاً مطلوب ہے، اس لئے کہ حدیث میں

(۱) حدیث: ”تداووا عباد اللہ“ کی روایت ترمذی (تحتہ الا حوزی ۱/۶۱۰،

مناہج کردہ المستقر) نے کی ہے، اور کہا ہے یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

(۲) المغنی ۸/۳۲۸۔

(۳) حدیث: ”من تردی“ کی روایت مسلم (۱/۱۰۳، ۱۰۴ طبع عینی

المجلد) نے کی ہے۔

(۱) حاشیہ عمیرہ ۴/۲۰۷، لموسط ۳۰/۲۶۵، ۲۷۱ طبع دار المعرفۃ۔

(۲) الفتاویٰ الہندیہ ۵/۳۶۱۔

(۳) الفتاویٰ الہندیہ ۵/۲۵۳ طبع بولاق۔

آگ میں اپنا شکم ہمیشہ ہمیش چاک کرتا رہے گا) اس کی تفصیل کتب فقہ میں کتاب الجنایات یا کتاب الخطر والا باجہ کی خودکشی کی بحث میں ہے (دیکھئے: اصطلاح ”اتحار“).

اپنے کو بالواسطہ قتل کرنے کی مثال یہ ہے کہ دشمن کی بھیڑ میں یا چوروں کی جماعت میں گھس پڑے، اور اس کو یقین ہو کہ وہ بہر حال قتل کر دیا جائے گا اور وہ ان میں سے کسی کو نہ قتل کر سکے گا اور نہ زخمی کر سکے گا، اور نہ ہی کوئی ایسا کام کر سکے گا جس سے مسلمانوں کا فائدہ ہو، اس لئے کہ یہ خود کو بلاکت میں ڈالنا ہے حالانکہ فرمان باری ہے: ”وَلَا تُلْقُوا بِأَيْدِيكُمْ إِلَى التَّهْلُكَةِ“ (۱) (اور اپنے کو اپنے ہاتھوں بلاکت میں نہ ڈالو).

اس کی تفصیل کی جگہ کتب فقہ میں ”کتاب الجہاد“ ہے (دیکھئے: اصطلاح ”جہاد“).

۵- خود کو زندہ رکھنا دوسرے کے زندہ رکھنے پر مقدم ہے، اس لئے کہ دوسرے کی جان کے مقابلہ میں اپنی جان کی حرمت انسان پر بڑھی ہوئی ہے (۲)، اور اسی وجہ سے خودکشی کرنے والے کا گناہ دوسرے کو قتل کرنے سے زیادہ ہے (۳)، اور یہیں سے فقہاء نے یہ طے کیا ہے کہ انسان پہلے اپنے اوپر پھر دوسرے پر خرچ کرنے کا مکلف ہے، جیسا کہ نفقات میں معروف ہے (دیکھئے: اصطلاح ”نفقہ“)، اسی طرح اگر کسی کو اپنی جان بچانے کے لئے دوسرے کا کھانا لینے کی مجبوری ہو اور کھانے کا مالک خود اپنی جان بچانے کے لئے کھانے پر مجبور ہو تو کھانے کا مالک اس کا دوسرے کے مقابلہ میں زیادہ حق دار ہے (۴).

(۱) سورۃ بقرہ ۱۹۵، دیکھئے: تفسیر قرطبی مذکورہ آیت ۲/۳۶۳، ۳۶۴ طبع دارالکتب المصریہ
(۲) الموسط ۳۰/۲۷۰
(۳) الفتاویٰ الہندیہ ۵/۳۶۱
(۴) المغنی ۸/۸۳۳

انسان کا دوسرے کو زندہ رکھنا:

۶- دوسرے کو زندہ رکھنا واجب ہونے کے لئے زندہ رکھنے والے میں مندرجہ ذیل شرطیں ضروری ہیں:

۱- زندہ رکھنے والا مکلف ہو اور جس کو زندہ رکھ رہا ہے، اس کے بارے میں یہ جانتا ہو کہ وہ زندہ رکھے جانے کا محتاج ہے، اس لئے کہ غیر مکلف پر کچھ واجب نہیں ہوتا۔

۲- زندہ رکھنے پر قادر ہو، لہذا اگر اس پر قادر نہیں تو اس کا مکلف بھی نہیں ہوگا، اس لئے کہ فرمان باری ہے: ”لَا يَكْلَفُ اللَّهُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا“ (۱) (اللہ کسی کو ذمہ دار نہیں بناتا مگر اس کی بساط کے مطابق)۔ ”المغنی“ میں ہے: جس نے دوسرے کو بلاکت میں دیکھا اور قدرت کے باوجود اس کو نہ بچایا تو اس پر ضمان واجب نہیں البتہ اس نے بُرا کیا، اور ابو الخطاب نے کہا ہے: وہ ضامن ہوگا، اس لئے کہ اس نے قدرت کے باوجود اس کو نہیں بچایا جیسا کہ اگر اس کو کھانے پینے سے روک دے (۲)، لہذا اختلاف ضمان کے بارے میں ہے، استحياء کے بارے میں نہیں ہے، اور اس کی تفصیل ”جنایات“ میں ہے (دیکھئے: اصطلاح ”جنایت“).

اور اگر لوگوں کی ایک جماعت میں یہ شرطیں موجود ہوں تو زندہ باقی رکھنا اس شخص سے قریب تر پر واجب ہوگا پھر اس سے قریب تر پر، جیسا کہ نفقہ میں ان کی ترتیب کا اعتبار ہے (دیکھئے: اصطلاح ”نفقہ“).

اگر ان میں سے کوئی ایک زندہ باقی رکھنے کے لئے تیار نہ ہو تو اس کے بعد والے پر واجب ہوگا اگر وقت میں اتنی گنجائش نہ ہو کہ اس کو زندہ باقی رکھنے پر مجبور کیا جاسکے، اسی طرح اگر اس میں سابقہ شرائط

(۱) سورۃ بقرہ ۲۸۶
(۲) الفروق للقرافی ۵۶/۲ طبع دارالمعرفہ

استحياء ۷-۸

میں سے کوئی شرط موجود نہ ہو (تو اس کے بعد والے پر واجب ہوگا) یہاں تک کہ عام لوگوں میں سے اس پر واجب ہوگا جس کو اس کے حال کا علم ہو۔

جس کو زندہ رکھا جائے:

۷- زندہ رکھنے کے وجوب کے لئے اس شخص کے بارے میں جس کو زندہ رکھا جائے یہ شرط ہے کہ وہ قاتل اترام جاندار ہو (خواہ انسان ہو یا جانور) اور قاتل اترام جان کا سلسلہ جنین میں روح پھونکنے کے وقت سے شروع ہو جاتا ہے، اس میں کسی کا اختلاف نہیں (۱) البتہ جان پھونکنے سے قبل اس کا سلسلہ شروع ہونے میں اختلاف ہے (۲) (دیکھئے: اصطلاح ”اجباض“)

اسباب ذیل سے جان کا یہ اترام ختم ہو جاتا ہے اور زندہ رکھنے کا وجوب ساقط ہو جاتا ہے:

الف۔ اللہ نے جس کو بالکل بے قیمت قرار دیا ہو، جیسا کہ خنزیر کی جان کی حرمت بے قیمت ہے۔

ب۔ کوئی ایسا تصرف کر دے جس کو شریعت نے اس کی جان مباح ہونے کا سبب قرار دیا ہے، مثلاً مسلمانوں سے جنگ کرنا (دیکھئے: اصطلاح ”بغی“، ”جہاد“)، اور قتل کرنا (دیکھئے: اصطلاح ”جنایت“)، اور مرتد ہونا (دیکھئے: اصطلاح ”روت“)، شادی شدہ کا زنا کرنا (دیکھئے: اصطلاح ”إحصان“)، اور بعض حضرات کے نزدیک جادو کرنا (دیکھئے: اصطلاح ”سحر“)

ج۔ پیدائشی طور پر ضرر رساں ہو، مثلاً پیدائشی طور پر موزی جانور جیسا کہ وہ پانچ بدذات جانور جن کی صراحت رسول اللہ ﷺ نے اس حدیث میں کی ہے: ”خمس من الدواب ليس علي المحرم في قتلهن جناح: الغراب والحدأة والعقرب والفأرة والكلب العقور“ (۱) (پانچ جانور ایسے ہیں جن کو مار ڈالنے میں محرم پر گناہ نہیں: کوا، چیل، بچھو، چوہا، اور کائے والا کتا)، اور ابو داؤد میں ”السبع العادي“ (حملہ آور درندہ) کا اضافہ ہے اور اس جیسے جانور۔

د۔ اور ایسی ضرر رسائی جس کے ضرر کا دور کرنا اس کے قتل کے بغیر ممکن نہ ہو، مثلاً حملہ آور جانور یا انسان۔

زندہ رکھنے کے وسائل:

۸- زندہ رکھنے کے وسائل صرف دو طرح کے ہیں: عمل یا ترک عمل۔

الف۔ عمل، بے گناہ کے قتل کے علاوہ شریعت ہر اس عمل کو جائز قرار دیتی ہے جو بلاک ہونے والی جان کو زندہ رکھنے کے لئے متعین ہو جائے، خواہ یہ عمل اصل کے اعتبار سے جائز ہو، مثلاً ڈوبنے والے کو بچانا، یا مجبور کو کھانا یا پانی دینا، یا کشتی جس کے اجارہ کی مدت بیچ سمندر میں پوری ہو جائے اس کے اجارہ کی مدت میں توسیع کرنا (دیکھئے: اصطلاح ”اجارہ“)، اور اس طرح کے دوسرے عمل (۲)، یا اصل کے

(۱) حدیث: ”خمس من الدواب“ کی روایت بخاری (فتح الباری ۳/۳۳۳ طبع استغیہ) نے کتاب الحج باب ”ما يقتله المحرم من الدواب“ میں، مسلم (۲/۸۵۸ طبع عیسیٰ الخلیفی) نے کتاب الحج باب ”ما يبدد للمحرم وغیره فله“ میں، اور ابو داؤد (عون المعبود ۲/۱۰۸ طبع مطبعة الانصاریہ) نے کی ہے۔

(۲) البحر الرائق ۸/۲۳۳، حاشیہ ابن عابدین ۱/۶۰۲۔

(۱) البحر الرائق ۸/۳۳۳ طبع مطبعة العلمیہ، حاشیہ الرمہونی علی الترقائی ۳/۲۶۳ طبع بولاق، حاشیہ الجرجانی علی شرح المنہاج ۵/۹۰ طبع مطبعة المیسریہ، المغنی ۸/۲۱۸ طبع مکتبہ قاسم۔

(۲) البحر الرائق ۸/۲۳۳، حاشیہ الرمہونی ۲/۲۶۶ طبع عیسیٰ الخلیفی، حاشیہ الرمہونی علی الترقائی ۳/۲۶۳، بدایۃ المجتہد ۲/۵۳۳ طبع مکتبہ الکلیات الانصاریہ ۱۳۸۶ھ۔

اعتبار سے حرام ہو، مثلاً جان لیوا بھوک کی حالت میں مردار کھانا، اچھو کو دور کرنے کے لئے شراب پینا، یا ظالم کو بے قصور سے ہٹانے کے لئے جھوٹ بولنا جو اس کو قتل کرنا چاہتا ہو، اور اسی طرح کی دوسری چیزیں۔
ب۔ ترک عمل، مثلاً خودکشی سے رکنا اور دوسرے کو قتل کرنے سے روکنا واجب ہے۔

استخارہ

تعریف:

۱- استخارہ لغت میں کسی خیر کو طلب کرنا ہے، کہا جاتا ہے: ”استخیر اللہ یخر لک“ (۱) (اللہ سے خیر طلب کرو، وہ تمہارے لئے خیر مقدر کر دے گا)، اور حدیث میں وارد ہے: ”کان رسول اللہ ﷺ يعلمنا الاستخارة فی الأمور کلہا“ (۲) (رسول اللہ ﷺ ہم کو ہر کام میں استخارہ کی تعلیم دیتے تھے)۔

اصطلاح میں اس کا معنی خیر کو حاصل کرنے کی کوشش کرنا ہے، یعنی نماز یا دعائے استخارہ کے ذریعہ اللہ کے نزدیک پسندیدہ اور بہتر کو حاصل کرنے کی کوشش کرنا (۳)۔

متعلقہ الفاظ:

الف- طیرہ:

۲- طیرہ: قال بد ہے، جس سے بد شکونی لی جائے (۴) اور حدیث میں وارد ہے کہ: ”انہ کان یحب الفال، ویکرہ الطیرہ“ (۵)

(۱) لسان العرب ۵/۵۱۳۔

(۲) حدیث ”کان رسول اللہ ﷺ يعلمنا الاستخارة فی الأمور کلہا...“ کی روایت بخاری (فتح المبارک ۱۱/۱۸۳ طبع استغیہ) اور نسائی (۶/۸۱، ۸۰ طبع المکتبۃ التجاریہ) نے کی ہے۔

(۳) الصوی علی الخرش ۱/۶۳۔

(۴) الصحاح ۲/۲۸، القریطی ۱۵/۱۶۔

(۵) حدیث ”کان یحب الفال ویکرہ الطیرہ فی“ کی روایت احمد (۲/۳۳۲ طبع المندبہ) اور ابن ماجہ (۲/۵۰ طبع عینی النسخ) نے کی

استخارہ ۳-۷

”کان ﷺ يستفتح ويستنصر بصعاليك المسلمين“ (۱)
(حضور ﷺ فقیر و کمزور مسلمانوں کے واسطے سے فتح و نصرت طلب کرتے تھے)۔

کچھ لوگ قرآن شریف، یا علم رمل، یا قرع اندازی کے ذریعہ سے مدد طلب کرتے ہیں، اور غیب کی باتیں معلوم کرتے ہیں (۲)، یہ حرام ہونے کی وجہ سے ناجائز ہے۔ طرطوش، ابوالحسن مغربی اور ابن العربی نے کہا ہے: یہ اُزلام کے قبیل سے ہے، کیونکہ مور غیب کے درپے ہونا اور ان کو معلوم کرنے کی کوشش کرنا کسی کے لئے جائز نہیں، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کا سلسلہ نبی پاک ﷺ کے بعد سے ختم کر دیا ہے، البتہ خواب اس سے مستثنیٰ ہے (۳)۔

استخارہ کا شرعی حکم:

۷- علماء کا اجماع ہے کہ استخارہ سنت ہے، اس کی مشروعیت کی دلیل وہ حدیث ہے جس کی روایت امام بخاری نے حضرت جابرؓ سے کی ہے: ”کان النبی ﷺ يعلمنا الاستخارة في الأمور كلها كالسورة من القرآن: إذا هم أحدكم بالأمر فليركع ركعتين من غير الفريضة ثم يقول الخ“ (۴) (حضور ﷺ)۔
(۱) حدیث: ”کان صلی اللہ علیہ وسلم يستفتح ويستنصر بصعاليك المسلمين“ کی روایت مصنف ابن ابی شیبہ و بطبرانی نے کی ہے (دیکھئے: فیض القدیر ۵/۲۱۹ طبع مکتبۃ التجاریہ) اور مناوی نے اس پر ارسال کا حکم لگایا ہے۔

(۲) حرام قرع اندازی سے مراد یہاں وہ قرعہ ہے جس کا مقصد غیب معلوم کرنا ہو، یعنی اس مقصد سے استعمال کیا جائے کہ اس کام میں میرے لئے خیر ہے یا شر معلوم ہو جائے؟ آیا میں نکلوں یا نہ نکلوں؟ رہا قرعہ جو تقسیم وغیرہ میں حصوں کو ممتاز کرنے کے واسطے ہوتا ہے تو وہ جائز ہے تفصیل کے لئے دیکھئے اصطلاح (قرعہ)۔

(۳) اربعہ ج ۳، ۳۶، ۳۷ طبع بلاق۔

(۴) حدیث: ”إذا هم أحدكم بالأمر فليركع ركعتين...“ کی روایت

(حضور ﷺ نیک شگون کو پسند فرماتے تھے اور بد شگون کو ناپسند فرماتے تھے)۔

ب- فال:

۳- فال: وہ شگون ہے جس سے خوشی حاصل ہو، جیسے کوئی مریض ہو اور وہ کسی کو ”اے تندرست“ کہتے ہوئے سنے (تو یہ سمجھے کہ صحت ہو جائے گی)، یا کوئی کسی چیز کا طالب ہو اور وہ سنے کہ کوئی کہہ رہا ہے: ”اے پانے والے“ (تو سمجھے کہ وہ شئی مل جائے گی) (۱)۔

حدیث میں وارد ہے: ”کان یحب الفال“ (۲) (حضور ﷺ)۔
نیک شگون کو پسند فرماتے تھے)۔

ج- رویا:

۴- رویا راء کے ضمہ اور اس کے بعد ہمزہ کے ساتھ ہے، اور بسا اوقات ہمزہ کو حذف کر دیا جاتا ہے، اس کا معنی خواب ہے (۳)۔

د- استقسام:

۵- استقسام بالآزلام: (تیروں کو گھما کر فال نکالنا) یہ ہے کہ تیروں کو گھما کر ایک تیر نکالے اور اس میں جو لکھا ہو اس پر عمل کرے، یہ ممنوع ہے، اس لئے کہ فرمان باری ہے: ”وَأَنْ تَسْتَقْسِمُوا بِالْأَزْلَامِ“ (۴) (اور نیز یہ کہ قرعہ کے تیروں سے تقسیم کیا جائے)۔

ھ- استفتاح:

۶- استفتاح: کا معنی نصر طلب کرنا ہے (۵)، اور حدیث میں ہے: = ہے۔ اور بصری نے کہا ہے اس کی اسناد صحیح اور اس کے رجال ثقہ ہیں۔

(۱) الصحاح ۵/۸۸۔

(۲) حدیث کی تخریج (فقہ ۲) کے تحت گذر چکی ہے۔

(۳) تاج العروس ۱۰/۱۳۹۔

(۴) لسان العرب ۱۲/۱۲۵ (قسم)، اور آیت کریمہ سورہ مائدہ ۳۰۔

(۵) تاج العروس ۱۲/۱۹۳ طبع لیبیا۔

استخارہ ۸-۱۰

واحسان، معاصی و منکرات، تو ان میں استخارہ کی ضرورت نہیں، بلایہ کہ خاص وقت معلوم کرنے کا ارادہ ہو مثلاً اس سال حج کرنا، تو استخارہ ہے، کیونکہ دشمن یا فتنہ کا احتمال ہے، اور اسی طرح رفقاء سفر کے بارے میں کہ مثلاً فلاں کے ساتھ جائے یا نہ جائے (۱)۔

لہذا استخارہ کا نکل واجب، حرام اور مکروہ نہیں، بلکہ مندوب و مباح امور ہیں، اور مندوب میں استخارہ اس کی اصل کے بارے میں نہیں ہوتا، کیونکہ وہ تو مطلوب ہے، ہاں تعارض کے وقت استخارہ ہوتا ہے، یعنی جب دو امور کے بارے میں تردد ہو کہ کس سے شروع کرے یا کس پر اکتفا کرے؟

رہا مباح تو اس کی اصل کے بارے میں استخارہ ہے، اور کیا کسی معین کے بارے میں استخارہ کرے گا یا مطلق کے بارے میں؟

بعض نے اول کو اختیار کیا ہے، اس کی وجہ ظاہر حدیث ہے، اس لئے کہ اس میں وارد ہے: ”إِنْ كُنْتَ تَعْلَمُ أَنَّ هَذَا الْأَمْرَ...“ (اگر تو جانتا ہے کہ یہ کام... الخ)، اور ابن عرّفہ نے دوسرے کو اختیار کیا ہے، شعرانی نے کہا ہے: یہی احسن ہے، ہم نے تجربہ سے اس کو صحیح پایا ہے (۲)۔

استخارہ کب کرے؟

۱۰- مناسب ہے کہ استخارہ کرنے والا خالی الذہن ہو، کسی خاص کام کا پختہ ارادہ نہ ہو، چنانچہ حدیث میں حضور ﷺ کے قول: ”إِذَا هَمَّ“ (جب تم میں سے کوئی شخص کسی کام کا ارادہ کرے) سے معلوم ہوتا ہے کہ استخارہ ابتداء دل میں خیال آنے کے وقت ہوگا اور نماز و دعا کی برکت سے خیر ظاہر ہو جائے گا، برخلاف اس صورت کے کہ کوئی کام اس کے نزدیک ضروری ہو جائے اور اس کے کر گزرنے کا

(۱) الصدوق علی الخرشنی ۱/۳۶، طبع لشرقیہ مصر۔

(۲) الصدوق علی الخرشنی ۱/۳۶، کشف القناع ۱/۴۰۸، الطحاوی علی مراتب الفلاح رص ۲۱۷۔

تمام امور میں استخارہ کی تعلیم اس طرح دیتے تھے جیسے کہ قرآن کریم کی کوئی سورہ سکھاتے تھے، آپ ﷺ نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی شخص کسی کام کا ارادہ کرے تو فرض کے علاوہ دو رکعتیں پڑھے، اس کے بعد یوں دعا کرے، نیز فرمان نبوی ہے: ”مَنْ سَعَادَةُ ابْنِ آدَمَ اسْتَخَارَةَ اللَّهَ عَزَّ وَجَلَّ“ (۱) (انسان کی سعادت کی بات ہے کہ اللہ تعالیٰ سے استخارہ کرے)۔

استخارہ کی مشروعیت کی حکمت:

۸- استخارہ کی مشروعیت کی حکمت: اللہ کے حکم کے سامنے سر تسلیم خم کرنا، قدرت و غلبہ سے نکل کر اللہ کی بارگاہ میں پناہ لینا، تاکہ دنیا و آخرت دونوں کی بھلائی حاصل کی جاسکے، اور اس کی خاطر مالک الملک کے دروازہ کو کھٹکھٹانا پڑتا ہے، اور اس کی سب سے کامیاب شکل نماز و دعا ہے، کیونکہ اس میں زبان حال و زبان قال دونوں اعتبار سے اللہ کی تعظیم، اس کی ثناء اور اس کے سامنے محتاجی کا اظہار ہے (۲)۔

استخارہ کا سبب (استخارہ کن امور میں ہوگا):

۹- اس پر مذہب اربعہ کے فقہاء کا اتفاق ہے کہ استخارہ ان امور میں ہوتا ہے جن کے بارے میں انسان کو معلوم نہ ہو کہ درست کیا ہے؟ رہے وہ امور جن کا خیر یا شر ہونا معروف ہے مثلاً عبادت، حسن سلوک

= بخاری (فتح الباری ۱۱/۱۸۳ طبع استقویہ) اور نسائی (۶/۸۱، ۸۰، ۸۱ طبع مکتبہ التجاریہ) نے کی ہے دیکھئے ابن عابدین ۱/۶۳۳ طبع سوم، المجموع ۳/۵۳ طبع المیزان، پوری حدیث (فقہ ۱۶) کے تحت دیکھئے۔

(۱) حدیث: ”مَنْ سَعَادَةُ ابْنِ آدَمَ اسْتَخَارَةَ اللَّهَ عَزَّ وَجَلَّ“ کی روایت احمد (۱/۱۶۸ طبع المیزان) نے کی ہے اس کی اسناد ضعیف ہے جیسا کہ مسند احمد (۳/۲۸ طبع دار المعارف) میں ہے۔

(۲) الصدوق علی الخرشنی ۱/۳۶، طبع لشرقیہ مصر۔

ابن حجرؒ نے کہا ہے: یہاں تک کہ تعارض کے وقت بھی مشورہ لینا مقدم ہوگا، اس لئے کہ جس سے مشورہ لیا جائے اس کی بات پر اطمینان اپنے سے زیادہ ہوتا ہے، اس لئے کہ خواہشات کا غلبہ ہوتا ہے اور خیالات فاسد ہوتے ہیں، لیکن اگر نفس مطمئن ہو، ارادہ سچا ہو اور خواہشات سے پاک ہو تو پہلے استخارہ کرے گا (۱)۔

استخارہ کا طریقہ:

۱۲- استخارہ کے تین حالات منقول ہیں:

پہلی حالت: یہی سب سے اچھا طریقہ ہے اور اس پر مذاہب اربعہ کا اتفاق ہے، یعنی یہ کہ فرض کے علاوہ استخارہ کی نیت سے دو رکعت نفل پڑھے، اس کے بعد منقولہ دعا پڑھے۔

دوسری حالت: جس کے قائل حنفیہ، مالکیہ اور شافعیہ ہیں (۲) یہ ہے کہ جب نماز و دعا دونوں کے ذریعہ استخارہ دشوار ہو تو نماز کے بغیر صرف دعا کے ذریعہ استخارہ جائز ہے۔

تیسری حالت: مالکیہ و شافعیہ کے علاوہ کسی نے اس کی صراحت نہیں کی ہے، انہوں نے کہا ہے: کسی بھی نماز کے بعد جس کے ساتھ استخارہ کی نیت ہو دعا کے ذریعہ استخارہ کرنا جائز ہے، اور یہی زیادہ بہتر ہے، اور اس نماز کے بعد بھی جائز ہے جس کے ساتھ استخارہ کی نیت نہ ہو جیسا کہ تحیۃ المسجد (۳)۔

ابن قدامہ نے صرف پہلی حالت کا ذکر کیا ہے، اور وہ نماز و دعا کے ذریعہ استخارہ کرنا ہے (۴)۔

اگر فرض یا نفل نماز پڑھے، اور ان میں استخارہ کی نیت کرے تو نماز

(۱) الفتوحات الربانیہ علی الاذکار ۳/ ۳۳، ۳۴، ۳۵، طبع المکتبۃ الاسلامیہ۔

(۲) ابن ماجہ ۱/ ۶۳۳، حاشیۃ الصدوق علی الخرش ۱/ ۳۸، الفتوحات الربانیہ ۳/ ۳۳۸۔

(۳) الصدوق علی الخرش ۱/ ۳۷، الفتوحات ۳/ ۳۳۸۔

(۴) المغنی ۱/ ۶۹۔

عزم مصمم اور قوی ارادہ ہو جائے، کیونکہ اس صورت میں اس کی طرف میلان اور رغبت ہو جاتی ہے، لہذا اس کی خواہش کے غلبہ اور پختہ ارادہ کی وجہ سے اندیشہ ہے کہ خیر اس سے مخفی رہ جائے۔

اور یہ احتمال ہے کہ حدیث میں ”ہم“ (ارادہ) سے مراد عزم ہو، اس لئے کہ دل میں آنے والا ہر خیال جب تک اس کے کرنے کا پختہ ارادہ نہ ہو اور اس کی طرف میلان نہ ہو برقرار نہیں رہتا، ورنہ اگر دل میں آنے والے ہر خیال کے لئے استخارہ ہو تو غیر اہم چیز کے لئے بھی استخارہ کرنا ہوگا، اور اس میں اوقات ضائع ہوں گے (۱)۔ اور حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے: ”إذا أراد أحدكم أمراً فليقل.....“ (۲) (جب تم میں سے کوئی کسی امر کا ارادہ کرے تو کہے.....)۔

استخارہ سے قبل مشورہ کرنا:

۱۱- نووی نے کہا: مستحب یہ ہے کہ استخارہ سے قبل ایسے لوگوں سے مشورہ کر لے جن کی خیر خواہی، شفقت اور تجربہ کا علم ہو، اور ان کے علم و دیانت پر اعتماد ہو فرمان باری ہے: ”وشاؤرہم فی الأمر“ (۳) (اور ان سے معاملات میں مشورہ لیتے رہئے)۔

مشورہ کے بعد اگر ظاہر ہو کہ اس میں مصلحت ہے تو اس کے بارے میں استخارہ کرے۔

(۱) الصدوق علی الخرش ۱/ ۳۷، کشاف القناع ۳/ ۳۰۸، طبع انصار السنۃ محمد بن فتح الباری ۱۱/ ۵۳، الطحاوی علی مراتی الافلاح ۳/ ۲۱۷۔

(۲) حضرت ابوسعید خدری کی حدیث: ”إذا أراد أحدكم أمراً فليقل...“ کی روایت ابن حبان (سورہ اطران ۳/ ۱۷۷، طبع المستقیم) اور ابویعلیٰ نے کی ہے۔ اور جیسا کہ مجمع الزوائد (۲/ ۲۸۱، طبع القدی) میں ہے، یثمی نے کہا ہے: اس کے رجال ثقہ ہیں، طبرانی نے اس کی روایت کی ہے، اور حاکم نے اس کی تصحیح کی ہے (فتح الباری ۱۱/ ۵۳، ۱۵۳)۔

(۳) سورہ آل عمران ۱۵۹۔

استخارہ ۱۳

لئے وہ مکروہ اوقات میں نفل نماز کو ممنوع قرار دیتے ہیں، کیونکہ ممانعت کی احادیث عام ہیں، مثلاً یہ حدیث:

حضرت ابن عباسؓ کی روایت ہے کہ میرے نزدیک عادل لوگوں نے کو ایسی دی اور ان میں سب سے بڑے عادل حضرت عمرؓ ہیں: ”أن النبي ﷺ نهى عن الصلاة بعد الصبح حتى تشرق الشمس، وبعد العصر حتى تغرب“ (۱) (نبی کریم ﷺ نے صبح کے بعد آفتاب کے روشن ہونے تک، اور عصر کے بعد غروب آفتاب تک نماز پڑھنے سے منع کیا)۔

حضرت عمرو بن عبسہ نے کہا کہ میں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! مجھے نماز کے بارے میں بتائیے، آپ ﷺ نے فرمایا: ”صل صلاة الصبح، ثم أقصر عن الصلاة حتى تطلع الشمس حتى ترتفع فإنها تطلع حين تطلع بين قرني شيطان، وحينئذ يسجد لها الكفار ثم صل فإن الصلاة مشهودة محضورة حتى يستقل الظل بالرمح ثم أقصر عن الصلاة فإن حينئذ تسجر جهنم، فإذا أقبل الفئ فصل فإن الصلاة مشهودة محضورة حتى تصلي العصر، ثم أقصر عن الصلاة حتى تغرب الشمس، فإنها تغرب بين قرني الشيطان، وحينئذ يسجد لها الكفار“ (۲) (صبح کی نماز پڑھو، پھر نماز سے رک جاؤ، یہاں تک کہ آفتاب نکل کر بلند ہو جائے، اس لئے کہ وہ شیطان کے دونوں سینگوں کے درمیان طلوع ہوتا ہے

استخارہ کی سنت کا ثواب اس کو حاصل ہو جائے گا، لیکن نیت شرط ہے تاکہ ثواب مل جائے، اس کو تحیۃ المسجد پر قیاس کیا گیا ہے، اس رائے کی تائید ابن حجرؒ نے کی ہے، بعض متأثرین کا اس میں اختلاف ہے، وہ حصول ثواب کی نفی کرتے ہیں (۱) واللہ اعلم۔

استخارہ کا وقت:

۱۳- جو لوگ کہتے ہیں کہ صرف دعا کے ذریعہ استخارہ ہو جاتا ہے ان کے نزدیک یہ کسی بھی وقت میں ہو سکتا ہے، اس لئے کہ دعا کسی بھی وقت ممنوع نہیں (۲)۔

لیکن اگر استخارہ نماز و دعا کے ذریعہ ہو تو مذاہب اربعہ مکروہ اوقات میں اس کو منع کرتے ہیں، مالکیہ وشافعیہ نے ممانعت کی صراحت کی ہے (۳)، البتہ شافعیہ نے حرم کی میں مکروہ وقت میں بھی اس کو جائز قرار دیا ہے، اور یہ طواف کی دو رکعتوں پر قیاس کرتے ہوئے ہے (۴)، اس لئے کہ حضرت جبیر بن مطعمؓ کی روایت میں ہے کہ فرمان نبوی ہے: ”یا بنی عبد مناف لا تمنعوا أحداً طاف بهذا البيت وصلى في أي ساعة من ليل أو نهار“ (۵) (اے عبد مناف کی اولاد! کسی کو نہ روکو، جو اس گھر کا طواف کرے یا نماز پڑھے، دن رات میں کسی وقت بھی)۔

لیکن حنفیہ اور حنابلہ (۶) کے نزدیک چونکہ ممانعت عام ہے اس

(۱) الفتاوح الربانیہ ۱/ ۳۲۸، ۳۵۳۔

(۲) الخرش والصدوی علی الخرش ۱/ ۳۸۔

(۳) جامعہ الصدوی علی الخرش ۱/ ۳۷، الفتاوح الربانیہ علی الاذکار ۳/ ۳۸۔

(۴) المغنی ۱/ ۷۷، الطحاوی علی مرآی الفلاح ۱/ ۱۰۱۔

(۵) حدیث: ”یا بنی عبد مناف لا تمنعوا أحداً طاف بهذا البيت...“ کی روایت ترمذی (۳۲۰/ ۳) طبع عیسیٰ الخلیلی اور ابن ماجہ (۳۹۸/ ۳) طبع عیسیٰ الخلیلی نے کی ہے، اور ترمذی نے کہا حسن صحیح ہے۔

(۶) المغنی ۱/ ۷۷ طبع المنار، الطحاوی علی مرآی الفلاح ۱/ ۱۰۱۔

(۱) حدیث: ”نهى عن الصلاة بعد الصبح حتى تشرق الشمس...“ کی روایت بخاری (فتح الباری ۲/ ۵۸ طبع المستقیم) اور مسلم (۵۶۶/ ۱) طبع عیسیٰ الخلیلی نے ابوہریرہ سے کی ہے اور عمرو بن عبسہ سے بھی اسی روایت منقول ہے (تخصیص البیہر ۱/ ۱۸۵)۔

(۲) عمرو بن عبسہ کی حدیث: ”صل صلاة الصبح ثم أقصر عن الصلاة...“ کی روایت مسلم (۵۷۰/ ۱) طبع عیسیٰ الخلیلی نے کی ہے۔

اور اس وقت کافر لوگ اس کو سجدہ کرتے ہیں، پھر (جب آفتاب بلند ہو جائے) تو نماز پڑھو کہ اس وقت کی نماز میں فرشتے حاضر ہوتے ہیں اور کوئی دیتے ہیں یہاں تک کہ نیزہ کا سایہ سیدھا ہو جائے (یعنی ٹھیک دوپہر ہو) تو نماز سے رک جاؤ اس لئے کہ اس وقت جہنم جھوکی جاتی ہے، پھر جب سایہ ڈھل جائے تو پھر نماز پڑھو، اس لئے کہ اس وقت کی نماز کی فرشتے کوئی دیں گے اور اس میں حاضر ہوں گے یہاں تک کہ تم عصر پڑھو، پھر آفتاب کے غروب ہونے کے وقت تک نماز سے رک جاؤ، اس لئے کہ وہ شیطان کے دونوں سینگوں کے بیچ میں ڈوبتا ہے اور اس وقت کافر لوگ اس کو سجدہ کرتے ہیں)۔

نماز استخارہ کا طریقہ:

۱۴- اس پر مذاہب اربعہ کے فقہاء کا اتفاق ہے کہ نماز استخارہ میں دو رکعتیں افضل ہیں، حنفیہ، مالکیہ اور حنابلہ کے یہاں اس سے زیادہ کی صراحت نہیں ہے، جب کہ شافعیہ نے دو رکعات سے زائد کی اجازت دی ہے اور دو رکعتوں کی قید کو کم سے کم درجہ کا بیان قرار دیا ہے جس سے استخارہ حاصل ہو (۱)۔

نماز استخارہ میں قراءت:

۱۵- نماز استخارہ میں قراءت کے بارے میں تین آراء ہیں:

الف- حنفیہ، مالکیہ اور شافعیہ نے کہا (۲) مستحب یہ ہے کہ پہلی رکعت میں سورہ فاتحہ کے بعد ”قل یا ایہا الکافرون“ اور دوسری رکعت میں ”قل هو اللہ احد“ پڑھے، امام نووی نے اس کی وجہ

(۱) الفتوحات المربانیہ ۳/ ۳۲۸۔

(۲) الخطاوی علی مراتب الفلاح ۲/ ۲۱۷، ابن ماجہ ۱/ ۶۲، الفتوحات

المربانیہ ۳/ ۵۳، العدوی علی لخص ۱/ ۳۸۔

بتاتے ہوئے کہا ہے: ان دو سورتوں کو ایسی نماز میں پڑھنا مناسب ہے جس کا مقصد خوشامش میں اخلاص، معاملہ کو اللہ کے سپرد کرنے میں سچائی اور عجز کا اظہار ہے، انہوں نے ان دو سورتوں کے بعد ان قرآنی آیات کے پڑھنے کی بھی اجازت دی ہے جن میں خیر کا ذکر ہے۔

ب- بعض سلف کے یہاں مستحسن یہ ہے کہ نماز استخارہ کی پہلی رکعت میں سورہ فاتحہ کے بعد قراءت میں ان آیات کا اضافہ کرے: ”وَرَبُّكَ يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ وَيَخْتَارُ، مَا كَانَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ سُبْحَانَ اللَّهِ وَتَعَالَى عَمَّا يُشْرِكُونَ، وَرَبُّكَ يَعْلَمُ مَا تُكِنُّ صُلُورُهُمْ وَمَا يُعْلِنُونَ، وَهُوَ اللَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ لَهُ الْحَمْدُ فِي الْأُولَى وَالْآخِرَةِ وَلَهُ الْحُكْمُ وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ“ (۱) (اور آپ کا پروردگار پیدا کرتا ہے جس چیز کو بھی اس کی مشیت ہوتی ہے اور جو (حکم بھی) وہ پسند کرے، ان لوگوں کو تجویز کا کوئی حق نہیں، اللہ پاک اور برتر ہے ان لوگوں کے شرک سے، اور آپ کا پروردگار سب کی خبر رکھتا ہے جو کچھ ان کے دلوں میں پوشیدہ ہے اور جو کچھ یہ ظاہر کرتے رہتے ہیں، اور اللہ وہی ہے کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں، اور (سب) تعریف اس کی ہے دنیا میں (بھی) اور آخرت میں (بھی) اور حکومت بھی اسی کی ہے اور اس کے پاس تم (سب) لوٹ کر جاؤ گے)۔

اور دوسری رکعت میں ان آیات کا اضافہ کرے: ”وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَلَا لِمُؤْمِنَةٍ إِذَا قَضَى اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَمْرًا أَنْ يَكُونَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ أَمْرِهِمْ، وَمَنْ يَعْصِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ ضَلَّ ضَلَالًا مُبِينًا“ (۲) (اور کسی مومن یا مومنہ کے لئے یہ درست نہیں کہ جب اللہ اور اس کا رسول کسی امر کا حکم دے دیں تو پھر ان کو اپنے (اس) امر میں کوئی اختیار باقی رہ جائے، اور جو کوئی اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے گا وہ صریح گمراہی میں جا پڑا)۔

(۱) سورہ بقرہ ۲۸۵-۲۸۶۔

(۲) سورہ احزاب ۳۶۔

استخارہ ۱۶-۱۸

ج۔ حنابلہ اور بعض فقہاء نماز استخارہ میں کسی متعین سورت یا آیات کے پڑھنے کے قائل نہیں ہیں (۱)۔

استخارہ کی دعا:

۱۶- بخاری و مسلم میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ ہم سب کو تمام کاموں میں استخارہ کرنا سکھاتے تھے، جیسے قرآن شریف کی سورت سکھاتے تھے، آپ ﷺ نے فرمایا: "إِذَا هُمْ أَحَدُكُمْ بِالْأَمْرِ فَلْيَرْكَعْ رَكَعَتَيْنِ مِنْ غَيْرِ الْقَرِئَةِ ثُمَّ لْيَقُلْ: اللَّهُمَّ إِنِّي أَسْتَخِيرُكَ بِعِلْمِكَ وَأَسْتَقْدِرُكَ بِقُدْرَتِكَ، وَأَسْأَلُكَ مِنْ فَضْلِكَ الْعَظِيمِ، فَإِنَّكَ تَقْدِرُ وَلَا أَقْدِرُ، وَتَعْلَمُ وَلَا أَعْلَمُ، وَأَنْتَ عَلَامُ الْغُيُوبِ، اللَّهُمَّ إِنْ كُنْتَ تَعْلَمُ أَنَّ هَذَا الْأَمْرَ خَيْرٌ لِي فِي دِينِي وَمَعَاشِي وَعَاقِبَةِ أَمْرِي - أَوْ قَالَ: عَاجِلِ أَمْرِي وَآجِلِهِ - فَافْعَلْهُ لِي وَيَسِّرْهُ لِي، ثُمَّ بَارِكْ لِي فِيهِ، وَإِنْ كُنْتَ تَعْلَمُ أَنَّ هَذَا الْأَمْرَ شَرٌّ لِي فِي دِينِي وَمَعَاشِي وَعَاقِبَةِ أَمْرِي - أَوْ قَالَ: عَاجِلِ أَمْرِي وَآجِلِهِ - فَاصْرِفْهُ عَنِّي وَاصْرِفْنِي عَنْهُ، وَاقْدِرْ لِي الْخَيْرَ حَيْثُ كَانَ، ثُمَّ رَضِّنِي بِهِ، قَالَ: وَيُسْمِي حَاجَتَهُ" (۲) (جب تم میں سے کوئی شخص کسی کام کا ارادہ کرے تو فرض کے علاوہ دو رکعتیں (نفل) پڑھے، اس کے بعد یوں دعا کرے: یا اللہ! میں تجھ سے تیرے ظلم کے ذریعہ تجھ سے خیر مانگتا ہوں، اور تیری قدرت کے ذریعہ قدرت چاہتا ہوں، اور تیرا عظیم فضل و کرم مانگتا ہوں، کیونکہ تو قادر ہے اور مجھ کو قدرت نہیں، اور انجام کا ظلم بھی تجھ ہی کو ہے مجھ کو نہیں، تو عی غیب کی باتیں جانتا ہے، اے اللہ! اگر تو جانتا ہے کہ یہ کام (جس کا میں نے قصد کیا ہے) میرے دین، دنیا اور انجام میں میرے لئے بہتر ہے تو میرے لئے اس کو مقدر کر دے اور اس کو میرے لئے آسان

(۱) المغنی ۱/ ۶۳۔

(۲) حدیث کی تحریر بخاری ۵۷۰۰ کے تحت کدر چکی ہے۔

کر دے، پھر اس میں میرے لئے برکت دے اور اگر تو جانتا ہے کہ یہ کام میرے دین، دنیا اور انجام میں (یا یوں فرمایا: ابھی یا آئندہ) میرے لئے بُرا ہے تو اس کو مجھ سے پھیر دے اور مجھ کو اس سے ہٹا دے، اور میرے لئے خیر مقدر فرما دے جہاں بھی ہو اور پھر اس میں مجھ سے راضی ہو جا، اور آپ ﷺ نے فرمایا: دعا کے وقت اپنی ضرورت بیان کرے)۔

حنفی، مالکیہ اور شافعیہ نے کہا ہے: مستحب یہ ہے کہ اس دعا کے اول اور آخر میں حمد و ثنا اور رسول اللہ ﷺ پر درود و سلام پڑھے (۱)۔

دعا میں قبلہ رخ ہونا:

۱۷- دعائے استخارہ میں قبلہ رخ ہو، دونوں ہاتھوں کو اٹھائے، نیز دعا کے سارے آداب کی رعایت کرے (۲)۔

استخارہ کی دعا کب کرے؟

۱۸- حنفیہ، مالکیہ، شافعیہ اور حنابلہ نے کہا ہے: دعا نماز کے بعد ہوگی اور یہی حدیث شریف کی صراحت کے مطابق ہے (۳)، (حنفی میں سے) شوہری نے اور شافعیہ میں سے ابن حجر نے اور مالکیہ میں سے عدوی نے دوران نماز سجدہ میں یا تشہد کے بعد بھی اس دعا کو جائز قرار دیا ہے (۴)۔

(۱) ابن حابدین ۱/ ۶۳۳، الفتوحات الربانیہ علی الاذکار ۳/ ۵۳، حاشیہ العدوی علی الخرشنی ۱/ ۳۶۔

(۲) الفتوحات الربانیہ علی الاذکار ۳/ ۵۳۔

(۳) ابن حابدین ۱/ ۶۳۳، روض الطالب ۱/ ۲۰۵، کشاف القناع ۱/ ۲۰۸، المغنی ۱/ ۶۹، الخرشنی ۱/ ۳۷۔

(۴) الفتوحات الربانیہ علی الاذکار ۳/ ۵۵، طبع المکتبۃ الاسلامیہ، العدوی علی الخرشنی ۱/ ۳۷، فتح المبارکی ۱/ ۱۵۳۔

صدر ہو تو بار بار استخارہ کرنے کی ضرورت نہیں ہے، اور شافعیہ نے صراحت کی ہے کہ ساتویں بار اگر استخارہ کرنے کے بعد کچھ ظاہر نہ ہو تو مزید استخارہ کرے (۱)۔ ہمارے پاس موجود حنابلہ کی کسی کتاب میں ہر چند کہ ان کی بہت سی کتابیں ہیں بار بار استخارہ کرنے کے بارے میں ان کی کوئی رائے ہمیں نہیں ملی (۲)۔

استخارہ میں نیابت:

۲۱- مالکیہ اور شافعیہ دوسرے کے لئے استخارہ کے جواز کے قائل ہیں اور پر ہیں (۳) کہ فرمان نبوی ہے: ”من استطاع منکم أن ینفع أخاه فلینفعه“ (۴) (جو شخص اپنے بھائی کو نفع پہنچا سکتا ہے نفع پہنچائے)۔

مالکیہ میں سے خطاب نے اس کو محل نظر قرار دیا ہے اور کہا ہے: کیا دوسرے کے لئے استخارہ کرنا منقول ہے؟ مجھے اس بابت کچھ نہیں ملا، البتہ میں نے بعض مشائخ کو ایسا کرتے دیکھا ہے۔
حنفیہ اور حنابلہ نے اس مسئلہ کا ذکر نہیں کیا ہے۔

استخارہ کا اثر:

الف- قبولیت کی علامات:

۲۲- اس پر مذاہب اربعہ کے فقہاء کا اتفاق ہے کہ استخارہ میں قبولیت کی علامت شرح صدر ہونا ہے، اس لئے کہ فقرہ ۲۰ کے تحت مذکورہ بالا حدیث میں ہے: ”ثم انظر إلى الذي سبق إلى

(۱) المغنی ۱/ ۶۳، ۷، کشاف القناع ۱/ ۳۰۸، ابن ماجہ ۱/ ۶۳۳، الطحاوی علی مرآۃ القلاح ۱/ ۲۱۸، الخرش ۱/ ۳۸، الفتوحات الربانیہ ۳/ ۵۶۔

(۲) المغنی ۱/ ۶۳، ۷، کشاف القناع ۱/ ۳۰۸۔

(۳) العدوی علی الخرش ۱/ ۳۸، المحمل ۱/ ۹۲۔

(۴) حدیث: ”من استطاع منکم أن ینفع أخاه فلینفعه“ کی روایت مسلم (۳/ ۲۷۷) طبع عینی الحلی (۳/ ۳۰۲) طبع المیزان نے کی ہے۔

استخارہ کے بعد استخارہ کرنے والا کیا کرے؟

۱۹- استخارہ کرنے والے سے مطلوب یہ ہے کہ قبولیت میں جلدی نہ کرے، اس لئے کہ یہ مکروہ ہے، کیونکہ فرمان نبوی ہے: ”یستجاب لأحدکم ما لم یعجل۔ بقول: دعوت فلم یتستجب لی“ (۱) (تم میں سے ہر ایک کی دعا قبول ہوتی ہے جب تک وہ جلد بازی نہ کرے، یعنی کہنے لگے: میں نے دعا کی لیکن قبول نہیں ہوئی)، اسی طرح خدا کے فیصلے پر راضی رہنا بھی ضروری ہے (۲)۔

بار بار استخارہ کرنا:

۲۰- حنفیہ، مالکیہ اور شافعیہ نے کہا ہے: نماز و دعا کے ذریعہ سات بار استخارہ کرنا مناسب ہے، اس لئے کہ ابن انسؓ نے حضرت انسؓ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”یا انس إذا هممت بأمر فاستخر ربک فیہ سبع مرات، ثم انظر إلى الذي يسبق إلى قلبک فإن الخیر فیہ“ (۳) (اے انس! جب تم کسی کام کا ارادہ کرو تو اپنے رب سے سات بار استخارہ کرلو، پھر دیکھو کہ اول اول تمہارے دل میں کیا آتا ہے کہ خیر اسی میں ہے)۔

فقہاء کے قول سے یہ سمجھ میں آتا ہے کہ بار بار استخارہ کرنا اس صورت میں ہے جب کہ استخارہ کرنے والے کے سامنے کوئی چیز ظاہر نہ ہو، لیکن اگر کوئی ایسی بات ظاہر ہو جائے جس سے اس کو شرح

(۱) حدیث: ”یستجاب لأحدکم ما لم یعجل...“ کی روایت بخاری (فتح الباری ۱۱/ ۱۳۰ طبع السنن) اور مسلم (۳/ ۲۰۹ طبع عینی الحلی) نے کی ہے۔

(۲) لا داب اشرفیہ ۲/ ۵۱ طبع المنار۔

(۳) حدیث: ”یا انس إذا هممت بأمر...“ کی روایت ابن انسؓ (ص ۱۶۱ طبع دائرة المعارف العثمانیہ) نے کی ہے اور ابن حجر نے کہا اس کی اسناد انتہائی کمزور ہے (فیض القدیر ۱/ ۲۵۰ طبع المکتبۃ التجاریہ)۔

قلبک فان الخیر فیہ“ (پھر دیکھو اول اول تمہارے دل میں کیا آتا ہے کہ خیر اسی میں ہے) یعنی شرح صدر پر عمل کرے گا۔
 شرح صدر: انسان کا کسی چیز کی طرف میلان اور اس سے محبت ہے، بشرطیکہ خواہش نفس کا دخل یا خود غرضی کی وجہ سے نہ ہو، عدوی نے اس کی یہی تعریف کی ہے (۱)، شافعیہ میں سے زماکانی نے کہا ہے: ”شرح صدر شرط نہیں ہے، بلکہ جب آدمی کسی چیز میں استخارہ کرے تو جو ظاہر ہو اس پر عمل کرے، خواہ اس کو شرح صدر ہو یا نہ ہو کہ خیر اسی میں ہے، حدیث پاک میں شرح صدر کا ذکر نہیں ہے“ (۲)۔

استخدام

تعریف:

- ۱- استخدام لغت میں خدمت کی درخواست کرنا یا خادم رکھنا ہے (۱)۔
- فقیہ استعمال ان دو معانی سے الگ نہیں ہے (۲)۔

متعلقہ الفاظ:

الف- استعانت:

- ۲- استعانت لغت اور اصطلاح میں مدد طلب کرنا ہے۔
- استخدام اور استعانت میں قدر مشترک یہ ہے کہ دونوں میں ایک طرح کا تعاون ہوتا ہے، البتہ استخدام بندے کی طرف سے اور بندے کے لئے ہوتا ہے، جب کہ استعانت اللہ سے ہوتی ہے، اور بسا اوقات بندے سے بھی (۳)۔

ب- استسجار:

- ۳- استسجار لغت اور اصطلاح میں کسی چیز یا شخص کو اجرت پر مانگنا ہے۔

لہذا استسجار و استخدام میں عموم و خصوص من وجہ کی نسبت ہے، اسی

(۱) المصباح لمیر (عدم)۔

(۲) ابن ماجہ ۴/۳۳۳ طبع بولاق، نہایت المحتاج ۱/۷۹، ۲/۱۶۷، اقلیو بی و

عمیرہ ۳/۱۸، ۱۹، طبع مجلس، المغنی مع الشرح ۳/۳۳۹ طبع مول الزار۔

(۳) احکام القرآن لابن العربی ۱/۵ طبع عیسیٰ الحلبي، طلبہ المطابع ۵/۳۵، لفروق

للعسکری ۵/۲۱۵ طبع بیروت۔

(۱) حاشیہ العدوی علی الخرش ۱/۳۸، ابن ماجہ ۱/۶۳۳، الفتوحات الربانیہ

۳/۵۷، المغنی ۱/۶۹۔

(۲) حاشیہ الجمل ۱/۳۹۲۔

استخدام ۴-۶

مسلمان کافر سے خدمت لے یا اس کے برعکس، اسی طرح مرد عورت سے خدمت لے اور اس کے برعکس، اس کے بارے میں فتنہ سے تحفظ ہونے نہ ہونے اور تحقیر و تذلیل ہونے نہ ہونے کا ضابطہ جاری ہوگا، اور اس کی تفصیل اصطلاح ”اجارہ“ فقرہ ۱۰۲ میں ہے۔

۵- بیٹا کا باپ سے خدمت لینا، خواہ اجرت کے ساتھ ہو یا بغیر اجرت کے، ممنوع ہے، تاکہ باپ ذلت و رسوائی سے محفوظ رہے (۱)۔

۶- خادم کا مطالبہ کرنا عورت کا حق ہے اور شوہر کا فرض ہے کہ اس کے لئے خادم کا انتظام کرے اگر وہ خوش حال ہو، اور عورت باعزت ہو کہ اس جیسی عورت کے لئے خادم رکھا جاتا ہو، اور عورت کا اپنے شوہر سے خدمت لینا حلال نہیں اگر اس کا مقصد توہین و تحقیر ہو (۲)۔

لئے کاشت کاری اور بکریوں کو چرانے کے لئے اجرت پر لینا استنجاہ ہے اس کو خدمت نہیں کہتے، اسی طرح قرآن کی تعلیم کے لئے اجرت پر رکھے ہوئے شخص کو خادم نہیں کہتے، اگر معاملہ بغیر اجرت کے ہو تو اس کو محض استخدام کہیں گے (۱)۔

اجمالی حکم:

۴- خادم، مخدوم اور استخدام کی غرض کے اعتبار سے استخدام کا حکم الگ الگ ہے، جس میں پانچوں احکام شرعی جاری ہوتے ہیں (یعنی فرض، واجب، حرام، مکروہ اور مباح)۔

لہذا جائز ہے کہ حاکم کو اس کی تنخواہ کے ایک جز کی حیثیت سے جو اس کی اجرت مثل ہے ایک مخصوص خادم دیا جائے بشرطیکہ یہ آرام طلبی کے لئے نہ ہو (۲)۔

خلاف اولیٰ اس صورت میں ہے جب کہ بلا عذر دوسرے سے وضو کا پانی گرانے میں مدد لے، لہذا بلا عذر وضو کرنے میں مدد لینا مکروہ ہے (۳)۔

اور کبھی واجب ہوتا ہے، جیسا کہ وضو سے قاصر شخص اس عبادت میں کسی سے خدمت لے (۴)، اور کبھی مستحب ہوتا ہے، جیسے مجاہد کے گھر والوں کی خدمت کرنا، اور مسجد کی خدمت کرنا۔

اور کبھی حرام ہوتا ہے، مثلاً کافر کا مسلمان کو یا بیٹے کا باپ کو مزدور رکھنا، یہ ان لوگوں کے نزدیک ہے جو اس کے قائل ہیں، جیسا کہ آ رہا ہے، اور حاکم کی ذمہ داری ہے کہ حرام خدمت لینے کو روکے (۵)۔

(۱) ابن ماجہ ۲/۳۳۳ طبع بولاق، اشعر الملتی علی النہایہ ۳/۱۶۷ طبع النجفی، قلیوبی و عمیرہ ۳/۱۸، ۱۹۔

(۲) عون المعبود ۳/۹۵ طبع دار الکتاب العربی۔

(۳) نہایۃ المحتاج ۱/۷۹۔

(۴) سائتہ جولد، ابن ماجہ ۲/۳۳۳۔

(۵) قلیوبی و عمیرہ ۳/۱۸، ۱۹، ابن ماجہ ۲/۳۳۳۔

(۱) لوطاب ۵/۳۹۳ طبع انوار لبیا، ابن ماجہ ۲/۳۳۳، قلیوبی و عمیرہ

۳/۱۸، ۱۹، المغنی مع الشرح ۶/۱۳۸، ۱۳۹ طبع المنار۔

(۲) ابن ماجہ ۲/۳۳۳۔

استخفاف ۱-۴

ممنوع استخفاف کی مثال آگے آرہی ہے۔

استخفاف کس چیز سے ہوگا؟

استخفاف قول یا فعل یا عقیدہ سے ہوتا ہے۔

استخفاف

اللہ تعالیٰ کا استخفاف و تحقیر:

۳- یہ کبھی قول کے ذریعہ ہوتا ہے مثلاً ایسی بات کرنا جس کو عام لوگ اپنے عقائد کے اختلاف کے ساتھ تحقیر و استخفاف تصور کرتے ہیں، جیسے لعنت کرنا، قبیح بتانا، یہ قولی استخفاف خواہ اللہ کے کسی مبارک نام کا ہو یا کسی وصف کا ہو، جبکہ اس کو حق تعالیٰ کی بے حرمتی کی غرض سے کیا جائے، اور ایسا کرنے والا خود جانتا ہو کہ وہ بے حرمتی، استخفاف اور استہزاء کر رہا ہے (۱)، مثلاً اللہ تعالیٰ کو کسی ایسے وصف سے متصف کرنا جو اس کی شان کے خلاف ہو، یا اللہ تعالیٰ کے کسی حکم یا وعدے کا یا تقدیر کا استخفاف و تحقیر کرنا (۲)۔

اور یہ کبھی افعال کے ذریعہ ہوتا ہے، اور یہ ہر ایسے عمل سے ہوتا ہے جس میں اللہ تعالیٰ کی اہانت یا تنقیص ہو، یا ذات مقدس کو مخلوق کے ساتھ مشابہت قرار دینا ہو، مثلاً اللہ سبحانہ کی تصویر بنانا یا اس کا مجسمہ مثلاً بت وغیرہ بنانا۔

اور بسا اوقات عقیدہ کے اعتبار سے استخفاف ہوتا ہے، مثلاً یہ عقیدہ کہ اللہ تعالیٰ کسی شریک کا محتاج ہے (۳)۔

اللہ تعالیٰ کے استخفاف کا حکم:

۴- فقہاء کا اس پر اجماع ہے کہ اللہ تعالیٰ کا استخفاف حرام ہے، خواہ

تعریف:

۱- لغت میں استخفاف کا ایک معنی تو ہیں کرنا ہے (۱)۔

اصطلاحی معنی اس سے الگ نہیں ہے۔

بسا اوقات فقہاء استخفاف کو ”اختقار“، ”ازوراء“ اور ”انقص“ کے لفظ سے تعبیر کرتے ہیں (ان سارے الفاظ کے معنی ایک ہیں یعنی حقیر اور معیوب سمجھنا)۔

استخفاف کا شرعی حکم:

۲- استخفاف کا کوئی عام و جامع حکم نہیں ہے، بلکہ اپنے متعلقات کے لحاظ سے اس کا حکم الگ الگ ہے۔

کبھی استخفاف ممنوع اور بسا اوقات مطلوب ہوتا ہے، مطلوب استخفاف کی مثال کافر کا اس کے کفر کی وجہ سے، بدعتی کا اس کی بدعت کی وجہ سے، اور فاسق کا اس کے فسق کی وجہ سے استخفاف ہے (۲)، اسی طرح ادیان باطلہ اور گمراہ مذاہب کا استخفاف اور ان کا عدم احترام ہے، اور اگر ان کے انحراف کا علم ہو جائے تو مسلمانوں کے اندر انفرادی و اجتماعی طور پر اس کا عقیدہ رکھنا یہ سب دین میں داخل ہے، اس لئے کہ یہ کفر یا باطل کا استخفاف ہے (۳)۔

(۱) الصحاح، تاج العروس، لسان العرب: ۵۸۵ (۵۵۵)۔

(۲) فتح القدیر ۵/۶۳، اہلبی ۳/۲۰۵۔

(۳) لا ٰعلام بقواطع الاسلام بہامش الروا جر ۲/۱۷۱ طبع مصطفیٰ للجلس، بغنی ۸/۱۵۰۔

(۱) فتح القدیر ۵/۶۳، اہلبی ۳/۲۰۵۔

(۲) لا ٰعلام بقواطع الاسلام ۲/۱۷۱، الدرر ۳/۳۱۰۔

(۳) لا ٰعلام بقواطع الاسلام بہامش الروا جر ۲/۱۷۱۔

استخفاف ۵-۶

قوی و فعلی ہو یا اعتقادی، ایسا کرنے والا اسلام سے پھر جانے والا ہے، اس پر مرتد کے احکام جاری ہوں گے، خواہ مذاق کر رہا ہو یا سنجیدہ ہو (۱)، فرمان باری ہے: ”وَلَكِنْ سَأَلْتَهُمْ لَيَقُولُنَّ إِنَّمَا كُنَّا نَخُوضُ وَنَلْعَبُ قُلْ أَبِاللَّهِ وَآيَاتِهِ وَرَسُولِهِ كُنْتُمْ تَسْتَهْزِؤُونَ لَا تَعْتَذِرُوا قَدْ كَفَرْتُمْ بَعْدَ إِيمَانِكُمْ“ (۲) (اور اگر آپ ان سے سوال کیجئے تو کہہ دیں گے کہ ہم تو محض مشغلہ اور خوش طبعی کر رہے تھے، آپ کہہ دیجئے کہ اچھا تو تم استہزاء کر رہے تھے اللہ اور اس کی آیتوں اور اس کے رسول کے ساتھ، (اب) یہاں نہ بناؤ، تم کافر ہو چکے اپنے اظہار ایمان کے بعد)۔

انبیاء کرام کا استخفاف:

۵- انبیاء کا استخفاف اور ان کی تنقیص و اہانت ان کو گالی دینے، ان کو برے نام دینے یا ان کو گھٹیا اوصاف سے متصف کرنے کی طرح ہے، مثلاً نبی کو یہ کہنا کہ وہ جادوگر ہے، یا دھوک باز ہے، یا حیلہ گر ہے، اور وہ اپنے قبیحین کو نقصان پہنچاتا ہے، یا اس کا لایا ہوا پیغام جھوٹ یا باطل ہے وغیرہ وغیرہ، اور اگر یہ بات شعر میں کہہ دے تو اور بڑی گالی ہے، اس لئے کہ شعر یاد رکھا جاتا ہے اور ادھر ادھر بیان کیا جاتا ہے، اور یہ جاننے کے باوجود کہ وہ باطل ہے حجت و دلیل کے مقابلہ میں دلوں پر اس کا اثر بڑا گہرا ہوتا ہے، اور یہی حکم ہے اگر اس کو گالے یا ترانہ میں استعمال کرے (۳)۔

انبیاء کے استخفاف کا حکم:

۶- علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ انبیاء کرام کا استخفاف حرام ہے، ایسا

کرنے والا مرتد ہے، یہ حکم ان انبیاء کے استخفاف کا ہے جن کی نبوت قطعی دلیل سے ثابت ہے (۱) کیونکہ فرمان باری ہے: ”وَمِنْهُمْ الْقَلِيلُ يُوْذُوْنَ النَّبِيَّ“ (۲) (اور ان میں وہ لوگ بھی ہیں جو نبی کو ایذا دیتے ہیں)۔ نیز فرمایا: ”إِنَّ الَّذِينَ يُؤْذُوْنَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ لَعَنَهُمُ اللَّهُ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَأَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا مُّهِينًا“ (۳) (بے شک جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کو ایذا پہنچاتے رہتے ہیں ان پر اللہ لعنت کرتا ہے دنیا اور آخرت میں، اور ان کے لئے عذاب ذلیل کرنے والا تیار کر رکھا ہے)، نیز فرمایا: ”لَا تَعْتَذِرُوا قَدْ كَفَرْتُمْ بَعْدَ إِيمَانِكُمْ“ (۴) (تم یہاں نہ بناؤ، تم کافر ہو چکے اپنے اظہار ایمان کے بعد)۔

خواہ استخفاف کرنے والا مذاق کر رہا ہو یا سنجیدہ ہو، کیونکہ فرمان باری ہے: ”قُلْ أَبِاللَّهِ وَآيَاتِهِ وَرَسُولِهِ كُنْتُمْ تَسْتَهْزِؤُونَ لَا تَعْتَذِرُوا قَدْ كَفَرْتُمْ بَعْدَ إِيمَانِكُمْ“ (آپ کہہ دیجئے کہ اچھا تو تم استہزاء کر رہے تھے اللہ اور اس کی آیتوں اور اس کے رسول کے ساتھ، (اب) یہاں نہ بناؤ، تم کافر ہو چکے اپنے اظہار ایمان کے بعد)۔

البتہ قتل سے قبل اس سے توبہ کرانے کے بارے میں علماء کا اختلاف ہے، حنفیہ کے یہاں راجح اور مالکیہ کا ایک قول اور حنابلہ کے یہاں صحیح یہ ہے کہ رسول اور انبیاء کا استخفاف کرنے والے سے توبہ نہیں کرائی جائے گی بلکہ اس کو قتل کر دیا جائے گا اور دنیا میں اس کی توبہ قبول نہیں کی جائے گی، اس لئے کہ فرمان باری ہے: ”إِنَّ الَّذِينَ يُؤْذُوْنَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ لَعَنَهُمُ اللَّهُ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَأَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا مُّهِينًا“ (بے شک جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کو ایذا

(۱) المواقف ۲/۲۸۵۔

(۲) سورہ توبہ ۶۱۔

(۳) سورہ احزاب ۵۷۔

(۴) سورہ توبہ ۶۵-۶۶۔

(۱) المغنی ۸/۱۵۰ طبع سعودیہ، الإعلام بقواطع الاسلام ۲/۱۰۱، الصارم لمسلول

حصہ ۵۳۶، الخطاب ۲/۲۸۷، ابن ماجہ ۳۳/۲۸۳۔

(۲) سورہ توبہ ۶۵۔

(۳) الصارم لمسلول حصہ ۵۳۱۔

استخفاف ۷

پہنچاتے رہتے ہیں ان پر اللہ لعنت کرتا ہے دنیا اور آخرت میں، اور ان کے لئے عذاب ذلیل کرنے والا تیار کر رکھا ہے۔

اور مالکیہ نے کہا اور یہی ان کے یہاں رائج ہے، اور شافعیہ کا قول اور یہی حنفیہ و حنابلہ کے یہاں ایک رائے ہے کہ مرتد کی طرح اس سے بھی توبہ کرائی جائے گی، اگر وہ توبہ کرے اور لوٹ آئے تو اس کی توبہ قبول کی جائے گی (۱) اس لئے کہ فرمان باری ہے: "قُلْ لِللّٰہِ کُفْرُوْا اِنْ یَّنتَهِوْا یَغْفِرْ لَہُمْ مَا قَدْ سَلَفَ" (۲) (آپ کہہ دیجئے (ان) کافروں سے کہ اگر یہ لوگ باز آجائیں گے تو جو کچھ پہلے ہو چکا ہے وہ (سب) انہیں معاف کر دیا جائے گا) نیز حدیث میں ہے: "فَاِذَا قَالُوْہَا عَصَمُوْا مِنِّیْ دِمَآءِہُمْ وَاَمْوَالِہُمْ" (۳) (اگر وہ اس (کلمہ) کو کہہ لیں تو میری طرف سے اپنی جان و مال کو محفوظ کر لیں گے)۔

۷۔ بعض فقہاء نے سلف کے استخفاف اور غیر سلف کے استخفاف کے درمیان فرق کیا ہے، اور ان کے یہاں سلف سے مراد صحابہ و تابعین ہیں۔

چنانچہ حنفیہ اور شافعیہ نے صحابہ و سلف کو گالی دینے والے کے بارے میں کہا ہے کہ وہ فاسق و گم راہ ہے، اور مالکیہ کے یہاں معتدیہ ہے کہ اس کی تادیب کی جائے گی (۴)۔

البتہ جو شخص حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو اس بہتان کے ذریعہ گالی دے جس سے اللہ نے ان کو بُری قرار دیا ہے، یا حضرت ابوبکرؓ کے صحابی ہونے کا جو نص قرآنی سے ثابت ہے، انکار کرے، تو اس کو

(۱) حاشیہ ابن عابدین ۳/۲۹۱، ۲۹۲، نہایۃ المحتاج ۷/۳۵۵، ۳۵۸، ۳۵۹، الدسوقی ۳/۳۰۹، ۳۱۲، الخطاب مع جلیۃ الناج والاکلیل ۶/۲۸۰، الصارم المسلول رص ۳۳۷، المغنی ۸/۱۲۳۔

(۲) سورۃ انفال ۳۸۔

(۳) بخاری (فتح الباری ۵/۵۱۱ طبع المستقیم) اور مسلم (۵/۵۲) نے اس کی روایت کی ہے۔

(۴) ابن عابدین ۳/۲۹۳، نہایۃ المحتاج ۷/۳۹۶، الدسوقی ۳/۳۱۲۔

کافر کہا جائے گا، کیونکہ وہ ان آیات کا منکر ہے جن سے حضرت عائشہؓ کا بری ہونا اور ان کے والد کا صحابی ہونا معلوم ہوتا ہے، نیز حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے آیت کریمہ: "اِنَّ اللّٰہِیْنَ یَرْمُوْنَ الْمُحْصَنَاتِ الْغَافِلَاتِ الْمُؤْمِنَاتِ لَعُنُوْا فِی الدُّنْیَا وَالْآخِرَةِ وَلَہُمْ عَذَابٌ عَظِیْمٌ" (۱) (جو لوگ تہمت لگاتے ہیں ان (بیویوں) کو جو پاکدامن ہیں، بے خبر ہیں، ایمان والیاں ہیں، ان (لوگوں) پر لعنت ہے دنیا اور آخرت میں اور ان کے لئے سخت عذاب (رکھا ہوا) ہے)۔ کے بارے میں فرمایا ہے: یہ خاص طور پر حضرت عائشہؓ و ازواج مطہرات کے بارے میں ہے اور اس میں توبہ کا ذکر نہیں ہے (۲)۔

اور ان کے علاوہ کسی مسلمان کے استخفاف کے بارے میں اگرچہ اس کے تقویٰ و تقی کا کوئی علم نہ ہو، مذاہب اربعہ کے فقہاء نے کہا ہے: یہ گناہ ہے، بادشاہ اپنی صوابدید کے مطابق سزا دے گا اور زجر و توبیخ کرے گا، ہاں اس میں کہنے والے کی حیثیت، اس کی سفاہت، اور جس کے بارے میں کہا گیا ہے اس کی قدر و منزلت کی رعایت کرے گا (۳)، اس لئے کہ مسلمان کا استخفاف اور اس کا مذاق اڑانا ممنوع ہے فرمان باری ہے: "لَا یَسْخَرُوْا قَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ عَسٰی اُنْ یَّکُوْنُوْا خَیْرًا مِّنْہُمْ وَلَا نِسَآءٌ مِّنْ نِّسَآءِ عَسٰی اُنْ یَّکُوْنَنَّ خَیْرًا مِّنْہُنَّ وَلَا تَلْمِزُوْا اَنْفُسَکُمْ وَلَا تَنَابَزُوْا بِالْأَلْقَابِ بِئْسَ الْاَسْمُ الْفُسُوْقُ بَعْدَ الْاِیْمَانِ" (۴) (نہ مردوں کو مردوں پر ہنسنا چاہئے، کیا عجب کہ وہ ان سے بہتر ہوں، اور نہ عورتوں کو عورتوں پر ہنسنا چاہئے) کیا عجب کہ وہ ان سے بہتر ہوں، اور نہ ایک دوسرے کو

(۱) سورہ نور ۲۳۔

(۲) الصارم المسلول رص ۳۳۷، طبع ۳۳۸، خطوط، ابن عابدین ۳/۲۹۰۔

(۳) الخطاب ۶/۳۰۳، الانصاف ۱۰/۳۲۲، نہایۃ المحتاج ۸/۷۱، ابن عابدین ۳/۳۸۳۔

(۴) سورہ حجرات ۱۱۔

استخفاف ۸-۱۱

طعنہ دو، اور نہ ایک دوسرے کو بُرے القاب سے پکارو، ایمان کے بعد گناہ کا نام ہی بُرا ہے۔

کہے وہ کافر ہے۔

توریت، انجیل اور کتب انبیاء سے مراد وہ کتابیں ہیں جن کو اللہ نے نازل فرمایا تھا، خاص طور پر وہ کتابیں مراد نہیں جو اب اہل کتاب کے ہاتھوں میں ہیں، اس لئے کہ ان کے بارے میں نصوص سے ماخوذ مسلمانوں کا عقیدہ یہ ہے کہ ان کتابوں کے بعض حصے قطعاً باطل ہیں اور بعض کے معانی درست لیکن الفاظ میں تحریف ہے (۱)۔ یہی حکم اس شخص کا ہے جو ان احادیث نبویہ کا استخفاف کرے جن کا ثبوت اس کے نزدیک ہو چکا ہو (۲)۔

شرعی احکام کا استخفاف:

۱۰- فقہاء کا اس پر اتفاق ہے کہ شرعی احکام ہونے کی وجہ سے ان کا استخفاف کرنے والا کافر ہے، مثلاً نماز یا زکوٰۃ یا حج یا روزہ کا استخفاف یا حدود اللہ مثلاً ”چوری وزنا کی سزا“ کا استخفاف (۳)۔

مقدس اوقات اور مقامات وغیرہ کا استخفاف:

۱۱- علماء نے زمانہ کو بُرا بھلا کہنے اور ان کا استخفاف کرنے سے منع کیا ہے، اس لئے کہ فرمان نبوی ہے: ”لا تقولوا خيبة الدهر، فإن الله هو الدهر“ (نہ کہو: زمانہ کی خرابی، کیونکہ زمانہ تو اللہ کے اختیار میں ہے) (۴)۔

حدیث میں ہے: ”یؤذینی ابن آدم یسب الدهر وأنا

ملائکہ کے استخفاف کا حکم:

۸- اس پر فقہاء کا اتفاق ہے کہ جس نے کسی فرشتہ کا استخفاف کیا، مثلاً اس کی شان کے خلاف وصف سے اس کو متصف کیا، یا اس کو بُرا بھلا کہا، یا اس پر طعن کیا تو وہ کافر ہے، اس کو قتل کر دیا جائے گا (۱)۔ یہ حکم اس کے بارے میں ہے جس کا فرشتوں میں سے ہونا قطعی دلیل سے ثابت ہے، مثلاً حضرت جبریل، ملک الموت اور مالک واروند جہنم (۲)۔

آسمانی کتب و صحائف کے استخفاف کا حکم:

۹- اس پر فقہاء کا اتفاق ہے کہ جس نے قرآن یا صحیف یا اس کے کسی جزو کا استخفاف کیا، اس کے یا کسی حرف کا انکار کیا، یا قرآن کے کسی صریح حکم یا مضمون کی تکذیب کی، یا کسی چیز کی بابت شک کیا، یا کسی خاص عمل کے ذریعہ اس کی توہین کی کوشش کی، مثلاً قرآن کو گندگی میں ڈال دیا، تو وہ اس عمل کی وجہ سے کافر ہو جائے گا۔

سارے مسلمان اس پر متفق ہیں کہ قرآن وہ کتاب ہے جس کی تمام دنیا میں تلاوت ہوتی ہے، اور جو ان نسخوں و اوراق میں جو ہمارے پاس موجود ہیں، یعنی ”الحمد لله رب العالمین“ سے لے کر ”قل اعوذ برب الناس“ کے اخیر تک لکھا ہوا ہے۔

ایسے ہی جو شخص توریت، انجیل یا خدا کی طرف سے نازل کردہ دوسری کتابوں کا استخفاف کرے یا ان کا انکار کرے یا ان کو بُرا بھلا

(۱) الخطاب ۶/۲۸۵ مطبوعہ لیبیا، الاعلام بقواطع الاسلام ۲/۲۱۳، ابن ماجہ ۲/۱۵۰۔

(۲) التاج والاکلیل بہامش الخطاب ۶/۲۸۵ طبع لیبیا۔

(۱) الاذیاب الشریعہ ۲/۵۷، ابن ماجہ ۲/۲۸۳، الاعلام بقواطع الاسلام ۲/۱۷۱، الخطاب ۶/۲۸۵، المغنی ۸/۱۵۰۔

(۲) الاعلام بقواطع الاسلام ۲/۱۱۳، الاعتصام للہامی ۲/۷۵۔

(۳) الاعلام بقواطع الاسلام ۲/۱۱۳، ۱۱۶، ۱۱۷، ۱۳۵۔

(۴) اس کی روایت بخاری (فتح الباری ۱۰/۵۶۳ طبع الشیخ) اور مسلم (۲/۱۷۳) نے کی ہے۔

استخفاف ۱-۲

الدھر بیدي الليل والنهار“ (۱) (آدمی مجھے لیڈا دیتا ہے، زمانہ کو بُرا کہتا ہے، زمانہ (کا مالک تو) میں ہوں، رات اور دن سب میرے ہاتھ میں ہیں)۔

اسی طرح مقدس اوقات اور مقامات کا استخفاف حرام اور ممنوع ہے، اور اگر اس سے اس کا مقصد شریعت کا استخفاف ہو، مثلاً ماہ رمضان یا روز عرفہ یا حرم اور کعبہ کا استخفاف کیا جائے تو اس کا حکم شریعت یا اس کے کسی حکم کے استخفاف کی طرح ہے، اور اس کا ذکر آچکا ہے۔

استخلاف

تعریف:

۱- استخلاف لغت میں ”استخلف فلان فلاناً“ کا مصدر ہے، یعنی فلاں نے فلاں کو خلیفہ بنایا، اور کہا جاتا ہے: ”خلف فلان فلاناً علی اہلہ و مالہ“ (وہ اس کے اہل و مال میں اس کا جانشین بنا) اور ”خلفته“ (میں اس کے بعد آیا)، لہذا لفظ ”خلیفہ“ بمعنی قائل ہوتا ہے اور بمعنی مفعول بھی (۱)۔

اصطلاح میں انسان کا دوسرے کو اپنے عمل کی تکمیل کی خاطر نائب بنانا، اور اسی سے امام کو کسی عذر کے پیش آ جانے کی وجہ سے نماز کو مکمل کرنے کے لئے مقتدی کو خلیفہ و نائب بنانا ہے (۲)، نیز اسی سے مسلمانوں کے امام کا اپنی موت کے بعد کے لئے کسی کو اپنا ولی عہد بنانا ہے، اور اسی سے قضاء میں خلیفہ بنانا ہے جیسا کہ آگے آرہا ہے۔ یہاں پر صرف نماز اور قضاء میں خلیفہ بنانے پر بحث ہوگی، امامت عظمیٰ میں خلیفہ بنانے کا بیان اصطلاح ”خلافت“ اور اصطلاح ”ولایت عہد“ میں ہے۔

متعلقہ الفاظ:

توکیل:

۲- توکیل کا معنی لغت میں: سپرد کرنا (۳)، اور اسی طرح نائب بنانا یا

(۱) المعجم الصغیر (۱/۵۶۳ طبع المستطیع) اور مسلم

(۲) المعجم الصغیر (۱/۶۵۳ طبع المستطیع) اور مسلم

(۳) المعجم الصغیر، حاشیہ الدسوقی (۳/۷۷۷)۔

(۱) اس کی روایت بخاری (فتح الباری ۱۰/۵۶۳ طبع المستطیع) اور مسلم (۱۷۶۳/۳) نے کی ہے۔

استخلاف ۳-۴

ہے، اور نماز جمعہ میں اگر امام نائب نہ بنائے تو مقتدیوں کے ذمہ واجب ہے، اور اس کے علاوہ میں مندوب ہے۔

اور بسا اوقات خلیفہ بنانا جائز ہوتا ہے، مثلاً مسلمانوں کا امام اپنی موت کے بعد کے لئے کسی کو خلیفہ و نائب بنا دے، اس لئے کہ اس کے لئے یہ بھی جائز ہے کہ ان کے اختیار پر چھوڑ دے۔

اول: نماز میں نائب بنانا:

۴- حنفیہ کا مذہب، شافعیہ کے یہاں قول ظہر جو امام شافعی کا قدیم مذہب ہے، اور امام احمد کے یہاں ایک روایت یہ ہے کہ نماز میں خلیفہ بنانا جائز ہے، اور شافعیہ کے یہاں غیر ظہر اور امام احمد کی دوسری روایت یہ ہے کہ ناجائز ہے، اور حنابلہ میں سے ابو بکر نے کہا ہے: اگر دور ان نماز امام کو حدث لاحق ہو جائے تو اس کی اور مقتدیوں کی نماز باطل ہے، ایک ہی روایت ہے۔

مالکیہ کا مذہب ہے کہ جمعہ وغیرہ میں امام کا دوسرے کو نائب بنانا مندوب ہے، اور اگر امام نائب نہ بنائے تو جمعہ میں مقتدیوں پر نائب بنانا واجب ہے، اس لئے کہ جمعہ کی نماز تنہا تنہا نہیں پڑھ سکتے برخلاف دوسری نمازوں کے، اور حنفیہ کی رائے ہے کہ اگر امام کو حدث لاحق ہو، اور پانی مسجد میں ہو تو وضو کر کے ”بناء“ کرے نائب بنانے کی ضرورت نہیں، اور اگر پانی مسجد میں نہ ہو تو افضل یہ ہے کہ نائب بنا دے، اور ”متون“ کا ظاہر یہ ہے کہ نائب بنانا سب کے حق میں افضل ہے (۱)۔

نائب بنانے کے جواز کے تակلمین کی دلیل یہ ہے کہ دور ان نماز جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو نیزہ لگا تو انہوں نے حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ کا ہاتھ پکڑ کر آگے بڑھا دیا، اور انہوں نے لوگوں کے ساتھ نماز پوری کی، یہ سب کچھ صحابہؓ وغیرہ کی موجودگی میں پیش آیا اور کسی

نائب بنایا نیابت ہے۔

اصطلاح میں توکیل کسی جائز و مہین تصرف میں ملکیت و اہلیت رکھنے والے انسان کا دوسرے کو اپنی جگہ رکھنا ہے (۱)۔

اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اختلاف اور توکیل قریب قریب الفاظ ہیں، البتہ اختلاف کا میدان کچھ زیادہ وسیع ہے، اس لئے کہ بعض استعمالات میں اس کا اثر خلیفہ بنانے والے کی موت کے بعد ظاہر ہوتا ہے اور اس میں نماز وغیرہ داخل ہیں، جب کہ توکیل کا اثر محض مؤکل کی زندگی تک محدود رہتا ہے۔

استخلاف کا شرعی حکم:

۳- جس کام کے لئے خلیفہ بنایا جائے اور جس کو خلیفہ بنایا جائے ان دونوں کے اعتبار سے خلیفہ بنانے کا حکم الگ الگ ہوتا ہے، چنانچہ بسا اوقات خلیفہ بنانا خلیفہ بنانے والے اور خلیفہ بنائے جانے والے کے ذمہ واجب ہوتا ہے، مثلاً اگر قضاء کی ذمہ داری کے لئے کوئی شخص اس وجہ سے متعین ہو جائے کہ قاضی بننے کی صلاحیت اس کے علاوہ کسی میں نہ ہو تو جس کے اختیار میں خلیفہ بنانا ہے اس کا فرض ہے کہ اس کو خلیفہ بنائے، اور جس کو خلیفہ بنایا گیا ہے اس پر واجب ہے کہ اسے قبول کرے۔

اور کبھی یہ حرام ہوتا ہے، مثلاً جہالت کی بنیاد پر یا رشوت کے ذریعہ قاضی بننے کی کوشش کرنے کی وجہ سے غیر اہل کو قضاء کے لئے خلیفہ بنانا۔

اور کبھی یہ مندوب ہوتا ہے، جیسا کہ مالکیہ کی رائے ہے کہ اگر امام کو دور ان نماز حدث لاحق ہو جائے تو دوسرے کو نائب بنا دے تاکہ وہ لوگوں کی نماز پوری کرے، یہ مالکیہ کے نزدیک امام کے ذمہ مندوب

(۱) الدرر المجمع حاشیہ ۱/ ۵۶۲، البدائع ۲/ ۵۸۹ طبع الامام۔

(۱) شرح الدرر المجمع حاشیہ ۳/ ۶۱۸ طبع الامیر۔

استخلاف ۵-۷

نے تکبیر نہیں کی، لہذا اس پر اجماع ہو گیا۔

مانعین کا استدلال یہ ہے کہ امام کی نماز باطل ہو جائے گی، اس لئے کہ اس میں صحت نماز کی شرط موجود نہیں ہے، لہذا مقتدیوں کی بھی نماز باطل ہوگی، جیسا کہ اگر قصد احدث کر دے (تو سب کی نماز باطل ہو جائے گی) (۱)۔

نائب بنانے کے اسباب:

۶- جمہور فقہاء کے نزدیک کسی ایسے عذر کی وجہ سے نائب بنانا جائز ہے جس سے مقتدیوں کی نماز باطل نہیں ہوتی، اور عذریا تو نماز سے باہر ہوگا یا نماز سے متعلق، اور نماز سے متعلق عذریا تو صرف امامت سے مانع ہوگا نماز سے مانع نہیں، یا نماز سے مانع ہوگا۔

نائب بنانے کے جواز کے قائلین کا اتفاق ہے کہ اگر امام کو دوران نماز کوئی حدث، پیشاب یا ہوا خارج ہونا وغیرہ لاحق ہو جائے تو نماز سے الگ ہو جائے اور نائب بنائے، اس کے لئے ہر مذہب کے اندر کچھ اسباب و شرائط ہیں (۲)۔

۷- چنانچہ حنفیہ کے یہاں جواز بناء کی کچھ شرطیں ہیں، اور یہ کہ جن اسباب سے نائب بنانا جائز ہے انہیں اسباب سے بناء کرنا بھی جائز ہے (۳)۔ شرائط یہ ہیں:

(۱) نائب بنانے کا سبب حدث ہو، لہذا اگر (کپڑے یا بدن میں کھین) نجاست ہو تو نائب بنانا جائز نہیں، خواہ اس کے بدن ہی سے نکلی ہوئی نجاست ہو، اس میں امام ابو یوسف کا اختلاف ہے کہ ان کے نزدیک نائب بنانا جائز ہے جب کہ نجاست اس

نائب بنانے کا طریقہ:

۵- حنفیہ میں صاحب درمختار نے کہا ہے: (نماز میں نائب بنانے کی صورت یہ ہے کہ) امام کسی کا کپڑا پکڑ کر مخراب کی طرف بڑھا دے یا اس کی طرف اشارہ کر دے، اور یہ سب کچھ پیچھے جھکائے، تاکہ پکڑے ہوئے کرے گا تاکہ یہ خیال ہو کہ اس کی تکبیر پھوٹ گئی ہے، اگر ایک رکعت باقی ہو تو ایک انگلی سے اور دو رکعت باقی ہو تو دو انگلی سے اشارہ کرے گا، رکوع چھوٹنے کو بتانے کے لئے اپنا ہاتھ اپنے گھٹنے پر رکھے گا اور سجدہ چھوٹنے کو بتانے کے لئے اپنی پیشانی پر ہاتھ کو رکھے گا، قراءت چھوٹنے کے لئے اپنے منہ پر رکھے، سجدہ تلاوت کے لئے اپنی پیشانی اور زبان پر، سجدہ سہو کے لئے سینہ پر اپنا ہاتھ رکھے گا، حنفیہ کے علاوہ کسی نے اس کا ذکر نہیں کیا ہے، البتہ مالکیہ نے لکھا ہے کہ ٹھکے وقت امام کے لئے مندوب ہے کہ اپنی ناک اپنے ہاتھ سے پکڑ لے تاکہ اپنے حال پر پردہ ڈال سکے (۲)۔

اگر امام کو نائب بنانے کی ضرورت رکوع یا سجدہ میں پیش آجائے تو بھی نائب بنائے جیسا کہ قیام وغیرہ میں نائب بنائے گا، اور نائب

(۱) الدرر السنی ۱/ ۳۵۰، ۳۵۱۔

(۲) یہاں اسباب و شرائط کا ذکر مذاہب کے تحت کیا گیا ہے قطعاً نظر کے اعتبار سے نہیں، کیونکہ مذاہب کے درمیان شرائط و اسباب کے بارے میں بڑا اختلاف ہے (کمینی)۔

(۳) الدر المختار ۱/ ۵۶۲، البدائع ۲/ ۵۸۹، طبع الامام۔

(۱) ابن عابدین ۱/ ۳۲۲، الشرح الصغیر ۱/ ۳۶۵، طبع دار المعارف، الدرر السنی ۱/ ۳۸۲، المجموع ۶/ ۵۷۶، نہایۃ المحتاج ۲/ ۳۳۶، ۳۳۷، المغنی ۲/ ۱۰۲، طبع الریاض۔

(۲) الدرر السنی ۱/ ۳۲۲، ۵۶۲، الترغیب فی علی فیل ۲/ ۳۳، الشرح الصغیر ۱/ ۳۶۵۔

استخفاف ۷

کے بدن سے نکلی ہو۔

(۲) حدث سہوی ہو، اور حنفیہ کے نزدیک سہوی کی تعریف یہ ہے: جس میں بندہ (اگرچہ غیر نمازی ہو) کا اختیار نہ ہو اور نہ اس کے سبب میں اس کا اختیار ہو، لہذا اگر قصداً حدث کر دے تو مائتب بنانا جائز نہیں، یہی حکم امام ابو حنیفہ اور امام محمد کے نزدیک اس صورت کا ہے جب اس کو سر یا چہرہ پر زخم لگ جائے، یا کوئی دانت کاٹ لے، یا کسی دوسرے کی طرف سے اس پر پتھر آجائے، اس لئے کہ یہ ایسا حدث ہے جو بندوں کے عمل سے ہوا ہے، جب کہ امام ابو یوسف کے نزدیک مائتب بنانا جائز ہے کیونکہ خود اس کا اس میں کوئی دخل نہیں، لہذا یہ سہوی سبب کی طرح ہو گیا۔

(۳) حدث اس کے بدن کا ہو، لہذا اگر اس کو باہر سے نجاست لگ جائے، یا جنون کی وجہ سے ہو تو مائتب بنانا جائز نہیں (۱)۔

(۴) حدث غسل کو واجب کرنے والا نہ ہو۔

(۵) اس حدث کا وجود مقرر نہ ہو۔

(۶) مائتب بنانے والے نے حدث کے ساتھ کوئی رکن ادا نہ کیا ہو، اس میں اس صورت سے امتراز ہے کہ حالت رکوع یا سجدہ میں اس کو حدث لاحق ہو اور اس نے اپنا سر ادا نیگی رکن کے قصد سے اٹھایا۔

(۷) چلنے کی حالت میں کوئی رکن ادا نہ کرے، مثلاً وضو کے بعد لوٹتے ہوئے اگر قراءت کرے۔

(۸) نماز کے منافی کوئی عمل نہ کرے، لہذا اگر حدث پیش آجائے کے بعد عمداً حدث کر دے تو مائتب بنانا جائز نہیں۔

(۹) کوئی ایسا کام نہ کرے جس سے چارہ کار ہو، لہذا اگر قریب

کے پانی کو چھوڑ کر دو صفوں سے زائد بلا عذر آگے بڑھ جائے تو مائتب بنانا جائز نہیں۔

(۱۰) بلا عذر ایک رکن کی ادا نیگی کے بقدر ویر نہ کرے، البتہ اگر کسی عذر مثلاً بھیڑ یا خون کے آنے کی وجہ سے ویر کرے تو بناء کرے گا۔

(۱۱) اس کا سابق حدث ظاہر نہ ہو، مثلاً خفیں پر مسح کی مدت کا پورا ہو جانا۔

(۱۲) صاحب ترتیب ہونے کی صورت میں اس کو کوئی چھوٹی ہوئی نماز یاد نہ آئے، اگر یاد آجائے گی تو بناء قطعاً درست نہیں۔

(۱۳) مقتدی اپنی جگہ پر نماز پوری کرے اور اس میں وہ امام داخل ہے جس کو حدث پیش آیا ہے، کیونکہ وہ پہلے امام تھا اور اب مقتدی بن گیا ہے، لہذا اگر وہ وضو کرے اور اس کا امام اپنی نماز سے فارغ نہ ہوا ہو تو ضروری ہے کہ وہ لوٹے تاکہ اپنے امام کے پیچھے اپنی نماز پوری کرے اگر ان دونوں کے درمیان کوئی مافع اقتداء ہو، لہذا اگر وہ اقتداء سے مافع کسی چیز کے باوجود نماز اپنی جگہ میں پوری کر لے تو صرف اس کی نماز فاسد ہوگی، اور یہ حدث لاحق ہونے والے شخص کے حق میں اپنی سابقہ نماز پر بناء کی صحت کے لئے شرط ہے، مائتب بنانے کی صحت کی شرط نہیں ہے۔

(۱۴) امام ایسے شخص کو مائتب بنائے جو امامت کا اہل ہو، لہذا اگر امام نے کسی بچہ یا عورت یا ان پڑھ کو (جو قراآن کچھ بھی اچھی طرح نہ پڑھ سکے) مائتب بنا دے تو امام و مقتدی سب کی نماز فاسد ہو جائے گی، اور اگر امام اتنی قراءت کرنے سے معذور ہو جائے جس سے نماز درست ہوتی ہے تو مائتب بنا سکتا ہے یا نہیں؟ اس میں فقہاء کا اختلاف ہے۔

امام ابو یوسف اور امام محمد نے کہا ہے: مائتب بنانا جائز نہیں ہے،

استخفاف ۸-۱۰

ہو یا زیادہ، اگرچہ کافر کا مال ہو، اور بعض نے یہ قید لگائی ہے کہ اشخاص کے لحاظ سے مال کی کوئی حیثیت ہو۔

دوم۔ جب امام کو کوئی ایسی چیز پیش آئے جو امامت سے مانع ہو مثلاً ادائیگی رکن سے ایسی عاجزی کہ رکوع نہ کر سکے یا بقیہ نماز میں قراءت نہ کر سکے، البتہ کسی خاص سورہ پڑھنے سے عاجزی کی وجہ سے نائب بننا جائز نہیں۔

سوم۔ جن چیزوں کے بارے میں جمہور فقہاء کا اتفاق ہے یعنی حدیث کا لاحق ہو یا تکسیر پھوٹنا۔

اگر امام کے ساتھ مانع امامت امر پیش آئے مثلاً بعض ارکان کی ادائیگی سے بے بسی، تو اس پر واجب ہے کہ نیت کے ساتھ دوسرے کو نائب بنائے اور پیچھے ہٹ جائے، یعنی اقتداء کی نیت کرے گا، اگر اقتداء کی نیت نہ کی تو اس کی نماز باطل ہو جائے گی (۱)۔

۹۔ شافعیہ کے یہاں امام اپنا نائب بنا سکتا ہے اگر اس کی نماز باطل ہو جائے یا اس کو عدا باطل کر دے، جمعہ ہو یا کوئی اور نماز، حدیث کی وجہ سے ہو یا بغیر حدیث کے، البتہ یہ چند شرطیں ہیں:

نائب بنانا مقتدیوں کے ایک رکن ادا کر لینے سے قبل ہو، جس کو نائب بنایا ہے وہ امامت کے لائق ہو، اور حدیث سے قبل وہ امام کی اقتداء کر رہا ہو اگرچہ بچہ یا نفل نماز پڑھنے والا ہو (۲)۔

۱۰۔ حنابلہ کے یہاں امام کو اگر حدیث لاحق ہو تو وہ نائب بنا سکتا ہے، ان کے یہاں پہلی روایت یہی ہے، اور اس کی مثال تے یا تکسیر آنا ہے، اسی طرح نجاست یا آجائے یا جنابت یا آجائے جس سے غسل نہیں کیا ہے، یا دوران نماز ناپاک ہو جائے، یا سورہ فاتحہ پوری کرنے سے عاجز ہو جائے، یا ایسے رکن سے عاجز ہو جائے جو مانع اقتداء ہو،

اس لئے کہ قراءت سے عاجز ہونے کا وجود نا در ہے، لہذا یہ نماز میں جنابت لاحق ہونے کے مشابہ ہو گیا، وہ بلا قراءت نماز پوری کرے گا جیسا کہ اگر ان پڑھ آدمی ان پڑھ لوگوں کی امامت کرے، اور ان سے دوسری روایت ہے کہ نماز فاسد ہو جائے گی، اور امام ابوحنیفہ نے کہا ہے: نائب بننا جائز ہے، کیونکہ حدیث کے باب میں نائب بننا نماز پوری کرنے سے عاجزی کی وجہ سے جائز ہے، اور یہاں پر عاجزی اور زیادہ ہے کیونکہ بے وضو آدمی کو بسا اوقات مسجد میں پانی مل جاتا ہے، اس طرح اس کے لئے نائب بنائے بغیر اپنی نماز پوری کرنا ممکن ہے (۱)۔ البتہ اگر وہ اپنی پوری یاد کردہ کو بھول جائے تو حنفیہ کا اتفاق ہے کہ وہ نائب نہیں بنائے گا، اس لئے کہ وہ تعلیم و تعلم اور یاد دلائے بغیر نماز پوری کرنے پر قادر نہیں اور جب وہ بناء سے عاجز ہے تو حنفیہ کے نزدیک نائب بنانا درست نہیں ہوگا۔ امام ترمذی نے لکھا ہے کہ رازی نے کہا: نائب صرف اس صورت میں بنائے گا جب اس کے لئے کچھ بھی پڑھنا ممکن نہ ہو، تو اگر ایک آیت پڑھنا اس کے لئے ممکن ہو تو نائب نہیں بنائے گا، اگر وہ نائب بنادے گا تو اس کی نماز فاسد ہو جائے گی، اور صدر الاسلام نے کہا: صورت مسئلہ یہ ہے کہ وہ قرآن کا حافظ تھا لیکن شرمندگی یا خوف کی وجہ سے قراءت نہ کر سکا، لیکن اگر بھول ہو جائے اور اُٹھی ہو جائے تو نائب بنانا جائز نہیں (۲)۔

۸۔ مالکیہ کے نزدیک جس کی امامت نیت اور تکبیر تحریمہ کے ساتھ ثابت ہو جائے اس کے لئے مستحب یہ ہے کہ تین مقامات میں نائب بنائے:

اول۔ کسی قائل احترام جان کے تلف ہونے (اگرچہ کافر ہو) یا مال کے تلف ہونے کا اندیشہ ہو، خواہ مال اس کا ہو یا دوسرے کا تھوڑا

(۱) حاشیہ ابن ماجہ ص ۵۶۵۔

(۲) ابن ماجہ ص ۵۶۰ اور اس کے بعد کے صفحات، الہدای فی فتح القدیر، الکفای ص ۳۲۸ اور اس کے بعد کے صفحات، طبع لیبیریہ۔

(۱) الخرش ص ۳۹۲ طبع بیروت، المشرح الصغیر ص ۶۵ طبع دار المعارف۔

(۲) شرح الروض ص ۲۵۲ طبع المکتبۃ الاسلامیہ۔

استخلاف ۱۱-۱۲

مطابق ہوگا۔

مثلاً رکوع یا سجدہ (۱)۔

جب کہ دوسرے مذاہب میں صحیح یہ ہے کہ طہارت سنت ہے، خطبہ کی صحت کے لئے واجب نہیں، لہذا اگر اس کو حدیث لاحق ہو جائے تو اس کے لئے خطبہ کو پورا کرنا جائز ہے، البتہ افضل یہ ہے کہ نائب بناوے، اور جو لوگ خطیب کے لئے طہارت کو واجب قرار دیتے ہیں ان کے نزدیک اگر حدیث لاحق ہو جائے تو اس کی طرف سے یا مقتدیوں کی طرف سے نائب بنانا واجب ہوگا، اور کیا نائب وہاں سے شروع کرے جہاں پہلے خطیب نے چھوڑا ہے یا از سر نو خطبہ دے؟ تو مالکیہ نے صراحت کی ہے کہ اگر خطیب اول کی انتہاء کا علم ہو تو وہیں سے شروع کرے ورنہ ابتداء سے خطبہ دے (۱)۔

نماز جمعہ میں نائب بنانا:

۱۳- حنفیہ، مالکیہ اور شافعیہ قول جدید میں اور حنابلہ ایک روایت میں (جوان کا مذہب ہے) کہتے ہیں کہ عذر کی وجہ سے نماز جمعہ میں نائب بنانا جائز ہے، یہ اس صورت میں ہے جب کہ امام کو خطبہ کے بعد نماز شروع کرنے سے پہلے حدیث پیش آجائے تو وہ کسی کو آگے بڑھادے جو لوگوں کو نماز پڑھائے، اگر آگے بڑھنے والا پورے یا کچھ خطبہ میں موجود رہا ہو تو بالاتفاق جائز ہے، اور اگر بالکل خطبہ میں حاضر نہ رہا ہو یا حدیث دوران نماز پیش آیا ہو تو مذاہب میں حسب ذیل تفصیل ہے:

۱۴- حنفیہ کی رائے ہے کہ اگر آگے بڑھنے والا بالکل خطبہ میں حاضر نہ رہا ہو اور اگر امام اس کے نماز شروع کرنے سے پہلے اس کو نائب بناوے تو یہ نائب بنانا جائز نہیں، اور جوان کی امامت کر رہا ہے اس پر واجب ہے کہ وہ لوگوں کو چار رکعت ظہر کی نماز پڑھائے اس لئے کہ وہ

دوم: جمعہ وغیرہ قائم کرنے کے لئے نائب بنانا:

۱۱- جس خطیب کو ولی امر (یعنی حاکم یا قاضی) کی طرف سے خطبہ دینے کی اجازت ہے اس کی طرف سے نائب بنانے کے جواز کے بارے میں فقہاء احناف کا اختلاف ہے، (اور اس اختلاف کی بنیاد اس پر ہے کہ حنفیہ کے نزدیک جمعہ قائم کرنے کے لئے حاکم کی اجازت شرط ہے) اور کیا وہ خطبہ کے لئے نائب بنا سکتا ہے؟ متاخرین کے درمیان یہ اختلاف، مشائخ مذہب کی عبارات کے سمجھنے میں اختلاف کے سبب پیدا ہوا ہے، چنانچہ صاحب الدرر نے کہا: علی الاطلاق اس کو اس کا اختیار نہیں یعنی خواہ نائب بنانا ضرورت کی وجہ سے ہو یا بلا ضرورت، الا یہ کہ یہ کام اس کے حوالے کر دیا گیا ہو۔ اور ابن کمال پاشا نے کہا: اگر نائب بنانے کی کوئی ضرورت ہو تو جائز ہے ورنہ نہیں۔ قاضی القضاۃ محبت الدین بن جریر، ترمذی، ہدفی، برہان الدین حلبی، دونوں ابن نجیم اور شرنبلالی نے کہا ہے (۲): علی الاطلاق بلا ضرورت جائز ہے، یہ مسئلہ خاص طور پر احناف کے یہاں ہے، کیونکہ دوسرے حضرات کے یہاں خطبہ کے لئے حاکم کی اجازت کی شرط نہیں ہے۔

خطبہ جمعہ کے دوران نائب بنانا:

۱۲- حنفیہ کی رائے ہے کہ خطبہ میں طہارت سنت مؤکدہ ہے، لہذا اگر خطیب کو دوران خطبہ حدیث لاحق ہو جائے، تو یا تو حالت حدیث میں خطبہ کو پورا کرے اور یہ جائز ہے، یا نائب بناوے، اور اس کا حکم خطبہ میں نائب بنانے کے جواز کے بارے میں سابقہ اختلاف کے

(۱) الطحاوی ص ۲۸۰، المشرع المکی والدسوقی ۳۸۶/۱، القوانين الفہم لابی

جزی ص ۵۶، المغنی ۳۰۷/۲، طبع الریاض، الوجیز ۶۳/۱، الدسوقی

۳۸۲/۱

(۱) المغنی ۱۰۲/۲، ۱۰۳، ۵۶۰ طبع سوم۔

(۲) شرح الدرر مع حاشیہ ابن عابدین ۵۰/۱ طبع سوم بلاق۔

استخفاف ۱۵-۱۶

خود جمعہ قائم کرنے والا ہے (۱) اپنے تحریمہ کا امام کے تحریمہ پر بناء کرنے والا نہیں ہے، اور خطبہ انشاء جمعہ کی شرط ہے جو نہیں پایا گیا۔ البتہ اگر نماز شروع کرنے کے بعد امام کو حدیث پیش آیا اور اس نے ایسے شخص کو آگے بڑھا دیا جو اقامت کے وقت آیا تھا، یعنی خطبہ کے کسی حصہ میں حاضر نہیں تھا، تو جائز ہے اور وہ ان کو جمعہ پڑھائے گا، اس لئے کہ اول کا تحریمہ جمعہ کے لئے منعقد ہو چکا تھا، کیونکہ اس کی شرط یعنی خطبہ موجود ہے، اور دوسرے نے اپنے تحریمہ کا اول کے تحریمہ پر بناء کیا، جمعہ کا نیا تحریمہ باندھنے والے کے حق میں انعقاد جمعہ کے لئے خطبہ شرط ہے، لیکن اس شخص کے حق میں شرط نہیں جو دوسرے کے تحریمہ پر اپنے تحریمہ کی بناء کر لے، اس کی دلیل یہ ہے کہ امام کی اقتداء کرنے والے کا جمعہ صحیح ہے اگرچہ خطبہ کو نہ پائے، اور اس کی وجہ یہی ہے، تو یہی حکم اس صورت میں بھی ہوگا جب امام نے نماز شروع کرنے کے بعد نائب بنالیا ہو (۲)۔

حاکم نے ”مختصر“ میں لکھا ہے: اگر امام کو حدیث لاحق ہو جائے اور وہ کسی ایسے شخص کو آگے بڑھا دے جو خطبہ میں حاضر نہ تھا، پھر آگے بڑھنے والے کو نماز شروع کرنے سے قبل حدیث لاحق ہو جائے تو اس دوسرے کے لئے نائب بنانا جائز نہیں، کیونکہ وہ بذات خود جمعہ قائم کرنے کا اہل نہیں ہے۔

۱۵- مالکیہ کی رائے ہے کہ اگر خطبہ یا تکبیر تحریمہ کے بعد حدیث پیش آجائے اور وہ کسی ایسے کو نائب بنادے جو خطبہ میں حاضر نہ تھا اور وہ لوگوں کو نماز پڑھا دے تو کافی ہے، اور اگر امام نائب بنائے بغیر نکل جائے تو لوگ تنہا تنہا نہیں پڑھیں گے بلکہ کسی کو خلیفہ بنائیں گے جو ان کی نماز پوری کرادے گا، اور بہتر یہ ہے کہ نائب ایسے شخص کو بنائیں

(۱) امام شافعی کے مذہب قدیم کے علاوہ ان کے نزدیک نماز میں نائب نہیں بنایا جائے گا، اور خطبہ بھی اسی طرح ہے (المجموع ۵/۳۷۶)۔

(۲) البدائع ۲/۲۹۵۔

جو خطبہ میں حاضر رہا ہو، اور اگر انہوں نے کسی ایسے کو نائب بنادیا جو خطبہ میں حاضر نہ تھا تو بھی کافی ہے، اور ایسے شخص کو نائب بنانا جائز نہیں جس پر جمعہ واجب نہیں، مثلاً مسافر، اور امام مالک نے کہا ہے: ایسے شخص کو نائب بنانا مجھے ناپسند ہے جو خطبہ میں حاضر نہ رہا ہو (۱)۔

۱۶- امام شافعی کا مذہب قدیم یہ ہے کہ نائب نہیں بنائے گا اور جدید مذہب یہ ہے کہ نائب بنائے گا، قول قدیم کے مطابق اگر امام کو خطبہ کے بعد تکبیر تحریمہ سے قبل حدیث پیش آجائے تو اس کے لئے کسی کو نائب بنانا جائز نہیں، اس لئے کہ دونوں خطبے دونوں رکعتوں کے ساتھ ایک نماز کی طرح ہیں، اور چونکہ نماز ظہر میں دو رکعتوں کے بعد نائب بنانا جائز نہیں (جیسا کہ ان دو رکعتوں میں جائز نہیں) لہذا نماز جمعہ میں دونوں خطبوں کے بعد نائب بنانا بھی ناجائز ہوگا، اور اگر تکبیر تحریمہ کے بعد حدیث پیش آئے تو اس میں دو اقوال ہیں:

اول۔ وہ تنہا تنہا جمعہ کو پورا کریں گے، اس لئے کہ جب نائب بنانا جائز نہیں تو وہ جماعت کے حکم میں باقی رہ گئے، لہذا ان کے لئے تنہا تنہا جمعہ پڑھنا جائز ہے۔

دوم۔ اگر امام کو حدیث ایک رکعت پڑھانے سے قبل لاحق ہوا تو لوگ ظہر پڑھیں گے، اور اگر ایک رکعت کے بعد ہوا تو تنہا تنہا ایک رکعت اور پڑھیں گے (جیسا کہ مسبوق، اگر اس کو ایک رکعت نہ ملے تو ظہر کی نماز پوری پڑھے گا، اور اگر ایک رکعت مل جائے تو جمعہ کی نماز پوری کرے گا)۔

امام شافعی کے مذہب جدید کے مطابق اگر اس نے ایسے شخص کو نائب بنایا جو خطبہ میں حاضر نہ تھا تو جائز نہیں، اس لئے کہ جو لوگ حاضر ہیں انہوں نے جمعہ کے لئے مطلوب عدد یعنی چالیس کو خطبہ سن کر مکمل کر دیا، لہذا ان کے ذریعہ جمعہ قائم ہو جائے گا، اور جو حاضر نہیں اس

(۱) الخطاب ۲/۱۷۲۔

استخفاف ۱۷-۱۸

نے تکمیل نہیں کی، اس لئے اس کے ذریعہ جمعہ قائم نہیں ہوا، اور اسی وجہ سے اگر چالیس لوگوں کی موجودگی میں خطبہ دے اور وہ کھڑے ہو کر جمعہ پڑھ لیں تو جائز ہے، اور اگر ایسے چالیس افراد آگئے جو خطبہ میں حاضر نہ تھے اور انہوں نے جمعہ کی نماز پڑھ لی تو جائز نہیں۔

اور اگر حدث تکبیر تحریمہ کے بعد پیش آئے تو اگر امام پہلی رکعت میں ہو اور ایسے شخص کو نائب بنا دے جو اس کے ساتھ حدث لاحق ہونے سے قبل ہو تو جائز ہے، اس لئے کہ وہ جمعہ کا اہل ہے، اور اگر ایسے مسبوق کو نائب بنا دے جو حدث لاحق ہونے سے قبل اس کے ساتھ نہ تھا تو جائز نہیں، اس لئے کہ وہ جمعہ کا اہل نہیں ہے، اور اسی وجہ سے اگر مسبوق نائب نے تنہا جمعہ کی نماز پڑھ لی تو درست نہیں۔

اگر حدث دوسری رکعت میں پیش آئے اور رکوع سے پہلے پیش آئے اور امام کسی ایسے کو نائب بنا دے جو حدث پیش آنے سے قبل اس کے ساتھ تھا تو جائز ہے، اور اگر کسی ایسے کو نائب بنا دے جو حدث پیش آنے سے قبل اس کے ساتھ نہ تھا تو جائز نہیں، اور اگر رکوع کے بعد ہو اور وہ ایسے کو نائب بنا دے جو حدث پیش آنے سے قبل حاضر نہ تھا تو جائز نہیں (۱)۔

۱۷- حنا بلہ کے نزدیک سنت یہ ہے کہ جو خطبہ دے وہی نماز پڑھائے، اس لئے کہ حضور ﷺ خود ہی خطبہ دیتے اور نماز پڑھاتے تھے، آپ ﷺ کے بعد خلفاء کا عمل بھی یہی رہا ہے۔

اگر کسی عذر کی وجہ سے ایک شخص خطبہ دے اور دوسرا نماز پڑھائے تو جائز ہے، امام احمد نے اس کی صراحت کی ہے اور یہی رائج مذہب ہے، اور اگر کوئی عذر نہ ہو تو امام احمد نے فرمایا: بغیر عذر کے مجھے ایسا کرنا پسند نہیں، اس قول میں ممانعت کا احتمال ہے، اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ یہ دونوں امور خود انجام دیتے تھے، اور فرمان نبوی

(۱) المجموع ۵/۶۳، ۵۷۷۔

ہے: ”صلوا کما رایتُمونی أصلي“ (۱) (نماز پڑھو جس طرح تم لوگوں نے مجھے نماز پڑھتے ہوئے دیکھا ہے)، نیز اس لئے کہ خطبہ دو رکعتوں کے قائم مقام ہے، اور اس قول میں (کراہت کے ساتھ) جواز کا بھی احتمال ہے، اس لئے کہ خطبہ نماز سے الگ ہے، لہذا یہ دو نمازوں کے مشابہ ہیں۔

کیا نائب کے لئے خطبہ میں حاضری شرط ہے؟ اس میں دو روایتیں ہیں:

اول۔ یہ شرط ہے، اور یہی بہت سے فقہاء کا قول ہے، اس لئے کہ وہ جمعہ کا امام ہے، لہذا خطبہ میں اس کی حاضری شرط ہے جیسا کہ اگر امام کسی کو نائب نہ بنائے۔

دوم۔ شرط نہیں، اس لئے کہ اس کے ذریعہ سے جمعہ قائم ہو سکتا ہے، لہذا وہ جمعہ کی امامت کر سکتا ہے جیسا کہ اگر خطبہ میں حاضر رہتا۔ امام احمد سے مروی ہے کہ عذریا بلا عذر کسی طرح نائب بنانا جائز نہیں، انہوں نے حنبل کی روایت میں کہا ہے: امام کو اگر خطبہ کے بعد حدث پیش آجائے اور وہ دوسرے کو نماز پڑھانے کے لئے آگے بڑھا دے تو وہ ان کو چار رکعتیں ہی پڑھائے گا، مگر یہ کہ دوبارہ خطبہ دے پھر دو رکعتیں پڑھائے، کیونکہ ایسا کرنا نبی کریم ﷺ یا خلفاء میں سے کسی سے منقول نہیں (۲)۔

عیدین میں نائب بنانا:

۱۸۔ اگر نماز عید کے دوران امام کو حدث پیش آجائے تو عام نمازوں میں نائب بنانے کے سابقہ احکام اس پر جاری ہوں گے، اگر امام کو عید کے دن خطبہ سے قبل نماز کے بعد حدث پیش آجائے تو مالکیہ نے

(۱) حدیث: ”صلوا کما رایتُمونی...“ کی روایت بخاری (فتح الباری ۴/۱۱۱ طبع استغیثہ) نے بروایت مالک، بن حویرث مرفوعاً کی ہے۔

(۲) المغنی ۲/۳۰۷، ۳۰۸، طبع المریض۔

صراحت کی ہے کہ وہ بغیر وضو کے خطبہ دے اور نائب نہ بنائے (۱)، دوسرے مذاہب کے قواعد اس کے خلاف نہیں ہیں، جیسا کہ خطبہ جمعہ میں نائب بنانے کے بارے میں گذرا۔

نماز جنازہ میں نائب بنانا:

۱۹- حنفیہ کے یہاں صحیح مذہب اور مالکیہ و حنابلہ کی رائے یہ ہے کہ نماز جنازہ میں نائب بنانا جائز ہے۔

مالکیہ کے نزدیک اگر امام نے نائب بنانے کے بعد جا کر وضو کیا اور نماز جنازہ کی کچھ تکبیریں باقی رہ گئی ہیں تو امام کے لئے جائز ہے کہ لوٹ کر جہل جائے اس کو پڑھ لے اور جو نوت ہو چکی ہے اس کی قضاء کرے، اور اگر چاہے تو شریک نہ ہو (۲)۔

شافعیہ نے کہا: اگر دو ولی ایک درجہ کے جمع ہوں اور ان میں سے ایک افضل ہو تو وہی نماز پڑھانے کا زیادہ حق دار ہے، لیکن اگر وہ ولی کے علاوہ کسی اجنبی کو نائب بنانا چاہے تو اس کے جائز ہونے میں دو قول ہیں جن کو صاحب ”عدۃ“ نے نقل کیا ہے: ایک قول یہ ہے کہ دوسرے کی رضا کے بغیر اس کو ایسا کرنے کا اختیار نہیں (۳)۔

نماز خوف میں نائب بنانا:

۲۰- صرف مالکیہ و شافعیہ نے سفر میں نماز خوف میں نائب بنانے کے مسئلہ پر بحث کی ہے، حنفیہ و حنابلہ کے یہاں اس سلسلہ میں ہمیں کوئی صراحت نہیں ملی (۴)۔

(۱) البدائع ۳/۷۰۷ طبع الامام، المجموع ۵/۷۸، طبع دار العلوم المغنی ۲/۳۷۲-۳۷۳، المدونہ ۱/۱۷۰-۱۷۱ طبع مطبوعہ، التحرشی ۳/۱۰۳ طبع لبنان۔

(۲) ابن ماجہ ۱/۸۱۱، المدونہ ۱/۱۹۰، المغنی ۲/۳۸۳ طبع الریاض۔

(۳) المجموع ۵/۷۸ طبع دار العلوم۔

(۴) کمیٹی کی رائے یہ ہے کہ نماز خوف میں نائب بنانے کا مسئلہ عام نماز میں فقہاء

۲۱- چنانچہ مالکیہ کے نزدیک اگر نماز خوف کی ایک رکعت پڑھانے کے بعد دوسری رکعت کے لئے کھڑے ہونے سے قبل امام کو حدث پیش آجائے تو کسی دوسرے کو امامت کے لئے آگے بڑھا دے، پھر یہ نائب اپنی جگہ پر برقرار رہے گا اور اس کے پیچھے کے لوگ اپنی نماز پوری کریں گے، اور نائب کھڑا خاموش رہے گا یا دعا پڑھتا رہے گا، پھر دوسری جماعت آئے گی، ان کو وہ ایک رکعت پڑھا کر سلام پھیر دے گا، پھر یہ جماعت دوسری رکعت پوری کرے گی۔

اگر دوسری رکعت کے لئے کھڑے ہونے کے بعد اس کو حدث پیش آجائے تو نائب نہیں بنائے گا، اس لئے کہ مقتدی ایک رکعت میں اس کی اقتدا کر کے اس کی امامت سے نکل گئے، یہاں تک کہ اگر وہ اس حالت میں قصداً حدث یا کلام کر لے تو بھی مقتدیوں کی نماز فاسد نہ ہوگی۔

جب یہ لوگ دوسری رکعت پوری کر کے چلے جائیں گے تو دوسری جماعت آئے گی اور کسی امام کو آگے بڑھائے گی (۱)۔

۲۲- امام شافعی نے کہا ہے: اگر امام کو نماز خوف میں حدث پیش آجائے تو یہ دوسری نمازوں میں حدث کی طرح ہے، میرے نزدیک زیادہ پسندیدہ یہ ہے کہ کسی کو نائب نہ بنائے، اگر اس کو پہلی رکعت میں یا اس کو پوری کرنے کے بعد جب کہ وہ دوسری رکعت میں کھڑا تھا، حدث پیش آیا، اور اس نے قراءت کر لی اور دوسری جماعت اس کے ساتھ شریک نہیں ہوئی تو پہلی جماعت اپنی باقی ماندہ نماز پوری کرے گی، اور دوسری جماعت کی امامت ان میں سے کوئی امام کرے گا یا وہ تنہا پڑھیں گے، اور اگر وہ کسی کو آگے بڑھا دے تو انشاء اللہ کافی ہوگا، اگر امام کو حدث اس وقت پیش آیا جب وہ ایک رکعت پڑھ

= کے مذکورہ اقوال سے الگ نہیں۔

(۱) لوطاب ۲/۱۸۶ طبع لیبیا۔

استخفاف ۲۳-۲۷

چکا تھا اور کھڑے ہوئے قراءت کر رہا تھا اور اپنے پیچھے کی جماعت کے فارغ ہونے کے انتظار میں تھا تو جس کو آگے بڑھایا وہ کھڑا رہے گا، جیسے کہ امام کھڑا رہے گا اور کھڑے ہونے کی حالت میں قراءت کرے گا، پھر جب اس کے پیچھے کھڑی جماعت فارغ ہو جائے گی اور دوسری جماعت نماز میں داخل ہوگی جو اس کے پیچھے تھی تو وہ سورہ فاتحہ اور ایک سورہ کے بقدر پڑھے پھر ان کے ساتھ رکوع کرے، اور وہ اپنی نماز میں مقتدیوں کے لئے امام اول کی طرح ہوگا، کسی چیز میں اس کی مخالفت نہیں کرے گا اگر اس کو امام اول کے ساتھ پہلی رکعت مل گئی ہو، اور ان کا انتظار کرے گا یہاں تک کہ وہ تشہد پڑھ لیں، پھر ان کے ساتھ سلام پھیرے گا (۱)۔

کچھ مادی صورتیں بھی ہیں جن کا بیان نماز خوف کے تحت ہے۔

نائب بنانے کا حق کس کو ہے؟

۲۳- خفیہ کا مذہب: یہ ہے کہ نائب بنانا امام کا حق ہے، اگر امام نے ایک شخص کو نائب بنایا اور مقتدیوں نے دوسرے کو نائب بنادیا تو نائب وہ ہوگا جس کو امام نے آگے بڑھایا، لہذا جس نے مقتدیوں کی طرف سے بنائے گئے نائب کی اقتداء کی اس کی نماز فاسد ہوگی، اور اگر امام کسی کو آگے بڑھا دے یا امام کی طرف سے نائب نہ بنانے کی وجہ سے کوئی خود سے آگے بڑھ جائے تو جائز ہے، اگر وہ امام کی جگہ پر اس کے مسجد سے نکلنے سے قبل کھڑا ہو جائے، اور اگر وہ مسجد سے نکل چکا ہو تو امام کے علاوہ سب کی نماز فاسد ہو جائے گی، اور اگر دو آدمی آگے بڑھیں تو جو پہلے آگے بڑھنے والا ہو وہ زیادہ مستحق ہوگا (۲)۔

۲۴- مالکیہ کا مذہب یہ ہے کہ امام کا دوسرے کو نائب بنانا مستحب

ہے، اور امام کے لئے جائز ہے کہ خود نائب نہ بنائے اور مقتدیوں کے حوالے کر دے کہ وہ خود ہی کسی کو نائب بنالیں، اور نائب بنانا امام کے لئے اس لئے مستحب ہے کہ امام کو اس بات کا زیادہ علم ہوتا ہے کہ کون آگے بڑھائے جانے کے لائق ہے، لہذا یہ نیکی پر تعاون کے قبیل سے ہے، نیز اس کے نہ بڑھانے سے نزاع پیدا ہوگی کہ کون آگے بڑھے، اور سب کی نماز باطل ہو جائے گی، اگر امام نائب نہ بنائے تو یہ مقتدیوں کے لئے مستحب ہے، اگر امام نے جس کو نائب بنایا اس کے علاوہ کوئی اور آگے بڑھ جائے اور ان کی نماز پوری کر دے تو سب کی نماز درست ہو جائے گی (۱)۔

۲۵- شافعیہ کا مذہب یہ ہے کہ اگر امام یا مقتدی کسی کو آگے بڑھا دیں اور وہ ان کی بقیہ نماز پوری کر دے تو ان کی نماز ہو جائے گی، البتہ امام کی طرف سے آگے بڑھائے جانے والے کے مقابلہ میں مقتدیوں کی طرف سے آگے بڑھایا ہوا آدمی زیادہ بہتر ہے، اس لئے کہ یہ حق انہیں کا ہے، لیکن اگر امام مقرر ہو تو اس کی طرف سے بڑھایا ہوا آدمی زیادہ بہتر ہے، اور اگر کوئی خود سے آگے بڑھ جائے تو جائز ہے (۲)۔

۲۶- حنابلہ کا مذہب اور یہ ان کے یہاں ایک روایت ہے کہ امام دوسرے کو نائب بنا سکتا ہے جو مقتدیوں کی نماز پوری کرائے، اور اگر امام ایسا نہ کرے اور مقتدی کسی کو آگے بڑھا دیں اور وہ ان کی نماز پوری کر دے تو جائز ہے (۳)۔

کس کو نائب بنانا صحیح ہے اور نائب کیا کرے گا؟

۲۷- مذاہب فقہاء میں صراحت ہے کہ جو ابتداء امام بننے کے لائق

(۱) الشرح المصغیر ۱/ ۳۶۸-۳۶۹

(۲) الام ۱/ ۷۵ طبع دار المعرفۃ نہایت المحتاج ۲/ ۳۳۷

(۳) المغنی ۲/ ۱۱۲ طبع الریاض

(۱) الام ۱/ ۲۲۷ طبع دار المعرفۃ نہایت المحتاج ۲/ ۳۳۷، طبع مصطفیٰ الحلبي

(۲) الدرر مع حاشیہ ۱/ ۵۶۲، البدائع ۲/ ۵۸۹

استخفاف ۲۸-۲۹

ہو اس کو نائب بنانا درست ہے، اور جو ابتداء امام نہیں بن سکتا اس کو نائب بنانا بھی درست نہیں (۱)، اور ہر مذہب میں کچھ تفصیلات ہیں:

۲۸- چنانچہ حنفیہ کے یہاں امام کے لئے بہتر یہ ہے کہ مسبوق کو نائب نہ بنائے، اور اگر امام مسبوق کو نائب بنا دے تو مسبوق کے لئے مناسب ہے کہ اس کو قبول نہ کرے، لیکن اگر قبول کر لے تو جائز ہے، اور اگر وہ آگے بڑھ جائے تو جہاں پر پہلے امام نے نماز کو ختم کیا ہے وہیں سے شروع کرے اور جب سلام پھیرنے کے قریب ہو تو کسی ”مدرک“ (پوری نماز پانے والے مقتدی) کو آگے بڑھا دے جو مقتدیوں کے ساتھ سلام پھیرے، اور اگر مسبوق نائب نے جس وقت اس نماز کو مکمل کر لیا جس کو پہلے امام نے شروع کیا تھا اس وقت نماز کو باطل کرنے والا کوئی عمل کیا (مثلاً قہقہہ لگا دیا، یا قصد احدث کر دیا، یا بات چیت کر لی، یا مسجد سے نکل گیا) تو اس کی نماز فاسد ہو جائے گی اور مقتدیوں کی نماز درست ہوگی، اس کی نماز اس لئے فاسد ہے کہ اپنی چھوٹی ہوئی نماز پوری کرنے سے قبل اس نے ایسا عمل کیا جو نماز کو باطل کرنے والا ہے، اور مقتدیوں کی نماز اس لئے درست ہوگی کہ عمد نماز کو باطل کرنے والے عمل سے ان کی نماز پوری ہوگئی، اس لئے کہ رکن موجود ہے یعنی خروج صعدہ (اپنے اختیار سے نماز سے باہر ہونا)، اور امام اگر اپنی نماز سے فارغ ہو چکا ہو تو اس کی نماز بھی درست ہوگی، اور اگر فارغ نہ ہوا ہو تو اس کی نماز فاسد ہوگی، یہی اصح ہے۔

اگر کسی نے چار رکعت والی نماز میں امام کی اقتداء کی اور امام کو حدت پیش آگیا اور امام نے اسی آدمی کو آگے بڑھا دیا اور مقتدی کو معلوم نہیں کہ امام نے کتنی رکعتیں پڑھیں اور کتنی باقی ہیں؟ تو مقتدی

چار رکعات پڑھے گا اور احتیاطاً ہر رکعت میں تعدہ کرے گا، اور اگر کسی لاحق (۱) کو نائب بنادیا تو نائب کے لئے جائز ہے کہ مقتدیوں کو اشارہ کر دے اور اس پر جو نماز باقی ہے ادا کرے، پھر ان کی نماز پوری کرائے، اور اگر اس نے ایسا نہیں کیا بلکہ امام کی نماز پوری کر دی اور اپنی چھوٹی ہوئی نماز کو مؤخر کر دیا یہاں تک کہ سلام کا وقت آگیا تو اس نے دوسرے کو نائب بنادیا جس نے مقتدیوں کے ساتھ سلام پھیرا تو جائز ہے، اور اگر امام کے پیچھے ایک آدمی ہو اور امام کو حدت پیش آجائے تو وہ شخص امامت کے لئے متعین ہے، خواہ امام نے اس کو متعین کرنے کی نیت کی ہو یا نہ کی ہو۔

اگر مسافر نے مسافر کی اقتداء کی اور امام کو حدت پیش آگیا اور اس نے مقیم کو نائب بنادیا تو مسافر پر چار رکعت پوری کرنا واجب نہیں (۲)۔

۲۹- مالکیہ نے کہا ہے: جس شخص کو نائب بنانا صحیح ہے اس کے حق میں شرط یہ ہے کہ وہ عذر سے قبل اصلی امام کے ساتھ اس رکعت کا جس میں اس کو نائب بنایا گیا ہے قائل لحاظ حصہ رکوع سے کھڑے ہونے سے قبل پالے، اور اگر امام نے مسبوق کو نائب بنادیا جس نے امام اول کی نماز کی ترتیب سے ان کو نماز پڑھایا تو جب مقتدیوں کے اعتبار سے چوتھی رکعت میں پہنچے گا تو ان کو اشارہ کر دے گا تو وہ بیٹھے رہیں گے اور خود کھڑا ہو جائے گا تا کہ اپنی نماز پوری کر لے، پھر ان کے ساتھ سلام پھیرے گا (۳)۔

(۱) لاحق: وہ ہے جس نے امام کی اقتداء کی، پھر کسی عذر (مثلاً غفلت، بھیر بھاٹ، حدت پیش آنے، نماز خوف، اور مقیم جس نے مسافر کی اقتداء کی) کی وجہ سے ساری یا بعض رکعات چھوٹ گئیں۔ اور اسی طرح بلا عذر کا حکم ہے مثلاً وہ شخص جو رکوع یا سجدہ میں امام سے آگے بڑھ گیا، تو وہ ایک رکعت کی قضا کرے گا، اور اس کا حکم مقتدی کی طرح ہے، وقرأت یا سجدہ سمجھیں کرے گا۔

(۲) الفتاویٰ الہندیہ ۱/ ۹۵ اور اس کے بعد کے صفحات۔

(۳) لشرح الصغیر ۱/ ۷۱، ۷۲، ۷۳۔

(۱) الفتاویٰ الہندیہ ۱/ ۹۵، لشرح الکبیر ۱/ ۳۲۵ اور اس کے بعد کے صفحات، نہایۃ المحتاج ۲/ ۱۵۷ اور اس کے بعد کے صفحات، المغنی ۲/ ۱۶۴ طبع الریاض۔

استخلاف ۳۰-۳۱

۳۰- شافعیہ کے نزدیک ایسے مقتدی کو نائب بننا درست ہے جو امام کی نماز یا رکعات کی تعداد میں اس جیسی نماز پڑھ رہا ہو، یہ ان کے یہاں متفق علیہ ہے، خواہ مسبوق ہو یا غیر مسبوق، خواہ پہلی رکعت میں نائب بنائے یا کسی اور رکعت میں، کیونکہ امام کی اقتداء کر کے وہ امام کی ترتیب کا پابند ہے، لہذا اس کی وجہ سے مخالفت لازم نہیں آئے گی۔

اگر امام نے مسبوق مقتدی کو نائب بنادیا تو امام کی ترتیب کی رعایت اس پر لازم ہے، وہ اس کے تعدد کی جگہ میں تعدد اور اس کے قیام کی جگہ میں قیام کرے گا، جیسا کہ وہ اس وقت کرتا جب امام نماز سے نہ نکلا ہوتا، لہذا اگر مسبوق نے صبح کی دوسری رکعت میں اقتداء کی، پھر امام کو اس میں حدیث پیش آگیا اور اس نے اس مسبوق کو اس میں نائب بنادیا تو وہ دعاء قنوت پڑھے گا، تعدد کرے گا اور تشہد پڑھے گا، پھر دوسری رکعت میں اپنے لئے دعاء قنوت پڑھے گا، اور اگر نائب کی اقتداء سے پہلے یا اس کے بعد امام کو سہو ہو گیا تھا تو نائب امام کی نماز کے اخیر میں سجدہ سہو کرے گا، اور پھر اپنی نماز کے اخیر میں دوبارہ سجدہ سہو کرے گا، صحیح قول یہی ہے۔

لوگوں کے ساتھ امام کی نماز پوری کرنے کے بعد اپنی نماز کے مدارک کے لئے کھڑا ہو جائے گا، اور مقتدیوں کو اختیار ہے، چاہیں تو اس سے علاحدہ ہو کر سلام پھیر دیں، اور ان کی نماز ضرورت کی بناء پر بلا اختلاف درست ہوگی، اور اگر چاہیں تو بیٹھے انتظار کریں تاکہ اس کے ساتھ سلام پھیریں، یہ سب اس صورت میں ہے جب کہ مسبوق کو امام کی نماز کی ترتیب اور بقیہ نماز کا علم ہو، لیکن اگر اس کو علم نہ ہو تو دو قول ہیں جن کو صاحب ”الخصیص“ وغیرہ نے نقل کیا ہے، اور کہا گیا ہے کہ یہ دو ”قول“ ہیں، ان میں زیادہ ترین قیاس عدم جواز ہے، اور شیخ ابو علی نے کہا ہے: ان میں اصح جواز ہے، اس کو ابن المنذر نے امام شافعی کے حوالہ سے نقل کیا ہے اور اس کے علاوہ کچھ نہیں لکھا ہے،

لہذا امام رکعت پوری کر کے مقتدیوں پر نظر رکھے گا، اگر وہ اٹھنے کا ارادہ کریں تو اٹھ جائے ورنہ تعدد کرے گا (۱)۔

۳۱- حنابلہ نے کہا ہے: اس مسبوق کو جس کی بعض رکعات رہ گئی ہوں نائب بنانا جائز ہے، اور اس کو بھی جو امام کے حدیث کے بعد آئے، وہ امام کی نماز کے گزرے ہوئے حصے یعنی قراءت یا رکعت یا سجدہ پر بناء کرے گا، اور مقتدیوں کی نماز کے ختم ہونے کے بعد پوری کرے گا، یہ قول حضرت عمر، حضرت علی اور نائب بنانے کے مسئلہ میں ان کے اکثر موافقین سے منقول ہے، اور اس میں ایک دوسری روایت ہے کہ اس کو بناء یا ابتداء کرنے کا اختیار ہے، اور جب مقتدی اپنی نماز سے فارغ ہو جائیں تو بیٹھ جائیں گے اور انتظار کریں گے یہاں تک کہ وہ نماز پوری کر کے ان کے ساتھ سلام پھیر دے، اس لئے کہ مقتدی امام کی اقتداء کریں امام کا ان کی اتباع کرنے سے زیادہ بہتر ہے، کیونکہ امام اسی لئے مقرر کیا جاتا ہے کہ اس کی اقتداء کی جائے۔ اور دونوں روایتوں کے مطابق جب مقتدی اپنے امام کے فارغ ہونے سے قبل فارغ ہو جائیں اور امام اپنی قنوت شدہ نماز پوری کرنے کے لئے کھڑا ہو جائے تو مقتدی بیٹھ کر انتظار کریں گے، یہاں تک کہ وہ نماز پوری کر کے ان کے ساتھ سلام پھیر دے، اس لئے کہ امام نماز خوف میں مقتدیوں کا انتظار کرتا ہے، لہذا مقتدی بدرجہ اولیٰ امام کا انتظار کریں گے، لیکن اگر وہ انتظار نہ کریں اور سلام پھیر دیں تو جائز ہے۔

اور ابن عقیل نے کہا ہے: دوسرے کو نائب بناوے جو ان کے ساتھ سلام پھیر دے، البتہ زیادہ بہتر یہ ہے کہ اس کا انتظار کریں، اور اگر وہ سلام پھیر دیں تو ان کو نائب کی ضرورت نہیں، اس لئے کہ نماز پوری ہونے میں صرف سلام رہ گیا ہے، اس لئے اس میں نائب

(۱) المجموع ۲۲۳/۲۲۳ طبع المنقذ۔

استخفاف ۳۲

بنانے کی ضرورت نہیں رہ گئی، اور میرے نزدیک قوی یہ ہے کہ اس صورت میں مائب بنانا درست نہیں، اس لئے کہ اگر وہ بناء کرے گا تو اس وقت بیٹھے گا جس وقت اس کے لئے اپنی نماز کی ترتیب کے اعتبار سے بیٹھنے کا موقع نہیں ہے اور مقتدیوں کا تابع ہو جائے گا، اور اگر نئے سرے سے نماز پڑھے گا تو مقتدی اس وقت بیٹھیں گے جو ان کی نماز کی ترتیب کے اعتبار سے ان کے بیٹھنے کا موقع نہیں، جب کہ شریعت میں ایسا منقول نہیں، اور اجتماع کے موقع پر مائب بنانا اس لئے ثابت ہے کہ وہاں ان میں سے کسی کی ضرورت نہیں پڑتی ہے، لہذا جو صورت اس کے ہم معنی نہیں اس کو اس کے ساتھ شریک نہیں کیا جائے گا۔

اور اگر ایسے شخص کو مائب بنادیا جس کو معلوم نہیں کہ امام نے کتنی رکعات پڑھی ہیں تو گنجائش ہے کہ یقین پر بناء کرے، اگر وہ واقع کے مطابق ہو تو ٹھیک ہے ورنہ مقتدی سبحان اللہ کہہ کر اس کو متنبہ کریں اور وہ ان کے اشارہ پر لوٹ آئے اور سجدہ سہو کر لے، اور ایک روایت میں ہے: اگر مائب کو شک ہو جائے کہ امام نے کتنی رکعات پڑھی ہیں تو شک کی وجہ سے اس کے لئے مائب بنانا جائز نہیں جیسا کہ اس شخص کا حکم ہے جس کو مائب نہیں بنایا گیا ہے (۱)۔ اور یقین پر بناء والی روایت کی بنیاد یہ ہے کہ یہاں شک ایسے شخص کی طرف سے پایا جا رہا ہے جس کو غالب گمان حاصل نہیں، لہذا عام نمازیوں کی طرح یقین پر بناء کرے گا۔

سوم: قاضی کی طرف سے مائب بنانا:

۳۲- فقہاء مذاہب کا اس پر اتفاق ہے کہ اگر امام المسلمین نے قاضی کو مائب بنانے کی اجازت دے رکھی ہو تو وہ مائب بنا سکتا ہے،

اسی طرح اگر امام نے منع کر دیا ہو تو اس کے لئے مائب بنانا درست نہیں، اس لئے کہ قاضی کو امام المسلمین ہی کی طرف سے اختیار ملتا ہے، لہذا اس کی طرف سے ممانعت کی صورت میں اس کی خلاف ورزی کرنے کا اس کو حق نہیں، جیسا کہ وکیل کا موکل کے ساتھ معاملہ ہوتا ہے، اس لئے کہ اگر موکل وکیل کو کسی تصرف سے منع کر دے تو وکیل اس کی خلاف ورزی نہیں کر سکتا، دسوقی نے کہا: کہ مائب بنانے یا نہ بنانے میں عرف کا بھی اعتبار نص ہی کی طرح ہونا چاہئے (۱)۔

اور اگر امام نے مطلق رکھا یعنی نہ تو اجازت دی، اور نہ ہی منع کیا ہو تو مذاہب میں مختلف نظریات ہیں:

حنفیہ نیز مالکیہ میں سے ابن عبدالحکم اور حنہون کا مذہب اور حنابلہ کے مذہب میں ایک احتمال یہ ہے کہ مائب بنانا جائز نہیں، اس لئے کہ وہ امام کی اجازت سے تصرف کرتا ہے، اور امام نے اس کو اجازت نہیں دی۔ حنابلہ کا مذہب اور یہی شافعیہ کا ایک قول ہے کہ مطلقاً اس کے لئے مائب بنانا جائز ہے، اور مالکیہ کا مشہور مذہب جو شافعیہ کا دوسرا قول ہے یہ ہے کہ کسی عذر کی وجہ سے مائب بنانا جائز ہے، مثلاً بیماری یا سفر، یا یہ کہ اس کی ذمہ داریوں کا دائرہ بہت وسیع ہو جائے، اس کی وجہ یہ ہے کہ اس حالت میں قاضی کو مائب بنانے کی ضرورت ہوتی ہے، نیز قرینہ حال اس کا تقاضا کرتا ہے، لہذا اگر قاضی نے بلا اجازت مائب بنادیا اور مائب نے کوئی فیصلہ کیا تو حنفیہ کے نزدیک اس کا فیصلہ مانند ہوگا جبکہ مائب بنانے والا قاضی اس کو نافذ کر دے لیکن یہ شرط ہے کہ مائب میں قاضی بننے کی صلاحیت ہو، اس لئے کہ مائب بنانے والے قاضی نے جب اجازت دے دی تو یہ ایسے ہی ہو گیا جیسے کہ خود اس نے فیصلہ کیا ہو (۲)۔

(۱) الدسوقی ۳/۱۳۳۔

(۲) معین الحکام ص ۲۶، تہذیب الاحکام ۵/۱۵۵، الدسوقی ۳/۱۳۳، نہایت المحتاج ۲۹/۸، المغنی ۱۰/۵۸، طبع الریاض، الاضیاء ۳۵۸، طبع حجاز، حاشیہ ابن

(۱) المغنی ۲/۱۰۳-۱۰۵۔

۳۳- قضاء میں نائب بنانے کا طریقہ:

ہر ایسا لفظ جس سے نائب بنانا سمجھا جائے اس کے ذریعہ نائب بنانا صحیح ہے اور وہ نائب بن جائے گا، خواہ ان الفاظ میں سے ہو جن کو فقہاء نے قضاء کی ذمہ داری سوچنے کے بارے میں ذکر کیا ہے یا ان میں سے نہ ہو، اسی طرح ہر ایسے ثبوت یا قرینہ پر عمل کیا جائے، اور اس کا اعتبار کیا جائے گا جس سے نائب بنانا سمجھا جائے (۱)۔

استدانہ

تعریف:

۱- استدانہ کا معنی لغت میں قرض چاہنا، دین طلب کرنا، یا آدمی کا قرض دار ہونا یا قرض لینا ہے۔

اور ”ہملایئہ“ کا معنی اوصار بیع کرنا ہے، اور قرض وہ مال ہے جو بعد میں او ا کرنے کے لئے دیا جاتا ہے (۱)۔

شریعت میں استدانہ سے مراد ایسے مال کے لینے کا مطالبہ کرنا ہے جو کسی کے ذمہ واجب ہو، خواہ یہ بیع یا بیع سلم یا اجارہ کا بدل ہو، یا قرض ہو، یا تلف شدہ شئی کا ضمان۔

متعلقہ الفاظ:

الف- استقرض:

۲- استقرض کا معنی: قرض طلب کرنا ہے، اور قرض اور دین میں سے ہر ایک کے لئے ضروری ہے کہ ذمہ میں ثابت ہو، اس لحاظ سے ”استدانہ“ ”استقرض“ سے زیادہ عام ہے، اس لئے کہ دین قرض اور غیر قرض دونوں کو شامل ہے۔

مرتضیٰ زبیدی نے استدانہ اور استقرض میں فرق یہ لکھا ہے کہ استدانہ کے لئے ضروری ہے کہ معین مدت تک کے لئے ہو، جب کہ استقرض کسی مدت تک کے لئے نہیں ہوتا، جمہور کی رائے یہی ہے،

(۱) لسان العرب، بیع العروس، مادۃ (دین قرض)۔

= حابدین ۳۲۳۔

(۱) جدید قوانین میں کچھ ضوابط و احکام مقرر ہیں جن کے ذریعہ قضاء وغیرہ اختیارات و ولایات کا انعقاد ہوتا ہے اور کسی شرعی نص یا طے شدہ حکم کے خلاف نہیں ہیں، ان پر عمل جاری ہے اور ان کے ذریعہ ولایات کا ثبوت ہوتا ہے لہذا ان کی اتباع و تطبیق سے کوئی مانع نہیں۔

البتہ مالکیہ کہتے ہیں: قرض دینے والے کے اعتبار سے قرض میں مدت معینہ لازم ہے (دیکھئے: اصطلاح ”أجل“ (۱)۔

استدانه کے الفاظ:

۵- استدانه ہر اس لفظ سے ہوگا جس سے معلوم ہو کہ دین ذمہ میں لازم ہے قرض ہو یا سلم، یا ادھار بیع کی قیمت ہو، فقہاء اس کی تفصیل اصطلاح (عقد)، (قرض) اور (دین) کے تحت کرتے ہیں (۱)۔

ب- استناف:

۳- استناف کا معنی لغت میں قرض لینا ہے، کہا جاتا ہے: ”سلف فی کذا و اسلف“ یعنی خرید کردہ شے کی قیمت پہلے دے دی۔ سلف، سلم کی طرح ہے، نیز بلا نفع قرض کو بھی سلف کہتے ہیں، کہا جاتا ہے: ”اسلفہ مالاً“ یعنی اس کو قرض دیا (۲)۔

استدانه کے اسباب و محرکات:

اول: حقوق اللہ کے لئے قرض لینا:

۶- اللہ تعالیٰ کے مالی حقوق صرف اس شخص پر واجب ہوتے ہیں جو غنی ہو اور ان کے ادا کرنے پر قادر ہو (اور غنی ہر حکم میں اس کے اعتبار سے ہوتا ہے) لہذا اس کو حقوق اللہ کی ادائیگی کے لئے قرض لینے کا حکم نہیں دیا جائے گا، اس پر تمام فقہاء کا اتفاق ہے (۲)۔

استدانه کا شرعی حکم:

۴- استدانه در اصل مباح ہے، اس لئے کہ فرمان باری ہے: ”يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا قَضَيْتُمْ بَدْلَيْنِ إِلَى أَجَلٍ مُّسَمًّى فَاكْتُبُوهُ“ (۳) (اے ایمان والو! جب ادھار کا معاملہ کسی مدت معین تک کرنے لگو تو اس کو لکھ لیا کرو)۔ نیز اس لئے کہ نبی کریم ﷺ قرض لیتے تھے۔

رہے وہ حقوق جن کے وجوب کے لئے اللہ تعالیٰ نے استطاعت کو شرط قرار دیا ہے مثلاً حج، تو ان میں اگر ادائیگی کی امید نہ ہو تو ان کے لئے قرض لینا مکروہ یا حرام ہے، یہ مالکیہ کے نزدیک ہے، اور حنفیہ کے نزدیک خلاف افضل ہے، اور اگر ادائیگی کی امید ہو تو مالکیہ وشافعیہ کے نزدیک واجب اور حنفیہ کے نزدیک افضل ہے (۳)۔

حنابلہ کے نزدیک جیسا کہ المغنی کی عبارت سے سمجھ میں آتا ہے، حکم یہ ہے کہ اگر قرض لے کر اس کے لئے حج کرنا ممکن ہو تو اس کے ذمہ لازم نہیں، البتہ اس کے لئے قرض لینا مستحب ہے اگر اس کی وجہ سے اس کو یا دوسرے کو ضرر نہ ہو (۴)۔

قرض کے سبب کے اعتبار سے اس کے مختلف احکام ہیں، مثلاً قرض دار کے تنگ دست ہونے کی حالت میں مستحب ہے، اور مضطر کے لئے واجب ہے، اور اس شخص کے لئے حرام ہے جو مال منول کرنے کے ارادے سے یا دین کا انکار کرنے کے ارادے سے قرض لے (۴)، اور اس شخص کے لئے مکروہ ہے جو ادائیگی پر قادر نہ ہو اور نہ مجبور ہو اور نہ مال منول کرنے کا ارادہ رکھتا ہو۔

(۱) تحفۃ المحتاج ۵/۳۸، المغنی ۴/۳۱۵، البدائع ۱۰/۳۸۰ طبع دوم۔
(۲) مواہب الجلیل ۱/۳۳۳، مغنی المحتاج ۱/۸۷، مطالب اولیٰ الیٰس ۱/۳۳۹ طبع مکتب الاسلامی، حاشیہ ابن عابدین ۳/۳۶۳، الفتاویٰ الہندیہ ۵/۳۰۷، الاشباہ والنظائر لابن نجیم ۵/۳۵۸ طبع دارالاحلال بیروت۔
(۳) ابن عابدین ۲/۱۱۳، ۱/۱۲۱، ۲/۵۰۵-۵۰۶، الام ۲/۱۱۶ طبع بیروت، الدسوقی ۲/۷۷۔
(۴) المغنی مع المشرع الکبیر ۳/۱۷۰۔

(۱) کشاف اصطلاحات الفنون للعلما نوٰی ۵/۱۱۸۸، دستور العلماء ۲/۱۱۸۔
(۲) المغرب للمطریزی، مادۃ (سلف)، ابن عابدین ۳/۲۰۳۔
(۳) سورۃ بقرہ ۲۸۲۔
(۴) جامعۃ لشروانی علی التحدیث ۵/۳۷۷، جامعۃ الدسوقی علی المشرع الکبیر ۳/۲۲۳ طبع دار الفکر بیروت۔

اور اگر اللہ تعالیٰ کے مالی حقوق کسی بندے پر اس کی مالدار کی حالت میں واجب ہو جائیں اور ادائیگی سے قبل وہ محتاج ہو جائے تو کیا ان حقوق کی ادائیگی کے لئے اس کو قرض لینے کا حکم دیا جائے گا؟ فقہاء حنفیہ اس سلسلہ میں دو حالتوں میں تفریق کرتے ہیں: اگر اس کے پاس مال نہ ہو اور وہ قرض لینا چاہے، اور غالب گمان یہ ہے کہ اگر وہ قرض لے کر زکاۃ ادا کر دے گا اور پھر اپنے دین کی ادائیگی کی کوشش کرے گا تو اس پر قادر ہو جائے گا، تو اس صورت میں افضل یہ ہے کہ قرض لے لے، اور اگر قرض لے کر ادا کر دے لیکن دین کی ادائیگی پر قادر ہونے سے پہلے مر جائے تو امید ہے کہ اللہ تعالیٰ آخرت میں اس کا قرض ادا کر دے گا۔

اور اگر غالب گمان یہ ہو کہ وہ قرض لے گا تو اس کو ادا نہیں کر سکے گا تو قرض نہ لینا افضل ہے، اس لئے کہ قرض خواہ کی نزاع انتہائی سخت چیز ہے (۱)، اس سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ اس پر کسی بھی حال میں قرض لینا واجب نہیں ہے۔

حنابلہ کا مذہب ہے کہ اگر زکاۃ واجب ہو جائے اور وجوب کے بعد مال ضائع ہو جائے اور اس کی ادائیگی ممکن ہو تو ادا کر دے، ورنہ سہولت اور ادائیگی کی قدرت حاصل ہونے تک اس کو مہلت ہوگی، بشرطیکہ اس کو یا دوسرے کو ضرر نہ ہو، انہوں نے کہا ہے: جب آدمی کے معین دین میں مہلت دینا لازم ہے تو یہاں بدرجہ اولیٰ ہوگا (۲)۔ ہمارے علم کے مطابق شافعیہ نے اس مسئلہ کو ذکر نہیں کیا ہے۔

دوم: حقوق العباد کی ادائیگی کے لئے قرض لینا:

الف- اپنی ذات کے حق کے لئے قرض لینا:

۷۔ مضطر کے لئے واجب ہے کہ اپنی جان بچانے کے لئے قرض لے، اس لئے کہ جان کی حفاظت مال کی حفاظت پر مقدم ہے، شافعیہ نے اس کی صراحت کی ہے، دوسرے مذاہب کے قواعد اس کے خلاف نہیں ہیں، اس لئے کہ حالت ضرورت و مجبوری کے بارے میں معروف نصوص منقول ہیں (۱)۔

حاجیات و لوازمات زندگی کو پورا کرنے کے لئے قرض لینا جائز ہے اگر ادا کرنے کی امید ہو، اگرچہ بہتر یہ ہے کہ صبر کرے، اس لئے کہ قرض لینے میں دوسرے کا احسان ہوتا ہے۔ ”فتاویٰ ہندیہ“ میں ہے: اگر انسان اپنی لازمی حاجت پوری کرنے کے ارادہ سے قرض لے اور اس کو ادا کرنے کا ارادہ ہو تو کوئی حرج نہیں (۲)، لفظ ”لاباس“ جب فقہاء حنفیہ استعمال کرتے ہیں تو ان کی مراد یہ ہوتی ہے کہ اس کا نہ کرنا اس کے کرنے سے زیادہ بہتر ہے۔

اور اگر ادا کرنے کی امید نہ ہو تو قرض لینا حرام اور صبر واجب ہے، کیونکہ قرض لینے میں دوسرے کے مال کے ضائع ہونے کا اندیشہ ہے (۳)۔

اور کسی ناجائز مقصد کی تکمیل کے لئے قرض لینا ناجائز ہے، جیسا کہ اگر ناجائز جگہ خرچ کرنے کے لئے قرض لے مثلاً کسی کے پاس بقدر ضرورت مال ہو اور وہ فراخ دلی سے خرچ کرے اور قرض لے تاکہ زکاۃ لے سکے تو اس کو زکاۃ نہیں دی جائے گی، اس لئے کہ اس کا مقصد برا ہے (۴)۔

(۱) مواہب الجلیل ۵۳۵، ۵۳۶، ۵۳۷، ۵۳۸، ۵۳۹، ۵۴۰، ۵۴۱، ۵۴۲، ۵۴۳، ۵۴۴، ۵۴۵، ۵۴۶، ۵۴۷، ۵۴۸، ۵۴۹، ۵۵۰، ۵۵۱، ۵۵۲، ۵۵۳، ۵۵۴، ۵۵۵، ۵۵۶، ۵۵۷، ۵۵۸، ۵۵۹، ۵۶۰، ۵۶۱، ۵۶۲، ۵۶۳، ۵۶۴، ۵۶۵، ۵۶۶، ۵۶۷، ۵۶۸، ۵۶۹، ۵۷۰، ۵۷۱، ۵۷۲، ۵۷۳، ۵۷۴، ۵۷۵، ۵۷۶، ۵۷۷، ۵۷۸، ۵۷۹، ۵۸۰، ۵۸۱، ۵۸۲، ۵۸۳، ۵۸۴، ۵۸۵، ۵۸۶، ۵۸۷، ۵۸۸، ۵۸۹، ۵۹۰، ۵۹۱، ۵۹۲، ۵۹۳، ۵۹۴، ۵۹۵، ۵۹۶، ۵۹۷، ۵۹۸، ۵۹۹، ۶۰۰، ۶۰۱، ۶۰۲، ۶۰۳، ۶۰۴، ۶۰۵، ۶۰۶، ۶۰۷، ۶۰۸، ۶۰۹، ۶۱۰، ۶۱۱، ۶۱۲، ۶۱۳، ۶۱۴، ۶۱۵، ۶۱۶، ۶۱۷، ۶۱۸، ۶۱۹، ۶۲۰، ۶۲۱، ۶۲۲، ۶۲۳، ۶۲۴، ۶۲۵، ۶۲۶، ۶۲۷، ۶۲۸، ۶۲۹، ۶۳۰، ۶۳۱، ۶۳۲، ۶۳۳، ۶۳۴، ۶۳۵، ۶۳۶، ۶۳۷، ۶۳۸، ۶۳۹، ۶۴۰، ۶۴۱، ۶۴۲، ۶۴۳، ۶۴۴، ۶۴۵، ۶۴۶، ۶۴۷، ۶۴۸، ۶۴۹، ۶۵۰، ۶۵۱، ۶۵۲، ۶۵۳، ۶۵۴، ۶۵۵، ۶۵۶، ۶۵۷، ۶۵۸، ۶۵۹، ۶۶۰، ۶۶۱، ۶۶۲، ۶۶۳، ۶۶۴، ۶۶۵، ۶۶۶، ۶۶۷، ۶۶۸، ۶۶۹، ۶۷۰، ۶۷۱، ۶۷۲، ۶۷۳، ۶۷۴، ۶۷۵، ۶۷۶، ۶۷۷، ۶۷۸، ۶۷۹، ۶۸۰، ۶۸۱، ۶۸۲، ۶۸۳، ۶۸۴، ۶۸۵، ۶۸۶، ۶۸۷، ۶۸۸، ۶۸۹، ۶۹۰، ۶۹۱، ۶۹۲، ۶۹۳، ۶۹۴، ۶۹۵، ۶۹۶، ۶۹۷، ۶۹۸، ۶۹۹، ۷۰۰، ۷۰۱، ۷۰۲، ۷۰۳، ۷۰۴، ۷۰۵، ۷۰۶، ۷۰۷، ۷۰۸، ۷۰۹، ۷۱۰، ۷۱۱، ۷۱۲، ۷۱۳، ۷۱۴، ۷۱۵، ۷۱۶، ۷۱۷، ۷۱۸، ۷۱۹، ۷۲۰، ۷۲۱، ۷۲۲، ۷۲۳، ۷۲۴، ۷۲۵، ۷۲۶، ۷۲۷، ۷۲۸، ۷۲۹، ۷۳۰، ۷۳۱، ۷۳۲، ۷۳۳، ۷۳۴، ۷۳۵، ۷۳۶، ۷۳۷، ۷۳۸، ۷۳۹، ۷۴۰، ۷۴۱، ۷۴۲، ۷۴۳، ۷۴۴، ۷۴۵، ۷۴۶، ۷۴۷، ۷۴۸، ۷۴۹، ۷۵۰، ۷۵۱، ۷۵۲، ۷۵۳، ۷۵۴، ۷۵۵، ۷۵۶، ۷۵۷، ۷۵۸، ۷۵۹، ۷۶۰، ۷۶۱، ۷۶۲، ۷۶۳، ۷۶۴، ۷۶۵، ۷۶۶، ۷۶۷، ۷۶۸، ۷۶۹، ۷۷۰، ۷۷۱، ۷۷۲، ۷۷۳، ۷۷۴، ۷۷۵، ۷۷۶، ۷۷۷، ۷۷۸، ۷۷۹، ۷۸۰، ۷۸۱، ۷۸۲، ۷۸۳، ۷۸۴، ۷۸۵، ۷۸۶، ۷۸۷، ۷۸۸، ۷۸۹، ۷۹۰، ۷۹۱، ۷۹۲، ۷۹۳، ۷۹۴، ۷۹۵، ۷۹۶، ۷۹۷، ۷۹۸، ۷۹۹، ۸۰۰، ۸۰۱، ۸۰۲، ۸۰۳، ۸۰۴، ۸۰۵، ۸۰۶، ۸۰۷، ۸۰۸، ۸۰۹، ۸۱۰، ۸۱۱، ۸۱۲، ۸۱۳، ۸۱۴، ۸۱۵، ۸۱۶، ۸۱۷، ۸۱۸، ۸۱۹، ۸۲۰، ۸۲۱، ۸۲۲، ۸۲۳، ۸۲۴، ۸۲۵، ۸۲۶، ۸۲۷، ۸۲۸، ۸۲۹، ۸۳۰، ۸۳۱، ۸۳۲، ۸۳۳، ۸۳۴، ۸۳۵، ۸۳۶، ۸۳۷، ۸۳۸، ۸۳۹، ۸۴۰، ۸۴۱، ۸۴۲، ۸۴۳، ۸۴۴، ۸۴۵، ۸۴۶، ۸۴۷، ۸۴۸، ۸۴۹، ۸۵۰، ۸۵۱، ۸۵۲، ۸۵۳، ۸۵۴، ۸۵۵، ۸۵۶، ۸۵۷، ۸۵۸، ۸۵۹، ۸۶۰، ۸۶۱، ۸۶۲، ۸۶۳، ۸۶۴، ۸۶۵، ۸۶۶، ۸۶۷، ۸۶۸، ۸۶۹، ۸۷۰، ۸۷۱، ۸۷۲، ۸۷۳، ۸۷۴، ۸۷۵، ۸۷۶، ۸۷۷، ۸۷۸، ۸۷۹، ۸۸۰، ۸۸۱، ۸۸۲، ۸۸۳، ۸۸۴، ۸۸۵، ۸۸۶، ۸۸۷، ۸۸۸، ۸۸۹، ۸۹۰، ۸۹۱، ۸۹۲، ۸۹۳، ۸۹۴، ۸۹۵، ۸۹۶، ۸۹۷، ۸۹۸، ۸۹۹، ۹۰۰، ۹۰۱، ۹۰۲، ۹۰۳، ۹۰۴، ۹۰۵، ۹۰۶، ۹۰۷، ۹۰۸، ۹۰۹، ۹۱۰، ۹۱۱، ۹۱۲، ۹۱۳، ۹۱۴، ۹۱۵، ۹۱۶، ۹۱۷، ۹۱۸، ۹۱۹، ۹۲۰، ۹۲۱، ۹۲۲، ۹۲۳، ۹۲۴، ۹۲۵، ۹۲۶، ۹۲۷، ۹۲۸، ۹۲۹، ۹۳۰، ۹۳۱، ۹۳۲، ۹۳۳، ۹۳۴، ۹۳۵، ۹۳۶، ۹۳۷، ۹۳۸، ۹۳۹، ۹۴۰، ۹۴۱، ۹۴۲، ۹۴۳، ۹۴۴، ۹۴۵، ۹۴۶، ۹۴۷، ۹۴۸، ۹۴۹، ۹۵۰، ۹۵۱، ۹۵۲، ۹۵۳، ۹۵۴، ۹۵۵، ۹۵۶، ۹۵۷، ۹۵۸، ۹۵۹، ۹۶۰، ۹۶۱، ۹۶۲، ۹۶۳، ۹۶۴، ۹۶۵، ۹۶۶، ۹۶۷، ۹۶۸، ۹۶۹، ۹۷۰، ۹۷۱، ۹۷۲، ۹۷۳، ۹۷۴، ۹۷۵، ۹۷۶، ۹۷۷، ۹۷۸، ۹۷۹، ۹۸۰، ۹۸۱، ۹۸۲، ۹۸۳، ۹۸۴، ۹۸۵، ۹۸۶، ۹۸۷، ۹۸۸، ۹۸۹، ۹۹۰، ۹۹۱، ۹۹۲، ۹۹۳، ۹۹۴، ۹۹۵، ۹۹۶، ۹۹۷، ۹۹۸، ۹۹۹، ۱۰۰۰، ۱۰۰۱، ۱۰۰۲، ۱۰۰۳، ۱۰۰۴، ۱۰۰۵، ۱۰۰۶، ۱۰۰۷، ۱۰۰۸، ۱۰۰۹، ۱۰۱۰، ۱۰۱۱، ۱۰۱۲، ۱۰۱۳، ۱۰۱۴، ۱۰۱۵، ۱۰۱۶، ۱۰۱۷، ۱۰۱۸، ۱۰۱۹، ۱۰۲۰، ۱۰۲۱، ۱۰۲۲، ۱۰۲۳، ۱۰۲۴، ۱۰۲۵، ۱۰۲۶، ۱۰۲۷، ۱۰۲۸، ۱۰۲۹، ۱۰۳۰، ۱۰۳۱، ۱۰۳۲، ۱۰۳۳، ۱۰۳۴، ۱۰۳۵، ۱۰۳۶، ۱۰۳۷، ۱۰۳۸، ۱۰۳۹، ۱۰۴۰، ۱۰۴۱، ۱۰۴۲، ۱۰۴۳، ۱۰۴۴، ۱۰۴۵، ۱۰۴۶، ۱۰۴۷، ۱۰۴۸، ۱۰۴۹، ۱۰۵۰، ۱۰۵۱، ۱۰۵۲، ۱۰۵۳، ۱۰۵۴، ۱۰۵۵، ۱۰۵۶، ۱۰۵۷، ۱۰۵۸، ۱۰۵۹، ۱۰۶۰، ۱۰۶۱، ۱۰۶۲، ۱۰۶۳، ۱۰۶۴، ۱۰۶۵، ۱۰۶۶، ۱۰۶۷، ۱۰۶۸، ۱۰۶۹، ۱۰۷۰، ۱۰۷۱، ۱۰۷۲، ۱۰۷۳، ۱۰۷۴، ۱۰۷۵، ۱۰۷۶، ۱۰۷۷، ۱۰۷۸، ۱۰۷۹، ۱۰۸۰، ۱۰۸۱، ۱۰۸۲، ۱۰۸۳، ۱۰۸۴، ۱۰۸۵، ۱۰۸۶، ۱۰۸۷، ۱۰۸۸، ۱۰۸۹، ۱۰۹۰، ۱۰۹۱، ۱۰۹۲، ۱۰۹۳، ۱۰۹۴، ۱۰۹۵، ۱۰۹۶، ۱۰۹۷، ۱۰۹۸، ۱۰۹۹، ۱۱۰۰، ۱۱۰۱، ۱۱۰۲، ۱۱۰۳، ۱۱۰۴، ۱۱۰۵، ۱۱۰۶، ۱۱۰۷، ۱۱۰۸، ۱۱۰۹، ۱۱۱۰، ۱۱۱۱، ۱۱۱۲، ۱۱۱۳، ۱۱۱۴، ۱۱۱۵، ۱۱۱۶، ۱۱۱۷، ۱۱۱۸، ۱۱۱۹، ۱۱۲۰، ۱۱۲۱، ۱۱۲۲، ۱۱۲۳، ۱۱۲۴، ۱۱۲۵، ۱۱۲۶، ۱۱۲۷، ۱۱۲۸، ۱۱۲۹، ۱۱۳۰، ۱۱۳۱، ۱۱۳۲، ۱۱۳۳، ۱۱۳۴، ۱۱۳۵، ۱۱۳۶، ۱۱۳۷، ۱۱۳۸، ۱۱۳۹، ۱۱۴۰، ۱۱۴۱، ۱۱۴۲، ۱۱۴۳، ۱۱۴۴، ۱۱۴۵، ۱۱۴۶، ۱۱۴۷، ۱۱۴۸، ۱۱۴۹، ۱۱۵۰، ۱۱۵۱، ۱۱۵۲، ۱۱۵۳، ۱۱۵۴، ۱۱۵۵، ۱۱۵۶، ۱۱۵۷، ۱۱۵۸، ۱۱۵۹، ۱۱۶۰، ۱۱۶۱، ۱۱۶۲، ۱۱۶۳، ۱۱۶۴، ۱۱۶۵، ۱۱۶۶، ۱۱۶۷، ۱۱۶۸، ۱۱۶۹، ۱۱۷۰، ۱۱۷۱، ۱۱۷۲، ۱۱۷۳، ۱۱۷۴، ۱۱۷۵، ۱۱۷۶، ۱۱۷۷، ۱۱۷۸، ۱۱۷۹، ۱۱۸۰، ۱۱۸۱، ۱۱۸۲، ۱۱۸۳، ۱۱۸۴، ۱۱۸۵، ۱۱۸۶، ۱۱۸۷، ۱۱۸۸، ۱۱۸۹، ۱۱۹۰، ۱۱۹۱، ۱۱۹۲، ۱۱۹۳، ۱۱۹۴، ۱۱۹۵، ۱۱۹۶، ۱۱۹۷، ۱۱۹۸، ۱۱۹۹، ۱۲۰۰، ۱۲۰۱، ۱۲۰۲، ۱۲۰۳، ۱۲۰۴، ۱۲۰۵، ۱۲۰۶، ۱۲۰۷، ۱۲۰۸، ۱۲۰۹، ۱۲۱۰، ۱۲۱۱، ۱۲۱۲، ۱۲۱۳، ۱۲۱۴، ۱۲۱۵، ۱۲۱۶، ۱۲۱۷، ۱۲۱۸، ۱۲۱۹، ۱۲۲۰، ۱۲۲۱، ۱۲۲۲، ۱۲۲۳، ۱۲۲۴، ۱۲۲۵، ۱۲۲۶، ۱۲۲۷، ۱۲۲۸، ۱۲۲۹، ۱۲۳۰، ۱۲۳۱، ۱۲۳۲، ۱۲۳۳، ۱۲۳۴، ۱۲۳۵، ۱۲۳۶، ۱۲۳۷، ۱۲۳۸، ۱۲۳۹، ۱۲۴۰، ۱۲۴۱، ۱۲۴۲، ۱۲۴۳، ۱۲۴۴، ۱۲۴۵، ۱۲۴۶، ۱۲۴۷، ۱۲۴۸، ۱۲۴۹، ۱۲۵۰، ۱۲۵۱، ۱۲۵۲، ۱۲۵۳، ۱۲۵۴، ۱۲۵۵، ۱۲۵۶، ۱۲۵۷، ۱۲۵۸، ۱۲۵۹، ۱۲۶۰، ۱۲۶۱، ۱۲۶۲، ۱۲۶۳، ۱۲۶۴، ۱۲۶۵، ۱۲۶۶، ۱۲۶۷، ۱۲۶۸، ۱۲۶۹، ۱۲۷۰، ۱۲۷۱، ۱۲۷۲، ۱۲۷۳، ۱۲۷۴، ۱۲۷۵، ۱۲۷۶، ۱۲۷۷، ۱۲۷۸، ۱۲۷۹، ۱۲۸۰، ۱۲۸۱، ۱۲۸۲، ۱۲۸۳، ۱۲۸۴، ۱۲۸۵، ۱۲۸۶، ۱۲۸۷، ۱۲۸۸، ۱۲۸۹، ۱۲۹۰، ۱۲۹۱، ۱۲۹۲، ۱۲۹۳، ۱۲۹۴، ۱۲۹۵، ۱۲۹۶، ۱۲۹۷، ۱۲۹۸، ۱۲۹۹، ۱۳۰۰، ۱۳۰۱، ۱۳۰۲، ۱۳۰۳، ۱۳۰۴، ۱۳۰۵، ۱۳۰۶، ۱۳۰۷، ۱۳۰۸، ۱۳۰۹، ۱۳۱۰، ۱۳۱۱، ۱۳۱۲، ۱۳۱۳، ۱۳۱۴، ۱۳۱۵، ۱۳۱۶، ۱۳۱۷، ۱۳۱۸، ۱۳۱۹، ۱۳۲۰، ۱۳۲۱، ۱۳۲۲، ۱۳۲۳، ۱۳۲۴، ۱۳۲۵، ۱۳۲۶، ۱۳۲۷، ۱۳۲۸، ۱۳۲۹، ۱۳۳۰، ۱۳۳۱، ۱۳۳۲، ۱۳۳۳، ۱۳۳۴، ۱۳۳۵، ۱۳۳۶، ۱۳۳۷، ۱۳۳۸، ۱۳۳۹، ۱۳۴۰، ۱۳۴۱، ۱۳۴۲، ۱۳۴۳، ۱۳۴۴، ۱۳۴۵، ۱۳۴۶، ۱۳۴۷، ۱۳۴۸، ۱۳۴۹، ۱۳۵۰، ۱۳۵۱، ۱۳۵۲، ۱۳۵۳، ۱۳۵۴، ۱۳۵۵، ۱۳۵۶، ۱۳۵۷، ۱۳۵۸، ۱۳۵۹، ۱۳۶۰، ۱۳۶۱، ۱۳۶۲، ۱۳۶۳، ۱۳۶۴، ۱۳۶۵، ۱۳۶۶، ۱۳۶۷، ۱۳۶۸، ۱۳۶۹، ۱۳۷۰، ۱۳۷۱، ۱۳۷۲، ۱۳۷۳، ۱۳۷۴، ۱۳۷۵، ۱۳۷۶، ۱۳۷۷، ۱۳۷۸، ۱۳۷۹، ۱۳۸۰، ۱۳۸۱، ۱۳۸۲، ۱۳۸۳، ۱۳۸۴، ۱۳۸۵، ۱۳۸۶، ۱۳۸۷، ۱۳۸۸، ۱۳۸۹، ۱۳۹۰، ۱۳۹۱، ۱۳۹۲، ۱۳۹۳، ۱۳۹۴، ۱۳۹۵، ۱۳۹۶، ۱۳۹۷، ۱۳۹۸، ۱۳۹۹، ۱۴۰۰، ۱۴۰۱، ۱۴۰۲، ۱۴۰۳، ۱۴۰۴، ۱۴۰۵، ۱۴۰۶، ۱۴۰۷، ۱۴۰۸، ۱۴۰۹، ۱۴۱۰، ۱۴۱۱، ۱۴۱۲، ۱۴۱۳، ۱۴۱۴، ۱۴۱۵، ۱۴۱۶، ۱۴۱۷، ۱۴۱۸، ۱۴۱۹، ۱۴۲۰، ۱۴۲۱، ۱۴۲۲، ۱۴۲۳، ۱۴۲۴، ۱۴۲۵، ۱۴۲۶، ۱۴۲۷، ۱۴۲۸، ۱۴۲۹، ۱۴۳۰، ۱۴۳۱، ۱۴۳۲، ۱۴۳۳، ۱۴۳۴، ۱۴۳۵، ۱۴۳۶، ۱۴۳۷، ۱۴۳۸، ۱۴۳۹، ۱۴۴۰، ۱۴۴۱، ۱۴۴۲، ۱۴۴۳، ۱۴۴۴، ۱۴۴۵، ۱۴۴۶، ۱۴۴۷، ۱۴۴۸، ۱۴۴۹، ۱۴۵۰، ۱۴۵۱، ۱۴۵۲، ۱۴۵۳، ۱۴۵۴، ۱۴۵۵، ۱۴۵۶، ۱۴۵۷، ۱۴۵۸، ۱۴۵۹، ۱۴۶۰، ۱۴۶۱، ۱۴۶۲، ۱۴۶۳، ۱۴۶۴، ۱۴۶۵، ۱۴۶۶، ۱۴۶۷، ۱۴۶۸، ۱۴۶۹، ۱۴۷۰، ۱۴۷۱، ۱۴۷۲، ۱۴۷۳، ۱۴۷۴، ۱۴۷۵، ۱۴۷۶، ۱۴۷۷، ۱۴۷۸، ۱۴۷۹، ۱۴۸۰، ۱۴۸۱، ۱۴۸۲، ۱۴۸۳، ۱۴۸۴، ۱۴۸۵، ۱۴۸۶، ۱۴۸۷، ۱۴۸۸، ۱۴۸۹، ۱۴۹۰، ۱۴۹۱، ۱۴۹۲، ۱۴۹۳، ۱۴۹۴، ۱۴۹۵، ۱۴۹۶، ۱۴۹۷، ۱۴۹۸، ۱۴۹۹، ۱۵۰۰، ۱۵۰۱، ۱۵۰۲، ۱۵۰۳، ۱۵۰۴، ۱۵۰۵، ۱۵۰۶، ۱۵۰۷، ۱۵۰۸، ۱۵۰۹، ۱۵۱۰، ۱۵۱۱، ۱۵۱۲، ۱۵۱۳، ۱۵۱۴، ۱۵۱۵، ۱۵۱۶، ۱۵۱۷، ۱۵۱۸، ۱۵۱۹، ۱۵۲۰، ۱۵۲۱، ۱۵۲۲، ۱۵۲۳، ۱۵۲۴، ۱۵۲۵، ۱۵۲۶، ۱۵۲۷، ۱۵۲۸، ۱۵۲۹، ۱۵۳۰، ۱۵۳۱، ۱۵۳۲، ۱۵۳۳، ۱۵۳۴، ۱۵۳۵، ۱۵۳۶، ۱۵۳۷، ۱۵۳۸، ۱۵۳۹، ۱۵۴۰، ۱۵۴۱، ۱۵۴۲، ۱۵۴۳، ۱۵۴۴، ۱۵۴۵، ۱۵۴۶، ۱۵۴۷، ۱۵۴۸، ۱۵۴۹، ۱۵۵۰، ۱۵۵۱، ۱۵۵۲، ۱۵۵۳، ۱۵۵۴، ۱۵۵۵، ۱۵۵۶، ۱۵۵۷، ۱۵۵۸، ۱۵۵۹، ۱۵۶۰، ۱۵۶۱، ۱۵۶۲، ۱۵۶۳، ۱۵۶۴، ۱۵۶۵، ۱۵۶۶، ۱۵۶۷، ۱۵۶۸، ۱۵۶۹، ۱۵۷۰، ۱۵۷۱، ۱۵۷۲، ۱۵۷۳، ۱۵۷۴، ۱۵۷۵، ۱۵۷۶، ۱۵۷۷، ۱۵۷۸، ۱۵۷۹، ۱۵۸۰، ۱۵۸۱، ۱۵۸۲، ۱۵۸۳، ۱۵۸۴، ۱۵۸۵، ۱۵۸۶، ۱۵۸۷، ۱۵۸۸، ۱۵۸۹، ۱۵۹۰، ۱۵۹۱، ۱۵۹۲، ۱۵۹۳، ۱۵۹۴، ۱۵۹۵، ۱۵۹۶، ۱۵۹۷، ۱۵۹۸، ۱۵۹۹، ۱۶۰۰، ۱۶۰۱، ۱۶۰۲، ۱۶۰۳، ۱۶۰۴، ۱۶۰۵، ۱۶۰۶، ۱۶۰۷، ۱۶۰۸، ۱۶۰۹، ۱۶۱۰، ۱۶۱۱، ۱۶۱۲، ۱۶۱۳، ۱۶۱۴، ۱۶۱۵، ۱۶۱۶، ۱۶۱۷، ۱۶۱۸، ۱۶۱۹، ۱۶۲۰، ۱۶۲۱، ۱۶۲۲، ۱۶۲۳، ۱۶۲۴، ۱۶۲۵، ۱۶۲۶، ۱۶۲۷، ۱۶۲۸، ۱۶۲۹، ۱۶۳۰، ۱۶۳۱، ۱۶۳۲، ۱۶۳۳، ۱۶۳۴، ۱۶۳۵، ۱۶۳۶، ۱۶۳۷، ۱۶۳۸، ۱۶۳۹، ۱۶۴۰، ۱۶۴۱، ۱۶۴۲، ۱۶۴۳، ۱۶۴۴، ۱۶۴۵، ۱۶۴۶، ۱۶۴۷، ۱۶۴۸، ۱۶۴۹، ۱۶۵۰، ۱۶۵۱، ۱۶۵۲، ۱۶۵۳، ۱۶۵۴، ۱۶۵۵، ۱۶۵۶، ۱۶۵۷، ۱۶۵۸، ۱۶۵۹، ۱۶۶۰، ۱۶۶۱، ۱۶۶۲، ۱۶۶۳، ۱۶۶۴، ۱۶۶۵، ۱۶۶۶، ۱۶۶۷، ۱۶۶۸، ۱۶۶۹، ۱۶۷۰، ۱۶۷۱، ۱۶۷۲، ۱۶۷۳، ۱۶۷۴، ۱۶۷۵، ۱۶۷۶، ۱۶۷۷، ۱۶۷۸، ۱۶۷۹، ۱۶۸۰، ۱۶۸۱، ۱۶۸۲، ۱۶۸۳، ۱۶۸۴، ۱۶۸۵، ۱۶۸۶، ۱۶۸۷، ۱۶۸۸، ۱۶۸۹، ۱۶۹۰، ۱۶۹۱، ۱۶۹۲، ۱۶۹۳، ۱۶۹۴، ۱۶۹۵، ۱۶۹۶، ۱۶۹۷، ۱۶۹۸، ۱۶۹۹، ۱۷۰۰، ۱۷۰۱، ۱۷۰۲، ۱۷۰۳، ۱۷۰۴، ۱۷۰۵، ۱۷۰۶، ۱۷۰۷، ۱۷۰۸، ۱۷۰۹، ۱۷۱۰، ۱۷۱۱، ۱۷۱۲، ۱۷۱۳، ۱۷۱۴، ۱۷۱۵، ۱۷۱۶، ۱۷۱۷، ۱۷۱۸، ۱۷۱۹، ۱۷۲۰، ۱۷۲۱، ۱۷۲۲، ۱۷۲۳، ۱۷۲۴، ۱۷۲۵، ۱۷۲۶، ۱۷۲۷، ۱۷۲۸، ۱۷۲۹، ۱۷۳۰، ۱۷۳۱، ۱۷۳۲، ۱۷۳۳، ۱۷۳۴، ۱۷۳۵،

ب- دوسرے کے حق کے لئے قرض لینا:

اول- دین ادا کرنے کے لئے قرض لینا:

۸- تنگ دست کو اپنے قرض خواہوں کا دین ادا کرنے کے لئے قرض لینے پر مجبور نہیں کیا جائے گا، کیونکہ فرمان باری ہے: ”وَإِنْ كَانَ ذُو عُسْرَةٍ فَنُظِرَةٌ إِلَىٰ مَيْسَرَةٍ“ (۱) اور اگر تنگ دست ہے تو اس کے لئے آسودہ حالی تک مہلت ہے۔ نیز اس میں دوسرے کا احسان ہے (۲)، نیز یہ کہ ”ضرر کو اسی جیسے ضرر کے ذریعہ دور نہیں کیا جاتا ہے“، مالکیہ و حنابلہ نے اس کی صراحت کی ہے، اور دوسرے مذاہب کے قواعد اس کے خلاف نہیں ہیں۔

دوم- بیوی پر خرچ کرنے کے لئے قرض لینا:

۹- فقہاء کا اس پر اتفاق ہے کہ بیوی کا نفقہ واجب ہے، خواہ شوہر خوش حال ہو یا تنگ دست، اگر شوہر حاضر ہو اور اس کے پاس مال ہو تو اس کے مال میں سے اس کی طرف سے زبردستی نفقہ دیا جائے گا، اور اگر تنگ دست ہو تو ائمہ حنفیہ کی رائے ہے کہ قاضی اس کے لئے نفقہ مقرر کرے گا، پھر عورت کو حکم دے گا کہ شوہر کے نام پر قرض لے، اور اگر کوئی قرض دینے والا نہ ملے تو قاضی اس کا نفقہ اس کے ان رشتہ داروں پر واجب کر دے گا جن پر اس کا نفقہ غیر شادی شدہ ہونے کی حالت میں واجب ہوتا، اور اگر شوہر غائب ہو اور اس کا مال موجود نہ ہو تو عورت کے لئے شوہر کے ذمہ نفقہ مقرر نہیں کیا جائے گا، اس میں امام زفر کا اختلاف ہے، اور امام زفر کا قول ہی حنفیہ کے یہاں مفتیٰ ہے۔

حنابلہ کی رائے ہے کہ عورت اپنے لئے اور اپنے بچوں کے لئے بلا اجازت قرض لے سکتی ہے، پھر جو قرض لیا ہے شوہر سے وہ وصول کرے گی۔

مالکیہ کا مذہب یہ ہے کہ اگر شوہر کی تنگ دستی ثابت ہو جائے تو بیوی کا نفقہ ساقط ہو جائے گا، لیکن اگر شوہر کی تنگ دستی ثابت نہ ہو تو عورت شوہر کے نام پر قرض لے سکتی ہے۔

شافعیہ کا مذہب یہ ہے کہ اگر شوہر کے پاس مال موجود ہو تو عورت پر اس کی طرف سے زبردستی خرچ کیا جائے گا، اور اگر اس کے پاس مال نہ ہو لیکن وہ کمانے پر قادر ہو تو کمانے پر مجبور کیا جائے گا، اور فوری نفقہ کے لئے قرض لے گا، اور اگر شوہر کا مال اس کے پاس نہ ہو بلکہ اس سے دور ہو تو شوہر کو قرض لینے پر مجبور کیا جائے گا، اگر وہ قرض نہ لے تو عورت کو حق ہے کہ نکاح فسخ کرنے کا مطالبہ کرے (۱)۔

سوم- بچوں اور رشتہ داروں پر خرچ کرنے کے لئے قرض لینا:

۱۰- دراصل چھوٹے، نہ کمانے والے، غریب بچوں کا نفقہ فی الجملہ صرف والد پر واجب ہے، دوسرے پر واجب نہیں، اگر وہ ان پر خرچ کرنے سے گریز کرے اور وہ خوش حال ہو تو اس کو مجبور کیا جائے گا اور اولاد کو باپ کے نام پر قرض لینے کا حکم دیا جائے گا، اور اگر تنگ دست ہو تو حنفیہ کے نزدیک ماں کو حکم دیا جائے گا کہ اپنے مال میں سے ان پر خرچ کرے اگر ماں خوش حال ہو، ورنہ ان کا نفقہ ان لوگوں پر لازم کیا جائے گا جن پر باپ کے وفات پانے کی صورت میں ان کا نفقہ واجب ہوتا، پھر نفقہ دینے والا باپ سے واپس لے گا اگر وہ خوشحال

(۱) نہایت المحتاج ۷/۲۰۳ طبع مکتبۃ الاسلامیہ، حاشیہ ابن ماجہ ۲/۶۸۶، مواہب الجلیل ۳/۲۰۲، لطايف ۳/۲۰۵، شرح منہج الارادات ۳/۲۵۲، ۲۵۷، مطالب ولی النبی ۵/۶۳۶، ۶۳۹۔

(۱) سورۃ بقرہ ۲۸۰۔
(۲) جوہر الاکلیل ۳/۹۰ طبع دار المعرف، جامعۃ الدینوی ۳/۷۰، المغنی ۳/۲۳۸ طبع سوم المنار۔

”فتاویٰ قاضی خاں“ میں ہے: حج کے لئے قرض لے اور اپنا دین اپنے مال سے ادا کر دے (۱)۔

قرض لینے کے صحیح ہونے کی شرطیں:

شرط اول قرض خواہ کا فائدہ نہ اٹھانا:

۱۲- قرض لینے کے عمل سے قرض خواہ کا فائدہ اٹھانا یا تو معاملہ میں شرط کے ساتھ ہو گا یا بلا شرط، اگر شرط کے ساتھ ہو تو بلا اختلاف حرام ہے، ابن المنذر نے کہا ہے: اس پر فقہاء کا اجماع ہے کہ قرض دینے والا اگر قرض دار سے اضافہ یا ہدیہ کی شرط لگائے اور اس شرط کے ساتھ اس نے قرض دے دیا تو اضافہ کو لینا سود ہے، حضرت علیؑ کی روایت سے فرمان نبوی ہے: ”کل قرض جر منفعة فهو ربا“ (۲) (ہر قرض جو نفع لائے ربا ہے)، اس حدیث کی اسناد اگرچہ ضعیف ہے لیکن معنی کے اعتبار سے صحیح ہے، حضرت ابی بن کعب، عبد اللہ بن عباس اور عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہم سے مروی ہے کہ انہوں نے ہر ایسے قرض سے منع کیا ہے جو قرض خواہ کے لئے نفع لائے، نیز اس لئے کہ قرض کے لین دین کا معاملہ ارفاق (فائدہ پہنچانے) اور قربت (ثواب کمانے) کا معاملہ ہے، لہذا اس میں

(۱) الفتاویٰ الہندیہ ۱/۲۲۰۔

(۲) حدیث: ”کل قرض جر منفعة...“ کی روایت حارث بن ابی اسامہ نے اپنی سند میں بروایت علی مرفوعاً کی ہے اس کی اسناد میں سوار بن مصعب ہے جو متروک ہے عمر بن بکر نے المغنی میں کہا ہے اس سلسلہ میں کوئی صحیح روایت نہیں (تخصیص الخیر ۳/۲۲ طبع شرکت الطباعة القدیر ۱۳۸۳ھ فیض القدیر ۲۸/۵ طبع المکتبۃ التجاریہ ۱۳۵۶ھ)، اور اس روایت کو پہنچنے کے لئے ”المعرفۃ“ میں فضالہ بن عبید سے سوتوقا بن القاط میں نقل کیا ہے ”کل قرض جر منفعة فهو ربا“ (ہر قرض جو نفع لائے وہ ربا کی ایک شکل ہے)، اور انہوں نے سنن کبریٰ میں اس کو ابن مسعود، ابی بن کعب، عبد اللہ بن سلام اور ابن عباس سے سوتوقا نقل کیا ہے (نیل الاوطار ۵/۳۵۰، ۳۵۱ طبع دار الخلیل بیروت)۔

ہو جائے (۱)۔ اور اگر باپ پانچ ہو تو وہ میت کے درجہ میں ہے، لہذا خرچ کرنے والا واپس نہیں لے گا، یہ اس کا تبرع مانا جائے گا۔

مالکیہ کا مذہب حالت خوش حالی میں خفیہ کی طرح ہے، البتہ ان کے نزدیک قاضی کی اجازت کے قائم مقام یہ ہے کہ خرچ کرنے والا کو وہ بنا دے کہ اس نے واپس لینے کی غرض سے خرچ کیا ہے یا اس پر حلف اٹھائے (۲)، اور اگر تنگ دست ہو تو اس کی اولاد پر خرچ کرنا خرچ کرنے والے کی طرف سے تبرع و احسان مانا جائے گا، وہ واپس نہیں لے سکتا، اگرچہ اس کے بعد باپ خوش حال ہو جائے۔

شافعیہ کے نزدیک بچے قاضی کی اجازت سے قرض لے سکتے ہیں، اور واپس لینے کا حق صرف اس وقت ہے جب قرض لینا عملی طور پر اس خرچ کرنے والے کے لئے ہو جس کو اجازت حاصل ہے (۳)۔

حنابلہ کا مذہب ہے کہ اجازت کے ذریعہ اولاد کے لئے قرض لیا جائے گا، البتہ اگر ماں اپنے اور اپنی اولاد کے لئے بلا اجازت قرض لے تو ماں کے تابع ہو کر جائز ہے، بیوی اور اولاد کے علاوہ کے لئے قرض لینے کے بارے میں تفصیل اور بڑا اختلاف ہے جس کی جگہ اصطلاح ”نفقہ“ ہے (۴)۔

محض مال کو حلال بنانے کے لئے قرض لینا:

۱۱- اگر حج کا ارادہ ہو تو حلال مال سے حج کرنا مستحب ہے، اور اگر اس کے پاس صرف مشتبہ مال ہی ہو اور حلال مال سے حج کرنا چاہے تو

(۱) حاشیہ ابن عابدین ۲/۶۴۳، ۶۴۴، ۶۸۶، تمییز الحقائق ۳/۵۲، الفتاویٰ الہندیہ ۱/۵۵۱، فتح القدیر ۳/۳۲۵ طبع بولاق، الہدایہ مع شرح فتح القدیر ۳/۳۲۶ طبع بولاق۔

(۲) مواہب الجلیل ۳/۱۹۳، حاشیہ الدرر ۳/۲۴۳۔

(۳) الاقناع ۳/۱۳۲، حاشیہ قلیوبی ۳/۸۵، تحت المحتاج ۳/۳۲۶، مغنی المحتاج ۳/۲۲۸۔

(۴) شرح منی الارادات ۳/۲۵۷۔

قرض خواہ کے لئے فائدہ کی شرط لگانا اس کو اپنے موضوع سے خارج کرنا ہے، اور یہ ایسی شرط ہے جس کا نہ تو عقد متقاضی ہے اور نہ ہی عقد کے مناسب ہے قرض خواہ کے لئے نفع بخش قرض کی فقہاء نے بہت سی عملی تطبیقات و نمونے ذکر کئے ہیں (۱) مثلاً:

قرض خواہ شرط رکھے کہ قرض دار اس قرض سے زیادہ واپس کرے گا جتنا لے رہا ہے، یا اس سے بہتر واپس کرے گا جیسا لے رہا ہے، اور یہ بعینہ رہا ہے (دیکھئے: رہا)۔

اس قبیل سے یہ نہیں کہ قرض خواہ قرض دار سے یہ شرط لگائے کہ دین کے بدلہ اس کو رہن دے یا دین کی ضمانت کے لئے کفیل و ضمانت دار دے، اس لئے کہ یہ شرط عقد کے مناسب ہے جیسا کہ آئے گا۔

اگر قرض دار کی طرف سے قرض خواہ کو بلا شرط کوئی نفع مل جائے، تو جمہور فقہاء حنفیہ، شافعیہ، مالکیہ اور حنابلہ کے یہاں جائز ہے (۲)۔ اور یہی حضرت عبداللہ بن عمر، سعید بن المسیب، حسن بصری، عامر شعبی، زہری، مکحول، قتادہ، اسحاق بن راہویہ سے مروی اور ابوالہیثم نخعی سے ایک روایت ہے۔

ان حضرات کی دلیل صحیح مسلم میں حضرت جابر بن عبداللہ کی روایت ہے، حضرت جابر کہتے ہیں: ”ہم لوگ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ مکہ سے مدینہ آئے تو میرا اونٹ بیمار ہو گیا“، حدیث کو پورے قصہ کے ساتھ بیان کیا ہے، اور اس حدیث میں ہے: ”ثم قال: بعني جملك هذا، قال: قلت: لا، بل هو لك، قال: بل بعنيه، قال: قلت: لا، بل هو لك يا رسول الله، قال: لا، بل بعنيه، قال: قلت: فإن لرجل علي أوقية ذهب فهو لك بها، قال: قد أحملته، فتبلغ عليه إلى المدينة، قال:

(۱) فتح القدیر ۳/ ۵۲، اسنی الطالب ۲/ ۱۳۲۔

(۲) المغنی ۳/ ۳۱، تحفہ المحتاج ۵/ ۷۵، اہل المذہب ۲/ ۲۱۸، ابن ماجہ ۲/ ۲۹۵۔

فلما قدمت المدينة قال رسول الله ﷺ لبلال: أعطه أوقية من ذهب وزده، قال: فأعطاني أوقية من ذهب وزادني قيراطاً“ (۱) (پھر آپ ﷺ نے فرمایا: مجھ سے اپنا یہ اونٹ بیچ دو، راوی کہتے ہیں کہ میں نے کہا: نہیں، بلکہ وہ آپ ہی کا ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: نہیں، میرے ہاتھ بیچ دو، میں نے کہا: نہیں، وہ آپ کا ہے اے اللہ کے رسول، آپ ﷺ نے فرمایا: نہیں، میرے ہاتھ بیچ دو، میں نے کہا: تو ایک شخص کا میرے اوپر ایک اوقیہ سونا ہے، آپ اس کے بدلہ میں یہ لے لیجئے، آپ ﷺ نے فرمایا: میں نے لے لیا، اور تم اسی اونٹ پر مدینہ پہنچو گے، پھر جب میں مدینہ پہنچا تو حضور ﷺ نے حضرت بلال سے کہا: اس کو ایک اوقیہ سونا دے دو، اور کچھ بڑھا کر دے دو، تو بلال نے مجھ کو ایک اوقیہ سونا دیا اور ایک قیراط مزید دیا، یہ مقدار میں اضافہ ہے۔

۱۳ - وصف میں اضافہ: ابورافع جو رسول اللہ ﷺ کے غلام تھے، ان سے مروی ہے: ”أن رسول الله ﷺ استسلف من رجل بكرة، فقدمت عليه إبل من إبل الصدقة، فأمر أبا رافع أن يقضي الرجل بكرة (۲)، فرجع أبو رافع فقال لم أجد فيها إلا خياراً بعيراً رباعياً، فقال: أعطه إياه، إن خير الناس أحسنهم قضاء“ (۳) (رسول اللہ ﷺ نے ایک شخص سے ایک بکر (اونٹ کا جوان بچہ) قرض لیا، اس کے بعد حضور ﷺ کے پاس صدقہ کے اونٹ آئے تو ابورافع کو حکم دیا کہ اس شخص کو اس کا اونٹ واپس کر دو، ابورافع گئے اور واپس آ کر کہا: مجھے اس سے بہتر

(۱) حدیث: ۳۱۱۵، الفہم من مکہ... کی روایت مسلم (۳/ ۱۲۲۲ طبع عیسیٰ الحلی) نے حضرت جابر بن عبداللہ سے کی ہے۔

(۲) بکرہ سات سالہ اونٹ کو کہتے ہیں۔

(۳) حدیث: ۳۱۱۵، ابن رسول اللہ ﷺ استسلف من رجل... کی روایت مسلم (۳/ ۱۲۲۳ طبع عیسیٰ الحلی) نے ابورافع سے مروی ہے۔

رباعی (چار دانٹوں والا) اونٹ علی مل رہا ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: وہی اسے دے دو، بہتر آدمی وہ ہے جو اچھی طرح قرض ادا کرے۔
نیز اس لئے کہ اس نے اس اضافہ کو قرض کا عوض یا قرض کا ذریعہ یا اپنا دین وصول کرنے کا وسیلہ نہیں بنایا، بعض مالکیہ کا قول ہے، اور یہی حنابلہ کی ایک روایت، نیز حضرت ابی، ابن عباسؓ اور ابن عمرؓ سے مروی اور نفعی سے ایک روایت ہے کہ قرض خواہ کے لئے مقرض کا ہدیہ قبول کرنا، یا قائل انتفاع چیز لینا، مثلاً اس کی سواری پر سوار ہونا، اس کے گھر میں کوئی چیز بیجا جائز نہیں، البتہ اگر قرض سے قبل ان دونوں میں اس طرح کا تعلق رہا ہو، یا شادی اور ولادت وغیرہ کی وجہ سے کوئی ایسا امر پیش آجائے جو اس کا متقاضی ہو (تو جائز ہے) (۱)۔
دسوقی نے کہا ہے: ”معمتد یہ ہے کہ بیجا اور سایہ حاصل کرنا، اسی طرح کھانا جائز ہے، اگر یہ سب کچھ قرض کی وجہ سے نہیں بلکہ اکرام و اعزاز میں ہو، اس لئے کہ اگر وہ زائد لے، یا نفع اٹھائے تو عملی طور پر اس نے نفع بخش قرض دیا، چنانچہ اثرم نے روایت کیا ہے کہ ایک شخص کے کسی مچھلی فروش پر بیس درہم تھے، مچھلی فروش اس کو ہدیہ میں مچھلی بھیجتا رہا، اور اس کی قیمت لگانا رہا، یہاں تک کہ تیرہ درہم ہو گئے تو اس نے ابن عباسؓ سے دریافت کیا، تو انہوں نے فرمایا: ”اس کو سات درہم دے دو۔“

ابن سیرین سے مروی ہے کہ حضرت عمرؓ نے ابی بن کعبؓ کو دس درہم قرض دیا، حضرت ابی بن کعبؓ نے اپنی زمین کا پھل ان کو ہدیہ میں بھیجا، حضرت عمرؓ نے واپس کر دیا، قبول نہیں کیا، تو حضرت ابی ان کے پاس آئے اور کہا: اہل مدینہ کو معلوم ہے کہ ہمارا پھل بہترین پھلوں میں سے ہے، ہمیں اس کی ضرورت نہیں، پھر آپ نے ہمارا

(۱) حاشیہ الدسوقی ۳/۲۲۳، اہل المذاہک ۲/۱۸۷، المغنی ۳/۲۲۲، المحلی ۸/۸۶، آکا محمد بن الحسن ص ۱۳۲۔

ہدیہ کیوں واپس کر دیا؟ پھر انہوں نے اس کے بعد ہدیہ بھیجا تو حضرت عمرؓ نے قبول کر لیا، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ شبہ کے وقت ہدیہ رد کر دیا جائے ورنہ قبول کر لیا جائے۔
زر بن حبیش سے مروی ہے، انہوں نے کہا: میں نے ابی بن کعبؓ سے عرض کیا: میں سر زمین جہاد عراق جانا چاہتا ہوں، تو انہوں نے فرمایا: تم ایسی جگہ جارہے ہو جہاں سود عام ہے، اس لئے اگر تم کسی کو قرض دو اور وہ تمہارا قرض واپس کرتے وقت ہدیہ ساتھ لائے تو اپنا قرض وصول کر لو، اور اس کا ہدیہ واپس کر دو (۱)۔

شرط دوم۔ اس میں کوئی دوسرا عقد شامل نہ ہو:

۱۴۔ عقد استدانه کی صحت کے لئے شرط ہے کہ اس میں کوئی دوسرا عقد شامل نہ ہو، خواہ یہ عقد عقد استدانه میں شرط کے طور پر ہو، یا اس سے الگ اس پر اتفاق ہو گیا ہو، مثلاً قرض دار اپنا گھر قرض دینے والے کو کرایہ پر دے، یا قرض دار قرض دینے والے کا گھر کو کرایہ پر لے (۲)، اس لئے کہ حدیث ہے: ”ان رسول اللہ ﷺ نہی عن بیع و سلف“ (۳) (رسول اللہ ﷺ نے قرض کے ساتھ بیع سے منع کیا ہے)، اس سلسلہ میں اختلاف و تنصیل ہے جس کے لئے (منوعہ بیوع) کی بحث دیکھی جائے۔

بیت المال وغیرہ (مثلاً وقف) سے یا اس کے لئے قرض لینا:
۱۵۔ اس سلسلہ میں اصل یہ ہے کہ بیت المال کے لئے، یا بیت المال

(۱) المغنی ۳/۳۲۰ اور اس کے بعد کے صفحات۔

(۲) المغنی ۳/۳۲۰، تحفۃ المحتاج ۵/۲۷۵، حاشیہ ابن عابدین ۵/۳۹۔

(۳) حدیث: ”ان رسول اللہ ﷺ نہی عن بیع و سلف“ کی روایت مالک نے بلاغا و زیادتی نے موصول کیا ہے ترمذی نے اس کو صحیح قرار دیا ہے سنائی و رحاکم نے عبد اللہ بن عمرو سے مرفوعاً روایت کیا ہے اور بیہقی نے ضعیف سند کے ساتھ ابن عباسؓ سے روایت کیا، اور طبرانی میں بروایت حکیم بن حزام

شافعیہ نے وقف کے تعلق سے صراحت کی ہے کہ وقف کی شرط ہو تو قاضی کی اجازت کی ضرورت نہیں ہے، اور یہی حکم یتیم کے مال، غائب کے مال اور لفظ کا ہے (۱)، اور اس سلسلہ میں اختلاف و تفصیل ہے، جس کی جگہ اصطلاح ”قرض“ اور ”ذین“ ہے۔

قرض لینے کے احکام:

الف- ملکیت کا ثبوت:

۱۶ سترض لینے والا بذات خود عقد کے ذریعہ ذین کے بالمقابل جو چیز ہو اس کا مالک ہو جاتا ہے، لہذا اس سے قرض مستثنیٰ ہے، جس کے بارے میں یہ تین نقطہ ہائے نظر ہیں: عقد کے ذریعہ مالک ہو جائے گا، یا قبضہ کے ذریعہ، یا خرچ کرنے کے ذریعہ (۲)، اس میں کچھ تفصیل ہے جس کی جگہ اصطلاح (قرض) ہے۔

ب- مطالبہ اور وصولیابی کا حق:

۱۷- قرض لینے کا حکم یہ بھی ہے کہ مدت پوری ہونے پر قرض کا ادا کرنا مقروض پر واجب ہے، اس لئے کہ فرمان باری ہے: ”وَأَذَاءُ إِلَيْهِ بِإِحْسَانٍ“ (۳) اور مطالبہ کو اس (فریق) کے پاس خوبی سے پہنچا دینا چاہئے۔ نیز فرمان نبوی ہے: ”مطل الغنی ظلم“ (۴) (مال دار کا قرض کے ادا کرنے میں ٹال مٹول کرنا ظلم ہے)، اور مطالبہ میں اچھا طریقہ اختیار کرنا مستحب ہے، اور تنگ دست قرض دار

(۱) ابن ماجہ بن ۳۳۱/۳، المغنی ۳/۲۳۳، اقلیو بی ۱۰/۹۳، آغا راہو یوسف رص ۹۱۳، بحالی ۸/۳۲۲ طبع الممیر یہ

(۲) شرح الخرش ۵/۲۳۲، بدائع الصنائع ۱۰/۴۸۳، احکام القرآن للجصاص ۱/۵۷۳، المغنی ۳/۳۱۷ مطالبہ مولیٰ اسی ۳/۲۳۰ تحت المحتاج ۵/۲۸۔

(۳) سورہ بقرہ ۱۷۸۔

(۴) حدیث: ”مطل الغنی ظلم“ کی روایت مسلم (۱۱۹۷) طبع عینی الخلیف نے حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے۔

سے قرض لینا شرعاً جائز ہے۔

بیت المال سے قرض لینے کی دلیل: روایت میں آتا ہے کہ حضرت ابو بکرؓ نے بیت المال سے سات ہزار درہم قرض لئے اور وفات کے وقت ان کے ذمہ رہ گئے تھے، تو انہوں نے ان کے ادا کرنے کی وصیت کی تھی۔

حضرت عمرؓ نے فرمایا: میں نے اللہ کے مال کو اپنے لئے یتیم کے مال کے درجہ میں رکھ دیا ہے، اگر مجھے ان کی ضرورت ہوگی تو اس میں سے لئے لوں گا، اور جب سہولت ہوگی واپس کر دوں گا۔

بیت المال کے لئے قرض لینے کی دلیل: حضرت ابو رافعؓ کی روایت میں ہے: ”أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ اسْتَسْلَفَ مِنْ رَجُلٍ بَكْرًا، فَقُلِمَتْ عَلَى النَّبِيِّ ﷺ إِبِلُ الصَّدَقَةِ، فَأَمَرَ أَبُو رَافِعٍ أَنْ يَقْضِيَ الرَّجُلُ بَكْرَهُ.....“ (۱) (رسول اللہ ﷺ نے ایک شخص سے اونٹ کا جوان بچہ قرض لیا، اس کے بعد رسول اللہ ﷺ کے پاس صدقہ کے اونٹ آئے تو آپ ﷺ نے ابو رافع کو حکم دیا کہ اس کا اونٹ واپس کر دو.....)، اس حدیث میں بیت المال کے لئے قرض لینے کا ذکر ہے، اس لئے کہ واپسی صدقہ کے مال سے ہوئی تھی، لیکن ان تمام امور میں مفاہد عامہ کی رعایت کی جائے گی اور ادائیگی ذین کو یقینی بنانے، اور اس کی وصولیابی کی قدرت کے بارے میں سخت احتیاط برتی جائے گی۔

اس کی شرط جیسا کہ حنفیہ نے وقف کے بارے میں صراحت کی ہے (اور بیت المال بھی وقف کی طرح ہے) یہ ہے کہ یہ معاملہ حاکم کی اجازت سے ہو قرض ائین مالدار کو دیا جائے، مضاربیت کے طور پر مال لینے والا کوئی نہ ملے، اور آمدنی کے ایسے ذرائع موجود نہ ہوں جن کو اس مال کے ذریعہ خریداجا سکے۔

= ہے (تخصیص الممیر ۱۷۳ طبع شرکت لطیفہ الغنیہ ۱۳۸۳ھ)۔

(۱) اس حدیث کی تخریج (فقہ ۱۳) کے تحت گذر چکی ہے۔

کو کشادگی تک مہلت دینا واجب ہے، یہ بالاتفاق ہے (۱)۔ اس کی دلیل فرمانِ باری ہے: ”وَإِنْ كَانَ ذُو عُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ إِلَىٰ مَيْسَرَةٍ“ (۲) (اور اگر تنگ دست ہے تو اس کے لئے آسودہ حالی تک مہلت ہے)، یہ آیت تمام دیون کے بارے میں ہے، ربا کے ساتھ خاص نہیں۔

ج۔ سفر سے روکنے کا حق:

۱۸۔ فی الجملہ قرض خواہ کو یہ حق حاصل ہے کہ قرض دار کو فوری واجب الاداء دین میں سفر کرنے سے روک دے، اگر مقرض کے پاس مال موجود نہ ہو جس سے قرض وصول کیا جاسکے، یا کفیل یا رہن نہ ہو، یہ حق اس لئے ثابت ہوتا ہے کہ مقرض کے سفر کی وجہ سے مطالبہ اور پیچھے لگے رہنے کا قرض خواہ کا حق ضائع نہ ہو جائے، اس سلسلہ میں دین کی نوعیت، مقررہ وقت، سفر اور قرض دار کے اعتبار سے تفصیل ہے (دیکھئے: ”دین“ (۳)۔

د۔ قرض دار کے پیچھے لگے رہنے کا حق:

۱۹۔ قرض خواہ کو حق ہے کہ مقرض کے پیچھے لگا رہے (اس پیچھے لگے رہنے میں کچھ تفصیل ہے)، اگر قرض خواہ مرد ہو، اور مقرض عورت ہو تو یہ حکم نہیں، کیونکہ عورت کے پیچھے لگے رہنے میں اجنبی عورت کے ساتھ خلوت لازم آئے گی، لہذا قرض خواہ کے لئے جائز ہے کہ کسی عورت کو بھیجے جو اس کی طرف سے عورت کے پیچھے لگی رہے، اور اسی

طرح اس کے برعکس کا حکم ہے (۱)۔

ھ۔ قرض کی ادائیگی پر مجبور کرنے کا مطالبہ:

۲۰۔ مدیون پر دین کا ادا کرنا لازم ہے اگر وہ اس پر قادر ہو، اور اگر وہ ادا نہ کرے، اور اس کے ذمہ دین ”مثلی“ ہو، اور اس کے پاس اس کا مثل موجود ہو تو قاضی اس مال سے جو اس کے پاس ہے اس کی طرف سے زبردستی دین ادا کر دے گا۔

اور اگر دین مثلی ہو اور اس کے پاس قیمتی ہو تو جمہور فقہاء (مالکیہ، شافعیہ، حنابلہ اور صاحبین: امام ابو یوسف اور امام محمد) کی رائے یہ ہے کہ قاضی حاجت ضروریہ کو علاحدہ کر کے قرض دار کے سامان کو بالجبر فروخت کر دے، اور اس کا قرض ادا کرے، اور امام ابو حنیفہ کی رائے ہے کہ قاضی اس کو بیع پر مجبور نہیں کرے گا، لہذا ادائیگی قرض تک اس کو قید رکھے گا (۲)۔

و۔ دیوالیہ مقرض پر پابندی:

۲۱۔ دیوالیہ مدیون پر پابندی کو جمہور فقہاء جائز قرار دیتے ہیں، جب کہ امام ابو حنیفہ اس سے منع کرتے ہیں، اس کی تفصیل اصطلاح (حجر) اور (اثلاس) میں آئے گی۔

ز۔ مقرض کو قید کرنا:

۲۲۔ قرض خواہ مطالبہ کر سکتا ہے کہ مال دار، ادائیگی سے گریز کرنے

(۱) اکسی الطالب ۲/۴، الفتاویٰ الہندیہ ۵/۶۳۔

(۲) اکسی الطالب ۲/۴، ۱۸۷، ۱۹۳، حاشیہ الدسوتی ۳/۶۹، ۲۷۰، المغنی ۴/۳۷، ۱۳۷، اور اس کے بعد کے صفحات، الفتاویٰ الہندیہ ۵/۶۱ اور اس کے بعد کے صفحات، تبیین الحقائق ۵/۲۰۰ اور اس کے بعد کے صفحات، حاشیہ ابن عابدین ۵/۹۲۔

(۱) اکسی الطالب ۲/۴، ۱۸۶، الفتاویٰ الہندیہ ۵/۶۳، تفسیر المقرطبی ۳/۷۲۔

(۲) سورہ بقرہ ۲۸۰۔

(۳) اکسی الطالب ۲/۴، ۱۷۷، حاشیہ الدسوتی ۲/۱۵۵، ۲۶۳، حاشیہ ابن عابدین ۳/۲۲۱، المغنی ۸/۳۶۰، ۳۵۵۔

والے مقرض کو قید کر دیا جائے (۱)۔

قرض خواہ اور مقرض کا اختلاف:

۲۳- اگر قرض خواہ اور مقرض میں اختلاف ہو جائے، اور کسی کے پاس پیسہ نہ ہو تو وصف، مقدار، اور خوش حال ہونے کے بارے میں مقرض کا قول قسم کے ساتھ قبول کیا جائے گا، اور اگر دونوں کے پاس پیسہ ہو تو تنگ دستی و خوش حالی کے بارے میں قرض خواہ کا پیسہ قبول کیا جائے گا، اس کی تفصیل ”دعویٰ“ کی بحث میں آئے گی۔

استدراک

تعریف:

۱- استدراک لغت میں ”درک“ سے استفعال کے وزن پر ہے، اور دُرک اور دُرک کے معنی ہیں: جا ملنا، پہنچنا، کہا جاتا ہے: ”أدرک الشيء“ (جب اپنے وقت اور انتہا کو پہنچ جائے)، کہا جاتا ہے: ”عشت حتی أدرک زمانه“ (میں زندہ رہا یہاں تک کہ اس کا زمانہ مجھے مل گیا)۔

لغت میں استدراک کے دو استعمال ہیں:

اول: ”أن يستدرک الشيء بالشيء“ (کسی چیز سے جا ملنے کی کوشش کرنا)، کہا جاتا ہے: ”استدرک النجاة بالفرار“ (اس نے بھاگ کر نجات حاصل کرنے کی کوشش کی)۔

دوم: مثلاً عرب کہتے ہیں: ”استدرک الرأي والأمر“ جب کہ رائے یا معاملہ میں غلطی یا نقص کی تلافی مقصود ہو (۱)۔

اصطلاح میں استدراک کے دو معانی ہیں:

اول: اہل اصول اور نحو یوں کے یہاں کلام سابق سے جس چیز کے ثبوت پیدا ہونے کا وہم ہو اس کی نفی کرنا، یا جس کی نفی کا وہم ہو اس کو ثابت کرنا، اور بعض حضرات نے تعریف میں: ”لفظ استدراک“ یعنی لفظ ”لکن“ یا اس کے قائم مقام کسی حرف استثناء کے استعمال کا اضافہ کیا ہے۔

(۱) آسنی المطالب ۱۸۶/۲، حاشیہ ابن عابدین ۳/۱۵۳ اور اس کے بعد کے صفحات، الفتاویٰ الہندیہ ۵/۶۳، الدرر النوری ۳/۵۷۸۔

(۱) لسان العرب، محیط الجیط، لا ساس، المرجع فی اللغة، مادۃ (درک)۔

استدراک ۲-۳

ذریعہ باطل کرنا ہے۔

اضراب اور استدراک میں فرق یہ ہے کہ استدراک میں تم حکم سابق کو باطل نہیں کرتے مثلاً کہتے ہو: ”جاء زید لکن آخاہ لم یأت“ (زید آیا لیکن اس کا بھائی نہیں آیا)، اس میں زید کے لئے آنے کے اثبات کو باطل ملغونہیں قرار دیا گیا، بلکہ اس کے بھائی سے آنے کی نفی کر دی گئی، جب کہ اضراب میں حکم سابق کو باطل کرتے ہو، لہذا اگر تم کہو: ”جاء زید“ (زید آیا) پھر تم کو اپنی غلطی کا خیال آیا اور تم نے کہا: ”ہل عمرو“ (بلکہ عمرو) تو تم نے اپنے سابق حکم یعنی زید کے لئے آنے کے اثبات کو باطل کر دیا اور اس کو مسکوت عنہ کے حکم میں کر دیا (کہ اس کے آنے یا نہ آنے کا کوئی ذکر نہیں ہے)۔

استثناء:

۳- استثناء کی حقیقت کلام سابق کے بعض مندرجات کو لفظ ”إلا“ یا اس کے ہم معنی الفاظ کے ذریعہ خارج کرنا ہے، اور اسی وجہ سے استثناء عموم کا معیار ہے، جب کہ استدراک: حکم سابق کی ضد کو اس چیز کے لئے ثابت کرنا ہے جس پر حکم کے منطبق ہونے کا وہم ہوتا ہے، لہذا فرق یہ ہے کہ استثناء اول میں داخل ہونے والے کے لئے ہے اور استدراک اول میں نہ داخل ہونے والے کے لئے ہے، البتہ اس کے داخل ہونے کا یا اس پر حکم کے جاری ہونے کا وہم ہوتا ہے۔

اسی آپسی قربت کی وجہ سے الفاظ استثناء کا استعمال مجازاً استدراک کے معنی میں ہوتا ہے، اور اسی کو نحو یوں کے عرف میں: ”استثناء منقطع“ کہتے ہیں جو درحقیقت استدراک ہے (دیکھئے: استثناء) مثلاً فرمان باری ہے: ”مَا لَهُمْ بِهِ مِنْ عِلْمٍ إِلَّا اتَّبَاعُ الظَّنِّ“ (۱) (ان کے پاس کوئی علم (صحیح) تو ہے نہیں، ہاں بس گمان کی پیروی ہے)۔

(۱) سورہ نساء ۱۵۷۔

دوم: جو فقہاء کے کلام میں بکثرت آتا ہے وہ قول یا عمل میں پائے جانے والے کسی خلل یا کمی یا نقص کی اصلاح کرنا ہے، اور اسی سے فقہاء کے یہاں ہے: سجدہ سہو کے ذریعہ نماز کے نقص کا استدراک، اور نماز کے باطل ہونے کی صورت میں اعادہ کر کے اس کا استدراک، قضاء کے ذریعہ بھولی ہوئی نماز کا استدراک، اور غلط بات کو باطل کر کے اور درست کو ثابت کر کے اس کا استدراک۔

استدراک جو اپنے محل سے چھوٹی ہوئی چیز کو انجام دینے کے معنی میں ہو، اس کو خاص طور پر ”تدارک“ کہتے ہیں، خواہ سہو ترک ہوا ہو یا عمدہ، مثلاً رملی کا قول ہے: ”جب امام نماز جنازہ میں سلام پھیر دے تو مسبوق باقی تکبیرات کا ان کے اذکار کے ساتھ تدارک کرے گا (۱)، اور ان کا یہ قول بھی ہے: ”اگر نماز عید کی تکبیرات بھول جائے اور قراءت شروع کرنے کے بعد یاد آئیں تو وہ فوت ہو گئیں، ان کا تدارک نہیں کرے گا (۲)۔“

متعلقہ الفاظ:

اضراب:

۲- اضراب کا معنی لغت میں کسی چیز کی طرف توجہ کرنے کے بعد اس سے اعراض کرنا اور رک جانا ہے (۳)۔

نحو یوں کی اصطلاح میں اضراب بسا اوقات استدراک کے معنی اول کے لحاظ سے اس کے ساتھ گندم ہو جاتا ہے، اس لئے کہ اضراب کا مفہوم لفظ ”عل“ کے ذریعہ حکم سابق کو باطل کرنا ہے یا اسی طرح ان الفاظ کے ذریعہ جو اس غرض سے وضع کئے گئے ہوں یا بدل غلط کے

(۱) نہایت المحتاج ۲/۳۷۳ طبع مصطفیٰ مجلس۔

(۲) نہایت المحتاج ۲/۳۷۳۔

(۳) المرجع فی اللغة، مادہ (درک)، کشاف اصطلاحات الفنون للعلما نووی، مصطلح (استدراک)۔

استدراک ۴-۷

تدارک:

۶- تدارک کی تعریف ہمیں فقہاء میں سے کسی کے یہاں نہیں ملی، ہاں لفظ تدارک ان کے کلام میں بکثرت آتا ہے، اور افعال میں تدارک سے ان کی مراد ہے: عبادت کو کلی یا جزوی طور پر انجام دینا، جب کہ مکلف نے اس کو شرعی طور پر اس کے مقررہ مقام میں انجام نہ دیا ہو اور وہ فوت بھی نہ ہوئی ہو، جیسا کہ صاحب کشاف القناع کے اس قول میں ہے (۱): ”اگر غسل دینے سے قبل میت کی تدفین ہوگئی ہو اور غسل دینا ممکن ہو تو لازمی طور پر اس کی قبر کو کھود کر اس کی نعش کو نکالا جائے گا اور غسل دیا جائے گا تا کہ واجب غسل کا تدارک ہو سکے۔“

بسا اوقات اقوال میں غلطی ہو جاتی ہے اور انسان کو اس کے تدارک کی ضرورت محسوس ہوتی ہے کہ اس کو ختم کر کے صحیح کو ثابت کرے، اس کے کئی طریقے ہیں: مثلاً بدل غلط، اور ایجاب و امر میں لفظ ”مل“، اور بعض نے ”مل“ کے ذریعہ تدارک کی تشریح یہ کی ہے کہ خبر اول کے مقابلہ میں خبر ثانی زیادہ بہتر ہے، لہذا وہ اول کو چھوڑ کر ثانی کی طرف رجوع کرتا ہے، اول کو باطل کرنا اور ثانی کو ثابت کرنا نہیں ہوتا (۲)۔

اصلاح:

۷- یہ مالکیہ کی اصطلاح ہے جس کو انہوں نے مجدد سہو کے باب میں کئی جگہوں پر ذکر کیا ہے، مثلاً: درودیر کا قول ہے: ”جس کو بکثرت شک ہو، اس کے ذمہ اصلاح واجب نہیں، اور اگر وہ اصلاح کرتے ہوئے مشکوک کو انجام دے دے تو اس کی نماز باطل نہ ہوگی“ (۳) (یہ تدارک کے معنی میں ہے)۔

(۱) کشاف القناع ۸۶/۲۔

(۲) التوضیح علی التقریر ۳۶۲/۱ طبع المطبعة الخیر بتمیز التحریر ۲۰۰۲۔

(۳) الدسوقي مع الشرح الکبیر ۲۷۶/۲، ۲۷۸ طبع دار الفکر۔

جیسا کہ ”لکن“ اور اس کے مفہوم کو ادا کرنے والے دوسرے الفاظ کا استعمال استثناء معنوی میں جائز ہے، اس لئے کہ استثناء معنوی کے لئے کوئی معین لفظ نہیں ہے، مثلاً تم کہو: ”ما جاء القوم لکن جاء بعضهم“۔

قضاء:

۴- یہاں قضاء سے مراد یہ ہے کہ کسی عبادت کے لئے شریعت نے جو وقت مقرر کیا ہے کوئی شخص اس وقت میں اس عبادت کو صحیح طور پر انجام نہ دے بلکہ وقت نکل جانے کے بعد اس کو انجام دے، خواہ عمداً چھوڑی گئی ہو یا سہواً، خواہ مکلف اس کو وقت میں ادا کرنے پر قادر رہا ہو مثلاً روزہ کے تعلق سے مسافر، یا قادر نہ رہا ہو (۱)، مثلاً نماز کے تعلق سے سونے والا اور بھول جانے والا، لیکن استدراک، قضاء سے زیادہ عام ہے، اس لئے کہ اس کے تحت کسی بھی جائز وسیلہ سے نقص کی تلافی داخل ہے، اور اسی سے صاحب مسلم الثبوت اور اس کے شارح کا قول ہے کہ قضاء واجب کو شرعی طور پر اس کے مقررہ وقت کے بعد انجام دینا ہے تاکہ تلافی مافات ہو سکے (۲)۔ اس طرح انہوں نے قضاء کو استدراک بنا دیا ہے۔

إعادة:

۵- اعادہ یہ ہے کہ کسی عبادت کے ادا کرنے میں کوئی خلل واقع ہو جائے تو اس کی وجہ سے وقت کے اندر اس کو دوبارہ ادا کیا جائے (۳)۔

استدراک اعادہ سے بھی زیادہ عام ہے۔

(۱) شرح مسلم الثبوت ۸۵/۱ مطبوع مع ”المستهمی“۔

(۲) نیز دیکھئے شرح مسلم الثبوت ۸۵/۱۔

(۳) ابن ماجہ ۲۸۶/۱ طبع اول بولاق ۱۲۷۳ھ، شرح مسلم الثبوت ۸۵/۱، المستهمی ۸۵/۱ مطبوع مع شرح مسلم الثبوت۔

استدراک ۸-۹

استئناف:

۸- عمل کا استئناف اس کو از سر نو ادا کرنا ہے، یعنی اس کو دوبارہ کرنا جبکہ فعل اہل کو مکمل ہونے سے قبل چھوڑ دے، لہذا نماز کا استئناف پہلے تحریمہ کو ختم کر کے نیا تحریمہ باندھنا ہے، اور اسی معنی میں استئناف فقہاء کے اس قول میں آیا ہے: ”اگر نمازی کو حدث پیش آجائے تو وضو کرے، پھر اپنی نماز پر بناء کرے یا از سر نو پڑھے، اور از سر نو پڑھنا زیادہ بہتر ہے“ (۱)۔

اسی طرح اذان کو از سر نو ادا کرنا اگر اس کے درمیان طویل فصل ہو جائے، اور کفایت ظہار میں روزہ کو از سر نو ادا کرنا اگر تسلسل ختم ہو جائے۔ اس لحاظ سے استئناف استدراک کا ایک طریقہ ہے، اور اس کی تفصیل اصطلاح (استئناف) میں ہے۔

چونکہ اس استدراک کا استعمال دو معانی میں ہوتا ہے:

اول: لفظ استدراک اور اس کے قائم مقام الفاظ کے ذریعہ استدراک قوی۔ دوم: افعال اور قول میں واقع ہونے والے خلل کی اصلاح کے ذریعہ استدراک، اس لئے اس کے اعتبار سے بحث کی دو قسمیں ہیں:

قسم اول

لکن اور اس کے نظائر کے ذریعہ استدراک قوی:

استدراک کے الفاظ:

لکن (تشدید کے ساتھ) لکن (تخفیف کے ساتھ) بل، غلّ اور استثناء کے الفاظ۔

۹- الف- لکن: یہی اس باب کا اصل لفظ ہے اور اسی کے لئے وضع کیا گیا ہے (۲)۔

بعض اصولیین نے لکھا ہے کہ ”لکن“ اور اس کے ہم معنی الفاظ کو استدراک کے لئے استعمال کرنے کی شرط یہ ہے کہ لکن کے ماقبل اور مابعد میں لفظی طور پر ایجاب و سلب میں اختلاف ہو، مثلاً ”ما جاء زيد لكن آخاه جاء“ (زيد نہیں آیا، لیکن اس کا بھائی آیا)۔

اگر اختلاف معنوی ہو تو بھی جائز ہے (۱) مثلاً کوئی کہے: ”علی حاضر لكن آخاه مسافر“ (علی حاضر ہے لیکن اس کا بھائی مسافر ہے یعنی حاضر نہیں)۔

ب- لکن:

نون کے سکون کے ساتھ، دراصل یہ لکن کا مخفف ہے، اس کی دو حالتیں ہیں: اول: اور یہی اکثر ہے کہ ابتدائیہ ہو جس کے بعد جملہ آئے، مثلاً فرمان باری ہے: ”وَإِنْ مِنْ شَيْءٍ إِلَّا يَنْسَبِحُ بِحَمْدِهِ وَلَكِنْ لَا تَفْقَهُونَ تَسْبِيحَهُمْ“ (۲) (اور کوئی بھی چیز ایسی نہیں جو حمد کے ساتھ اس کی پاکی نہ بیان کرتی ہو، البتہ تم ہی ان کی تسبیح کو نہیں سمجھتے ہو)۔

حالت دوم: عاطفہ ہو، اور اس کی شرط یہ ہے کہ اس سے قبل نفی یا نفی ہو، اس کے بعد مغرور آئے اور اس پر ”واو“ داخل نہ ہو، مثلاً ”ما جاء زيد لكن عمرو“۔

لیکن دونوں حالتوں میں وہ استدراک کے مفہوم سے خالی نہیں ہے، وہ ماقبل کے حکم کو ثابت کرے گا اور اس کی ضد کو اس کے مابعد کے لئے ثابت کرے گا (۳)۔

(۱) شرح مسلم الشبوت ۲/۲۳۷، شرح التوضیح علی التبیان مع جامعہ التعلیقات ۱/۳۳۱، شرح والہری ص ۲۶۳۔

(۲) سورہ اسراء ۲۲۔

(۳) شرح ابن عقیل مع جامعہ التعلیقات ۲/۶۵، ۶۶، طبع مصطفیٰ الحلبي ۱۳۳۱ھ، شرح الملوکب الحمیر ص ۸۳، طبع حامد اللہی، شرح التوضیح ۱/۳۶۳۔

(۱) کشاف اصطلاحات الفنون: مادہ (استدراک)۔

(۲) مغنی المریب لابن ہشام بر حاشیہ الدرر ۱/۲۹۲۔

استدراک ۱۰

ج۔ کل:

اگر اس سے قبل نفی یا نہی ہو تو حرف استدراک ہے (۱)، جیسا کہ لکن، یہ اپنے ماقبل کے حکم کو ثابت کرے گا اور اس کی ضد کو اس کے مابعد کے لئے ثابت کرے گا۔

اگر ایجاب یا امر کے بعد آئے تو استدراک کے معنی میں نہیں ہوگا، بلکہ اول سے اعراض کے معنی میں ہوگا، لہذا وہ غیر مذکور کی طرح ہو جائے گا اور اس کا حکم مابعد کے لئے منتقل کر دے گا، مثلاً تمہارا قول: ”جاء زيد بل عمرو“ اور اسی کو ”اضراب ابطالی“ کہتے ہیں، سعد الدین نے کہا: ”مل“ کے ماقبل کو مسند الیہ نہیں ہونا چاہئے تھا، اور اگر اس کے ساتھ ”لا“ مل جائے تو وہ اول کی نفی کے لئے صریح ہو جائے گا۔

اسی وجہ سے قرآن یا حدیث میں محض نقل کے طور پر آتا ہے۔ بسا اوقات ”اضراب انتقالی“ کے لئے یعنی ایک غرض سے دوسری غرض کی طرف منتقل ہونے کے لئے آتا ہے، اور اسی مفہوم میں یہ فرمان باری ہے: ”قَدْ أَفْلَحَ مَنْ تَزَكَّى وَذَكَرَ اسْمَ رَبِّهِ فَصَلَّى، بَلْ تُؤَثِّرُونَ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا“ (۲) (بامراد ہو او وہ جو پاک ہو گیا، اور اپنے پروردگار کا نام لینا اور نماز پڑھتا رہا، اصل یہ ہے کہ تم مقدم دنیوی زندگی کو رکھتے ہو)۔

د۔ علی:

اس کا استعمال استدراک کے لئے ہوتا ہے، مثلاً شاعر کا یہ قول ہے:

(۱) المغنی لابن هشام: مائل باب سادس، حبان نے اس کو اشمولی پر اپنے حاشیہ میں نقل کر کے برقرار رکھا ہے ۱۳/۳، الخفیری علی شرح ابن عقیل ۶۵/۲، ۶۶، حاشیہ المدخل التوضیح شرح التبیح ۱/۳۶۳۔

(۲) المنار مع حواشی ص ۵۱، تیسیر التحریر ۲۰۲/۲، آیت کریمہ سورہ اہل ۱۳-۱۶۔

بكل تداوينا فلم يشف ما بنا

علی أن قرب الدار خیر من البعد

(ہم نے ہر دوا کر لی، لیکن ہمارا مرض نہ گیا، تاہم گھر کی قربت اس کے دور ہونے سے بہتر ہے)۔

علی أن قرب الدار لیس بنافع

إذا كان من تھواه لیس بذی وڈ (۱)

(بلکہ گھر کا قریب ہونا سودمند نہیں، اگر جس کو تم چاہتے ہو وہ محبت والا نہ ہو)۔

ھ۔ الفاظ استثناء:

بسا اوقات الفاظ استثناء کو استدراک میں استعمال کیا جاتا ہے، مثلاً کہتے ہیں: ”زید غنی غیر اُنہ بخیل“ (زید مال دار ہے تاہم وہ بخیل ہے)، اور اسی سے یہ فرمان باری ہے: ”قال: لا عاصم الیوم من امر الله إلا من رحم“ (نوح) نے کہا: آج کے دن کوئی بچانے والا نہیں اللہ کے حکم (عذاب) سے، البتہ جس پر وہی رحم کر دے)۔

اسی کو استثناء منقطع کہتے ہیں (دیکھئے: استثناء) اور اس میں (إلا اور غیر) کا استعمال ہوتا ہے نیز ”سوی“ کا بھی استعمال ہوتا ہے، اہل لغت کے یہاں اصح یہی ہے (۲)۔

شرائط استدراک:

۱۰۔ استدراک کے صحیح ہونے کے لئے درج ذیل شرطیں ہیں:

(۱) مغنی المصیب مع حاشیہ الدسوقی ۱/۱۵۷۔

(۲) شرح ابن عقیل مع حاشیہ خفیری ۲/۲۰۹، ۲۱۰، آیت کریمہ سورہ ہود ۳۳۔

استدراک ۱۰

دینے کی وجہ سے عمرو کے لئے ملکیت ثابت نہ ہوگی (۱)۔

شرط دوم:

اتساق کلام، یعنی کلام کا باہم مربوط ہونا، مراد یہ ہے کہ استدراک کے لائق ہو اس طرح کہ لفظ استدراک سے ماقبل کا کلام ایسا ہو کہ اس سے مخاطب لفظ استدراک کے بعد آنے والے کلام کا الٹا سمجھے، یا لفظ استدراک کے بعد والے کلام میں سابق کلام کے کسی فوت شدہ مضمون کا تدراک ہو، مثلاً ”ما قام زید لکن عمرو“، برخلاف ”ما جاء زید لکن ركب الأمير“ کے، اور صاحب ”المصادر“ نے اتساق کی تشریح یوں کی ہے: نفی کا محل اثبات کے محل کے علاوہ ہو (۲)، تاکہ دونوں کے درمیان جمع کرنا ممکن ہو، اور کلام کا آخری حصہ اول حصہ کے خلاف نہ ہو، پھر اگر کلام میں اتساق ہو تو یہ استدراک ہے ورنہ نیا کلام ہے، اور ”اتوضیح“ میں اس استدراک کی جو سابق سے مربوط ہو مثال یہ دی ہے کہ قمر ار کرنے والا کہے تمہارا میرے ذمہ ایک ہزار قرض ہے، تو مقررہ (جس کے لئے قمر ار کیا گیا) کہے: ”لا، لکن غصب“ (نہیں لیکن غصب ہے) یہ کلام متنق ہے، لہذا وصل درست ہے بایں معنی کہ یہ حق کے سبب کی نفی ہے یعنی جس چیز کا قمر ار کیا گیا ہے اس کے قرض ہونے کی نفی ہے، واجب یعنی ایک ہزار کی نفی نہیں ہے، اس لئے کہ اس کے قول: ”لا“ کو واجب کی نفی پر محمول کرنا ممکن نہیں، اس لئے کہ واجب کی نفی پر اس کو محمول کرنا اس کے اس قول ”لکن غصب“ کے ساتھ ہم آہنگ نہیں، اور نہ ہی اس صورت میں کلام متنق و مربوط ہوگا، لہذا جب اس نے قرض ہونے کی نفی کی تو اس کے غصب ہونے سے اس کا تدراک کیا اور یہ اس

شرط اول:

ما قبل سے اس کا متصل ہونا خواہ حکماً ہو، لہذا کلام اول سے تعلق رکھنے والی بات یا کوئی ضروری امر مثلاً سانس لینا، کھانا وغیرہ کے ذریعہ فصل مضرب نہیں، اگر استدراک اور کلام اول کے درمیان اتنی دیر خاموشی ہو جائے جس میں بات کی جاسکتی ہو یا موضوع سے الگ کوئی کلام آجائے تو کلام اول کا حکم ثابت ہو جائے گا اور استدراک باطل ہو جائے گا۔

مثلاً اگر زید کے لئے کوئی کسی کپڑے کا قمر ار کرے اور زید کہے: ”ما كان لي قط، لکن لعمر“، اگر دونوں کو ملا کر کہے تو کپڑا عمرو کا ہوگا، اور اگر فصل کر دے تو قمر ار کرنے والے کا ہوگا، اس لئے کہ نفی میں دو امور کا احتمال ہے: یہ احتمال کہ قمر ار کرنے والے کی تکذیب اور اس کے قمر ار کی تردید ہو، اور یہی ظاہر کلام ہے، لہذا نفی قمر ار کرنے والی کی طرف لوٹ جائے گی، اور یہ بھی احتمال ہے کہ تکذیب نہ ہو، اس لئے کہ ہو سکتا ہے کہ کپڑے کا زید کی ملکیت ہونا مشہور ہو، پھر وہ قمر ار کرنے والے کے ہاتھ میں آ گیا، اس لئے اس نے زید کے لئے اس کا قمر ار کر لیا ہو، پھر زید نے یہ کہا ہو: کپڑے کی میری ملکیت ہونا معروف ہے لیکن حقیقت میں وہ عمرو کا ہے، اور اس کا قول: ”لکنہ لعمر“ اس نفی کے لئے بیان تغیر ہے، اس لئے اتصال پر موقوف ہوگا، کیونکہ بیان تغیر حنفیہ کے نزدیک صرف وصل کے ساتھ صحیح ہوتا ہے، ترانی کے ساتھ صحیح نہیں ہوتا ہے، اس لئے اگر وصل کر دے تو زید سے نفی اور عمرو کے لئے اثبات کا ایک ساتھ ثبوت ہو جائے گا، کیونکہ ابتداء کلام اخیر پر موقوف ہے، لہذا دونوں کا حکم ایک ساتھ ثابت ہوگا۔

اور اگر فصل کر دے تو نفی قمر ار کی تردید ہوگی، پھر محض اس کے خبر

(۱) التوضیح علی التبیان مع جامعہ الفقہی ۱/ ۳۶۳۔

(۲) التوضیح علی التبیان مع حواشی ۱/ ۳۶۵، المصادر مع حواشی ۱/ ۵۳۔

استدراک ۱۱

متعلق ہو، اور سننے کا ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ وہ خود سن لے اور اس کے قریب والا سن لے۔ حکمی نے کہا ہے: یہ حکم ہر اس عمل میں جاری ہوگا جس کا تعلق بولنے سے ہے، مثلاً ذبیحہ پر بسم اللہ کہنا اور طلاق دینا اور استثناء کرنا وغیرہ، لہذا اگر طلاق دی یا استثناء کیا اور خود نہیں سنا تو اصح یہ ہے کہ درست نہیں، اور بیع وغیرہ کے بارے میں ایک قول یہ ہے کہ مشتری کا سننا شرط ہے (۱)۔

قسم دوم

۱۱- استدراک جو نقص اور کمی کی تلافی کے معنی میں ہو:

استدراک یا تو اس چیز کا ہوگا جس کو انسان عبادت کی مقررہ شرعی شکل میں نقص کے ساتھ ادا کرے، مثلاً کسی نے نماز میں کسی رکعت یا سجدہ کو چھوڑ دیا، یا استدراک اس چیز کا ہوگا جس کی آدمی نے خبر دی ہو پھر اس پر اپنی غلطی ظاہر ہوگئی ہو، یا استدراک اس تصرف میں ہوگا جس کو اس نے کیا پھر ظاہر ہوگیا کہ اس کو دوسری شکل میں انجام دینا زیادہ بہتر ہے، مثلاً کسی نے کوئی چیز فروخت کی اور شرط نہیں لگائی، بعد میں اس کو سمجھ میں آیا کہ اپنی مصلحت کے موافق کوئی شرط لگا دے۔ اس سلسلے میں گفتگو کے دو مباحث ہیں:

اول: استدراک جس کے معنی شرعی طریقہ پر ادا کرنے میں کمی کی تلافی ہے۔

دوم: حقیقت میں کمی کی تلافی ہے، یہ کمی ”اخبار“ کے باب میں حقیقتاً ہو یا دعویٰ کے طور پر ہو، یا یہ کمی ”انشاء“ کے باب میں اس چیز میں ہو جس میں مکلف اپنے لئے مصلحت سمجھتا ہے۔

کے قرار کے لئے تردید نہیں، بلکہ محض سبب کی نفی کے لئے ہے۔

حنفیہ کے نزدیک استخفاف پر وجوہاً محمول کرنے کی مثالوں میں سے ایک یہ ہے: صغیرہ میزہ (نابالغ ذی شعور بچی) نے کفو میں اپنے ولی کی اجازت کے بغیر ایک سومہر پر شادی کر لی، تو ولی نے کہا: میں نکاح کی اجازت نہیں دیتا، لیکن دوسو میں اس کی اجازت دیتا ہوں، حنفیہ کہتے ہیں: نکاح فسخ ہو جائے گا، اور ”لکن“ اور اس کے مابعد کو نیا کلام مان لیا جائے گا، اس لئے کہ جب اس نے کہا: ”لا أجيز النكاح“ تو نکاح اول فسخ ہو گیا، اس لئے کہ نفی کا تعلق اصل نکاح سے ہے، لہذا اس کے بعد اسی نکاح کو دوسومہر پر ثابت کرنا ممکن نہیں، اس لئے کہ یہ نکاح کی نفی اور بعیہ اس کا اثبات ہوگا، معلوم ہوا کہ یہ متسق نہیں، لہذا اس کے قول ”لکن مائتین“ کو نئے کلام پر محمول کیا جائے گا، اس لئے یہ ایک دوسرے نکاح کی اجازت ہوگی، جس میں دوسومہر ہوگا، اگر اس کے بدلے یوں کہتا: ”لا أجيز هذا النكاح بمائة لكن أجيزه بمائتين“ تو اس کا کلام متسق ہوتا، اس لئے کہ اس صورت میں نفی کا تعلق اس کے ایک سو پر ہونے سے ہوتا، اصل نکاح سے نہیں ہوتا، اور استدراک مہر میں ہوتا، اصل نکاح میں نہیں ہوتا، اور اس طرح اس کا قول نکاح کو باطل کرنے کے لئے نہیں ہوتا، اور اس کی وجہ سے نکاح فسخ نہ ہوتا (۱)۔ اور اس مثال میں اتساق کے نہ ہونے کے بارے میں حنفیہ میں اصولیین کے درمیان اختلاف ہے (۲)۔

شرط سوم:

استدراک ایسے لفظ کے ذریعہ ہو جو سنا جاسکے اگر اس سے کوئی حق

(۱) التوضیح لمتن الشیخ مع حواشی ۱/ ۳۶۵، ۳۶۶، تہذیب التحریر ۲/ ۲۰۲۔

(۲) شرح مسلم الشیخ ۱/ ۲۳۸۔

(۱) الدر المختار مع حاشیہ ابن عابدین ۱/ ۵۹۔

اول

استدراک جو شرعی طریقہ پر ادا کرنے میں واقع ہونے والے نقص کی تلافی کے معنی میں ہو:

۱۲- یہ نقص ان عبادات میں ہوتا ہے جن کے طریقے شریعت میں مقرر ہیں، مثلاً وضو و نماز کہ ان میں سے ہر ایک کے کچھ ارکان اور کچھ سنن اور کچھ آداب ہیں، ان کو معین ترتیب کے ساتھ ادا کیا جاتا ہے، پھر مکلف ان میں سے کسی چیز کو اس کی اپنی جگہ پر نہیں کرتا اور ایسا اس سے بلا ارادہ خارجی اسباب کی بنیاد پر ہوتا ہے، جیسا کہ نماز میں مسبوق، نیز بھولنے والا اور مکروہ (جس کو مجبور کیا جائے)، اور بسا اوقات ایسی کسی چیز کو وہ قصداً چھوڑ دیتا ہے، اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ مکلف آدمی کسی کام کو عمداً اس شکل و صورت پر انجام دیتا ہے جو شرعاً مطلوب نہیں ہوتی، یا اس کے ارادہ کے بغیر اس سے کوئی ایسا کام ہو جاتا ہے جو پوری عبادت یا اس کے کسی جز کی صحت سے مانع ہوتا ہے۔

عمل میں پائے جانے والے نقص کی تلافی کے لئے شریعت نے بہت سی صورتوں میں گنجائش رکھی ہے۔

عبادت میں پائے جانے والے نقص کی تلافی کے وسائل:
۱۳- عبادت میں پائے جانے والے نقص کی تلافی کے لئے نقص کے حالات کے اعتبار سے مختلف طریقے ہیں، ان میں سے بعض یہ ہیں:

(۱) قضاء: واجب یا مسنون عبادت کی تلافی شرعی طور پر اس کے لئے مقررہ وقت نکلنے کے بعد قضاء کے ذریعہ ہوتی ہے، خواہ عبادت قصداً چھوٹی ہو یا سہواً، جیسا کہ گذر چکا ہے، خواہ مکلف نے عبادت کو انجام ہی نہ دیا ہو یا اس کو انجام دیا ہو، اور عبادت کسی رکن کے ترک یا صحت کی کسی شرط کے فوت ہونے یا کسی مانع کے پائے جانے کی وجہ سے فاسد ہو گئی ہو۔

قضاء کے ذریعہ مسنون عبادت کی تلافی کے بارے میں فقہاء کے درمیان اختلاف ہے، اس کی تفصیل ”قضاء فوائت“ میں ہے۔

(۲) اعادہ: عبادت کو اس کے وقت کے اندر دوبارہ کرنا ہے، کیونکہ پہلی بار اس کے انجام دینے میں خلل ہو گیا تھا، اعادہ کے ذریعہ تلافی کے مواقع اور اعادہ کے احکام کی معرفت کے لئے دیکھئے: اصطلاح ”اعادہ“۔

(۳) استئناف: کسی سبب کی وجہ سے عبادت کو روک دینے اور اس کو موقوف کرنے کے بعد دوبارہ از سر نو کرنا، اور استئناف کے ذریعہ استدراک کے مواقع کے لئے دیکھئے: ”استئناف“۔

(۴) نذیہ: جیسے اس شخص کے لئے جو بڑھاپے یا دائمی مرض کی وجہ سے روزہ رکھنے کی طاقت نہ رکھتا ہو اس کی طرف سے ہر دن کے عوض ایک مسکین کے کھانے کا نذیہ دینا تا کہ روزہ چھوڑنے والے کی طرف سے تلافی ہو جائے۔ اسی طرح حالت احرام میں بال کتر لینے یا کپڑا پہن لینے کی وجہ سے جو نقص پیدا ہوتا ہے اس کی تلافی روزہ یا صدقہ یا قربانی کے ذریعہ نذیہ دے کر کرنا (دیکھئے: ”احرام“)، اور اسی کے مشابہ حج میں ہدی جبر ہے، اس کی تفصیل (حج) میں ہے۔

(۵) کفارہ: جماع کی وجہ سے فاسد ہو جانے والے روزہ کا مکلف کی طرف سے کفارہ کے ذریعہ استدراک (دیکھئے: ”کفارہ“)۔
(۶) سجود سہو: بعض حالات میں نماز کے اندر ہونے والے نقص کی تلافی اس کے ذریعہ ہوتی ہے (دیکھئے: ”سجود سہو“)۔

(۷) تدارک: عبادت کے کسی جز کو شرعی طور پر اس کے لئے مقررہ موقع کے بعد انجام دینا ہے۔

استدراک کبھی تو مذکورہ بالا میں سے کسی ایک کے ذریعہ ہوتا ہے اور بسا اوقات اس سے زائد کے ذریعہ بھی ہوتا ہے، مثلاً نماز کے کسی

استدراک ۱۴

اس کے میرے ذمہ دس ہیں سوائے تین کے، یا کہے: اس کو دس دے
دو سوائے تین کے، تو ان دونوں مسئلوں میں باقی سات ہوگا۔
یہی حکم ان تمام چیزوں کا ہے جن کی وجہ سے زبان سے کہی گئی
بات کا حکم بدل جاتا ہے جیسے شرط، صفت، غایت، اور تمام تخصیص پیدا
کرنے والے متصل امور۔

شرط کی مثال یہ قول ہے: میں نے تم کو سو دینار بیہ کئے اگر تم
کا میاب ہو گے۔

صفت کی مثال یہ قول ہے: میں نے تم کو اس اونٹ کی قیمت سے
بہی کر دیا جو تمہارے پاس ہلاک ہو گیا۔

اور غایت کی مثال یہ ہے کہ وصی سے کہے: ایک ماہ تک اس کو
روزانہ ایک درہم دو، یہ تمام شخص پیدا کرنے والے امور پورے حکم کو
یا بعض کو بدل دیتے ہیں۔

قرانی نے کہا ہے: قاعدہ یہ ہے کہ ہر ایسا کلام جو مستقل بالذات
نہ ہو، اگر وہ مستقل بالذات کلام سے متصل ہو جائے تو اس کو غیر مستقل
بالذات بنا دے گا، اور اسی طرح صفت، استثناء، شرط اور غایت وغیرہ
ہیں، انہوں نے اسی قبیل سے اقرار کرنے والے کے اس قول کو قرار
دیا ہے: ”اس کا میرے ذمہ ایک ہزار شراب کی قیمت کا ہے“، اور
اس کے بارے میں انہوں نے کہا ہے: اس پر کچھ لازم نہیں ہوگا۔

اس حالت کے حکم میں ممکن ہونے کی قید اس لئے لگائی گئی ہے
تاکہ اقرار کرنے والے کا اس جیسا قول خارج ہو جائے: اس کے
میرے ذمہ دس ہیں سوائے نو کے، کیونکہ اس صورت میں حنابلہ کے
نزدیک اس کے ذمہ دس لازم ہوں گے، اور استثناء کا حکم سابقہ
ہو جائے گا، اس لئے کہ ان کے نزدیک نصف سے زائد کا استثناء جائز
نہیں، اور یہی حکم ان کے نزدیک اس قول کا ہے: ”اس کا میرے ذمہ
ایک ہزار شراب کی قیمت کا ہے“ (۱)، اور تخصیص پیدا کرنے والے

رکن کو چھوڑنے کی صورت میں مکلف اس کا مذاک کرے گا اور سجدہ
سہو کرے گا، اسی طرح اگر حاملہ اور دودھ پلانے والی عورت کو روزہ
رکھنے میں اپنے بچوں کے بارے میں اندیشہ ہو تو ان کے لئے روزہ
چھوڑنے کی اجازت ہے، اور حنابلہ کے یہاں اور مشہور قول کے مطابق
شافعیہ کے نزدیک ان دونوں کے ذمہ قضاء اور نذر یہ لازم ہے (۱)۔

دوم

۱۴- اخبار و انشاء میں ہونے والے نقص کی تلافی:

جو شخص کوئی جملہ خبریہ یا جملہ انشائیہ بولے پھر اس کی سمجھ میں آئے
کہ اس سے گفتگو میں غلطی ہو گئی ہے یا گفتگو کے اندر حقیقت میں نقص
رہ گیا ہے یا اس سے کچھ زیادتی ہو گئی ہے یا اس کو یہ سمجھ میں آئے کہ
اپنے سابقہ کلام کے خلاف کوئی بات کہے تو وہ ایسا کر سکتا ہے، بلکہ
بعض حالات میں ایسا کرنا واجب ہوتا ہے، خاص طور پر جملہ خبریہ
میں، کیونکہ وہ اپنی گفتگو میں آنے والے جھوٹ اور خلاف حق خبر کی
تلافی اسی کے ذریعہ کر سکتا ہے، لیکن اگر کلام اول سے کسی کا کوئی حق
ثابت ہوتا ہو مثلاً کسی نے قسم کھالی یا دوسرے پر بہتان باندھا یا
دوسرے کے لئے اقرار کر لیا تو بعد کے مخالف کلام کے حکم میں تفصیل
ہے، کیونکہ اس کی دو صورتیں ہیں:

پہلی صورت: اول سے متصل ہو، اس کی دو حالتیں ہیں:

پہلی حالت: دوسرا کلام اول سے تخصیص کے کسی طریقہ کے
ذریعہ مربوط ہو، اس صورت میں ان دونوں کا حکم ایک ساتھ ثابت
ہوگا جہاں ممکن ہو، خواہ اس سے رجوع ممکن ہو جیسا کہ وصیت،
یا رجوع ناممکن ہو جیسا کہ اقرار، اور اگر دوسرا کلام استثناء ہو تو مستثنیٰ کا
حکم ثابت ہوگا اور وہ مستثنیٰ منہ کے حکم سے خارج ہوگا، مثلاً کوئی کہے:

(۱) المغنی ۳۹، طبع سوم۔

(۱) کشاف القناع ۶۷/۶۷۔

استدراک ۱۴

امور کے بارے میں اس سلسلہ میں کوئی اختلاف نہیں۔

دوسری حالت: مستقل کلام کے ذریعہ حکم بدل جائے، اس کی مثال مکرر کرنے والے کا یہ قول ہے: ”یہ گھر اس کا ہے اور اس کا یہ کمرہ میرا ہے“، اس صورت میں اس کے مکرر کا اعتبار کیا جائے گا اور دوسرے جملہ میں آنے والی قید پر عمل کیا جائے گا، یہی حنا بلہ کا مذہب ہے، اس لئے کہ واو کے ذریعہ جو معطوف ہوتا ہے وہ معطوف علیہ کے ساتھ ایک جملہ کے حکم میں ہوتا ہے، اس کے برخلاف ابن عقیل کا مختار مذہب یہ ہے کہ قضاء قید پر عمل نہیں ہوگا، اس لئے کہ واو کے ساتھ معطوف مستقل جملہ ہوتا ہے (۱)۔

مالکیہ کے کلام سے یہ سمجھ میں آتا ہے کہ ان کا مذہب حنا بلہ کے مذہب کی طرح ہے (۲)۔

اگر اثبات یا امر میں ”بل“ کے ذریعہ عطف کیا جائے تو صدر الشریعہ نے کہا ہے: ”بل“ ماقبل سے اعراض اور مابعد کے حق میں مدراک کے طور پر اثبات کے لئے ہوتا ہے (۳)، لہذا اگر اس کا استعمال ایسی چیز میں ہو جس میں رجوع کرنا قائل قبول ہو، مثلاً وصیت کرنا، یا تولیہ (ذمہ داری دینا) یا محض خبر دینا، تو پہلا کلام لغو اور دوسرا ثابت ہوگا، مثلاً اگر کہے: ”أوصیت لزيد بألف بل بالفین“ (میں نے زید کے لئے ایک ہزار کی وصیت کی بلکہ دو ہزار کی) تو صرف دو ہزار ثابت ہوں گے، یا امام کہے: ”میں نے فلاں کو فلاں جگہ کا قاضی بنادیا بلکہ فلاں کو قاضی بنادیا، یا کوئی کہے: میں زید کے پاس گیا بلکہ عمرو کے پاس۔“

اگر وہ چیز ایسی ہو جس میں رجوع کرنا قائل قبول ہو جیسے مکرر اور طلاق، تو اول کا حکم ثابت ہوگا اور اس کو باطل کرنا ممکن ہے، لہذا اگر

(۱) القواعد لابن رجب ص ۲۷۰۔

(۲) حاشیۃ الدسوقی ص ۳۱۱۔

(۳) التوضیح ص ۳۶۱۔

مکرر کہے: اس کا میرے ذمہ ایک ہزار درہم ہے بلکہ ایک ہزار کپڑا ہے تو سب (درہم و کپڑے) اس کے ذمہ لازم ہوں گے، اس لئے کہ دونوں الگ الگ جنس کے ہیں، اور اگر کہے: اس کے میرے ذمہ ایک ہزار درہم ہیں بلکہ دو ہزار ہیں، تو دو ہزار ثابت ہوں گے، تفتازانی نے کہا ہے: اس لئے کہ اعداد میں تدارک کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ اولاً جس چیز کا مکرر کیا گیا ہے اس کی انفرادیت کی نفی کی جائے، اصل کی نفی مقصود نہیں ہوتی، تو گویا اس نے پہلے کہا تھا: اس کے میرے ذمہ ایک ہزار ہیں، اس کے ساتھ کچھ اور نہیں، پھر اس نے اس انفرادیت تدارک کر کے اس کو باطل کر دیا۔ اس مسئلہ میں امام زفر کا اختلاف ہے، ان کا کہنا ہے: ”بلکہ تین ہزار ثابت ہوں گے“، حنفیہ کے یہاں اس میں اختلاف نہیں ہے کہ اگر کوئی کہے: تم کو ایک طلاق بلکہ دو طلاقیں، تو اس سے مدخول بہا عورت پر تین طلاقیں پڑ جائیں گی، صاحب مسلم الثبوت اور اس کے شارح نے مسئلہ مکرر اور مسئلہ طلاق کے درمیان فرق کی توجیہ یوں کی ہے کہ مکرر اراصح قول کے مطابق اخبار ہے، لہذا اس سے کچھ ثابت نہ ہوگا، اس لئے وہ اس خبر سے اعراض کر سکتا ہے جس کی اطلاع دی ہے اور اس کے بدلہ دوسری خبر دے سکتا ہے، برخلاف انشاء کے، اس لئے کہ اس سے حکم ثابت ہو جاتا ہے اور اس کے ثبوت کے بعد اس کو یہ اختیار نہیں کہ اس سے اعراض کرے (۱)۔

حنا بلہ کے یہاں طلاق کے مذکورہ بالا مسئلہ میں صرف دو طلاقیں پڑیں گی، اسی طرح مکرر کے مسئلہ میں صرف دو ہزار لازم ہوں گے (۲)۔

دوسری صورت:

دوسرا کلام پہلے کلام کے کچھ وقفہ کے بعد اور الگ ہو، اس کی دو

(۱) التلویح ص ۶۳، دیکھئے شرح مسلم الثبوت ص ۲۳۲۔

(۲) کشاف القناع ص ۶۶، ۶۷، ۸۳۔

استدلال

حالتیں ہیں:

پہلی حالت: ایسے کلام میں ہو جس سے رجوع ناممکن اور ناقابل قبول ہو، مثلاً اتر اور غفور، ایسی صورت میں دوسرا اتر اریا دوسرا اعتقد پہلے سے رجوع کرنا نہیں ہوگا، مثلاً اگر ایک سو درہم کا اتر ار کرے پھر اتنی دیر خاموش رہے جس میں بات کرنا ممکن ہو، پھر کہے: وہ کھولے ہیں، یا کہے: ایک ماہ تک (ادھار ہیں) تو اس کے ذمہ ایک سو عمدہ درہم فی الحال لازم ہوں گے۔

حالت دوم: ایسے کلام میں ہو جس سے رجوع کرنا ممکن ہو جیسے وصیت، اور امام کا کسی ایسے شخص کو عزول کرنا جس کی معزولی یا تقرری وہ کر سکتا ہے، لہذا اگر پہلے کلام سے رجوع کی یا اس کے ساتھ کسی شرط کو لاحق کرنے کی یا حال کے ساتھ مقید کرنے وغیرہ کی صراحت کر دے تو یہ پہلے کلام کے ساتھ ملحق مانا جائے گا اگرچہ یہ ظاہر نہ ہو کہ اس کا مقصد رجوع کرنا ہے، یہ صورت اولہ شرعیہ میں تعارض کے مشابہ ہے، اور یہ حنفیہ کے نزدیک علی الاطلاق تبدیل کرنا ہے، اور اگر عام کے بعد خاص یا اس کے برعکس ہو تو ہر حال میں دوسرے پر عمل ہوگا، اور دوسرے فقہاء کے نزدیک بسا اوقات خاص کو عام پر مقدم کیا جاتا ہے، خواہ خاص مقدم ہو یا مؤخر (۱)۔

استدلال

تعریف:

۱- استدلال کا معنی لغت میں دلیل طلب کرنا ہے (۱)، یہ ”دَلَّہ علی الطريق دلالة“ سے ماخوذ ہے یعنی راستہ بتانا (۲)۔

اصولیین کے عرف میں اس کے کئی استعمال ہیں (۳) جن میں اہم ترین دو ہیں:

اول: علی الاطلاق دلیل کا قائم کرنا ہے یعنی خواہ یہ دلیل نص ہو یا اجماع یا ان کے علاوہ ہو۔

دوم: نص، اجماع اور قیاس کے علاوہ دلیل ہو۔
ایک قول کے مطابق نص، اجماع اور قیاس کے علاوہ دلیل علت ہے، شربنی نے کہا ہے: ”باب استفعال کئی معانی کے لئے آتا ہے، اور میرے نزدیک اس سے مراد یہاں (یعنی اس دوسرے اطلاق میں) بنانا اور اپنانا ہے یعنی یہ اشیاء دلیل بنائی گئی ہیں، رہا کتاب وسنت، اجماع اور قیاس کا معاملہ تو ان کا دلیل ہونا مجتہدین کے عمل یا اجتہاد کا نتیجہ نہیں، اور رہے اصحاب وغیرہ جن کو دلیل مانا جاتا ہے تو یہ ایسی چیز ہے جس کو ہر امام نے اپنے اجتہاد کے تقاضے سے کہا ہے تو کو یا اس نے اس کو دلیل بنالیا ہے“ (۴)۔

(۱) کشاف اصطلاحات الفنون، کلیات ابوالبقاء ۱/ ۲۷ طبع دمشق۔

(۲) تاج المعروس: مادہ (دلی)۔

(۳) کشاف اصطلاحات الفنون ۲/ ۳۹۸، ۳۹۹۔

(۴) جمع الجوامع مع تقریرات الشربنی ۲/ ۳۵۸ طبع الازہر بیروت۔

(۱) القواعد لابن رجب ص ۲۷۰، کشاف القناع ۶/ ۲۷۰۔

استدلال ۲

۲- اس دوسرے اطلاق کے اعتبار سے استدلال کے تحت مندرجہ ذیل دلائل آتے ہیں:

(۱، ۲) قیاس اقرانی اور قیاس استثنائی، یہ دونوں، ”قیاس منطقی“ کی انواع ہیں، قیاس اقرانی کی مثال: ”النبیذ مسکر، وکل مسکر حرام“ (نبیذ نشہ آور ہے اور ہر نشہ آور حرام ہے)، نتیجہ یہ ہوگا کہ: ”النبیذ حرام“ (نبیذ حرام ہے)، اور قیاس استثنائی کی مثال: ”إن كان النبیذ مسکراً فهو حرام لکنه مسکر“ (اگر نبیذ مسکر ہے تو وہ حرام ہے، لیکن وہ مسکر ہے)، نتیجہ یہ ہوگا کہ: ”فهو حرام“ (اس لئے وہ حرام ہے) یا: ”إن كان النبیذ مباحاً فهو لیس بمسکر لکنه مسکر“ (اگر نبیذ مباح ہے تو وہ مسکر نہیں، لیکن وہ مسکر ہے)، نتیجہ یہ ہوگا کہ: ”فهو لیس بمباح“ (اس لئے وہ مباح نہیں)۔

(۳) قیاس عکس: سبکی نے لکھا ہے کہ یہ استدلال کی قبیل سے ہے، قیاس عکس یہ ہے: کسی چیز کے حکم کا عکس اس کے مثل کے لئے ثابت کرنا، کیونکہ ان دونوں کی علت ایک دوسرے کے برعکس ہوتی ہے جیسا کہ مسلم شریف کی حدیث میں ہے: ”وفي بضع أحدكم صدقة قالوا: آياتي أحدنا شهوته وله فيها أجر؟ قال: أرأيتم لو وضعها في حرام أكان عليه فيها وزر؟ فكذلك إذا وضعها في الحلال كان له أجر“^(۱) (کسی آدمی کا شرمگاہ کو استعمال کرنا بھی صدقہ ہے، لوگوں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! ہم میں سے ایک شخص اپنی شہوت پوری کرتا ہے تو کیا اس میں ثواب ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: کیوں نہیں، دیکھو تو اگر اس کو حرام میں صرف کرے تو وبال ہوگا کہ نہیں؟ اسی طرح جب حلال میں صرف کرتا ہے تو ثواب ہوگا)۔

(۴) اور علماء کا قول ہے: دلیل کا تقاضا ہے کہ معاملہ اس طرح نہ

ہو، اس صورت میں اختلاف کیا گیا ہے، یہ بات جب اس صورت میں کہی جائے جبکہ نزاعی صورت میں کوئی پہلو مفقود ہو، نزاعی معاملہ اس اصل پر باقی رہے گا جو دلیل کا تقاضا ہے۔

(۵) دلیل کے نہ پائے جانے کی وجہ سے حکم کا نہ پایا جانا، یعنی باوجود انتہائی جستجو کے مجتہد کو دلیل نہیں ملی، لہذا اس کو دلیل کا نہ ملنا حکم کے نہ ہونے کی دلیل ہے، ”محلی“ میں کہا ہے: اس میں اکثر کا اختلاف ہے۔

(۶) علماء کا قول ہے: سبب پایا گیا اس لئے حکم پایا گیا، یا مانع موجود ہے یا شرط موجود نہیں ہے، اس لئے حکم موجود نہیں ہے، سبکی نے کہا ہے: اس میں اکثر کا اختلاف ہے۔

(۷) استقراء جزئی کے ذریعہ کلی پر استدلال کرنا ہے، سبکی نے کہا ہے: اگر استدلال صورت نزاع کے علاوہ تمام جزئیات کے ساتھ تمام ہو تو یہ اکثر کے نزدیک دلیل قطعی ہے، اور اگر ناقص ہو یعنی اکثر جزئیات کے ساتھ ہو تو یہ دلیل ظنی ہے، اور اس کو فقہاء کے یہاں ”إلحاق الفرد بالأغلب“ (فرد کو اکثر کے ساتھ لاحق کرنا) کہا جاتا ہے۔

(۸) استصحاب جیسا کہ سعد الدین نے اس کی تعریف کی ہے، یہ ہے: کسی ایسے امر کے باقی رہنے کا حکم دینا جو زمانہ اول میں تھا، اور اس کے نہ ہونے کا علم نہ ہو، اس پر تفصیلی بحث ”استصحاب“ کے تحت اور ”اصول ضمیمہ“ میں دیکھی جائے، اور کچھ لوگ کہتے ہیں کہ یہ استدلال نہیں ہے۔

(۹) شرع من قبلنا (شریعت سابقہ)، اس میں کچھ تفصیل ہے، جس کو اصولی ضمیمہ میں دیکھا جائے، کچھ لوگ کہتے ہیں کہ یہ استدلال نہیں ہے۔

ان نواقسام کو سبکی نے جمع الجوامع میں ذکر کیا ہے (۱)۔

(۱) جمع الجوامع وشرح المحلی ۲/۳۲۲-۳۲۵ طبع مصطفیٰ مجلس، جامعہ انتھارانی

(۱) حدیث: ”وفي بضع أحدكم...“ کی روایت مسلم (۲/۲۷۷ طبع عیسیٰ المجلسی) نے حضرت ابو ذر سے کی ہے۔

استدلال ۳-۴، استراق سمع ۱-۲

(۱۰) خفیہ کے یہاں اتحسان کا اضافہ ہے، دوسرے فقہاء نے

بھی اس سے استدلال کیا ہے لیکن وہ اسے دوسرا نام دیتے ہیں۔

(۱۱) مالکیہ کے یہاں ”مصالح مرسلہ“ کا اضافہ ہے، غزالی نے

اس کا نام ”استدلال مرسل“ رکھا ہے (۱) نیز اس کو ”استصلاح“ بھی

کہا ہے، دوسرے فقہاء نے بھی اس سے استدلال کیا ہے۔

(۱۲) استدلال ہی کے تحت ”اصل کے معنی میں قیاس کرنا“ بھی

آتا ہے، جس کو ”تنقیح مناط“ کہتے ہیں۔

(۱۳) مزدوی کی کشف الاسرار میں ہے: استدلال: ذہن کا

موثر سے اثر کی طرف منتقل ہونا ہے، اور ایک قول اس کے برعکس کا

ہے، ایک قول علی الاطلاق کا ہے، اور ایک قول ہے: بلکہ موثر سے اثر

کی طرف منتقل ہونے کو تغلیل کہا جاتا ہے، اور اثر سے موثر کی طرف

منتقل ہونے کو استدلال کہا جاتا ہے (۲)۔

۳- ان میں سے اکثر انوائے تفصیلی بحث ان کی اپنی اصطلاحات

کے تحت ہے، نیز اصولی ضمیمہ دیکھا جائے۔

فقہاء کے کلام میں بحث کے مقامات:

۴- فقہاء کے یہاں استدلال کا ذکر بہت سے مقامات پر ہے، مثلاً

استقبال قبلہ کی بحث میں ہے: ستاروں، ہوا کے رخ اور بنی ہوئی

محرابوں وغیرہ سے قبلہ پر استدلال کرنا۔ اور نماز کے اوقات کی بحث

میں ہے: ستاروں اور سایہ کی مقدار سے دن رات کے اوقات اور

نماز کے مقررہ اوقات پر استدلال کرنا۔ اور دعویٰ و کواسی کی بحث میں

ہے: شہادات قرآن اور فرستادہ وغیرہ سے حق پر استدلال کرنا۔

= علی شریح المصنف المختصر ابن الجوزی ۲/۲۸۰ اور اس کے بعد کے صفحات، مباحث

کردہ جامعۃ المدینۃ لیبیا، الملوحة علی الخوض ۲/۱۰۱، ارشاد المجلد ۱ ص ۲۳۸،

البنانی علی جمع الجوامع ۲/۳۲۸۔

(۱) المستمعی ۲/۳۰۶ طبع بولاق۔

(۲) کشاف اصطلاحات الفنون ۲/۵۸، ۵۹، ۶۰ طبع مکتبہ

استراق سمع

تعریف:

۱- اہل لغت نے کہا ہے: استراق سمع سے مراد خفیہ طور پر سننا ہے، اور

قرطبی نے اپنی تفسیر میں کہا ہے: وہ معمولی جھپٹ ہے (۱)۔

متعلقہ الفاظ:

الف- تجسس:

۲- تجسس: اس کا معنی باطنی امور کی تفتیش کرنا ہے، اور تجسس اور

استراق سمع میں فرق حسب ذیل ہیں:

تجسس معین امور کی تلاش کرنا ہے، جن کو تلاش کرنے والا آدمی

حاصل کرنا چاہتا ہے، جبکہ استراق سمع حاصل ہونے والی معلومات کو

لے اڑنا ہے، نیز تجسس کی بنیاد مطلوبہ معلومات کے حصول کے لئے

صبر و تاخیر پر ہے، جبکہ استراق سمع کی بنیاد جلد بازی پر ہے۔

بعض کی رائے ہے کہ تجسس سے مراد پردے کی چیزوں کو معلوم

کرنا ہے، اور اس کا اکثر استعمال بری چیزوں کے بارے میں ہوتا

ہے (۲)، جبکہ استراق سمع ملنے والے اقوال کو لے اڑنے کا نام ہے،

خواہ خیر ہوں یا شر۔

(۱) لسان العرب، تاج العروس، النہای مفردات الراغب اصفہانی، المصباح مادہ

(مرق)۔

(۲) تفسیر قرطبی ۱۰/۱۰ طبع دار الکتب المصریہ

استراق سمع ۳-۵

ب- تجسس:

۳- تجسس استراق سمع سے عام ہے، فرمان نبوی: ”ولا تجسسوا“ کی تشریح میں ”عون المعبود“ میں ہے: ”لا تطلبوا الشيء بالحاسة“ یعنی حاسہ کے ذریعہ کوئی چیز طلب نہ کرو، جیسے استراق سمع اور قریب قریب یہی چیز مسلم کی شرح نووی، بخاری کی شرح فتح الباری اور عمدۃ القاری میں ہے (۱)۔

شرعی حکم:

۴- دراصل چوری چھپے سننا حرام ہے، زبان رسالت سے اس کی ممانعت آئی ہے فرمان نبوی ہے: ”من استمع إلى حديث قوم وهم له كارهون، أو يفرون منه، صب في أذنيه الآنك يوم القيامة“ ولقوله ﷺ: ”إياكم والظن فإن الظن أكذب الحديث ولا تجسسوا ولا تجسسوا“ (جو لوگوں کی بات پر کان لگائے، حالانکہ وہ اس کو ناپسند کر رہے ہوں یا اس سے بھاگ رہے ہوں، قیامت کے دن اس کے دونوں کانوں میں پگھلایا ہوا سیسہ ڈالا جائے گا، نیز فرمان نبوی ہے: ”بدگمانی سے بچو، کیونکہ بدگمانی سب سے بڑا جھوٹ ہے، کسی کی باتوں پر کان مت لگاؤ، اور ٹوہ میں مت پڑو“ (۲)، نیز اس لئے کہ لوگوں کے ذاتی راز قائل احترام ہوتے ہیں، ماحق ان کی پردہ دری جائز نہیں۔

۵- اس ممانعت سے وہ حالات مستثنیٰ ہیں جن میں تجسس (جس کی

حرمت بمقابلہ استراق سمع زیادہ سخت ہے) جائز ہے، مثلاً جان بچانے کے لئے تجسس یا استراق سمع کے علاوہ کوئی دوسرا راستہ نہ رہے جیسے کسی ثقہ نے خبر دی کہ فلاں ایک شخص کو ناحق قتل کرنے کے لئے تنہائی میں لے گیا تو اس صورت میں تجسس اور استراق سمع جو تجسس سے کم درجہ کی چیز ہے جائز ہے (۱)۔

اسی طرح فساد و بگاڑ بھی اس سے مستثنیٰ ہے یعنی ولی امر معاشرے کی خرابی اور فساد معلوم کرنے کی نیت سے چھپ کر سننے تاکہ اس کی اصلاح کر سکے، لہذا محتسب کے لئے چھپ کر سننا جائز ہے، نیز وہ اپنے جاسوس بھی پھیلایا سکتا ہے جو لوگوں کی خبریں اور ان کے حالات بتائیں، تاکہ ان کے تماشے اور حیلہ بازی کے طریقے کا علم ہو سکے، اور ان کی روشنی میں وہ ان کی بیخ کنی کے طریقے وضع کرے جن کے ذریعہ معاشرہ ان کے ضرر سے پاک ہو جائے، ”نہایۃ الرتبة فی طلب الحسبة“ میں ہے: ”محتسب ایسے اوقات میں جن میں لوگ اس سے غافل ہوں بازاروں اور عام راستوں میں لازمی طور پر جائے اور وہاں اپنے جاسوس مقرر کرے جو اس کے پاس خبریں اور لوگوں کے حالات پہنچائیں“ (۲)، حضرت عمر بن خطابؓ رات کو مدینہ کی سڑکوں پر پہرہ دیتے، چھپ کر باتیں سنتے، مسلمانوں کی خبروں کی جستجو کرتے تاکہ ان کے حالات کا علم ہو، اور حاجت مند کی حاجت روئی کریں، مظلوم سے ظلم کو رفع کریں، اور بگاڑ کا پردہ فاش ہوتا کہ فوری طور پر اس کی اصلاح کریں، اس سلسلہ میں ان کے بے شمار واقعات ہیں (۳)۔

(۱) عمدۃ القاری ۲/۱۳۶۔

(۲) نہایۃ الرتبة فی طلب الحسبة، ص ۱۰، طبع دار الفکر، بیروت و لبنان ۱۳۶۵ھ اور تقریباً قرطبہ میں چیز معالم القربة فی احکام الحسبة، ص ۲۱۹ (طبع دار الفنون، بیروت ۱۹۹۳ء) میں ہے۔

(۳) سیرت عمر بن خطاب لابن الجوزی، ص ۷۱، المعنی ۷/۳۰۱، طبع مکتبۃ الریاض، لخرانجہ، بی یوسف، ص ۱۲۱۔

(۱) حدیث: ”ولا تجسسوا...“ کی روایت بخاری، مسلم، مالک، احمد بن حنبل، ابوداؤد، ترمذی نے حضرت ابومریرہؓ سے کی ہے (فیض القدیر ۳/۱۲۲، طبع التجاریہ ۱۳۵۶ھ)۔

(۲) عون المعبود ۳/۳۳۲، طبع ہندوستان، شرح النووی مع صحیح مسلم ۱۱۹/۱۶، طبع المطبعة المصریہ فتح الباری ۱۰/۳۹۶، طبع البیہ المصریہ عمدۃ القاری ۲/۱۳۶، طبع المیزب

چھپ کر سننے کی سزا:

۶- چونکہ بعض حالات کے علاوہ فی الجملہ چھپ کر سننا ممنوع ہے اور ممنوع کا ارتکاب موجب تعزیر ہے (۱)، اس لئے چھپ کر سننا ان حالات کے علاوہ ہو جن میں اس کی اجازت دی گئی تو چھپ کر سننے والا تعزیر کا مستحق ہے۔

چھپ کر سننے کے تفصیلی احکام کے لئے دیکھئے: اصطلاح (تجسس)، باب الجہاد میں (قتل جاسوس)، اور خطر و باحت میں (احکام انظر)۔

استرجاع

تعریف:

۱- لغت میں استرجاع کا مادہ ”رجع“ ہے، یعنی لوٹ گیا۔

”استرجعت منه الشيء“ دی ہوئی چیز کو واپس لیا۔

”استرجع الرجل عند المصيبة“ یعنی اس نے مصیبت

کے وقت ”إنا لله وإنا إليه راجعون“ پڑھا (۱)۔

فقہاء کے یہاں دو معانی میں استعمال ہے:

الف- بمعنی واپس لیا، اور اسی مفہوم میں ان کا یہ قول ہے: خریدار کو عیب کی وجہ سے بیع کو فسخ کرنے کے بعد حق ہے کہ وہ خرید کردہ شے کو اس وقت تک اپنے پاس روکے رکھے جب تک کہ فروخت کنندہ سے ثمن کو واپس نہ لے لے (۲)، نیز ان کا یہ قول ہے: فروخت شدہ سامان یا وہ سامان جس کو ثمن بنایا گیا ہو اس کے عیب کا علم اگر اس شخص کو ہو جائے جس کے پاس وہ عقد کے بعد پہنچ گیا ہے تو اس کو اختیار ہے کہ بیع فسخ کر دے، اور جس کے قبضہ میں وہ سامان یا ثمن ہے تو اس سے اس کو واپس لے لے اگر باقی ہو، اور اگر اس کا لوٹنا مشکل ہو تو اس کا بدلہ حاصل کر لے (۳) (دیکھئے: استرداد)۔

ب- مصیبت کے وقت ”إنا لله وإنا إليه راجعون“ کہنے

(۱) لسان العرب: مادہ (رجع)۔

(۲) معنی المحتاج ۵۶۲۔

(۳) کشاف القناع ۲۳/۲۲۷۔



(۱) حاشیہ ابن عابدین ۳/۷۷ طبع اول بلاق۔

استرجاع ۲-۴

کے معنی میں، اس سے متعلق کلام کی تفصیل حسب ذیل ہے:

مصیبت کے وقت کب استرجاع شروع ہے اور کب نہیں؟
 ۲۔ ہر چھوٹی بڑی مصیبت میں ابتلاء کے وقت ”استرجاع“ شروع ہے، اور اس کی دلیل فرمان باری ہے: ”وَلْيَبْلُوَنَّكُمْ بَشِيءٌ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْأَمْوَالِ وَالْأَنْفُسِ وَالثَّمَرَاتِ وَبَشِّرِ الصَّابِرِينَ الَّذِينَ إِذَا أَصَابَتْهُمُ مُصِيبَةٌ قَالُوا إِنَّا لِلَّهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاْجِعُونَ أُولَئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوَاتٌ مِّن رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ وَأُولَئِكَ هُمُ الْمُفْتَخِرُونَ“ (۱) (اور ہم تمہاری آزمائش کر کے رہیں گے کچھ خوف اور بھوک سے اور مال اور جان اور پھلوں کے کچھ نقصان سے اور صبر کرنے والوں کو خوشخبری سنا دیجئے کہ جب ان پر کوئی مصیبت آپڑتی ہے تو وہ کہتے ہیں کہ بے شک ہم اللہ ہی کے لئے ہیں اور بے شک ہم اسی کی طرف واپس ہونے والے ہیں، یہ لوگ وہ ہیں کہ ان پر نوازشیں ہوں گی ان کے پروردگار کی طرف سے اور رحمت اور یہی لوگ راہیاب ہیں)۔ انسان کے لئے ہر ایذا رساں اور نقصان وہ چیز کے وقت استرجاع اس لئے مشروع ہے کہ مروی ہے کہ: ”أَنَّهُ طَفِيَءٌ سَرَّاجٌ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ فَقَالَ: إِنَّا لِلَّهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاْجِعُونَ فَقِيلَ: أَمْصِيبَةٌ هِيَ؟ قَالَ: نَعَمْ، كُلُّ شَيْءٍ يُوْذِي الْمُؤْمِنَ فَهُوَ لَهُ مُصِيبَةٌ“ (۲) (رسول اللہ ﷺ کا چہرہ آگ لگ ہو گیا تو آپ نے انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھا، عرض کیا گیا: کیا یہ مصیبت ہے؟ آپ نے فرمایا: ہاں، جس چیز سے مسلمان کو تکلیف پہنچے وہ اس کے لئے مصیبت ہے)، نیز فرمان نبوی ہے:

(۱) سورہ بقرہ ۱۵۵-۱۵۷۔

(۲) حدیث: ”کُلُّ شَيْءٍ...“ کی روایت عہد بن حمید اور ابن ابی الدنیا نے تعزہت کے باب میں مکرّم سے کی ہے دیکھئے الدر المنثور (۱/۱۵۷ طبع المبنیہ)۔

”لیسترجع أحدکم فی کل شیء، حتی فی شسع نعلہ، فإنہا من المصائب“ (۱) (تم میں سے ہر شخص ہر چیز میں استرجاع کرے یہاں تک کہ جوتے کے تسمہ کے ٹوٹنے میں بھی، اس لئے کہ وہ بھی ایک مصیبت ہے)۔ اس کے علاوہ اور بہت سی احادیث نبویہ ہیں۔

۳۔ مصائب کے وقت استرجاع کی حکمت اللہ کی بندگی اور وحدانیت کا اقرار، آخرت کی تصدیق، اللہ کی طرف رجوع، اس کے فیصلہ سے رضامندی اور اس کے ثواب کی امید رکھنا ہے (۲)، اور اسی لئے رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: ”مَنْ اسْتَرْجَعَ عِنْدَ الْمُصِيبَةِ جَبَرَ اللَّهُ مُصِيبَتَهُ، وَأَحْسَنَ عَقْبَاهُ وَجَعَلَ لَهُ خَلْفًا صَالِحًا يَرْضَاهُ“ (۳) (جس نے مصیبت کے وقت استرجاع کیا، اللہ تعالیٰ اس کی مصیبت کی تلافی کرے گا، اور اس کی عاقبت بنا دے گا، اور اس کے لئے پسندیدہ اور بہترین بدل مقرر کرے گا)۔

۴۔ استرجاع کب جائز نہیں؟ یہ معلوم ہے کہ استرجاع قرآن کی آیت کا ایک ٹکڑا ہے، اور ناپاک کے لئے قرآن کے کسی حصہ کی تلاوت، خواہ آیت کا ٹکڑا ہی ہو، حرام ہے۔ فقہاء نے اپنی کتابوں میں لکھا ہے: جنبی اور حیض یا نفاس والی عورت کے لئے قرآن کے کسی

(۱) حدیث: ”لِیَسْتَرْجِعَ أَحَدُكُمْ...“ کی روایت ابن اسحاق (عمل الیوم والمیلادہ ص ۵۵ طبع المعارف ایشانیہ) نے حضرت ابو ہریرہ سے کی ہے اور اس کی سند ضعیف ہے البتہ ابو ہریرہ کی خولانی کی مرسل روایت جس کے رجال صحیح کے روایت ہیں اس کے لئے مؤید ہے (الفتوحات الربانیہ ۲۸/۲۸ طبع المنیر لا زمیریہ)۔

(۲) الفتاویٰ لابن حجر ۲/۲۰، المجموع شرح المہرب ۵/۱۲۷، المغنی ۲/۲۰۹، تفسیر نیشاپوری بر حاشیہ طبری ۲/۶۰۔

(۳) حدیث: ”مَنْ اسْتَرْجَعَ...“ کی روایت طبرانی نے کی ہے اور بیہقی نے مجمع الزوائد میں کہا ہے اس میں علی بن ابی طلحہ ہیں جو ضعیف ہیں (۲/۳۳۱ طبع القدی)۔

استرجاع ۵، استرداد ۱-۳

حصہ کی اگرچہ تھوڑا ہو یہاں تک کہ آیت کے نکلنے کی بھی تلاوت کرنا حرام ہے، اور اگر فقہ یا کسی اور موضوع کی کتاب پڑھ رہا ہو جس میں آیت سے استدلال کیا گیا ہو تو اس کے لئے آیت کا پڑھنا حرام ہے، اس لئے کہ استدلال کے لئے قرآن مقصود بالذات ہے، اور اگر قصد قرآن پڑھنے کا نہ ہو تو کوئی حرج نہیں، اس لئے کہ فقہاء نے کہا ہے: جنبی اور حیض و نفاس والی عورت مصیبت کے وقت ”إنا لله وإنا إليه راجعون“ پڑھ سکتے ہیں اگر قرآن پڑھنا مقصود نہ ہو“ (۱)۔

استرداد

تعریف:

- ۱- استرداد کا معنی لغت میں واپسی کا مطالبہ کرنا ہے، کہا جاتا ہے: ”استرد الشيء وارتدله“ اس نے اس شے کی واپسی کا مطالبہ کیا۔ اور کہا جاتا ہے: ”وہب هبة ثم ارتدلهما“ (بہہ کیا پھر اس کو واپس کر لیا) اور کہا جاتا ہے: ”استردده الشيء“ اس سے واپس کرنے کی درخواست کی (۱)۔
- فقہی استعمال لغوی استعمال سے الگ نہیں (۲)۔

متعلقہ الفاظ:

الف- رد:

- ۲- رد کسی چیز کو پھیرنا اور لوٹانا ہے، اس لئے رو بسا اوقات استرداد کا اثر ہوتا ہے، اور کبھی استرداد کے بغیر رد ہوتا ہے۔

ب- ارتجاع، استرجاع:

- ۳- کہا جاتا ہے: ”رجع فی ہبته“ بہہ کو اپنی ملکیت میں واپس لے لیا، ارتجاع اور استرجاع بھی اسی معنی میں ہیں، کہا جاتا ہے: ”استرجعت منه الشيء“ میں نے اس سے اپنی دی ہوئی چیز

استرجاع کا شرعی حکم:

- ۵- فقہاء لکھتے ہیں کہ استرجاع دو امور پر مشتمل ہے:

- الف- زبان سے کہنا یعنی مصیبت کے وقت ”إنا لله وإنا إليه راجعون“ کہے یہ مستحب ہے۔
- ب- دل کا عمل، یعنی اللہ کے حوالے کرنا، نیز صبر اور توکل وغیرہ، اور یہ واجب ہے (۲)۔

(۱) المجموع شرح المہرب ۲/ ۱۶۳، الانصاف للرداوی ۱/ ۲۳۳، البحر الرائق

۲/ ۲۱۰۔

(۲) فتح القروۃ لابن سلیمان المقدسی ۱/ ۶۹۳، تفسیر نیشاپوری ۲/ ۶۱۔

(۱) لسان العرب: مادہ (رد)۔

(۲) منتہی الارادات ۲/ ۳۰ طبع دار الفکر، معنی المحتاج ۲/ ۹۹ طبع مصطفیٰ لکھنؤ،

بدائع الصنائع ۵/ ۳۰۲ طبع جمالیہ۔

استروا و ۴-۵

واپس لے لی۔

اس سے معلوم ہوا کہ لغت اور اصطلاح میں استرواء، ارتجاع اور استرجاع، ایک ہی معنی میں ہیں (۱)۔

استرداد کا شرعی حکم:

۴- استر واد جائز تصرفات میں سے ہے، اور کبھی واجب ہو جاتا ہے مثلاً بیوع فاسدہ میں جہاں فسخ واجب ہوتا ہے، اگر سامان موجود ہو تو بعینہ واپس کیا جائے گا، اور اگر ضائع ہو چکا ہو تو اس کی قیمت خواہ کتنی ہی ہو بائع کو واپس کی جائے گی اور ثمن مشتری کو واپس کیا جائے گا، یہ حکم فی الجملہ ہے ورنہ کچھ اختلاف ہے، تفصیل کے لئے دیکھئے: اصطلاح (فساد، بطلان) اس لئے کہ فسخ کرنا شریعت کا حق ہے۔

کبھی واپس مانگنا حرام ہوتا ہے، مثلاً کسی نے صدقہ نکالا تو اس کے لئے اس کا واپس مانگنا حرام ہے، اس لئے کہ حضرت عمرؓ نے فرمایا: ”جس نے صدقہ کے طور پر بھجوا دیا، وہ اس کو واپس نہیں لے گا“، نیز اس لئے کہ مقصد ثواب تھا جو حاصل ہو چکا ہے (۲)۔

حق استرواد کے اسباب:

استرواد کے مختلف اسباب ہیں، مثلاً: استحقاق، غیر لازم تصرفات، عقد کافس اور غیرہ، اس کی تفصیل یہ ہے:

اول- استحقاق:

۵۔ استحقاق (عام معنی کے اعتبار سے) یہ ہے کہ کسی چیز کے بارے

(١) لسان العرب، المصباح المير، مادة (ر)، نكتة الإشارات ٣/ ٥٢٧، مغني المحتاج ٣/ ٣١٩، المغني ٥/ ٦٦٦ طبع الرياض.

(٢) الكافي ٣/ ٨٣٠، ١٠٨، طبع الرياض، البدر ٥/ ٢٩٩، ٥٣٠، ٦/ ٢١٦، طبع
الجمالية، القواعد لابن رجب ٥٣، المقدمات للمهدات ٢/ ٢١٦، المغني

میں یہ ظاہر ہو جائے کہ یہ دوسرے کا واجب حق ہے، اس تعریف میں غصب اور چوری داخل ہیں، لہذا جس شخص سے سامان کو غصب کیا گیا ہے یا جس شخص کا سامان چوری کیا گیا ہے ان کو واپسی کے مطالبہ کا حق ہے، اور غصب کرنے والے اور چوری کرنے والے پر غصب کردہ سامان اور چوری کے سامان کو اس کے مالک کے حوالے کرنا واجب ہے، اس لئے کہ فرمان نبوی ہے: ”علی الیہ ما اخذت حتی تؤدیہ“ (۱) (جس کے ہاتھ میں کوئی چیز آگئی وہ اس کا ذمہ دار ہے یہاں تک کہ اس کو ادا کر دے)۔

اور اس تعریف میں مشتری کے پاس بیع میں استحقاق کا نکل آنا یا موہوبہ کے پاس فی موہوب میں استحقاق کا نکل آنا بھی داخل ہے، چنانچہ اس عقد کو فتح کرنا اور (بیع یا موہوبہ اس کے مالک کو) واپس کرنا واجب ہے، یہ قول شافعیہ و حنابلہ کا ہے، اس لئے کہ صحیح قول کے مطابق ان کے یہاں عقد فاسد ہے جب کہ حنفیہ و مالکیہ کے نزدیک مالک کی اجازت پر عقد موقوف ہوگا، اور شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک صحیح کے بالمقابل ایک قول موقوف ہونے کا بھی ہے۔

جب بیع فسخ ہو جائے گی تو خریدار کو فی الجملہ ثمن کے واپس مانگنے کا حق ہے، البتہ اتحقاق بینہ کے ذریعہ ہو یا تہرار کے ذریعہ اس میں کچھ تفصیل ہے، اس کی تفصیل اصطلاح (اتحقاق) میں دیکھی جائے (۲)۔

(۱) حدیث: ”علی البدن...“ کی روایت ابن ماجہ (۲/۸۰۲ طبع عیسیٰ الجلی) و رزندی (تحفۃ الاحوذی ۲/۸۲، شائع کردہ استغنیہ) نے کی ہے ابن حجر نے اس میں علت بتائی ہے کہ راوی حدیث سمرہ سے حسن کے سامع کے بارے میں اختلاف ہے (تفہیم الخیر ۲/۵۳ طبع اشرفیہ النبیہ)۔

(۲) ابن ماجہ میں ۵/۱۱۸، ۱۱۹، ۱۲۰ اور اس کے بعد کے صفحات، البدائع ۷/۸۳، ۸۴، الفتاویٰ الہندیہ ۳/۱۶۵، منہج الجلیل ۳/۵۱۵، ۵۲۳، الدرر النوری ۳/۶۱، الاطاب ۵/۲۹۶، مفتی المحتاج ۲/۶۲ اور اس کے بعد

دوم - غیر لازم تصرفات :

غیر لازم تصرفات مختلف انواع کے ہیں، مثلاً :

۶- الف - عقود غیر لازمہ : وہ عقود جن میں اصل کے اعتبار سے یہ صلاحیت ہے کہ عاقدین میں سے کوئی رجوع کر لے، مثلاً ودیعت، عاریت، مضاربہ، شرکت اور وکالت، یہ عقود غیر لازم ہیں، اور ان میں فی الجملہ رجوع کرنا جائز ہے، ان کے فسخ ہونے پر مالک کو واپس مانگنے کا حق ہوگا اور مطالبہ پر لوٹنا واجب ہوگا، اس لئے کہ یہ امانتیں ہیں جن کا لوٹنا واجب ہے، کیونکہ فرمان باری ہے: "إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تُؤَدُّوا الْأَمَانَاتِ إِلَىٰ أَهْلِهَا" (۱) (اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ امانتیں ان کے اہل کو ادا کرو)۔ اور اسی وجہ سے اگر مطالبہ کے بعد ان کو روک لے اور ضائع ہو جائیں تو ضامن ہوگا، اور اگر اس کی طرف سے بغیر تعدی یا کوتاہی کے ہلاک ہو جائیں تو ضامن نہیں۔

یہ احکام فی الجملہ متفق علیہ ہیں، اگر شرعی طور پر معتبر تمام شرائط موجود ہوں مثلاً مضاربہ میں رأس المال نقد ہو جائے۔

اگر واپس مانگنے میں ضرر ہو تو ضرر کے زوال تک وہ موقوف ہوگا، مثلاً زمین کاشت کے لئے عاریت پر لی گئی ہو اور عاریت پر دینے والا واپس لینا چاہے تو بھی حق کی کٹائی تک واپسی کا مطالبہ موقوف رہے گا۔

کسی عمل یا مدت کے ساتھ مقید عاریت کا سامان مالکیہ کے نزدیک واپس نہیں لیا جائے گا تا آنکہ وہ مدت پوری ہو جائے یا کام ختم ہو جائے (۲)۔

ان تصرفات میں واپس مانگنے کا یہ حکم فی الجملہ ہے، اس میں بہت کچھ تفصیلات ہیں جو اپنے اپنے موضوعات میں ملیں گی۔

۷- ب - وہ عقود جن میں خیاریہ ہے: مثلاً خیاریہ شرط، خیاریہ وغیرہ، بہت ہیں، جن میں اہم ترین بیع اور اجارہ ہیں۔

بیع میں خیاریہ شرط کی مدت کے دوران عقد لازم نہیں اور جس کو خیاریہ حاصل ہے، اس کو فسخ کرنے اور لوٹنے کا حق ہے، بدائع الصنائع میں ہے: خیاریہ شرط کے ساتھ بیع کرنا غیر لازم بیع ہے، اس لئے کہ خیاریہ عقد کے لزوم سے مانع ہوتا ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے: بیع یا تو عقد ہے یا خیاریہ ہے۔ نیز اس لئے کہ خیاریہ یا اجازت دینے کا اختیار دینا ہے، اور یہ لزوم سے مانع ہوتا ہے، بقیہ مذاہب میں بھی یہی حکم کچھ تفصیلات کے ساتھ ہے (۱)۔

اسی طرح خیاریہ عقد کو غیر لازم اور فسخ کے قابل بنا دیتا ہے، لہذا جب خریدار بیع کو خیاریہ کے ذریعہ توڑ دے تو عقد فسخ ہو جائے گا، اور خریدار بیع کو عیب کی حالت کے ساتھ فروخت کنندہ کو واپس کر دے گا اور ثمن واپس مانگے گا۔

اور اس میں فقہاء کا اختلاف ہے کہ کیا مشتری کو حق ہے کہ عیب دار بیع کو اپنے پاس روک لے اور اس میں پائے جانے والے عیب کا تاوان بائع سے وصول کرے۔ چنانچہ حنفیہ وشافعیہ اس کو یہ حق نہیں دیتے، بلکہ اس کو صرف یہ حق ہے کہ وہ سامان کو واپس کرے اور ثمن واپس مانگے یا عیب دار سامان کو اپنے پاس رکھے اور نقصان کا

= کے صفحات، الاشباہ والنظائر ص ۲۳۲، منشی الارادات ۲/ ۳۷۴، ۳۷۵، ۳۷۶، ۳۷۷، ۳۷۸، ۳۷۹، ۳۸۰، ۳۸۱، ۳۸۲، ۳۸۳، ۳۸۴، ۳۸۵، ۳۸۶، ۳۸۷، ۳۸۸، ۳۸۹، ۳۹۰، ۳۹۱، ۳۹۲، ۳۹۳، ۳۹۴، ۳۹۵، ۳۹۶، ۳۹۷، ۳۹۸، ۳۹۹، ۴۰۰، ۴۰۱، ۴۰۲، ۴۰۳، ۴۰۴، ۴۰۵، ۴۰۶، ۴۰۷، ۴۰۸، ۴۰۹، ۴۱۰، ۴۱۱، ۴۱۲، ۴۱۳، ۴۱۴، ۴۱۵، ۴۱۶، ۴۱۷، ۴۱۸، ۴۱۹، ۴۲۰، ۴۲۱، ۴۲۲، ۴۲۳، ۴۲۴، ۴۲۵، ۴۲۶، ۴۲۷، ۴۲۸، ۴۲۹، ۴۳۰، ۴۳۱، ۴۳۲، ۴۳۳، ۴۳۴، ۴۳۵، ۴۳۶، ۴۳۷، ۴۳۸، ۴۳۹، ۴۴۰، ۴۴۱، ۴۴۲، ۴۴۳، ۴۴۴، ۴۴۵، ۴۴۶، ۴۴۷، ۴۴۸، ۴۴۹، ۴۵۰، ۴۵۱، ۴۵۲، ۴۵۳، ۴۵۴، ۴۵۵، ۴۵۶، ۴۵۷، ۴۵۸، ۴۵۹، ۴۶۰، ۴۶۱، ۴۶۲، ۴۶۳، ۴۶۴، ۴۶۵، ۴۶۶، ۴۶۷، ۴۶۸، ۴۶۹، ۴۷۰، ۴۷۱، ۴۷۲، ۴۷۳، ۴۷۴، ۴۷۵، ۴۷۶، ۴۷۷، ۴۷۸، ۴۷۹، ۴۸۰، ۴۸۱، ۴۸۲، ۴۸۳، ۴۸۴، ۴۸۵، ۴۸۶، ۴۸۷، ۴۸۸، ۴۸۹، ۴۹۰، ۴۹۱، ۴۹۲، ۴۹۳، ۴۹۴، ۴۹۵، ۴۹۶، ۴۹۷، ۴۹۸، ۴۹۹، ۵۰۰، ۵۰۱، ۵۰۲، ۵۰۳، ۵۰۴، ۵۰۵، ۵۰۶، ۵۰۷، ۵۰۸، ۵۰۹، ۵۱۰، ۵۱۱، ۵۱۲، ۵۱۳، ۵۱۴، ۵۱۵، ۵۱۶، ۵۱۷، ۵۱۸، ۵۱۹، ۵۲۰، ۵۲۱، ۵۲۲، ۵۲۳، ۵۲۴، ۵۲۵، ۵۲۶، ۵۲۷، ۵۲۸، ۵۲۹، ۵۳۰، ۵۳۱، ۵۳۲، ۵۳۳، ۵۳۴، ۵۳۵، ۵۳۶، ۵۳۷، ۵۳۸، ۵۳۹، ۵۴۰، ۵۴۱، ۵۴۲، ۵۴۳، ۵۴۴، ۵۴۵، ۵۴۶، ۵۴۷، ۵۴۸، ۵۴۹، ۵۵۰، ۵۵۱، ۵۵۲، ۵۵۳، ۵۵۴، ۵۵۵، ۵۵۶، ۵۵۷، ۵۵۸، ۵۵۹، ۵۶۰، ۵۶۱، ۵۶۲، ۵۶۳، ۵۶۴، ۵۶۵، ۵۶۶، ۵۶۷، ۵۶۸، ۵۶۹، ۵۷۰، ۵۷۱، ۵۷۲، ۵۷۳، ۵۷۴، ۵۷۵، ۵۷۶، ۵۷۷، ۵۷۸، ۵۷۹، ۵۸۰، ۵۸۱، ۵۸۲، ۵۸۳، ۵۸۴، ۵۸۵، ۵۸۶، ۵۸۷، ۵۸۸، ۵۸۹، ۵۹۰، ۵۹۱، ۵۹۲، ۵۹۳، ۵۹۴، ۵۹۵، ۵۹۶، ۵۹۷، ۵۹۸، ۵۹۹، ۶۰۰، ۶۰۱، ۶۰۲، ۶۰۳، ۶۰۴، ۶۰۵، ۶۰۶، ۶۰۷، ۶۰۸، ۶۰۹، ۶۱۰، ۶۱۱، ۶۱۲، ۶۱۳، ۶۱۴، ۶۱۵، ۶۱۶، ۶۱۷، ۶۱۸، ۶۱۹، ۶۲۰، ۶۲۱، ۶۲۲، ۶۲۳، ۶۲۴، ۶۲۵، ۶۲۶، ۶۲۷، ۶۲۸، ۶۲۹، ۶۳۰، ۶۳۱، ۶۳۲، ۶۳۳، ۶۳۴، ۶۳۵، ۶۳۶، ۶۳۷، ۶۳۸، ۶۳۹، ۶۴۰، ۶۴۱، ۶۴۲، ۶۴۳، ۶۴۴، ۶۴۵، ۶۴۶، ۶۴۷، ۶۴۸، ۶۴۹، ۶۵۰، ۶۵۱، ۶۵۲، ۶۵۳، ۶۵۴، ۶۵۵، ۶۵۶، ۶۵۷، ۶۵۸، ۶۵۹، ۶۶۰، ۶۶۱، ۶۶۲، ۶۶۳، ۶۶۴، ۶۶۵، ۶۶۶، ۶۶۷، ۶۶۸، ۶۶۹، ۶۷۰، ۶۷۱، ۶۷۲، ۶۷۳، ۶۷۴، ۶۷۵، ۶۷۶، ۶۷۷، ۶۷۸، ۶۷۹، ۶۸۰، ۶۸۱، ۶۸۲، ۶۸۳، ۶۸۴، ۶۸۵، ۶۸۶، ۶۸۷، ۶۸۸، ۶۸۹، ۶۹۰، ۶۹۱، ۶۹۲، ۶۹۳، ۶۹۴، ۶۹۵، ۶۹۶، ۶۹۷، ۶۹۸، ۶۹۹، ۷۰۰، ۷۰۱، ۷۰۲، ۷۰۳، ۷۰۴، ۷۰۵، ۷۰۶، ۷۰۷، ۷۰۸، ۷۰۹، ۷۱۰، ۷۱۱، ۷۱۲، ۷۱۳، ۷۱۴، ۷۱۵، ۷۱۶، ۷۱۷، ۷۱۸، ۷۱۹، ۷۲۰، ۷۲۱، ۷۲۲، ۷۲۳، ۷۲۴، ۷۲۵، ۷۲۶، ۷۲۷، ۷۲۸، ۷۲۹، ۷۳۰، ۷۳۱، ۷۳۲، ۷۳۳، ۷۳۴، ۷۳۵، ۷۳۶، ۷۳۷، ۷۳۸، ۷۳۹، ۷۴۰، ۷۴۱، ۷۴۲، ۷۴۳، ۷۴۴، ۷۴۵، ۷۴۶، ۷۴۷، ۷۴۸، ۷۴۹، ۷۵۰، ۷۵۱، ۷۵۲، ۷۵۳، ۷۵۴، ۷۵۵، ۷۵۶، ۷۵۷، ۷۵۸، ۷۵۹، ۷۶۰، ۷۶۱، ۷۶۲، ۷۶۳، ۷۶۴، ۷۶۵، ۷۶۶، ۷۶۷، ۷۶۸، ۷۶۹، ۷۷۰، ۷۷۱، ۷۷۲، ۷۷۳، ۷۷۴، ۷۷۵، ۷۷۶، ۷۷۷، ۷۷۸، ۷۷۹، ۷۸۰، ۷۸۱، ۷۸۲، ۷۸۳، ۷۸۴، ۷۸۵، ۷۸۶، ۷۸۷، ۷۸۸، ۷۸۹، ۷۹۰، ۷۹۱، ۷۹۲، ۷۹۳، ۷۹۴، ۷۹۵، ۷۹۶، ۷۹۷، ۷۹۸، ۷۹۹، ۸۰۰، ۸۰۱، ۸۰۲، ۸۰۳، ۸۰۴، ۸۰۵، ۸۰۶، ۸۰۷، ۸۰۸، ۸۰۹، ۸۱۰، ۸۱۱، ۸۱۲، ۸۱۳، ۸۱۴، ۸۱۵، ۸۱۶، ۸۱۷، ۸۱۸، ۸۱۹، ۸۲۰، ۸۲۱، ۸۲۲، ۸۲۳، ۸۲۴، ۸۲۵، ۸۲۶، ۸۲۷، ۸۲۸، ۸۲۹، ۸۳۰، ۸۳۱، ۸۳۲، ۸۳۳، ۸۳۴، ۸۳۵، ۸۳۶، ۸۳۷، ۸۳۸، ۸۳۹، ۸۴۰، ۸۴۱، ۸۴۲، ۸۴۳، ۸۴۴، ۸۴۵، ۸۴۶، ۸۴۷، ۸۴۸، ۸۴۹، ۸۵۰، ۸۵۱، ۸۵۲، ۸۵۳، ۸۵۴، ۸۵۵، ۸۵۶، ۸۵۷، ۸۵۸، ۸۵۹، ۸۶۰، ۸۶۱، ۸۶۲، ۸۶۳، ۸۶۴، ۸۶۵، ۸۶۶، ۸۶۷، ۸۶۸، ۸۶۹، ۸۷۰، ۸۷۱، ۸۷۲، ۸۷۳، ۸۷۴، ۸۷۵، ۸۷۶، ۸۷۷، ۸۷۸، ۸۷۹، ۸۸۰، ۸۸۱، ۸۸۲، ۸۸۳، ۸۸۴، ۸۸۵، ۸۸۶، ۸۸۷، ۸۸۸، ۸۸۹، ۸۹۰، ۸۹۱، ۸۹۲، ۸۹۳، ۸۹۴، ۸۹۵، ۸۹۶، ۸۹۷، ۸۹۸، ۸۹۹، ۹۰۰، ۹۰۱، ۹۰۲، ۹۰۳، ۹۰۴، ۹۰۵، ۹۰۶، ۹۰۷، ۹۰۸، ۹۰۹، ۹۱۰، ۹۱۱، ۹۱۲، ۹۱۳، ۹۱۴، ۹۱۵، ۹۱۶، ۹۱۷، ۹۱۸، ۹۱۹، ۹۲۰، ۹۲۱، ۹۲۲، ۹۲۳، ۹۲۴، ۹۲۵، ۹۲۶، ۹۲۷، ۹۲۸، ۹۲۹، ۹۳۰، ۹۳۱، ۹۳۲، ۹۳۳، ۹۳۴، ۹۳۵، ۹۳۶، ۹۳۷، ۹۳۸، ۹۳۹، ۹۴۰، ۹۴۱، ۹۴۲، ۹۴۳، ۹۴۴، ۹۴۵، ۹۴۶، ۹۴۷، ۹۴۸، ۹۴۹، ۹۵۰، ۹۵۱، ۹۵۲، ۹۵۳، ۹۵۴، ۹۵۵، ۹۵۶، ۹۵۷، ۹۵۸، ۹۵۹، ۹۶۰، ۹۶۱، ۹۶۲، ۹۶۳، ۹۶۴، ۹۶۵، ۹۶۶، ۹۶۷، ۹۶۸، ۹۶۹، ۹۷۰، ۹۷۱، ۹۷۲، ۹۷۳، ۹۷۴، ۹۷۵، ۹۷۶، ۹۷۷، ۹۷۸، ۹۷۹، ۹۸۰، ۹۸۱، ۹۸۲، ۹۸۳، ۹۸۴، ۹۸۵، ۹۸۶، ۹۸۷، ۹۸۸، ۹۸۹، ۹۹۰، ۹۹۱، ۹۹۲، ۹۹۳، ۹۹۴، ۹۹۵، ۹۹۶، ۹۹۷، ۹۹۸، ۹۹۹، ۱۰۰۰، ۱۰۰۱، ۱۰۰۲، ۱۰۰۳، ۱۰۰۴، ۱۰۰۵، ۱۰۰۶، ۱۰۰۷، ۱۰۰۸، ۱۰۰۹، ۱۰۱۰، ۱۰۱۱، ۱۰۱۲، ۱۰۱۳، ۱۰۱۴، ۱۰۱۵، ۱۰۱۶، ۱۰۱۷، ۱۰۱۸، ۱۰۱۹، ۱۰۲۰، ۱۰۲۱، ۱۰۲۲، ۱۰۲۳، ۱۰۲۴، ۱۰۲۵، ۱۰۲۶، ۱۰۲۷، ۱۰۲۸، ۱۰۲۹، ۱۰۳۰، ۱۰۳۱، ۱۰۳۲، ۱۰۳۳، ۱۰۳۴، ۱۰۳۵، ۱۰۳۶، ۱۰۳۷، ۱۰۳۸، ۱۰۳۹، ۱۰۴۰، ۱۰۴۱، ۱۰۴۲، ۱۰۴۳، ۱۰۴۴، ۱۰۴۵، ۱۰۴۶، ۱۰۴۷، ۱۰۴۸، ۱۰۴۹، ۱۰۵۰، ۱۰۵۱، ۱۰۵۲، ۱۰۵۳، ۱۰۵۴، ۱۰۵۵، ۱۰۵۶، ۱۰۵۷، ۱۰۵۸، ۱۰۵۹، ۱۰۶۰، ۱۰۶۱، ۱۰۶۲، ۱۰۶۳، ۱۰۶۴، ۱۰۶۵، ۱۰۶۶، ۱۰۶۷، ۱۰۶۸، ۱۰۶۹، ۱۰۷۰، ۱۰۷۱، ۱۰۷۲، ۱۰۷۳، ۱۰۷۴، ۱۰۷۵، ۱۰۷۶، ۱۰۷۷، ۱۰۷۸، ۱۰۷۹، ۱۰۸۰، ۱۰۸۱، ۱۰۸۲، ۱۰۸۳، ۱۰۸۴، ۱۰۸۵، ۱۰۸۶، ۱۰۸۷، ۱۰۸۸، ۱۰۸۹، ۱۰۹۰، ۱۰۹۱، ۱۰۹۲، ۱۰۹۳، ۱۰۹۴، ۱۰۹۵، ۱۰۹۶، ۱۰۹۷، ۱۰۹۸، ۱۰۹۹، ۱۱۰۰، ۱۱۰۱، ۱۱۰۲، ۱۱۰۳، ۱۱۰۴، ۱۱۰۵، ۱۱۰۶، ۱۱۰۷، ۱۱۰۸، ۱۱۰۹، ۱۱۱۰، ۱۱۱۱، ۱۱۱۲، ۱۱۱۳، ۱۱۱۴، ۱۱۱۵، ۱۱۱۶، ۱۱۱۷، ۱۱۱۸، ۱۱۱۹، ۱۱۲۰، ۱۱۲۱، ۱۱۲۲، ۱۱۲۳، ۱۱۲۴، ۱۱۲۵، ۱۱۲۶، ۱۱۲۷، ۱۱۲۸، ۱۱۲۹، ۱۱۳۰، ۱۱۳۱، ۱۱۳۲، ۱۱۳۳، ۱۱۳۴، ۱۱۳۵، ۱۱۳۶، ۱۱۳۷، ۱۱۳۸، ۱۱۳۹، ۱۱۴۰، ۱۱۴۱، ۱۱۴۲، ۱۱۴۳، ۱۱۴۴، ۱۱۴۵، ۱۱۴۶، ۱۱۴۷، ۱۱۴۸، ۱۱۴۹، ۱۱۵۰، ۱۱۵۱، ۱۱۵۲، ۱۱۵۳، ۱۱۵۴، ۱۱۵۵، ۱۱۵۶، ۱۱۵۷، ۱۱۵۸، ۱۱۵۹، ۱۱۶۰، ۱۱۶۱، ۱۱۶۲، ۱۱۶۳، ۱۱۶۴، ۱۱۶۵، ۱۱۶۶، ۱۱۶۷، ۱۱۶۸، ۱۱۶۹، ۱۱۷۰، ۱۱۷۱، ۱۱۷۲، ۱۱۷۳، ۱۱۷۴، ۱۱۷۵، ۱۱۷۶، ۱۱۷۷، ۱۱۷۸، ۱۱۷۹، ۱۱۸۰، ۱۱۸۱، ۱۱۸۲، ۱۱۸۳، ۱۱۸۴، ۱۱۸۵، ۱۱۸۶، ۱۱۸۷، ۱۱۸۸، ۱۱۸۹، ۱۱۹۰، ۱۱۹۱، ۱۱۹۲، ۱۱۹۳، ۱۱۹۴، ۱۱۹۵، ۱۱۹۶، ۱۱۹۷، ۱۱۹۸، ۱۱۹۹، ۱۲۰۰، ۱۲۰۱، ۱۲۰۲، ۱۲۰۳، ۱۲۰۴، ۱۲۰۵، ۱۲۰۶، ۱۲۰۷، ۱۲۰۸، ۱۲۰۹، ۱۲۱۰، ۱۲۱۱، ۱۲۱۲، ۱۲۱۳، ۱۲۱۴، ۱۲۱۵، ۱۲۱۶، ۱۲۱۷، ۱۲۱۸، ۱۲۱۹، ۱۲۲۰، ۱۲۲۱، ۱۲۲۲، ۱۲۲۳، ۱۲۲۴، ۱۲۲۵، ۱۲۲۶، ۱۲۲۷، ۱۲۲۸، ۱۲۲۹، ۱۲۳۰، ۱۲۳۱، ۱۲۳۲، ۱۲۳۳، ۱۲۳۴، ۱۲۳۵، ۱۲۳۶، ۱۲۳۷، ۱۲۳۸، ۱۲۳۹، ۱۲۴۰، ۱۲۴۱، ۱۲۴۲، ۱۲۴۳، ۱۲۴۴، ۱۲۴۵، ۱۲۴۶، ۱۲۴۷، ۱۲۴۸، ۱۲۴۹، ۱۲۵۰، ۱۲۵۱، ۱۲۵۲، ۱۲۵۳، ۱۲۵۴، ۱۲۵۵، ۱۲۵۶، ۱۲۵۷، ۱۲۵۸، ۱۲۵۹، ۱۲۶۰، ۱۲۶۱، ۱۲۶۲، ۱۲۶۳، ۱۲۶۴، ۱۲۶۵، ۱۲۶۶، ۱۲۶۷، ۱۲۶۸، ۱۲۶۹، ۱۲۷۰، ۱۲۷۱، ۱۲۷۲، ۱۲۷۳، ۱۲۷۴، ۱۲۷۵، ۱۲۷۶، ۱۲۷۷، ۱۲۷۸، ۱۲۷۹، ۱۲۸۰، ۱۲۸۱، ۱۲۸۲، ۱۲۸۳، ۱۲۸۴، ۱۲۸۵، ۱۲۸۶، ۱۲۸۷، ۱۲۸۸، ۱۲۸۹، ۱۲۹۰، ۱۲۹۱، ۱۲۹۲، ۱۲۹۳، ۱۲۹۴، ۱۲۹۵، ۱۲۹۶، ۱۲۹۷، ۱۲۹۸، ۱۲۹۹، ۱۳۰۰، ۱۳۰۱، ۱۳۰۲، ۱۳۰۳، ۱۳۰۴، ۱۳۰۵، ۱۳۰۶، ۱۳۰۷، ۱۳۰۸، ۱۳۰۹، ۱۳۱۰، ۱۳۱۱، ۱۳۱۲، ۱۳۱۳، ۱۳۱۴، ۱۳۱۵، ۱۳۱۶، ۱۳۱۷، ۱۳۱۸، ۱۳۱۹، ۱۳۲۰، ۱۳۲۱، ۱۳۲۲، ۱۳۲۳، ۱۳۲۴، ۱۳۲۵، ۱۳۲۶، ۱۳۲۷، ۱۳۲۸، ۱۳۲۹، ۱۳۳۰، ۱۳۳۱، ۱۳۳۲، ۱۳۳۳، ۱۳۳۴، ۱۳۳۵، ۱۳۳۶، ۱۳۳۷، ۱۳۳۸، ۱۳۳۹، ۱۳۴۰، ۱۳۴۱، ۱۳۴۲، ۱۳۴۳، ۱۳۴۴، ۱۳۴۵، ۱۳۴۶، ۱۳۴۷، ۱۳۴۸، ۱۳۴۹، ۱۳۵۰، ۱۳۵۱، ۱۳۵۲، ۱۳۵۳، ۱۳۵۴، ۱۳۵۵، ۱۳۵۶، ۱۳۵۷، ۱۳۵۸، ۱۳۵۹، ۱۳۶۰، ۱۳۶۱، ۱۳۶۲، ۱۳۶۳، ۱۳۶۴، ۱۳۶۵، ۱۳۶۶، ۱۳۶۷، ۱۳۶۸، ۱۳۶۹، ۱۳۷۰، ۱۳۷۱، ۱۳۷۲، ۱۳۷۳، ۱۳۷۴، ۱۳۷۵، ۱۳۷۶، ۱۳۷۷، ۱۳۷۸، ۱۳۷۹، ۱۳۸۰، ۱۳۸۱، ۱۳۸۲، ۱۳۸۳، ۱۳۸۴، ۱۳۸۵، ۱۳۸۶، ۱۳۸۷، ۱۳۸۸، ۱۳۸۹، ۱۳۹۰، ۱۳۹۱، ۱۳۹۲، ۱۳۹۳، ۱۳۹۴، ۱۳۹۵، ۱۳۹۶، ۱۳۹۷، ۱۳۹۸، ۱۳۹۹، ۱۴۰۰، ۱۴۰۱، ۱۴۰۲، ۱۴۰۳، ۱۴۰۴، ۱۴۰۵، ۱۴۰۶، ۱۴۰۷، ۱۴۰۸، ۱۴۰۹، ۱۴۱۰، ۱۴۱۱، ۱۴۱۲، ۱۴۱۳، ۱۴۱۴، ۱۴۱۵، ۱۴۱۶، ۱۴۱۷، ۱۴۱۸، ۱۴۱۹، ۱۴۲۰، ۱۴۲۱، ۱۴۲۲، ۱۴۲۳، ۱۴۲۴، ۱۴۲۵، ۱۴۲۶، ۱۴۲۷، ۱۴۲۸، ۱۴۲۹، ۱۴۳۰، ۱۴۳۱، ۱۴۳۲، ۱۴۳۳، ۱۴۳۴، ۱۴۳۵، ۱۴۳۶، ۱۴۳۷، ۱۴۳۸، ۱۴۳۹، ۱۴۴۰، ۱۴۴۱، ۱۴۴۲، ۱۴۴۳، ۱۴۴۴، ۱۴۴۵، ۱۴۴۶، ۱۴۴۷، ۱۴۴۸، ۱۴۴۹، ۱۴۵۰، ۱۴۵۱، ۱۴۵۲، ۱۴۵۳، ۱۴۵۴، ۱۴۵۵، ۱۴۵۶، ۱۴۵۷، ۱۴۵۸، ۱۴۵۹، ۱۴۶۰، ۱۴۶۱، ۱۴۶۲، ۱۴۶۳، ۱۴۶۴، ۱۴۶۵، ۱۴۶۶، ۱۴۶۷، ۱۴۶۸، ۱۴۶۹، ۱۴۷۰، ۱۴۷۱، ۱۴۷۲، ۱۴۷۳، ۱۴۷۴، ۱۴۷۵، ۱۴۷۶، ۱۴۷۷، ۱۴۷۸، ۱۴۷۹، ۱۴۸۰، ۱۴۸۱، ۱۴۸۲، ۱۴۸۳، ۱۴۸۴، ۱۴۸۵، ۱۴۸۶، ۱۴۸۷، ۱۴۸۸، ۱۴۸۹، ۱۴۹۰، ۱۴۹۱، ۱۴۹۲، ۱۴۹۳، ۱۴۹۴، ۱۴۹۵، ۱۴۹۶، ۱۴۹۷، ۱۴۹۸، ۱۴۹۹، ۱۵۰۰، ۱۵۰۱، ۱۵۰۲، ۱۵۰۳، ۱۵۰۴، ۱۵۰۵، ۱۵۰۶، ۱۵۰۷، ۱۵۰۸، ۱۵۰۹، ۱۵۱۰، ۱۵۱۱، ۱۵۱۲، ۱۵۱۳، ۱۵۱۴، ۱۵۱۵، ۱۵۱۶، ۱۵۱۷، ۱۵۱۸، ۱۵۱۹، ۱۵۲۰، ۱۵۲۱، ۱۵۲۲، ۱۵۲۳، ۱۵۲۴، ۱۵۲۵، ۱۵۲۶، ۱۵۲۷، ۱۵۲۸، ۱۵۲۹، ۱۵۳۰، ۱۵۳۱، ۱۵۳۲، ۱۵۳۳، ۱۵۳۴، ۱۵۳۵، ۱۵۳۶، ۱۵۳۷، ۱۵۳۸، ۱۵۳۹، ۱۵۴۰، ۱۵۴۱، ۱۵۴۲، ۱۵۴۳، ۱۵۴۴، ۱۵۴۵، ۱۵۴۶، ۱۵۴۷، ۱۵۴۸، ۱۵۴۹، ۱۵۵۰، ۱۵۵۱، ۱۵۵۲، ۱۵۵۳، ۱۵۵۴، ۱۵۵۵، ۱۵۵۶، ۱۵۵۷، ۱۵۵۸، ۱۵۵۹، ۱۵۶۰، ۱۵۶۱، ۱۵۶۲، ۱۵۶۳، ۱۵۶۴، ۱۵۶۵، ۱۵۶۶، ۱۵۶۷، ۱۵۶۸، ۱۵۶۹، ۱۵۷۰، ۱۵۷۱، ۱۵۷۲، ۱۵۷۳، ۱۵۷۴، ۱۵۷۵، ۱۵۷۶، ۱۵۷۷، ۱۵۷۸، ۱۵۷۹، ۱۵۸۰، ۱۵۸۱، ۱۵۸۲، ۱۵۸۳، ۱۵۸۴، ۱۵۸۵، ۱۵۸۶، ۱۵۸۷، ۱۵۸۸، ۱۵۸۹، ۱۵۹۰، ۱۵۹۱، ۱۵۹۲، ۱۵۹۳، ۱۵۹۴، ۱۵۹۵، ۱۵۹۶، ۱۵

تاوان نہ مانگے، اس لئے کہ نفس عقد میں اوصاف کے مقابلہ میں ثمن کا کوئی حصہ نہیں ہوتا، نیز اس لئے کہ فروخت کنندہ مقررہ ثمن سے کم میں اپنی ملکیت سے اس سامان کو الگ کرنے پر راضی نہیں ہوتا ہے، لہذا اس کی وجہ سے اس کو ضرر ہوگا، اور خریدار کے لئے ممکن ہے کہ سامان کو واپس کر کے اپنے سے ضرر کو دور کرے۔

حنابلہ کے یہاں خریدار کو اختیار ہے کہ سامان کو واپس کر دے اور قیمت واپس لے لے یا سامان کو رکھ لے اور عیب کا تاوان وصول کرے۔

مالکیہ کے یہاں تفصیل ہے: اگر عیب معمولی غیر موثر ہو تو اس میں کچھ نہیں، اور نہ اس کی وجہ سے بیع لوٹا سکتا ہے، اور اگر عیب قیمت میں اثر انداز ہو تو اس کا تاوان واپس لے گا اور اگر عیب بہت ہو تو سامان کو واپس کر دینا واجب ہے، لیکن اگر وہ اس کو روک لے تو اس کو نقصان کا بدل وصول کرنے کا حق نہیں اور خیار عیب میں تفصیل ہے جس کو اس کی اپنی اصطلاح میں دیکھا جائے۔

یہ بعض خیار کی مثالیں تھیں جو عقد کو غیر لازم بنا دیتے ہیں اور ان کی وجہ سے واپس مانگنے کا حق ثابت ہو جاتا ہے۔

کچھ اور خیار بھی ہیں جو اسی نہج پر آتے ہیں مثلاً خیار تعین، خیار غبن، خیار تدلیس، اس کی تفصیل اصطلاح (خیار) میں ہے۔

۸- عقد اجارہ میں بھی ”خیار“ آتا ہے اور اس کی وجہ سے فسخ کرنے اور واپس کرنے کا حق ثابت ہوتا ہے، اس لئے اگر کسی نے گھر کرایہ پر لیا اور اس میں نیا عیب ملا، جس سے رہائش میں ضرر ہے تو اس کو فسخ کرنے اور واپس کرنے کا حق حاصل ہوگا (۱)۔

سوم: اجازت کے نہ ہونے کے وقت عقد کا موقوف ہونا: ۹- اس کی مشہور ترین مثال فضولی کی بیع ہے کہ وہ ملکیت نہ ہونے کی وجہ سے نافذ نہیں ہوتی، البتہ حنفیہ و مالکیہ کے نزدیک مالک کی اجازت پر موقوف ہوگی اگر وہ اجازت دے تو نافذ ہوگی، اور اگر رو کر دے تو ختم ہو جائے گی، اگر مالک فروخت کی اجازت دے دے تو فضولی وکیل کے درجہ میں ہو جائے گا، اور فروخت کردہ شے کی ملکیت خریدار کی طرف منتقل ہو جائے گی اور ثمن مالک کے لئے ہوگا، اس لئے کہ یہ اس کی ملکیت کا بدلہ ہے۔

فضولی کی بیع حنفیہ کے نزدیک خریدار کی طرف سے اور فضولی کی طرف سے فسخ کے قائل ہے، اگر فضولی اس کو اجازت سے قبل فسخ کر دے تو فسخ ہو جائے گی، اور فروخت کردہ سامان کو واپس لے لے گا اگر حوالے کر چکا ہے، اور مشتری فروخت کنندہ سے ثمن واپس لے گا اگر اس کو نقد دے دیا ہے، اسی طرح اگر خریدار اس کو فسخ کر دے تو فسخ ہو جائے گی۔

مالکیہ کے نزدیک وہ فضولی کی طرف سے اور مشتری کی طرف سے لازم ہوگی، اور مالک کی طرف سے ختم ہو سکتی ہے (۱)۔

شافعیہ و حنابلہ کے یہاں اصح یہ ہے کہ فضولی کی بیع باطل ہے، اس کا رد کرنا واجب ہے، اور دوسری روایت میں ہے کہ مالک کی اجازت پر موقوف ہے (۲)۔ اس میں بہت تفصیل ہے (دیکھئے: فضولی، بیع)۔

چہارم: عقد کا فاسد ہونا:

۱۰- حنفیہ کے یہاں عقد باطل اور عقد فاسد میں فرق ہے، ان کے نزدیک عقد باطل وہ ہے جو اصل یا وصف کسی اعتبار سے مشروع نہ ہو

(۱) البدائع ۵/۳۸۸، ۵۱، ۵۲، ۵۳، ۵۴، ۵۵، ۵۶، ۵۷، ۵۸، ۵۹، ۶۰، ۶۱، ۶۲، ۶۳، ۶۴، ۶۵، ۶۶، ۶۷، ۶۸، ۶۹، ۷۰، ۷۱، ۷۲، ۷۳، ۷۴، ۷۵، ۷۶، ۷۷، ۷۸، ۷۹، ۸۰، ۸۱، ۸۲، ۸۳، ۸۴، ۸۵، ۸۶، ۸۷، ۸۸، ۸۹، ۹۰، ۹۱، ۹۲، ۹۳، ۹۴، ۹۵، ۹۶، ۹۷، ۹۸، ۹۹، ۱۰۰، ۱۰۱، ۱۰۲، ۱۰۳، ۱۰۴، ۱۰۵، ۱۰۶، ۱۰۷، ۱۰۸، ۱۰۹، ۱۱۰، ۱۱۱، ۱۱۲، ۱۱۳، ۱۱۴، ۱۱۵، ۱۱۶، ۱۱۷، ۱۱۸، ۱۱۹، ۱۲۰، ۱۲۱، ۱۲۲، ۱۲۳، ۱۲۴، ۱۲۵، ۱۲۶، ۱۲۷، ۱۲۸، ۱۲۹، ۱۳۰، ۱۳۱، ۱۳۲، ۱۳۳، ۱۳۴، ۱۳۵، ۱۳۶، ۱۳۷، ۱۳۸، ۱۳۹، ۱۴۰، ۱۴۱، ۱۴۲، ۱۴۳، ۱۴۴، ۱۴۵، ۱۴۶، ۱۴۷، ۱۴۸، ۱۴۹، ۱۵۰، ۱۵۱، ۱۵۲، ۱۵۳، ۱۵۴، ۱۵۵، ۱۵۶، ۱۵۷، ۱۵۸، ۱۵۹، ۱۶۰، ۱۶۱، ۱۶۲، ۱۶۳، ۱۶۴، ۱۶۵، ۱۶۶، ۱۶۷، ۱۶۸، ۱۶۹، ۱۷۰، ۱۷۱، ۱۷۲، ۱۷۳، ۱۷۴، ۱۷۵، ۱۷۶، ۱۷۷، ۱۷۸، ۱۷۹، ۱۸۰، ۱۸۱، ۱۸۲، ۱۸۳، ۱۸۴، ۱۸۵، ۱۸۶، ۱۸۷، ۱۸۸، ۱۸۹، ۱۹۰، ۱۹۱، ۱۹۲، ۱۹۳، ۱۹۴، ۱۹۵، ۱۹۶، ۱۹۷، ۱۹۸، ۱۹۹، ۲۰۰، ۲۰۱، ۲۰۲، ۲۰۳، ۲۰۴، ۲۰۵، ۲۰۶، ۲۰۷، ۲۰۸، ۲۰۹، ۲۱۰، ۲۱۱، ۲۱۲، ۲۱۳، ۲۱۴، ۲۱۵، ۲۱۶، ۲۱۷، ۲۱۸، ۲۱۹، ۲۲۰، ۲۲۱، ۲۲۲، ۲۲۳، ۲۲۴، ۲۲۵، ۲۲۶، ۲۲۷، ۲۲۸، ۲۲۹، ۲۳۰، ۲۳۱، ۲۳۲، ۲۳۳، ۲۳۴، ۲۳۵، ۲۳۶، ۲۳۷، ۲۳۸، ۲۳۹، ۲۴۰، ۲۴۱، ۲۴۲، ۲۴۳، ۲۴۴، ۲۴۵، ۲۴۶، ۲۴۷، ۲۴۸، ۲۴۹، ۲۵۰، ۲۵۱، ۲۵۲، ۲۵۳، ۲۵۴، ۲۵۵، ۲۵۶، ۲۵۷، ۲۵۸، ۲۵۹، ۲۶۰، ۲۶۱، ۲۶۲، ۲۶۳، ۲۶۴، ۲۶۵، ۲۶۶، ۲۶۷، ۲۶۸، ۲۶۹، ۲۷۰، ۲۷۱، ۲۷۲، ۲۷۳، ۲۷۴، ۲۷۵، ۲۷۶، ۲۷۷، ۲۷۸، ۲۷۹، ۲۸۰، ۲۸۱، ۲۸۲، ۲۸۳، ۲۸۴، ۲۸۵، ۲۸۶، ۲۸۷، ۲۸۸، ۲۸۹، ۲۹۰، ۲۹۱، ۲۹۲، ۲۹۳، ۲۹۴، ۲۹۵، ۲۹۶، ۲۹۷، ۲۹۸، ۲۹۹، ۳۰۰، ۳۰۱، ۳۰۲، ۳۰۳، ۳۰۴، ۳۰۵، ۳۰۶، ۳۰۷، ۳۰۸، ۳۰۹، ۳۱۰، ۳۱۱، ۳۱۲، ۳۱۳، ۳۱۴، ۳۱۵، ۳۱۶، ۳۱۷، ۳۱۸، ۳۱۹، ۳۲۰، ۳۲۱، ۳۲۲، ۳۲۳، ۳۲۴، ۳۲۵، ۳۲۶، ۳۲۷، ۳۲۸، ۳۲۹، ۳۳۰، ۳۳۱، ۳۳۲، ۳۳۳، ۳۳۴، ۳۳۵، ۳۳۶، ۳۳۷، ۳۳۸، ۳۳۹، ۳۴۰، ۳۴۱، ۳۴۲، ۳۴۳، ۳۴۴، ۳۴۵، ۳۴۶، ۳۴۷، ۳۴۸، ۳۴۹، ۳۵۰، ۳۵۱، ۳۵۲، ۳۵۳، ۳۵۴، ۳۵۵، ۳۵۶، ۳۵۷، ۳۵۸، ۳۵۹، ۳۶۰، ۳۶۱، ۳۶۲، ۳۶۳، ۳۶۴، ۳۶۵، ۳۶۶، ۳۶۷، ۳۶۸، ۳۶۹، ۳۷۰، ۳۷۱، ۳۷۲، ۳۷۳، ۳۷۴، ۳۷۵، ۳۷۶، ۳۷۷، ۳۷۸، ۳۷۹، ۳۸۰، ۳۸۱، ۳۸۲، ۳۸۳، ۳۸۴، ۳۸۵، ۳۸۶، ۳۸۷، ۳۸۸، ۳۸۹، ۳۹۰، ۳۹۱، ۳۹۲، ۳۹۳، ۳۹۴، ۳۹۵، ۳۹۶، ۳۹۷، ۳۹۸، ۳۹۹، ۴۰۰، ۴۰۱، ۴۰۲، ۴۰۳، ۴۰۴، ۴۰۵، ۴۰۶، ۴۰۷، ۴۰۸، ۴۰۹، ۴۱۰، ۴۱۱، ۴۱۲، ۴۱۳، ۴۱۴، ۴۱۵، ۴۱۶، ۴۱۷، ۴۱۸، ۴۱۹، ۴۲۰، ۴۲۱، ۴۲۲، ۴۲۳، ۴۲۴، ۴۲۵، ۴۲۶، ۴۲۷، ۴۲۸، ۴۲۹، ۴۳۰، ۴۳۱، ۴۳۲، ۴۳۳، ۴۳۴، ۴۳۵، ۴۳۶، ۴۳۷، ۴۳۸، ۴۳۹، ۴۴۰، ۴۴۱، ۴۴۲، ۴۴۳، ۴۴۴، ۴۴۵، ۴۴۶، ۴۴۷، ۴۴۸، ۴۴۹، ۴۵۰، ۴۵۱، ۴۵۲، ۴۵۳، ۴۵۴، ۴۵۵، ۴۵۶، ۴۵۷، ۴۵۸، ۴۵۹، ۴۶۰، ۴۶۱، ۴۶۲، ۴۶۳، ۴۶۴، ۴۶۵، ۴۶۶، ۴۶۷، ۴۶۸، ۴۶۹، ۴۷۰، ۴۷۱، ۴۷۲، ۴۷۳، ۴۷۴، ۴۷۵، ۴۷۶، ۴۷۷، ۴۷۸، ۴۷۹، ۴۸۰، ۴۸۱، ۴۸۲، ۴۸۳، ۴۸۴، ۴۸۵، ۴۸۶، ۴۸۷، ۴۸۸، ۴۸۹، ۴۹۰، ۴۹۱، ۴۹۲، ۴۹۳، ۴۹۴، ۴۹۵، ۴۹۶، ۴۹۷، ۴۹۸، ۴۹۹، ۵۰۰، ۵۰۱، ۵۰۲، ۵۰۳، ۵۰۴، ۵۰۵، ۵۰۶، ۵۰۷، ۵۰۸، ۵۰۹، ۵۱۰، ۵۱۱، ۵۱۲، ۵۱۳، ۵۱۴، ۵۱۵، ۵۱۶، ۵۱۷، ۵۱۸، ۵۱۹، ۵۲۰، ۵۲۱، ۵۲۲، ۵۲۳، ۵۲۴، ۵۲۵، ۵۲۶، ۵۲۷، ۵۲۸، ۵۲۹، ۵۳۰، ۵۳۱، ۵۳۲، ۵۳۳، ۵۳۴، ۵۳۵، ۵۳۶، ۵۳۷، ۵۳۸، ۵۳۹، ۵۴۰، ۵۴۱، ۵۴۲، ۵۴۳، ۵۴۴، ۵۴۵، ۵۴۶، ۵۴۷، ۵۴۸، ۵۴۹، ۵۵۰، ۵۵۱، ۵۵۲، ۵۵۳، ۵۵۴، ۵۵۵، ۵۵۶، ۵۵۷، ۵۵۸، ۵۵۹، ۵۶۰، ۵۶۱، ۵۶۲، ۵۶۳، ۵۶۴، ۵۶۵، ۵۶۶، ۵۶۷، ۵۶۸، ۵۶۹، ۵۷۰، ۵۷۱، ۵۷۲، ۵۷۳، ۵۷۴، ۵۷۵، ۵۷۶، ۵۷۷، ۵۷۸، ۵۷۹، ۵۸۰، ۵۸۱، ۵۸۲، ۵۸۳، ۵۸۴، ۵۸۵، ۵۸۶، ۵۸۷، ۵۸۸، ۵۸۹، ۵۹۰، ۵۹۱، ۵۹۲، ۵۹۳، ۵۹۴، ۵۹۵، ۵۹۶، ۵۹۷، ۵۹۸، ۵۹۹، ۶۰۰، ۶۰۱، ۶۰۲، ۶۰۳، ۶۰۴، ۶۰۵، ۶۰۶، ۶۰۷، ۶۰۸، ۶۰۹، ۶۱۰، ۶۱۱، ۶۱۲، ۶۱۳، ۶۱۴، ۶۱۵، ۶۱۶، ۶۱۷، ۶۱۸، ۶۱۹، ۶۲۰، ۶۲۱، ۶۲۲، ۶۲۳، ۶۲۴، ۶۲۵، ۶۲۶، ۶۲۷، ۶۲۸، ۶۲۹، ۶۳۰، ۶۳۱، ۶۳۲، ۶۳۳، ۶۳۴، ۶۳۵، ۶۳۶، ۶۳۷، ۶۳۸، ۶۳۹، ۶۴۰، ۶۴۱، ۶۴۲، ۶۴۳، ۶۴۴، ۶۴۵، ۶۴۶، ۶۴۷، ۶۴۸، ۶۴۹، ۶۵۰، ۶۵۱، ۶۵۲، ۶۵۳، ۶۵۴، ۶۵۵، ۶۵۶، ۶۵۷، ۶۵۸، ۶۵۹، ۶۶۰، ۶۶۱، ۶۶۲، ۶۶۳، ۶۶۴، ۶۶۵، ۶۶۶، ۶۶۷، ۶۶۸، ۶۶۹، ۶۷۰، ۶۷۱، ۶۷۲، ۶۷۳، ۶۷۴، ۶۷۵، ۶۷۶، ۶۷۷، ۶۷۸، ۶۷۹، ۶۸۰، ۶۸۱، ۶۸۲، ۶۸۳، ۶۸۴، ۶۸۵، ۶۸۶، ۶۸۷، ۶۸۸، ۶۸۹، ۶۹۰، ۶۹۱، ۶۹۲، ۶۹۳، ۶۹۴، ۶۹۵، ۶۹۶، ۶۹۷، ۶۹۸، ۶۹۹، ۷۰۰، ۷۰۱، ۷۰۲، ۷۰۳، ۷۰۴، ۷۰۵، ۷۰۶، ۷۰۷، ۷۰۸، ۷۰۹، ۷۱۰، ۷۱۱، ۷۱۲، ۷۱۳، ۷۱۴، ۷۱۵، ۷۱۶، ۷۱۷، ۷۱۸، ۷۱۹، ۷۲۰، ۷۲۱، ۷۲۲، ۷۲۳، ۷۲۴، ۷۲۵، ۷۲۶، ۷۲۷، ۷۲۸، ۷۲۹، ۷۳۰، ۷۳۱، ۷۳۲، ۷۳۳، ۷۳۴، ۷۳۵، ۷۳۶، ۷۳۷، ۷۳۸، ۷۳۹، ۷۴۰، ۷۴۱، ۷۴۲، ۷۴۳، ۷۴۴، ۷۴۵، ۷۴۶، ۷۴۷، ۷۴۸، ۷۴۹، ۷۵۰، ۷۵۱، ۷۵۲، ۷۵۳، ۷۵۴، ۷۵۵، ۷۵۶، ۷۵۷، ۷۵۸، ۷۵۹، ۷۶۰، ۷۶۱، ۷۶۲، ۷۶۳، ۷۶۴، ۷۶۵، ۷۶۶، ۷۶۷، ۷۶۸، ۷۶۹، ۷۷۰، ۷۷۱، ۷۷۲، ۷۷۳، ۷۷۴، ۷۷۵، ۷۷۶، ۷۷۷، ۷۷۸، ۷۷۹، ۷۸۰، ۷۸۱، ۷۸۲، ۷۸۳، ۷۸۴، ۷۸۵، ۷۸۶، ۷۸۷، ۷۸۸، ۷۸۹، ۷۹۰، ۷۹۱، ۷۹۲، ۷۹۳، ۷۹۴، ۷۹۵، ۷۹۶، ۷۹۷، ۷۹۸، ۷۹۹، ۸۰۰، ۸۰۱، ۸۰۲، ۸۰۳، ۸۰۴، ۸۰۵، ۸۰۶، ۸۰۷، ۸۰۸، ۸۰۹، ۸۱۰، ۸۱۱، ۸۱۲، ۸۱۳، ۸۱۴، ۸۱۵، ۸۱۶، ۸۱۷، ۸۱۸، ۸۱۹، ۸۲۰، ۸۲۱، ۸۲۲، ۸۲۳، ۸۲۴، ۸۲۵، ۸۲۶، ۸۲۷، ۸۲۸، ۸۲۹، ۸۳۰، ۸۳۱، ۸۳۲، ۸۳۳، ۸۳۴، ۸۳۵، ۸۳۶، ۸۳۷، ۸۳۸، ۸۳۹، ۸۴۰، ۸۴۱، ۸۴۲، ۸۴۳، ۸۴۴، ۸۴۵، ۸۴۶، ۸۴۷، ۸۴۸، ۸۴۹، ۸۵۰، ۸۵۱، ۸۵۲، ۸۵۳، ۸۵۴، ۸۵۵، ۸۵۶، ۸۵۷، ۸۵۸، ۸۵۹، ۸۶۰، ۸۶۱، ۸۶۲، ۸۶۳، ۸۶۴، ۸۶۵، ۸۶۶، ۸۶۷، ۸۶۸، ۸۶۹، ۸۷۰، ۸۷۱، ۸۷۲، ۸۷۳، ۸۷۴، ۸۷۵، ۸۷۶، ۸۷۷، ۸۷۸، ۸۷۹، ۸۸۰، ۸۸۱، ۸۸۲، ۸۸۳، ۸۸۴، ۸۸۵، ۸۸۶، ۸۸۷، ۸۸۸، ۸۸۹، ۸۹۰، ۸۹۱، ۸۹۲، ۸۹۳، ۸۹۴، ۸۹۵، ۸۹۶، ۸۹۷، ۸۹۸، ۸۹۹، ۹۰۰، ۹۰۱، ۹۰۲، ۹۰۳، ۹۰۴، ۹۰۵، ۹۰۶، ۹۰۷، ۹۰۸، ۹۰۹، ۹۱۰، ۹۱۱، ۹۱۲، ۹۱۳، ۹۱۴، ۹۱۵، ۹۱۶، ۹۱۷، ۹۱۸، ۹۱۹، ۹۲۰، ۹۲۱، ۹۲۲، ۹۲۳، ۹۲۴، ۹۲۵، ۹۲۶، ۹۲۷، ۹۲۸، ۹۲۹، ۹۳۰، ۹۳۱، ۹۳۲، ۹۳۳، ۹۳۴، ۹۳۵، ۹۳۶، ۹۳۷، ۹۳۸، ۹۳۹، ۹۴۰، ۹۴۱، ۹۴۲، ۹۴۳، ۹۴۴، ۹۴۵، ۹۴۶، ۹۴۷، ۹۴۸، ۹۴۹، ۹۵۰، ۹۵۱، ۹۵۲، ۹۵۳، ۹۵۴، ۹۵۵، ۹۵۶، ۹۵۷، ۹۵۸، ۹۵۹، ۹۶۰، ۹۶۱، ۹۶۲، ۹۶۳، ۹۶۴، ۹۶۵، ۹۶۶، ۹۶۷، ۹۶۸، ۹۶۹، ۹۷۰، ۹۷۱، ۹۷۲، ۹۷۳، ۹۷۴، ۹۷۵، ۹۷۶، ۹۷۷، ۹۷۸، ۹۷۹، ۹۸۰، ۹۸۱، ۹۸۲، ۹۸۳، ۹۸۴، ۹۸۵، ۹۸۶، ۹۸۷، ۹۸۸، ۹۸۹، ۹۹۰، ۹۹۱، ۹۹۲، ۹۹۳، ۹۹۴، ۹۹۵، ۹۹۶، ۹۹۷، ۹۹۸، ۹۹۹، ۱۰۰۰، ۱۰۰۱، ۱۰۰۲، ۱۰۰۳، ۱۰۰۴، ۱۰۰۵، ۱۰۰۶، ۱۰۰۷، ۱۰۰۸، ۱۰۰۹، ۱۰۱۰، ۱۰۱۱، ۱۰۱۲، ۱۰۱۳، ۱۰۱۴، ۱۰۱۵، ۱۰۱۶، ۱۰۱۷، ۱۰۱۸، ۱۰۱۹، ۱۰۲۰، ۱۰۲۱، ۱۰۲۲، ۱۰۲۳، ۱۰۲۴، ۱۰۲۵، ۱۰۲۶، ۱۰۲۷، ۱۰۲۸، ۱۰۲۹، ۱۰۳۰، ۱۰۳۱، ۱۰۳۲، ۱۰۳۳، ۱۰۳۴، ۱۰۳۵، ۱۰۳۶، ۱۰۳۷، ۱۰۳۸، ۱۰۳۹، ۱۰۴۰، ۱۰۴۱، ۱۰۴۲، ۱۰۴۳، ۱۰۴۴، ۱۰۴۵، ۱۰۴۶، ۱۰۴۷، ۱۰۴۸، ۱۰۴۹، ۱۰۵۰، ۱۰۵۱، ۱۰۵۲، ۱۰۵۳، ۱۰۵۴، ۱۰۵۵، ۱۰۵۶، ۱۰۵۷، ۱۰۵۸، ۱۰۵۹، ۱۰۶۰، ۱۰۶۱، ۱۰۶۲، ۱۰۶۳، ۱۰۶۴، ۱۰۶۵، ۱۰۶۶، ۱۰۶۷، ۱۰۶۸، ۱۰۶۹، ۱۰۷۰، ۱۰۷۱، ۱۰۷۲، ۱۰۷۳، ۱۰۷۴، ۱۰۷۵، ۱۰۷۶، ۱۰۷۷، ۱۰۷۸، ۱۰۷۹، ۱۰۸۰، ۱۰۸۱، ۱۰۸۲، ۱۰۸۳، ۱۰۸۴، ۱۰۸۵، ۱۰۸۶، ۱۰۸۷، ۱۰۸۸، ۱۰۸۹، ۱۰۹۰، ۱۰۹۱، ۱۰۹۲، ۱۰۹۳، ۱۰۹۴، ۱۰۹۵، ۱۰۹۶، ۱۰۹۷، ۱۰۹۸، ۱۰۹۹، ۱۱۰۰، ۱۱۰۱، ۱۱۰۲، ۱۱۰۳، ۱۱۰۴، ۱۱۰۵، ۱۱۰۶، ۱۱۰۷، ۱۱۰۸، ۱۱۰۹، ۱۱۱۰، ۱۱۱۱، ۱۱۱۲، ۱۱۱۳، ۱۱۱۴، ۱۱۱۵، ۱۱۱۶، ۱۱۱۷، ۱۱۱۸، ۱۱۱۹، ۱۱۲۰، ۱۱۲۱، ۱۱۲۲، ۱۱۲۳، ۱۱۲۴، ۱۱۲۵، ۱۱۲۶، ۱۱۲۷، ۱۱۲۸، ۱۱۲۹، ۱۱۳۰، ۱۱۳۱، ۱۱۳۲، ۱۱۳۳، ۱۱۳۴، ۱۱۳۵، ۱۱۳۶، ۱۱۳۷، ۱۱۳۸، ۱۱۳۹، ۱۱۴۰، ۱۱۴۱، ۱۱۴۲، ۱۱۴۳، ۱۱۴۴، ۱۱۴۵، ۱۱۴۶، ۱۱۴۷، ۱۱۴۸، ۱۱۴۹، ۱۱۵۰، ۱۱۵۱، ۱۱۵۲، ۱۱۵۳، ۱۱۵۴، ۱۱۵۵، ۱۱۵۶، ۱۱۵۷، ۱۱۵۸، ۱۱۵۹، ۱۱۶۰، ۱۱۶۱، ۱۱۶۲، ۱۱۶۳، ۱۱۶۴، ۱۱۶۵، ۱۱۶۶، ۱۱۶۷، ۱۱۶۸، ۱۱۶۹، ۱۱۷۰، ۱۱۷۱، ۱۱۷۲، ۱۱۷۳، ۱۱۷۴، ۱۱۷۵، ۱۱۷۶، ۱۱۷۷، ۱۱۷۸، ۱۱۷۹، ۱۱۸۰، ۱۱۸۱، ۱۱۸۲، ۱۱۸۳، ۱۱۸۴، ۱۱۸۵، ۱۱۸۶، ۱۱۸۷، ۱۱۸۸، ۱۱۸۹، ۱۱۹۰، ۱۱۹۱، ۱۱۹۲، ۱۱۹۳، ۱۱۹۴، ۱۱۹۵، ۱۱۹۶، ۱۱۹۷، ۱۱۹۸، ۱۱۹۹، ۱۲۰۰، ۱۲۰۱، ۱۲۰۲، ۱۲۰۳، ۱۲۰۴، ۱۲۰۵، ۱۲۰۶، ۱۲۰۷، ۱۲۰۸، ۱۲۰۹، ۱۲۱۰، ۱۲۱۱، ۱۲۱۲، ۱۲۱۳، ۱۲۱۴، ۱۲۱۵، ۱۲۱۶، ۱۲۱۷، ۱۲۱۸، ۱۲۱۹، ۱۲۲۰، ۱۲۲۱، ۱۲۲۲، ۱۲۲۳، ۱۲۲۴، ۱۲۲۵، ۱۲۲۶، ۱۲۲۷، ۱۲۲۸، ۱۲۲۹، ۱۲۳۰، ۱۲۳۱، ۱۲۳۲، ۱۲۳۳، ۱۲۳۴، ۱۲۳۵، ۱۲۳۶، ۱۲۳۷، ۱۲۳۸، ۱۲۳۹، ۱۲۴۰، ۱۲۴۱، ۱۲۴۲، ۱۲۴۳، ۱۲۴۴، ۱۲۴۵، ۱۲۴۶، ۱۲۴۷، ۱۲۴۸، ۱۲۴۹، ۱۲۵۰، ۱۲۵۱، ۱۲۵۲، ۱۲۵۳، ۱۲۵۴، ۱۲۵۵، ۱۲۵۶، ۱۲۵۷، ۱۲۵۸، ۱۲۵۹، ۱۲۶۰، ۱۲۶۱، ۱۲۶۲، ۱۲۶۳، ۱۲۶۴، ۱۲۶۵، ۱۲۶۶، ۱۲۶۷، ۱۲۶۸، ۱۲۶۹، ۱۲۷۰، ۱۲۷۱، ۱۲۷۲، ۱۲۷۳، ۱۲۷۴، ۱۲۷۵، ۱۲۷۶، ۱۲۷۷، ۱۲۷۸، ۱۲۷۹، ۱۲۸۰، ۱۲۸۱، ۱۲۸۲، ۱۲۸۳، ۱۲۸۴، ۱۲۸۵، ۱۲۸۶، ۱۲۸۷، ۱۲۸۸، ۱۲۸۹، ۱۲۹۰، ۱۲۹۱، ۱۲۹۲، ۱۲۹۳، ۱۲۹۴، ۱۲۹۵، ۱۲۹۶، ۱۲۹۷، ۱۲۹۸، ۱۲۹۹، ۱۳۰۰، ۱۳۰۱، ۱۳۰۲، ۱۳۰۳، ۱۳۰۴، ۱۳۰۵، ۱۳۰۶، ۱۳۰۷، ۱۳۰۸، ۱۳۰۹، ۱۳۱۰، ۱۳۱۱، ۱۳۱۲، ۱۳۱۳، ۱۳۱۴، ۱۳۱۵، ۱۳۱۶، ۱۳۱۷، ۱۳۱۸، ۱۳۱۹، ۱۳۲۰، ۱۳۲۱، ۱۳۲۲، ۱۳۲۳، ۱۳۲۴، ۱۳۲۵، ۱۳۲۶، ۱۳۲۷، ۱۳۲۸، ۱۳۲۹، ۱۳۳۰، ۱۳۳۱، ۱۳۳۲، ۱۳۳۳، ۱۳۳۴، ۱۳۳۵، ۱۳۳۶، ۱۳۳۷، ۱۳۳۸، ۱۳۳۹، ۱

اور عقد فاسد وہ ہے جو اصل کے اعتبار سے مشروع ہو اور وصف کے اعتبار سے غیر مشروع ہو، باطل و فاسد میں سے ہر ایک کے اعتبار سے واپس مانگنے کا حکم تفصیل ذیل سے ظاہر ہوگا:

عقد باطل کا شرعاً کوئی وجود نہیں ہوتا، اس سے ملکیت حاصل نہیں ہوتی، کیونکہ اس کا کوئی اثر نہیں، اور عاقدین میں کوئی بھی دوسرے کو اس کے نافذ کرنے پر مجبور نہیں کر سکتا۔

بیع کے بارے میں کاسانی کہتے ہیں: اس بیع (باطل) کا قطعاً کوئی حکم نہیں، اس لئے کہ حکم موجود کے لئے ہوتا ہے، اس بیع کا صرف صورت کے لحاظ سے وجود ہے (کوئی اور وجود نہیں)، اس لئے کہ تصرف شرعی کا اہلیت اور محل کے بغیر شرعاً کوئی وجود نہیں، جیسا کہ حقیقی تصرف کا کوئی وجود حقیقتاً اہل اور محل کے بغیر نہیں ہوتا، اس کی مثال مردار، خون اور ہر اس چیز کی بیع ہے جو مال نہیں (۱)۔

چونکہ عقد باطل کا شرعاً کوئی وجود نہیں اور نہ ہی کوئی اثر ظاہر ہوتا ہے، لہذا اگر فروخت کنندہ اپنے اختیار سے فروخت کردہ سامان کو خریدار کے حوالے کر دے یا خریدار اپنے اختیار سے شمن فروخت کنندہ کے حوالے کر دے تو فروخت کنندہ فروخت کردہ سامان کو اور خریدار شمن کو واپس لے سکتا ہے، اس لئے کہ بیع باطل سے ملکیت حاصل نہیں ہوتی اگرچہ قبضہ ہو جائے، اور اسی وجہ سے اگر خریدار اس میں فروخت یا بیہ یا حق کا کوئی تصرف کرے تو اس تصرف کی وجہ سے فروخت کنندہ کے لئے خریدار دوم کے ہاتھ سے فروخت کردہ سامان کو واپس لیا ممنوع نہیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ بیع باطل نے خریدار کے حق میں ملکیت کو منتقل نہیں کیا، لہذا خریدار نے ایسے مال کو بیچا ہے جس کا وہ مالک نہیں (۲)۔

۱۱- عقد فاسد اگرچہ اصل کے لحاظ سے مشروع ہوتا ہے، تاہم وصف کے لحاظ سے غیر مشروع ہوتا ہے، اسی لئے قبضہ کی وجہ سے فی الجملہ ملکیت حاصل ہوتی ہے تاہم یہ ملکیت غیر لازم ہوتی ہے، بلکہ اللہ تعالیٰ کے حق کی وجہ سے فسخ کی مستحق ہوتی ہے، اس لئے کہ فسخ میں فساد کو ختم کرنا ہے اور فساد کو ختم کرنا اللہ تعالیٰ کا حق ہے، اور بیع فاسد میں فسخ کی صورت میں یہ لازم ہوتا ہے کہ فروخت کردہ شے فروخت کنندہ کو واپس کی جائے، اور شمن خریدار کو واپس کیا جائے، یہ اس صورت میں ہے جب فروخت کردہ سامان خریدار کے ہاتھ میں باقی ہو۔

اگر خریدار نے سامان کے اندر فروخت یا بیہ کا تصرف کر دیا تو ان دونوں میں سے کوئی بھی اس کو فسخ نہیں کر سکتا، اس لئے کہ قبضہ کے ذریعہ خریدار اس کا مالک ہو گیا ہے، لہذا اس میں اس کے سارے تصرفات نافذ ہوں گے، اور اس کی وجہ سے فروخت کنندہ کا واپس لینے کا حق ختم ہو جائے گا، کیونکہ اس سے بندے کا حق متعلق ہو گیا اور واپس مانگنا شریعت کا حق ہے، اور جہاں بھی اللہ کا حق اور بندے کا حق جمع ہوں، بندے کا حق غالب ہوتا ہے کہ بندہ محتاج ہے (۱)، خواہ یہ تصرف قابل فسخ ہو یا ناقابل فسخ، البتہ اجارہ اس سے مستثنیٰ ہے کہ وہ فروخت کنندہ کا واپس لینے کا حق ختم نہیں کرنا، کیونکہ اجارہ عقد ضعیف ہے جو عذر کی وجہ سے فسخ ہو جاتا ہے، اور خریداری کا فساد عذر ہے، یہ خفیہ کا مذہب ہے۔

۱۲- جمہور کے نزدیک عقد فاسد اور عقد باطل کے درمیان فرق نہیں، ان کے نزدیک دونوں ایک ہیں، اس کے ذریعہ سے ملکیت حاصل نہیں ہوتی، خواہ اس کے ساتھ قبضہ ہو یا نہ ہو، فروخت کردہ سامان کو فروخت کنندہ کے حوالے کرنا اور شمن کو خریدار کے حوالے کرنا لازم ہے، یہ اس صورت میں ہے جب کہ فروخت کردہ سامان خریدار کے

(۱) بدائع الصنائع ۵/ ۳۰۵، ابن عابدین ۳/ ۱۱۰ طبع سوم۔

(۲) فتاویٰ خانیہ بر حاشیہ الفتاویٰ الہندیہ ۲/ ۱۳۳ طبع المکتبۃ الاسلامیہ۔

(۱) الفریضی ۳/ ۶۳، ابن عابدین ۳/ ۱۳۳ طبع سوم، درالحدکام ص ۷۵۔

ہاتھ میں باقی ہو۔

اور اگر خریدار نے اس میں فروخت یا ہبہ کا تصرف کر دیا ہو تو ان کے درمیان اختلاف ہے: شافعیہ و حنابلہ کے یہاں خریدار کا یہ تصرف نافذ نہ ہوگا، فروخت کنندہ کو فروخت کردہ سامان کے واپس لینے کا اور خریدار کو ثمن کے واپس لینے کا حق ہوگا۔

مالکیہ کے نزدیک بیع فاسد میں بیع کا اس کے مالک کو حوالہ کرنا واجب ہے، اگر وہ فوت نہ ہو چکی ہو مثلاً فروخت کی وجہ سے یا تعمیر یا درخت لگانے کی وجہ سے اس کے ہاتھ سے نہ نکل جائے، اور اگر خریدار کے ہاتھ سے وہ سامان فوت ہو چکا ہو تو اگر بیع کا فاسد ہونا مختلف فیہ ہو خواہ مذہب مالکی کے علاوہ میں ہو تو جس ثمن پر بیع ہوئی ہے اسی پر نافذ قرار پائے گی، اور اگر بیع کا فاسد ہونا مختلف فیہ نہ ہو بلکہ اس کے فاسد ہونے پر فقہاء کا اتفاق ہو تو خریدار قبضہ کے وقت کی اس کی قیمت کا ضامن ہوگا اگر وہ ذوات التیم میں سے ہو، اور مثلی کے مثل کا ضامن ہوگا اگر اس مثلی کو کیل یا وزن کے ذریعہ بیچا گیا ہو، اور اس کے کیل یا وزن کا علم ہو اور اس کا پایا جانا بھی محال و دشوار نہ ہو، ورنہ جس دن اس کے خلاف واپس کرنے کا فیصلہ ہوا ہے اس دن کی قیمت کا ضامن ہوگا (۱)۔

پنجم: مدت عقد کا ختم ہونا:

۱۳ - مدت کے ساتھ مقید عقود میں عقد کی مدت ختم ہونے سے واپس مانگنے کا حق ثابت ہوتا ہے، چنانچہ عقد اجارہ میں کرایہ پر دینے والے کے لئے جائز ہے کہ مدت اجارہ ختم ہونے پر اپنی چیز واپس مانگ لے، مثلاً کسی نے تعمیر کے لئے زمین کرایہ پر لی اور درخت لگایا اور مدت اجارہ ختم ہو گئی تو کرایہ دار کے ذمہ لازم ہے کہ مکان اور درخت

اکھاڑ لے اور زمین خالی کر کے اس کے مالک کے حوالے کرے، کیونکہ زمین اس کے مالک کو مکان اور درخت کے بغیر واپس کرنا واجب ہے، اس لئے کہ مکان اور درخت کی کوئی ایسی حالت نہیں جو قائل انتظار ہو اور جہاں پہنچ کر وہ ختم ہو جائیں، اور اجرت کے ساتھ یا اجرت کے بغیر ہمیشہ ہمیش ان کو چھوڑ دینے میں زمین والے کا ضرر ہے، لہذا انوری طور پر ان کو اکھاڑنا متعین ہے، والا یہ کہ زمین والا یہ پسند کرے کہ اکھڑے ہوئے ہونے کی حالت میں اس کی قیمت دے کر اس کا مالک ہو جائے (اور یہ مکان اور درخت کے مالک کی رضامندی سے ہوگا) والا یہ کہ ان کے اکھاڑنے میں زمین میں نقص پیدا ہو جائے تو اس صورت میں اس کی رضامندی کے بغیر ان دونوں کو اپنی ملکیت میں لے سکتا ہے) یا علی حالہ اس کے چھوڑنے پر رضامند ہو جائے، اس صورت میں مکان اس کا اور زمین اس کی ہوگی، اس لئے کہ حق اسی کا ہے، جس کو نہ وصول کرنے کا اس کو اختیار ہے، یہ خفیہ کا مذہب ہے۔

حنابلہ کے نزدیک مالک کو اختیار دیا جائے گا کہ درخت اور عمارت کا اس کی قیمت کے بدلہ مالک بن جائے یا اجرت پر اس کو چھوڑ دے یا اس کو اکھاڑے اور نقص کا ضمان لے بشرطیکہ اس کے مالک نے اس کو نہ اکھاڑا ہو، اسی کے مثل شافعیہ کا مذہب بھی ہے والا یہ کہ زمین والے نے مدت ختم ہونے پر اکھاڑنے کی شرط لگائی ہو تو اس کی شرط پر عمل کیا جائے گا۔

مالکیہ کے نزدیک درخت والے کو مدت کے ختم ہونے کے بعد اکھاڑنے پر مجبور کیا جائے گا، اور زمین والے کے لئے جائز ہے کہ اگلی مدت کے لئے اس کو کرایہ پر دے دے (۱)۔ یہ درخت لگانے اور مکان بنانے سے متعلق حکم ہے۔

(۱) البدایہ ۳۵۵، الریاض ۵/۱۱۳، ۱۱۵، منتہی الارادات ۲/۳۸۱، المہذب ۱/۸۱۸۔

(۱) الدسوقی ۳۸۱، طبع دار الفکر، الکافی ۲/۲۳۳، ۲۵۵، المہذب ۱/۲۶۸، ۲۷۵، ۲۷۳۔

(جو کسی مسلمان کے ساتھ اقالہ کا معاملہ کرے، اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی لغزش سے درگزر کرے گا)۔

اِقالہ کا مقصد ہر حق کو حق دار کے پاس لوٹانا ہے، چنانچہ خرید و فروخت میں اِقالہ کے تقاضے سے فروخت کردہ سامان فروخت کنندہ کے پاس، اور ثمن خریدار کے پاس لوٹ آتا ہے۔

فی الجملہ ثمن اول یا اس کے مثل کو لوٹانا واجب ہے، ثمن کو اضافہ یا نقص کے ساتھ یا دوسری جنس سے لوٹانا جائز نہیں، اس لئے کہ اِقالہ کا تقاضا ہے کہ معاملہ کو سابقہ حالت پر لوٹا دیا جائے، اور ان میں سے ہر ایک اپنے سابقہ حق پر لوٹ آئے۔

یہ امر فی الجملہ متفق علیہ ہے، اور امام ابو یوسف کے نزدیک اِقالہ اس چیز کے ساتھ جائز ہے جس کو دونوں نے طے کیا ہے جیسا کہ بیح جدید (۱)۔

ہفتم: افلاس:

۱۵- قرض خواہوں کا حق دیوالیہ کے مال سے متعلق ہوتا ہے، اور فقہاء کے درمیان اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ اگر خریدار پر دیوالیہ ہونے کی وجہ سے، حجر (پابندی) عائد ہو جائے اور ابھی اس نے فوری واجب الاداء ثمن کو ادا نہ کیا ہو (اور بیع بائع کے قبضہ میں ہی ہو) تو بائع کے لئے جائز ہے کہ مشتری سے سامان کو روک لے، اور وہ بقیہ قرض خواہوں کے مقابلہ میں اس کا سب سے زیادہ حق دار ہے۔

لیکن اگر خریدار نے بیع پر قبضہ کر لیا ہو اور ثمن نہ دیا ہو، پھر اس پر دیوالیہ ہونے کی وجہ سے پابندی لگ جائے اور فروخت کنندہ مفلس کے ہاتھ میں اپنا فروخت کردہ مال بعینہ پالے تو وہ بقیہ قرض خواہوں

کھیتی کے بارے میں اگر مدت پوری ہو جائے اور کھیتی پکی نہ ہو تو اس حالت میں کرایہ پر دینے والا اپنی زمین واپس نہیں لے سکتا، بلکہ کٹائی تک کھیتی کو اپنے حال پر چھوڑے گا، اور مالک کو اجرت مثل ملے گی، اس لئے کہ کھیتی کی ایک متعین حد ہے، اس میں جانبین کی رعایت ممکن ہے۔

فقہاء کے یہاں فی الجملہ یہی حکم ہے، البتہ حنابلہ کے یہاں یہ قید ہے کہ کرایہ دار کی طرف سے کوئی عیب نہ ہو، اگر اس کی طرف سے کوئی عیب ہوگی تو اس کو اکھاڑنے پر مجبور کیا جائے گا، یہی شافعیہ کی رائے مطلق کھیتی میں ہے یعنی وہ کھیتی جس کی نوعیت کی تعیین نہ ہوئی ہو، اس صورت میں ان کے نزدیک مالک کو اختیار ہے کہ اس کو منتقل کر کے اپنی ملکیت میں لے لے، اور اگر تعیین کھیتی ہو اور اکھاڑنے کی شرط ہو تو وہ کھیتی والے کو اکھاڑنے پر مجبور کر سکتا ہے، اور اگر شرط نہ ہو تو دو قول ہیں: مجبور کیا جائے، نہ مجبور کیا جائے، اور مالکیہ کے نزدیک کٹائی تک اس کا باقی رہنا لازم ہے (۱)۔

اس کی تفصیل (اجارہ) میں دیکھی جائے۔

ششم: اِقالہ (بیع کے مکمل ہونے کے بعد باہمی رضامندی سے اس کو ختم کر دینا):

۱۴- اِقالہ کو خواہ فسخ مانا جائے یا بیع اس کی وجہ سے واپس لینے کا حق ثابت ہوتا ہے، اس لئے کہ یہ جائز تصرفات میں سے ہے فرمان نبوی ہے: ”من اقال مسلماً اقال اللہ عشرتہ یوم القیامۃ“ (۲)

(۱) البدائع ۲/۲۳۳، منشی الارادات ۲/۳۸۲، المہذب ۱/۳۱۰، ۳۱۱، جومہ الاکلیل ۲/۱۹۷۔

(۲) حدیث: ”من اقال مسلماً.....“ کی روایت ابن ماجہ (۲/۳۱۱) طبع عینی (العلی) اور ابو داؤد (عون المعبود ۳/۲۹۰) طبع المطبعۃ الانصاریہ (دہلی) نے کی ہے حاکم نے شیخین کی شرط پر اس کی تصحیح کی ہے اور ابن دہقان العید نے کہا ہے یہ شیخین کی شرط پر ہے (فیض القدیر ۶/۷۹۶) طبع المکتبہ التجاریہ۔

(۱) منشی الارادات ۲/۹۳، المہذب ۳/۵۳، کنی المطالب ۲/۷۳، طبع المکتبۃ الاسلامیہ، المہذب ۱/۳۰۹، معج الجلیل ۲/۵۰۵، الدرر النوری ۳/۱۵۶۔

سے سامان کا زیادہ حق دار ہوگا، اور بیع پر خریدار کے قبضہ کر لینے سے بائع کا حق ساقط نہ ہوگا، اس لئے کہ حضرت ابو ہریرہؓ کی مرفوع روایت ہے: ”من أدرك ماله عند إنسان أفلس فهو آحق به“ (۱) (جو شخص اپنی چیز کسی آدمی کے پاس پائے جو مفلس (دیوالیہ) ہو گیا ہو تو وہ اس کا زیادہ حق دار ہے)، اور یہی حضرت عثمان اور حضرت علی کا قول ہے، ابن منذر نے کہا ہے: ”ہمارے علم کے مطابق صحابہ میں سے کسی نے ان دونوں حضرات کی مخالفت نہیں کی ہے، پھر اگر فروخت کنندہ چاہے تو اس کو خریدار سے واپس لے کر بیع کو فسخ کر دے، اور اگر چاہے تو اس کو چھوڑ دے اور اپنے ثمن کے ساتھ بقیہ قرض خواہوں کا حصہ دار بن جائے، یہ مالکیہ، شافعیہ اور حنابلہ کے یہاں ہے، البتہ عین بیع کو واپس لینے کی مقررہ شرائط کی رعایت کی جائے گی، مثلاً بیع کا مشتری کی ملکیت میں باقی رہنا، اس میں کوئی تبدیلی نہ ہوئی ہو، اس سے کوئی حق متعلق نہ ہوا ہو وغیرہ (۲)۔

حنفی کا مذہب ہے کہ بیع میں فروخت کنندہ کا حق اس کی اجازت سے خریدار کے قبضہ کر لینے سے ساقط ہو جاتا ہے، اور وہ قرض خواہوں کے برابر ہو جائے گا، لہذا اس کو بیع کر اس کی قیمت حصے کے لحاظ سے تقسیم کی جائے گی، اس لئے کہ فروخت کنندہ کی ملکیت بیع سے زائل ہو چکی ہے، وہ سامان اس کے ضمان سے نکل کر خریدار کی ملکیت اور اس کے ضمان میں داخل ہو چکا ہے، لہذا وہ سبب استحقاق میں باقی قرض خواہوں کے برابر ہو جائے گا اور اگر خریدار نے فروخت کنندہ کی اجازت کے بغیر اس پر قبضہ کیا ہو تو اس کو واپس

لینے کا حق ہے (۱)۔

اگر فروخت کنندہ نے ثمن کے کچھ حصے پر قبضہ کیا ہو تو امام مالک نے فرمایا ہے: اگر چاہے تو ثمن کے جس حصے پر قبضہ کیا ہے اس کو واپس کر کے سارا سامان واپس لے لے، اور اگر چاہے تو بقیہ میں قرض خواہوں کے ساتھ حصہ دار ہو، اور امام شافعی نے کہا ہے: اپنے سامان کا وہ حصہ واپس لے گا جو بقیہ ثمن کے برابر ہے، اور اہل علم کی ایک جماعت (اسحاق و احمد) نے کہا ہے: وہ قرض خواہوں کے ساتھ برابر کا شریک ہوگا (۲)۔

اگر قرض خواہ فروخت کنندہ کو ثمن دے دیں تو مالکیہ کے نزدیک اس پر ثمن کا لینا لازم ہے، اور اس سلسلہ میں اس کو بات کرنے کا کوئی حق نہیں، اور شافعیہ کے نزدیک اس کو فسخ کرنے کا اختیار ہے، کیونکہ اس کو مقدم کرنے میں احسان ہے، اور دوسرے قرض خواہ کے نکل آنے کا اندیشہ ہے، اور ایک قول ہے کہ اس کو فسخ کا حق نہیں ہے، اور حنابلہ کے نزدیک اس کے لئے قرض خواہوں کی طرف سے قبول کرنا لازم نہیں، لہذا یہ کہ اگر قرض خواہ دیوالیہ کو دے دے، پھر دیوالیہ سامان والے کو دے دے تو درست ہے (۳)۔

اس موضوع سے متعلق بہت کچھ تفصیلات ہیں جن کو اصطلاح (حجر، افلاس) میں دیکھا جائے۔

ہشتم: موت:

۱۶- اگر کوئی مرجائے اور اس پر دین ہوں تو دین کا تعلق اس کے مال سے ہوگا، اور اگر کسی چیز کو خریدنے اور قبضہ کرنے کے بعد ثمن کی

(۱) حضرت ابو ہریرہؓ کی حدیث: ”من أدرك...“ کی روایت بخاری (بیع الباب ۵/۶۲ طبع المنقہ) نے کی ہے۔
(۲) مغنی المحتاج ۲/۵۸، المہذب ۳۲۹/۱، الدرر ۲۸۲/۳ طبع دار الفکر، جوہر الاکلیل ۲/۹۳، منشی الارادات ۲/۹۳، المغنی ۳/۵۷۔

(۱) ابن ماجہ ۳/۴۶، ۵/۹۹ طبع سوم، الہدایہ ۳/۲۸۷، البدائع ۵/۵۲۔
(۲) الدرر ۳/۲۸۲، جوہر الاکلیل ۲/۹۳، مغنی المحتاج ۲/۵۹، منشی الارادات ۲/۹۳۔
(۳) بدلیۃ المجرید ۲/۲۸۶، منشی الارادات ۲/۲۸۰، مغنی المحتاج ۲/۱۶۱۔

پھر خرید اردیو الیہ ہو گیا اور فروخت کنندہ کے قبضہ میں ثمن میں سے کچھ نہیں آیا اور اس نے اپنا مال بعینہ پالیا تو وہ اس کا زیادہ حق دار ہوگا، اور اگر خریدار مر جائے تو سامان والا قرض خواہوں کے برابر ہوگا۔ نیز اس لئے کہ ملکیت مفلس سے ورثاء کی طرف منتقل ہوگئی تو یہ ایسے ہی ہو گیا جیسا کہ اس کو بیچ دیا ہو (۱)۔

نہم: رشد:

۱۷- جس شخص پر تصرفات کے حق میں پابندی لگی ہو اس کے بالغ اور رشید ہونے پر مال اس کے حوالے کرنا واجب ہے، اس لئے کہ فرمان باری ہے: ”وَابْتَئِلُوا الْيَتَامَىٰ حَتَّىٰ إِذَا بَلَغُوا النِّكَاحَ فَإِنْ آنَسْتُمْ مِنْهُمْ رُشْدًا فَادْفَعُوا إِلَيْهِمْ أَمْوَالَهُمْ“ (۲) (اور یتیموں کی جانچ کرتے رہو یہاں تک کہ وہ عمر نکاح کو پہنچ جائیں تو اگر تم ان میں ہوشیاری دیکھ لو تو ان کے حوالہ ان کا مال کر دو)۔ یہاں تک کہ اس کے مطالبہ پر ولی یا وصی اگر اس کا مال اس کو نہ دے تو ضامن ہوگا (۳)، اس سلسلہ میں کچھ تفصیل ہے، (دیکھئے: رشد، حجر)۔

والپس کے مطالبہ کے الفاظ:

۱۸- عقد ناسد (جس میں عقد کو فسخ کرنا اور واپس کرنا واجب ہو) میں قول کے ذریعہ فسخ ہوگا مثلاً کہنے میں نے عقد کو فسخ کر دیا یا توڑ دیا یا رو کر دیا، اس کے بعد وہ فسخ ہو جائے گا، قاضی کے فیصلہ یا فروخت کنندہ کی رضامندی کی حاجت نہیں، اس لئے کہ یہ خرید و فروخت مستحق فسخ ہے جو اللہ کا حق ہے، اور رو کرنا فعل کے ذریعہ بھی

ادائیگی سے قبل مفلس ہونے کی حالت میں مر جائے اور فروخت کنندہ کو بعینہ اپنا مال ترک میں مل جائے تو شافیہ نے کہا ہے بئر وخت کنندہ کو اختیار ہے، ثمن کے بدلہ قرض خواہوں کے ساتھ حصہ لگائے یا فسخ کر کے اپنا مال بعینہ واپس لے لے، اس لئے کہ حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت میں ہے کہ حضرت ابو ہریرہؓ نے ایک مفلس کے بارے میں کہا: ان کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا تھا: ”ایما رجل مات أو أفلس فصاحب المتاع أحق بمتاعه إذا وجدته بعينه“ (جو مر جائے یا مفلس (دیوالیہ) ہو جائے تو سامان والا اپنے سامان کا زیادہ حق دار ہے اگر بعینہ اس کو مل جائے)، اگر ترک سے دین پورا ادا ہو جاتا ہو تو اس میں وقول ہیں: اول: اور یہی ابو سعیدؓ صخری کا قول ہے: وہ اپنا مال بعینہ واپس لے سکتا ہے، اس کی دلیل حضرت ابو ہریرہؓ کی حدیث ہے۔ دوم: اپنا مال بعینہ واپس نہیں لے سکتا اور یہی رائج مذہب ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ مال سے دین پورا ادا ہو جاتا ہے، اس لئے جمع کو واپس لینا جائز نہیں، جیسے اس مقرض کا حکم ہے جو زندہ اور مالدار ہو۔

حنابلہ، مالکیہ اور حنفیہ کے نزدیک فروخت کنندہ عین مال کو واپس نہیں لے سکتا، بلکہ وہ قرض خواہوں کے برابر ہوگا، اس لئے کہ ابو بکر بن عبد الرحمن بن حارث بن ہشام کی روایت میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”ایما رجل باع متاعه فافلس الذي ابتاعه، ولم يقبض الذي باعه من ثمنه شيئاً، فوجد متاعه بعينه فهو أحق به، وإن مات المشتري فصاحب المتاع أسوة الغرماء“ (۱) (جس نے اپنا سامان فروخت کر دیا،

(۱) غنی الارادات ۲/ ۲۸۰، المہذب ۱/ ۳۳۲، مخ الجلیل ۳/ ۱۳۸، بدائع الصنائع ۵/ ۲۵۲۔
(۲) سورہ نساء ۶۔
(۳) ابن ماجہ ۵/ ۹۸، الغنی ۳/ ۵۰۶، البدیع ۳/ ۲۹۲۔

(۱) حدیث: ”ایما رجل باع متاعه...“ کی روایت امام مالک (۲/ ۶۷۸ طبع مصنفی الجلی) اور ابو داؤد (عمون المعبود ۳/ ۳۰۹ طبع الانصاریہ) میں سے ہر ایک نے ملتے جلتے الفاظ کے ساتھ کی ہے یہ حدیث اپنے کثیر طرق کی وجہ سے صحیح ہے (تخصیص الحیر ۳/ ۳۹ طبع شرکت المطابع الفنیہ)۔

اس میں استحقاق ثابت ہو گیا ہو اور وہ شی جس میں رجوع کرنا جائز ہو مثلاً بیہ۔

اس کی دلیل فرمان باری ہے: "إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تُؤَدُّوا الْأَمَانَاتِ إِلَىٰ أَهْلِهَا" (۱) (اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ امانتیں ان کے اہل کو ادا کرو)۔

فرمان نبوی ہے: "علی الیہ ما أخذت حتی ترد" (جس نے کوئی چیز لی وہ اس کے ذمہ میں ہے، یہاں تک کہ لوٹا دے)، نیز فرمایا: "من وجد ماله بعینہ عند رجل قد أفلس فهو أحق به" (۲) (جس نے اپنا مال بعینہ کسی شخص کے پاس پایا جو مفلس ہو گیا ہے تو وہ اس کا زیادہ حق دار ہے)۔

اور عین شی کو لوٹنا ہی اصل واجب ہے (ابتداء قرض کے بارے میں آیا ہے کہ عین کا لوٹنا واجب نہیں، اگرچہ باقی ہو، ہاں ایسا کرنا جائز ہے) یہی حنابلہ و مالکیہ کا مذہب ہے، اور حنفیہ کے یہاں ظاہر روایت اور شافعیہ کا ایک قول ہے (۳)۔

یہ اس صورت میں ہے جب کہ سامان بعینہ موجود ہو، اس میں کوئی تبدیلی پیدا نہ ہوئی ہو، لیکن بسا اوقات اضافہ یا کمی یا صورت اور شکل کی تبدیلی سے بدل جاتا ہے تو کیا یہ عین واپس لینے میں مؤثر ہوگا؟ فقہاء نے اس کی بہت سی صورتیں اور مختلف فروعات ذکر کی ہیں،

(۱) سورہ نساء ۵۸۔

(۲) حدیث: "من وجد ماله بعینہ..." کی روایت احمد بن حنبل نے اپنی مسند (۲/۲۷۳ طبع المکتبۃ) میں ان ہی الفاظ کے ساتھ کی ہے اور امام بخاری نے قرطبہ قرطبہ انہی الفاظ میں روایت کی ہے (فتح المبارک ۵/۹۲ طبع المنقح)۔

(۳) البدائع ۷/۸۳، ۸۹، ۱۳۸، ۱۴۷/۵، ۲۱۰، ۳۰۰، ۳۱۶/۶، منشی الارادات ۲/۱۸۸، ۱۹۳، ۲۲۳، ۲۲۷، ۳۹۷، ۴۰۱، ۵۵، ۵۷، ۵۸، ۵۹، ۶۰، ۶۱، ۶۲، ۶۳، ۶۴، ۶۵، ۶۶، ۶۷، ۶۸، ۶۹، ۷۰، ۷۱، ۷۲، ۷۳، ۷۴، ۷۵، ۷۶، ۷۷، ۷۸، ۷۹، ۸۰، ۸۱، ۸۲، ۸۳، ۸۴، ۸۵، ۸۶، ۸۷، ۸۸، ۸۹، ۹۰، ۹۱، ۹۲، ۹۳، ۹۴، ۹۵، ۹۶، ۹۷، ۹۸، ۹۹، ۱۰۰، ۱۰۱، ۱۰۲، ۱۰۳، ۱۰۴، ۱۰۵، ۱۰۶، ۱۰۷، ۱۰۸، ۱۰۹، ۱۱۰، ۱۱۱، ۱۱۲، ۱۱۳، ۱۱۴، ۱۱۵، ۱۱۶، ۱۱۷، ۱۱۸، ۱۱۹، ۱۲۰، ۱۲۱، ۱۲۲، ۱۲۳، ۱۲۴، ۱۲۵، ۱۲۶، ۱۲۷، ۱۲۸، ۱۲۹، ۱۳۰، ۱۳۱، ۱۳۲، ۱۳۳، ۱۳۴، ۱۳۵، ۱۳۶، ۱۳۷، ۱۳۸، ۱۳۹، ۱۴۰، ۱۴۱، ۱۴۲، ۱۴۳، ۱۴۴، ۱۴۵، ۱۴۶، ۱۴۷، ۱۴۸، ۱۴۹، ۱۵۰، ۱۵۱، ۱۵۲، ۱۵۳، ۱۵۴، ۱۵۵، ۱۵۶، ۱۵۷، ۱۵۸، ۱۵۹، ۱۶۰، ۱۶۱، ۱۶۲، ۱۶۳، ۱۶۴، ۱۶۵، ۱۶۶، ۱۶۷، ۱۶۸، ۱۶۹، ۱۷۰، ۱۷۱، ۱۷۲، ۱۷۳، ۱۷۴، ۱۷۵، ۱۷۶، ۱۷۷، ۱۷۸، ۱۷۹، ۱۸۰، ۱۸۱، ۱۸۲، ۱۸۳، ۱۸۴، ۱۸۵، ۱۸۶، ۱۸۷، ۱۸۸، ۱۸۹، ۱۹۰، ۱۹۱، ۱۹۲، ۱۹۳، ۱۹۴، ۱۹۵، ۱۹۶، ۱۹۷، ۱۹۸، ۱۹۹، ۲۰۰، ۲۰۱، ۲۰۲، ۲۰۳، ۲۰۴، ۲۰۵، ۲۰۶، ۲۰۷، ۲۰۸، ۲۰۹، ۲۱۰، ۲۱۱، ۲۱۲، ۲۱۳، ۲۱۴، ۲۱۵، ۲۱۶، ۲۱۷، ۲۱۸، ۲۱۹، ۲۲۰، ۲۲۱، ۲۲۲، ۲۲۳، ۲۲۴، ۲۲۵، ۲۲۶، ۲۲۷، ۲۲۸، ۲۲۹، ۲۳۰، ۲۳۱، ۲۳۲، ۲۳۳، ۲۳۴، ۲۳۵، ۲۳۶، ۲۳۷، ۲۳۸، ۲۳۹، ۲۴۰، ۲۴۱، ۲۴۲، ۲۴۳، ۲۴۴، ۲۴۵، ۲۴۶، ۲۴۷، ۲۴۸، ۲۴۹، ۲۵۰، ۲۵۱، ۲۵۲، ۲۵۳، ۲۵۴، ۲۵۵، ۲۵۶، ۲۵۷، ۲۵۸، ۲۵۹، ۲۶۰، ۲۶۱، ۲۶۲، ۲۶۳، ۲۶۴، ۲۶۵، ۲۶۶، ۲۶۷، ۲۶۸، ۲۶۹، ۲۷۰، ۲۷۱، ۲۷۲، ۲۷۳، ۲۷۴، ۲۷۵، ۲۷۶، ۲۷۷، ۲۷۸، ۲۷۹، ۲۸۰، ۲۸۱، ۲۸۲، ۲۸۳، ۲۸۴، ۲۸۵، ۲۸۶، ۲۸۷، ۲۸۸، ۲۸۹، ۲۹۰، ۲۹۱، ۲۹۲، ۲۹۳، ۲۹۴، ۲۹۵، ۲۹۶، ۲۹۷، ۲۹۸، ۲۹۹، ۳۰۰، ۳۰۱، ۳۰۲، ۳۰۳، ۳۰۴، ۳۰۵، ۳۰۶، ۳۰۷، ۳۰۸، ۳۰۹، ۳۱۰، ۳۱۱، ۳۱۲، ۳۱۳، ۳۱۴، ۳۱۵، ۳۱۶، ۳۱۷، ۳۱۸، ۳۱۹، ۳۲۰، ۳۲۱، ۳۲۲، ۳۲۳، ۳۲۴، ۳۲۵، ۳۲۶، ۳۲۷، ۳۲۸، ۳۲۹، ۳۳۰، ۳۳۱، ۳۳۲، ۳۳۳، ۳۳۴، ۳۳۵، ۳۳۶، ۳۳۷، ۳۳۸، ۳۳۹، ۳۴۰، ۳۴۱، ۳۴۲، ۳۴۳، ۳۴۴، ۳۴۵، ۳۴۶، ۳۴۷، ۳۴۸، ۳۴۹، ۳۵۰، ۳۵۱، ۳۵۲، ۳۵۳، ۳۵۴، ۳۵۵، ۳۵۶، ۳۵۷، ۳۵۸، ۳۵۹، ۳۶۰، ۳۶۱، ۳۶۲، ۳۶۳، ۳۶۴، ۳۶۵، ۳۶۶، ۳۶۷، ۳۶۸، ۳۶۹، ۳۷۰، ۳۷۱، ۳۷۲، ۳۷۳، ۳۷۴، ۳۷۵، ۳۷۶، ۳۷۷، ۳۷۸، ۳۷۹، ۳۸۰، ۳۸۱، ۳۸۲، ۳۸۳، ۳۸۴، ۳۸۵، ۳۸۶، ۳۸۷، ۳۸۸، ۳۸۹، ۳۹۰، ۳۹۱، ۳۹۲، ۳۹۳، ۳۹۴، ۳۹۵، ۳۹۶، ۳۹۷، ۳۹۸، ۳۹۹، ۴۰۰، ۴۰۱، ۴۰۲، ۴۰۳، ۴۰۴، ۴۰۵، ۴۰۶، ۴۰۷، ۴۰۸، ۴۰۹، ۴۱۰، ۴۱۱، ۴۱۲، ۴۱۳، ۴۱۴، ۴۱۵، ۴۱۶، ۴۱۷، ۴۱۸، ۴۱۹، ۴۲۰، ۴۲۱، ۴۲۲، ۴۲۳، ۴۲۴، ۴۲۵، ۴۲۶، ۴۲۷، ۴۲۸، ۴۲۹، ۴۳۰، ۴۳۱، ۴۳۲، ۴۳۳، ۴۳۴، ۴۳۵، ۴۳۶، ۴۳۷، ۴۳۸، ۴۳۹، ۴۴۰، ۴۴۱، ۴۴۲، ۴۴۳، ۴۴۴، ۴۴۵، ۴۴۶، ۴۴۷، ۴۴۸، ۴۴۹، ۴۵۰، ۴۵۱، ۴۵۲، ۴۵۳، ۴۵۴، ۴۵۵، ۴۵۶، ۴۵۷، ۴۵۸، ۴۵۹، ۴۶۰، ۴۶۱، ۴۶۲، ۴۶۳، ۴۶۴، ۴۶۵، ۴۶۶، ۴۶۷، ۴۶۸، ۴۶۹، ۴۷۰، ۴۷۱، ۴۷۲، ۴۷۳، ۴۷۴، ۴۷۵، ۴۷۶، ۴۷۷، ۴۷۸، ۴۷۹، ۴۸۰، ۴۸۱، ۴۸۲، ۴۸۳، ۴۸۴، ۴۸۵، ۴۸۶، ۴۸۷، ۴۸۸، ۴۸۹، ۴۹۰، ۴۹۱، ۴۹۲، ۴۹۳، ۴۹۴، ۴۹۵، ۴۹۶، ۴۹۷، ۴۹۸، ۴۹۹، ۵۰۰، ۵۰۱، ۵۰۲، ۵۰۳، ۵۰۴، ۵۰۵، ۵۰۶، ۵۰۷، ۵۰۸، ۵۰۹، ۵۱۰، ۵۱۱، ۵۱۲، ۵۱۳، ۵۱۴، ۵۱۵، ۵۱۶، ۵۱۷، ۵۱۸، ۵۱۹، ۵۲۰، ۵۲۱، ۵۲۲، ۵۲۳، ۵۲۴، ۵۲۵، ۵۲۶، ۵۲۷، ۵۲۸، ۵۲۹، ۵۳۰، ۵۳۱، ۵۳۲، ۵۳۳، ۵۳۴، ۵۳۵، ۵۳۶، ۵۳۷، ۵۳۸، ۵۳۹، ۵۴۰، ۵۴۱، ۵۴۲، ۵۴۳، ۵۴۴، ۵۴۵، ۵۴۶، ۵۴۷، ۵۴۸، ۵۴۹، ۵۵۰، ۵۵۱، ۵۵۲، ۵۵۳، ۵۵۴، ۵۵۵، ۵۵۶، ۵۵۷، ۵۵۸، ۵۵۹، ۵۶۰، ۵۶۱، ۵۶۲، ۵۶۳، ۵۶۴، ۵۶۵، ۵۶۶، ۵۶۷، ۵۶۸، ۵۶۹، ۵۷۰، ۵۷۱، ۵۷۲، ۵۷۳، ۵۷۴، ۵۷۵، ۵۷۶، ۵۷۷، ۵۷۸، ۵۷۹، ۵۸۰، ۵۸۱، ۵۸۲، ۵۸۳، ۵۸۴، ۵۸۵، ۵۸۶، ۵۸۷، ۵۸۸، ۵۸۹، ۵۹۰، ۵۹۱، ۵۹۲، ۵۹۳، ۵۹۴، ۵۹۵، ۵۹۶، ۵۹۷، ۵۹۸، ۵۹۹، ۶۰۰، ۶۰۱، ۶۰۲، ۶۰۳، ۶۰۴، ۶۰۵، ۶۰۶، ۶۰۷، ۶۰۸، ۶۰۹، ۶۱۰، ۶۱۱، ۶۱۲، ۶۱۳، ۶۱۴، ۶۱۵، ۶۱۶، ۶۱۷، ۶۱۸، ۶۱۹، ۶۲۰، ۶۲۱، ۶۲۲، ۶۲۳، ۶۲۴، ۶۲۵، ۶۲۶، ۶۲۷، ۶۲۸، ۶۲۹، ۶۳۰، ۶۳۱، ۶۳۲، ۶۳۳، ۶۳۴، ۶۳۵، ۶۳۶، ۶۳۷، ۶۳۸، ۶۳۹، ۶۴۰، ۶۴۱، ۶۴۲، ۶۴۳، ۶۴۴، ۶۴۵، ۶۴۶، ۶۴۷، ۶۴۸، ۶۴۹، ۶۵۰، ۶۵۱، ۶۵۲، ۶۵۳، ۶۵۴، ۶۵۵، ۶۵۶، ۶۵۷، ۶۵۸، ۶۵۹، ۶۶۰، ۶۶۱، ۶۶۲، ۶۶۳، ۶۶۴، ۶۶۵، ۶۶۶، ۶۶۷، ۶۶۸، ۶۶۹، ۶۷۰، ۶۷۱، ۶۷۲، ۶۷۳، ۶۷۴، ۶۷۵، ۶۷۶، ۶۷۷، ۶۷۸، ۶۷۹، ۶۸۰، ۶۸۱، ۶۸۲، ۶۸۳، ۶۸۴، ۶۸۵، ۶۸۶، ۶۸۷، ۶۸۸، ۶۸۹، ۶۹۰، ۶۹۱، ۶۹۲، ۶۹۳، ۶۹۴، ۶۹۵، ۶۹۶، ۶۹۷، ۶۹۸، ۶۹۹، ۷۰۰، ۷۰۱، ۷۰۲، ۷۰۳، ۷۰۴، ۷۰۵، ۷۰۶، ۷۰۷، ۷۰۸، ۷۰۹، ۷۱۰، ۷۱۱، ۷۱۲، ۷۱۳، ۷۱۴، ۷۱۵، ۷۱۶، ۷۱۷، ۷۱۸، ۷۱۹، ۷۲۰، ۷۲۱، ۷۲۲، ۷۲۳، ۷۲۴، ۷۲۵، ۷۲۶، ۷۲۷، ۷۲۸، ۷۲۹، ۷۳۰، ۷۳۱، ۷۳۲، ۷۳۳، ۷۳۴، ۷۳۵، ۷۳۶، ۷۳۷، ۷۳۸، ۷۳۹، ۷۴۰، ۷۴۱، ۷۴۲، ۷۴۳، ۷۴۴، ۷۴۵، ۷۴۶، ۷۴۷، ۷۴۸، ۷۴۹، ۷۵۰، ۷۵۱، ۷۵۲، ۷۵۳، ۷۵۴، ۷۵۵، ۷۵۶، ۷۵۷، ۷۵۸، ۷۵۹، ۷۶۰، ۷۶۱، ۷۶۲، ۷۶۳، ۷۶۴، ۷۶۵، ۷۶۶، ۷۶۷، ۷۶۸، ۷۶۹، ۷۷۰، ۷۷۱، ۷۷۲، ۷۷۳، ۷۷۴، ۷۷۵، ۷۷۶، ۷۷۷، ۷۷۸، ۷۷۹، ۷۸۰، ۷۸۱، ۷۸۲، ۷۸۳، ۷۸۴، ۷۸۵، ۷۸۶، ۷۸۷، ۷۸۸، ۷۸۹، ۷۹۰، ۷۹۱، ۷۹۲، ۷۹۳، ۷۹۴، ۷۹۵، ۷۹۶، ۷۹۷، ۷۹۸، ۷۹۹، ۸۰۰، ۸۰۱، ۸۰۲، ۸۰۳، ۸۰۴، ۸۰۵، ۸۰۶، ۸۰۷، ۸۰۸، ۸۰۹، ۸۱۰، ۸۱۱، ۸۱۲، ۸۱۳، ۸۱۴، ۸۱۵، ۸۱۶، ۸۱۷، ۸۱۸، ۸۱۹، ۸۲۰، ۸۲۱، ۸۲۲، ۸۲۳، ۸۲۴، ۸۲۵، ۸۲۶، ۸۲۷، ۸۲۸، ۸۲۹، ۸۳۰، ۸۳۱، ۸۳۲، ۸۳۳، ۸۳۴، ۸۳۵، ۸۳۶، ۸۳۷، ۸۳۸، ۸۳۹، ۸۴۰، ۸۴۱، ۸۴۲، ۸۴۳، ۸۴۴، ۸۴۵، ۸۴۶، ۸۴۷، ۸۴۸، ۸۴۹، ۸۵۰، ۸۵۱، ۸۵۲، ۸۵۳، ۸۵۴، ۸۵۵، ۸۵۶، ۸۵۷، ۸۵۸، ۸۵۹، ۸۶۰، ۸۶۱، ۸۶۲، ۸۶۳، ۸۶۴، ۸۶۵، ۸۶۶، ۸۶۷، ۸۶۸، ۸۶۹، ۸۷۰، ۸۷۱، ۸۷۲، ۸۷۳، ۸۷۴، ۸۷۵، ۸۷۶، ۸۷۷، ۸۷۸، ۸۷۹، ۸۸۰، ۸۸۱، ۸۸۲، ۸۸۳، ۸۸۴، ۸۸۵، ۸۸۶، ۸۸۷، ۸۸۸، ۸۸۹، ۸۹۰، ۸۹۱، ۸۹۲، ۸۹۳، ۸۹۴، ۸۹۵، ۸۹۶، ۸۹۷، ۸۹۸، ۸۹۹، ۹۰۰، ۹۰۱، ۹۰۲، ۹۰۳، ۹۰۴، ۹۰۵، ۹۰۶، ۹۰۷، ۹۰۸، ۹۰۹، ۹۱۰، ۹۱۱، ۹۱۲، ۹۱۳، ۹۱۴، ۹۱۵، ۹۱۶، ۹۱۷، ۹۱۸، ۹۱۹، ۹۲۰، ۹۲۱، ۹۲۲، ۹۲۳، ۹۲۴، ۹۲۵، ۹۲۶، ۹۲۷، ۹۲۸، ۹۲۹، ۹۳۰، ۹۳۱، ۹۳۲، ۹۳۳، ۹۳۴، ۹۳۵، ۹۳۶، ۹۳۷، ۹۳۸، ۹۳۹، ۹۴۰، ۹۴۱، ۹۴۲، ۹۴۳، ۹۴۴، ۹۴۵، ۹۴۶، ۹۴۷، ۹۴۸، ۹۴۹، ۹۵۰، ۹۵۱، ۹۵۲، ۹۵۳، ۹۵۴، ۹۵۵، ۹۵۶، ۹۵۷، ۹۵۸، ۹۵۹، ۹۶۰، ۹۶۱، ۹۶۲، ۹۶۳، ۹۶۴، ۹۶۵، ۹۶۶، ۹۶۷، ۹۶۸، ۹۶۹، ۹۷۰، ۹۷۱، ۹۷۲، ۹۷۳، ۹۷۴، ۹۷۵، ۹۷۶، ۹۷۷، ۹۷۸، ۹۷۹، ۹۸۰، ۹۸۱، ۹۸۲، ۹۸۳، ۹۸۴، ۹۸۵، ۹۸۶، ۹۸۷، ۹۸۸، ۹۸۹، ۹۹۰، ۹۹۱، ۹۹۲، ۹۹۳، ۹۹۴، ۹۹۵، ۹۹۶، ۹۹۷، ۹۹۸، ۹۹۹، ۱۰۰۰، ۱۰۰۱، ۱۰۰۲، ۱۰۰۳، ۱۰۰۴، ۱۰۰۵، ۱۰۰۶، ۱۰۰۷، ۱۰۰۸، ۱۰۰۹، ۱۰۱۰، ۱۰۱۱، ۱۰۱۲، ۱۰۱۳، ۱۰۱۴، ۱۰۱۵، ۱۰۱۶، ۱۰۱۷، ۱۰۱۸، ۱۰۱۹، ۱۰۲۰، ۱۰۲۱، ۱۰۲۲، ۱۰۲۳، ۱۰۲۴، ۱۰۲۵، ۱۰۲۶، ۱۰۲۷، ۱۰۲۸، ۱۰۲۹، ۱۰۳۰، ۱۰۳۱، ۱۰۳۲، ۱۰۳۳، ۱۰۳۴، ۱۰۳۵، ۱۰۳۶، ۱۰۳۷، ۱۰۳۸، ۱۰۳۹، ۱۰۴۰، ۱۰۴۱، ۱۰۴۲، ۱۰۴۳، ۱۰۴۴، ۱۰۴۵، ۱۰۴۶، ۱۰۴۷، ۱۰۴۸، ۱۰۴۹، ۱۰۵۰، ۱۰۵۱، ۱۰۵۲، ۱۰۵۳، ۱۰۵۴، ۱۰۵۵، ۱۰۵۶، ۱۰۵۷، ۱۰۵۸، ۱۰۵۹، ۱۰۶۰، ۱۰۶۱، ۱۰۶۲، ۱۰۶۳، ۱۰۶۴، ۱۰۶۵، ۱۰۶۶، ۱۰۶۷، ۱۰۶۸، ۱۰۶۹، ۱۰۷۰، ۱۰۷۱، ۱۰۷۲، ۱۰۷۳، ۱۰۷۴، ۱۰۷۵، ۱۰۷۶، ۱۰۷۷، ۱۰۷۸، ۱۰۷۹، ۱۰۸۰، ۱۰۸۱، ۱۰۸۲، ۱۰۸۳، ۱۰۸۴، ۱۰۸۵، ۱۰۸۶، ۱۰۸۷، ۱۰۸۸، ۱۰۸۹، ۱۰۹۰، ۱۰۹۱، ۱۰۹۲، ۱۰۹۳، ۱۰۹۴، ۱۰۹۵، ۱۰۹۶، ۱۰۹۷، ۱۰۹۸، ۱۰۹۹، ۱۱۰۰، ۱۱۰۱، ۱۱۰۲، ۱۱۰۳، ۱۱۰۴، ۱۱۰۵، ۱۱۰۶، ۱۱۰۷، ۱۱۰۸، ۱۱۰۹، ۱۱۱۰، ۱۱۱۱، ۱۱۱۲، ۱۱۱۳، ۱۱۱۴، ۱۱۱۵، ۱۱۱۶، ۱۱۱۷، ۱۱۱۸، ۱۱۱۹، ۱۱۲۰، ۱۱۲۱، ۱۱۲۲، ۱۱۲۳، ۱۱۲۴، ۱۱۲۵، ۱۱۲۶، ۱۱۲۷، ۱۱۲۸، ۱۱۲۹، ۱۱۳۰، ۱۱۳۱، ۱۱۳۲، ۱۱۳۳، ۱۱۳۴، ۱۱۳۵، ۱۱۳۶، ۱۱۳۷، ۱۱۳۸، ۱۱۳۹، ۱۱۴۰، ۱۱۴۱، ۱۱۴۲، ۱۱۴۳، ۱۱۴۴، ۱۱۴۵، ۱۱۴۶، ۱۱۴۷، ۱۱۴۸، ۱۱۴۹، ۱۱۵۰، ۱۱۵۱، ۱۱۵۲، ۱۱۵۳، ۱۱۵۴، ۱۱۵۵، ۱۱۵۶، ۱۱۵۷، ۱۱۵۸، ۱۱۵۹، ۱۱۶۰، ۱۱۶۱، ۱۱۶۲، ۱۱۶۳، ۱۱۶۴، ۱۱۶۵، ۱۱۶۶، ۱۱۶۷، ۱۱۶۸، ۱۱۶۹، ۱۱۷۰، ۱۱۷۱، ۱۱۷۲، ۱۱۷۳، ۱۱۷۴، ۱۱۷۵، ۱۱۷۶، ۱۱۷۷، ۱۱۷۸، ۱۱۷۹، ۱۱۸۰، ۱۱۸۱، ۱۱۸۲، ۱۱۸۳، ۱۱۸۴، ۱۱۸۵، ۱۱۸۶، ۱۱۸۷، ۱۱۸۸، ۱۱۸۹، ۱۱۹۰، ۱۱۹۱، ۱۱۹۲، ۱۱۹۳، ۱۱۹۴، ۱۱۹۵، ۱۱۹۶، ۱۱۹۷، ۱۱۹۸، ۱۱۹۹، ۱۲۰۰، ۱۲۰۱، ۱۲۰۲، ۱۲۰۳، ۱۲۰۴، ۱۲۰۵، ۱۲۰۶، ۱۲۰۷، ۱۲۰۸، ۱۲۰۹، ۱۲۱۰، ۱۲۱۱، ۱۲۱۲، ۱۲۱۳، ۱۲۱۴، ۱۲۱۵، ۱۲۱۶، ۱۲۱۷، ۱۲۱۸، ۱۲۱۹، ۱۲۲۰، ۱۲۲۱، ۱۲۲۲، ۱۲۲۳، ۱۲۲۴، ۱۲۲۵، ۱۲۲۶، ۱۲۲۷، ۱۲۲۸، ۱۲۲۹، ۱۲۳۰، ۱۲۳۱، ۱۲۳۲، ۱۲۳۳، ۱۲۳۴، ۱۲۳۵، ۱۲۳۶، ۱۲۳۷، ۱۲۳۸، ۱۲۳۹، ۱۲۴۰، ۱۲۴۱، ۱۲۴۲، ۱۲۴۳، ۱۲۴۴، ۱۲۴۵، ۱۲۴۶، ۱۲۴۷، ۱۲۴۸، ۱۲۴۹، ۱۲۵۰، ۱۲۵۱، ۱۲۵۲، ۱۲۵۳، ۱۲۵۴، ۱۲۵۵، ۱۲۵۶، ۱۲۵۷، ۱۲۵۸، ۱۲۵۹، ۱۲۶۰، ۱۲۶۱، ۱۲۶۲، ۱۲۶۳، ۱۲۶۴، ۱۲۶۵، ۱۲۶۶، ۱۲۶۷، ۱۲۶۸، ۱۲۶۹، ۱۲۷۰، ۱۲۷۱، ۱۲۷۲، ۱۲۷۳، ۱۲۷۴، ۱۲۷۵، ۱۲۷۶، ۱۲۷۷، ۱۲۷۸، ۱۲۷۹، ۱۲۸۰، ۱۲۸۱، ۱۲۸۲، ۱۲۸۳، ۱۲۸۴، ۱۲۸۵، ۱۲۸۶، ۱۲۸۷، ۱۲۸۸، ۱۲۸۹، ۱۲۹۰، ۱۲۹۱، ۱۲۹۲، ۱۲۹۳، ۱۲۹۴، ۱۲۹۵، ۱۲۹۶، ۱۲۹۷، ۱۲۹۸، ۱۲۹۹، ۱۳۰۰، ۱۳۰۱، ۱۳۰۲، ۱۳۰۳، ۱۳۰۴، ۱۳۰۵، ۱۳۰۶، ۱۳۰۷، ۱۳۰۸، ۱۳۰۹، ۱۳۱۰، ۱۳۱۱، ۱۳۱۲، ۱۳۱۳، ۱۳۱۴، ۱۳۱۵، ۱۳۱۶، ۱۳۱۷، ۱۳۱۸، ۱۳۱۹، ۱۳۲۰، ۱۳۲۱، ۱۳۲۲، ۱۳۲۳، ۱۳۲۴، ۱۳۲۵، ۱۳۲۶، ۱۳۲۷، ۱۳۲۸، ۱۳۲۹، ۱۳۳۰، ۱۳۳۱، ۱۳۳۲، ۱۳۳۳، ۱۳۳۴، ۱۳۳۵، ۱۳۳۶، ۱۳۳۷، ۱۳۳۸، ۱۳۳۹، ۱۳۴۰، ۱۳۴۱، ۱۳۴۲، ۱۳۴۳، ۱۳۴۴، ۱۳۴۵، ۱۳۴۶، ۱۳۴۷، ۱۳۴۸، ۱۳۴۹، ۱۳۵۰، ۱۳۵۱، ۱۳۵۲، ۱۳۵۳، ۱۳۵۴، ۱۳۵۵، ۱۳۵۶، ۱۳۵۷، ۱۳۵۸، ۱۳۵۹، ۱۳۶۰، ۱۳۶۱، ۱۳۶۲، ۱۳۶۳، ۱۳۶۴، ۱۳۶۵، ۱۳۶۶، ۱۳۶۷، ۱۳۶۸، ۱۳۶۹، ۱۳۷۰، ۱۳۷۱، ۱۳۷۲، ۱۳۷۳، ۱۳۷۴، ۱۳۷۵، ۱۳۷۶، ۱۳۷۷، ۱۳۷۸، ۱۳۷۹، ۱۳۸۰، ۱۳۸۱، ۱۳۸۲، ۱۳۸۳، ۱۳۸۴، ۱۳۸۵، ۱۳۸۶، ۱۳۸۷، ۱۳۸۸، ۱۳۸۹، ۱۳۹۰، ۱۳۹۱، ۱۳۹۲، ۱۳۹۳، ۱۳۹۴، ۱۳۹۵، ۱۳۹۶

اور اس میں سب سے زیادہ اہم جس میں یہ تبدیلی ہوتی ہے یہ ہیں:
بیج فاسد، غصب اور بیہ، ذیل میں کچھ قواعد کلیہ ذکر کئے جا رہے ہیں
جن کے تحت بہت سی فروعات اور مسائل آجاتے ہیں۔

اول- بیج فاسد اور غصب کے درمیان تعلق:

۲۰- بیج فاسد اور غصب کا حکم یکساں ہے، کیونکہ بیج فاسد میں بیج
کرنا اور واپس کرنا، شریعت کے حق کی وجہ سے واجب ہے، اسی طرح
غصب کردہ سامان کا لوٹنا واجب ہے جس کی تفصیل حسب ذیل ہے:

الف- اضافہ کے ذریعہ تبدیلی:

۲۱- اگر بیج فاسد والی بیج یا غصب کردہ سامان میں اضافہ کے ذریعہ
تبدیلی ہو جائے اور زیادتی متصل ہو اور اصل سے پیدا شدہ ہو مثلاً
مونہ ہونا اور خوب صورتی یا الگ ہو خواہ اصل سے پیدا شدہ ہو جیسے بچہ،
دودھ اور پھل، یا اصل سے پیدا شدہ نہ ہو مثلاً بیہ، صدقہ اور کمائی تو یہ
اضافہ لوٹانے سے مانع نہیں، اور مستحق اصل کو مع اضافہ واپس لے سکتا
ہے، اس لئے کہ اضافہ اس کی ملکیت کی بڑھوتری ہے، اور اصل کے
تابع ہے اور اصل کا لوٹنا ضروری ہے، لہذا یہی حکم تابع کا بھی ہوگا،
غصب کے بارے میں یہ حکم فقہاء کے یہاں متفق علیہ ہے، اور غیر
مالکیہ کے یہاں بیج فاسد والی بیج کا بھی یہی حکم ہے، لیکن مالکیہ کے
یہاں بیج فاسد والی بیج اضافہ کی وجہ سے فوت ہو جائے گی، اور اس
کے عین کا واپس کرنا واجب نہیں ہوگا (۱)۔

اور اگر اضافہ متصل ہو اور اصل سے پیدا شدہ نہ ہو مثلاً کسی نے
کپڑا غصب کر کے اس کو رنگ دیا یا شے غصب کر کے لگی ماڈیا تو حنفیہ

کے نزدیک بیج فاسد میں واپس کرنا ممکن ہے، اس لئے کہ دونوں کو
الگ الگ کرنا مشکل ہے اور غصب میں مالک کو اختیار ہے، اگر
چاہے تو اس کو کپڑے کی قیمت کا رنگ کے بغیر ضامن بنادے، اور یہی
حکم شے کا ہے، اور اگر چاہے تو ان دونوں کو لے لے اور ان دونوں
میں رنگ اور لگی کی وجہ سے جو اضافہ ہوا ہے اس کا تاوان دے، اس
میں جامعین کی رعایت ہے، اور مالکیہ کے نزدیک بیج فاسد میں واپس
نہیں کیا جائے گا، اور غصب میں صرف کپڑے کی صورت میں مالک
کو اختیار ہے، رہا شے تو اس کو واپس نہیں لیا جائے گا، اس لئے کہ اس
میں طعام کا اضافہ کے ساتھ واپس لینا ہے (جو سود ہے)، اور حنابلہ
وشافعیہ کے نزدیک اس کے مالک کو لوٹنا یا جائے گا، اور وہ دونوں
اضافہ میں شریک ہوں گے اگر اس کی وجہ سے کچھ اضافہ ہو، اور
شافعیہ کہتے ہیں کہ اگر رنگ چھڑانا ممکن ہو تو اس کو اس پر مجبور کیا
جائے گا (۱)۔

ب- کمی کے ذریعہ تبدیلی:

۲۲- اگر تبدیلی کمی کے ذریعہ ہو مثلاً ارضی میں رہائش یا زراعت کی
وجہ سے نقص پیدا ہو جائے اور مثلاً کپڑا پھٹ جائے تو اس کو نقصان
کے تاوان کے ساتھ لوٹنا یا جائے گا، خواہ نقصان آسانی آفت کی وجہ
سے ہو یا غصب کرنے والے کے فعل کی وجہ سے یا فاسد خریداری
میں خریدنے والے کے عمل کی وجہ سے ہو، یہ حکم غصب میں بالاتفاق
ہے، اور غیر مالکیہ کے یہاں بیج فاسد کا بھی یہی حکم ہے، کیونکہ مالکیہ
کے نزدیک کمی کے ذریعہ تبدیلی اضافہ کی طرح سامان ختم ہوتا ہے، اور
لوٹانے سے مانع ہے (۲)۔

(۱) البدائع ۵/۳۰۲، الہدایہ ۳/۷۳، منہج الجلیل ۳/۵۳۸، المواق مع جامعہ
الخطاب ۵/۲۸۰، منتہی الارادات ۲/۱۱۲، منہج المحتاج ۲/۲۹۱۔
(۲) البدائع ۵/۳۰۲، الہدایہ ۳/۱۶۹، منہج الجلیل ۳/۵۰۸،

(۱) البدائع ۵/۳۰۲، الہدایہ ۳/۷۳، منہج الجلیل ۳/۵۸۰، منہج المحتاج ۲/۲۹۱،
منتہی الارادات ۲/۱۱۲، الہدایہ ۳/۷۳، منہج المحتاج ۲/۲۹۱،
منہج الجلیل ۳/۵۰۸، منہج المحتاج ۲/۲۹۱۔

ج۔ شکل و صورت کے ذریعہ تبدیلی:

۲۳۔ اگر اس سامان کی صورت بدل جائے جس کو واپس کرنا ہے مثلاً بکری تھی، اس کو ذبح کر کے بھون دیا یا گیہوں تھا، اس کو پیس دیا یا سوت تھا اس کا کپڑا بن دیا یا روئی تھی اس کو دھاگا بنا دیا یا کپڑا تھا اس کا کرتا سل دیا یا مٹی تھی اس کی اینٹ یا برتن بنا دیا، تو شافعیہ و حنابلہ کے نزدیک واپس لینے کے بارے میں اس کے مالک کا حق ختم نہ ہوگا، اسے مالک کو لوٹنا واجب ہے، اس لئے کہ وہ اس کا بعینہ مال ہے اور اس کے ساتھ ساتھ اس کو اس کے نقصان کا تاوان ملے گا اگر اس کی وجہ سے اس میں نقص پیدا ہو، جبکہ حنفیہ و مالکیہ کے نزدیک اس کے مالک کے لئے اس کو بعینہ لوٹنے کا حق ختم ہو جاتا ہے، اس لئے کہ اس کا نام بدل گیا (۱)۔

اس کا حق واپس لینے کے سلسلہ میں ختم ہو جائے گا (۱)۔

خلاصہ یہ کہ حنابلہ و شافعیہ کے نزدیک مالک کے لئے عین کو واپس لینے کا حق کلی طور پر اس کے ہلاک ہونے کے بعد ہی ختم ہوتا ہے، جب کہ حنفیہ کے نزدیک واپس لینے کا حق صرف اس صورت میں ختم ہوتا ہے جب اس کی صورت اور نام بدل جائے، اور یہی مسئلہ مالکیہ کے یہاں غصب میں ہے، جب کہ بیع فاسد میں اضافہ، کمی اور تبدیلی کو فوت ہونا سمجھا جاتا ہے، اس کی وجہ سے بیع واپس نہیں کی جاتی ہے۔

اس موضوع میں بہت سی تفصیلات اور مختلف مسائل ہیں (دیکھئے: غصب، بیع، فساد، فسخ)۔

دوم۔ ہبہ میں رد کا حکم:

۲۵۔ اگر کسی ایسے شخص کو ہبہ کیا جس سے ہبہ کو واپس لیا جاسکتا ہے (یہ فقہاء کے درمیان مختلف فیہ مسئلہ ہے اور اس کی تفصیل ہبہ کے بیان میں ہے)، تو واجب کے لئے جائز ہے کہ ہبہ میں رجوع کر لے اور اس کو واپس لے لے جب تک وہ بعینہ باقی ہے۔

اور اگر موهوب لہ کے قبضہ میں ہبہ میں اضافہ ہو جائے تو یہ اضافہ متصل ہوگا یا الگ، اگر اضافہ الگ ہو (جیسے بچہ اور پھل) تو یہ اضافہ واپس لینے سے مانع نہیں، البتہ صرف اصل کو واپس لیا جائے گا، اضافہ نہیں، یہ حنابلہ، شافعیہ اور حنفیہ کے نزدیک ہے۔

اگر اضافہ متصل ہو تو شافعیہ کے نزدیک وہ رجوع سے مانع نہیں اور اس کو اضافہ کے ساتھ واپس لے گا، جب کہ حنابلہ و حنفیہ کے نزدیک اضافہ متصل ہبہ میں رجوع سے مانع ہے۔

د۔ زمین میں پودا لگانے اور عمارت بنانے کے ذریعہ تبدیلی:

۲۴۔ زمین میں پودا لگانا اور تعمیر کرنا واپسی سے مانع نہیں ہوتا، پودا لگانے والے اور تعمیر کرنے والے کو پودے کے اکھاڑنے کا اور عمارت کو توڑنے کا حکم دیا جائے گا، اور زمین مالک کو لوٹا دی جائے گی، یہ حنابلہ، شافعیہ اور حنفیہ میں امام ابو یوسف و محمد کے نزدیک ہے، اور یہی حکم امام ابو حنیفہ اور مالکیہ کے نزدیک غصب میں ہے، بیع فاسد میں نہیں، چنانچہ مالکیہ کے نزدیک بیع فاسد میں اس کو فوت ہونا سمجھا جاتا ہے، اور امام ابو حنیفہ کے نزدیک پودا لگانا اور مکان بنانا فروخت کنندہ کی طرف سے قبضہ دینے کی وجہ سے ہوا ہے، لہذا

= معنی المحتاج ۲/۲۸۱۔

(۱) منشی الارادات ۲/۶۰۳، المہرب ۱/۳۷۶، مع الجلیل ۳/۵۱۸، البدائع ۵/۳۰۳، الاقویار ۳/۶۲۔

(۱) مع الجلیل ۳/۵۲۳، منشی الارادات ۲/۳۰۲، الہدایہ ۳/۷۷، المہرب ۱/۳۷۶۔

اور اگر واجب کے قبضہ میں بہہ میں نقص پیدا ہو جائے تو یہ رجوع سے مانع نہیں، بہہ کرنے والا اس کو نقص کے تاوان کے بغیر واپس لے سکتا ہے (۱)۔

معین عوض کی شرط کے ساتھ بہہ درست ہے، اور اگر عوض مجہول ہو تو صحیح نہیں جیسا کہ حنابلہ و شافعیہ کہتے ہیں، اور یہ بہہ بیع فاسد کی طرح ہو گیا، اس کا حکم بیع فاسد کے حکم کی طرح ہے، اور اس کو اس کے متصل و منفصل اضافے کے ساتھ لوٹایا جائے گا، اس لئے کہ وہ بہہ کرنے والے کی ملکیت میں اضافہ ہے (۲)۔

مالک کے مذہب میں باپ کے لئے اور اس شخص کے لئے جو عوض کی غرض سے بہہ کرے، اس میں رجوع کرنا جائز ہے اگر وہ عینہ باقی ہو، اور اگر اس میں کوئی تبدیلی اضافہ یا کمی کے ذریعہ پیدا ہو جائے تو واپس نہیں لیا جائے گا یا اگر اس لڑکے نے جس کو بہہ کیا گیا بہہ کی وجہ سے شادی کی تو یہ رجوع سے مانع ہوتا ہے (۳)۔

دوسری صورت: حق دار کے ذریعہ تلف کرنا:

۲۶- اگر مالک اس مال کو جس کا وہ مستحق ہے اس کے قابض کے پاس تلف کر دے تو اس کا واپس لینے والا سمجھا جائے گا، لہذا اگر غصب کیا ہوا کھانا غاصب اس کے مالک کو کھلا دے اور مالک نے یہ جانتے ہوئے کہ اس کا کھانا ہے، کھالیا، تو غاصب ضمان سے بری ہوگا، اور مالک کو اپنا کھانا واپس لینے والا سمجھا جائے گا، اس لئے کہ اس نے اپنا کھانا جانتے ہوئے کسی دھوکہ کے بغیر تلف کیا ہے اور یہ حکم بالاتفاق

ہے، اور اگر مالک کو علم نہ ہو کہ اسی کا کھانا ہے، تو حنابلہ کے نزدیک اور شافعیہ کے یہاں غیر اظہر قول کے مطابق غاصب ضمان سے بری نہ ہوگا (۱)۔

اگر خریدار نے بیع پر قبضہ کر لیا اور کسی سبب سے فروخت کنندہ کے لئے واپس لینے کا حق ثابت ہو گیا اور اس نے اس کو خریدار کے قبضہ میں تلف کر دیا تو بلاک کرنے کی وجہ سے وہ بیع کو واپس کرنے والا ہو گیا، پھر اگر بقیہ فروخت کنندہ کی طرف سے جنایت کے اثر سے بلاک ہو جائے تو وہ پورے کو واپس پانے والا ہو جائے گا، اور اس کا پورا دشمن خریدار سے ساقط ہو جائے گا، اس لئے کہ باقی کا بلاک ہونا، اس کے فعل کی طرف منسوب ہے، لہذا وہ کل کا واپس لینے والا ہو گیا اور اگر فروخت کنندہ بیع کو قتل کر دے تو قتل کی وجہ سے وہ اس کو واپس لینے والا سمجھا جائے گا، اسی طرح اگر فروخت کنندہ نے کنواں کھودا اور بیع اس میں گر کر مر گئی تو یہی حکم ہے، اس لئے کہ یہ قتل کے معنی میں ہے، لہذا وہ واپس لینے والا ہو جائے گا (۲)۔

واپس لینے کا حق کس کو ہے؟

۲۷- مالک (اگر تصرف کرنے کا اہل ہو) تو اس کے لئے اس شے کو واپس لینے کا حق ہے جس کا وہ مستحق ہے، اور وہ دوسرے کے پاس ہے، جس طرح یہ حق مالک کو حاصل ہوتا ہے اسی طرح اس شخص کو بھی حاصل ہوتا ہے جو اس کے قائم مقام ہو، لہذا اولیٰ یا وصی اس شخص کے حق کو لینے میں جس پر پابندی لگادی گئی ہو اس کے قائم مقام ہیں

(۱) البدائع ۵۰/۷، مغنی المحتاج ۲/۲۸۰، الدرر النوری ۳/۵۲، مخ الجلیل ۳/۵۳۲، منتہی الارادات ۲/۲۲۷، ۲/۲۲۸، کشاف القناع ۳/۱۰۳ طبع انصر الیاض۔

(۲) البدائع ۵۰/۷، ۲۳۹، ۲۳۱، ۳۰۳، مغنی المحتاج ۲/۶۷، الدرر النوری ۳/۱۰۵، مغنی ۳/۱۲۳۔

(۱) الہدایہ ۳/۲۲۷، منتہی الارادات ۲/۲۲۷، مغنی المحتاج ۲/۲۲۷۔

(۲) مغنی المحتاج ۲/۵۰۵، المہرب ۱/۵۵۳، ۳/۵۵۵، منتہی الارادات ۲/۵۱۸، ۵۱۹۔

(۳) مخ الجلیل ۳/۱۰۶۔

مثلاً ودیعت، غصب کردہ سامان، چہ ائے ہوئے سامان اور فاسد خریداری کے ذریعہ خریدی ہوئی چیز، اور تمام ضائع موال کی واپسی، اور اگر اس کے لئے واپس لینا ممکن نہ ہو تو یہی حاکم کے پاس مقدمہ لے جائے گا۔

اگر بچہ تہرع کرے تو اس کے تہرعات نافذ نہیں ہوں گے اور ولی کے لئے اس کو واپس کرنا متعین ہے (۱)۔

اسی طرح وکیل زیر وکالت معاملہ میں اپنے موکل کے قائم مقام ہوتا ہے، اور اس صورت میں وکیل کو واپس کرنا، موکل کو واپس کرنے کی طرح ہے، اس لئے کہ وکالت معاملات کو فتح کرنے اور حقوق پر قبضہ کرنے دونوں میں جائز ہے (۲)۔

یہی حکم وقف کے نگراں کا ہے کہ وہ وقف کے لئے نقصان دہ تصرفات کو رد کرنے کا مالک ہے (۳)۔

حاکم یا قاضی کو غائب کے مال پر نظر رکھنے کا حق ہے، اور وہ غائب اور چور سے اس کے مال کو لے گا اور اس کے لئے اس کو محفوظ رکھے گا، اس لئے کہ قاضی عاجز کے حق میں نگراں ہوتا ہے (۴)۔

۲۸- اسی طرح امام کو واپس لینے کا حق ہے، لہذا اگر امام کسی کو غیر آباد زمین الاٹ کر دے تو وہ اس کی وجہ سے اس کا مالک نہیں ہوگا، ہاں وہ اس کا زیادہ حق دار ہے، جیسا کہ زمین کی حد بندی کر کے آباد کرنے کا آغاز کرنے والا، اس کی دلیل حضرت بلال بن حارث کی

(۱) قلیوبی ۱۸۱/۳، ۱۸۳، ۱۸۶، ابن ماجہ ۳۶۶، ۳۶۵/۵ طبع سوم الاختیار ۶۷/۵، الخطاب ۲۳۵/۳، مع الجلیل ۱۶۹/۳، منشی الارادات ۲۴۳/۳۔

(۲) الدسوقی ۳۷۷/۳، البحر الرائق ۶۲/۶، منشی الارادات ۳۰۲/۳، ۳۰۳، قلیوبی ۱۸۳/۳۔

(۳) جامع المقصولین ۱۸/۲ طبع اول بلاق۔

(۴) الاختیار ۶۷/۵، ۶۸، ابن ماجہ ۳۶۷/۵، قلیوبی ۱۸۲/۳، الخطاب ۱۵۶/۳، المغنی ۵۲۰/۳۔

روایت ہے کہ حضرت عمرؓ نے ان سے ”عقیق“ کی وہ زمین واپس لے لی جو رسول اللہ ﷺ نے انہیں دی تھی اور وہ اس کی آباد کاری نہ کر سکے تھے (۱)، اگر وہ اس کے مالک ہو جاتے تو واپس لینا جائز نہ تھا، اسی طرح حضرت عمرؓ نے حضرت ابو بکرؓ کی طرف سے عیینہ بن حصن کے لئے الاٹ کی گئی زمین واپس لے لی، تو عیینہ نے حضرت ابو بکر سے درخواست کی کہ تحریر کی تجدید کر دیں تو حضرت ابو بکرؓ نے فرمایا: نہیں، خدا کی قسم! جس کو عمرؓ نے رو کر دیا میں اس کی تجدید نہیں کروں گا، البتہ جس کے لئے الاٹ کی گئی ہے وہ اور لوگوں کے مقابلہ میں اس کا زیادہ حق دار اور اس کی آباد کاری کا زیادہ مستحق ہوتا ہے، اب اگر وہ آباد کرے تو ٹھیک ہے ورنہ بادشاہ اس سے کہے گا کہ اس سے اپنا قبضہ ہٹاؤ (۲)۔

واپس لینے کے موانع:

۲۹- مالک یا اس کے قائم مقام کا واپس لینے کا حق بعض موانع کی وجہ سے ساقط ہو جاتا ہے جو حسب ذیل ہیں:

الف- ضمان کے ساقط ہونے کے ساتھ اصل کے واپس لینے کے حق کا ساقط ہونا۔

ب- ضمان کا حق باقی رہنے کے ساتھ اصل کے واپس لینے کے حق کا ساقط ہونا۔

ج- قضاء نہ کہ دیانۃ عین اور ضمان کے واپس لینے کے حق کا ساقط ہونا۔

(۱) بلال بن حارث کی حدیث کی روایت بیہقی (۱۳۸، ۱۳۹ طبع دارۃ المعارف اشعائین) نے کی ہے۔
(۲) المغنی لابن قدامہ ۵۷۹/۵، المہذب ۲۳۱/۳، مع الجلیل ۱۷۳/۱، ابن ماجہ ۲۷۸/۵۔

اول: اصل اور رمضان کے واپس لینے کا حق امور ذیل سے ساقط ہو جاتا ہے:
الف- حکم شرع:

۳۰- اس کی مثال صدقہ ہے، اگر کسی نے صدقہ کیا تو اس میں رجوع کرنا جائز نہیں، اس لئے کہ صدقہ اللہ سے ثواب حاصل کرنے کے ارادہ سے ہوتا ہے، اور سیدنا عمرؓ نے فرمایا: ”جو صدقہ کے طور پر بہہ کرے وہ اس میں رجوع نہیں کر سکتا“، یہ اجمالی حکم ہے، اس لئے کہ شافعیہ کے یہاں رائج رائے یہ ہے کہ اولاد پر نفلی صدقہ کیا جائے تو اس میں رجوع کرنا جائز ہے (۱)۔

اسی طرح جمہور کے نزدیک غیر اولاد کے لئے بہہ میں رجوع جائز نہیں ہے، اور امام احمد کے یہاں ایک روایت ہے کہ بیوی جو شوہر کو بہہ کرے اس میں رجوع جائز نہیں، اور حنفیہ کے نزدیک ذی رحم محرم کے لئے بہہ میں رجوع جائز نہیں، اور یہی حکم ان کے یہاں زوجین میں سے ایک دوسرے کے لئے بہہ کا ہے، جمہور کا استدلال اس فرمان نبوی سے ہے: ”لا یحل لرجل ان یعطي عطیة فی رجوع فیہا إلا الوالد فیما یعطي ولده“ (آدی کے لئے حلال نہیں کہ کوئی عطیہ دے پھر اس میں رجوع کرے، البتہ والد اپنی اولاد کو دیا ہوا عطیہ واپس لے سکتا ہے) (۲)۔

حنفیہ کا استدلال اس فرمان نبوی ﷺ سے ہے: ”الرجل

أحق بہبتہ مالہ یشب منہا“ (آدی اپنے بہہ کا زیادہ حق دار ہے، جب تک اس کو اس کا عوض نہ ملا ہو)، اور صلہ رحمی معنوی طور پر عوض ہے، کیونکہ آپس میں صلہ رحمی آخرت میں ثواب کا سبب ہے، لہذا یہ مال سے زیادہ قوی چیز ہے (۱)۔

اسی طرح وقف اگر تام و لازم ہو جائے تو اس میں رجوع جائز نہیں، اس لئے کہ وہ بھی ایک قسم کا صدقہ ہے، حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی روایت ہے: ”أصاب عمر أرضا بخیر، فأتی النبی ﷺ یستأمرہ فیہا، فقال: یا رسول اللہ! إني أصبت أرضا بخیر لم أصب قط مالا أنفس عندی منہ، فما تأمرنی فیہا؟ فقال: إن شئت حبست أصلہا وتصدقت بہا، غیر أنه لا یباع أصلہا ولا یتاع، ولا یوہب، ولا یورث“ (۲)
(حضرت عمر کو خیر میں ایک زمین ملی، وہ حضور ﷺ کے پاس اس کے بارے میں مشورہ کرنے آئے اور کہنے لگے: یا رسول اللہ! میں نے خیر میں ایک زمین پائی ہے جس سے بڑھ کر عمدہ مال میں نے کبھی نہیں پایا تو آپ ﷺ مجھے کیا مشورہ دیتے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اگر تم چاہو تو اصل کو باقی رکھو اور اس کی آمدنی کو صدقہ کر دو، البتہ وہ اصل زمین نہ بیچی جائے گی، نہ خریدی جائے گی، نہ بہہ کی جائے گی اور نہ اس میں وراثت جاری ہوگی)۔

شراب واپس نہیں لی جائے گی، کیونکہ مسلمان کے لئے اس کا مالک بننا حرام ہے، لہذا اگر اس کی شراب غصب کر لی جائے تو واپس لینا اس کے لئے جائز نہیں ہے، بلکہ اس کو بہادینا واجب ہے، کیونکہ روایت میں آیا ہے کہ حضرت ابو طلحہ نے رسول اللہ ﷺ سے ان

(۱) المغنی ۵/۶۸۳، نہایت المحتاج ۵/۳۱۳ طبع المکتبۃ الاسلامیہ، الہدایہ ۳/۲۳۱، الکافی ۲/۱۰۰۸۔

(۲) حدیث: ”لا یحل لرجل.....“ کی روایت امام ترمذی نے ابن عمرؓ اور ابن عباسؓ سے کی ہے اور انہوں نے کہا ہے یہ حدیث حسن صحیح ہے نیز ابو داؤد، احمد، نسائی، ابن ماجہ، ابن حبان اور حاکم سب نے اس کی روایت کی ہے ابن حبان اور حاکم نے اس کی تصحیح بھی کی ہے (تحت الاحوذ ۶/۳۳۳ طبع کردہ محمد عبدالحسن آلکنتی طبع المطبعۃ المجلد مصر)۔

(۱) البدائع ۶/۱۳۲، المغنی ۵/۶۸۳، ۶/۶۸۳، الوطاب ۶/۶۳، المہذب ۱/۵۳۔

(۲) الکافی ۲/۱۰۱۳، المغنی ۵/۶۰۰، ابن ماجہ ۳/۳۶۱، نہایت المحتاج ۵/۳۸۵۔

قیموں کے بارے میں دریافت کیا جنہیں شراب وراثت میں ملی تھی تو آپ ﷺ نے اس کو بھادینے کا حکم دیا (۱)۔

ب- تصرف کرنا اور تلف کرنا:

۳۱- بہہ جس میں رجوع جائز ہے خواہ بیٹے کے لئے ہو یا اجنبی کے لئے (جیسا کہ اس میں فقہاء کا اختلاف ہے) اگر موبہوب لہ اس میں تصرف کر دے یا اس کو تلف کر دے تو ضمان کے ساقط ہونے کے ساتھ بہہ کرنے والے کا حق رجوع بھی ساقط ہو جاتا ہے (۲)۔

ج- تلف ہونا:

۳۲- جو چیز امانت ہو جیسے وکیل اور مال مضاربت میں کام کرنے والے کے قبضہ کمال اور ودیعت کمال، نیز حنفیہ و مالکیہ کے نزدیک عاریت کا سامان اگر تعدی یا کوتاہی کے بغیر ضائع ہو جائے تو مالک کا واپس لینے کا حق ساقط ہو جاتا ہے (۳) اور ضمان بھی ساقط ہو جاتا ہے۔

دوم: حق ضمان کے باقی رہتے ہوئے اصل کے واپس لینے کے حق کا ساقط ہو جانا:

۳۳- جن چیزوں میں واپس کرنا واجب ہے مثلاً غصب کردہ شئی اور بیع فاسد کے ساتھ بیچا ہوا سامان، ان میں اصل سامان کا واپس لینا ہی اصل

(۱) منہج الجلیل ۵۱۹، المغنی ۲۹۹/۵، مغنی المحتاج ۲/۲۸۵، ابن ماجہ ۱۳۷/۵، اور ابو ظر کی حدیث کو ابو داؤد نے مفصل روایت کیا ہے (عمون البیہود ۳۶۷، طبع المطبعة الانصاریہ)، اور اسے اسی سند کے ساتھ مسلم نے صحیح میں مختصراً روایت کیا ہے (۳/۱۵۳، طبع مکتبی الکلی)۔

(۲) منہج الجلیل ۱۰۶/۳، البدائع ۶/۱۲۸، الزیلعی ۵/۸۹، منشی الارادات ۵۲۶/۲، مغنی المحتاج ۲/۳۰۳۔

(۳) الہدایہ ۳/۴۰۳، ۴۱۵، ۴۲۰، جوہر الاکلیل ۲/۱۰۳، ۱۳۰، ۱۳۵، المہذب ۱/۳۶۶، ۳۶۷، ۳۹۵، منشی الارادات ۲/۳۳۷، ۳۵۵۔

ہے، لہذا جب تک اصل سامان باقی ہو اس کا واپس کرنا واجب ہے۔ بلکہ چوری میں ہاتھ کاٹنا بھی مانع رد نہیں، لہذا چور پر ہاتھ کاٹنا اور چوری کئے ہوئے سامان کا ضمان دونوں جمع ہوں گے، اس لئے کہ یہ دو مستحقین کے دو الگ الگ حقوق ہیں، لہذا ان کا جمع ہونا جائز ہے، لہذا اگر چہ ایا ہوا مال باقی ہو تو چور اسے مالک کو واپس کرے گا، کیونکہ وہ عینہ اس کا مال ہے۔

اور بسا اوقات اصل سامان میں ایسے عوارض پیش آتے ہیں جو اس کو لوٹانے سے مانع ہوتے ہیں مثلاً ضائع کر دینا یا ضائع ہو جانا، یا ایسی تبدیلی جس کی وجہ سے اس کا نام بدل جائے، اور اس صورت میں حق ضمان (مثل یا قیمت) ثابت ہوگا، اس کی تفصیل اصطلاح (ضمان) میں ہے۔

سوم: قضاء نہ کہ دیانۃً عین اور ضمان کے واپس لینے کے حق کا ساقط ہونا:

۳۴- مثلاً مسلمان دار الحرب میں لان کے ساتھ جائے اور ان کا کوئی مال لے لے تو اس پر واپس کرنے یا ضمان دینے کا حکم نہیں لگایا جائے گا، البتہ فیما بینہ و بین اللہ اس کے ذمہ اس کو واپس کرنا لازم ہے۔

مانع کے ختم ہونے کے بعد واپس لینے کے حق کا لوٹ آنا: ۳۵- جس سامان کو واپس کرنا واجب تھا پھر کسی مانع کی وجہ سے واپس لینے کا حق باطل ہو گیا تو اگر یہ مانع زائل ہو جائے تو یہ حق واپس آ جائے گا، اس لئے کہ جب مانع ختم ہو گیا تو جس چیز کو اس نے روکا تھا وہ لوٹ آئے گی، اس کی بعض مثالیں یہ ہیں:

بیع فاسد جس میں واپس کرنا واجب ہوتا ہے، اس میں اگر خریدار بیع کے ذریعہ تصرف کر دے تو واپسی کا حق ساقط ہو جاتا ہے، اور اگر

لوٹ آئیں تو دیت واپس لی جائے گی، لہذا اگر کسی نے کسی انسان کے کان کو نقصان پہنچایا جس سے اس کی سماعت جاتی رہی اور اس سے دیت لی گئی، پھر سماعت لوٹ آئی تو دیت کو لوٹانا واجب ہے، اس لئے کہ سماعت نہیں گئی، کیونکہ اگر حقیقتاً جاچکی ہوتی تو لوٹ کر نہ آتی، اور اگر کسی نے کسی انسان کی دونوں آنکھوں کو نقصان پہنچایا اور دونوں کی روشنی چلی گئی تو دیت واجب ہوگی، پھر دیت لینے کے بعد اگر روشنی لوٹ آئی تو دیت کو واپس کرنا واجب ہے، یہ جمہور کا مذہب ہے، اور حنفیہ کے یہاں امام ابو حنیفہ اور صاحبین کے درمیان اختلاف ہے (۱) (دیکھئے: جنایت، دیت)۔

واپس لینے کا اثر:

۳۶- واپس لینا بعض تصرفات کے نتیجے میں پیدا ہونے والے حقوق میں سے ایک حق ہے، مثلاً غصب میں اس شخص کو جس کا سامان غصب کیا گیا ہو غاصب سے واپس لینے کا حق ہوتا ہے، اور عاریت میں عاریت دینے والے کو عاریت لینے والے سے واپس لینے کا حق ہوتا ہے، اور ودیعت میں ودیعت رکھنے والے کو مودع (وہ شخص جس کے پاس ودیعت رکھی گئی) سے واپس لینے کا حق ہوتا ہے، اور رہن میں رہن کو دین کی ادائیگی کے بعد مرتہن سے رہن رکھے ہوئے سامان کے واپس لینے کا حق ہوتا ہے۔

اور جس سامان کی بعینہ واپسی واجب ہے مثلاً غصب کیا ہوا سامان اور بیع فاسد والی بیع اور امانات کو مطالبہ کے وقت کلی طور پر لوٹا دیا جائے یا واپس لے لیا جائے تو درج ذیل اثرات مرتب ہوں گے:

اس کے بعد وہ سامان خریدار کے پاس خیار شرط یا خیار رویت یا خیار عیب کی وجہ سے قاضی کے فیصلہ کی بنا پر واپس آجائے، اور ملک اول کے حکم پر لوٹ آئے تو فسخ کرنے اور واپس کرنے کا حق لوٹ آئے گا، کیونکہ ان وجوہ کی بنیاد پر واپس کرنا محض فسخ ہے، لہذا یہ عقد کو اصلاً ختم کرنا اور اس کو نہ ہونے کے درجہ میں کر دینا ہوا، اور اگر بیچنے والا اس کو دوبارہ خریدے یا اس کے پاس کسی نئے سبب کے ذریعہ لوٹ آئے تو حق فسخ نہیں لوٹے گا، اس لئے کہ سبب کے بدلنے سے ملکیت بدل گئی، اور دونوں ملکیتوں کا اختلاف دو عقد کے اختلاف کے درجہ میں ہو گیا۔

یہ حنفیہ کا مذہب ہے، اور مانع کے ختم ہونے کے بعد واپس لینے کے حق کے لوٹ آنے میں مالکیہ کا بھی یہی مسلک ہے، البتہ مالکیہ کا حنفیہ سے اختلاف اس صورت میں ہے کہ اگر فساد کے ساتھ فروخت کیا ہو اسامان خریدار کے پاس کسی بھی طریقے سے لوٹ آئے، (خواہ اس کا لوٹنا اختیاری ہو یا غیر اختیاری ہو مثلاً وراثت) تو واپس لینے کا حق لوٹ آئے گا جب تک حاکم عدم رد کا فیصلہ نہ کر دے، یا اس کا فوت ہونا بازار کے بگڑنے سے ہو، پھر بازار اپنی حالت پر لوٹ آئے اس صورت میں سبب مانع کا حکم ختم نہیں ہوگا، اور نہ خریدار کے ذمہ اس کا لوٹنا واجب ہوگا۔

حنابلہ وشافعیہ کے یہاں بیع فاسد سے خریدار کو ملکیت حاصل نہیں ہوتی، اور نہ ہی خریدار کی طرف سے اس میں بیع یا ہبہ یا عتق وغیرہ کا تصرف نافذ ہوتا ہے، اور اس کا واپس کرنا واجب ہوگا بشرطیکہ تلف نہ ہو کہ اس صورت میں اس میں ضمان ہے (۱)۔

ایک اور مثال یہ ہے کہ اگر اعضاء کے منافع کو کوئی نقصان پہنچانے میں دیت واجب ہو اور وہ اعضاء اپنی فطری حالت پر

(۱) المطالب ۲۶۱/۶، ۲۶۲، نہایۃ المحتاج ۳۱۶/۷، المحرر ۱۲۹/۳، الترتیبی ۱۳۸/۶۔

(۱) البدائع ۳۰۱/۵، ۳۰۲، الدرر ۵۷۳، المغنی ۲۵۲/۳، ۲۵۳۔

استرسال ۱-۲

الف- ضمان سے بری ہونا، لہذا غاصب غصب کئے ہوئے سامان کو لوٹا کر اور مودع (ودیعت اپنے پاس رکھنے والا) ودیعت کو واپس کر کے بری ہو جائے گا، اسی طرح دوسری چیزیں۔

ب- واپس کرنے کو عقد کا فسخ کرنا مانا جائے گا، لہذا عاریت، ودیعت اور فساد کے ساتھ فروخت کئے ہوئے سامان کو واپس کرنا عقد کو فسخ کرنا سمجھا جائے گا۔

ج- بعض حقوق کا مرتب ہونا، مثلاً جس شخص کے ہاتھ میں کسی چیز میں استحقاق نکل آئے تو اس کو اس شخص سے ثمن وصول کرنے کا حق ہے جس سے اس نے اس کو خریدا تھا۔

استرسال

تعریف:

۱- استرسال کی اصل لغت میں ساکن اور ثابت ہونا ہے۔ اس کے لغوی معنی انس حاصل کرنا، کسی سے مطمئن ہونا، اور اس پر اعتماد کرنا ہے (۱)۔

فقہاء اس کو چند معانی میں استعمال کرتے ہیں:

الف- بمعنی کسی سے مطمئن ہونا اور اس پر اعتماد کرنا، یہ ”بیع“ کی بحث میں ہے (۲)۔

ب- بمعنی ایک چیز سے دوسری چیز کی طرف جانا، اس سے جاملنا، پہنچ جانا (۳)۔ اور یہ ”ولاء“ کی بحث میں ہے۔

ج- بمعنی چلنا، بھیجنے والے کے بغیر از خود جانا (۴)، اور یہ ”صید“ (شکار) کی بحث میں ہے۔

اجمالی حکم:

اول- بیع کے بارے میں:

۲- مسترسال: وہ شخص جو سامان کی قیمت سے ما واقف ہو اور اچھی

(۱) لسان العرب، المصباح المہیر، مادۃ (رسل)۔

(۲) لفظاب ۳۷۰ طبع دارالفکر، المغنی ۳/۵۸۳ طبع مکتبۃ الریاض المحمدیہ۔

(۳) الوجیز ۲/۲۹۹ طبع مطبعۃ الآداب، المواق مع حاشیۃ لفظاب ۶/۳۶۱ طبع دارالفکر۔

(۴) جوہر الاکلیل ۱/۲۱۱ طبع دارالمعرفۃ بیروت، الوجیز ۲/۲۰۷۔

استرسال ۳-۴

دوم-شکار سے متعلق:

۳- جارح (شکاری) جانور کے مارے ہوئے شکار کے مباح ہونے کی شرط یہ ہے کہ شکاری اس کو روانہ کرے، اگر وہ شکاری کے روانہ کئے بغیر خود بخود چلا جائے تو اس کا مارا ہوا شکار حلال نہیں، الا یہ کہ شکار کو ایسی حالت میں پائے کہ زخم فوری طور پر جان لیوا نہ ہو اور اس کو شرعی طور پر ذبح کرے تو حلال ہے۔

اس پر فقہاء کا اتفاق ہے (۱)، لیکن اگر شکار کے خود بخود چل دینے کی صورت میں شکاری نے اس کو بھڑکایا یا جھڑکا تو کیا وہ حلال ہے یا نہیں؟ یہ مختلف فیہ مسئلہ ہے، اس کی تفصیلی جگہ اصطلاح: (صيد، ارسال) ہے۔

سوم-ولاء سے متعلق:

۴- اگر کسی غلام نے کسی آزاد عورت سے شادی کی جس کو دوسروں نے آزاد کیا تھا، اور اس سے اس کی اولاد ہوئی تو یہ اولاد اپنی ماں کے آقاؤں کے آزاد کردہ غلام ہوں گے جب تک کہ باپ غلام اور مملوک ہے، اور جب باپ آزاد ہو جائے گا تو یہ ولایہ ماں کے آقاؤں سے منتقل ہو کر غلام (باپ) کے آقاؤں کی طرف چلا جائے گا۔

اگر باندی اپنی آزادی سے قبل اولاد جنے، پھر اس کے بعد آزادی جائے تو یہ ولایہ منتقل نہیں ہوگا، اس لئے کہ اولاد پر غلامی اثر انداز ہو چکی، اور یہ متفق علیہ مسئلہ ہے (۲)۔

طرح خریداری نہ کر سکے، امام احمد نے فرمایا: مسترسل وہ ہے جو قیمت کم نہ کرائے، کو یا اس نے فروخت کنندہ پر اعتماد کر کے جو اس نے دیا اس کو قیمت کم کرائے بغیر اور بائع کے دھوکے سے واقفیت کے بغیر لے لیا۔

اگر مسترسل کو غیر معمولی دھوکہ ہو جائے تو اس کے لئے خیال کے ثبوت کے بارے میں فقہاء کا اختلاف ہے: مالکیہ و حنابلہ کے نزدیک اس کو فسخ یا نافذ کرنے کا اختیار ہے، کیونکہ فرمان نبوی ہے: ”غبن المسترسل حرام“ (۱) (مسترسل کو دھوکہ دینا حرام ہے)۔

شافعیہ کے نزدیک اور حنفیہ کے یہاں ظاہر الروایہ یہ ہے کہ اس کو واپس کرنے کا حق نہیں، اس لئے کہ خرید کردہ سامان صحیح سالم ہے اور فروخت کنندہ کی طرف سے دھوکہ دینے کا حق نہیں پائی گئی، بلکہ خریدار نے اپنی کوتاہی سے غور و فکر نہیں کیا، لہذا اس کے لئے لوٹانا جائز نہیں۔

حنفیہ کے یہاں دوسری روایت یہ ہے کہ اگر دھوکہ دینے ہو تو واپس کرنے کا فتویٰ دیا جائے گا تا کہ لوگوں کے لئے سہولت ہو (۲)۔

کس کو غبن (دھوکہ دینے) مانا جائے، کس کو نہیں، اور کیا اس کی حد تہائی یا اس سے کم یا اس سے زیادہ ہے، وغیرہ کے بارے میں فقہاء کے یہاں تفصیل ہے، دیکھئے: اصطلاح (غبن، خیال)۔

(۱) المغنی ۳/۵۸۳، الاطاب ۲/۷۰، المواع مع حاشیہ الاطاب ۲/۶۸، اور حدیث ”غبن المسترسل حرام“ کو طبرانی (۱۳۹/۸) طبع وزارت اوقاف عراق نے روایت کیا ہے اور ثعلبی نے کہا ہے اس میں موسیٰ بن عمیر راجع ہیں وروہ بہت ضعیف ہیں، دیکھئے مجمع الزوائد ۶/۶۸۳ طبع القدسی۔
(۲) ابن حبان ۱/۶۶، ۱۶۷ طبع سوم بلاق، المہذب ۱/۲۹۳ طبع دار المعرفہ بیروت۔

(۱) المغنی ۸/۵۵۰، ۵۵۵، البدائع ۵/۵۵ طبع المجلد، جوہر الاکلیل ۱/۳۱۱، الوجیز ۲/۲۰۷۔
(۲) الوجیز ۲/۷۹، المہذب ۲/۲۳، المواع مع حاشیہ الاطاب ۶/۶۱، المغنی ۶/۶۱، الہدایہ ۱/۲۷۱، ۲۷۲ طبع المکتبۃ الاسلامیہ، الترمذی فقرہ ۲۸، ۲۹۳ طبع وزارت اوقاف کوہست۔

بحث کے مقامات:

۵- ان موضوعات کی تفصیل: بیع کے تحت باب "بیع" میں اور باب "ولاء" اور باب "صید" کے تحت شکار کے حوالہ ہونے کی شرائط میں دیکھی جائے (۱)۔

استرتاق

تعریف:

۱- استرتاق کا معنی لغت میں غلام بنانا ہے (۱)، اور "رق" کا معنی انسان کا مملوک و غلام ہونا ہے، فقہی استعمال اس سے الگ نہیں۔

متعلقہ الفاظ:

الف- اسر، سبی:

۲- اسر: اسار سے ہے بمعنی باندھنا اور اسار: جس کے ذریعہ باندھا جائے، اور کبھی خود پکڑنے پر اسر کا اطلاق ہوتا ہے، اور سبی اور اسر ایک ہیں، لیکن سبی کا غالب اطلاق عورتوں اور بچوں کے پکڑنے پر ہوتا ہے۔

اسر اور سبی فی الجملہ استرتاق سے پہلے کا مرحلہ ہے، اس کے بعد استرتاق ہوتا بھی ہے اور نہیں بھی ہوتا، کیونکہ کبھی کبھی جنگجو پکڑا جاتا ہے پھر اس پر احسان کرتے ہوئے اسے چھوڑ دیا جاتا ہے، یا فدیہ لے کر اسے آزاد کر دیا جاتا ہے یا اسے قتل کر دیا جاتا ہے اور اس کو غلام نہیں بنایا جاتا (۲)۔



(۱) لسان العرب: مادہ (رق)۔

(۲) لسان العرب، تاج العروس: مادہ (رق) کو (اسر) کو (سبی)، لغت ۳/۵۸۸ طبع سوم المنار، طبع مکتبۃ الریاض المحمدیہ، اتنی المطالب ۳/۵۳ طبع المکتبۃ الاسلامیہ، جامعۃ الدوسقی ۲/۲۰۰ طبع دار الفکر۔

(۱) سارہ مراجع۔

استرقاق ۳-۵

استرقاق کا شرعی حکم:

۳- قیدی بنائے گئے شخص کے اعتبار سے استرقاق کا حکم الگ الگ ہے، اگر قیدی ایسا ہو جس کو جنگ میں قتل کرنا جائز ہے تو اس کا غلام بنانا واجب نہیں، بلکہ جائز ہے، اور یہ امام کی صوابدید پر ہوگا، اگر اس کے قتل میں مسلمانوں کے لئے کوئی مصلحت سمجھے تو اسے قتل کر دے، اور اگر اس کا غلام بنانے میں مصلحت دیکھے تو اس کو غلام بنالے، نیز احسان کر کے یا قیدی لے کر آزاد کرنا بھی جائز ہے اور اگر قیدی کو جنگ میں قتل کرنا جائز ہو تو اس کے بارے میں فقہاء کے دو مختلف نقطہ ہائے نظر ہیں:

شافعیہ و حنابلہ کی رائے ہے کہ اس کو غلام بنانا واجب ہے، بلکہ وہ کہتے ہیں کہ وہ قید ہوتے ہی غلام ہو جائے گا (۱)۔

جب کہ حنفیہ و مالکیہ کی رائے ہے کہ اس کا غلام بنانا جائز ہے، چنانچہ امام کو اس کا غلام بنانے یا نہ بنانے کا اختیار ہے، مثلاً ان کو مسلمانوں کے لئے ذمی بنا دے یا ان کو فد یہ میں دے دے (۲)، یا احسان کر کے چھوڑ دے (جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے فتح مکہ کے موقع پر کیا) جس میں مصلحت ہو وہی کرے تفصیل کے لئے دیکھئے: (اُسرے)۔

غلام بنانے کی مشروعیت کی حکمت:

۴- صاحب ہدایہ کے استاذ محمد بن عبد الرحمن بخاری نے کہا: ”انسانوں میں غلامی کا ثبوت محض اس وجہ سے ہوا کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی بندگی سے منہ موڑا جس نے ان کو پیدا کیا، حالانکہ سب لوگ اس کے بندے اور غلام ہیں، کیونکہ اسی نے ان کو پیدا کیا اور

وجود بخشا، لیکن جب انہوں نے اللہ کی بندگی سے منہ موڑا تو اللہ نے ان کو یہ سزا دی کہ اپنے بندوں کا غلام بنادیا، پھر جب آزاد کرنے والے نے اس کو آزاد کر دیا تو اللہ کے حق کے طور پر خالص اس کی بندگی میں لوٹا دیا، شاید کہ وہ اس احسان پر غور کرے کہ اگر وہ اللہ کی بندگی سے منہ موڑے گا تو اللہ کے بندوں کی بندگی میں مبتلا ہو جائے گا، اور اس سوچ کی بنا پر وہ اللہ کی وحدانیت کا ترار کرے گا، اور اس کی بندگی پر فخر کرے گا (۱) فرمان باری ہے: ”لَنْ يَسْتَنْكِفَ الْمَسِيحُ أَنْ يَكُونَ عَبْدًا لِلَّهِ (۲)“ (مسیح ہرگز اس سے عار نہ کریں گے کہ وہ اللہ کے بندہ ہیں)۔

۵- اسلام نے غلامی سے چھٹکارے کا جو طریقہ بتایا ہے وہ اختصار کے طور پر دو امور میں آ جاتا ہے:

امراول: استرقاق کے تمام ذرائع کو صرف دو شکلوں میں محدود کرنا، تیسرا کوئی ذریعہ نہیں، اور ان دو کے علاوہ کسی بھی تیسرے ذریعہ کے جائز ہونے کا انکار، وہ دو ذرائع یہ ہیں:

اول۔ کافر دشمن کے ساتھ جنگ میں پکڑے گئے اور قید کئے گئے لوگ، اگر امام مصلحت سمجھے تو ان کو غلام بنالے۔

دوم۔ باندی کی اولاد جو اس کے آقا کے علاوہ دوسرے شخص سے ہو، کیونکہ اس کے آقا سے اس کی جو اولاد ہوگی آزاد ہوگی۔

امردوم۔ غلاموں کی آزادی کا دروازہ کلی طور پر کھولنا مثلاً کنفارات میں، نذر میں اور اللہ تعالیٰ کا تقرب حاصل کرنے کے لئے آزاد کرنا اور مکاتبت، استیلاء، تدبیر کا معاملہ، نیز حرم کی ملکیت میں آنے کی وجہ سے آزادی اور بدسلوکی کی وجہ سے آزادی وغیرہ۔

(۱) محاسن الاسلام للبخاری شیخ صاحب الہدایہ ص ۵۵ طبع القدسی۔

(۲) سورہ نساء ۷۲۔

(۱) الام ۳۳۳ طبع دار المعرفۃ، اسی المطالب ۳۳۳، الکافی ۳۷۱۔

(۲) بدائع الصنائع ۳۸۳، فتح القدیر ۳۶۶، ہوامب الجلیل ۳۵۱۔

استزقاق ۶-۸

۶- غلام بنانے کا حق کس کو ہے؟

فقہاء کا اس پر اتفاق ہے کہ غلام بنانا یا احسان کرنا، یا فدیہ لینے کا حق امام المسلمین کو ہے، کیونکہ اس کو عام اختیار حاصل ہے یا اس کے نائب کو ہے، اور اسی وجہ سے غلام بنانے یا نہ بنانے کا اختیار اسی کو دے دیا گیا ہے (۱)۔

غلامی کے اسباب:

اول- کس کو غلام بنایا جائے گا؟

۷- آدمی کو غلام بنانا جائز نہیں، الا یہ کہ غلام بنائے جانے والے میں دو صفات پوری طرح پائی جائیں: صفت اول: کفر، صفت دوم: جنگ، خواہ بذات خود جنگ کرے یا جنگ کرنے والے کے ماتحت ہو۔ تفصیل حسب ذیل ہے:

الف- وہ قیدی جو عملی طور پر مسلمانوں کے خلاف جنگ میں شریک رہے:

۸- یہ اہل کتاب ہوں گے یا مشرکین، یا مرتد یا باغی۔

(۱) اگر اہل کتاب ہوں تو بالاتفاق ان کو غلام بنانا جائز ہے، اور اس سلسلہ میں مجوس کے ساتھ بھی یہی معاملہ ہوگا۔

(۲) اگر مشرک ہوں تو عرب ہوں گے یا غیر عرب، اگر غیر عرب ہوں تو حنفیہ، مالکیہ، بعض شافعیہ اور بعض حنابلہ نے کہا ہے: ان کو غلام بنانا جائز ہے، اور بعض شافعیہ اور بعض حنابلہ نے کہا: جائز نہیں ہے۔ اور اگر عرب ہوں تو مالکیہ، بعض شافعیہ اور بعض حنابلہ کی رائے ہے کہ ان کو غلام بنانا جائز ہے۔

البتہ مالکیہ نے عربوں میں قریشیوں کو مستثنیٰ کرتے ہوئے کہا ہے کہ ان کو غلام بنانا جائز نہیں ہے۔

حنفیہ، بعض شافعیہ اور بعض حنابلہ کی رائے ہے کہ ان کو غلام بنانا جائز نہیں، بلکہ ان کی طرف سے صرف اسلام قبول کیا جائے گا، اگر وہ اسلام لانے سے انکار کریں تو ان کو قتل کر دیا جائے گا، عرب اور غیر عرب مشرکین کے درمیان فرق کی علت حنفیہ نے یہ بتائی ہے کہ نبی کریم ﷺ ان کے درمیان پیدا ہوئے اور قرآن کریم ان کی زبان میں نازل ہوا لہذا ان کے حق میں معجزہ زیادہ ظاہر ہے، لہذا اس صورت میں ان کا کفر کرنا بمقابلہ عجمیوں کے کفر کے زیادہ سخت ہے (۱)۔

(۳)۔ اگر وہ مرتد ہوں تو ان کو غلام بنانا بالاتفاق ناجائز ہے، اور ان کی طرف سے صرف اسلام قبول کیا جائے گا، اور اگر اسلام لانے سے انکار کریں تو قتل کر دیئے جائیں گے، کیونکہ ان کا کفر سخت ہے (۲)۔

(۴)۔ اگر باغی ہوں تو ان کو غلام بنانا بالاتفاق ناجائز ہے، اس لئے کہ وہ مسلمان ہیں، اور اسلام غلام بنانے سے مانع ہے (۳)۔

(۱) فتح القدیر علی الہدایہ ۳/۳۷۱ طبع بولاق ۱۳۱۶ھ، البحر المرقوم ۵/۸۹ طبع المطبعۃ العلمیہ، مجمع الانہر ۱/۵۹ طبع المطبعۃ احسان ۱۳۲۷ھ، بدائع الصنائع ۸/۲۳۸ طبع مطبعۃ الامام حنفیہ الطحطاوی علی الدرر ۲/۲۷۷ طبع بولاق ۱۲۵۳ھ، حاشیہ ابن عابدین ۳/۲۲۹ طبع اول بولاق، اثنی الطالب ۳/۱۹۳ طبع المکتبۃ الاسلامیہ، حاشیہ الجمل ۵/۱۹۷ طبع دار احیاء التراث العربی، المدونہ ۲/۲۳ طبع مطبعۃ السحارہ مصر، حاشیہ الدسوقی ۲/۱۸۳ طبع دار الفکر، مواہب الجلیل ۳/۵۸، المغنی لابن قدامہ ۸/۲۷۷، ۳/۷۷، الاحکام السلطانیہ لابی یحییٰ رص ۱۲۵۔

(۲) بدائع الصنائع ۸/۲۳۸، فتح القدیر ۳/۳۷۱، حاشیہ الطحطاوی علی الدرر ۲/۲۷۷، حاشیہ ابن عابدین ۳/۲۲۹، حاشیہ الدسوقی ۲/۲۷۷، اثنی الطالب ۳/۱۹۳۔

(۳) حاشیہ ابن عابدین ۳/۱۱۱، المدونہ ۲/۲۱، المشرح البخیری ۳/۲۲۸ طبع دار المعارف، الاحکام السلطانیہ لابی یحییٰ رص ۳۹۔

(۱) المغنی ۸/۲۷۷، ۳/۷۷، اثنی الطالب ۳/۱۹۳ طبع المکتبۃ الاسلامیہ، حاشیہ الدسوقی ۲/۲۷۷، حاشیہ الطحطاوی علی الدرر المختار ۲/۲۷۷ طبع دار المعرفہ۔

استرقاق ۹-۱۲

ب۔ جنگ میں پکڑے گئے وہ قیدی جن کا قتل کرنا جائز ہے مثلاً عورتیں اور بچے وغیرہ:

۹۔ ان لوگوں کو غلام بنانا بالاتفاق جائز ہے، خواہ اہل کتاب ہوں یا بت پرست مشرک (۱)، خواہ عرب ہوں یا غیر عرب، مالکیہ نے اس سے ان راہبوں کو مستثنیٰ کیا ہے جو لوگوں سے الگ تھلگ پہاڑوں میں رہتے ہیں، اگر جنگ میں وہ رائے مشورہ نہ دیتے ہوں (۲)، ان لوگوں کو قتل کرنے کے بجائے غلام اس لئے بنایا جاتا ہے کہ وہ اس کے ذریعہ سے اسلام لاسکیں، کیونکہ وہ جنگ کرنے والے نہیں۔

اہل کتاب کو غلام بنانے کے جواز کی دلیل یہ ہے کہ حضور ﷺ نے بنو قریظہ کی عورتوں اور بچوں کو غلام بنایا، مرتدین کی قیدی عورتوں کو باندی بنانے کے جواز کی دلیل یہ ہے کہ حضرت ابو بکر نے عرب مرتدین کی عورتوں کو غلام بنایا، اور مشرکین کی عورتوں کو باندی بنانے کی دلیل یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ہوازن کی عورتوں اور بچوں کو غلام بنایا، حالانکہ وہ خالص عرب ہیں (۳)۔

باغیوں کی عورتیں اور بچے جن کو قید کر لیا گیا ہو ان کو بالاتفاق غلام نہیں بنایا جائے گا، اس لئے کہ وہ مسلمان ہیں اور اسلام غلام بنانے سے مانع ہے (۴)۔

ج۔ مسلمان ہونے والے قیدی مرد یا عورتوں کو غلام بنانا: ۱۰۔ گرفتار ہونے کے بعد جو قیدی اسلام لائیں ان کو غلام بنانا جائز ہے، اس لئے کہ کفر اصلی کی جزا کے طور پر جو غلامی پائی جائے اسلام لانا اس کے منافی نہیں، اور یہاں ملکیت کے سبب یعنی گرفتاری کے پائے جانے کے بعد اسلام پایا گیا ہے (۱)۔

د۔ دارالاسلام میں مرتد ہونے والی عورت:

۱۱۔ جمہور کی رائے ہے کہ اگر عورت مرتد ہو جائے اور ارتد اوپر مصر ہو تو وہ باندی نہیں بنائی جائے گی، بلکہ مرتد مرد کی طرح قتل کر دی جائے گی، جب تک دارالاسلام میں ہے اور حسن، عمر بن عبد العزیز اور ”نواور“ میں امام ابو حنیفہ سے مروی ہے کہ دارالاسلام میں بھی وہ باندی بنائی جائے گی، ایک قول یہ ہے کہ شوہر والی مرتد عورت کے بارے میں اگر یہ فتویٰ دیا جائے تو کوئی حرج نہیں تاکہ ارتد او کے ذریعہ اس کے غلط مقصد یعنی جدائی کے اثبات کو نام کام بنایا جاسکے (۲)۔

ھ۔ عقد ذمہ کے توڑنے والے ذمی کو غلام بنانا:

۱۲۔ اگر ذمی کوئی ایسا کام کرے جس کو عقد ذمہ کا توڑنا سمجھا جائے (اور کس کام کو عقد ذمہ کا توڑنا سمجھا جائے گا اور کس کو نہیں، اس کے بارے میں فقہاء کا اختلاف ہے، دیکھئے: اصطلاح، ذمہ) تو صرف اس کو غلام بنانا جائز ہے، اس کی عورتوں اور بچوں کو نہیں، کیونکہ ”ذمہ“ توڑ کر وہ حربی بن گیا، لہذا اس پر حربیوں کے احکام نافذ ہوں گے۔

(۱) بدائع الصنائع ۹/۳۳۸، حاشیہ ابن عابدین ۳/۲۲۹، ۲۶۹، حاشیہ الطحاوی علی الدرر ۲/۳۳۷، حاشیہ الدسوقی ۲/۱۸۳، ۲۰۱، ۲۰۵، المغنی ۸/۳۷۶، الاحکام السلطانیہ لابی یعلیٰ دس ۷/۱۲، اسنی المطالب ۳/۱۵۳۔

(۲) حاشیہ الدسوقی ۲/۱۷۷۔

(۳) البدائع ۹/۳۳۸، المغنی ۸/۱۲۳۔

(۴) حاشیہ ابن عابدین ۳/۳۱۱، المدونہ ۲/۲۱، الشرح البصیر ۳/۳۲۸، الاحکام السلطانیہ لابی یعلیٰ دس ۹/۳۔

(۱) فتح القدیر ۳/۳۰۶، البحر الرائق ۵/۹۳، حاشیہ ابن عابدین ۳/۲۲۹، ۲۳۳، حاشیہ المجموع ۲/۹۸، المغنی ۸/۳۷۶، الاحکام السلطانیہ لابی یعلیٰ دس ۱۲۵۔

(۲) فتح القدیر ۳/۳۸۸، اسیر المکیب لولام محمد بن الحسن ۳/۱۰۳۰، مصنف عبد الرزاق ۱۰/۶۱۰، طبع المکتب الاسلامی۔

استرقاق ۱۳-۱۷

غلامی کا ختم ہونا:

۱۵- غلامی آزاد کرنے سے ختم ہو جاتی ہے، اور آزادی کبھی شریعت کے حکم کی وجہ سے ہوتی ہے، مثلاً جس باندی کی اپنے آقا سے اولاد ہو تو وہ آقا کی موت کے بعد آزاد ہو جاتی ہے، اسی طرح جو شخص اپنے ذی رحم محرم کا مالک ہو، اس کی ملکیت میں آتے ہی وہ آزاد ہو جائے گا، اور بسا اوقات آزادی محض اللہ کا تقرب حاصل کرنے کے لئے آزاد کرنے سے ہو جاتی ہے یا حق کو واجب کرنے والے کسی سبب سے، مثلاً کفارہ میں آزاد کرنا (دیکھئے: کفارہ)، یا نذر میں (دیکھئے: نذر)، اسی طرح تدبیر کی وجہ سے غلامی ختم ہوتی ہے، تدبیر یہ ہے کہ آقا اس سے کہہ دے کہ میرے مرنے کے بعد آزاد ہے، (دیکھئے: تدبیر)، یا مکاتبت کی وجہ سے یا حاکم کی طرف سے آقا کو اپنے غلام کے آزاد کرنے پر مجبور کرنے کی وجہ سے جبکہ آقا غلام کو ایذا پہنچاتا ہو (دیکھئے: حق)۔

غلامی کے اثرات:

۱۶- الف- غلامی کے بہت سے اثرات ہیں: ان میں سے کچھ کا تعلق مسنون بدنی عبادتوں سے ہے اگر ان کی وجہ سے آقا کے حق میں خلل پڑے مثلاً باجماعت نماز (دیکھئے: صلاۃ الجماعت)، اور بعض کا تعلق واجبات علی الکفایہ سے ہوتا ہے کہ اس کی وجہ سے بھی آقا کے حق میں خلل پڑتا ہے یا کسی اور وجہ سے مثلاً جہاد کہ غلام کے لئے جہاد نہ کرنے کی رخصت ہے، اور کچھ کا تعلق مالی عبادات سے ہے جو غلامی کی وجہ سے انسان سے ساقط ہو جاتی ہیں، اس لئے کہ غلام مال کا مالک نہیں ہوتا مثلاً زکاۃ، صدقہ، فطر، صدقات اور حج۔

۱۷- ب- غلام پر واجب ہونے والے مالی حقوق کا اگر کوئی بدنی بدل موجود ہو تو اس کا بدل ہی اس پر واجب ہوگا مثلاً کفارات، کہ غلام قسم میں حائث ہونے کی صورت میں کفارہ میں غلام آزاد نہیں

اس کی عورتیں اور بچے ذمی باقی رہیں گے، اگر ان کی طرف سے

عقد ذمہ کا توڑ مانہ پایا جائے (۱)۔

و- وہ حربی جو دارالاسلام میں بغیر امان آجائے:

۱۳- اگر حربی دارالاسلام میں امان کے بغیر آجائے تو امام ابوحنیفہ (۲)، اور شافعیہ (۳) اور حنابلہ کے قول کا مقتضی فی الجملہ یہ ہے کہ وہ داخل ہونے کے ساتھ مال غنیمت بن جائے گا، اور اس وقت اس کو غلام بنانا جائز ہوگا، البتہ قاصد اس سے مستثنیٰ ہیں کہ وہ بالاتفاق غلام نہیں بنیں گے (دیکھئے: رسول)۔

شافعیہ کہتے ہیں: اگر وہ دعویٰ کرے کہ محض کلام الہی سننے اور اسلامی شریعت کو معلوم کرنے کے لئے آیا ہے تو وہ مال غنیمت نہ ہوگا (۴)۔

ز- باندی سے پیدا ہونا:

۱۴- فقہ اسلامی میں یہ طے ہے کہ بچہ آزادی میں اپنی ماں کے تابع ہوتا ہے، اگر ماں آزاد ہو تو اس کا بچہ بھی آزاد ہوگا، اور اگر ماں باندی ہو تو اس کا بچہ بھی غلام ہوگا، اس مسئلہ میں فقہاء کے درمیان کوئی اختلاف نہیں (۵)، البتہ اگر باندی کی اولاد اس کے آقا سے ہو تو اس حکم سے مستثنیٰ ہے کہ وہ آزاد پیدا ہوگی، اور ماں کے لئے آزادی کا سبب بنے گی، لہذا یہ باندی آقا کی موت کے بعد آزاد ہو جائے گی۔

(۱) حاشیہ ابن عابدین ۳/ ۲۳۳، ۲۷۷، الشرح الصغیر ۳/ ۳۳۰، حاشیہ

الدسوقی ۲/ ۱۸۷، ۲۰۵، اسنی الطالب ۳/ ۲۲۳، المغنی ۸/ ۵۸۳۔

(۲) بدائع الصنائع ۹/ ۳۳۲، حاشیہ ابن عابدین ۳/ ۲۳۳۔

(۳) اسنی الطالب ۳/ ۲۱۲، المغنی ۸/ ۵۲۱، ۵۰۳۔

(۴) اسنی الطالب ۳/ ۲۱۱۔

(۵) مصنف عبد الرزاق ۷/ ۲۹۹، ۳۸۵، آذاریابی یوسف ص ۱۹۲، آذاریج

بن الحسن ص ۱۱۵، اسنی الطالب ۳/ ۶۹۔

استرقاق ۱۸-۲۵

ایسا شخص موجود نہیں ہے جو اس قید کرنے والے سے زیادہ بچہ کے قریب ہو، لہذا وہ اسی کے تابع ہوگا (۱)۔

۲۱- و۔ غلامی: انسان کے لئے دوسرے پر ولایت حاصل ہونے سے مانع ہے، لہذا غلام امیر یا قاضی نہ ہوگا، اس لئے کہ خود اس کو اپنی ذات پر ولایت حاصل نہیں تو دوسرے پر کیا ولایت حاصل ہوگی، اور اسی بنیاد پر غلام کی طرف سے امان دینا درست نہیں اور اس کی کو ابھی بھی مقبول نہیں، اگرچہ اس میں اختلاف ہے۔

۲۲- ز۔ غلامی کی وجہ سے سزا بلکی ہو جاتی ہے، چنانچہ غلام کے حق میں حدود آدھی ہوتی ہیں، اگر حدود تنصیف کے لائق ہوں۔

۲۳- ح۔ غلامی کا نکاح میں بھی اثر ہوتا ہے کہ غلام آزاد عورت کا کفو نہیں، اور اس کو نکاح کے لئے آقا کی اجازت ضروری ہے، غلام دو سے زائد نکاح نہیں کر سکتا، اور آزاد عورت کے نکاح میں ہوتے ہوئے باندی سے نکاح نہیں کیا جاسکتا۔

۲۴- ط۔ اس کا اثر طلاق میں بھی ہوتا ہے کہ غلام دو سے زائد طلاق دینے کا مالک نہیں، اور اگر وہ اپنے آقا کی اجازت کے بغیر نکاح کر لے تو اس صورت میں آقا طلاق کا مالک ہوگا۔

۲۵- ی۔ غلامی کا اثر عدت میں بھی ہوتا ہے کہ طلاق میں باندی کی عدت دو حیض ہے، تین حیض نہیں، اس سلسلہ میں اختلاف و تفصیل ہے، جس کو اس کی اپنی اصطلاح میں دیکھا جائے۔

کرے گا، اور نہ ہی کھانا کھائے گا، نہ کپڑا دے گا بلکہ وہ روزہ رکھے گا۔ اگر ان حقوق مالیہ کا کوئی بدنی بدل موجود نہ ہو تو ان کا تعلق غلام کی ذات سے ہوگا، مثلاً غلام نے غلطی سے کسی انسان کے ہاتھ کو کاٹ دیا اور ہاتھ کی دیت غلام کی قیمت سے زیادہ ہو تو مالک پر غلام کو مظلوم کے حوالے کرنے کے علاوہ مال کی ذمہ داری نہیں دی جائے گی، جیسا کہ ابواب جنایات میں مذکور ہے، اسی طرح اگر غلام اپنے آقا کی اجازت کے بغیر کسی سے قرض لے لے تو یہ دین اس کی ذات سے متعلق ہوگا، اس کے ذمہ میں باقی رہے گا، اس کے آقا کو دین کی ادائیگی کا حکم نہیں دیا جائے گا، اگر غلام بنائے جانے کے وقت اس پر کسی مسلمان یا ذمی کا دین ہو تو دین اس سے ساقط نہ ہوگا، اس لئے کہ دین کا اس کے ذمہ ہونا ثابت ہے، اور اس کو ساقط کرنے کا سبب نہیں پایا گیا، لیکن اگر دین کسی حربی کا ہو تو ساقط ہو جائے گا، اس لئے کہ حربی قاتل اترام نہیں (۱)۔

۱۸- ج۔ غلامی غلام کو ہر طرح کے تعمرات سے روک دیتی ہے مثلاً بہہ، صدقہ اور وصیت وغیرہ۔

۱۹- د۔ اسی طرح غلامی تمام مالی حقوق سے مانع ہے اگر اس طرح کا کوئی حق ثابت ہو تو اس کا مستحق مالک ہوگا، غلام نہیں، لہذا غلام وارث نہیں ہوگا، اور غلام کے جسم کو نقصان پہنچانے کا تاوان اس کے آقا کا ہوگا۔

اور اگر غلام بنائے جانے کے وقت کسی مسلمان یا ذمی پر اس کا دین ہو تو اس کا آقا ہی اس دین کا مطالبہ کرے گا، اور اگر دین حربی پر ہو تو ساقط ہو جائے گا (۲)۔

۲۰- ح۔ اگر چھوٹا بچہ قید کر لیا گیا، اور اس کے والدین قید نہ کئے گئے تو قید کرنے والے کے تابع ہو کر اس کے اسلام کا حکم لگایا جائے گا، اس لئے کہ قید کرنے والے کو اس پر ولایت حاصل ہے، اور کوئی بھی

(۱) آئینی الطالب ۳/۱۹۵۔

(۲) آئینی الطالب ۳/۱۹۵، جامعۃ الجمل ۵/۱۹۸۔

(۱) آئینی الطالب ۳/۵۰۱، ۳/۱۹۵، بدائع الصنائع ۹/۳۳۱، طبع مطبعہ الامام۔

محل استسعاء وہ غلام ہے جس کا بعض حصہ آزاد کر دیا جائے۔

اجمالی حکم:

۲- اکثر فقہاء کی رائے ہے کہ اگر آقا اپنے غلام کے ایک حصہ کو آزاد کر دے تو اس کا باقی حصہ بھی آزاد ہو جائے گا، اور غلام سے استسعاء نہیں کر لیا جائے گا، کیونکہ ابتدائی طور پر آزادی میں تجزی نہیں ہوتی (۱)، نیز ابوہریرہ کی اپنے والد سے نقل کردہ حدیث میں ہے کہ ایک شخص نے اپنے غلام کا ایک حصہ آزاد کر دیا اور رسول اللہ ﷺ سے اس کا ذکر کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ”لیس للہ شریک“ (اللہ کا کوئی شریک نہیں) اور آپ نے اس کی آزادی کو مکمل طور پر نافذ قرار دیا (مسند احمد و ابوداؤد)، اور ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں: ”ہو حراً کله لیس للہ شریک“ (۲) (وہ مکمل آزاد ہے، اللہ کا کوئی شریک نہیں)، اور امام ابوحنیفہ نے فرمایا ہے: بقیہ حصہ میں اس سے استسعاء کر لیا جائے گا۔

۳- اگر غلام مشترک ہو اور ایک شریک اپنا حصہ آزاد کر دے تو فقہاء آزاد کرنے والے کے مالدار اور تنگ دست ہونے کے درمیان فرق کرتے ہیں، اگر وہ مالدار ہو تو امام ابوحنیفہ شریک دوم کو تین امور کا اختیار دیتے ہیں: آزاد کر دے یا آزاد کرنے والے شریک سے ضمان لے یا غلام سے استسعاء کرائے، اور اگر آزاد کرنے والا تنگ دست ہو تو شریک کو صرف آزاد کرنے یا استسعاء کرانے کا اختیار ہے، اور امام

استسعاء

تعریف:

۱- استسعاء کا معنی لغت میں غلام کا اپنی بقیہ غلامی سے جب کہ اس کا بعض حصہ آزاد کر دیا گیا ہو چھٹکارا حاصل کرنے کے لئے سعی کرنا ہے، لہذا وہ کام کر کے کمائے گا اور آمدنی اپنے آقا کو دے گا، کہا جاتا ہے: ”استسعیته فی قیمتہ“ میں نے اس سے سعی کرنے کا مطالبہ کیا (۱)۔

فقہی استعمال اس سے الگ نہیں (۲)۔

مستسعی (جس غلام سے استسعاء کر لیا جائے) کا آزاد کرنا، کتابت کے ذریعہ آزاد کرنے کے علاوہ ہے، کیونکہ مستسعی دوبارہ غلام نہیں بنتا (۳)، اس لئے کہ استسعاء ایسا اسقاط ہے کہ جس میں حق کسی دوسرے کی طرف منتقل نہیں ہوتا، اور اس طرح کے اسقاط میں معاوضہ کا مفہوم نہیں ہوتا، برخلاف مکاتب کے، اس لئے کہ کتابت ایسا عقد ہے جس میں اقالہ اور فسخ بھی ہوتا ہے (۴)، ہاں، اس معنی کے اعتبار سے استسعاء کتابت سے مشابہ ہے کہ استسعاء بھی عوض پر آزاد کرنا ہے (جیسے کہ کتابت میں معاوضہ پر آزادی ہوتی ہے)۔

(۱) الہدایہ مع فتح القدیر ۳/۷۷، ۳۸۲، ۳۸۶، ۳۳۶، ۳۳۷ طبع بیروت، تحفۃ المحتاج مع الشروانی وابن قاسم العبادی ۱۰/۳۵۳ طبع دارصادر، المغنی مع الشرح الکبیر ۱۲/۲۶۹ طبع اول المنار۔

(۲) حدیث: ”لیس للہ شریک“ کی روایت ابوداؤد (عون المعبود ۳/۳۶ طبع المطبعۃ الانصاریہ) اور احمد (۵/۷۳، ۷۵ طبع المیزان) نے کی ہے ابن حجر نے کہا ہے: ”اس کی اسناد قوی ہے“ (فتح الباری ۵/۵۹ طبع المستطیع)۔

(۱) لسان العرب (سعی)۔

(۲) الزمخشری ص ۲۷ طبع وزارت اوقاف کویت، ابن حبان بن ۱۵۳ طبع بولاق، الخطاوی علی الدرر ۳/۲۹۶۔

(۳) الصروی علی فیل ۸/۱۲۶ طبع دارصادر۔

(۴) الہدایہ مع فتح القدیر ۳/۷۸ طبع بولاق۔

ابو یوسف اور امام محمد نے اس صورت میں کہا ہے: مالدار کی کے ساتھ صرف ضمان کا اور تنگ دستی کے ساتھ صرف استسعاء کرانے کا اس کو اختیار ہے، صاحبین کا قول ہی امام احمد کی ایک روایت ہے (۱)، اس لئے کہ حضرت ابو ہریرہ کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”مَنْ أَعْتَقَ شَقِصًا فِي مَمْلُوكِهِ فَعَلَيْهِ أَنْ يَعْتَقَهُ كُلَّهُ إِنْ كَانَ لَهُ مَالٌ، وَإِلَّا اسْتَسْعَى الْعَبْدَ غَيْرَ مَشْقُوقٍ عَلَيْهِ“ (۲) (جو شخص اپنے غلام میں ایک حصہ آزاد کر دے تو اس پر پورا آزاد کرنا لازم ہے اگر اس کے پاس مال ہو، ورنہ غلام سے محنت مزدوری کرائی جائے، لیکن اس کو مشقت میں نہیں ڈالا جائے گا)، یعنی اس کی قیمت گراں نہیں کی جائے گی (۳)، مالکیہ اور شافعیہ اور حنابلہ کے یہاں یہی ظاہر روایت ہے کہ مالدار ہونے کی صورت میں غلام کا باقی حصہ بھی آزاد ہو جائے گا، اور آزاد کرنے والا شرکاء کے حصے کی قیمت کا ضامن ہوگا، اور اگر تنگ دست ہو تو نہ بقیہ حصہ آزاد ہوگا اور نہ استسعاء کر لیا جائے گا (۴)۔

۴- اسی طرح اگر مرض الموت میں غلام کو آزاد کر دے یا مدبر بنادے یا اپنے غلاموں کی وصیت کر جائے اور ان کے علاوہ اس کے پاس کوئی مال نہیں تو فقہاء کے درمیان اختلاف ہے (۵)۔ امام ابو حنیفہ نے

(۱) فتح القدیر ۳/۷۷۷، ۳۸۲۔

(۲) حدیث: ”مَنْ أَعْتَقَ شَقِصًا.....“ کی روایت بخاری (فتح الباری ۵/۱۵۶، طبع استغیہ) اور مسلم (۲/۱۳۰، طبع عیسیٰ الحلبي) نے کی ہے الفاظ ابو داؤد کے ہیں (عون السجود ۳۷۷، طبع المطبعة الانصاریہ)۔

(۳) الہدایہ مع فتح القدیر ۳/۳۸۰، ۳۸۱، المغنی مع الشرح المکبیر ۱۲/۲۳۹، ۲۵۰۔

(۴) التاج والاکلیل مع حاشیہ الخطاب ۶/۳۳۸، طبع لیبیا، الخرش ۸/۱۲۶، ۱۲۷، الصوی مع حاشیہ ۸/۱۲۶، طبع دار صادر، الشرح المکبیر مع المغنی ۱۲/۲۳۸۔

(۵) المغنی مع الشرح المکبیر ۲/۲۷۳، ۲۷۴، الشروانی علی الجہد ۱۰/۲۶۲، نہایت المحتاج ۸/۳۶۰، ۳۶۸، طبع الحلبي۔

فرمایا ہے: ہر غلام کا ایک جزء آزاد ہو جائے گا اور بقیہ میں ہر ایک سے محنت مزدوری کرائی جائے گی، اور دوسرے امر نے کہا ہے: قترہ اندازی کے ذریعہ ان میں سے تہائی آزاد ہوں گے، جس کے حق میں آزادی کا قترہ نکل آئے وہ آزاد ہوگا، اور جس غلام سے محنت مزدوری کرائی جائے گی اس کی قیمت اس کے ذمہ میں دین ہوگی، اور قیمت کی تعیین کوئی عادل شخص کرے گا، اس کے احکام آزاد کے احکام کی طرح ہوں گے، اور بعض حضرات نے کہا ہے: ادا کرنے کے بعد ہی اس پر آزاد ہونے کا حکم لگے گا (۱)۔

آزاد کرنے کے وقت کی قیمت کا اعتبار ہوگا، کیونکہ وہی تلف کرنے کا وقت ہے (۲)۔

بحث کے مقامات:

۵- استسعاء پر بحث کتاب العتق میں پہلی ہوئی ہے، اس کا اکثر ذکر ”سرايت“ کے ساتھ نیز ”العبد يعتق بعضہ“ اور ”الإعتاق في مرض الموت“ کے باب میں ہے، اسی طرح اس کا ذکر کفارہ میں ہے۔

(۱) المغنی مع الشرح المکبیر ۱۲/۲۵۱، نہایت المحتاج ۸/۳۵۹، ۳۶۰۔

(۲) نہایت المحتاج ۸/۳۵۹، فتح القدیر ۳/۳۸۱، ۳۸۷۔

اول۔ سنت مؤکدہ: اگر قحط خشک سالی کی وجہ سے ہو یا لوگوں کے اپنے پینے کے لئے ہو یا ان کے جانوروں اور مویشیوں کے پینے کے لئے ہو، خواہ حضر میں ہوں یا سفر میں، صحرا میں ہوں یا کھارے سمندر میں کشتی میں ہوں۔

دوم۔ مندوب: سرسبز علاقے کے لوگوں کا قحط زدہ لوگوں کے لئے استسقاء کرنا، اس لئے کہ یہ نیکی اور تقویٰ میں تعاون ہے، نیز ابن ماجہ کی روایت میں ہے: "تُرى المؤمنين في تراحمهم وتوادهم وتعاطفهم كمثل الجسد، إذا اشتكى منه عضو تداعى له سائر جسده بالسهر والحمى" (۱) (تم مسلمانوں کو آپسی رحم و کرم، محبت اور عنایت میں ایک جسم کی طرح دیکھو گے کہ اگر جسم کے ایک عضو کو تکلیف ہوتی ہے تو سارا جسم جاگنے اور بخار میں اس کا ساتھ دیتا ہے)۔

اور صحیح حدیث میں ہے: "دعوة الموء المسلم لأخيه بظهر الغيب مستجابة، عند رأسه ملك موكل كلما دعا لأخيه بخير قال الملك الموكل به: آمين ولك بمثل" (۲) (اپنے بھائی کے پیچھے مسلمان کی دعا قبول ہوتی ہے، اس کے سر ہانے ایک فرشتہ مقرر ہوتا ہے، جب وہ اپنے بھائی کی بہتری کی دعا کرتا ہے تو وہ فرشتہ کہتا ہے: آمین اور تم کو بھی یہی ملے)، لیکن امام اوزاعی اور شافعیہ نے قید لگائی ہے کہ وہ دوسرا شخص بدعتی یا گمراہ اور باغی نہ ہو ورنہ زجر و توبیخ کی غرض سے ایسا کرنا مستحب نہیں ہے، نیز اس لئے کہ ان کے واسطے استسقاء کرنے سے عام لوگ سمجھیں گے کہ ان کا طریقہ اچھا اور پسندیدہ ہے، اور اس میں بڑے

استسقاء

تعریف:

۱۔ استسقاء کا معنی لغت میں طلب سقیا یعنی زمین اور بندوں کے لئے بارش طلب کرنا ہے، اور اسم: سقیا (ضمہ کے ساتھ) ہے، اور جب آپ کسی سے پانی پلانے کے لئے کہیں گے تو کہا جاتا ہے: "استسقيت فلانا" (۱)۔

استسقاء کا اصطلاحی مفہوم ضرورت کے وقت مخصوص طریقہ پر اللہ تعالیٰ سے بارش پر سنانے کی درخواست کرنا ہے (۲)۔

استسقاء کا شرعی حکم:

۲۔ شافعیہ، حنابلہ اور حنفیہ میں محمد بن الحسن نے کہا ہے: استسقاء سنت مؤکدہ ہے خواہ دعا و نماز کے ذریعہ ہو یا صرف دعا کے ذریعہ، حضور ﷺ صحابہ کرام، اور بعد کے مسلمانوں نے اس کو کیا ہے، جبکہ امام ابوحنیفہ کہتے ہیں کہ سنت صرف دعا ہے اور دعا کے علاوہ بھی جائز ہے (۳)۔

مالکیہ کے نزدیک اس کے تین احکام ہیں جو درج ذیل ہیں:

(۱) لسان العرب: مادہ (سقی)۔

(۲) ابن عابدین ۱/ ۹۰ طبع سوم، فتح العزیز مع جامعہ المجموع ۵/ ۸۷، لشرح الصغیر ۱/ ۵۳ طبع المعارف۔

(۳) نہایۃ المحتاج ۲/ ۳۰۳، المغنی ۲/ ۲۸۳ طبع رشید رضا، ابن عابدین ۱/ ۹۱ طبع سوم۔

(۱) حدیث: "توى المؤمنين....." کی روایت بخاری (فتح الباری ۱۰/ ۲۳۸ طبع المستفیہ) نے کی ہے۔

(۲) حدیث: "دعوة الموء المسلم....." کی روایت مسلم (۳/ ۲۰۹ طبع عیسیٰ الحلی) نے کی ہے۔

مفاسد ہیں (۱)، تاہم انہوں نے کہا ہے: اگر ذمیوں کی کوئی جماعت اس کی ضرورت مند ہو اور مسلمانوں سے اپنے لئے استسقاء کی درخواست کرے تو کیا ان کی درخواست منظور کی جائے گی یا نہیں؟

اگر یہ ہے کہ ان کے حقوق کی وفاداری میں ان کے لئے استسقاء کیا جائے گا، پھر انہوں نے اس کی علت یہ بتائی ہے کہ اس کے باوجود یہ نہ خیال کیا جائے کہ ان کے بہتر حالت میں ہونے کی وجہ سے ہم نے ایسا کیا ہے، کیونکہ ان کا کفر معلوم اور ثابت ہے، بلکہ ہماری طرف سے ان کی درخواست کی منظوری کو ان کے جاندار ہونے کی حیثیت سے ان کے ساتھ رحم و کرم پر محمول کیا جائے گا، فاسق اور بدعتی اس کے برخلاف ہیں (۲)۔

سوم۔ مباح ہے: ان لوگوں کا استسقاء کرنا جو قحط زدہ نہیں اور نہ ہی پینے کے لئے ان کو ضرورت ہے، کیونکہ بارش ہو چکی ہے، لیکن اگر اسی پر اکتفاء کریں تو پانی ضرورت سے کم ہو جائے گا، لہذا وہ اللہ تعالیٰ سے اس کے فضل و کرم کی درخواست کر سکتے ہیں (۳)۔

مشروعیت کی دلیل:

۳- استسقاء کی مشروعیت نص و اجماع سے ثابت ہے، نص فی فرمان باری ہے: ”فَقُلْتُ اسْتَغْفِرُوا رَبَّكُمْ إِنَّهُ كَانَ غَفَّارًا، يُرْسِلِ السَّمَاءَ عَلَيْكُمْ مِدْرَارًا، وَيُمْدِدْكُمْ بِأَمْوَالٍ وَبَنِينَ وَيَجْعَلْ لَكُمْ جَنَّاتٍ وَيَجْعَلْ لَكُمْ أَنْهَارًا“ (۴) (چنانچہ میں نے کہا: اپنے پروردگار سے مغفرت چاہو، بیشک وہ بڑا بخشنے والا ہے، وہ تم پر کثرت سے بارش بھیجے گا اور تمہارے مال و اولاد میں ترقی دے گا، اور

تمہارے لئے باغ لگا دے گا اور تمہارے لئے دریا بہا دے گا)۔

حضور ﷺ اور آپ کے بعد خلفاء اور مسلمانوں کے عمل سے بھی استدلال کیا گیا ہے، حضور ﷺ کے استسقاء کرنے کے بارے میں صحیح احادیث منقول ہیں، چنانچہ حضرت انس رضی اللہ عنہ راوی ہیں: ”أَنَّ النَّاسَ قَدْ قَحَطُوا فِي زَمَنِ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ، فَدَخَلَ رَجُلٌ مِنْ بَابِ الْمَسْجِدِ، وَرَسُولُ اللَّهِ ﷺ يَخْطُبُ، فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللَّهِ! هَلَكْتُ الْمَوَاشِي، وَخَشِينَا الْهَلَكَ عَلَى أَنْفُسِنَا، فَادْعِ اللَّهَ أَنْ يَسْقِيَنَا فَرَفَعَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ يَدَيْهِ فَقَالَ: اللَّهُمَّ اسْقِنَا غِيَاثًا مَغِيَاثًا هَنِيئًا مَرِيئًا غَدَقًا مَغْدَقًا عَاجِلًا غَيْرَ رَائٍثٍ، قَالَ الرَّاوي: مَا كَانَ فِي السَّمَاءِ قُرْعَةٌ، فَارْتَفَعَتِ السَّحَابُ مِنْ هُنَا وَمِنْ هُنَا حَتَّى صَارَتْ رُكَّامًا، ثُمَّ مَطَرَتْ سَبْعًا مِنَ الْجُمُعَةِ إِلَى الْجُمُعَةِ، ثُمَّ دَخَلَ ذَلِكَ الرَّجُلُ، وَالنَّبِيُّ ﷺ يَخْطُبُ، وَالسَّمَاءُ تَسْكُبُ، فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللَّهِ! تَهْدِمُ الْبَنِيَانِ، وَانْقَطَعَتِ السَّبِيلُ، فَادْعِ اللَّهَ أَنْ يَمْسُكَهُ، فَتَبَسَّمَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ لِمَلَالَةِ بَنِي آدَمَ، قَالَ الرَّاوي: وَاللَّهِ مَا نَرَى فِي السَّمَاءِ خَضِرًا ثُمَّ رَفَعَ يَدَيْهِ، فَقَالَ: اللَّهُمَّ حَوَالَيْنَا لَا عَلَيْنَا، اللَّهُمَّ عَلَى الْآكَامِ وَالظَّرَابِ، وَبَطُونَ الْأَوْدِيَةِ، وَمَنَابِتِ الشَّجَرِ فَانْجَابَتِ السَّمَاءُ عَنِ الْمَدِينَةِ حَتَّى صَارَتْ حَوْلَهَا كَالْإِكْلِيلِ“ (۱) (زمانہ رسالت میں قحط پڑا، ایک شخص مسجد کے دروازہ سے داخل ہوا، حضور ﷺ خطبہ دے رہے تھے، اس نے کہا: اے اللہ کے رسول! مویشتی تو ہلاک ہو گئے، ہمیں اپنی جان کی ہلاکت کا اندیشہ ہے، اللہ تعالیٰ سے دعا فرمائیے کہ بارش برسائے، حضور

(۱) فتح القدیر ۱/۲۳۷ طبع بولاق، حدیث ۲۲۱۱، اللہم اسقنا غیاثا مغبیا..... کی روایت بخاری (فتح الباری ۲/۵۰۸، ۵۰۹، ۲۱۲ طبع الشریعہ) نے کی ہے۔

(۱) نہایت الحاح ۲/۳۰۳ طبع مجلس۔

(۲) حاشیہ اشعر الی علی نہایت الحاح ۲/۳۰۳۔

(۳) الخرش علی مختصر فلیل ۲/۱۳۔

(۴) نہایت الحاح ۲/۳۰۲ آیات: سورہ نوح ۱۰-۱۲۔

ﷺ نے دونوں ہاتھوں کو اٹھایا اور یہ دعا فرمائی: اے اللہ! خوب بارش برسا، جو خوش کوار ہو، خوب زوردار ہو، فوری طور پر ہو، اس میں تاخیر نہ ہو، راوی کہتے ہیں: آسمان میں بادل کا کوئی ٹکڑا نہ تھا، پھر ادھر ادھر سے بادل اٹھا اور گھٹنا چھا گئی، پھر سات دن تک جمعہ سے جمعہ تک بارش ہوئی، پھر وہ شخص داخل ہوا تو رسول اللہ ﷺ خطبہ دے رہے تھے، اور آسمان سے بارش جاری تھی، اس نے کہا: اے اللہ کے رسول! عمارتیں گر پڑیں، راستے بند ہو گئے، اللہ سے دعا فرمائیے کہ بارش روک دے، انسان کی اکٹاہٹ دیکھ کر رسول اللہ ﷺ مسکرا پڑے، راوی کہتے ہیں: خدا کی قسم! آسمان کہیں صاف نہیں دکھائی دے رہا تھا، پھر آپ نے اپنے دونوں ہاتھوں کو اٹھایا اور دعا فرمائی: خدایا! ہمارے ارد گرد برسا، ہم پر نہ برسا، خدایا! ٹیلوں پر، پہاڑیوں پر، وادیوں میں اور جنگلات اور باغات پر برسا، دعا فرماتے ہی مدینہ سے بادل چھٹ گئے، اور اس کے ارد گرد تاج کی طرح ہو گیا، امام ابو حنیفہ کا استدلال اسی حدیث سے ہے، انہوں نے اسے اصل قرار دیا ہے اور فرمایا: سنت استسقاء میں صرف دعا ہے، نماز یا باہر جانا نہیں۔

جمہور کا استدلال حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت سے ہے، انہوں نے فرمایا: ”شکا الناس إلى رسول الله ﷺ فحوط المطر، فأمر بمنبر فوضع له في المصلى، ووعد الناس يوم ما يخرجون فيه، قالت عائشة: فخرج رسول الله ﷺ حين بدا حاجب الشمس، فقع على المنبر، فكبر وحمد الله عز وجل ثم قال: إنكم شكوتم جدد دياركم واستخار المطر عن إبان زمانه عنكم، وقد أمركم الله عز وجل أن تدعوه ووعدكم أن يستجيب لكم، ثم قال: الحمد لله رب العالمين، الرحمن الرحيم، مالك يوم الدين، لا إله إلا الله يفعل ما يريد، اللهم أنت الله لا إله

إلا أنت، أنت الغني ونحن الفقراء، أنزل علينا الغيث، واجعل ما أنزلت لنا قوة وبلاغاً إلى حين، ثم رفع يديه فلم يزل في الرفع حتى بدا بياض إبطيه، ثم حول إلى الناس ظهره، وقلب أو حول رداءه وهو رافع يديه، ثم أقبل على الناس، ونزل فصلى ركعتين، فأنشأ الله سبحانه فرعدت وبرقت ثم أمطرت بإذن الله تعالى، فلم يأت مسجده حتى سالت السيول، فلما رأى سرعتهم إلى الكنّ ضحك حتى بدت نواجذه، فقال: أشهد أن الله على كل شيء قدير، وأني عبد الله ورسوله“ (۱) (لوگوں نے رسول اللہ ﷺ سے بارش نہ ہونے کی شکایت کی، آپ نے حکم دیا تو عید گاہ میں منبر رکھ دیا گیا، اور آپ ﷺ نے لوگوں کے نکلنے کے لئے ایک دن مقرر فرمایا، حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ حضور ﷺ سورج طلوع ہونے کے بعد باہر تشریف لائے، منبر پر جلوہ افروز ہوئے، اللہ کی بڑائی اور حمد بیان کی، پھر فرمایا: تم کو علاقہ میں خشک سالی اور بارش کے اپنے وقت سے مؤخر ہونے کی شکایت ہے، اللہ کا حکم ہے کہ اس سے دعا کرو، اس کا وعدہ ہے کہ قبول کرے گا، پھر آپ ﷺ نے فرمایا: تمام تعریفیں اللہ کے لئے ہیں جو رب العالمین ہے، رحمان ورحیم ہے، جزاء کے دن کا مالک ہے، اللہ کے علاوہ کوئی معبود نہیں، جو چاہتا ہے کرتا ہے، خدایا! تو اللہ ہے، تیرے سوا کوئی معبود نہیں، تو بے نیاز، ہم حاجت مند ہیں، ہم پر بارش برسا، اور اس کو ہمارے لئے قوت اور مقررہ مدت تک پہنچنے کا ذریعہ بنا، پھر آپ ﷺ نے دونوں ہاتھوں کو اٹھایا اور اٹھائے رہے یہاں تک

(۱) نیل الاوطار للہوکانی ۳/۳ طبع المطبعة العثمانیہ المصریہ حدیثہ ”إنکم شکونم جدد ديارکم ...“ کی روایت ابو داؤد (عون المعبود ۳/۳ ۳۵۵-۳۵۴ طبع المطبعة الانصاریہ) نے کی ہے اور کہا ہے کہ اس کی سند چید ہے۔

طرح بادل اٹھاء ہو اچلی اور بارش ہوئی، یہاں تک کہ لوگوں کا اپنے گھر پہنچنا مشکل ہو گیا (۱)۔

مشروعیت کی حکمت:

۴- انسان پر جب حوادث آتے ہیں اور مصیبت اس کو گھیر لیتی ہے تو کچھ کودہ ہٹا سکتا ہے، اور بعض کو کسی بھی طرح سے ہٹانا اس کے لئے مشکل ہوتا ہے، ان بڑے حوادث و مصائب میں سے قحط ہے، جو بارش رکنے کے نتیجے میں سامنے آتا ہے، بارش ہی ہر ذی روح کی زندگی اور اس کی غذا ہے، انسان نہ بارش برسا سکتا ہے اور نہ ہی اس کا عوض ڈھونڈ سکتا ہے، بارش برسانے کی طاقت قدرت صرف اللہ کے ہاتھ میں ہے، اس لئے شارع حکیم نے استسقاء کو شروع کیا تاکہ اس مالک و قادر اللہ جل جلالہ سے درخواست کی جائے کہ اپنے رحم و کرم سے بارش برسا دے جو ہر چیز کی زندگی کا ذریعہ ہے۔

استسقاء کے اسباب:

۵- استسقاء چار حالات میں ہوتا ہے:

اول۔ قحط اور خشک سالی کی وجہ سے یا لوگوں کے اپنے پینے یا اپنے جانوروں اور مویشیوں کو پلانے کے لئے خواہ سفر میں ہوں یا حضر میں، صحراء میں ہوں یا کھارے سمندر میں کشتی میں ہوں، یہ متفق علیہ ہے۔

دوم۔ ان لوگوں کا استسقاء کرنا جو نہ قحط زدہ ہیں اور نہ ہی پینے کے لئے ان کو ضرورت ہے، کیونکہ ان پر بارش ہوئی ہے، البتہ اگر اسی پر اکتفا کر لیں تو ان کے لئے کافی نہیں ہوگا، لہذا وہ استسقاء کے ذریعہ اللہ کے مزید فضل کی درخواست کر سکتے ہیں، یہ مالکیہ و شافعیہ کی

کہ بغلوں کی سفیدی دکھائی دینے لگی، پھر آپ ﷺ نے لوگوں کی طرف پشت کر لی اور ہاتھ اٹھائے اٹھائے چادر اٹھی، پھر لوگوں کی طرف رخ کیا، منبر سے نیچے اترے، دو رکعتیں پڑھیں، پھر اللہ نے بادل بھیج دیئے، گرج ہوئی، بجلی چمکی اور اللہ کے حکم سے بارش ہوئی اور مسجد آتے آتے بارش کا پانی بہہ پڑا، جب آپ ﷺ نے لوگوں کو تیزی سے گھروں کی طرف آتے دیکھا تو آپ ﷺ کھلکھلا کر ہنس پڑے، پھر فرمایا: میں کواعی دیتا ہوں کہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے، اور میں اللہ کا بندہ اور اس کا رسول ہوں)۔

حضرت عمر حضرت عباسؓ کے وسیلہ سے بارش کی دعا کرتے اور کہتے: ”اللھم انا کنا اذا قحطنا توسلنا الیک بنبیک فتسقینا، وانا نتوسل بعم نبیک فاسقنا“ (خدا یا! ہم پہلے تیرے پاس تیرے نبی کا وسیلہ لایا کرتے تھے تو تو پانی برساتا تھا، اب تیرے نبی کے چچا کا وسیلہ لاتے ہیں، ہم پر پانی برسا) پھر پانی برستا (۱)۔

اسی طرح روایت میں ہے کہ حضرت معاویہؓ نے یزید بن اسود کے وسیلہ سے بارش کی دعا کی اور کہا: ”اللھم انا نستسقی بخیرونا وافضلنا، اللھم انا نستسقی بیزید بن الاسود، یا یزید ارفع یدیک الی اللہ تعالیٰ“ (خدا یا! ہم اپنے میں سب سے بہتر اور افضل کے وسیلے سے بارش کی دعا کرتے ہیں، خدا یا! ہم یزید بن اسود کے وسیلہ سے بارش کی درخواست کرتے ہیں، اے یزید! اپنے ہاتھوں کو خدا کی طرف اٹھاؤ)، چنانچہ انہوں نے ہاتھ اٹھائے اور لوگوں نے بھی ہاتھ اٹھائے، اس کے بعد مغرب سے ڈھال کی

(۱) حضرت معاویہ کے اثر ”استسقی معاویہ بیزید بن الاسود...“ کی روایت ابو زرعد مشقی نے اپنی تاریخ میں صحیح سند کے ساتھ کی ہے (تقریباً ۱۰۱/۲ طبع شرکت المطابع النعیمیہ)۔

(۱) المجموع الموعود ۶۵/۵، الطحاوی علی الدر المختار ۳۶۰، المغنی ۲/۲۹۵۔ اور حضرت عمر کے اثر ”استسقی عمرو بالعباس...“ کی روایت بخاری (فتح الباری ۳/۳۹۳ طبع استقویہ) نے کی ہے۔

استسقاء ۶

رائے ہے (۱)۔

سوم۔ غیر قحط زدہ لوگوں کا قحط زدہ کے لئے یا پینے کے ضرورت مند لوگوں کے لئے استسقاء کرنا، اس کے قائل حنفیہ، مالکیہ اور شافعیہ ہیں (۲)۔

چہارم۔ استسقاء کیا، لیکن بارش نہیں ہوئی، مذاہب اربعہ یعنی حنفیہ، مالکیہ، شافعیہ اور حنابلہ بالاتفاق بار بار استسقاء اور خوب دعا کرنے کے قائل ہیں، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ دعا میں الحاج وزاری کرنے والے کو پسند کرتا ہے (۳)۔ نیز فرمان باری ہے: ”فَلَوْ لَا إِذْ جَاءَهُمْ بِأَسْنَا تَضَرَّعُوا وَلَكِنْ قَسَتْ قُلُوبُهُمْ“ (۴) (سوجب انہیں ہماری طرف سے سزا پہنچی تو وہ کیوں نہ ڈھیلے پڑ گئے بلکہ ان کے دل تو (ویسے ہی) سخت رہے)۔ نیز اس لئے کہ استسقاء بار بار کرنے کی دلیل یہ فرمان نبوی ہے: ”یستجاب لأحدکم ما لم یعجل بقول: دعوت فلم یستجب لی“ (۵) (تم میں سے ہر ایک کی دعا قبول ہوتی جب تک وہ جلد بازی نہ کرے، یوں نہ کہے: میں نے دعا کی لیکن قبول نہیں ہوئی) اور اس لئے بھی کہ استسقاء کی علت بارش کی ضرورت کا ہونا ہے اور بارش کی ضرورت باقی ہے، اصحیح نے ابن حبیب کے خط میں لکھا: ہمارے یہاں مصر میں ایسا ہوا اور پچیس دن مسلسل لوگوں نے استسقاء کیا، سنت استسقاء کے مطابق

(۱) الخرشنی ۱۳/۲، المجموع للمووی ۵/۹۰۔

(۲) الخرشنی ۱۶/۲، المجموع للمووی ۵/۶۳، ابن ماجہ ۱/۹۲۔

(۳) حدیث: ”إن الله يحب الملحين في الدعاء...“ کی روایت حکیم ترمذی اور ابن ماجہ نے کی ہے حافظ ابن حجر نے اس کو ضعیف کہا ہے (فیض القدر ۲/۲۹۲ طبع سوم)۔

(۴) سورہ انفار ۳۳۔

(۵) حدیث: ”یستجاب لأحدکم ما لم یعجل...“ کی روایت بخاری (فتح الباری ۱۱/۱۲۰ طبع استقصیہ) نے کی ہے۔

بارش ہوئی، اس واقعہ میں ابن قاسم اور ابن وہب موجود تھے (۱)۔

البتہ حنفیہ نے کہا ہے: لوگ صرف تین دن نکلیں گے، ان کا کہنا ہے کہ اس سے زیادہ منقول نہیں (۲)، لیکن صاحب ”الاختیار“ نے کہا ہے: لوگ مسلسل تین دن نکلیں گے اور اس سے زیادہ بھی مروی ہے (۳)۔

استسقاء کی قسمیں اور ان میں افضل ترین قسم:

۶۔ استسقاء کی تین قسمیں ہیں، اس پر فقہاء مذاہب اربعہ کا اتفاق ہے، اس لئے کہ اس کا ثبوت رسول اللہ ﷺ سے ہے۔ بعض ائمہ نے ان میں سے بعض اقسام کو بعض سے افضل قرار دیا ہے، اور فضیلت کے لحاظ سے ان میں ترتیب قائم کی ہے۔

چنانچہ شافعیہ و حنابلہ نے کہا ہے: استسقاء کی تین قسمیں ہیں: قسم اول: اور یہ سب سے اونٹنی درجہ ہے دعا جو نماز کے بغیر ہو اور کسی نماز کے بعد نہ ہو خواہ تنہا تنہا ہو یا جمع ہو کر ہو، مسجد میں ہو یا کہیں، اور اس میں افضل وہ ہے جو اہل خیر کی طرف سے ہو۔

قسم دوم: اور یہ اوسط درجہ ہے نماز جمعہ یا کسی اور نماز کے بعد دعا اور جمعہ کے خطبہ میں دعا وغیرہ، امام شافعی نے ”لام“ میں فرمایا: میں نے ایک صاحب کو دیکھا کہ انہوں نے ایک مؤذن کو کھڑا کیا، اور نماز صبح و مغرب کے بعد اس کو حکم دیا کہ استسقاء کرے، اور لوگوں کو دعا کی ترغیب دلائے تو مجھے ان کا یہ عمل ناپسند نہیں ہوا، حنابلہ نے اس نوعیت کے استسقاء کو اس صورت کے ساتھ خاص کیا ہے کہ امام کی طرف سے

(۱) ابن ماجہ ۱/۹۲ طبع سوم، حمیۃ العدوی علی الخرشنی ۱۶/۲، حمیۃ الدسوقی ۱/۵۰۵، المغنی ۲/۲۹۵، کشاف القناع ۲/۵۹۲، نہایۃ الحاج ۲/۳۰۳، المرعوی ۲/۱۸۹، ۱۹۰، المجموع ۵/۸۷۔

(۲) ابن ماجہ ۱/۹۲، شرح فتح القدر ۱/۳۳۔

(۳) الاختیار ۱/۷۰۔

استسقاء ۷

جمعہ کے خطبہ میں منبر پر دعا ہو۔

استسقاء کا وقت:

۷۔ اگر استسقاء دعا کے ذریعہ ہو تو بلا اختلاف کسی وقت ہو سکتا ہے۔ اور اگر نماز و دعا کے ساتھ ہو تو بالاجماع مکروہ اوقات میں ممنوع ہے، اور جمہور کی رائے ہے کہ مکروہ اوقات کے علاوہ کسی وقت بھی جائز ہے، ہاں، ان کے درمیان افضل وقت میں اختلاف ہے، اس سے مالکیہ مستثنیٰ ہیں، ان کا کہنا ہے کہ اس کا وقت چاشت کے وقت سے زوال تک ہے، لہذا اس سے پہلے یا اس کے بعد نماز استسقاء نہیں ادا کی جائے گی، اور افضل وقت کے بارے میں ثنائیہ کے یہاں تین ”قوال“ ہیں (۱)۔

اول۔ اس میں مالکیہ ان کے ساتھ متفق ہیں اور یہی حنابلہ کے یہاں اولیٰ ہے (۲) کہ نماز استسقاء کا وقت نماز عید کا وقت ہے، یہی شیخ ابو حامد اسفرائینی اور ان کے شاگرد محاطی نے کہا ہے جو ان کی کتابوں: المجموع، التخرید، المتقاع میں ہے، اور یہی ابو علی بنی اور بغوی کا قول ہے، اس کے لئے سنن اربعہ میں موجود ابن عباس کی حدیث سے استدلال کیا جاتا ہے کہ اسحاق بن عبد اللہ بن کنانہ کہتے ہیں: مجھے ولید بن عقبہ نے (جو امیر مدینہ تھے) ابن عباس کے پاس بھیجا تا کہ رسول اللہ ﷺ کے استسقاء کے بارے میں ان سے دریافت کروں، تو انہوں نے فرمایا: ”خرج رسول الله ﷺ متبذلاً متواضعاً متضرعاً، حتى أتى المصلي فلم يخطب خطبتكم هذه ولكن لم يزل في الدعاء والتضرع والتكبير، وصلى ركعتين كما كان يصلي في العيد“ (۳) (رسول اللہ ﷺ

قسم سوم: یہ سب سے افضل درجہ ہے دو رکعتوں اور دو خطبوں کے ساتھ استسقاء اور اس کے لئے پہلے سے تیاری کی جائے جیسا کہ کیفیت کے بیان میں آرہا ہے، اس میں گاؤں، شہر، دیہات کے لوگ اور مسافر برابر ہیں، ہر ایک کے لئے نماز اور دو خطبے مسنون ہیں اور یہی مفرد کے لئے بھی مستحب ہے، البتہ اس کے لئے خطبہ نہیں ہے (۱)۔ مالکیہ نے کہا ہے: دعا کے ذریعہ استسقاء سنت ہے یعنی خواہ نماز کے ساتھ ہو یا نماز کے بغیر، اور بارش کی سخت ضرورت ہونے پر ہی عید گاہ نکالا جائے، جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے کیا (۲)۔

حنفیہ میں امام ابو حنیفہ استسقاء میں دعا و استغفار کو افضل قرار دیتے ہیں، اس لئے کہ یہی سنت ہے، البتہ تنہا تنہا نماز ان کے یہاں مباح ہے، سنت نہیں، اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ نے اسے کبھی کیا اور کبھی نہیں کیا (۳)، امام محمد نے کہا ہے: استسقاء دعا کے ذریعہ ہوتا ہے یا نماز و دعا دونوں کے ذریعہ، ہر ایک سنت ہے، دونوں کا ایک ہی درجہ ہے (۴)۔

امام ابو یوسف سے اس مسئلہ میں روایت مختلف فیہ ہے، حاکم کی روایت ہے کہ وہ امام صاحب کے ساتھ ہیں، اور کرنی کی روایت ہے کہ وہ محمد کے ساتھ ہیں (۵)، ابن عابدین نے ان کے امام محمد کے ساتھ ہونے کو راجح قرار دیا ہے (۶)۔

(۱) المجموع للحووی ۵/۶۳ طبع الممیر یافغنی ۲/۲۹۷ طبع اول المنار۔

(۲) سواہب الجلیل شرح مختصر فلیل ۲/۲۰۵ طبع لیبیا، المربعونی ۲/۹۰، لشرح الصغیر ۱/۵۳۔

(۳) الطحاوی علی مرآۃ الفلاح ص ۳۰۰، ابن عابدین ۱/۹۱۔

(۴) فتح القدیر ۱/۳۳۸۔

(۵) شرح العنایل علی الہدایہ مع حاشیہ فتح القدیر ۱/۲۲۰ طبع بلاق۔

(۶) ابن عابدین ۱/۵۶۔

(۱) المجموع للحووی ۵/۶۶ طبع الممیر یافغنی۔

(۲) التخری ۲/۱۳۔

(۳) فتح القدیر ۱/۳۳۷، حدیث: ”خرج رسول الله ﷺ متبذلاً متواضعاً متضرعاً.....“ کی روایت ابو داؤد (عون المعبود ۱/۵۳۳ طبع المطبعۃ

الانصاریہ) اور ترمذی (۲/۲۵۵ طبع مصنفی الجمعی) نے کی ہے اور ترمذی

نے اس کو صحیح قرار دیا ہے۔

استسقاء ۸

کوئی اصل نہیں، نیز اس لئے کہ امام شافعی نے اس کی صراحت کی ہے، اور اکثر اصحاب مذہب نے بھی۔

ابن عبد البر نے کہا: نماز استسقاء کے لئے زوال آفتاب کے وقت ٹھکانا علماء کی ایک جماعت کے نزدیک ہے (۱)، اور حنفیہ کے یہاں اس کے وقت کا ذکر نہیں اور نہ ہی انہوں نے وقت کی تحدید سے بحث کی ہے، اور ایسا بھی ہو سکتا ہے، اس لئے کہ امام (ابو حنیفہ) کے نزدیک استسقاء میں سنت دعا ہے اور دعا کسی وقت ہو سکتی ہے، اس کا کوئی معین وقت نہیں۔

استسقاء کی جگہ:

۸- مذاہب اربعہ کا اس پر اتفاق ہے کہ استسقاء مسجد میں اور مسجد سے باہر جائز ہے، البتہ مالکیہ بارش کی سخت ضرورت پر ہی باہر نکلنے کے قائل ہیں، جب کہ شافعیہ و حنابلہ علی الاطلاق باہر نکلنے کو ترجیح دیتے ہیں، اس لئے کہ حضرت ابن عباس کی حدیث میں ہے: ”خرج رسول اللہ ﷺ للاستسقاء متبذلاً متواضعاً متضرعاً حتی أتى المصلی، فلم یخطب خطبتکم هذه ولكن لم یزل فی الدعاء والتضرع والتکبیر و صلی رکعتین کما کان یصلی فی العید“ (۲) (رسول اللہ ﷺ پرانے کپڑوں میں تواضع کے ساتھ گڑا گڑاتے ہوئے نکلے، اور عید گاہ پہنچے تو تمہاری طرح خطبہ نہیں دیا، بلکہ دعا و گڑا گڑانے اور اللہ کی بڑائی بیان کرنے میں لگے رہے، اور عید کی طرح دو رکعتیں پڑھیں)۔

اور شافعیہ نے کہا ہے: امام میدان میں نکل کر نماز پڑھے گا، اس لئے کہ حضور ﷺ نے میدان میں پڑھا، نیز اس لئے کہ اس میں اکثر لوگ اور بچے، حائضہ عورتیں اور جانور وغیرہ موجود ہوتے ہیں،

(۱) سابقہ جلد، مجموعہ ۵/۶، ۷، ۸۔

(۲) المغنی ۲/۲۸۳، سواہب الجلیل ۲/۲۰۵، المہنی ۲/۱۹۰۔

پرانے کپڑوں میں تواضع کے ساتھ، گڑا گڑاتے ہوئے نکلے اور عید گاہ پہنچے، تو تمہاری طرح خطبہ نہیں دیا بلکہ دعا، گڑا گڑانے اور اللہ کی بڑائی بیان کرنے میں لگے رہے اور نماز عید کی طرح دو رکعت پڑھی)۔

دوم۔ اس کا اول وقت نماز عید کا وقت ہے جو نماز عصر تک رہتا ہے، بندبگی، رویانی اور دوسرے لوگوں نے اسی کو ذکر کیا ہے، اس لئے کہ حضرت عائشہ کی روایت میں ہے: ”أن رسول اللہ ﷺ خرج حين بدا حاجب الشمس“ (سورج کا کنارہ ظاہر ہوتے ہی حضور ﷺ نکلے)۔

اس لئے کہ نماز استسقاء حالت اور صفت میں نماز عید سے مشابہ ہے، لہذا وقت میں بھی اس کے مشابہ ہوگی، البتہ استسقاء کا وقت زوال سے ختم نہیں ہوتا ہے (۱)۔

سوم۔ شافعیہ کے یہاں اس کو ”صحیح“ اور ”صواب“ کہا گیا ہے، اور یہ حنابلہ کے یہاں مرجوح رائے ہے (۲) کہ اس کا کوئی خاص وقت نہیں، بلکہ رات دن کسی وقت ہو سکتی ہے، البتہ ایک قول کے مطابق مکروہ اوقات اس سے مستثنیٰ ہیں، امام شافعی نے اس کی صراحت کی ہے، جمہور کی قطعی رائے یہی ہے، اور محققین نے اس کی تصحیح کی ہے، صاحب ”الماوی“ اس کو قطعی کہنے والوں میں ہیں، رافعی نے ”الحرز“ میں اور صاحب جمع الجوامع نے اس کی تصحیح کی، اور امام الحرمین نے اس کو درست کہا ہے، ان کا استدلال یہ ہے کہ یہ دن کے ساتھ خاص نہیں جیسے نماز استسقاء اور احرام کی دو رکعتیں وغیرہ، انہوں نے کہا ہے: نماز عید کی طرح اس کے لئے خاص وقت مقرر کرنے کی

(۱) نماز عید کا وقت: سورج کے ایک یا دو نیزہ کے بقدر بلند ہونے پر ہے اور حضرت عائشہ کی حدیث: ”خرج رسول اللہ ﷺ حين بدا حاجب الشمس...“ فقرہ (۳) میں مذکور حدیث: ”إنکم شکونم جدب دیارکم...“ کا ہی ایک ٹکڑا ہے۔

(۲) المغنی ۲/۲۸۶۔

لہذا امید ان میں ان کے لئے زیادہ گنجائش اور سہولت ہوگی (۱)۔
حنفیہ بھی نکلنے کے قائل ہیں، البتہ انہوں نے کہا ہے کہ مکہ اور بیت المقدس کے لوگ ان دنوں مسجدوں میں جمع ہوں گے، اور بعض احناف نے کہا ہے: اسی طرح اہل مدینہ کے لئے مسجد نبوی میں جمع ہونا مناسب ہے، کیونکہ وہ روئے زمین کے بہترین حصوں میں سے ہے، اور وہاں اللہ کی سب سے بہتر مخلوق نبی ﷺ موجود ہیں، ابن عابدین نے مسجد نبوی میں جمع ہونے کے جواز کی وجہ یہ بتائی ہے کہ وہاں استسقاء کے لئے جمع ہونا اس لئے مناسب ہے کہ کسی بھی واقعہ میں حضور ﷺ کی موجودگی اور مشاہدہ کے بغیر مدینہ میں مدد کی درخواست اور نزول رحمت کی طلب نہیں ہوتی (۲)۔

استسقاء سے قبل کے آداب:

۹- فقہاء نے کچھ آداب ذکر کئے ہیں، جن کا استسقاء سے قبل اختیار کرنا مستحب ہے، فقہاء نے کہا ہے: امام لوگوں کو وعظ و نصیحت کرے، ظلم سے دست بردار ہونے، گناہوں سے توبہ کرنے اور حقوق ادا کرنے کا حکم دے تاکہ قبولیت کے زیادہ قریب ہوں، اس لئے کہ معاصی قحط کا سبب ہوتے ہیں اور فرماں برداری برکت کا سبب ہوتی ہے فرمان باری ہے: ”وَلَوْ أَنَّ أَهْلَ الْقُرَىٰ آمَنُوا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَيْهِم بَرَكَاتٍ مِّنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ وَلَٰكِن كَذَّبُوا فَأَخَذْنَاهُم بِمَا كَانُوا يَكْسِبُونَ“ (۳) (اور اگر بستیوں والے ایمان لے آئے ہوتے اور پرہیزگاری اختیار کی ہوتی تو ہم ان پر

آسمان اور زمین کی برکتیں کھول دیتے لیکن انہوں نے تو جھٹلایا، سو ہم نے ان کے کرتوتوں کی پاداش میں ان کو پکڑ لیا)۔
ابو وائل نے حضرت عبداللہ کا قول نقل کیا ہے: ”جب ماپنے میں کمی کی جائے گی تو بارش رک جائے گی“ اور مجاہد نے ”وَيُلْعَنُهُمُ اللَّاعِنُونَ“ (۱) کی تفسیر میں کہا: زمین کے جانور ان پر لعنت کرتے ہیں، فقہاء کہتے ہیں: لوگوں کی غلطیوں کی وجہ سے بارش روک دی جاتی ہے، اسی طرح لوگ بغض و عداوت کو ترک کریں، کیونکہ یہ گناہ اور بہتان طرازی پر آمادہ کرتی ہے اور نزول خیر کو روک دیتی ہے، اس کی دلیل یہ فرمان نبوی ہے: ”خُرَجْتَ لِأَخْبِرَكُمْ بَلِيلَةَ الْقَدَرِ فَتِلَاحِي فَلَانٌ وَفَلَانٌ فَرَفَعَتْ“ (۲) (میں تم کو شب قدر بتانے کے لئے نکلا، لیکن فلاں فلاں لڑ پڑے تو اس کی تعین اٹھائی گئی)۔

استسقاء سے قبل روزہ رکھنا:

۱۰- مذاہب اس پر متفق ہیں کہ (استسقاء کے لئے) روزہ رکھا جائے، البتہ اس کی مقدار اور روزہ کے ساتھ استسقاء کے لئے نکلنے کے بارے میں اختلاف ہے، اس لئے کہ روزہ کے ساتھ دعا کی قبولیت کی زیادہ امید ہے، کیونکہ فرمان نبوی ہے: ”ثَلَاثَةٌ لَا تُرَدُّ دَعْوَتُهُمْ: الصَّائِمُ حِينَ يَفْطُرُ...“ (۳) (تین آدمیوں کی دعا رد نہیں ہوتی، افطار کے وقت روزہ دار کی...)، نیز اس لئے کہ اس میں شہوت کو توڑنا اور دل کو حاضر رکھنا اور اللہ کے سامنے اظہار عاجزی ہے۔

(۱) سورہ بقرہ ۱۵۹۔

(۲) کشاف القناع ۵۹/۲۔ حدیث: ”خُرَجْتَ لِأَخْبِرَكُمْ بَلِيلَةَ الْقَدَرِ فَتِلَاحِي فَلَانٌ وَفَلَانٌ فَرَفَعَتْ...“ کی روایت بخاری (فتح الباری ۲۶۷/۲ طبع استغیثہ) نے کی ہے۔

(۳) حدیث: ”ثَلَاثَةٌ لَا تُرَدُّ دَعْوَتُهُمْ: الصَّائِمُ حِينَ يَفْطُرُ...“ کی روایت ترمذی (تحفۃ لا خوئی ۲۲۹/۲، ۵۶۱/۱۰، ۵۶۱/۱۰ طبع کردہ استغیثہ) نے کی ہے اس کی اسناد میں ضعف اور جہالت ہے۔

(۱) المجموع للحوی ۵/۲۷۔

(۲) ابن ماجہ ۱/۲۷۲، طبع سوم، جامعۃ الشریعہ فی علی الدرر شرح الفرد ۱/۱۳۸، الطحاوی علی سرائی الفلاح ۱/۳۰۱۔

(۳) المجموع للحوی ۵/۲۷۵، المغنی ۲/۸۳، کشاف القناع ۲/۵۸، سرائی الفلاح مع حاشیہ ۱/۳۰۱، الطحاوی ۱/۳۶۰، آیت کریمہ سورہ اعراف ۱/۹۶۔

شافعیہ، حنفیہ اور بعض مالکیہ نے کہا ہے: امام لوگوں کو حکم دے گا کہ نکلنے سے قبل تین دن روزہ رکھیں اور چوتھے دن روزہ کی حالت میں نکلیں۔

بعض مالکیہ نے کہا ہے: روزہ کے بعد چوتھے دن افطار کی حالت میں نکلیں تاکہ دعا کے لئے قوت حاصل ہو جیسے یوم عرفہ کا حکم ہے (۱)۔
حنابلہ نے کہا ہے: تین دن روزہ رکھیں اور روزہ کے آخری دن نکلیں۔

استسقاء سے قبل صدقہ:

۱۱- مذاہب کا اس پر اتفاق ہے کہ استسقاء سے قبل صدقہ کرنا مستحب ہے، لیکن کیا امام اس کا حکم دے گا یہ مختلف فیہ ہے: شافعیہ، حنابلہ اور حنفیہ کا قول اور مالکیہ کے یہاں معتمد یہ ہے کہ امام حکم دے گا کہ اپنی اپنی استطاعت کے مطابق صدقہ کریں (۲)۔

بعض مالکیہ نے کہا ہے: امام ان کو حکم نہیں دے گا، بلکہ اس کو لوگوں کے لئے بغیر حکم چھوڑ دے گا، اس لئے کہ یہ قبولیت کے زیادہ قریب ہے، جب صدقہ ذاتی جذبہ سے ہو، امام کے حکم سے نہیں۔

کچھ ذاتی آداب:

۱۲- فقہاء کا اس پر اتفاق ہے کہ استسقاء کے کچھ ذاتی آداب و مستحبات ہیں، جنہیں لوگوں کو استسقاء سے قبل جب کہ امام نے نکلنے کے لئے دن مقرر کر دیا ہو، بجالانا چاہئے، اس لئے کہ حضرت عائشہ کی سابقہ حدیث میں ہے: ”وعلم الناس یوما یخرجون فیہ“ (۳)

- (۱) المجموع للمووی ۶۵/۲، شرح العنایہ علی الہدایہ علی ہامش فتح القدیر ۴/۱۳۱، کشاف القناع ۵۹/۲، جامعہ الدروی ۲۰۶/۱ طبع دار الفکر۔
(۲) جامعہ الشریعہ فی الدرر ۱۳۸۔
(۳) حضرت عائشہ کی روایت فقرہ ۳ کے تحت گذر چکی ہے۔

(رسول اللہ ﷺ نے نکلنے کے لئے ایک دن مقرر فرمایا)۔
استسقاء کے لئے نکلنے کے وقت مستحب ہے کہ غسل اور مسواک کے ذریعہ صفائی حاصل کر لے، اس لئے کہ اس نماز کے لئے اجتماع اور خطبہ مسنون ہے، لہذا نماز جمعہ کی طرح غسل بھی مسنون ہوگا، اسی طرح مستحب ہے کہ خوش بو اور زینت ترک کرے کہ یہ زینت کا وقت نہیں، البتہ ناگواری کو دور کرے اور کام کاج کے کپڑوں میں نکلے (۱)، خشوع، خضوع کے ساتھ، عاجزی اور انکساری کا اظہار کرتے ہوئے پیدل نکلے، جاتے ہوئے راستہ بھر سوار نہ ہو، والا یہ کہ کوئی عذر مثلاً مرض وغیرہ ہو، اس کی دلیل حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے: ”خرج رسول اللہ ﷺ متواضعا متبذلا متخشعا متضرعا“ (رسول اللہ ﷺ تواضع کے ساتھ پرانے کپڑوں میں خشوع و عاجزی کا اظہار کرتے ہوئے نکلے) یہ ساری چیزیں مستحب ہیں، ان میں کوئی اختلاف منقول نہیں ہے (۲)۔

دعا کے ذریعہ استسقاء:

۱۳- امام ابو حنیفہ نے فرمایا ہے: استسقاء صرف دعا و استغفار ہے، اس میں باجماعت نماز مسنون نہیں، اگر لوگ تنہا تنہا پڑھ لیں تو جائز ہے، کیونکہ فرمان باری ہے: ”فَقُلْتُ اسْتَغْفِرُوا رَبَّكُمْ إِنَّهُ كَانَ غَفَّارًا يُرْسِلُ السَّمَاءَ عَلَيْكُمْ مِدْرَارًا“ (۳) (چنانچہ میں نے کہا اپنے پروردگار سے مغفرت چاہو، بے شک وہ بڑا بخشنے والا ہے، وہ تم پر کثرت سے بارش بھیجے گا)، اور اسی طرح امام ابو حنیفہ کی دلیل حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے وسیلے سے حضرت عمر کے استسقاء کی

- (۱) المجموع للمووی ۶۶/۵، المغنی ۲/۲۸۳، کشاف القناع ۵۹/۲، الطحاوی ۳۶۰۔
(۲) المغنی ۲/۲۸۳، طبع المصابیح فتح القدیر ۱/۳۳، المجموع للمووی ۶۶/۵۔
(۳) سورہ نوح ۱۰/۱۱۔

حدیث ہے جس میں نماز نہیں پڑھی گئی حالانکہ وہ رسول اللہ ﷺ کے اتباع کے حریص تھے، ابن عابدین نے امام ابوحنیفہ کی رائے کی توجیہ کرتے ہوئے کہا ہے: چونکہ باجماعت نماز ہونے اور نہ ہونے کے بارے میں اس قدر اختلاف ہے کہ اس سے سنیت کا ثبوت درست نہیں، اس لئے امام ابوحنیفہ اس کے سنت ہونے کے قائل نہیں، لیکن ان کے اس قول سے یہ لازم نہیں آتا کہ نماز بدعت ہے جیسا کہ بعض متصیین نے نقل کیا ہے، بلکہ وہ جواز کے قائل ہیں اور بظاہر اس سے مراد مندوب و مستحب ہونا ہے، کیونکہ ہدایہ میں ہے: چونکہ رسول اللہ ﷺ نے کبھی کیا ہے، اور کبھی چھوڑا ہے، اس لئے سنت نہیں، کیونکہ سنت وہ ہے جس کو آپ نے پابندی سے کیا ہو اور ایک مرتبہ کرنا، پھر چھوڑ دینا، اس سے سند ثابت ہوتا ہے (۱)۔

مالکیہ، شافعیہ، حنابلہ اور حنفیہ میں ابو یوسف و محمد نے کہا ہے: سابقہ تفصیل کے ساتھ تہادعا اور نماز کے ساتھ وعادوں سنت ہیں۔

وعاد نماز کے ذریعہ استسقاء:

۱۴- مالکیہ، شافعیہ، حنابلہ اور حنفیہ میں ابو یوسف و محمد بن حسن نے کہا: استسقاء نماز دعا اور خطبہ کے ذریعہ ہوگا، کیونکہ اس سلسلہ میں احادیث منقول ہیں۔

امام ابوحنیفہ نے کہا ہے: استسقاء میں خطبہ نہیں، اور حضرت انس کی سابقہ روایت سے خطبہ کا ثبوت نہیں ہوتا، اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ کی طرف سے استسقاء خطبہ کے دوران ہوا، لہذا اس واقعہ میں خطبہ قسط سالی کی خبر دینے سے پہلے ہے (۲)۔

نماز کو خطبہ سے مقدم اور مؤخر کرنا:

۱۵- اس مسئلہ میں تین آراء ہیں:

اول- نماز کو خطبہ پر مقدم کرنا، یہ مالکیہ اور محمد بن حسن کا قول ہے، اور حنابلہ کے یہاں رائج اور شافعیہ کے یہاں اولیٰ ہے، اور فقہاء کی ایک جماعت اسی کی قائل ہے، اس لئے کہ حضرت ابوہریرہؓ کی روایت میں ہے: ”صلی رسول اللہ ﷺ رکعتیں ثم خطبنا“ (رسول اللہ ﷺ نے دو رکعتیں پڑھیں پھر ہمیں خطبہ دیا) اور اس لئے کہ حضرت ابن عباس کا قول ہے: ”صنع فی الاستسقاء کما یصنع فی العید“ (رسول اللہ ﷺ نے استسقاء میں وہی کیا جو نماز عید میں کرتے تھے)، نیز اس لئے کہ یہ تکبیرات والی نماز ہے، لہذا نماز عید کے مشابہ ہوگی (۱)۔

دوم- خطبہ کو نماز سے مقدم کرنا، یہ حنابلہ کی ایک رائے اور شافعیہ کے یہاں خلاف اولیٰ ہے، اور یہی حضرت ابن زبیر، ابان بن عثمان، ہشام بن اسماعیل، لیث بن سعد، ابن المنذر، اور عمر بن عبدالعزیز سے مروی ہے (۲)، اس کی دلیل حضرت انس و عائشہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے خطبہ دیا، اور نماز پڑھی، اور عبد اللہ بن زید سے مروی ہے، انہوں نے کہا: ”رأیت النبی ﷺ لما خرج یستسقی حوّل الی الناس ظہرہ واستقبل القبلة یدعو، ثم حوّل رداءہ، ثم صلی لنا رکعتین جہر فیہما بالقراءۃ“ (میں نے نبی کریم ﷺ کو دیکھا کہ جب آپ استسقاء کے لئے نکلے تو آپ نے اپنی پشت لوگوں کی طرف کر لی اور قبلہ رخ ہو کر دعا کرنے لگے، پھر آپ نے اپنی چادر الٹی پھر دو رکعتیں پڑھیں

(۱) المجموع الموعود ۵/ ۷۷، الطحاوی ۵/ ۳۶۰، المغنی ۲/ ۱۸۷، الشرح المصغیر ۵۳۹/ طبع معارف۔

(۲) المجموع الموعود ۵/ ۹۳، المغنی ۲/ ۱۸۸۔

(۱) ابن عابدین ۱/ ۷۹، طبع سوم، شرح الغنائی علی الہدایہ مع حاشیہ فتح القدیر ۲۳۰/ طبع بلاق۔

(۲) الطحاوی ۵/ ۳۶۰، طبع معارف۔

ان میں بلند آواز سے قراءت کی) (متفق علیہ) (۱)۔

سوم۔ اختیار ہے کہ نماز سے پہلے خطبہ دے یا نماز کے بعد، یہی حنابلہ کی رائے ہے، کیونکہ دونوں طرح کی روایات منقول ہیں، ان سے دونوں طریقوں کا علم ہوتا ہے۔

نماز استسقاء کا طریقہ:

۱۶۔ نماز استسقاء کے قائلین کے درمیان اس مسئلہ میں کوئی اختلاف نہیں ملتا کہ اس میں دو رکعتیں ہیں، البتہ اس نماز کے طریقہ کے بارے میں دو مختلف آراء ہیں:

پہلی رائے: شافعیہ و حنابلہ کی رائے اور محمد بن حسن و سعید بن مسیب اور عمر بن عبد العزیز کا قول ہے کہ دو رکعتیں پڑھے اور نماز عید کی طرح پہلی رکعت میں سات اور دوسری میں پانچ تکبیریں کہے، اس لئے کہ حضرت ابن عباس کی سابقہ حدیث میں ہے: ”ووصلی رکعتین کما کان یصلی فی العید“ (آپ ﷺ نے نماز عید کی طرح دو رکعتیں پڑھیں)، نیز جعفر بن محمد نے اپنے والد سے نقل کیا ہے کہ: ”أن النبی ﷺ و أبابکر و عمر کانوا یصلون صلاة الاستسقاء یکبرون فیها سبعا و خمسا“ (۲) (نبی کریم ﷺ، حضرت ابو بکر و عمر نماز استسقاء پڑھتے اور اس

(۱) عبد اللہ بن زید کی حدیث: ”رأیت النبی ﷺ لما خرج یسقی...“ کی روایت بخاری (فتح الباری ۲/۵۱۳ طبع استغیہ) اور مسلم (۲/۶۱۱ طبع بیروت) نے کی ہے۔

(۲) المغنی ۲/۲۸۳ طبع المنان المجموع للحووی ۵/۷۳، ابن ماجہ ۱/۷۱، بدائع الصنائع ۱/۲۸۳۔ جعفر سے مروی حدیث: ”أن النبی ﷺ و أبابکر و عمر کانوا یصلون...“ کی روایت عبد الرزاق نے اپنی مصنف (۸۵۳ طبع مجلس اعلیٰ) اور امام شافعی نے اپنی کتاب الام (۲۳۹ طبع شرکت الطباعة الفریہ) میں کی ہے۔ اس کی اسناد میں ابراہیم بن محمد بن ابویہ الاسلمی ہیں جو متروک ہیں، جیسا کہ اشترک لابن حجر میں ہے۔

میں سات اور پانچ تکبیریں کہتے تھے)۔

دوسری رائے: یہ مالکیہ کی رائے ہے، اور محمد بن حسن کا دوسرا قول ہے، اور یہی اوزاعی، ابو ثور اور اسحاق کا قول ہے، نماز نفل کی طرح دو رکعتیں پڑھی جائیں گی، اس لئے کہ عبد اللہ بن زید کی روایت میں ہے: ”أن النبی ﷺ استسقی فصلى رکعتین“ (نبی کریم ﷺ نے استسقاء کیا تو آپ نے دو رکعتیں پڑھیں)، اسی جیسی روایت حضرت ابو ہریرہ سے بھی مروی ہے، ان دونوں نے تکبیر کا ذکر نہیں کیا ہے (۱)، لہذا اس سے مراد مطلق نماز ہوگی۔

مذہب کا اس پر اتفاق ہے کہ استسقاء میں جہر کے ساتھ قراءت ہوگی، اس لئے کہ وہ خطبہ والی نماز ہے (۲)، اور ہر وہ نماز جس کے لئے خطبہ ہو، اس میں قراءت جہر کے ساتھ ہوتی ہے، کیونکہ لوگ سننے کے لئے جمع ہوتے ہیں، اور جو چاہے پڑھے، البتہ افضل یہ ہے کہ اس میں وہی سورت پڑھے جو نماز عید میں پڑھی جاتی ہے، ایک قول یہ ہے کہ سورہ ق اور سورہ نوح (۳) یا سورہ اعلیٰ اور سورہ غاشیہ (۴) یا سورہ اعلیٰ اور سورہ شمس پڑھے۔

تمام تکبیرات یا بعض کو حذف کرنے یا ان میں اضافہ کرنے سے نماز فاسد نہیں ہوتی، اور شافعیہ نے کہا ہے: اگر تمام تکبیرات یا بعض کو ترک کر دے یا ان میں اضافہ کر دے تو سجدہ سہو نہیں کرے گا، اور اگر مسبوق کو بعض تکبیرات زد اندلیں تو کیا چھوٹی ہوئی تکبیرات کی قضاء کرے گا؟ انہوں نے کہا ہے: اس میں دو قول ہیں، جیسا کہ نماز عید

(۱) لشرح المغنی ۱/۵۳۷ طبع دار المعارف، ابن ماجہ ۱/۷۱، المغنی ۲/۲۸۵، اور اس حدیث کی روایت احمد، ابوعوانہ و ابن ماجہ نے کی ہے اس کے روایت فقہ ہیں (مثل الاوطار ۶/۲)۔

(۲) المجموع للحووی ۵/۶۳، ابن ماجہ ۱/۷۱، المغنی ۲/۲۹۳، حاشیۃ الدرر النوری ۳۰۵/۱۔

(۳) المجموع للحووی ۵/۷۳، المغنی ۲/۲۹۳۔

(۴) المغنی ۲/۸۹۳۔

میں وقول ہیں (۱)۔

خطبہ زمین پر مندوب اور منبر پر مکروہ ہے (۱)، اگر نماز پڑھنے کی جگہ میں منبر پہلے سے موجود ہو، اس کو کسی نے نکالا نہ ہو تو اس میں دو آراء ہیں: جواز اور کراہت۔

خطبہ کا طریقہ اور اس کے مستحبات:

۱۷- شافعیہ، مالکیہ اور حنفیہ میں محمد بن حسن نے کہا ہے: امام عید کے خطبہ کی طرح دو خطبے مع ارکان و شرائط و کیفیات دے گا، اور منبر پر چڑھنے کے بعد بیٹھنے کے بارے میں وقول ہیں جیسا کہ عید میں بھی ہے، اس کی دلیل حضرت ابن عباس کی سابقہ حدیث ہے، اور اس لئے کہ یہ نماز تکبیر اور طریقہ نماز میں عید کے مشابہ ہے (۲)۔

حنفیہ (۲) و حنابلہ کا قول اور شافعیہ کے یہاں مرجوح قول یہ ہے کہ نماز عیدین کی طرح خطبہ میں تکبیر کہے گا، مالکیہ و شافعیہ کے یہاں راجح یہ ہے کہ تکبیر کے بدلے استغفار کرے گا، پہلے خطبہ کے آغاز میں نوبار اور دوسرے میں سات بار استغفار کرے گا، یوں کہے گا: ”أَسْتَغْفِرُ اللَّهَ الَّذِي لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّومُ وَأَتُوبُ إِلَيْهِ“، اور استغفار کے ساتھ اپنی بات ختم کرے، خطبہ میں کثرت سے استغفار کرے، اور یہ آیت پڑھے: ”اسْتَغْفِرُوا رَبَّكُمْ إِنَّهُ كَانَ غَفَّارًا“، لوگوں کو گناہوں سے جو قحط کا سبب بنتے ہیں ڈرائے اور توبہ، رجوع الی اللہ، صدقہ اور نیکی کا حکم دے۔

حنابلہ، حنفیہ میں امام ابو یوسف اور عبد الرحمن بن مہدی نے کہا ہے: امام صرف ایک خطبہ دے گا، جس کو تکبیر کے ساتھ شروع کرے گا، اس لئے کہ حضرت ابن عباس کا قول ہے: ”تمہارے اس خطبہ کی طرح آپ ﷺ نے خطبہ نہیں دیا، بلکہ دعا، تضرع اور تکبیر میں لگے رہے“، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے خاموشی یا بیٹھ کر خطبہ میں فصل نہیں کیا، نیز اس لئے کہ خطبہ نقل کرنے والوں میں سے کسی نے دو خطبے نقل نہیں کئے ہیں (۳)۔

حنفیہ، شافعیہ اور مالکیہ نے کہا ہے: امام خطبہ کے دوران اپنا چہرہ لوگوں کی طرف اور پشت قبلہ کی طرف کرے گا، اور خطبہ سے فراغت کے بعد قبلہ رخ ہو کر دعا کرے گا۔

استفتاء کے لئے منبر میدان میں نہیں نکالا جائے گا، اس لئے کہ یہ خلاف سنت ہے، مروان بن حکم نے جب عیدین کے لئے منبر باہر نکالا تو لوگوں نے اس کی مذمت کی، اور اسے سنت کی مخالفت کہا۔

حنابلہ نے کہا ہے: دوران خطبہ خطیب کے لئے استقبال قبلہ مستحب ہے، کیونکہ حضرت عبد اللہ بن زید کی روایت میں ہے: ”أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ خَرَجَ يَسْتَسْقِي، فَتَوَجَّهَ إِلَى الْقِبْلَةِ يَدْعُو وَفِي لَفْظٍ: فَحَوَّلَ إِلَى النَّاسِ ظَهْرَهُ وَاسْتَقْبَلَ الْقِبْلَةَ يَدْعُو“ (۳) (حضور ﷺ استفتاء کے لئے اٹھے اور قبلہ رخ ہو کر دعا میں لگ گئے، اور ایک روایت میں ہے: آپ ﷺ نے لوگوں کی طرف پشت کی اور قبلہ رخ ہو کر دعا میں لگ گئے)۔

امام زمین پر کھڑے ہو کر کمان یا تلوار یا عصا کے سہارے لوگوں کی طرف رخ کر کے خطبہ دے گا (۴)، مالکیہ نے صراحت کی ہے کہ

(۱) المجموع للحوی ۵/۵۔

(۲) المجموع للحوی ۵/۶۳، ۸۳، الشرح لمغیر ۱/۵۳۹، الطحاوی ص ۳۶۰۔

(۳) المغنی ۲/۲۹۱ طبع المنان ابن ماجہ ۱/۹۱ طبع سوم۔

(۴) بدائع الصنائع ۱/۲۸۳ طبع المطبوعات العلمیہ، المجموع ۵/۸۳، الشرح

لمغیر ۱/۵۳۹، المغنی ۲/۲۹۱، حاشیۃ الصوکی ۱۶/۲۔

(۱) الصوکی علی الخرش ۱۶/۲۔

(۲) بدائع الصنائع ۱/۲۸۳۔

(۳) المغنی ۲/۲۸۹، الکافی ۱/۳۲۲ طبع آل کافی، کشاف القناع ۲/۶۲۔

و دعا کے منقول الفاظ:

۱۸- حضور ﷺ سے منقول دعائیں پڑھنا مستحب ہے، مثلاً ایک روایت میں استسقاء کے لئے یہ دعا منقول ہے:

”اللهم اسقنا غيثاً مغيثاً هنيئاً مريئاً مريعاً غدقاً مجللاً سحاً عاماً طبقةً دائماً، اللهم اسقنا الغيث ولا تجعلنا من القانطين، اللهم إن بالبلاد والعباد والخلق من اللأواء والضنك ما لا نشكو إلا إليك، اللهم أنبت لنا الزرع وأدر لنا الضرع واسقنا من بركات السماء وأنبت لنا من بركات الأرض، اللهم إنا نستغفرك إنك كنت غفاراً فأرسل السماء علينا مدراراً“ (خدا یا! ہم پر موسلا دھار بارش برسا، جو خوش گوار و پسندیدہ ہو، سبزہ زاری کا سبب ہو، تر کرنے والی ہو، ڈھانپ لینے والی ہو، موسلا دھار ہو، عام ہو، پراہر ہو، مسلسل ہو، خدا یا! ہم پر بارش برسا اور ہمیں مایوس نہ کر، خدا یا! ملک، بندوں اور تمام مخلوق پر تنگی اور تکلیف ہے، جس کی شکایت ہم صرف تجھ سے کرتے ہیں، اے اللہ! ہمارے لئے کھیتی اگادے، ہمارے جانوروں کے تھنوں میں دودھ بھر دے، آسمان کی برکتوں سے ہمیں سیراب کر، اور زمین کی برکتیں اگادے، خدا یا! ہم تجھ سے مغفرت مانگتے ہیں، تو بہت مغفرت کرنے والا ہے، تو آسمان کی دھاریں ہم پر کھول دے)۔

اور جب بارش ہو تو یہ دعا پڑھیں: ”اللهم صيباً نافعاً“ (خدا یا! زوردار، نفع بخش بارش برسا)۔ اور کہیں: ”مطرنا بفضل الله وبرحمته“ (۱) (اللہ کے فضل و رحمت سے بارش ہوگئی)۔

مروی ہے کہ: ”أن رسول الله ﷺ قال وهو على

(۱) فتح القدیر ۱/ ۴۴۰، الکافی ۱/ ۳۲۲، ۳۲۳، ۳۲۴ اور حدیث: ”اللهم اسقنا غيثاً مغيثاً.....“ کی روایت ابن ماجہ نے کی ہے اور اس کے روایت ثقہ ہیں (نیل الاوطار ۱۱/ ۱۱)۔

المنبر، حين قال له الرجل: يا رسول الله هلكت الأموال وانقطعت السبل، فادع الله أن يعيشتنا، فرفع يديه، وقال: اللهم أغثنا، اللهم أغثنا، اللهم أغثنا، اللهم أغثنا“ (حضور ﷺ منبر پر تھے ایک شخص نے آکر کہا: اے اللہ کے رسول! جانور ہلاک ہو گئے، اور راستے بند ہو گئے، اللہ سے بارش کی دعا فرمائیے، حضور ﷺ نے اپنے دونوں ہاتھوں کو اٹھا کر یہ دعا فرمائی: ”اللهم أغثنا، اللهم أغثنا، اللهم أغثنا“ (۱) (اے اللہ! بارش برسا، اے اللہ! بارش برسا، اے اللہ! بارش برسا)۔

امام شافعی کا یہ قول مروی ہے کہ اس حالت میں یہ دعا کریں: ”اللهم أنت أمرتنا بدعائك، ووعدتنا إجابتك، وقد دعوناك كما أمرتنا، فأجبنا كما وعدتنا، اللهم امنن علينا بمغفرة ما قارفتنا، وإجابتك في سقياننا، وسعة رزقنا“ (اے اللہ! تو نے ہمیں دعا کرنے کا حکم دیا اور اپنی طرف سے قبولیت کا وعدہ فرمایا، ہم نے تیرے حکم کے مطابق دعا کر لی تو بھی اپنے وعدہ کے مطابق قبول کر، خدا یا! ہمارے گناہوں کو معاف کر کے، ہماری سیرابی کے لئے دعاؤں کو قبول کر کے اور رزق میں وسعت دے کر ہم پر احسان فرما)۔ اور جب دعا سے فارغ ہو تو امام لوگوں کی طرف رخ کرے، لوگوں کو اللہ کی اطاعت پر ابھارے، نبی پاک ﷺ پر درود بھیجے، مسلمان مردوں اور عورتوں کے لئے دعا کرے قرآن کی ایک دو آیتیں پڑھے، کثرت سے استغفار کرے، اور کثرت سے یہ آیت پڑھے: ”اسْتَغْفِرُوا رَبَّكُمْ إِنَّهُ كَانَ غَفَّاراً يُرْسِلِ السَّمَاءَ عَلَيْكُمْ مِدْرَاراً وَيُمْدِدْكُمْ بِأَمْوَالٍ وَبَنِينَ وَيَجْعَلْ لَكُمْ جَنَّاتٍ وَيَجْعَلْ لَكُمْ أَنْهَاراً“ (اپنے

(۱) حدیث: ”اللهم أغثنا.....“ کی روایت بخاری اور مسلم نے کی ہے (نیل الاوطار ۱۵/ ۱۵)۔

حد درجہ دوری ہے، اور جب امام باواز بلند دعا کرے تو لوگ اس کی دعا پر آمین کہیں (۱)۔

اسی وجہ سے مستحب ہے کہ کچھ دعا آہستہ اور کچھ باواز بلند کرے، دعا کے دوران قبلہ رخ ہو، تضرع، عاجزی، خشوع و خضوع کے ساتھ توبہ کرے۔

صالحین کے وسیلہ سے استسقاء:

۲۰- جمہور فقہاء کا اتفاق ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے اقارب، نیک مسلمانوں جن کا صلاح و تقویٰ معروف ہو، ان کے وسیلہ سے استسقاء مستحب ہے، اس لئے کہ حضرت عمرؓ نے حضرت عباسؓ کے وسیلہ سے استسقاء کیا اور کہا: اے اللہ! قحط پرانا تو ہم تیرے نبی کا وسیلہ لاتے تھے اور تو بارش برساتا تھا، اب ہم تیرے نبی کے چچا کا وسیلہ لاتے ہیں تو بارش برسا دے، چنانچہ بارش ہوئی (۲)۔

روایت میں ہے کہ حضرت معاویہؓ نے یزید بن اسود کے وسیلہ سے استسقاء کرتے ہوئے کہا:

”اے اللہ! ہم اپنے میں سب سے بہتر اور افضل کے وسیلہ سے استسقاء کرتے ہیں، اے اللہ! ہم یزید بن اسود کے وسیلہ سے استسقاء کرتے ہیں، اے یزید! اپنے ہاتھوں کو اللہ کی طرف اٹھائیے، چنانچہ انہوں نے، اور پھر لوگوں نے اپنے ہاتھ اٹھائے، جس کے بعد مغرب سے ڈھال کی طرح ایک بادل اٹھا، ہوا چلی، بارش ہوئی، حتیٰ کہ لوگوں کا اپنے گھر پہنچنا مشکل ہو گیا“ (۳)۔

(۱) المجموع للعووی ۵/۷۵، الطحاوی ص ۳۵۹، المغنی ۲/۲۸۹، الشرح الصغير ۵۳۰/۱۔

(۲) اس کی تخریج (فقہ ۳) کے تحت گذر چکی ہے۔

(۳) المجموع للعووی ۵/۶۵، الطحاوی ص ۳۶۰، المغنی ۲/۲۹۵، ورحمہ اللہ کی تخریج (فقہ ۳) کے تحت گذر چکی ہے۔

پروردگار سے مغفرت چاہو، بے شک وہ بڑا بخشنے والا ہے، وہ تم پر کثرت سے بارش بھیجے گا، اور تمہارے مال و اولاد میں ترقی دے گا، اور تمہارے لئے باغ لگا دے گا، اور تمہارے لئے دریا بہا دے گا)۔

روایت میں ہے کہ حضرت عمرؓ نے استسقاء کیا تو ان کی دعا کا اکثر حصہ استغفار تھا، اور کہا: ”لقد استسقيت بمجاديع السماء“ (۱) (میں نے آسمان کے پختروں سے بارش کی دعا کی)۔

دعاء استسقاء میں ہاتھوں کو اٹھانا:

۱۹- ائمہ کے نزدیک دعا میں ہاتھوں کو آسمان کی طرف اٹھانا مستحب ہے، اس لئے کہ بخاری شریف میں حضرت انسؓ کی روایت ہے: ”كان النبي ﷺ لا يرفع يديه في شيء من دعائه إلا في الاستسقاء“ (۲) (رسول اللہ ﷺ استسقاء کے علاوہ کسی دعا میں ہاتھ نہیں اٹھاتے تھے)، اور آپ ﷺ اپنے ہاتھوں کو اس قدر اٹھاتے تھے کہ آپ ﷺ کے بغلوں کی سفیدی دکھائی دینے لگتی تھی۔

حضرت انسؓ کی ایک روایت میں ہے: ”رسول اللہ ﷺ نے، اور لوگوں نے اپنے ہاتھوں کو اٹھایا“ استسقاء میں رفع یدین کے بارے میں تقریباً تیس احادیث مروی ہیں۔

ائمہ نے لکھا ہے کہ آہستہ اور باواز بلند دعا کرے گا، جب امام آہستہ دعا کرے تو لوگ بھی آہستہ دعا کریں، کیونکہ اس میں ریا سے

(۱) المجموع للعووی ۵/۷۵، ۸۵، المغنی ۲/۲۸۹، طبع المنان، نور حضرت عمرؓ کے اثر ”لقد استسقيت بمجاديع السماء.....“ کی روایت سعید بن منصور نے اپنی سنن میں کی ہے (نیل الاوطار ۹/۹)۔

(۲) حدیث: ”كان رسول الله ﷺ لا يرفع يديه في شيء من دعائه إلا في الاستسقاء“ کی روایت بخاری (فتح الباری ۲/۵۱۷ طبع المنقہ) نے کی ہے۔

نیک عمل کا وسیلہ:

۲۰ م سہر شخص کے لئے اپنے طور پر اپنے نیک عمل کا وسیلہ اختیار کرنا مستحب ہے۔

اس کے لئے صحیحین کی اس حدیث سے استدلال کیا گیا ہے جو حضرت ابن عمر سے غار والوں کے قصہ میں مروی ہے، اہل غارتین انراوتھے چنہوں نے غار میں پناہ لی، ایک پتھر نے ان کا راستہ بند کر دیا تو ہر ایک نے اپنے نیک عمل کے وسیلہ سے دعا کی، جس کے بعد اللہ نے پتھر ہٹا دیا اور مصیبت اٹھادی اور وہ نکل کر چل پڑے (۱)۔

استسقاء میں چادر الٹنا:

۲۱- شافعیہ، حنابلہ اور مالکیہ نے کہا (۲): امام اور مقتدی کے لئے چادر الٹنا مستحب ہے، اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایسا کیا، نیز اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ کا عمل دوسرے کے حق میں بھی ثابت ہوتا ہے، بشرطیکہ خصوصیت کی دلیل نہ ہو، اور یہ عمل عقلاً سمجھ میں آنے والا ہے یعنی چادر الٹ کر نیک فال لیا کہ اللہ تعالیٰ ان کی قحط سالی بدل کر سرسبزی لائے گا۔ اور یہ حکم سب کے نزدیک مردوں کے ساتھ خاص ہے، عورتوں کے لئے نہیں ہے۔

حنفیہ میں سے محمد بن حسن، نیز ابن المسیب، عروہ، ثوری اور لیث نے کہا ہے: چادر الٹنا صرف امام کے ساتھ خاص ہے، مقتدی نہیں کریں گے، اس لئے کہ حضور ﷺ سے ایسا کرنا منقول ہے، صحابہ سے نہیں (۳)۔

(۱) حدیث: "قصۃ أصحاب الغار..." کی روایت بخاری (فتح الباری ۵۰۶، ۵۰۵، ۵۰۴) طبع المستوفی (اور مسلم ۲۱۰۰، ۲۰۹۹، ۲۰۹۸) طبع عینی (المجلد) نے کی ہے۔

(۲) المجموع للنووی ۸۵/۵، المغنی ۲/۸۹، المشرح الصغیر ۱/۵۳۹-۵۴۰۔

(۳) شرح العنایہ علی ہاشم فتح القدیر ۱/۴۲۰، المغنی ۲/۲۸۹۔

امام ابو حنیفہؒ نے کہا ہے: چادر الٹنا سنت نہیں، اس لئے کہ یہ دعاء ہے، لہذا اس میں چادر الٹنا مستحب نہ ہوگا جیسے اور دعائیں (۱)۔

چادر الٹنے کا طریقہ:

۲۲- حنابلہ و مالکیہ کا قول، شافعیہ کی ایک رائے، بان بن عثمان، عمر بن عبد العزیز، ہشام بن اسحاق اور ابو بکر بن محمد بن حزم کا قول ہے (۲) کہ استسقاء کرنے والے اپنی چادروں کو الٹ کر دائیں حصہ کو بائیں پر، اور بائیں حصہ کو دائیں پر رکھ لیں گے، ان کی دلیل عبد اللہ بن زید کی وہ روایت ہے جس کو امام ابو داؤد نے اپنی سند سے نقل کیا ہے: "حول رداءہ وجعل عطا فہ الأیمن علی عاتقہ الأیسر، وجعل عطا فہ الأیسر علی عاتقہ الأیمن" (نبی پاک ﷺ نے اپنی چادر الٹ لی، اور اس کے دائیں سرے کو اپنے بائیں کندھے پر رکھ لیا، اور اس کے بائیں سرے کو اپنے دائیں کندھے پر رکھ لیا) اور حضرت ابو ہریرہؓ کی حدیث میں بھی اسی طرح ہے۔ چادر الٹنا ایک جماعت نے نقل کیا ہے، اور سب نے اس کا یہی طریقہ ذکر کیا ہے، کسی نے یہ نقل نہیں کیا ہے کہ آپ ﷺ نے اوپر کے حصہ کو نیچے کر لیا۔

حنفیہ میں محمد بن حسن کا قول، اور شافعیہ کے یہاں رائج رائے یہ ہے (۳) کہ اگر چادر کول ہو مثلاً جبہ ہو تو دائیں کو بائیں پر اور بائیں کو دائیں پر کر لے، اور اگر چادر چوکور ہو تو اوپر کے حصہ کو نیچے، اور نیچے کے حصہ کو اوپر کر لے، اس لئے کہ حدیث میں ہے کہ "انہ استسقی وعلیہ رداء، فأراد أن يجعل أسفلها أعلاها، فلما ثقلت علیہ جعل العطا ف الذی فی الأیسر علی عاتقہ الأیمن،

(۱) شرح العنایہ علی ہاشم فتح القدیر ۱/۴۲۰۔

(۲) المغنی ۲/۲۸۹، المشرح الصغیر ۱/۵۳۹-۵۴۰، المجموع للنووی ۸۵/۵۔

(۳) شرح العنایہ علی ہاشم فتح القدیر ۱/۴۲۰، المجموع للنووی ۸۵/۵۔

والذی علی الایمن علی عاتقہ الایسر“ (حضور ﷺ نے استسقاء کیا، آپ کے بدن پر چادر تھی، آپ نے نچلے حصہ کو اوپر کرنا چاہا، لیکن جب وقت محسوس ہوئی تو بائیں کنارے کو داسنے کندھے پر کر لیا، اور دائیں کنارے کو بائیں کندھے پر) اور دعا و تضرع شروع کرتے وقت چادر الٹنا شروع کرے گا (۱)۔

استسقاء کرنے والے:

۲۳- باتفاق فقہاء سنت یہ ہے کہ امام لوگوں کے ساتھ استسقاء کے لئے نکلے، اگر وہ پیچھے رہ جائے تو سنت چھوڑ کر اس نے برا کیا، لیکن اس کے ذمہ قضاء نہیں۔

امام کا استسقاء سے پیچھے رہنا:

۲۴- امام کے پیچھے رہ جانے کے بارے میں دو آراء ہیں:

رائے اول: یہ شافعیہ کی رائے ہے، اور حنابلہ کی ایک رائے ہے کہ اگر امام استسقاء میں نہ جائے تو اپنا نائب بھیج دے۔ اور اگر نائب نہ بھیجے تو بھی لوگ استسقاء ترک نہیں کریں گے، اور اپنے میں سے کسی کو نماز کے لئے آگے بڑھا دیں گے، جیسا کہ اگر شہر حاکم سے خالی ہو جائیں تو لوگ اپنے میں سے کسی کو جمعہ، عید اور کسوف کی نماز کے لئے بڑھائیں گے، جیسا کہ لوگوں نے حضرت ابو بکرؓ کو اس وقت آگے بڑھایا تھا جب حضور ﷺ بنی عمرو بن عوف کے درمیان صلح کرانے تشریف لے گئے تھے، اور غزوہ تبوک میں جب رسول اللہ ﷺ کسی ضرورت کی وجہ سے پیچھے رہ گئے تو لوگوں نے عبدالرحمن بن عوف کو آگے بڑھا دیا، اور یہ فرض نماز کا واقعہ ہے (۲)۔

(۱) المشرح الصغیر ۵۳۹/۱، المغنی ۲۸۸/۲، المجموع للمعوی ۵/۵، ابن مایہ ۵۱/۱۔

(۲) اس حدیث کی روایت مسلم (۳۱۸، ۳۱۷) طبع عینی الجلیلی نے کی ہے۔

امام شافعی فرماتے ہیں: جب فرض نماز میں یہ درست ہے تو دوسری نمازوں میں بدرجہ اولیٰ درست ہوگا۔

رائے دوم: امام یا اس کے نائب کے نکلے بغیر نماز کے ذریعہ استسقاء مستحب نہیں، یہ حنابلہ و حنفیہ کی رائے ہے، اگر امام کی اجازت کے بغیر نکلیں تو نماز اور خطبہ کے بغیر دعا کر کے لوٹ آئیں (۱)۔

کن لوگوں کا نکلنا مستحب اور کن کا نکلنا جائز اور کن کا نکلنا مکروہ ہے:

۲۵- مذاہب اربعہ میں: بوڑھوں، کمزوروں، بچوں، بوڑھی عورتوں اور بد وضع عورتوں کا نکلنا مستحب ہے۔

مالکیہ نے کہا ہے: عقل مند بچے نکلیں، اور غیر عاقل کا باجماعت نماز کے لئے نکلنا مکروہ ہے۔

مذکورہ بالا لوگوں کے نکلنے کے بارے میں فقہاء کا استدلال اس حدیث سے ہے: ”هل تنصرون وتزقون إلا بضعفائکم“ (۲) (تم کو جمعہ دہوتی ہے، اور روزی ملتی ہے وہ کمزور لوگوں کی وجہ سے ہے)۔

استسقاء میں جانوروں کو لے جانا:

۲۶- اس مسئلہ میں تین آراء ہیں:

اول: جانوروں کو لے جانا مستحب ہے۔ اس لئے کہ ہو سکتا ہے کہ انہیں کی وجہ سے بارش ہو، یہ حنفیہ کا قول اور شافعیہ کی ایک رائے ہے،

(۱) المجموع للمعوی ۵/۶۳، ۹۳، بدائع الصنائع ۲۸۲/۱ طبع المطبوعات العلمیہ، ابن مایہ ۵۱/۱، المغنی ۲۸۳/۲۔

(۲) المجموع للمعوی ۵/۷۰، الطحاوی ص ۳۶۰، المشرح الکبیر علی المغنی ۲۸۷/۲ طبع المنار الناج والاکلیل علی ہاشم لطاب ۲۰۶/۲، جامعہ الصووی علی المشرح الصغیر ۵۳۸/۱۔ حدیث: ”هل تنصرون وتزقون إلا بضعفائکم...“ کی روایت بخاری (فتح الباری ۸۸/۱ طبع المستقیم) نے کی ہے۔

اس کی دلیل یہ فرمان نبوی ﷺ ہے: "لولا عباد للہ رکع، وصبیان رضع، وبہائم رضع لصب علیکم العذاب صبا، ثم رص رصا" (اگر اللہ کے کچھ عبادت گزار بندے اور دودھ پیتے بچے اور چرنے والے جانور نہ ہوتے تو تم پر عذاب انڈیل دیا جاتا، اور لگاتار آتا رہتا)۔

نیز امام احمد سے روایت ہے کہ سلیمان علیہ السلام استسقاء کے لئے لوگوں کو لے کر نکلے، تو کیا دیکھا کہ ایک چیونٹی اپنے پاؤں آسمان کی طرف اٹھائے ہے، تو حضرت سلیمان علیہ السلام نے فرمایا: لوٹ چلو، اس چیونٹی کی وجہ سے تمہاری دعا قبول ہوگئی (۱)۔ اس رائے کے تاملین کہتے ہیں: اگر نماز استسقاء مسجد میں ہو تو جانور مسجد کے دروازے پر کھڑے کئے جائیں۔

دوم: جانوروں کو لے جانا مستحب نہیں، اس لئے کہ حضور ﷺ نے ایسا نہیں کیا: یہ حنابلہ و مالکیہ کا قول اور شافعیہ کی دوسری رائے ہے (۲)۔

سوم: نہ مستحب ہے نہ مکروہ، یہ شافعیہ کی تیسری رائے ہے (۳)۔

کفار اور اہل ذمہ کا ٹکنا:

۲۷- اس مسئلہ میں دو آراء ہیں:

پہلی رائے: مالکیہ و شافعیہ و حنابلہ کی رائے: کفار اور اہل ذمہ کا ٹکنا مستحب نہیں بلکہ مکروہ ہے، لیکن اگر اس دن لوگوں کے ساتھ نکل

(۱) الطحاوی ص ۳۶۱، المجموع للحووی ۵/۶۶-۷۱، حدیث: "لولا عباد للہ رکع، وصبیان رضع، وبہائم رضع..." کی روایت طبرانی اور بیہقی نے کی ہے اور ذہبی و شافعی نے اس کو ضعیف قرار دیا ہے (فیض القدیر ۵/۳۳۳ طبع المکتبۃ التجاریہ)۔

(۲) جامع الصواعی علی الشرح الصغیر ۱/۵۳۸، الشرح الکبیر علی المغنی ۲/۲۸۷، المجموع للحووی ۵/۷۱۔

(۳) المجموع للحووی ۵/۷۱۔

جائیں، اور ایک طرف الگ جگہ میں ہو جائیں تو ان کو روکا نہیں جائے گا۔ اجمالی طور پر ان کا استدلال یہ ہے کہ اہل ذمہ اور کفار کو لے جانا مستحب نہیں، کہ وہ دشمنان خدا ہیں، وہ اللہ کے منکر، اور اللہ کی نعمتوں کو بد لئے والے ہیں، اس لئے وہ قبولیت سے دور ہیں۔ اگر مسلمانوں کے لئے بارش ہو تو وہ کہہ سکتے ہیں کہ ہماری دعا اور قبولیت کی وجہ سے بارش ہوئی، اور اگر وہ خود نکلیں تو ان کو روکا نہیں جائے گا، کیونکہ وہ اپنے رب سے اپنی روزی مانگتے ہیں، اس لئے ان کو نہیں روکا جائے گا۔ بعید نہیں کہ اللہ ان کی دعا قبول کر لے، کیونکہ دنیا میں ان کے رزق کا ذمہ اللہ نے لے رکھا ہے، جیسا کہ مومنین کا رزق اسی کے ذمہ ہے۔ البتہ ان کو مسلمانوں سے الگ رہنے کا حکم دیا جائے گا، اس لئے کہ ان پر عذاب آنے کا اندیشہ ہے، مبادا حاضرین پر بھی آجائے۔ اور وہ تنہا نہیں نکلیں گے، اس لئے کہ ہو سکتا ہے اتفاقاً ان کے تنہا نکلنے والے دن بارش ہو جائے تو ان کے لئے اور بڑا فتنہ ہوگا، بلکہ دوسرے بھی فتنہ میں پڑ سکتے ہیں (۱)۔

دوسری رائے: یہ حنفیہ کی رائے ہے، اور مالکیہ کی ایک رائے ہے، اشہب اور ابن حبیب اسی کے قائل ہیں کہ ذمی و کافر استسقاء میں نہیں آئیں گے، اور نہ ان کو اس کے لئے نکالا جائے گا، کیونکہ ان کی دعا سے اللہ کا تقرب حاصل نہ ہوگا، استسقاء نزول رحمت کی دعا کرنا ہے، اور رحمت ان پر نازل نہیں ہوتی، اور ان کو نکلنے سے روکا جائے گا، کیونکہ ہو سکتا ہے کہ بارش ہو جائے اور اس کی وجہ سے کمزور اور عوام فتنہ میں مبتلا ہو جائیں (۲)۔

(۱) نہایت الحاج ۳/۳۰۹، المجموع للحووی ۵/۷۱، المغنی ۲/۳۹۸، الخرش ۱۰۹/۳۔

(۲) الطحاوی ص ۳۶۰، الخرش ۲/۱۰۹۔

استسلام ۱ - ۳۳، استشارہ

تو اس صورت میں اس کے لئے خود سپردگی جائز ہے۔

فقہاء نے کتاب الجہاد میں لکھا ہے: مسلمانوں کے لئے جائز نہیں کہ میدان جنگ میں دشمن کے سامنے اس شرط کے بغیر ہتھیار ڈال دیں (۱)۔

کتاب الحیال میں لکھا ہے: موصول علیہ (جس پر حملہ ہو) اس کے لئے بھی جائز نہیں کہ اس شرط کے بغیر اپنے کو حملہ آور کے سپرد کرے (۲)۔

انہوں نے کتاب الاکراہ میں لکھا ہے: کسی کام کے لئے اکراہ واجبار کے آثار اسی وقت مرتب ہوں گے جب کہ مکروہ (راء کے کسرہ کے ساتھ) کے سامنے خود سپردگی اس شرط کے ساتھ ہوئی ہو (۳)۔

استسلام

تعریف:

۱ - استسلام کا معنی لغت میں: دوسرے کے سامنے جھکنا اور فرماں برداری کرنا ہے (۱)۔
فقہاء لفظ استسلام کو اس معنی میں بھی استعمال کرتے ہیں (۲)۔
اسی طرح اسے حکم ماننے اور جزیہ قبول کرنے سے تعبیر سے کرتے ہیں۔

اجمالی حکم اور بحث کے مقامات:

۲ - الف - دشمن کی خود سپردگی خواہ وہ کافر ہو (بشرطیکہ مشرکین عرب میں سے نہ ہو) یا مسلمان باغی ہو، اس سے جنگ روک دینے کا سبب ہے (۳)۔
فقہاء نے کتاب الجہاد اور کتاب البغاة میں اس پر سیر حاصل بحث کی ہے۔

۳ - ب - مسلمان کے لئے ناجائز ہے کہ اپنے کو ظالم دشمن کے سپرد کرے، خواہ وہ مسلمان ہو یا کافر، الا یہ کہ جان کا خطرہ، یا کسی عضو کے جانے کا خطرہ ہو، اور خود سپردگی کے بغیر ان کے تحفظ کی کوئی سہیل نہ ہو

استشارہ

دیکھئے: ”شوری“۔

(۱) تاج العروس، لسان العرب: مادہ (سلم) قدرے تصرف کے ساتھ۔

(۲) حاشیہ عمیرہ ۳۷/۲۰ طبع مصطفیٰ البابی للتحقیق۔

(۳) فتح القدیر شرح الہدایہ ۲/۲۸۲ طبع بولاق، المغنی لابن قدامہ المقدسی

۸/۲۷ طبع سوم المزان، تفسیر نسفی ۱/۲۳۲ طبع عینی البابی للتحقیق۔

(۱) فتح القدیر ۳/۲۹۶۔

(۲) حاشیہ عمیرہ ۳۷/۲۰۔

(۳) فتح القدیر ۷/۲۹۸۔

استشراف ۱-۳

نہیں (۱)۔

بعض نے کہا: استشراف: سوال کے درپے ہونا ہے (۲)۔

اجمالی حکم:

۲- قربانی کے جانور کا استشراف مناسب ہے، تاکہ یہ معلوم ہو جائے کہ اس میں قربانی سے مانع کوئی عیب نہیں، اس کی دلیل حضرت علیؓ کی یہ روایت ہے: ”أمرنا رسول الله ﷺ أن نستشرف العين والأذن وألا نضحى بمقابله، ولا مدابة ولا شرقاء ولا خرقاء“ (رسول اللہ ﷺ نے ہم کو حکم دیا کہ ہم آنکھ اور کان کو غور سے دیکھ لیں، اور مقابلہ یا مدابہ یا شرقاء یا خرقاء کی قربانی نہ کریں)، ابو داؤد، نسائی وغیرہ نے اسے روایت کیا ہے، امام ترمذی نے اس کی تصحیح کی ہے (۳)۔

۳- رہا اموال میں استشراف: تو اگر دل سے ہے تو اس پر انسان کا مؤاخذہ نہیں ہوگا، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے اس امت کے لئے اس کے دل میں آنے والی باتوں کو معاف کر دیا ہے، جب تک زبان پر نہ آئے یا عمل نہ کر لے، کفر کے علاوہ دل میں جن معاصی کا خیال آئے اس کی کوئی حیثیت نہیں بشرطیکہ اس پر عمل نہ کرے، اور خیالات نفس بالاجماع معاف ہیں۔

- (۱) المقرطی ۳۶۳ طبع دار الکتب المصریہ، الرواج ۱۸۷۱ طبع دار المعرفۃ، لفروع ۱۸۳۲ طبع میر قطر۔
(۲) اشعر ملسی علی النہایہ ۱۷۰۶ طبع الجلی۔
(۳) البحر الرائق ۲۰۱/۸ طبع المطبعیہ، المغنی لابن قدامہ ۶۲۵/۸ طبع سوم مطالبہ اولیٰ ۳۶۶/۲۔

”مقابلہ“ وہ بکری ہے جس کے دونوں کان کے آگے سے ایک حصکاٹ دیا جائے، اور وہ حصہ الگ نہ ہوا ہو بلکہ لگا رہے اور اگر پیچھے سے ہو تو یہ ”مدابہ“ ہے اور ”شرقاء“ وہ بکری ہے جس کے کانوں میں شگاف ہو (المصباح)۔

استشراف

تعریف:

۱- استشراف کا معنی لغت میں: دیکھنے کے لئے ابرو پر ہاتھ رکھنا ہے، جیسے دھوپ سے سایہ کر رہا ہو، تاکہ چیز اچھی طرح واضح ہو جائے۔ اس کی اصل ”شرف“ سے ہے جس کے معنی بلندی ہے، کہا جاتا ہے: ”أشرفت علیہ“ (ہمزہ کے ساتھ) میں نے اس کو جھانک کر دیکھا (۱)۔

فقہاء اس کا استعمال کسی چیز کو غور سے دیکھنے کے معنی میں کرتے ہیں، مثلاً قربانی کے جانور کا استشراف (۲)، اور استشراف اموال میں یہ ہے کہ کہے: فلاں میرے پاس عنقریب بھیجے گا، یا شاید وہ بھیج دے اگرچہ مطالبہ نہ کرے۔

امام احمد نے فرمایا: استشراف (لو لگانا) دل سے ہوتا ہے، اگرچہ زبان سے نہ کہے۔ عرض کیا گیا: یہ تو بہت مشکل ہے۔ انہوں نے فرمایا: وہ یہی ہے، اگرچہ مشکل ہو، ان سے کہا گیا: اگر آدمی نہ چاہے کہ میرے پاس بھیجے، لیکن دل میں یہ بات آگئی، اور میں نے (دل میں) کہا ہو سکتا ہے کہ میرے پاس بھیج دے، انہوں نے فرمایا: یہ اشرف (تاک لگانا) ہے، لیکن اگر تمہارے پاس اس طور پر آئے کہ تم کو احساس نہ ہو اور نہ اس کا گزر دل میں ہوا ہو تو اب یہ اشرف

- (۱) النہایہ لابن لا فیر، المصباح للمیر، الصحاح، مادۃ (شرف)۔
(۲) البحر الرائق ۲۰۱/۸ طبع المطبعیہ، المغنی لابن قدامہ ۶۲۵/۸ طبع سوم۔

استشراف ۴-۵

امام احمد کے نزدیک دل سے استشراف زبانی ذکر کی طرح ہے (۱)۔

اگر استشراف (جس کا مفہوم ہے سوال کے بغیر دل میں کسی بات کا آنا) کے بغیر کوئی مال کسی کے پاس آئے تو اس کو قبول کرنے کے بارے میں علماء کی تین آراء ہیں:

۴- الف۔ قبول کا جائز ہونا اور ناجائز ہونا، البتہ کچھ فقہاء یہ حکم علی الاطلاق بتاتے ہیں، جبکہ بعض فقہاء یہ حکم نصاب سے کم کے مالک کے لئے بتاتے ہیں، اور کچھ لوگوں نے کہا: یہ غیر سلطان کے عطیہ کے ساتھ خاص ہے۔

ان کا استدلال حکیم بن حزام کی روایت سے ہے، انہوں نے کہا: ”سألت رسول الله ﷺ فأعطاني، ثم سألته فأعطاني، ثم سألته فأعطاني، ثم قال: يا حكيم إن هذا المال حلوة خضرة فمن أخذه بسخاوة نفس بورك له فيه، ومن أخذه بإشراف لم يبارك فيه، وكان كالذي يأكل ولا يشبع، واليد العليا خير من اليد السفلى، قال حكيم: فقلت: يا رسول الله والذي بعثك بالحق لا أرزأ (۲) أحدا بعدك شيئاً حتى أفارق الدنيا فكان أبو بكر رضي الله عنه يدعو حكيماً ليعطيه العطاء فيأبى أن يقبل منه شيئاً، ثم إن عمر رضي الله عنه دعاه ليعطيه فأبى أن يقبله، فقال: يا معشر المسلمين أشهدكم على حكيم أني أعرض عليه حقه الذي قسم الله له في هذا الفیء فيأبى أن يأخذه، فلم يرزأ حكيم أحداً من الناس بعد

(۱) تفسیر قرطبی ۳۲۶/۳ طبع دار الکتب المصریہ، الزوہر ۱۸۷/۱ طبع

دار المعرفہ، لؤلؤ الانوار ص ۱۳ طبع المجلدی، الفروع ۹۳۳۔

(۲) رزء کی اصل نقص و کسر ہے۔ اور لم یرزأ کے معنی ہیں کسی سے کچھ لے کر اس کے یہاں کوئی نہیں کی (المجموع ۲۳۵/۶-۲۳۶)۔

رسول الله ﷺ حتی توفي“ (میں نے رسول الله ﷺ سے مانگا، آپ ﷺ نے دیا، پھر مانگا، پھر آپ ﷺ نے دیا، پھر مانگا تو آپ ﷺ نے عطا کیا اور فرمایا: حکیم! یہ دنیا کا مال ہر ابھرا، بہت شیریں ہے، لیکن جو کوئی اس کو نفس کی سخاوت کے ساتھ لے گا اس کو تو برکت ہوگی، اور جو کوئی جی میں لالچ رکھے اس کو برکت نہ ہوگی، اور اس کا حال اس شخص کا سا ہوگا جو کھائے اور سیر نہ ہو۔ اور اوپر والا (دینے والا) ہاتھ، نیچے والے (لینے والے) ہاتھ سے بہتر ہے۔ حکیم کہتے ہیں: میں نے یہ سن کر کہا: اے اللہ کے رسول! قسم اس ذات کی جس نے آپ ﷺ کو سچائی کے ساتھ بھیجا، میں اب آپ ﷺ کے بعد اپنی موت تک کسی سے کچھ نہیں لوں گا، چنانچہ حضرت ابو بکرؓ اپنے دور خلافت میں حکیم کو ان کا وظیفہ دینے کے لئے بلاتے اور وہ نہ لیتے تھے، پھر حضرت عمرؓ نے اپنی خلافت میں ان کو بلایا تاکہ ان کا وظیفہ دیں، انہوں نے لینے سے انکار کیا، آخر حضرت عمرؓ نے لوگوں سے کہا: تم گواہ رہنا مسلمانو! میں حکیم کو مال غنیمت میں سے ان کا وظیفہ دینے کے لئے بلاتا ہوں مگر وہ لینے سے انکار کر رہے ہیں، غرض حکیم نے پھر حضور ﷺ کے بعد کسی سے کوئی چیز قبول نہیں کی، یہاں تک کہ وفات پا گئے)، بخاری نے اس کی روایت کی ہے (۱)۔

۵- ب۔ لیما ضروری ہے اور واپس کرنا حرام ہے، اس کی دلیل سالم بن عبد اللہ بن عمر کی روایت جو وہ اپنے والد کے واسطے سے حضرت عمر سے نقل کرتے ہیں کہ: ”کان رسول الله ﷺ يعطيني العطاء فأقول: أعطه أفقر مني، فقال رسول الله ﷺ خذْه وما جاءك من هذا المال، وأنت غير سائل ولا مشرف

(۱) المجموع ۲۳۵/۶، ۲۳۶ طبع المصیر، البحر الرائق ۲۶۹/۲ طبع المطبعیہ، الفروع ۹۳۳۔

فخلمہ، ومالا فلا تتبعہ نفسک، قال فکان سالم لا یسأل
أحدًا شیئاً ولا یرد شیئاً أعطیہ“ (رسول اللہ ﷺ مجھے عطیہ
دینے کے لئے بلاتے اور میں کہتا: اس کو دے دیجئے جو مجھ سے زیادہ
اس کا محتاج ہے۔ آپ ﷺ فرماتے: نہیں، لے لو، جب تمہارے
پاس اس مال میں سے کچھ آئے اور تجھ کو اس کا خیال نہ لگا ہو اور نہ تم
سوال کرو تو تم لے لو، اور جو نہ ملے اس کی پرواہ نہ کرو۔ راوی کہتے
ہیں: سالم کسی سے سوال نہ کرتے تھے، اور جو مل جاتا اس کو واپس بھی
نہیں کرتے تھے (بخاری و مسلم) (۱)۔

۶-ج۔ لیما مستحب ہے، وجوب کی مذکورہ بالا نصوص انتخاب پر محمول
ہیں، البتہ ان میں کچھ حضرات اس کو مطلق بتاتے ہیں، اور کچھ لوگ
اس کو غیر سلطان کے عطیہ کے ساتھ خاص کرتے ہیں۔

شرح مسلم میں ہے: صحیح بات جو جمہور کی رائے ہے، یہ ہے: غیر
سلطان کے عطیہ کو قبول کرنا مستحب ہے، البتہ سلطان کے عطیہ کو کچھ
لوگ حرام، کچھ لوگ مباح اور کچھ لوگ مکروہ کہتے ہیں۔ انہوں نے کہا:
اور صحیح یہ ہے کہ اگر سلطان کے پاس اکثر مال حرام ہو تو اس کا عطیہ
حرام ہے، ورنہ مباح، بشرطیکہ لینے والے میں کوئی اتحقاق کا مانع
موجود نہ ہو (۲)۔

۷۔ استشراف بمعنی سوال کرنے کے پیچھے پرنا: اس کے احکام،
مانگنے کے احکام سے الگ نہیں ہیں۔ (دیکھئے: سوال)۔

بحث کے مقامات:

۸۔ فقہاء استشراف سے ”صدق تطوع“، (نفلی)، ”قربانی“ اور
”مظنر و باحت“ میں بحث کرتے ہیں۔

استشہاد

تعریف:

۱۔ استشہاد کا معنی لغت میں: کواہوں سے کواہی طلب کرنا ہے، کہا
جاتا ہے: ”استشہدہ“ یعنی کسی سے کواہ بننے یا کواہی دینے کے
لئے کہا۔ فرمان باری ہے: ”وَاسْتَشْهِدُوا شَهِيدَيْنِ مِنْ
رِجَالِكُمْ“ (۱) (اور اپنے مردوں میں سے دو کو کواہ بنالیا کرو)۔

اس کا استعمال اللہ کے راستے میں قتل کئے جانے کے معنی میں بھی
ہوتا ہے، کہا جاتا ہے، ”استشہد“ یعنی اللہ کے راستے میں مارا
گیا (۲)۔

فقہاء کی اصطلاح میں اس کا استعمال ان دو معانی سے الگ
نہیں (۳)۔
فقہاء لفظ اشہاد کا استعمال کر کے اکثر اس سے کسی حق پر کواہ بنانا
مراد لیتے ہیں (۴)۔

اجمالی حکم:

۲۔ استشہاد (بمعنی طلب شہادت) مختلف حقوق میں الگ الگ
ہوتا ہے، لہذا مقامات کے اعتبار سے اس کا حکم بھی الگ الگ ہوگا مثلاً

(۱) سورہ بقرہ ۲۸۲۔

(۲) لسان العرب، المخطوطات، العروس، الصحاح مادہ (شہد)۔

(۳) طلبۃ المطالعہ، ص ۱۳۲ طبع دار المطابع العامرہ۔

(۴) طلبۃ المطالعہ، ص ۱۳۲، المعجم المستعرب مع المہذب ۳۲۵/۲ طبع مصنفی
الجلس۔

(۱) المجموع ۲۲۵/۶، الفروع ۹۳۳۔

(۲) الفروع ۹۳۳۔

استشہاد ۳، استصحاب ۱

رجعت میں استشہاد حنفیہ و حنابلہ کے یہاں مستحب ہے، شافعیہ کا ایک قول بھی یہی ہے (۱)۔ مالکیہ کے یہاں مندوب (۲) اور شافعیہ کا دوسرا قول وجوب کا ہے (۳)۔

استصحاب

بحث کے مقامات:

۳- ہر مسئلہ کے تعلق سے اس کی اپنی جگہ پر فقہاء نے استشہاد کے احکام تفصیل سے بیان کئے ہیں، مثلاً نکاح، رجعت، وصیت، زنا، لفظ، لقیط، کتاب القاضی للقاضی وغیرہ میں استشہاد یا اشہاد پر بحث کے دوران۔

۴- دوسرے استعمال (بمعنی اللہ کے راستے میں قتل ہونا) کی تفصیل کتاب الجنائز میں میت کو غسل دینے، نہ دینے کی بحث میں، اور کتاب الجہاد میں اللہ کے راستے میں قتل ہونے کے فضائل کی بحث میں دیکھی جائے۔

تعریف:

۱- استصحاب لغت میں: استصبح کا مصدر ہے، جس کا معنی: چراغ جلاانا ہے، اور مصباح: وہ ہے جس سے روشنی نکلتی ہے۔ اور "استصبح بالزیت ونحوہ" یعنی چراغ میں تیل وغیرہ ڈالنا۔ جیسا کہ مردار کی چربی کے بارے میں سول سے متعلق حضرت جابر کی حدیث میں ہے: "يستصبح بها الناس" یعنی اس کے ذریعہ لوگ چراغ جلاتے ہیں (۱)۔

فقہی استعمال اس معنی سے الگ نہیں ہے (۲)۔ چنانچہ طلبۃ المطالبۃ میں ہے: (۳) "الاستصحاب بالمدھن" تیل سے چراغ جلاانا، اور المصباح الممیر (۴) میں ہے: "استصاحت بالمصباح واستصاحت بالمدھن" یعنی تیل سے چراغ جلاانا۔

(۱) لسان العرب، تاج العروس، الصحاح، القاموس المحیط، المعجم الوسيط، مادة (صبح)، النہایہ فی غریب الحدیث ۷/۳۷۳۔ حدیث: "ويستصبح بها الناس....." کی روایت بخاری (فتح الباری ۳/۲۲۳ طبع المستقر) نے کی ہے اس کا ابتدائی کلمہ یہ ہے "إن الله ورسوله حرم بيع الخمر والمبتة والخنزير والأصنام" (بلائہ اللہ اور اس کے رسول نے شراب، مرداروں اور بتوں کی بیع حرام کی ہے)۔

(۲) المغرب فی ترتیب العرب۔

(۳) طلبۃ المطالبۃ ص ۹۔

(۴) المصباح الممیر: مادة (صبح)۔

(۱) فتح القدیر ۳/۱۶۲ طبع بولاق، المہذب ۲/۱۰۳ طبع مصطفیٰ الحلبي، الاقتراح

۶۶/۳ طبع دار المعرفۃ۔

(۲) المشرح الصغير ۲/۶۱۶۔

(۳) المہذب ۲/۱۰۳۔

استصحاب ۲-۲

متعلقہ الفاظ:

فرق کیا جائے گا۔

الف- اقتباس:

الف- جس چیز سے چراغ جلا یا جائے اگر وہ نجس العین ہو مثلاً سور کی یا مردار کی چربی تو جمہور فقہاء کے نزدیک اس سے چراغ جلا نا حرام ہے (۱)۔ خواہ مسجد میں ہو یا مسجد کے علاوہ۔ اس کے دلائل حسب ذیل ہیں:

اول: رسول اللہ ﷺ سے مردار کی چربی سے چراغ جلانے وغیرہ کا فائدہ اٹھانے کے بارے میں دریافت کیا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ”لا، ہو حرام“ (نہیں وہ حرام ہے) (۲)۔

دوم: فرمان نبوی ہے: ”ولا تستفعوا من المیتة بشيء“ (۳) (مردار کی کسی چیز سے فائدہ نہ اٹھاؤ)۔

سوم: نیز اس لئے کہ اس میں آلودگی کا غالب گمان ہے، اور اس لئے کہ نجاست کا دھواں بھی مکروہ ہے (۴)۔

ب- اگر ناپاک ہو یعنی ایندھن اصل میں پاک ہو لیکن اس میں نجاست لگ گئی ہو، اور اس سے مسجد میں چراغ جلا نا ہو تو جمہور فقہاء کے یہاں ناجائز ہے (۵)۔

اگر اس ناپاک چیز سے مسجد کے علاوہ کسی جگہ پر چراغ جلا نا ہو تو

۲- اقتباس کے کئی معنی آتے ہیں جن میں اہم یہ ہیں: قبس (آگ کا انگارہ) طلب کرنا، اس معنی کے اعتبار سے یہ استصحاب سے مختلف ہے، جیسا کہ تعریف سے ظاہر ہے، انگارہ طلب کرنا، اور کسی چیز کو جلا نا تاکہ شعلہ بنے، دونوں میں واضح فرق ہے، اس لئے کہ جلا نا، انگارہ طلب کرنے سے پہلے ہوتا ہے (۱)۔

رہا اقتباس بمعنی: متکلم کا اپنے کلام (شعریا نثر) میں قرآن یا حدیث کو اس طرح شامل کر لینا کہ قرآن یا حدیث ہونے کا احساس نہ ہو، تو یہ استصحاب کے معنی سے بہت دور ہے۔

ب- استضاءة:

۳- استضاءة: استضاء کا مصدر ہے، اور استضاءة کا معنی: روشنی طلب کرنا ہے۔ کہا جاتا ہے۔ استضاء بالنار: یعنی آگ کی روشنی سے فائدہ اٹھانا (۲)۔ چراغ جلا نا، اور چراغ کی روشنی سے فائدہ اٹھانا، دونوں الگ الگ ہیں، اس لئے کہ چراغ جلا نا اس کی روشنی سے فائدہ اٹھانے سے مقدم ہے (۳)۔

استصحاب کا حکم:

۴- جس چیز کے ذریعہ روشنی حاصل کی جائے، اور جہاں کی جائے اس کے اعتبار سے چراغ جلانے کا حکم الگ الگ ہے، جس چیز سے چراغ جلا یا جائے اگر وہ پاک ہو تو بہتر ہے، ورنہ ناپاکی اور ناپاک کے درمیان، اور مسجد میں ہونے اور غیر مسجد میں ہونے کے درمیان

(۱) ابن عابدین ۲۲۰/۱ طبع بلاق، الخطاب ۱۱۷-۱۱۹ طبع لیبیا، إعلام المساجد للورکشی ۳۶۱/۱ طبع القاہہ، القواعد لابن رجب ۱۹۲/۱ طبع الصدوق الخیر البغوی ۶۱۰/۱۔

(۲) نیل الاوطار ۱۶۱/۱ طبع الجلی، اور حدیث: ”منزل عن الانفعاہ.....“ کی روایت بخاری (فتح الباری ۲۲۳/۲ طبع المستقیم) نے کی ہے۔

(۳) نیل الاوطار ۱۶۱/۱ طبع مصنفی الجلی، اور حدیث: ”لا تستفعوا من المیتة بشيء.....“ کی روایت ابن وہب نے اپنی سند میں کی ہے اس کی لسان میں زمرہ بن صالح ہیں جو ضعیف ہیں (تخصیص الخیر ۲۸/۱ طبع شرکت الطباعة الخیر)۔

(۴) حاشیہ ابن عابدین ۲۲۰/۱، الخطاب ۱۱۷-۱۱۹، إعلام المساجد للورکشی ۳۶۱/۱، القواعد لابن رجب ۱۹۲/۱۔

(۵) حاشیہ ابن عابدین ۲۲۰/۱، جوہر الاکیل ۱۰۱/۲، ۲۰۳/۲ طبع مصنفی الجلی، إعلام المساجد ۳۶۱/۱۔

(۱) الکلیات ۲۵۳/۱۔

(۲) الکلیات لابن البقاء ۲۵۳/۱۔

(۳) الفروق فی اللغة ۳۰۷/۱ طبع بیروت، المشرح الصغیر ۹/۱ طبع دار المعارف۔

استصحاب ۵-۶

اس لئے کہ جلا ہوا حصہ اسی کا حصہ ہے، جس کی حقیقت بدل گئی ہے، اور حقیقت بدل جانے سے نجاست پاک نہیں ہوگی، اگر اس میں سے کچھ چپک جائے اور معمولی ہو تو معاف ہے، اس لئے کہ اس سے بچنا ممکن نہیں، لہذا یہ پسو کے خون کے مشابہ ہے، اور اگر زیادہ ہو تو معاف نہیں ہے (۱)، اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ نجاست کا دھواں نجس ہے، اور بلاشبہ نکلنے والا دھواں دیواروں پر اثر کرتا ہے، جس کے نتیجے میں وہ نجس ہوں گی، لہذا جائز نہیں (۲)۔ اس کی تفصیل (نجاست) میں دیکھئے۔

چراغ جلانے کے آداب:

۶- جمہور کے نزدیک مستحب ہے کہ سوتے وقت چراغ گل کر دیا جائے، اس لئے کہ غفلت کے سبب آگ لگنے کا اندیشہ ہوتا ہے، لہذا اگر غفلت ہو تو ممانعت ہوگی، اس سلسلہ میں بہت سی روایات منقول ہیں مثلاً حضرت جابرؓ کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”خَمَرُوا الْآتِيَةَ (آئی غطوھا) وَأَجِيفُوا الْأَبْوَابَ وَأَطْفِئُوا الْمَصَابِيحَ فَإِنَّ الْقَوِيَّ سَقَاةً رُبَّمَا جَرَتْ الْفَتِيلَةُ، فَاحْرِقَتْ أَهْلَ الْبَيْتِ“ (۳) (سوتے وقت برتن ڈھانک دو، دروازے بند کر دیا کرو، اور چراغ بجھا دیا کرو، کیونکہ چوہیا کبھی کبھی بتی گھسیٹ کر سارے گھر والوں کو جلا دیتی ہے)۔

ابن مفلح نے کہا: سوتے وقت چراغ بجھانا مستحب ہے، اس لئے کہ یہ ایسا دشمن ہے جس کی ناک میں ایسی نکیل ہے کہ انسان کے سونے کی حالت میں اس کے جل اٹھنے کا خطرہ رہتا ہے، لیکن اگر

جمہور فقہاء کے یہاں جائز ہے (۱)، اس لئے کہ بلا کسی ضرر کے ایندھن سے فائدہ اٹھانا ممکن ہے، اس لئے جائز ہے جیسے طاہر سے، اور قوم شموہ کے کنوؤں کے پانی سے کوندھے ہوئے آٹے کے بارے میں وارد ہے: ”نَهَاهُمْ عَنْ أَكْلِهِ وَأَمْرَهُمْ أَنْ يَعْطَوْهُ النَّوَاضِحَ“ (۲) (حضور ﷺ نے اس کے کھانے سے منع فرمایا، اور آپ ﷺ نے حکم دیا کہ اسے اونٹوں کو کھلا دیں)۔ یہ ایندھن مردار نہیں اور نہ ہی مردار کی چربی ہے کہ حدیث میں داخل ہو (۳)۔

ناپاک چیز کی راکھ اور دھوئیں کے استعمال کا حکم:

۵- اگر ناپاک یا ناپاکی سے چراغ جلانے تو حنفیہ و مالکیہ کے یہاں اس کے دھوئیں یا راکھ میں کوئی حرج نہیں، بشرطیکہ کپڑے سے چپک نہ جائے، اس کی وجہ یہ ہے کہ آگ کی وجہ سے نجاست کمزور پڑ جاتی ہے اور اس کا اثر ختم ہو جاتا ہے، اس لئے محض اس کے ملنے سے کپڑا ناپاک نہ ہوگا، بلکہ اس سے چپکنے سے ناپاک ہوگا، اور بظاہر چپکنے سے مراد یہ ہے کہ اس کا اثر ظاہر ہو، محض بو کا اعتبار نہیں۔ نیز فقہاء کی رائے ہے کہ جواز انتفاع کی علت، تغیر اور حقیقت کا بدل جانا ہے، اور یہ کہ عموم بلوی کی وجہ سے اسی کا فتویٰ دیا جائے گا (۴)۔

شافعیہ و حنابلہ کی رائے ہے کہ ناپاک ناپاکی کی طرح ہے (۵)۔

(۱) حاشیہ ابن عابدین ۲۲۰/۱، جوہر الاکلیل ۱۰۱/۲، ۲۰۳/۲، اعلام الساجد ۳۶۱/۱، فتاویٰ ابن تیمیہ ۲۱/۸۳، ۶۰۸/۱ طبع المریض۔

(۲) اس کی روایت بخاری نے کی ہے (فتح الباری ۲۹۳/۱ طبع عبد الرحمن محمد)۔

(۳) المغنی ۸/۶۰۸-۶۱۰ طبع المریض۔

(۴) حاشیہ ابن عابدین ۲۱۰/۱، ۲۱۶/۱، خطاب ۱۰۷/۱، ۱۲۰/۱، فتح الباری ۸۵/۱-۸۶/۱، تاریخ کردہ دار الجوت المریض، آداب الشریعۃ لابن مفلح ۳۶۱/۱ طبع المنان شرح الترغاب والترغی ۳۰۲/۳ طبع الاستقامہ۔

(۵) المجموع ۲/۵۳۰ طبع العامہ، المغنی ۸/۶۱۰ طبع المریض، منشی الارادات

= ۲۳/۱ طبع دار العروب۔

(۱) المغنی ۸/۶۱۰۔

(۲) اعلام الساجد ۳۶۱۔

(۳) فتح الباری ۸۵/۱-۸۶/۱ طبع المستوفی شرح الترغاب والترغی ۳۰۲/۳۔

استصحاب ۱-۲

چراغ کو کسی ایسی چیز میں رکھ دیا جائے جو لٹک رہی ہو یا ایسی چیز پر جہاں چوہے اور کیڑے مکوڑے چڑھ کر نہیں جاسکتے تو میں سمجھتا ہوں کہ کوئی حرج نہیں (۱)۔

استصحاب

تعریف:

۱- استصحاب کا معنی لغت میں: ساتھ لگنا ہے، کہا جاتا ہے: ”استصحابت الكتاب وغيره“ میں نے کتاب یا کسی دوسری چیز کو اپنے ساتھ رکھا (۱)۔

اصطلاح میں: اس کی کئی تعریفات ہیں مثلاً اسنوی کی تعریف ہے: استصحاب سے مراد گذشتہ زمانہ میں کسی چیز کے ثبوت کی بنیاد پر، اگلے زمانہ میں اس کے ثبوت کا حکم لگنا ہے (۲)۔ مثلاً جو یقینی طور پر وضو کئے ہوئے ہے، وہ وضو پر باقی رہے گا، اگرچہ وضو ٹوٹنے کے بارے میں شک ہو جائے۔

متعلقہ الفاظ:

اباحت:

۲- اباحت اصلہ (یعنی ذمہ کا بری ہونا) استصحاب کی ایک قسم ہے، اور اسی کو ”استصحاب عدم اصلی“ کہا جاتا ہے (۳) اور وہ اباحت جو حکم شرعی کی ایک قسم ہے، استصحاب سے الگ ہے اس لئے کہ استصحاب (اس کے قائلین کے نزدیک) دلیل کی ایک قسم ہے، جس سے اباحت اور دوسرے احکام ثابت ہوتے ہیں۔

(۱) القاسوس، المصباح المہیر: مادہ (صحب)۔

(۲) نہایت السؤل فی شرح منہاج الاصول ۳/۲ طبع مطبعہ توفیق الادبیہ۔

(۳) المستصفیٰ ۱/۲۱۸ طبع بولاق۔

(۱) الا دیاب الشریعہ لابن مفلح ۳/۲۶۱۔

استصحاب ۳-۵

استصحاب کی قسمیں:

۳- استصحاب کی تین قسمیں ہیں جو متفق علیہ ہیں، اور وہ یہ ہیں (۱)۔
الف۔ استصحاب عدم اصلی مثلاً چھٹی نماز کے وجوب کی نفی اور
شوال کے روزے کے وجوب کی نفی۔

ب۔ تخصّص کے پائے جانے تک عموم کا استصحاب مثلاً آیت
”وحرّم الربا“ (۲) میں عموم کا باقی رہنا، اور مانع آنے تک نص کا
استصحاب (یعنی اس کے حکم کی بقاء) مثلاً ہر بہتان لگانے والے کو خواہ
شہر ہو یا کوئی اور کوڑے مارنے کا وجوب یہاں تک کہ ایک جزئی
مانع جو شہر کو دوسرے سے خاص کرنے والا ہے، آگیا تو شہر کا حکم
دوسرا قرار پایا۔

ج۔ ایسے حکم کا استصحاب جس کے ثبوت اور دائمی ہونے کو
شریعت نے بتایا ہے مثلاً اس عقد کے پائے جانے پر ملکیت کا پایا جانا
جس سے ملکیت حاصل ہوتی ہے، اور جیسے کسی چیز کو تلف کرنے یا لازم
کرنے پر ذمہ کا مشغول ہونا، لہذا ملکیت اور دین باقی رہیں گے،
یہاں تک کہ جائز سبب کے ذریعہ ان کا ختم ہونا ثابت ہو جائے۔
استصحاب کی دو اور اقسام ہیں، جن کے حجت ہونے کے بارے
میں اختلاف ہے، ان کی تفصیلی جگہ ”اصولی ضمیمہ“ ہے۔

حجت استصحاب:

۴- استصحاب کی حجت میں اصولیین کے مختلف قول ہیں جن میں
مشہور تر یہ ہیں (۳):

الف۔ مالکیہ، اکثر شافعیہ اور حنابلہ مطلقاً نفی میں اور اثبات

(۱) المستملی ۱/۲۱ اور اس کے بعد کے صفحات، الایہاج ۳/۱۱۰۔

(۲) سورہ بقرہ ۲۷۵۔

(۳) ارشاد لکھنؤی ۲۳۸ اور اس کے بعد کے صفحات، الایہاج علی المیرزاوی

۳/۱۱۱۔

دونوں میں اس کے حجت ہونے کے قائل ہیں۔

ب۔ اکثر حنفیہ اور متکلمین اس کے قائل ہیں کہ وہ مطلقاً حجت
نہیں۔

ج۔ کچھ لوگ نفی میں اس کے حجت ہونے کے قائل ہیں، اثبات
میں نہیں، اکثر متأخرین حنفیہ کی یہی رائے ہے، کچھ اور قول ہیں جن
کی تفصیل ”اصولی ضمیمہ“ میں ہے۔

حجت ہونے میں اس کا درجہ:

۵- استصحاب (اس کی حجت کے قائلین کے نزدیک) آخری دلیل
ہے، جس کا مجتہد درپیش مسئلہ کا حکم معلوم کرنے کے لئے سہارا لینا ہے،
اور اسی وجہ سے فقہاء نے کہا ہے: فتویٰ کا یہ آخری مدار ہے (۱)۔ اور
اسی بنیاد پر مشہور فقہی قاعدہ ہے: ”الأصل بقاء ما كان على
ما كان، حتى يقوم الدليل على خلافه“ (اصل یہ ہے کہ جو چیز
جس حالت پر تھی اسی پر باقی رہے گی، یہاں تک کہ اس کے خلاف
دلیل قائم ہو جائے)، اور دوسرا قاعدہ ہے: ”ما ثبت بالیقین لا
يزول بالشك“ (۲) (جو چیز یقین سے ثابت ہو وہ شک سے ختم
نہیں ہوتی ہے)۔

(۱) ارشاد لکھنؤی للشوکانی ۲/۲۳۶۔

(۲) مجلة الاحكام العدلیہ، دفعۃ (۳-۱۰)۔

استصلاح ۱-۷

دلیل کی بنا پر جو اس سے زیادہ قوی ہو مثلاً دلیل عرف کی بنیاد پر غسل خانہ میں ٹھہرنے کے وقت کی تحدید، اور پانی گرانے کی مقدار کی تعیین کے بغیر اس میں داخل ہونا (۱)۔

لہذا استحسان قیاس کے مقابلہ میں دوسرے قیاس کے ذریعہ ہوتا ہے، یا نص کے مقابلہ میں ”عام قاعدہ“ کے ذریعہ ہوتا ہے جب کہ استصلاح ایسا نہیں ہے۔

استصلاح

تعریف:

۱- استصلاح لغت میں: استفساد (تباہی چاہنا) کی ضد ہے (۱)۔

اصولیین کے نزدیک: استصلاح یہ ہے کہ کسی عام مصلحت کی بنیاد پر جس کے معتبر ہونے یا غیر معتبر ہونے کی کوئی دلیل نہ ہو ایسے واقعہ کا حکم مستنبط کیا جائے جس کے بارے میں کوئی نص یا اجماع نہ ہو اور اس کو ”مصلحت مرسلہ“ سے بھی تعبیر کرتے ہیں۔

۲- مصلحت لغت میں مفیدہ کی ضد ہے۔

امام غزالی کے نزدیک اصطلاح میں: استصلاح شریعت کے پانچوں مقاصد کا تحفظ کرنا ہے (۲)۔

۳- مصالح مرسلہ: جس کے معتبر ہونے یا نہ ہونے کے بارے میں کوئی نص یا اجماع نہ ہو، اور نہ اس کے موافق کوئی حکم آئے (۳)۔

متعلقہ الفاظ:

الف- استحسان:

۴- اصولیین نے استحسان کی بہت سی تعریفیں کی ہیں، پسندیدہ تعریف یہ ہے: کسی معاملہ میں نظیر کے حکم کو چھوڑ کر دوسرے کو اختیار کرنا، ایسی

ب- قیاس:

۵- قیاس یہ ہے کہ جس کے بارے میں کوئی نص نہ ہو وہ حکم کی علت میں اس کے مساوی ہو جس کے بارے میں کوئی نص موجود ہو (۲)۔
استصلاح اور قیاس میں فرق یہ ہے کہ قیاس کی کوئی اصل ہوتی ہے، جس پر فرع کو قیاس کیا جاتا ہے، جب کہ استصلاح میں یہ اصل نہیں ہوتی۔

مناسب مرسل کی اقسام:

۶- مناسب جس پر استصلاح کی بنیاد ہوتی ہے، کی تین اقسام ہیں:
الف- کسی بھی اعتبار سے وہ شریعت کے نزدیک قائل اعتبار ہو۔
ب- شریعت اس کو لغو قرار دے۔

ج- شریعت اس کے بارے میں خاموش ہو اور یہی آخری قسم استصلاح ہے (۳)۔

استصلاح کا حجت ہونا:

۷- استصلاح کے حجت ہونے میں بہت سی مختلف آراء اور مذاہب

(۱) ابن الخاضع ۲/۲۸۲۔

(۲) مسلم الثبوت ۲/۲۳۶۔

(۳) تقریر الشریعی علی جمع الجوامع ۲/۲۸۳، توضیح ۲/۳۹۲، حاشیہ السعد علی شرح

ابن الخاضع ۲/۲۳۳۔

(۱) لسان العرب: مادہ (صلح)۔

(۲) المستملی ۱/۲۸۶، ۲/۳۰۶، طبع بولاق، شرح جمع الجوامع ۲/۲۸۳، طبع مصطفیٰ لجنہ۔

(۳) ابن الخاضع ۲/۲۸۹، طبع المکتبۃ الزمریہ ۱۲۹۳ھ۔

استصناع

ہیں، اور حق یہ ہے کہ ہر مذہب میں اجمالی طور پر اس کو لیا گیا ہے۔
بعض حضرات نے اس کے اعتبار کرنے کے لئے کچھ قیود لگائے
ہیں، ان سب کی تشریح ”اصولی ضخیمہ“ میں ”مصلحت مرسلہ“ کے
بیان میں ہے (۱)۔

استصناع

تعریف:

۱- استصناع لغت میں: ”استصنع الشيء“ کا مصدر ہے: یعنی
بنانے کے لئے کہنا، بنانا، کہا جاتا ہے: ”اصطنع فلان بابا“
دوسرے سے کہے کہ اس کے لئے دروازہ تیار کرے، جیسا کہ کہا جاتا
ہے: ”اکتب“ اس نے حکم دیا کہ اس کے لئے لکھے (۱)۔

اصطلاح میں جیسا کہ بعض حنفیہ نے تعریف کی ہے: عمل کی شرط
کے ساتھ ذمہ میں بیع پر عقد کرنا (۲)۔

لہذا اگر ایک شخص کسی کاریگر سے کہے: اتنے درہم میں فلاں چیز
میرے لئے بنادو اور کاریگر اس کو قبول کر لے تو حنفیہ کے نزدیک
استصناع کا معاملہ ہو گیا (۳)۔ حنابلہ کے یہاں بھی یہی حکم ہے، کیونکہ
ان کے کلام کا حاصل یہ ہے کہ استصناع: ایسے سامان کو جو فخر و خست
کنندہ کے پاس موجود نہیں ”سلم“ کے طریقہ سے ہٹ کر بیچنا ہے۔
لہذا حنابلہ کے یہاں ان تمام مسائل کے لئے ”بیع بالصنع“ کی بحث
میں بیع اور اس کی شرطیں دیکھی جائیں (۴)۔

جب کہ مالکیہ و شافعیہ نے اس کو ”سلم“ کے ساتھ لاحق کیا ہے،

(۱) لسان العرب، الصحاح، بیع العروس: مادہ (صنع)۔

(۲) البدائع للکاسانی ۱/۲۶۷ طبع الامام۔

(۳) المہذب للسرہنی ۱۲/۱۳۸ طبع المطبعة، تحت القضاۃ ۲/۵۳۸ طبع اول جامعہ

دشلی، مجلۃ الاحکام العدلیۃ دفعہ ۳۸۸۔

(۴) کشاف القناع ۳/۱۳۲ طبع انصار السنۃ الحمدیہ الانصاف ۳/۳۰۰ طبع

انصار السنۃ الحمدیہ لفروع ۲/۵۸ طبع المنار۔

(۱) نہایت السؤل ۲/۵۳، تقریر الشربنی علی جمع الجوامع ۲/۲۸۳، التوضیح

۳/۹۲، تیسیر التقریر ۳/۳۱۳، المستملی ۱/۲۸۳، ۳۱۵، احوال المحول

۲/۲۲۲۔

استصناع ۲-۴

لہذا اس کی تعریف اور احکام بیع سلم سے لئے جائیں گے، جہاں دوسرے کے پاس موجود صنعت کی چیز کے بارے میں بیع سلم کی بحث ہوگی (۱)۔

متعلقہ الفاظ:

الف- کوئی چیز بنانے کے لئے اجارہ:

۲- کوئی چیز بنانے کے لئے اجارہ کی تعریف بعض فقہاء کے نزدیک یہ ہے: کسی عمل کو فروخت کرنا جس میں سامان تابع ہوتا ہے (۲)۔ لہذا کوئی چیز بنانے کے لئے اجارہ اور استصناع میں یہ بات قدر مشترک ہے کہ عمل عامل کے ذمہ ہوتا ہے، استصناع میں وہی صانع (بنانے والا) ہوتا ہے، اور کوئی چیز بنانے کے لئے اجارہ میں وہی اجیر (مزدور) ہوتا ہے، البتہ محل بیع میں دونوں کے درمیان فرق ہے، کسی چیز کو بنانے کے لئے اجارہ میں فروخت کا محل عمل ہے، جب کہ استصناع میں فروخت کا محل وہ طے شدہ سامان ہوتا ہے جو ذمہ میں واجب ہوتا ہے، اس میں عمل کی بیع نہیں ہوتی (۳)۔ اور دوسرا فرق یہ ہے کہ ”بنانے کے لئے اجارہ“ میں یہ شرط ہوتی ہے کہ اجرت کا معاملہ کرنے والا میٹرل پہلے عامل کے حوالے کرے، لہذا کام عامل کے ذمہ اور میٹرل اجرت کا معاملہ کرنے والے کی طرف سے ہوتا ہے، جب کہ استصناع میں میٹرل اور کام دونوں بنانے والے کی طرف سے ہوتا ہے۔

- (۱) الخطاب ص ۵۱۳، ۵۳۹ طبع انوار، المدونہ ۱۸/۹ طبع لہجہ، المقدمات ۱۳/۲ طبع لہجہ، الشرح الصغير ص ۲۸ طبع دار المعارف، لام ص ۱۳۱ اور اس کے بعد صفحات طبع دار المعرف، روضة الطالبین ص ۲۶ اور اس کے بعد کے صفحات طبع المکتب الاسلامی، المہربان ص ۲۹۸-۲۹۹ طبع مکتبہ المدینہ۔
- (۲) الوسوط ص ۸۳ طبع دار المعرف بیروت۔
- (۳) حاشیہ ابن عابدین ص ۲۲۵ طبع دوم مصطفیٰ الخلیس۔

ب- صنعتوں میں سلم:

۳- صنعتوں میں سلم سلم ہی کی ایک قسم ہے، اس لئے کہ سلم یا تو صنعتوں میں ہوگا یا کھیتی کی اشیاء میں یا کسی اور چیز میں، اور سلم کی تعریف یہ ہے: نقد کے بدلہ اوصار کا خریدنا (۱)۔

لہذا بڑی حد تک استصناع سلم کے ساتھ متفق ہے، چنانچہ اوصار سامان جو سلم میں ہوتا ہے وہی ذمہ میں موصوف ہوتا ہے، اس کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ حنفیہ نے استصناع کی بحث کو سلم کی بحث میں داخل کیا ہے، اور یہ مالکیہ وشافعیہ نے بھی کیا ہے، البتہ سلم بنائی جانے والی اور دوسری چیزوں میں بھی ہوتا ہے، جب کہ استصناع کی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں صنعت کی شرط ہو، سلم میں ثمن کی فوری ادائیگی مشروط ہوتی ہے، جب کہ استصناع میں (اکثر حنفیہ کے نزدیک) ثمن کو فوراً ادا کرنا شرط نہیں (۲)۔

ج- جُعَالَہ:

۴- جُعَالَہ: کسی معین عمل یا مجہول عمل جس کا علم دشوار ہو کے بدلہ معین عوض کا پابند ہونا ہے، اور یہ عمل پر عقد ہوتا ہے (۳)۔ لہذا جُعَالَہ اور استصناع میں یہ قدر مشترک ہے کہ وہ دونوں ایسے عقد ہیں جن میں عمل کی شرط ہوتی ہے، اور دونوں میں فرق یہ ہے کہ جُعَالَہ صناعات اور غیر صناعات دونوں میں ہوتا ہے جب کہ استصناع صناعات کے ساتھ خاص ہے، نیز جُعَالَہ میں عمل معلوم ہوتا ہے اور بسا اوقات مجہول جب کہ استصناع میں عمل کا معلوم ہونا ضروری ہے۔

- (۱) حاشیہ ابن عابدین ص ۲۱۲ طبع سوم بلاق۔
- (۲) فتح القدیر ص ۵۵۵، البدائع ص ۲۶۷، الوسوط ص ۱۳۸ اور اس کے بعد کے صفحات۔
- (۳) البیہقی علی شرح الخطیب ص ۲۳۸ طبع مصطفیٰ محمد۔

استصناع ۵-۷

استصناع کے معنی:

۵- مشائخ کا اس میں اختلاف ہے، بعض نے کہا ہے: کہ یہ باہم وعدہ کا معاملہ ہے، خرید و فروخت نہیں ہے، بعض نے کہا: یہ خرید و فروخت ہے، البتہ اس میں خریدار کو اختیار ہوتا ہے اور یہی صحیح ہے، اس کی دلیل یہ ہے کہ امام محمد نے اس کے جواز میں قیاس اور استحسان کا ذکر کیا ہے، اور یہ ”وعدوں“ میں نہیں ہوتا، اسی طرح اس میں خیاری رویت ثابت کیا ہے، اور خیاری رویت خرید و فروخت کے ساتھ خاص ہے، اسی طرح اس میں تقاضا ہو سکتا ہے، اور تقاضا واجب کا ہوتا ہے، وعدہ کا نہیں (۱)۔

بعض حنفیہ کے نزدیک یہ ”وعدہ“ ہے (۲)۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ صانع کو کام نہ کرنے کا اختیار ہے، لہذا استصناع کرنے والے کے ساتھ اس کا تعلق وعدہ کا تعلق ہے، عقد کا نہیں، اس لئے کہ صانع کے اپنے آپ پر کسی چیز کو لازم کرنے کے باوجود جو چیز اس پر لازم نہیں ہوتی وہ وعدہ ہوگا، عقد نہیں، کیونکہ صانع کو عمل پر مجبور نہیں کیا جاتا۔ اور سلم اس کے برخلاف ہے، اس لئے کہ جس چیز کا اس نے التزام کیا ہے اس کو اس پر مجبور کیا جاتا ہے، نیز اس لئے کہ بنوانے والے کو یہ حق ہے کہ بنانے والا جو سامان بنا کر لائے اس کو قبول نہ کرے، اور سامان کے مکمل ہونے اور دیکھنے سے قبل اس کو اپنے آرڈر سے رجوع کرنے کا حق ہے، اور یہ اس کے وعدہ ہونے کی علامت ہے، عقد کی نہیں (۳)۔

استصناع بیع ہے یا اجارہ:

۶- اکثر حنفیہ و حنابلہ کی رائے ہے کہ استصناع بیع ہے، چنانچہ حنفیہ نے بیع کی انواع شمار کرتے ہوئے ان میں استصناع کا ذکر کیا ہے

(۱) البدائع ۲/۵ طبع اول۔

(۲) فتح القدیر ۵/۳۵۵، المصوب ۱۲/۱۳۸ اور اس کے بعد کے صفحات۔

(۳) فتح القدیر ۵/۳۵۵۔

تاہم یہ سامان کی بیع ہے، جس میں عمل کی شرط ہوتی ہے (۱)۔ یا مطلق بیع ہے، لیکن خریدار کے لئے اس میں خیاری رویت ہے (۲)۔ اس لئے وہ بیع تو ہے لیکن علی الاطلاق نہیں، لہذا استصناع میں عمل کی شرط کے لحاظ سے وہ مطلق بیع سے مختلف ہے، اور بیع میں عمل کی شرط نہ ہونا معروف و مشہور ہے، اور بعض حنفیہ نے کہا ہے: استصناع خالص اجارہ ہے (۳)۔ اور ایک قول یہ ہے کہ ابتداء کے اعتبار سے اجارہ اور انتہاء کے اعتبار سے بیع ہے (۴)۔

استصناع کا شرعی حکم:

۷- استصناع (مستقل عقد ہونے کی حیثیت سے) اکثر حنفیہ کے نزدیک استحسان کی بنیاد پر مشروع ہے (۵)۔ اور حنفیہ میں امام زفر نے اس کو قیاس کے پیش نظر ممنوع قرار دیا ہے، اس لئے کہ یہ معدوم کی بیع ہے (۶)۔ استحسان کی وجہ یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے انگوٹھی بنوائی (۷)، اور رسول اللہ ﷺ کے زمانہ سے بغیر نکیر کے اس پر

(۱) المصوب ۱/۸۳ اور اس کے بعد کے صفحات، الانصاف ۳/۳۰۰۔

(۲) البدائع ۶/۲۶۷۔

(۳) فتح القدیر ۵/۵۶۱۔

(۴) فتح القدیر ۵/۵۶۱، حاشیہ ابن ماجہ ۳/۲۱۳۔

(۵) البدائع ۶/۲۶۷، شرح فتح القدیر ۵/۵۵۵، تحفۃ الفقہاء ۲/۵۳۸، الفتاویٰ الامعدیہ ۲/۵۷ طبع اخیر۔

(۶) فتح القدیر ۵/۳۵۵۔

(۷) رسول اللہ ﷺ کے انگوٹھی بنوانے کا ذکر بخاری شریف کتاب الايمان وائور میں ہے (فتح الباری ۱۱/۳۵۳ طبع عبدالرحمن محمد)، اور نہایت غریب الحدیث (۳/۵۷ طبع عیسیٰ الحلبي) کی عبارت یہ ہے ”اصطیع الرسول ﷺ خادما من ذهب“ (رسول اللہ ﷺ نے سونے کی ایک انگوٹھی بنوائی)۔ ابن اثیر نے کہا ہے یعنی آپ نے بنانے کا حکم فرمایا، جیسے کہتے ہوں: اکصب، یعنی لکھنے کا حکم دیا۔ اور صاحب ”الاختیار“ (ص ۱۸۷ طبع اخیر) نے کہا ہے یہ حدیث صحیح ثابت ہے کتب صحاح میں اس کے کئی طرق موجود ہیں۔

استصناع ۸-۱۰

کی رضامندی معلوم ہو (۱)۔ مثلاً یہ کہے: میرے لئے یہ بنادو۔ اور اس جیسی عبارت لفظوں میں ہو یا تحریر کی شکل میں۔

۱۰۔ محل استصناع کے بارے میں فقہائے حنفیہ کا اختلاف ہے کہ وہ سامان ہے یا عمل؟ جمہور حنفیہ کی رائے یہ ہے کہ معقود علیہ (وہ شے جس کا استصناع میں معاملہ ہوتا ہے) سامان ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ اگر کسی نے دوسرے کے ساتھ کسی سامان میں استصناع کا معاملہ کیا، تو کاریگر صنعت کا معاملہ کرنے والے کے مطالبہ کی تکمیل کے بعد وہ سامان اس کے حوالہ کرے گا، خواہ یہ صنعت عقد کے بعد کاریگر کے عمل سے مکمل ہوئی ہو یا کسی دوسرے کے عمل سے اور عقد لازم ہوگا، اور یہ سامان کاریگر کو صرف خیار رویت کی بنیاد پر لوٹا یا جائے گا، لہذا اگر عقد کا تعلق کاریگر کے عمل سے ہوتا تو دوسرے کے عمل سے بننے کی صورت میں عقد درست نہ ہوتا، یہ اس بات کی دلیل ہے کہ عقد کا تعلق سامان سے ہے، عمل سے نہیں (۲)۔ حنفیہ کا کہنا ہے کہ بالاتفاق استصناع میں بنوانے والے کے لئے خیار رویت ثابت ہوتا ہے، اور خیار رویت سامان کی فروخت ہی میں ثابت ہوتا ہے، اس سے معلوم ہوا کہ بیع سامان ہے، عمل نہیں (۳)۔ اور بعض حنفیہ کی رائے ہے کہ استصناع میں معقود علیہ عمل ہے (۴)، کیونکہ عقد استصناع یہ بتاتا ہے کہ وہ عمل کا عقد ہے، اس لئے کہ استصناع لغت میں عمل طلب کرنا ہے اور جن چیزوں کا استصناع ہوتا ہے وہ عمل کے لئے آئے

اجماع چلا آ رہا ہے (۱)، اور لوگوں میں اس معاملہ کا رواج رہا ہے، اور اس کی سخت ضرورت ہے۔

حنا بلہ نے صراحت کی ہے کہ سامان کا استصناع درست نہیں، اس لئے کہ یہ سلم سے ہٹ کر ایسی چیز کو بیچنا ہے جو فروخت کنندہ کے پاس نہیں، اور ایک قول یہ ہے کہ خریدار کے ہاتھ اس کی بیع درست ہے، اگر اس کی طرف سے ایک عقد میں بیع اور اجارہ کو جمع کرنا درست ہو، کیونکہ یہ بیع اور سلم ہے (۲)۔

استصناع کی مشروعیت کی حکمت:

۸۔ صنعتوں میں زبردست ترقی کے پیش نظر لوگوں کی ضرورتوں اور تقاضوں کو پورا کرنے کے لئے استصناع مشروع ہے، چنانچہ بنانے والے کو اپنی ان نئی مصنوعات کو بیچ کر فائدہ اٹھانے کا موقع ملتا ہے جو بنوانے والے کی طرف سے مقرر کردہ شرائط کے مطابق ہو، اور بنوانے والے کو یہ فائدہ ہوتا ہے کہ وہ اپنی طبعیت، بدن، اور مال کے مناسب حال اپنی ضرورت پوری کر لیتا ہے، بازار میں موجود تیار شدہ مصنوعات بسا اوقات انسانی ضرورتوں کو پورا نہیں کرتیں، لہذا تجربہ کار اور تخلیق کار کے پاس جانا ضروری ہوتا ہے۔

استصناع کے ارکان:

استصناع کے ارکان مندرجہ ذیل ہیں: باہم عقد کرنے والے، محل (وہ شے جس کا معاملہ ہوتا ہے) اور صیغہ (لفظ جس سے معاملہ کیا جاتا ہے)۔

۹۔ صیغہ یا تو ایجاب و قبول ہوگا، اور یہ ہر وہ لفظ ہے جس سے جابہین

(۱) الاختیار ۲/۲ طبع مصطفیٰ الحسنی، لشرح المغیر ۳/۱۳، المہذب ۱/۵۷، کشاف القناع ۳/۱۱۵ اور اس کے بعد کے صفحات۔

(۲) الوسوط ۱۲/۱۳۹، فتح القدیر ۵/۳۵۵، حاشیہ الشریب علی الدرر ۲/۱۹۸، مع حاشیہ منہا خسر طبع محمد احمد کمال۔

(۳) الوسوط ۱۲/۱۳۹۔

(۴) فتح القدیر ۵/۳۵۵ اور اس کے بعد کے صفحات، الدرر شرح الدرر ۲/۱۹۸ اور اس کے بعد کے صفحات طبع مول محمد احمد کمال۔

(۱) البدائع ۱/۲۶۷۔

(۲) الاضاف ۳/۳۰۰۔

استصناع ۱۱-۱۲

مطالبہ ہو، اور یہ صرف ”سلم“ میں ہے، کیونکہ استصناع میں دین نہیں ہوتا ہے (۱)۔

اس میں امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کا اختلاف ہے، کیونکہ ان دونوں حضرات کے نزدیک استصناع میں وقت مقرر کرنے کا عرف جاری ہے، اور استصناع کا جواز محض تعامل کی بنیاد پر ہے، اور لوگوں کے مابین تعامل کی رعایت میں صاحبین کی رائے یہ ہے کہ استصناع میں وقت مقرر کرنے کا عرف ہے، لہذا وقت کے ذکر سے وہ سلم نہیں بنے گا (۲)۔ اور ان دونوں حضرات کے نزدیک جب استصناع بولا جاتا ہے تو اپنی حقیقت پر محمول ہوتا ہے، کیونکہ عائدین کا کلام اپنے مقتضی پر محمول ہوگا، اور جب ایسا ہے تو وقت مقررہ جلدی کام کرنے پر آمادہ کرے گا، وکیل بدست پر نہیں، تاکہ امام ابو حنیفہ کے اختلاف سے بچا جاسکے (۳)۔

استصناع کے عمومی اثرات:

۱۲- اکثر حنفیہ کے نزدیک استصناع غیر لازم عقد ہے خواہ مکمل ہو چکا ہو یا ناقص ہو، خواہ متفقہ شرائط کے مطابق ہو یا ان کے مطابق نہ ہو۔ امام ابو یوسفؒ کی رائے ہے کہ اگر سامان بنادیا جائے (اور متفقہ شرائط کے موافق ہو) تو عقد لازم ہوگا، اور اگر شرائط کے موافق نہ ہو تو سب کے نزدیک غیر لازم ہوگا، اس لئے کہ وصف کے مفقود ہونے پر خیار ثابت ہوتا ہے (۴)۔

(۱) المصنوع ۱۲/۱۳۰۔

(۲) المصنوع ۱۲/۱۳۹۔

(۳) الدرر شرح الغرر ۲/۱۹۸، حاشیہ ابن عابدین ۳/۲۲۱ اور اس کے بعد کے صفحات طبع بولاق، البدائع ۶/۲۶۷۔

(۴) فتح القدیر ۵/۳۵۵-۳۵۶، مجلۃ الاحکام العدلیہ دفتر ۳۹۲-۳۹۳، ورمیٹی امام ابو یوسفؒ کی رائے کو ترجیح دیتی ہے جس کو مجلہ میں اختیار کیا گیا ہے کمیٹی یہ سمجھتی ہے کہ عقد استصناع لازم ہے کیونکہ اگر کسی ایک فریق کو ذاتی طور پر فسخ کا حق

کے درجہ میں ہیں (۱) اور اگر عقد استصناع عمل کا عقد نہ ہوتا، تو اس کا مستقل نام رکھنا جائز نہ ہوتا۔

استصناع کی خاص شرطیں:

۱۱- استصناع کی چند شرطیں جو مندرجہ ذیل ہیں:

الف۔ بنوائی جانے والی چیز معلوم ہو یعنی اس کی جنس، نوعیت اور مقدار بیان کر دی جائے۔ اور استصناع میں دو چیزیں لازم ہیں: سامان اور عمل، اور یہ دونوں کا ریئر سے مطلوب ہوتی ہیں۔
ب۔ ایسی چیز ہو جس کا لوگوں کے درمیان تعامل جاری ہو، اس لئے کہ جس کا تعامل نہیں، اس کے سلسلے میں قیاس سے رجوع کیا جائے گا، اور وہ ”سلم“ پر محمول ہوگا، اور اس کے احکام جاری ہوں گے (۲)۔

ج۔ وقت کا متعین نہ ہونا: یہ شرط مختلف فیہ ہے: بعض حنفیہ کی رائے ہے کہ عقد استصناع میں شرط ہے کہ وقت کی تعیین نہ ہو، اگر استصناع میں وقت کا ذکر ہو تو وہ ”سلم“ ہو جائے گا، اور اس میں سلم کی شرائط کا اعتبار ہوگا (۳)۔

استصناع میں وقت کے متعین نہ ہونے کی شرط کی دلیل یہ ہے کہ سلم ذمہ میں واجب بیع پر عقد کرنا ہے جس کا وقت مقرر ہوتا ہے، اگر استصناع میں بھی وقت کی تعیین کر دی جائے تو سلم کے معنی میں ہو جائے گا، گو کہ استصناع کا صیغہ استعمال ہو (۴)۔ نیز یہ کہ تاویل، دین کے ساتھ خاص ہے، کیونکہ وہ مطالبہ میں تاخیر کرنے کے لئے وضع کی گئی ہے، اور مطالبہ میں تاخیر صرف اسی عقد میں ہوگی جس میں

(۱) المصنوع ۱۲/۱۳۹۔

(۲) البدائع ۶/۲۶۷، فتح القدیر ۵/۳۵۵-۳۵۶۔

(۳) البدائع ۶/۲۶۷۔

(۴) تحفۃ الفقہاء ۲/۵۳۹۔

استصناع ۱۳، استطابہ ۱

عقد استصناع کب ختم ہوتا ہے؟

۱۳- استصناع سامان کو مکمل کرنے اور سامان سپرد کرنے، قبول کرنے اور ثمن پر قبضہ کرنے کے ساتھ ختم ہو جاتا ہے، اسی طرح عاقدین میں سے کسی ایک کی موت سے بھی ختم ہو جاتا ہے، اس لئے کہ یہ اجارہ کے مشابہ ہے (۱)۔

استطابہ

تعریف:

۱- طیب لغت میں خُرش کی ضد ہے، کہا جاتا ہے: ”شئ طیب“ یعنی پاک صاف چیز (۱)۔

استطابہ: استطاب کا مصدر ہے بمعنی طیب (پاک و صاف سمجھنا)۔ اور اس کا ایک معنی ”انتقاء“ پاک کی حاصل کرنا ہے، اس لئے کہ انتقاء کرنے والا جگہ کو نجاست سے پاک و صاف کرتا ہے، جس کی وجہ سے اس کا دل خوش ہو جاتا ہے (۲)۔

فقہاء لفظ استطابہ کو انتقاء کے لئے استعمال کرتے ہیں، اور دونوں الفاظ کو ہم معنی قرار دیتے ہیں۔ ابن قدامہ نے ”المغنی“ میں کہا ہے: ”استطابہ“ پانی یا پتھروں کے ذریعہ انتقاء کرنا ہے۔ اس کو استطابہ اس لئے کہتے ہیں کہ نجاست کو دور کرنے کے بعد بدن پاک و صاف ہو جاتا ہے (۳)۔

حضرت ضحیب بن عدی کی حدیث میں استطابہ موائے زیر ناف مومڈ نے کے معنی میں آیا ہے: جب دشمنوں نے ان کو قتل کرنے کا ارادہ کیا تو انہوں نے عقبہ بن حارث کی بیوی سے کہا: ”ابغیہی حدیدۃ استطیب بہا“ یعنی میرے لئے کوئی استراود، میں اس سے

= ہو تو بڑے نقصانات مرتب ہوں گے، ہاں اگر اتالی و صف کے خلاف ہو تو اور بات ہے۔
(۱) فتح القدیر ۵/ ۳۵۶۔

(۱) المغرب: مادہ (طیب)۔
(۲) المعجم المبر، لسان العرب: مادہ (طیب)۔
(۳) المغنی ۱۳ طبع سوم المنار۔

استطابہ ۲، استطاعت ۱-۲

صفائی کرلوں (۱)۔

۲- استطابہ بمعنی انتہاء کے احکام کے لئے اصطلاح (انتہاء) اور بمعنی موئے زیر ناف موڈنے کے احکام کے لئے اصطلاح (اتحد او) دیکھی جائے۔

استطاعت

تعریف:

۱- استطاعت کا معنی لغت میں کسی چیز پر قادر ہونا ہے (۱)، اور قدرت ایسی صفت ہے جس کے ذریعہ انسان چاہے تو کام کرے چاہے تو نہ کرے (۲)۔

فقہاء کے یہاں بھی اس کا یہی مفہوم ہے، مثلاً وہ کہتے ہیں: استطاعت حج کے وجوب کی شرط ہے، اور چونکہ استطاعت اور قدرت ہم معنی ہیں اس لئے ہم یہ بتا دینا مناسب سمجھتے ہیں کہ فقہاء یہ دونوں کلمات (استطاعت و قدرت) استعمال کرتے ہیں، اور اصولیین صرف لفظ ”قدرت“ کا استعمال کرتے ہیں، فواتح الرحموت شرح مسلم الثبوت میں ہے: جاننا چاہئے کہ قدرت جو فعل کے ساتھ متعلق ہوتی ہے اور جس میں وہ تمام شرائط جمع ہوتی ہیں جن کی وجہ سے فعل کا وجود ہوتا ہے یا جس کے پائے جانے کے وقت اللہ تعالیٰ فعل پیدا کر دیتا ہے، اس کو استطاعت کہتے ہیں (۳)۔

متعلقہ الفاظ:

اطاقہ:

۲- استطاعت اور اطاقہ کے درمیان کوئی معنوی اختلاف نہیں،

(۱) لسان العرب: مادہ (طوع)۔

(۲) فواتح الرحموت ۱/ ۳۷۱۔

(۳) فواتح الرحموت شرح مسلم الثبوت ۱/ ۳۶۱۔

(۱) الفائق فی غریب الحدیث ۲/ ۱۸۱ طبع عینی المجلد ۱۳۶۶ھ النہایہ لابن

لا فیر: مادہ (طیب) ۱۳۹۳۔

استطاعت ۳-۴

عمدة القاری میں اس حدیث پر بحث کرتے ہوئے نقل کیا گیا ہے کہ اس پر فقہاء کا اتفاق ہے کہ ناقابل استطاعت امر کا مکلف بنانا حرام ہے (۱)۔

اگر استطاعت ہونے پر مکلف بنایا جائے اور ادا کے وقت یہ استطاعت ختم ہو جائے تو استطاعت ہونے تک کے لئے یہ حکم موقوف رہے گا (۲)۔ مثلاً اللہ نے اس شخص کو جو نماز کا ارادہ کرے وضو کا مکلف بنایا، تو اگر وہ وضو کرنے کی استطاعت نہ رکھتا ہو تو اس سے وضو ساقط ہو جائے گا، اور اس کے بدلے یعنی تیمم کو اختیار کرے گا۔

قسم توڑنے والے کو کھانا کھلانے یا کپڑا دینے یا آزاد کرنے کے کفارہ کا مکلف بنایا گیا ہے، اگر ادائیگی کے وقت کسی کے اندران میں سے کسی کی بھی استطاعت نہ ہو تو یہ حکم اس سے ساقط ہو جائے گا، اور بدلے یعنی روزہ لازم ہوگا۔

مسلمان کو حج کا مکلف بنایا گیا ہے، اگر ادائیگی کے وقت مرض پایا جائے یا نفقہ نہ ہونے کی وجہ سے یا کسی دوسری وجہ سے استطاعت نہ ہو، تو استطاعت ہونے تک کے لئے یہ حکم ساقط ہو جائے گا۔

یہ چیز آپ کو کتب فقہیہ کے ابواب استطاعت اور کتب اصول میں حکم کی بحث میں تفصیل کے ساتھ ملے گی۔

استطاعت کی شرط:

۴- استطاعت کے پائے جانے کی شرط یہ ہے کہ اس کا وجود حقیقتاً ہو حکماً نہیں، اور حقیقتاً وجود کا مطلب یہ ہے کہ بغیر دشواری کے ادائیگی کی قدرت موجود ہو (۳)، اور حکماً وجود کا مطلب یہ ہے کہ دشواری کے ساتھ ادائیگی کی قدرت ہو۔

(۱) عمدة القاری ۱/۲۰۸۔

(۲) فوائد الرحموت ۱/۱۲۷۔

(۳) المظاہر علی مرآة الاصلاح ۲/۲۳۲۔

کیونکہ ان میں سے ہر ایک قادر کی انتہائی قدرت کو اور اس کی طرف سے مقدور پر اپنی پوری کوشش صرف کرنے کو بتاتا ہے (۱)۔ البتہ لغوی استعمال میں ان دونوں کو ”قدرت“ سے یہ چیز ممتاز کرتی ہے کہ لفظ قدرت مقدور کی انتہاء کے لئے نہیں آتا، اسی وجہ سے اللہ کو ”قادر“ کہا جاتا ہے، لیکن مطبق یا مستطیع نہیں کہا جاتا (۲)۔

استطاعت مکلف بنانے کی شرط ہے:

۳- فقہاء کا اس پر اتفاق ہے کہ استطاعت بندوں کو احکام کا مکلف بنانے کے لئے شرط ہے (۳)، لہذا عادتاً قابل استطاعت امر کا مکلف بنانا جائز نہیں، قرآن وحدیث کی بہت سی نصوص اس پر دلالت کرتی ہیں فرمان باری ہے: ”لَا يُكَلِّفُ اللَّهُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا“ (۴) (اللہ کسی کو ذمہ وار نہیں بناتا مگر اس کی طاقت کے مطابق)، اور فرمان نبوی ہے: ”إِخْوَانُكُمْ خَوَلُكُمْ، جَعَلَهُمُ اللَّهُ تَحْتَ أَيْدِيكُمْ فَمَنْ كَانَ أَخُوهُ تَحْتَ يَدِهِ فليطعمه مما يأكل، وليلبسه مما يلبس، ولا تكلفوهم ما يغلبهم، فإن كلفتموهم فأعينوهم“ (۵) (تمہارے غلام تمہارے بھائی ہیں، اللہ نے ان کو تمہارے ماتحت کر دیا ہے، لہذا جس کا بھائی اس کے ماتحت ہو، وہ اس کو وہی کھائے جو خود کھائے، اور وہی پہنائے جو خود پہنے، اور ان سے وہ کام نہ لو جو ان سے نہ ہو سکے، اگر ایسا کام لیا چاہو تو ان کی مدد کرو)۔

(۱) الفرق فی اللغة ۱/۱۰۳ طبع دار لآفاق، بیروت۔

(۲) الفرق فی اللغة ۱/۱۰۳۔

(۳) مسلم الشیوخ ۱/۱۳۵۔

(۴) سورہ بقرہ ۲۳۳۔

(۵) اس حدیث کی روایت بخاری (فتح الباری ۱/۸۳ طبع المکتبۃ) اور مسلم

(۳/۱۲۸۳ طبع مکتبۃ المکی) نے کی ہے دونوں نے اس کا ذکر ”کتاب الایمان“

میں کیا ہے۔

استطاعت ۵-۹

استطاعت کی قسمیں:

۵- استطاعت کی قسموں کے لحاظ سے اس کی کئی تقسیمیں کی جاسکتی ہیں۔

تقسیم اول: مالی استطاعت اور بدنی استطاعت:

۶- مالی استطاعت: اس کا مندرجہ ذیل صورتوں میں مکمل پایا جاتا شرط ہے:

اول: خالص مالی واجبات کی ادائیگی میں، مثلاً زکاۃ، صدقہ فطر، حج میں قربانی، نفقہ، جزیہ، مالی کفارات، مالی نذر، مال کا کفالہ وغیرہ۔

دوم: ان بدنی عبادات میں جن کا پورا کرنا مالی استطاعت پر موقوف ہوتا ہے، مثلاً پانی نہ پانے والے کا وضو یا غسل کے لئے شمن مثل (بازار میں رائج قیمت) کے ذریعہ پانی کے خریدنے پر قادر ہونا، ستر عورت کے بقدر کپڑا نہ پانے والے کا شمن مثل کے ذریعہ کپڑا خریدنے پر قادر ہونا، تاکہ اس میں نماز پڑھ سکے، اور حج کا ارادہ رکھنے والے کا زوراء، سواری اور اہل و عیال کے نفقہ کے مکمل انتظام پر قادر ہونا، مذکورہ ابواب میں فقہاء نے اس کی تفصیل ذکر کی ہے۔

۷- بدنی استطاعت: یہ بدنی واجبات کے وجوب میں شرط ہے، مثلاً طہارت کا وجوب اور کامل ترین طریقہ پر نماز کی ادائیگی کا وجوب، اور روزہ میں، حج میں، بدنی نذر (مثلاً نماز و روزہ) میں، بدنی کفارات (مثلاً روزہ) میں، اور نکاح میں، حضانت میں، اور جہاد میں شرط ہے۔ کتب فقہیہ کے مذکورہ ابواب میں ان احکام کی تفصیل ہے۔

تقسیم دوم: خود قادر ہونا اور دوسرے کے ذریعہ قادر ہونا:

۸- خود قادر ہونا: اس کی صورت یہ ہے کہ جس چیز کا انسان کو مکلف بنایا گیا ہے وہ اس کو خود بخود دوسرے کی مدد کے بغیر انجام دینے کی

قدرت رکھتا ہو۔

۹- دوسرے کے ذریعہ قادر ہونا: جس چیز کا انسان کو مکلف بنایا گیا ہے اس کو دوسرے کی مدد سے انجام دینے کی قدرت ہو، خود اس کو انجام دینے کی اس میں قدرت نہ ہو۔

استطاعت کی اس قسم کے ذریعہ تکلیف کی شرط متحقق ہونے کے بارے میں فقہاء کا اختلاف ہے۔

جمہور فقہاء اس استطاعت کی رو سے دوسرے کے ذریعہ قدرت رکھنے والے کو مکلف مانتے ہیں، یہ رائے مالکیہ، شافعیہ، حنابلہ، اور ابو یوسف و محمد کی ہے، اس لئے کہ دوسرے کے ذریعہ قدرت رکھنے والا ادا کرنے پر قادر مانا جاتا ہے۔

اور امام ابو حنیفہ کے نزدیک دوسرے کے ذریعہ قدرت رکھنے والا عاجز اور غیر قادر ہے، اس لئے کہ انسان کو ذاتی قدرت کی بنیاد پر مکلف بنایا جاتا ہے، دوسرے کی قدرت کی بنیاد پر نہیں، نیز اس لئے کہ اس کو اس وقت قادر مانا جاتا ہے جب کہ وہ ایسی خصوصی حالت میں ہو جو اس کو جب چاہے فعل کے انجام دینے کے لئے تیار رکھے، اور یہ دوسرے کی قدرت کی صورت میں نہیں پایا جاتا۔

امام ابو حنیفہ اس سے دو حالتوں کو مستثنیٰ قرار دیتے ہیں: حالت اول: جب ایسا شخص موجود ہو جس کے ذمہ اس کی اعانت کرنا واجب ہو، مثلاً اولاد اور خادم۔

حالت دوم: جب کوئی ایسا شخص موجود ہو کہ اگر وہ اس سے تعاون لینا چاہے تو بلا احسان جتائے اس کا تعاون کر دے، مثلاً بیوی، تو ان لوگوں کی قدرت کی بنیاد پر اس کو قادر مانا جائے گا (۱)۔

فقہاء نے فقہ کے بہت سے ابواب میں اس کا ذکر کیا ہے، اور اس

(۱) البحر الرائق ۱/ ۱۳۸، ۱۳۹، ۳۰۲، حاشیہ ابن عابدین ۱/ ۲۹۰، ۲۷۰، ۲۷۱، ۲۷۲، ۲۷۳، ۲۷۴، ۲۷۵، ۲۷۶، ۲۷۷، ۲۷۸، ۲۷۹، ۲۸۰، ۲۸۱، ۲۸۲، ۲۸۳، ۲۸۴، ۲۸۵، ۲۸۶، ۲۸۷، ۲۸۸، ۲۸۹، ۲۹۰، ۲۹۱، ۲۹۲، ۲۹۳، ۲۹۴، ۲۹۵، ۲۹۶، ۲۹۷، ۲۹۸، ۲۹۹، ۳۰۰، ۳۰۱، ۳۰۲، ۳۰۳، ۳۰۴، ۳۰۵، ۳۰۶، ۳۰۷، ۳۰۸، ۳۰۹، ۳۱۰، ۳۱۱، ۳۱۲، ۳۱۳، ۳۱۴، ۳۱۵، ۳۱۶، ۳۱۷، ۳۱۸، ۳۱۹، ۳۲۰، ۳۲۱، ۳۲۲، ۳۲۳، ۳۲۴، ۳۲۵، ۳۲۶، ۳۲۷، ۳۲۸، ۳۲۹، ۳۳۰، ۳۳۱، ۳۳۲، ۳۳۳، ۳۳۴، ۳۳۵، ۳۳۶، ۳۳۷، ۳۳۸، ۳۳۹، ۳۴۰، ۳۴۱، ۳۴۲، ۳۴۳، ۳۴۴، ۳۴۵، ۳۴۶، ۳۴۷، ۳۴۸، ۳۴۹، ۳۵۰، ۳۵۱، ۳۵۲، ۳۵۳، ۳۵۴، ۳۵۵، ۳۵۶، ۳۵۷، ۳۵۸، ۳۵۹، ۳۶۰، ۳۶۱، ۳۶۲، ۳۶۳، ۳۶۴، ۳۶۵، ۳۶۶، ۳۶۷، ۳۶۸، ۳۶۹، ۳۷۰، ۳۷۱، ۳۷۲، ۳۷۳، ۳۷۴، ۳۷۵، ۳۷۶، ۳۷۷، ۳۷۸، ۳۷۹، ۳۸۰، ۳۸۱، ۳۸۲، ۳۸۳، ۳۸۴، ۳۸۵، ۳۸۶، ۳۸۷، ۳۸۸، ۳۸۹، ۳۹۰، ۳۹۱، ۳۹۲، ۳۹۳، ۳۹۴، ۳۹۵، ۳۹۶، ۳۹۷، ۳۹۸، ۳۹۹، ۴۰۰، ۴۰۱، ۴۰۲، ۴۰۳، ۴۰۴، ۴۰۵، ۴۰۶، ۴۰۷، ۴۰۸، ۴۰۹، ۴۱۰، ۴۱۱، ۴۱۲، ۴۱۳، ۴۱۴، ۴۱۵، ۴۱۶، ۴۱۷، ۴۱۸، ۴۱۹، ۴۲۰، ۴۲۱، ۴۲۲، ۴۲۳، ۴۲۴، ۴۲۵، ۴۲۶، ۴۲۷، ۴۲۸، ۴۲۹، ۴۳۰، ۴۳۱، ۴۳۲، ۴۳۳، ۴۳۴، ۴۳۵، ۴۳۶، ۴۳۷، ۴۳۸، ۴۳۹، ۴۴۰، ۴۴۱، ۴۴۲، ۴۴۳، ۴۴۴، ۴۴۵، ۴۴۶، ۴۴۷، ۴۴۸، ۴۴۹، ۴۵۰، ۴۵۱، ۴۵۲، ۴۵۳، ۴۵۴، ۴۵۵، ۴۵۶، ۴۵۷، ۴۵۸، ۴۵۹، ۴۶۰، ۴۶۱، ۴۶۲، ۴۶۳، ۴۶۴، ۴۶۵، ۴۶۶، ۴۶۷، ۴۶۸، ۴۶۹، ۴۷۰، ۴۷۱، ۴۷۲، ۴۷۳، ۴۷۴، ۴۷۵، ۴۷۶، ۴۷۷، ۴۷۸، ۴۷۹، ۴۸۰، ۴۸۱، ۴۸۲، ۴۸۳، ۴۸۴، ۴۸۵، ۴۸۶، ۴۸۷، ۴۸۸، ۴۸۹، ۴۹۰، ۴۹۱، ۴۹۲، ۴۹۳، ۴۹۴، ۴۹۵، ۴۹۶، ۴۹۷، ۴۹۸، ۴۹۹، ۵۰۰، ۵۰۱، ۵۰۲، ۵۰۳، ۵۰۴، ۵۰۵، ۵۰۶، ۵۰۷، ۵۰۸، ۵۰۹، ۵۱۰، ۵۱۱، ۵۱۲، ۵۱۳، ۵۱۴، ۵۱۵، ۵۱۶، ۵۱۷، ۵۱۸، ۵۱۹، ۵۲۰، ۵۲۱، ۵۲۲، ۵۲۳، ۵۲۴، ۵۲۵، ۵۲۶، ۵۲۷، ۵۲۸، ۵۲۹، ۵۳۰، ۵۳۱، ۵۳۲، ۵۳۳، ۵۳۴، ۵۳۵، ۵۳۶، ۵۳۷، ۵۳۸، ۵۳۹، ۵۴۰، ۵۴۱، ۵۴۲، ۵۴۳، ۵۴۴، ۵۴۵، ۵۴۶، ۵۴۷، ۵۴۸، ۵۴۹، ۵۵۰، ۵۵۱، ۵۵۲، ۵۵۳، ۵۵۴، ۵۵۵، ۵۵۶، ۵۵۷، ۵۵۸، ۵۵۹، ۵۶۰، ۵۶۱، ۵۶۲، ۵۶۳، ۵۶۴، ۵۶۵، ۵۶۶، ۵۶۷، ۵۶۸، ۵۶۹، ۵۷۰، ۵۷۱، ۵۷۲، ۵۷۳، ۵۷۴، ۵۷۵، ۵۷۶، ۵۷۷، ۵۷۸، ۵۷۹، ۵۸۰، ۵۸۱، ۵۸۲، ۵۸۳، ۵۸۴، ۵۸۵، ۵۸۶، ۵۸۷، ۵۸۸، ۵۸۹، ۵۹۰، ۵۹۱، ۵۹۲، ۵۹۳، ۵۹۴، ۵۹۵، ۵۹۶، ۵۹۷، ۵۹۸، ۵۹۹، ۶۰۰، ۶۰۱، ۶۰۲، ۶۰۳، ۶۰۴، ۶۰۵، ۶۰۶، ۶۰۷، ۶۰۸، ۶۰۹، ۶۱۰، ۶۱۱، ۶۱۲، ۶۱۳، ۶۱۴، ۶۱۵، ۶۱۶، ۶۱۷، ۶۱۸، ۶۱۹، ۶۲۰، ۶۲۱، ۶۲۲، ۶۲۳، ۶۲۴، ۶۲۵، ۶۲۶، ۶۲۷، ۶۲۸، ۶۲۹، ۶۳۰، ۶۳۱، ۶۳۲، ۶۳۳، ۶۳۴، ۶۳۵، ۶۳۶، ۶۳۷، ۶۳۸، ۶۳۹، ۶۴۰، ۶۴۱، ۶۴۲، ۶۴۳، ۶۴۴، ۶۴۵، ۶۴۶، ۶۴۷، ۶۴۸، ۶۴۹، ۶۵۰، ۶۵۱، ۶۵۲، ۶۵۳، ۶۵۴، ۶۵۵، ۶۵۶، ۶۵۷، ۶۵۸، ۶۵۹، ۶۶۰، ۶۶۱، ۶۶۲، ۶۶۳، ۶۶۴، ۶۶۵، ۶۶۶، ۶۶۷، ۶۶۸، ۶۶۹، ۶۷۰، ۶۷۱، ۶۷۲، ۶۷۳، ۶۷۴، ۶۷۵، ۶۷۶، ۶۷۷، ۶۷۸، ۶۷۹، ۶۸۰، ۶۸۱، ۶۸۲، ۶۸۳، ۶۸۴، ۶۸۵، ۶۸۶، ۶۸۷، ۶۸۸، ۶۸۹، ۶۹۰، ۶۹۱، ۶۹۲، ۶۹۳، ۶۹۴، ۶۹۵، ۶۹۶، ۶۹۷، ۶۹۸، ۶۹۹، ۷۰۰، ۷۰۱، ۷۰۲، ۷۰۳، ۷۰۴، ۷۰۵، ۷۰۶، ۷۰۷، ۷۰۸، ۷۰۹، ۷۱۰، ۷۱۱، ۷۱۲، ۷۱۳، ۷۱۴، ۷۱۵، ۷۱۶، ۷۱۷، ۷۱۸، ۷۱۹، ۷۲۰، ۷۲۱، ۷۲۲، ۷۲۳، ۷۲۴، ۷۲۵، ۷۲۶، ۷۲۷، ۷۲۸، ۷۲۹، ۷۳۰، ۷۳۱، ۷۳۲، ۷۳۳، ۷۳۴، ۷۳۵، ۷۳۶، ۷۳۷، ۷۳۸، ۷۳۹، ۷۴۰، ۷۴۱، ۷۴۲، ۷۴۳، ۷۴۴، ۷۴۵، ۷۴۶، ۷۴۷، ۷۴۸، ۷۴۹، ۷۵۰، ۷۵۱، ۷۵۲، ۷۵۳، ۷۵۴، ۷۵۵، ۷۵۶، ۷۵۷، ۷۵۸، ۷۵۹، ۷۶۰، ۷۶۱، ۷۶۲، ۷۶۳، ۷۶۴، ۷۶۵، ۷۶۶، ۷۶۷، ۷۶۸، ۷۶۹، ۷۷۰، ۷۷۱، ۷۷۲، ۷۷۳، ۷۷۴، ۷۷۵، ۷۷۶، ۷۷۷، ۷۷۸، ۷۷۹، ۷۸۰، ۷۸۱، ۷۸۲، ۷۸۳، ۷۸۴، ۷۸۵، ۷۸۶، ۷۸۷، ۷۸۸، ۷۸۹، ۷۹۰، ۷۹۱، ۷۹۲، ۷۹۳، ۷۹۴، ۷۹۵، ۷۹۶، ۷۹۷، ۷۹۸، ۷۹۹، ۸۰۰، ۸۰۱، ۸۰۲، ۸۰۳، ۸۰۴، ۸۰۵، ۸۰۶، ۸۰۷، ۸۰۸، ۸۰۹، ۸۱۰، ۸۱۱، ۸۱۲، ۸۱۳، ۸۱۴، ۸۱۵، ۸۱۶، ۸۱۷، ۸۱۸، ۸۱۹، ۸۲۰، ۸۲۱، ۸۲۲، ۸۲۳، ۸۲۴، ۸۲۵، ۸۲۶، ۸۲۷، ۸۲۸، ۸۲۹، ۸۳۰، ۸۳۱، ۸۳۲، ۸۳۳، ۸۳۴، ۸۳۵، ۸۳۶، ۸۳۷، ۸۳۸، ۸۳۹، ۸۴۰، ۸۴۱، ۸۴۲، ۸۴۳، ۸۴۴، ۸۴۵، ۸۴۶، ۸۴۷، ۸۴۸، ۸۴۹، ۸۵۰، ۸۵۱، ۸۵۲، ۸۵۳، ۸۵۴، ۸۵۵، ۸۵۶، ۸۵۷، ۸۵۸، ۸۵۹، ۸۶۰، ۸۶۱، ۸۶۲، ۸۶۳، ۸۶۴، ۸۶۵، ۸۶۶، ۸۶۷، ۸۶۸، ۸۶۹، ۸۷۰، ۸۷۱، ۸۷۲، ۸۷۳، ۸۷۴، ۸۷۵، ۸۷۶، ۸۷۷، ۸۷۸، ۸۷۹، ۸۸۰، ۸۸۱، ۸۸۲، ۸۸۳، ۸۸۴، ۸۸۵، ۸۸۶، ۸۸۷، ۸۸۸، ۸۸۹، ۸۹۰، ۸۹۱، ۸۹۲، ۸۹۳، ۸۹۴، ۸۹۵، ۸۹۶، ۸۹۷، ۸۹۸، ۸۹۹، ۹۰۰، ۹۰۱، ۹۰۲، ۹۰۳، ۹۰۴، ۹۰۵، ۹۰۶، ۹۰۷، ۹۰۸، ۹۰۹، ۹۱۰، ۹۱۱، ۹۱۲، ۹۱۳، ۹۱۴، ۹۱۵، ۹۱۶، ۹۱۷، ۹۱۸، ۹۱۹، ۹۲۰، ۹۲۱، ۹۲۲، ۹۲۳، ۹۲۴، ۹۲۵، ۹۲۶، ۹۲۷، ۹۲۸، ۹۲۹، ۹۳۰، ۹۳۱، ۹۳۲، ۹۳۳، ۹۳۴، ۹۳۵، ۹۳۶، ۹۳۷، ۹۳۸، ۹۳۹، ۹۴۰، ۹۴۱، ۹۴۲، ۹۴۳، ۹۴۴، ۹۴۵، ۹۴۶، ۹۴۷، ۹۴۸، ۹۴۹، ۹۵۰، ۹۵۱، ۹۵۲، ۹۵۳، ۹۵۴، ۹۵۵، ۹۵۶، ۹۵۷، ۹۵۸، ۹۵۹، ۹۶۰، ۹۶۱، ۹۶۲، ۹۶۳، ۹۶۴، ۹۶۵، ۹۶۶، ۹۶۷، ۹۶۸، ۹۶۹، ۹۷۰، ۹۷۱، ۹۷۲، ۹۷۳، ۹۷۴، ۹۷۵، ۹۷۶، ۹۷۷، ۹۷۸، ۹۷۹، ۹۸۰، ۹۸۱، ۹۸۲، ۹۸۳، ۹۸۴، ۹۸۵، ۹۸۶، ۹۸۷، ۹۸۸، ۹۸۹، ۹۹۰، ۹۹۱، ۹۹۲، ۹۹۳، ۹۹۴، ۹۹۵، ۹۹۶، ۹۹۷، ۹۹۸، ۹۹۹، ۱۰۰۰، ۱۰۰۱، ۱۰۰۲، ۱۰۰۳، ۱۰۰۴، ۱۰۰۵، ۱۰۰۶، ۱۰۰۷، ۱۰۰۸، ۱۰۰۹، ۱۰۱۰، ۱۰۱۱، ۱۰۱۲، ۱۰۱۳، ۱۰۱۴، ۱۰۱۵، ۱۰۱۶، ۱۰۱۷، ۱۰۱۸، ۱۰۱۹، ۱۰۲۰، ۱۰۲۱، ۱۰۲۲، ۱۰۲۳، ۱۰۲۴، ۱۰۲۵، ۱۰۲۶، ۱۰۲۷، ۱۰۲۸، ۱۰۲۹، ۱۰۳۰، ۱۰۳۱، ۱۰۳۲، ۱۰۳۳، ۱۰۳۴، ۱۰۳۵، ۱۰۳۶، ۱۰۳۷، ۱۰۳۸، ۱۰۳۹، ۱۰۴۰، ۱۰۴۱، ۱۰۴۲، ۱۰۴۳، ۱۰۴۴، ۱۰۴۵، ۱۰۴۶، ۱۰۴۷، ۱۰۴۸، ۱۰۴۹، ۱۰۵۰، ۱۰۵۱، ۱۰۵۲، ۱۰۵۳، ۱۰۵۴، ۱۰۵۵، ۱۰۵۶، ۱۰۵۷، ۱۰۵۸، ۱۰۵۹، ۱۰۶۰، ۱۰۶۱، ۱۰۶۲، ۱۰۶۳، ۱۰۶۴، ۱۰۶۵، ۱۰۶۶، ۱۰۶۷، ۱۰۶۸، ۱۰۶۹، ۱۰۷۰، ۱۰۷۱، ۱۰۷۲، ۱۰۷۳، ۱۰۷۴، ۱۰۷۵، ۱۰۷۶، ۱۰۷۷، ۱۰۷۸، ۱۰۷۹، ۱۰۸۰، ۱۰۸۱، ۱۰۸۲، ۱۰۸۳، ۱۰۸۴، ۱۰۸۵، ۱۰۸۶، ۱۰۸۷، ۱۰۸۸، ۱۰۸۹، ۱۰۹۰، ۱۰۹۱، ۱۰۹۲، ۱۰۹۳، ۱۰۹۴، ۱۰۹۵، ۱۰۹۶، ۱۰۹۷، ۱۰۹۸، ۱۰۹۹، ۱۱۰۰، ۱۱۰۱، ۱۱۰۲، ۱۱۰۳، ۱۱۰۴، ۱۱۰۵، ۱۱۰۶، ۱۱۰۷، ۱۱۰۸، ۱۱۰۹، ۱۱۱۰، ۱۱۱۱، ۱۱۱۲، ۱۱۱۳، ۱۱۱۴، ۱۱۱۵، ۱۱۱۶، ۱۱۱۷، ۱۱۱۸، ۱۱۱۹، ۱۱۲۰، ۱۱۲۱، ۱۱۲۲، ۱۱۲۳، ۱۱۲۴، ۱۱۲۵، ۱۱۲۶، ۱۱۲۷، ۱۱۲۸، ۱۱۲۹، ۱۱۳۰، ۱۱۳۱، ۱۱۳۲، ۱۱۳۳، ۱۱۳۴، ۱۱۳۵، ۱۱۳۶، ۱۱۳۷، ۱۱۳۸، ۱۱۳۹، ۱۱۴۰، ۱۱۴۱، ۱۱۴۲، ۱۱۴۳، ۱۱۴۴، ۱۱۴۵، ۱۱۴۶، ۱۱۴۷، ۱۱۴۸، ۱۱۴۹، ۱۱۵۰، ۱۱۵۱، ۱۱۵۲، ۱۱۵۳، ۱۱۵۴، ۱۱۵۵، ۱۱۵۶، ۱۱۵۷، ۱۱۵۸، ۱۱۵۹، ۱۱۶۰، ۱۱۶۱، ۱۱۶۲، ۱۱۶۳، ۱۱۶۴، ۱۱۶۵، ۱۱۶۶، ۱۱۶۷، ۱۱۶۸، ۱۱۶۹، ۱۱۷۰، ۱۱۷۱، ۱۱۷۲، ۱۱۷۳، ۱۱۷۴، ۱۱۷۵، ۱۱۷۶، ۱۱۷۷، ۱۱۷۸، ۱۱۷۹، ۱۱۸۰، ۱۱۸۱، ۱۱۸۲، ۱۱۸۳، ۱۱۸۴، ۱۱۸۵، ۱۱۸۶، ۱۱۸۷، ۱۱۸۸، ۱۱۸۹، ۱۱۹۰، ۱۱۹۱، ۱۱۹۲، ۱۱۹۳، ۱۱۹۴، ۱۱۹۵، ۱۱۹۶، ۱۱۹۷، ۱۱۹۸، ۱۱۹۹، ۱۲۰۰، ۱۲۰۱، ۱۲۰۲، ۱۲۰۳، ۱۲۰۴، ۱۲۰۵، ۱۲۰۶، ۱۲۰۷، ۱۲۰۸، ۱۲۰۹، ۱۲۱۰، ۱۲۱۱، ۱۲۱۲، ۱۲۱۳، ۱۲۱۴، ۱۲۱۵، ۱۲۱۶، ۱۲۱۷، ۱۲۱۸، ۱۲۱۹، ۱۲۲۰، ۱۲۲۱، ۱۲۲۲، ۱۲۲۳، ۱۲۲۴، ۱۲۲۵، ۱۲۲۶، ۱۲۲۷، ۱۲۲۸، ۱۲۲۹، ۱۲۳۰، ۱۲۳۱، ۱۲۳۲، ۱۲۳۳، ۱۲۳۴، ۱۲۳۵، ۱۲۳۶، ۱۲۳۷، ۱۲۳۸، ۱۲۳۹، ۱۲۴۰، ۱۲۴۱، ۱۲۴۲، ۱۲۴۳، ۱۲۴۴، ۱۲۴۵، ۱۲۴۶، ۱۲۴۷، ۱۲۴۸، ۱۲۴۹، ۱۲۵۰، ۱۲۵۱، ۱۲۵۲، ۱۲۵۳، ۱۲۵۴، ۱۲۵۵، ۱۲۵۶، ۱۲۵۷، ۱۲۵۸، ۱۲۵۹، ۱۲۶۰، ۱۲۶۱، ۱۲۶۲، ۱۲۶۳، ۱۲۶۴، ۱۲۶۵، ۱۲۶۶، ۱۲۶۷، ۱۲۶۸، ۱۲۶۹، ۱۲۷۰، ۱۲۷۱، ۱۲۷۲، ۱۲۷۳، ۱۲۷۴، ۱۲۷۵، ۱۲۷۶، ۱۲۷۷، ۱۲۷۸، ۱۲۷۹، ۱۲۸۰، ۱۲۸۱، ۱۲۸۲، ۱۲۸۳، ۱۲۸۴، ۱۲۸۵، ۱۲۸۶، ۱۲۸۷، ۱۲۸۸، ۱۲۸۹، ۱۲۹۰، ۱۲۹۱، ۱۲۹۲، ۱۲۹۳، ۱۲۹۴، ۱۲۹۵، ۱۲۹۶، ۱۲۹۷، ۱۲۹۸، ۱۲۹۹، ۱۳۰۰، ۱۳۰۱، ۱۳۰۲، ۱۳۰۳، ۱۳۰۴، ۱۳۰۵، ۱۳۰۶، ۱۳۰۷، ۱۳۰۸، ۱۳۰۹، ۱۳۱۰، ۱۳۱۱، ۱۳۱۲، ۱۳۱۳، ۱۳۱۴، ۱۳۱۵، ۱۳۱۶، ۱۳۱۷، ۱۳۱۸، ۱۳۱۹، ۱۳۲۰، ۱۳۲۱، ۱۳۲۲، ۱۳۲۳، ۱۳۲۴، ۱۳۲۵، ۱۳۲۶، ۱۳۲۷، ۱۳۲۸، ۱۳۲۹، ۱۳۳۰، ۱۳۳۱، ۱۳۳۲، ۱۳۳۳، ۱۳۳۴، ۱۳۳۵، ۱۳۳۶، ۱۳۳۷، ۱۳۳۸، ۱۳۳۹، ۱۳۴۰، ۱۳۴۱، ۱۳۴۲، ۱۳۴۳، ۱۳۴۴، ۱۳۴۵، ۱۳۴۶، ۱۳۴۷، ۱۳۴۸، ۱۳۴۹، ۱۳۵۰، ۱۳۵۱، ۱۳۵۲، ۱۳۵۳، ۱۳۵۴، ۱۳۵۵، ۱۳۵۶، ۱۳۵۷، ۱۳۵۸، ۱۳۵۹، ۱۳۶۰، ۱۳۶۱، ۱۳۶۲، ۱۳۶۳، ۱۳۶۴، ۱۳۶۵، ۱۳۶۶، ۱۳۶۷، ۱۳۶۸، ۱۳۶۹، ۱۳۷۰، ۱۳۷۱، ۱۳۷۲، ۱۳۷۳، ۱۳۷۴، ۱۳۷۵، ۱۳۷۶، ۱۳۷۷، ۱۳۷۸، ۱۳۷۹، ۱۳۸۰، ۱۳۸۱، ۱۳۸۲، ۱۳۸۳، ۱۳۸۴، ۱۳۸۵، ۱۳۸۶، ۱۳۸۷، ۱۳۸۸، ۱۳۸۹، ۱۳۹۰، ۱۳۹۱، ۱۳۹۲، ۱۳۹۳، ۱۳۹۴، ۱۳۹۵، ۱۳۹۶، ۱۳۹۷، ۱۳۹۸، ۱۳۹۹، ۱۴۰۰، ۱۴۰۱، ۱۴۰۲، ۱۴۰۳، ۱۴۰۴، ۱۴۰۵، ۱۴۰۶، ۱۴۰۷، ۱۴۰۸، ۱۴۰۹، ۱۴۱۰، ۱۴۱۱، ۱۴۱۲، ۱۴۱۳، ۱۴۱۴، ۱۴۱۵، ۱۴۱۶، ۱۴۱۷، ۱۴۱۸، ۱۴۱۹، ۱۴۲۰، ۱۴۲۱، ۱۴۲۲، ۱۴۲۳، ۱۴۲۴، ۱۴۲۵، ۱۴۲۶، ۱۴۲۷، ۱۴۲۸، ۱۴۲۹، ۱۴۳۰، ۱۴۳۱، ۱۴۳۲، ۱۴۳۳، ۱۴۳۴، ۱۴۳۵، ۱۴۳۶، ۱۴۳۷، ۱۴۳۸، ۱۴۳۹، ۱۴۴۰، ۱۴۴۱، ۱۴۴۲، ۱۴۴۳، ۱۴۴۴، ۱۴۴۵، ۱۴۴۶، ۱۴۴۷، ۱۴۴۸، ۱۴۴۹، ۱۴۵۰، ۱۴۵۱، ۱۴۵۲، ۱۴۵۳، ۱۴۵۴، ۱۴۵۵، ۱۴۵۶، ۱۴۵۷، ۱۴۵۸، ۱۴۵۹، ۱۴۶۰، ۱۴۶۱، ۱۴۶۲، ۱۴۶۳، ۱۴۶۴، ۱۴۶۵، ۱۴۶۶، ۱۴۶۷، ۱۴۶۸، ۱۴۶۹، ۱۴۷۰، ۱۴۷۱، ۱۴۷۲، ۱۴۷۳، ۱۴۷۴، ۱۴۷۵، ۱۴۷۶، ۱۴۷۷، ۱۴۷۸، ۱۴۷۹، ۱۴۸۰، ۱۴۸۱، ۱۴۸۲،

استطاعت ۱۰-۱۲

سے ساقط ہو جائے، مثلاً زکوٰۃ، قدرت میسرہ کے ساتھ واجب ہے، اور اس میں یسر و سہولت کی نوعیت یہ ہے کہ زکوٰۃ زیادہ مقدار میں سے تھوڑی مقدار ہوتی ہے، اور سال میں ایک بار ادا کی جاتی ہے، اور اسی آسانی و سہولت کی وجہ سے نصاب کے ضائع ہونے پر زکوٰۃ ساقط ہو جاتی ہے، کیونکہ اگر ضیاع کے باوجود واجب ہو تو سہولت تنگی میں بدل جائے گی (۱)۔

افراد اور اعمال کے اعتبار سے استطاعت میں اختلاف:
۱۲- افراد کے اعتبار سے استطاعت میں اختلاف ہوتا ہے، مثلاً کوئی خاص کام ایک شخص کی استطاعت میں ہوتا ہے، جب کہ دوسرے شخص کی استطاعت سے باہر ہوتا ہے، مثلاً مختلف قسم کے امراض جن کا مختلف اثر قدرت پر پڑتا ہے۔

اسی طرح اعمال کے اعتبار سے بھی استطاعت مختلف ہوتی ہے، مثلاً لنگڑا، اس میں خود جہاد کرنے کی استطاعت نہیں، البتہ مال کے ذریعہ جہاد کی استطاعت رکھتا ہے، اور جمعہ کی ادائیگی کی استطاعت اس میں ہے، اسی طرح اور اعمال۔

کے حکم میں ان کا اختلاف ہے، مثلاً:

وضو کرنے سے عاجز شخص اگر کوئی معاون پائے۔
اور قبلہ رخ ہونے سے عاجز شخص کو اگر کوئی قبلہ رخ کرنے والا مل جائے۔
اندھا کو اگر جمعہ و جماعت میں لے جانے والا کوئی مل جائے۔
اندھا اور انتہائی بوڑھا کو اگر افعال حج کی ادائیگی میں کوئی معاون مل جائے۔

تقسیم سوم: (یہ حنفیہ کی تقسیم ہے) استطاعت ممکنہ، استطاعت میسرہ۔

۱۰- استطاعت ممکنہ کی تفسیر اعضاء کا سالم ہونا اور اسباب کا صحیح ہونا اور موانع کا نہ ہونا ہے، اس لئے کہ جس کے پاس دونوں پاؤں نہ ہوں وہ چل نہیں سکتا، اور جس کو دشمن روک لے وہ حج نہیں کر سکتا، اسی طرح دوسرے امور۔

استطاعت ممکنہ واجب علیٰ اہلین کی ادائیگی میں شرط ہے، اگر استطاعت ممکنہ ختم ہو جائے تو اس کے ختم ہونے کی وجہ سے واجب ذمہ سے ساقط نہیں ہوگا۔

واجب کی قضاء میں استطاعت ممکنہ کا وجود شرط نہیں، کیونکہ اس کی شرط تکلیف کے متحقق ہونے کے لئے ہے، اور تکلیف کا وجود ہو چکا ہے، لہذا اگر وجوب میں تکرار نہ ہو تو استطاعت کی تکرار واجب نہیں جو وجوب کی شرط ہے۔

۱۱- استطاعت میسرہ کی تفسیر سہولت اور آسانی کے ساتھ انسان کا کسی فعل پر قادر ہونا ہے۔

استطاعت میسرہ ان بعض واجبات کے وجوب میں شرط ہے جو اس کے ساتھ مشروط ہیں حتیٰ کہ اگر یہ قدرت نہ رہے تو واجب ذمہ

(۱) فوارح الرحموت شرح مسلم الشبوت ۱/ ۱۳۷، ۱۳۸۔

استطلاق بطن ۱-۲

وقت ہے، کیونکہ نماز کے وقت کے علاوہ میں حدث کے رہنے یا نہ رہنے کا کوئی اعتبار نہیں کہ اس وقت وہ نماز کا مخاطب ہی نہیں (۱)۔

حنفیہ، شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک ہر نماز کے وقت کے لئے وضو واجب ہے، اس کی دلیل مستحاضہ کے بارے میں یہ فرمان نبوی ہے: ”انہا تنوضاً لكل صلاة“ وہ ہر نماز کے لئے وضو کرے گی (۲)۔

شافعیہ، حنابلہ اور امام ابو حنیفہ اور امام محمدؒ کے نزدیک وقت کے نکلنے سے وضو ٹوٹ جائے گا، امام زفر کے یہاں وقت کے داخل ہونے سے، اور امام ابو یوسف کے نزدیک ان دونوں میں سے جو بھی پایا جائے گا اس سے وضو ٹوٹ جائے گا۔ جب کہ مالکیہ کے نزدیک وضو نہیں ٹوٹتا، اور وہ (یعنی وضو) پورے وقت حدث رہنے والے کے لئے نہ واجب ہے نہ مستحب، ہاں جس کو اکثر یا آدھے وقت حدث رہے تو صرف اس کے لئے مستحب ہے، اور ایک قول یہ ہے کہ اگر آدھے وقت اس کو حدث رہے تو ہر نماز کے لئے وضو واجب ہے (۳)۔

استطلاق بطن

تعریف:

۱- استطلاق بطن کا معنی لغت میں: پیٹ کا چلنا، اور کثرت سے غلاظت کا نکلنا ہے (۱)۔

اصطلاحی معنی اور لغوی معنی ایک ہی ہے۔ اس لئے کہ فقہاء نے اس کی تعریف یہ کی ہے: استطلاق بطن: پیٹ کی غلاظت کا جاری ہونا ہے (۲)۔

اجمالی حکم:

۲- استطلاق بطن ان اعدار میں سے ہے جن کے ہوتے ہوئے عبادت مباح ہوتی ہے، اور عذر کے اعتبار کی شرط یہ ہے کہ اس کا وجود ایک فرض نماز کے سارے وقت کو گھیر لے، یہ حنفیہ، شافعیہ اور حنابلہ کے یہاں ہے۔

مالکیہ کے نزدیک: اگر حدث سارے اوقات، یا اکثر اوقات، یا نصف میں قائم رہے تو عذر مانا جائے گا۔ اور وقت سے مراد کیا ہے، اس میں مالکیہ کا اختلاف ہے، نماز کا وقت ہے یا مطلق وقت ہے؟ یعنی اس میں نماز کا وقت ہونے کی قید نہیں، لہذا اس میں طلوع آفتاب سے زوال تک کا درمیانی وقت بھی آجائے گا، اس سلسلہ میں مالکیہ کے یہاں دو مختلف اقوال ہیں: ان میں اظہر یہ ہے کہ اس سے مراد نماز کا

(۱) لسان العرب: مادہ (طلق)۔

(۲) ابن ماجہ بن ۲۰۲۔

(۱) الخطاب ۲۹۳۔

(۲) حدیث ”انہا تنوضاً.....“ کی روایت ابو داؤد ابن ماجہ و ترمذی نے چند عدی بن ثابت عن النبی ﷺ سے من الفاظ میں کی ہے قال فی المسحاضة: ”دفع الصلاة أيام ألوانها ثم يغسل ونوضاً عدد كل صلاة، ونصوم ونصلي“ (آپ ﷺ نے مستحاضہ کے بارے میں فرمایا: اپنے یام حیض میں نماز چھوڑ دے پھر ہر نماز کے موقع پر غسل و وضو کرے اور روزہ رکھے اور نماز پڑھے)۔ صاحب تحقیق النیر (۱/۱۶۹ طبع شرکت المطابع الفریہ) نے کہا اس کی اسناد ضعیف ہے۔ امام احمد و صاحب سنن ابی نعیم نے روایت ماثر ان الفاظ میں نقل کیا ہے ”ثم اغتسلی و نوضنی لكل صلاة ثم صلی“ (پھر ہر نماز کے لئے غسل و وضو کرو پھر نماز پڑھو) (نیل الاوطار ۱/۳۳۷-۳۳۸، تاریخ کردہ دار الخلیل بیروت)۔ اور اس کو دارقطنی نے روایت کیا ہے اور ضعیف کہا ہے اور طبرانی نے المعجم الصغیر میں اور ابن جریر نے ”المعجم“ میں اس کو روایت کیا ہے (نصب الرایہ ۱/۲۰۰، ۲۰۲)۔

(۳) الاخیار ۱/۲۹، ۳۰، ابن ماجہ بن ۲۰۲، المجموع ۵۳۱، المغنی ۱/۳۳۱، مع الجلیل ۱/۶۵، الخطاب ۱/۲۹۱۔

استظلال ۱-۳

بحث کے مقامات:

۳- احرام میں سائے سے فائدہ اٹھانے کی بحث کتاب الحج میں محرم کے لئے جائز و ناجائز امور کے بیان میں ہے، اور استظلال پر اجارہ کی بحث کتاب الاجارہ میں، شرائط اجارہ کے بیان میں ہے، دھوپ اور سایہ کے درمیان بیٹھنے کا ذکر مجلس کے شرعی آداب کے باب میں بحث: دھوپ اور سایہ کے درمیان سونے اور بیٹھنے کے بیان میں، اور سایہ نہ کرنے کی نذر کا بیان: نذر کے باب میں بحث ”نذر مباح“ کے بیان میں ہے۔

استظلال

تعریف:

۱- استظلال کا معنی لغت میں: سایہ طلب کرنا ہے، اور سایہ وہ ہے: جہاں دھوپ نہ پہنچے (۱)۔
اصطلاح میں اس کی تعریف ہے: سایہ سے فائدہ اٹھانے کا ارادہ کرنا (۲)۔

اجمالی حکم:

۲- سایہ سے فائدہ اٹھانا عام طور پر (خواہ درخت کے نیچے ہو یا دیوار یا چھت یا اس طرح کی کسی اور چیز کے نیچے) محرم و غیر محرم ہر مسلمان کے لئے باتفاق مباح ہے۔ البتہ محرم کے لئے خاص طور سے کجاوے (اور اس جیسی چیز) کے سایہ سے فائدہ اٹھانے کے بارے میں فقہاء کا اختلاف ہے: کچھ فقہاء علی الاطلاق جائز کہتے ہیں، اور یہ شافعیہ ہیں (۳)، اور بعض کے یہاں یہ شرط ہے کہ سر یا چہرہ سے مس نہ ہو، اور یہ حنفیہ ہیں (۴)، جب کہ مالکیہ و حنابلہ نے اس کو مکروہ قرار دیا ہے (۵)۔

(۱) لسان العرب: مادہ (ظلل)، الکلیات لابن البقاء ۱/۲۶۶، ۳/۲۷۷۔

(۲) ابن ماجہ ۲/۱۶۸ طبع سوم المنار۔

(۳) مغنی المحتاج ۱/۵۱۸ طبع مصطفیٰ المجلس۔

(۴) حاشیہ ابن ماجہ ۲/۱۶۳ طبع سوم بولاق۔

(۵) المدونہ ۱/۴۰۸ عکس دارصادق المغنی ۳/۳۰۷ طبع المریض۔

کرے گی، اور ان میں حیض کی وجہ سے بیٹھے گی، نماز نہیں پڑھے گی، پھر غسل کر کے نماز پڑھے گی۔ ازہری نے کہا ہے: اہل مدینہ کی زبان میں اس استظهار کا مطلب: احتیاط کرنا اور اطمینان حاصل کرنا ہے (۱)۔

فقہاء استظهار کو تینوں سابقہ معانی میں استعمال کرتے ہیں۔

استظهار

تعریف:

۱- صاحب لسان العرب نے استظهار کے تین معانی ذکر کئے ہیں:

الف۔ یہ ہے کہ استعانت یعنی مدد طلب کرنے کے معنی میں ہو، کہتے ہیں: ”استظهر به“ یعنی اس نے اس سے مدد طلب کی، ”ظہرت علیہ“ یعنی میں نے اس کی مدد کی، اور ”ظاہر فلاناً“ یعنی اس نے فلاں کی مدد طلب کی۔ انہوں نے مزید کہا ہے: ”استظہرہ“ یعنی اس نے مدد لی۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ فعل بذات خود اور باء کے واسطے سے بھی دونوں طرح متعدی ہوتا ہے۔

ب۔ زبانی پڑھنے کے معنی میں بھی آتا ہے، کہتے ہیں: ”قرأت القرآن عن ظہر قلبی“ یعنی میں نے قرآن کو اپنی یادداشت سے پڑھا، ”قد قرأہ ظاہراً و استظہرہ“ یعنی اس کو یاد کیا اور زبانی پڑھا (۱)۔

القاموس میں ہے: استظہرہ: یعنی زبانی بغیر کتاب کے

پڑھا۔

ج۔ احتیاط کرنے کے معنی میں بھی آتا ہے، صاحب لسان العرب نے کہا ہے: اہل مدینہ کے کلام میں آیا ہے: جب عورت کو استحاضہ ہو جائے اور خون برآمد جاری رہے تو وہ اپنے یام حیض میں بیٹھے گی، اور جب یام حیض گزر جائیں تو تین دن استظهار (احتیاط)

(۱) لسان العرب: مادہ (ظہر)۔

اجمالی حکم:

قرآن کا زبانی پڑھنا:

۲- کیا قرآن کا زبانی پڑھنا اس کو دیکھ کر پڑھنے سے افضل ہے؟ اس سلسلہ میں علماء کے تین قول ہیں:

اول۔ بقرآن کو دیکھ کر پڑھنا زبانی پڑھنے سے افضل ہے، نووی نے اس کو شافعیہ کی طرف منسوب کیا ہے، اور کہا ہے: یہی سلف سے مشہور ہے، اس قول کی وجہ یہ ہے کہ قرآن میں دیکھنا عبادت ہے۔ زرکشی اور سیوطی نے اس قول کے لئے ابو عبیدہ کی ان کی سند کے ساتھ اس مرفوع روایت سے استدلال کیا ہے: قرآن کو دیکھ کر پڑھنے والے کی فضیلت، زبانی پڑھنے والے کے مقابلہ میں ایسی ہی ہے جیسے نفل پر فرض کی فضیلت ہے سیوطی نے کہا ہے: اس کی سند صحیح ہے (۲)۔

(۱) سابقہ حوالہ۔

(۲) المبرہن فی علوم القرآن للزرکشی ۱/ ۶۱ ص ۶۳ طبع عیسیٰ الخلیفی ۱۳۷۶ھ، الاقنان للسیوطی ۱/ ۱۰۸ طبع مصطفیٰ الخلیفی، الاذکار للعووی ص ۱۰۰ طبع مصطفیٰ الخلیفی۔ اس سے متعلق ایک بحث جس کو بعض علماء نے لکھا ہے یہ ہے کہ قرآن کو سننا اس کے پڑھنے سے افضل ہے دیکھئے اصطلاح (استماع) اور حدیثہ ”مفضل قراءۃ القرآن...“ کی روایت ابو عبیدہ نے بعض صحابہ سے فضائل میں کی ہے اور ابو نعیم، طبرانی اور بیہقی نے بھی اس کی روایت کی ہے اس سند میں ایک روایت ”بقیہ“ ہیں جو بیہقی میں معروف ہیں (فیض القدیر ۴/ ۲۳ طبع المکتبۃ الجزائریہ ۱۳۵۹ھ) اور سیوطی نے کہا ہے اس کی سند صحیح ہے۔

استظهار ۳-۴

دوم: زبانی پڑھنا افضل ہے: یہ قول ابو محمد بن عبد السلام کی طرف منسوب ہے۔

سوم: جو نودی کا اختیار کر دہ ہے، اگر زبانی پڑھنے والے کفر آن میں دیکھ کر پڑھنے کے مقابلہ میں زیادہ تدبیر، تفکر، اور جمع قرآن (قرآن کا یاد کرنا) حاصل ہو تو زبانی پڑھنا افضل ہے، اور اگر دونوں برابری ہوں تو دیکھ کر پڑھنا افضل ہے۔

زبانی پڑھنے کے بقیہ مباحث عنوان (تفاوت) کی اصطلاح کے تحت دیکھی جائیں۔

یکمین استظهار:

۳۔ بعض فقہاء یمن استنبہار کا ذکر کرتے ہیں، و سوق مالکی نے اس کی تفسیر یہ کی ہے کہ وہ فیصلہ کے لئے محض تقویت بخش ہے، اور اگر وہ نہ ہو تو فیصلہ کو منسوخ نہیں کیا جائے گا (۱)۔ اور جس پر فیصلہ موقوف ہوتا ہے وہ یمن قضاء یا یمن استبراء ہے، اور مدنی سے یمن استنبہار لی جائے گی اگر وہ میت یا غائب پر دعوی کرے، اور حق کے ثبوت میں دو گواہ پیش کر دے (۲)۔

یہیمن استظہار کی مثال رٹی شافعی کا قول ہے: جن لوگوں پر باغیوں کا غلبہ ہو گیا تھا، ان میں اگر کوئی شخص جس پر زکاۃ لازم تھی، دعویٰ کرے کہ اس نے زکاۃ باغیوں کو دے دی تو بغیر یہیمن کے اس کی تصدیق کی جائے گی، اس لئے کہ زکاۃ کی بنیاد تخفیف پر ہے، اور اگر اس سے بدگمانی ہو تو اس کی سچائی معلوم کرنے کے لئے اس سے یہیمن استظہار لینا مندوب ہے، تاکہ قائلین وجوب کے اختلاف سے بچا جاسکے (۳)۔

جو عورت اپنے غائب شوہر سے نفقہ نہ ملنے کی وجہ سے علاحدگی

اختیار کرنا چاہے، اس کے بارے میں مالکیہ نے لکھا ہے کہ اگر غیبت بعیدہ ہو تو تنازعہ اپنی صوابدید کے مطابق اس کو مہلت دے گا، اور وقت گزرنے پر عورت سے یمین استظهار لے گا (۱)۔

خفیہ اور حنا بلہ نے لکھا ہے کہ مدعی سے قسم لی جائے گی اگر وہ میت یا غائب پر دعویٰ کرے اور پتہ پیش کر دے (۲)۔

بحث کے مقامات:

۴۔ فقہاء یحییٰ استظہار کا ذکر: دعویٰ، قضاء، اور قضاء علی الغائب کے بیان میں کرتے ہیں۔

رہا استظہار بمعنی استعانت تو اس کے احکام ”استعانت“ کے تحت ذکر کئے جائیں گے، اور استظہار بمعنی احتیاط کا ذکر حیض کے بیان میں ہے، اور دیکھئے: (احتیاط)۔

(١) تبصرة لخواص مع حاشية فتح العلي لما في ١٣٢٢، لخطاب ٩/١٢، ٢١٦.

(۲) ابن حابدین ۳۳۶ھ، ۳۳۳ھ طبع ۱۷۷۲ھ، مجلۃ الاحکام العدلیۃ دفعہ

١٢٣٤٥٦٧٨٩

(۱) جامعۃ الدسوقي علی الشرح الکبیر ص ۱۶۲۔

(۲) الدسوقي علی المشرح الكبير ۴۲۷-۲۲۷.

۳۹۲/۷۸۱۳۱ (۳)

تراجم فقہاء

جلد ۳ میں آنے والے فقہاء کا مختصر تعارف

ابراہیم الوائلی:

ان کے حالات ج ۲ ص ۵۶۱ میں گزر چکے۔

ابن أبان:

ان کے حالات ج ۲ ص ۵۶۱ میں گزر چکے۔

الف

الآمدی:

ان کے حالات ج ۱ ص ۴۲۷ میں گزر چکے۔

ابن ابی اویس (؟-۲۲۶ھ)

یہ اسماعیل بن عبد اللہ بن ابی اویس بن مالک، ابو عبد اللہ، اصبجی، مدنی ہیں، امام مالک کے بھانجہ و ہم نسب ہیں، فقیہ و محدث تھے، انہوں نے اپنے ماموں امام مالک اور دوسرے حضرات سے روایت کی ہے، عبد العزیز ماثون کے ملاقاتیوں میں سب سے قدیم ہیں، اور ان سے امام بخاری، مسلم اور اسماعیل قاضی وغیرہ نے روایت کی ہے۔ صاحب الدیباچ نے کہا ہے: سچے ہیں، ان پر کوئی اعتراض نہیں، بڑے فضل والے ہیں۔ ابن حجر نے کہا ہے: صدوق ہیں، ان کی یادداشت میں کمی کی وجہ سے بعض احادیث میں ان سے خطا ہوئی ہے۔

[شجرۃ انور از کیہ ۵۶: تہذیب المذہب ۳۱۰: المدینہ المذہب ۹۲: میزان الاعتدال ۲۲۲]

ابن ابی زید:

ان کے حالات ج ۱ ص ۴۲۷ میں گزر چکے۔

ابن ابی شریف (۸۲۲-۹۰۶ھ)

یہ محمد بن محمد بن ابی بکر، ابو المعالی، کمال الدین ہیں، ابن ابی شریف کے نام سے مشہور ہیں، بیت المقدس میں ان کی ولادت و وفات ہوئی۔ شافعی فقیہ، اصول و مصلح حدیث کے عالم تھے، کئی بار قاہرہ آئے، طلب علم میں مختلف اطراف کا سفر کیا۔ انہوں نے شیخ زین الدین ماہر

أبان بن عثمان (؟-۱۰۵ھ)

یہ أبان بن عثمان بن عثمان ابوسعید، اموی قرشی ہیں، ان کو ابو عبد اللہ کہا جاتا ہے، تابعی اور ثقہ روایت حدیث میں سے ہیں، نیز اہل فتویٰ فقہاء مدینہ میں سے ہیں، مدینہ ہی میں ولادت و وفات ہوئی۔ انہوں نے اپنے والد نیز حضرت زید بن ثابت اور اسامہ بن زید سے روایت کیا ہے، اور ان سے ان کے بیٹے عبد الرحمن، نیز عمر بن عبد العزیز، ابو زنا داود زہری نے روایت کیا ہے۔

حضرت عائشہؓ کی معیت میں جنگ جمل میں شریک ہوئے، خلفائے بنی امیہ کے یہاں ان کو رسوخ حاصل تھا، ۶۷ھ تا ۸۳ھ امیر مدینہ رہے۔

سیرت نبوی پر سب سے پہلے لکھنے والے یہی ہیں۔

[تہذیب المذہب ۹۷: لا ۷۷: علام ۲۷: طبقات ابن سعد

۱۵۱/۲: المعبر ۱۲۹]

ابراہیم النخعی:

ان کے حالات ج ۱ ص ۴۲۷ میں گزر چکے۔

ابن ابی شیبہ

تراجم فقہاء

ابن جماعہ

اور شیخ عماد الدین بن شرف سے فقہ حاصل کیا، ابن حجر، محبت الدین طبری، اور ابو الفتح مراغی سے حدیث سنی، درس دیا، مفتی رہے، ”خانقاہ صلاحیہ“ کے شیخ کے منصب پر فائز ہوئے، پھر اس کی اور مدرسہ جوہریہ وغیرہ کی نگرانی ان کے سپرد کی گئی۔

بعض تصانیف: ”الدور اللوامع بتحریر جمع الجوامع“، ”الفرائد فی حل شرح العقائد“، اور ”المسامرة علی المسامرة“۔

[الکواکب السائرة ۱/۱۱: شذرات المذہب ۸/۲۹: لأعلام

للمرکلی ۲/۲۸۱]

۲/۲۹۹]

زندگی گزری، اور وہیں وفات پائی۔ حنابلہ کے مفتی بنے، اور کچھ مدت تک دمشق کے آثار قدیمہ کی تحقیق میں لگے رہے۔

بعض تصانیف: ”المدخل إلی مذهب الإمام أحمد بن حنبل“، ”نزهة الخاطر العاطر“ جو ”شرح روضة الناظر لابن قدامة“ کی شرح ہے، ”ذیل طبقات الحنابلة لابن الجوزی“، اور ”الکواکب الدریة“۔

[معجم المؤلفین ۵/۲۸۳: لأعلام ۴/۱۶۲: فہرست تیموریہ

ابن بطل:

ان کے حالات ج ۱ ص ۴۲۸ میں گزر چکے۔

ابن ابی شیبہ:

ان کے حالات ج ۲ ص ۵۶۲ میں گزر چکے۔

ابن تیمیہ:

ان کے حالات ج ۱ ص ۴۲۹ میں گزر چکے۔

ابن ابی لیلی:

ان کے حالات ج ۱ ص ۴۲۸ میں گزر چکے۔

ابن جریج:

ان کے حالات ج ۱ ص ۴۲۹ میں گزر چکے۔

ابن ابی موسی:

ان کے حالات ج ۱ ص ۴۲۸ میں گزر چکے۔

ابن جریر: یہ محمد بن جریر ہیں:

ان کے حالات ج ۲ ص ۶۱۰ میں گزر چکے۔

ابن الاثیر:

ان کے حالات ج ۲ ص ۵۶۲ میں گزر چکے۔

ابن جماعہ (۷۲۵-۷۹۰ھ)

یہ ابو انیم بن عبد الرحیم بن محمد بن سعد اللہ بن جماعہ، مدین الدین، ابو اسحاق ہیں، فقیہ، تاضی اور مفسر تھے، مصر میں پیدا ہوئے، اپنے زمانہ کے علماء مثلاً بخاری بن المصری، یوسف دلاسی اور ذہبی وغیرہ کے

ابن بدران (؟-۱۳۶ھ)

یہ عبد القاوری بن احمد بن مصطفیٰ بن عبد الرحیم بن محمد ہیں، ابن بدران کے نام سے معروف ہیں، ”دوما“ کے باشندے تھے، پھر دمشق منتقل ہو گئے، فقیہ، اصولی، ادیب اور مؤرخ تھے، مختلف علوم میں ماہر تھے۔ دمشق سے قریب ”دوما“ میں ولادت ہوئی، دمشق میں

ابن الحاج (؟- ۷۳۷ھ)

یہ محمد بن محمد بن محمد، ابو عبد اللہ عبد رے ہیں، ان کی نسبت قبیلہ عبد الدار کی طرف ہے، ابن الحاج سے معروف ہیں، فاس کے باشندے، اور مصر میں قیام پذیر تھے، قاہرہ میں وفات پائی، مالکیہ کے ممتاز علماء میں سے تھے، قاضی، فقیہ، اور امام مالک کے مذہب کو خوب جانتے تھے۔ ممتاز علماء مثلاً ابو اسحاق طحاوی سے فقہ حاصل کیا، اور ابو محمد بن حمزہ کی صحبت پائی، اور ان سے شیخ عبد اللہ منونی اور شیخ خلیل وغیرہ نے علم حاصل کیا۔ آخری عمر میں نابینا اور چلنے پھرنے سے معذور ہو گئے تھے۔

بعض تصانیف: ”مدخل الشرع الشریف“، ”شموس الأنوار“، اور ”کنوز الأسرار“۔

[الديبان المذهب ص ۳۲۷؛ الدرر الكامنه ۴/۲۳۷؛ شجرة النور الزكية ص ۲۱۸؛ لا إله إلا الله ص ۲۶۴]

ابن حبیب:

ان کے حالات ج ۱ ص ۴۳۰ میں گزر چکے۔

ابن حجر العسقلانی:

ان کے حالات ج ۲ ص ۵۶۴ میں گزر چکے۔

ابن حجر الہیتمی:

ان کے حالات ج ۱ ص ۴۳۰ میں گزر چکے۔

ابن حنبل:

ان کے حالات ج ۱ ص ۴۴۸ میں گزر چکے۔

یہاں پر احاء، علامہ علانی کی وفات کے بعد تدریس انہی کے سپرد کر دی گئی، پھر دیار مصر میں قضاء کے منصب پر فائز ہوئے، اپنے زمانہ کے علماء کی ریاست انہی پر ختم ہوئی، کشادہ دلی، شرف کی وسعت و کثرت، اور اہل فساد کا قلع قمع کرنے میں ان کا کوئی ہمسر نہ تھا، اسی کے ساتھ ساتھ مختلف علوم میں ان کو مہارت تامہ حاصل تھی۔ اپنے والد کے بعد بیت المقدس کے خطیب بنے۔

بعض تصانیف: ”الفوائد القدسیة والفوائد العصرية“، اور تقریباً دس جلدوں میں ”تفسیر قرآن“ ہے۔
[معجم المؤلفین ۱/۴۷۷؛ الدرر الكامنه ۴/۲۶۰]

ابن جماعہ (۶۹۴-۷۶۷ھ)

یہ عبد العزیز بن محمد بن ابراہیم بن سعد اللہ بن جماع، عز الدین، ابو عمر ہیں، دمشق کے باشندے، امام، مفتی، فقیہ، مدرس اور حافظ حدیث تھے، بعض علوم میں ماہر تھے۔

عمر بن قواس، ابو الفضل بن عسا کر اور عز الدین فراء کے یہاں دمشق میں حاضر ہوتے رہے، احمد بن ابو عمرو بن وغیرہ نے ان کو اجازت دی تھی، ایک طویل مدت تک دیار مصر کے قاضی رہے، ناصر الدین نے شام کے قضاة کی تقرری ان ہی کے سپرد کر دی تھی، دمشق میں پیدا ہوئے اور مکہ میں وفات ہوئی۔

بعض تصانیف: ”هدایة السالک إلى مذاهب الأربعة في المناسک“، ”المناسک الصغری“، اور ”نزهة الألباب فیما لا یوجد فی کتاب“۔

[شذرات المذهب ۶/۲۰۸؛ الدرر الكامنه ۲/۳۷۸؛ لا إله إلا الله ص ۲۵۷]

معجم المؤلفین ۵/۲۵۷]

ابن الحنفیہ

تراجم فقہاء

ابن سرتج

ابن الحنفیہ :

[الذیباں ج ۲ ص ۲۸۵ : لا علام ۷/۱۰ : معجم المؤلفین ۱۰/۲۵]

دیکھئے: محمد بن الحنفیہ -

ابن زیاد (۲۳۴-۳۱۹ھ)

ابن الخراط :

یہ احمد بن احمد بن زیاد، ابو جعفر فارسی، قیروانی ہیں، مالکی فقیہ، اور
افریقہ کے باشندے تھے، فن وثائق کے عالم تھے، اور اس فن میں ان
کی دس جلدیں ہیں۔ ابن عبدوس، ابو جعفر اہلبی اور محمد بن یحییٰ وغیرہ
سے حدیث سنی، قاضی ابن مسکین اور دوسرے کبار ائمہ کی صحبت میں
رہے، اور ان سے ابن الخارث، ابو العرب اور بہت سے لوگوں نے
حدیث سنی -

دیکھئے: عبدالحق الاشعری -

ابن رجب :

ان کے حالات ج ۱ ص ۴۳۱ میں گزر چکے -

ابن رشد :

ان کے حالات ج ۱ ص ۴۳۲ میں گزر چکے -

بعض تصانیف: "کتاب فی مواقیت الصلاة"، اور "کتاب
فی احکام القرآن" دس اجزاء میں -

[الذیباں ج ۲ ص ۳۰۷ : شجرة النور الزكية ص ۸۱]

ابن زرقون (۵۰۲-۵۸۶ھ)

ابن سخون (۲۰۲-۲۵۶ھ)

یہ محمد بن عبد السلام بن سعید بن حبیب، ابو عبد اللہ تنوخی ہیں، مالکی
فقہ اور مناظر تھے، ان کے زمانہ میں فنون علم کا اتنا بڑا جامع کوئی نہ تھا،
قیروان کے باشندہ تھے، نجی تھے، بادشاہوں کے نزدیک بڑی حیثیت
حاصل تھی، بلند حوصلہ تھے، ساحل کے علاقہ میں وفات پائی، جسد
خاک قیروان لایا گیا، اور وہیں تدفین ہوئی -

بعض تصانیف: "آداب المعلمین"، "أجوبة محمد بن
سخون"، "الرسالة السخونية"، اور "الجامع" فن علم وفقہ میں -

[ریاض النفوس ص ۵۰۴ : لا علام ۷/۷۶]

ابن سرتج :

ان کے حالات ج ۱ ص ۴۳۲ میں گزر چکے -

یہ محمد بن سعید بن احمد بن سعید انصاری، ابو عبد اللہ ہیں، ابن
زرقون سے معروف ہیں، فقیہ، محدث ہیں، "شریث" میں پیدا
ہوئے، اور اشبیلیہ میں سکونت اختیار کی اور وہیں وفات پائی، اپنے
والد اور ابو عمران بن ابی تلید، اور ابو القاسم بن الابرش وغیرہ سے
حدیث سنی سنی نے کہا ہے: اپنے وقت میں اندلس کے سردار تھے -
"سبتہ" کے قاضی رہے، ان کا کردار، اور پاک دامنی قابل ستائش
رہی، ایک معزز سردار تھے، فقہ کے حافظ اور اس میں نمایاں مقام
رکھتے تھے، لوگ ان سے فقہ سیکھنے اور حدیث سننے کے لئے سفر کر کے
آتے تھے، کیونکہ ان کی روایت عالی تھی -

بعض تصانیف: "کتاب الأنوار" جس میں انہوں نے
"المنتقى" اور "الاستدکار" کو جمع کیا ہے، اور ایک اور تصنیف
ہے جس میں انہوں نے سنن ترمذی اور سنن ابو داؤد کو جمع کیا ہے -

ابن سلمہ

تراجم فقہاء

ابن الصباغ

ابن سلمہ:

ابن سیرین:

دیکھئے: یاس بن سلمہ۔

ان کے حالات ج ۱ ص ۴۳۳ میں گزر چکے۔

ابن سماعہ (۱۳۰ - ۲۳۳ھ)

ابن شبرمہ:

یہ محمد بن سماعہ بن عبد اللہ بن بلال، ابو عبد اللہ تميمی ہیں، فقیہ، محدث، اصولی، حافظ تھے۔ انہوں نے لیث بن سعد، ابو یوسف اور محمد سے حدیث روایت کی، ابو یوسف و محمد اور حسن بن زیاد سے فقہ کا علم حاصل کیا، اور ابو یوسف و محمد سے ”نوادر“ لکھی۔ ہارون رشید کی طرف سے بغداد کے قاضی رہے۔ ان سے طحاوی کے استاد ابو جعفر احمد بن ابوعمران، اور ابو علی رازی وغیرہ نے فقہ حاصل کیا۔ صمری نے کہا: وہ حفاظ اور ثقات میں سے ہیں۔

ان کے حالات ج ۲ ص ۵۶۶ میں گزر چکے۔

بعض تصانیف: ”آدب القاضي“، ”المحاضر والسجلات“، اور ”النوادر“۔

ابن الشحنة (۸۵۱ - ۹۲۱ھ)

یہ عبد البر بن محمد بن محمد بن محمود بن شحنة، ابو البركات، مری الدین ہیں، قاضی، حنفی فقیہ، اصولی، اور مختلف علوم میں ماہر تھے، حلب میں پیدا ہوئے، اور قاہرہ منتقل ہو گئے، حلب، پھر قاہرہ کے قاضی ہوئے، پھر سلطان غوری کے ہم نشین اور قصہ کو ہو گئے، حلب میں وفات پائی۔

بعض تصانیف: ”الذخائر الأشرفیة في ألغاز الحنفیة“، ”زهرة الرياض“، ”رسالة في الفقه“، ”غریب القرآن“، اور ”تفصیل عقد الفرائد“۔

[الفوائد الجویہ ۱۷۰: الجواهر المضية ۵۸/۲: الاعلام ۲۳/۷: معجم المؤلفین ۱۰/۵۷: تہذیب المعجم ۹/۲۰۴]

[شذرات الذہب ۸/۹۸: معجم المؤلفین ۵/۷۷: لأعلام

۴/۷۷: الفوائد الجویہ ۱۱۳]

ابن السنی (؟ - ۳۶۴ھ)

یہ احمد بن محمد بن اسحاق بن ابراہیم بن اسباط دینوری، ابو بکر ہیں، ابن السنی سے معروف ہیں، محدث، حافظ ہنسائی کے شاگرد تھے، نیک اور شافعی فقیہ تھے۔ ۸۰ سال سے کچھ زیادہ زندہ رہے ہنسائی، عمر بن ابوعبد اللہ بغدادی اور ابو خلیفہ وغیرہ سے حدیث سنی۔

ابن الصباغ (۴۰۰ - ۴۷۷ھ)

یہ عبد السید محمد بن عبد الواحد، ابو نصر ہیں، ابن الصباغ سے معروف ہیں، بغداد میں پیدا ہوئے اور وہیں وفات پائی، شافعی فقیہ، محقق اصولی تھے، ابو اسحاق شیرازی کے ہم پلہ تھے، بلکہ مسلک کا علم ان سے زیادہ رکھتے تھے۔ مدرسہ نظامیہ بغداد اوجب شروع شروع میں کھلاتو اس کے مدرس ہوئے، قاضی ابوطیب سے فقہ کا علم حاصل کیا، ابو علی بن شاذان اور ابو الحسین بن فضل سے حدیث سنی، اور خود ان

بعض تصانیف: ”کتاب عمل الیوم واللیلة“، ”مختصر المسانی“ جس کا نام ”المجتبی“ رکھا، ”الایجاز“ حدیث میں، اور ”کتاب القناعة“ وغیرہ۔

[طبقات الشافعیہ ۲/۹۶: شذرات الذہب ۳/۱۴۲: معجم

المؤلفین ۲/۸۰]

ابن عابدین

تراجم فقہاء

ابن عدی

سے خطیب نے تاریخ میں اور ابو بکر بن عبد الباقی انصاری اور ابو القاسم سمرقندی نے حدیث روایت کی۔

بعض تصانیف: "تذکرۃ العالم"، "العدة"، "الکامل" اور "الشامل"۔

[طبقات الشافعیہ للسیکی ۳/۲۳۰: وفیات لأعیان ۲/۳۸۵؛
لأعلام للزکری ۳/۱۳۲]

نے حدیث سنی۔ مصر کی علمی ریاست انہی پر ختم ہوئی۔ فتنہ خلق قرآن کے مسئلہ میں ان کو تکلیف پہنچائی گئی لیکن انہوں نے ان کے مطالبہ کو قبول نہیں کیا، تو ان کو مصر واپس کر دیا گیا، جہاں ان کی وفات ہوئی۔

بعض تصانیف: "أحكام القرآن"، "رد علی فقہاء العراق"، "أدب القضاء"، "الوثائق والشروط"، اور "المسنن علی مذهب الشافعی"۔

[شجرة النور الزكية ص ۶۷: شذرات الذهب ۲/۱۵۴: معجم المؤلفین ۱۰/۲۲۲: لأعلام ۷/۴]

ابن عابدین:

ان کے حالات ج ۱ ص ۴۳۴ میں گزر چکے۔

ابن عبد السلام:

ان کے حالات ج ۱ ص ۴۳۵ میں گزر چکے۔

ابن عباس:

ان کے حالات ج ۱ ص ۴۳۴ میں گزر چکے۔

ابن عدی (۲۷۷-۳۶۵ھ)

ابن عبد البر:

ان کے حالات ج ۲ ص ۵۶۶ میں گزر چکے۔

یہ عبد اللہ بن عدی بن عبد اللہ بن محمد بن المبارک، ابو احمد البحر جانی ہیں، ابن القفطان سے معروف ہیں، حدیث و رجال حدیث کے زبردست عالم تھے، ایک ہزار سے زائد مشائخ سے علم حاصل کیا، علماء حدیث کے درمیان ابن عدی سے معروف ہیں۔ بہلول بن اسحاق انباری، محمد بن عثمان بن ابوسوید اور ابو عبد الرحمن ثنائی وغیرہ سے حدیث سنی، اور خود ان سے ان کے شیخ ابو العباس بن عتقہ، ابوسعید مالینی، محمد بن عبد اللہ بن عبد کوہ وغیرہ نے حدیث سنی۔

بعض تصانیف: "الکامل فی معرفة ضعفاء المحدثین"، "الانتصار علی مختصر المزنی" فروع فقہ میں، "علل الحدیث"، اور "معجم" اپنے مشائخ کے اثناء سے متعلق۔

[تذکرۃ الحفاظ ۳/۱۴۳: شذرات الذهب ۳/۵۱: لأعلام ۴/۲۳۹: معجم المؤلفین ۶/۸۲]

ابن عبد الحکم (۱۸۲-۲۶۸ھ)

یہ محمد بن عبد اللہ بن عبد الحکم، ابو عبد اللہ ہیں، محدث، حافظ، مالکی مذہب کے فقیہ، اور مصر کے باشندے تھے، امام شافعی کا ساتھ نہ چھوڑا، پھر مالکی مذہب اختیار کیا، فقیہ زمانہ تھے۔ اپنے والد نیز ابن وہب اور ابن القاسم وغیرہ سے حدیث سنی، اور خود ان سے ابو عبد الرحمن، ابو بکر نیساپوری، ابو حاتم رازی اور ابو جعفر طبری وغیرہ

ابن العربی

ابن العربی:

ان کے حالات ج ۱ ص ۴۳۵ میں گزر چکے۔

ابن عرفہ:

ان کے حالات ج ۱ ص ۴۳۶ میں گزر چکے۔

ابن عساکر (۴۹۹-۵۷۱ھ)

یہ علی بن الحسن بن ہبہ اللہ بن عبد اللہ، ابو القاسم، ثقہ الدین، دمشقی، شافعی ہیں، ابن عساکر سے مشہور ہیں، دیار شام کے محدث، حافظ، فقیہ اور مؤرخ تھے۔ بہت سے ملکوں کا سفر کیا، اور تقریباً تیرہ سو سے زائد مشائخ، اور اسی عورتوں سے حدیث سنی، دمشق اور بغداد میں علم فقہ حاصل کیا۔

حافظ سمعانی نے کہا ہے: وہ بڑے صاحب علم، زبردست فضل و کمال کے مالک اور حافظ و ثقہ تھے۔

بعض تصانیف: "تاریخ دمشق"، "الإشراف علی معرفة الأطراف"، اور "كشف المغطی فی فضل الموطا"۔

[شذرات الذہب ۴/۲۳۹: تذکرۃ الحفاظ ۴/۱۱۸: معجم المؤلفین ۷/۶۹: لا علام ۵/۸۲: طبقات الشافعیۃ الکبریٰ ۴/۲۷۳]

ابن عطیہ:

ان کے حالات ج ۲ ص ۵۶۷ میں گزر چکے۔

ابن عفریس (؟-۳۶۲ھ)

یہ احمد بن محمد، ابوہبل، زوزنی ہیں، ابن عفریس سے معروف ہیں، فقہاء شافعیہ میں سے تھے، ان کی نسبت "زوزن" کی طرف ہے جو ہرات اور نيساپور کے درمیان ایک بڑا خوبصورت شہر ہے۔

تراجم فقہاء

ابن عمر

بعض تصانیف: "جمع الجوامع" ہے، اس میں انہوں نے کتب شافعی کا اختصار کیا ہے۔ سبکی نے الطبقات میں لکھا ہے کہ انہوں نے اس کتاب میں "الكتاب القلیم"، "المبسوط"، "الأمالی"، کو، اور "الجامع الکبیر" اور "المختصر" میں مزنی کی روایت کو جمع کیا ہے۔

[طبقات الشافعیۃ الکبریٰ ۲/۲۲۷: طبقات الشافعیۃ لابن ہدایہ ص ۲۸: لا علام ۱/۲۰۱: معجم المؤلفین ۲/۱۰۳]

ابن عقیل الحنبلی (۴۳۱-۵۱۳ھ)

یہ علی بن عقیل بن محمد بن عقیل، ابو الوفاء، بغدادی، ہنفری، حنبلی ہیں، ابن عقیل سے مشہور ہیں، فقیہ، اصولی، قاری اور واعظ تھے، قاضی ابو یعلیٰ وغیرہ سے علم فقہ حاصل کیا، ابو علی بن الولید، اور ابو القاسم بن تبان وغیرہ سے علم کلام حاصل کیا، اور ابو محمد جوہری سے روایت کی۔

سلکی نے کہا ہے: ان جیسا میں نے نہیں دیکھا، ان کے زبردست علم، فصاحت و بلاغت اور قوت دلیل کے پیش نظر کوئی ان کے سامنے بات نہیں کر سکتا تھا۔

بعض تصانیف: "تفصیل العبادات علی نعیم الجنات"، اور "كتاب الفنون" جس کے کچھ اجزاء باقی ہیں، جب کہ اس کی چار سو جلدیں تھیں۔ وہی نے "تاریخ" میں لکھا ہے: دنیا میں "كتاب الفنون" سے بڑی کتاب نہیں لکھی گئی، "الفضول" فقہ حنبلی میں، اور "الفرق"۔

[شذرات الذہب ۴/۳۵۵: مرآة الجنان ۲/۲۰۴: لا علام ۵/۱۲۹: معجم المؤلفین ۷/۱۵۱]

ابن عمر:

ان کے حالات ج ۱ ص ۴۳۶ میں گزر چکے۔

ابن فرحون

تراجم فقہاء

ابن کنان

ابن فرحون:

ابن القطان: یہ عبداللہ بن عدی ہیں:
دیکھئے: ابن عدی۔

ان کے حالات ج ۱ ص ۴۳۷ میں گزر چکے۔

ابن القاسم:

ابن القیم:

ان کے حالات ج ۱ ص ۴۳۷ میں گزر چکے۔

ان کے حالات ج ۱ ص ۴۳۸ میں گزر چکے۔

ابن القاص:

ابن کمال باشا (؟-۹۴۰ھ)

دیکھئے: احمد بن ابی احمد۔

یہ احمد بن سلیمان بن کمال باشا، شمس الدین ہیں، قاضی تھے، ان کا شمار علماء حدیث و رجال میں ہوتا ہے۔

ابن قتیبہ (۲۱۳-۲۷۶ھ)

التاجی نے کہا ہے: شاید ہی کوئی فن ایسا ہو جس میں ابن کمال باشا کی تصنیف نہ ہو۔ ترکی نثر اور عربی تھے، ”اورنہ“ میں تعلیم حاصل کی، پھر اورنہ کے مدرسہ علی بیک، اسکوای خلیفہ، ثمان، سلطان بایزید خان میں مدرس ہوئے، پھر وہیں کے قاضی بنے، اور بعد میں وفات تک آستانہ کے مفتی رہے۔

یہ عبداللہ بن مسلم بن قتیبہ، ابو محمد دینوری ہیں، ائمہ ادب اور کثیر الاصانف لوگوں میں سے ہیں، عالم تھے، مختلف علوم میں ماہر تھے، مثلاً لغت، نحو، غریب القرآن و معانی القرآن، غریب الحدیث، شعر، فقہ، اخبار، عام لوگوں کے حالات وغیرہ۔ بغداد میں سکونت پذیر تھے، وہاں حدیث کا درس دیا، اور دینور کے قاضی رہے۔

بعض تصانیف: ”ایضاح الاصلاح“ فقہ حنفی میں، ”تغییر التنقیح“ اصول فقہ میں، ”مجموعۃ رسائل“ جس میں ۳۶ رسائل ہیں، اور ”طبقات الفقہاء“۔

بعض تصانیف: ”تاویل مختلف الحدیث“، ”الإمامة والسیاسة“، ”مشکل القرآن“، ”المسائل والأجوبة“، اور ”المشتبه من الحدیث والقرآن“۔

[الفوائد البیہ ص ۲۱؛ الشقائق العثمانیہ ۲۲۶؛ الکوکب السائرہ ۲/۱۰۷؛ الاعلام ۱/۱۳۰]

[شذرات الذہب ۱۶۹/۲؛ أنجوم الزہرة ۷۵/۳؛ تذکرۃ الحفاظ ۱۸۵/۲؛ تہذیب لآسماء والملفات ۲۸۱/۲؛ لآعلام ۲۸۰/۴]

ابن کنان (۱۰۷۴-۱۱۵۳ھ)

ابن قدامہ:

یہ محمد بن عیسیٰ بن محمود بن محمد بن کنان حنبلی، صالحی، دمشقی، خلوتی ہیں، مؤرخ، اور بعض علوم میں ماہر تھے، اپنے والد کے سایہ میں پرورش پائی، اور اپنے والد کے وفات پانے کے بعد ان کی جگہ شیخ بنے، اور تا حیات اسی پر باقی رہے، دمشق میں انتقال ہوا۔

ان کے حالات ج ۱ ص ۴۳۸ میں گزر چکے۔

ابن الملاحون

بعض تصانیف: "الحوادث اليومية"، "المروج السندسية"،
 "حلائق الیاسمین"، اور "الاكتفاء فی مصطلح الملوك
 والخلفاء"۔

[سلک الدرر ۳/۸۵: معجم المؤلفین ۱۱/۱۰۸: لا علام ۷/۲۱۶]

ابن الملاحون:

ان کے حالات ج ۱ ص ۴۳۹ میں گزر چکے۔

ابن المحامی:

دیکھئے: المحامی۔

ابن مسعود:

ان کے حالات ج ۱ ص ۴۷۶ میں گزر چکے۔

ابن منفلح:

ان کے حالات ج ۱ ص ۴۴۰ میں گزر چکے۔

ابن مکرم:

دیکھئے: محمد بن مکرم۔

ابن المنذر:

ان کے حالات ج ۱ ص ۴۴۰ میں گزر چکے۔

ابن منظور (۶۳۰-۷۱۱ھ)

یہ محمد بن مکرم بن علی، ابو الفضل انصاری، روشنی، فریقی ہیں،
 امام لغوی، اور حجت تھے، "دیوان انشاء" قاہرہ میں ملازمت کی، پھر

تراجم فقہاء

ابن مانع

طرابلس کے قاضی بنائے گئے، اس کے بعد مصر واپس آ گئے، اور وہیں
 وفات پائی۔ صفدی نے کہا ہے: مجھے کتب ادب میں کوئی ایسی چیز نہ ملی
 جس کا انہوں نے اختصار نہ کیا ہو۔

بعض تصانیف: "لسان العرب"، "مختار الأغانی"، "مختصر
 تاریخ دمشق لابن عساکر"، "لطائف الذخيرة"، اور
 "مختصر تاریخ بغداد"۔

[شذرات الذہب ۶/۲۶: نوات الوفيات ۴/۴۹۶: لا علام

۷/۳۲۹]

ابن المواز:

ان کے حالات ج ۲ ص ۵۶۹ میں گزر چکے۔

ابن مانع (؟-۱۸۶ھ)

یہ عبد اللہ بن مانع مولیٰ بن ابی مانع صانع مخزومی (یہ نسبت
 موالاتہ کے اعتبار سے ہے)، ابو محمد، مدنی ہیں، فقیہ، اور امام مالک
 کے کبار تلامذہ میں سے تھے، ان کا شمار مدینہ کے ائمہ فتویٰ میں
 ہے۔ چالیس سال تک امام مالک کی صحبت میں رہے، ان ہی سے
 فقہ کا علم حاصل کیا، وہ بہرے تھے، سنائی نہیں دیتا تھا۔ اہلب ان
 کے لئے اور اپنے لئے لکھا کرتے تھے، انہوں نے امام مالک،
 لیث، عبد اللہ بن عمر العمری، اور عبد اللہ بن مانع وغیرہ سے روایت
 کی، اور خود ان سے سلمہ بن شبيب، حسن بن علی خلائی، اور احمد بن
 صالح مصری وغیرہ نے روایت کی ہے۔

بعض تصانیف: "تفسیر الموطأ" ہے۔

[الديباج المذہب ۱/۳۱: شجرة النور الزكية ۵۵: معجم

المؤلفین ۶/۱۵۸: تہذیب المعانی ۶/۵۰]

ابن النجار الحنبلی

ابن النجار الحنبلی:

دیکھئے: الفتوحی۔

تراجم فقہاء

ابو حازم

ابو البقاء الکفوی:

ان کے حالات ج ۱ ص ۴۴۲ میں گزر چکے۔

ابن نجیم: یہ زین الدین ہیں:

ان کے حالات ج ۱ ص ۴۴۱ میں گزر چکے۔

ابو بکر الرازی (البصاص):

ان کے حالات ج ۱ ص ۴۵۶ میں گزر چکے۔

ابن نجیم: یہ عمر بن ابراہیم ہیں:

ان کے حالات ج ۱ ص ۴۴۱ میں گزر چکے۔

ابو بکر الحنبلی:

ان کے حالات ج ۱ ص ۴۴۳ میں گزر چکے۔

ابن الہمام:

ان کے حالات ج ۱ ص ۴۴۱ میں گزر چکے۔

ابو بکر بن عبد الرحمن:

ان کے حالات ج ۱ ص ۴۴۳ میں گزر چکے۔

ابو اسحاق الاسفرائینی:

ان کے حالات ج ۱ ص ۴۴۲ میں گزر چکے۔

ابو بکر الصدیق:

ان کے حالات ج ۱ ص ۴۴۲ میں گزر چکے۔

ابو امامہ الباہلی (؟-۸۱ھ)

یہ ضد جی بن عجلان بن وہب، ابو امامہ باہلی ہیں، کنیت ان کے امام پر غالب ہے، صحابی رسول ہیں، جنگ صفین میں حضرت علی کے ساتھ تھے۔ انہوں نے نبی کریم ﷺ، حضرت عمر، عثمان، علی، ابو عبیدہ، معاذ، ابو ذر اور عبادہ بن صامت وغیرہ سے روایت کی ہے، اور خود ان سے ابو سلام اسود، محمد بن زیاد البہانی اور خالد بن معدان وغیرہ نے روایت کی ہے۔ سرزمین حمص میں وفات پائی، شام میں وفات پانے والے آخری صحابی یہی ہیں۔ صحیحین میں ان سے ۲۵۶ احادیث مروی ہیں۔

ابو بکر بن اعرابی:

ان کے حالات ج ۱ ص ۴۳۵ میں گزر چکے۔

ابو ثور:

ان کے حالات ج ۱ ص ۴۴۳ میں گزر چکے۔

ابو حازم (؟-۱۴۰ھ)

یہ سلمہ بن دینار، ابو حازم ہیں، ان کو ”عرج“ (لنگڑا) کہا جاتا ہے، مدینہ کے عالم، قاضی اور شیخ تھے۔ انہوں نے سہل بن سعد ساعدی، ابو امامہ بن سہل اور سعید بن مسیب وغیرہ سے روایت کی،

[الاصابہ ۲/۱۸۲: الاستیعاب ۲/۳۶۶: طبقات ابن سعد

۲/۳۱۱: لا اعلام ۳/۲۹۱]

ابوالحسن الکرخی

تراجم فقہاء

ابوالخطاب

اور خود ان سے زہری، عبید اللہ بن عمر، اور سلیمان بن بلال وغیرہ نے روایت کی ہے۔

زہد و عابد تھے، سلیمان بن عبد الملک نے ان کے پاس قاصد بھیجا کہ میرے پاس آ جائیں، انہوں نے کہا: اگر ان کو ضرورت ہو تو آ جائیں، مجھے تو ان کی کوئی ضرورت نہیں۔

[تہذیب التہذیب ۳/۱۴۳: صفحہ الصفوة ۲/۸۸: تذکرۃ

الحفاظ ۱۲۵: لا اعلام ۳/۱۷۱]

ابوالحسن بن المرزبان (؟-۳۶۶ھ)

یہ علی بن احمد بن المرزبان، ابوالحسن بن مرزبان، بغدادی، شافعی ہیں، فقیہ تھے، بغداد میں درس دیا، مذہب شافعی کے ائمہ اور اصحاب وجوہ میں سے تھے۔ خطیب نے کہا ہے: مشائخ و افاضل میں سے تھے۔ انہوں نے یہ بھی کہا ہے: شیخ ابو حامد (غزالی) نے بغداد آتے ہی ان سے درس لیا۔

[شذرات الذہب ۳/۵۶: معجم المؤلفین ۷/۱۲]

ابوالحسن المعزلی (؟-۴۳۶ھ)

یہ محمد بن علی بن طیب، ابو الحسن، بصری، معزلی ہیں، اصولی، متکلم، اور معزلیہ کے ائمہ میں سے ہیں۔ ابن خلکان نے کہا: ان کی بات بڑی عمدہ، عبارت پر شکوہ، اور ان کے یہاں مضامین کی بھرمار تھی، وہ امام وقت تھے۔ خطیب بغدادی نے کہا ہے: ان کی بہت سی تصانیف ہیں، اپنی ذکاوت اور دیانت داری میں بدعت کے باوجود مشہور تھے، اصول میں ان کی بڑی اعلیٰ تصانیف ہیں۔ بصرہ میں ولادت ہوئی، بغداد میں سکونت پذیر رہے، اور وہیں وفات پائی۔ بعض تصانیف: "المعتمد" اصول فقہ میں، "تصفح الأدلة"، اور "غرد الأدلة" یہ سب اصول فقہ میں ہیں۔

[شذرات الذہب ۳/۲۵۹: وفیات لا عیان ۱/۶۰۹: انجوم الزاہرہ ۵/۳۸: معجم المؤلفین ۱۱/۲۰: لا اعلام ۷/۱۶۱]

ابو حنیفہ:

ان کے حالات ج ۱ ص ۴۴۴ میں گزر چکے۔

ابوالخطاب:

ان کے حالات ج ۱ ص ۴۴۴ میں گزر چکے۔

ابوالحسن الکرخی:

ان کے حالات ج ۱ ص ۴۸۶ میں گزر چکے۔

ابوالحسن المغربی (؟-۱۱۹۹ھ)

یہ ابو الحسن بن عمر بن علی قلعی، مغربی، مالکی ہیں، فقیہ، اصولی، متکلم اور منطقی تھے۔ مغرب (مراکش) کے باشندے تھے، ۱۱۵۴ھ میں مصر آئے، مشائخ وقت مثلاً بلیدی، بلوی، جوہری، اور صغیدی کی خدمت میں حاضر ہوئے، دو یا تین بار اہل مغرب کی مشیخت کا منصب عزت نفس و جرات کے ساتھ سنبھالا، بڑے رعب و داب والے اور ذی اثر تھے، ان کا شمار مشائخ کبار میں تھا۔

بعض تصانیف: "حاشیۃ علی السلم للأخضری" منطق میں، "شرح علی دیباجة شرح العقيدة المسماء بام البراہین للسوسی"، "بلوغ القصد بتحقیق مباحث الحمد"، "ذیل الفوائد"، "فراند الزوائد علی کتاب الفوائد والصلوات والفوائد"۔

[شجرة النور الزكية ص ۴۳۳: معجم المؤلفین ۳/۲۶۷: نہرس

التیموریہ ۱/۷۴]

ابوداؤد

تراجم فقہاء

ابوسلیمان الجوزجانی

ابوداؤد:

کے آخر عہد خلافت میں مدینہ میں وفات پائی۔

ان کے حالات ج ۱ ص ۴۴۴ میں گزر چکے۔

[اسد الغابہ ۱/ ۷۷؛ الاستیعاب ۱/ ۸۳؛ الاصابہ ۱/ ۱۵]

ابوالدرداء (؟-۳۲ھ)

ابوالسعود (۸۹۸-۹۸۲ھ)

یہ عویمر بن مالک بن قیس بن امیہ، ابودرداء انصاری ہیں، بنو خزرج میں سے ہیں، صحابی تھے، بعثت نبوی سے قبل وہ مدینہ کے تاجر تھے، اور اسلام لانے کے بعد شجاعت و عبادت میں شہرت پائی۔ حضرت عمر بن خطاب کے حکم سے حضرت معاویہ نے ان کو دمشق کا قاضی مقرر کیا، اور یہی وہاں کے سب سے پہلے قاضی ہیں۔ ابن الجزری نے کہا: علماء و حکماء میں سے تھے، عہد نبوت میں بلا اختلاف پورا قرآن حفظ کرنے والوں میں ایک یہ بھی ہیں۔ کتب حدیث میں ان سے ۱۷۹ احادیث مروی ہیں۔

یہ محمد بن محمد بن مصطفیٰ عمادی، ابوالسعود ہیں، حنفی فقیہ، اصولی، مفسر، اور شاعر ہیں، قسطنطنیہ کے قریب ایک مقام پر ولادت ہوئی، عربی، فارسی اور ترکی زبانوں سے واقف تھے، مختلف شہروں میں پڑھا پڑھایا، ”بروسہ“ پھر قسطنطنیہ، پھر روم ایللی کے قاضی مقرر ہوئے، اور ۹۵۲ھ میں منصب افتاء بھی انہی کے سپرد ہو گیا، اپنے زمانہ کے علماء حنفی کی ریاست انہی پر ختم ہو گئی، بڑے حاضر و ماغ اور برجستہ کو تھے۔ بعض تصانیف: ”ارشاد العقل السلیم الی مزایا الکتاب الکرم“ تفسیر قرآن میں، ”تہافت الأمجاد“ فقہ حنفی کی فروعات میں، ”تحفۃ الطلاب“، اور ”رسالة فی المسح علی الخفین“۔

[الاستیعاب ۳/ ۱۲۲؛ الاصابہ ۳/ ۴۵؛ اسد الغابہ ۳/ ۱۵۹؛

لأعلام ۵/ ۲۸۱]

ابورافع (؟-۳۵ھ)

[الفوائد البہیہ ص ۸۱؛ شذرات الذہب ۸/ ۳۹۸؛ الاعلام ۷/ ۲۸۸؛ معجم المؤلفین ۱۱/ ۳۰؛ العقد المنظوم فی ذکر أفاضل الروم بہامش وفيات لأعیان ۲/ ۲۸۲ اور اس کے بعد کے صفحات]

ابوسعید الخدری:

ان کے حالات ج ۱ ص ۴۴۵ میں گزر چکے۔

ابوسلیمان الجوزجانی (؟-۲۰۰ھ کے بعد)

یہ موسیٰ بن سلیمان، ابوسلیمان جوزجانی پھر بغدادی، حنفی ہیں، اصلاً ”جوزجان“ کے ہیں، جو افغانستان میں ضلع بلخ کا ایک گاؤں ہے، فقیہ تھے، امام محمد بن الحسن کی صحبت میں رہے، اور ان ہی سے فقہ کا

نام اُسلم ہے، رسول اللہ ﷺ کے آزاد کردہ غلام تھے، کنیت ابورافع ہے، اور کنیت ہی ان کے نام پر غالب ہے، اور ان کے نام کے بارے میں اختلاف ہے، ایک قول: اُسلم ہے، اور یہی سب سے مشہور قول ہے، دوسرا قول: ابراہیم ہے، تیسرا قول: ہرمز ہے۔ واللہ اعلم۔ نسلاً قبلی تھے، حضرت عباس بن عبدالمطلب کے غلام تھے، انہوں نے ان کو رسول اللہ ﷺ کو بیہ کر دیا تھا۔ ابورافع نے حضرت عباس کے اسلام لانے کی خوش خبری جب رسول اللہ ﷺ کو سنائی تو آپ ﷺ نے ان کو آزاد کر دیا۔

ابورافع اُحد اور بعد کی جنگوں میں شریک رہے، اور حضرت عثمانؓ

ابوہل

تراجم فقہاء

ابوعلیٰ السنجی

علم حاصل کیا، مامون نے ان کو قضاء کی پیشکش کی تو انہوں نے کہا: امیر المؤمنین! قضاء سے متعلق اللہ کے حقوق کا تحفظ کیجئے، اور مجھ جیسے کو اپنی امانت نہ سونپئے کیونکہ بخدا غصہ کے معاملہ میں مجھ پر بھروسہ نہیں کیا جاسکتا، اس لئے مجھے پسند نہیں کہ اللہ کے بندوں کے مسائل کا فیصلہ کروں، یہ سن کر مامون نے ان کو چھوڑ دیا۔

بعض تصانیف: "السير الصغير"، "الصلاة"، "الرهن"، اور "نوادير الفتاوى" فروع حنفیہ میں۔

[الجوہر المفیہ ۱۸۶/۲: معجم المؤلفین ۳۹/۳: الفوائد ۲۱۶: ص ۲۱۶: الاعلام ۸/۲۷۲: تاج التراجم ص ۷۴]

ابوہل (۱۸۹ھ سے قبل باحیات تھے)

یہ موسیٰ بن نصیر یا ابن نصر رازی، ابوہل ہیں، فقیہ اور محمد بن الحسن شیبانی کے تلامذہ میں سے تھے۔ ان سے ابوعلیٰ دقاق اور ابوسعید ہرثی نے فقہ کا علم حاصل کیا، اور انہوں نے عبدالرحمن بن مغراء ابوہریرہ سے حدیث کی روایت کی۔ عبدالرحمن بن مغراء سے روایت کرنے والے آخری شخص یہی ہیں۔

بعض تصانیف: "كتاب الشفعة"، "كتاب المخارج" جو اپنے موضوع پر انوکھی کتاب ہے۔

[الجوہر المفیہ ۱۸۸/۲: تاج التراجم ص ۷۴: الفوائد ص ۲۱۶: معجم المؤلفین ۳۹/۳]

ابوطالب (؟-۲۴۴ھ)

یہ احمد بن حمید، ابوطالب مشکانی ہیں، انہوں نے امام احمد سے بہت سے مسائل نقل کئے ہیں، امام احمد ان کا اکرام و احترام کرتے تھے۔ ان سے ابو محمد نوزان اور زکریا بن یحییٰ وغیرہ نے روایت کی

ہے۔ ابو بکر خلال نے ان کا تذکرہ کرتے ہوئے کہا ہے: قدیم زمانہ سے وفات تک امام احمد کی صحبت میں رہے۔ نیک شخص اور فاقہ مست فقیر تھے، تو ابو عبد اللہ نے ان کو قناعت اور کمانے کی تعلیم دی۔

[طبقات الحنابلہ ۱/۹۹: مناقب الامام احمد بن حنبل ص ۵۰۶]

ابوطلمحہ (۳۶۱ق ھ-۳۴۳ھ)

یہ زید بن سہل بن اسود بن حزام نجاری انساری صحابی ہیں، زمانہ جاہلیت اور اسلام دونوں میں ان کا شمار بہادر تیر اندازوں میں تھا۔ مدینہ میں پیدا ہوئے، اسلام آنے کے بعد اس کے زبردست حامی ہوئے، بیعت عقبہ، غزوہ بدر، احد، خندق اور دوسرے تمام غزوات میں شریک ہوئے۔ حضور ﷺ سے کئی احادیث روایت کی ہیں۔ ان سے ان کے پروردہ انس بن مالک، عبد اللہ بن عباس اور ان کے بیٹے عبد اللہ وغیرہ نے روایت کی۔ مدینہ میں وفات پائی۔

[تہذیب ابن عساکر ۶/۴: صفحہ الصفوة ۱/۱۹۰: الاستیعاب ۵۵۳/۲: الاعلام ۳/۹۷]

ابوعبیدہ بن الجراح:

ان کے حالات ج ۲ ص ۵۷۳ میں گزر چکے۔

ابوعبیدہ القاسم بن سلام:

ان کے حالات ج ۱ ص ۴۴۵ میں گزر چکے۔

ابوعلیٰ السنجی (؟-۴۲۷ھ اور ایک قول ۴۳۰ھ)

یہ حسین بن شعیب بن محمد، ابوعلیٰ بنی شافعی ہیں، اپنے دور میں شہر

ابو الفضل الموصلی

تراجم فقہاء

ابی بن کعب

”مرؤ“ کے فقیہ تھے، ان کی نسبت ”سنج“ کی طرف ہے جو ”مرؤ“ کا ایک گاؤں ہے۔ ابو بکر قتال مروزی اور ابو محمد جوینی وغیرہ سے خراسان میں فقہ کا علم حاصل کیا۔

بعض تصانیف: ”شرح التلخیص“ لابی العباس بن القاسم، کتاب ”المجموع“، ”شرح مختصر المزنی“، ”شرح الفروع“، لابن خداویں، یہ سب کتابیں فروع فقہ شافعی میں ہیں، اور انہوں نے مسند شافعی کو جمع کیا تھا۔

[وفیات لأعیان ۴۰۱/۱؛ طبقات الشافعیہ لابن ہدایت اللہ ص ۴۸؛ لأعلام ۲/۵۸۸؛ معجم المؤلفین ۱۱/۴؛ تہذیب لاسماء والملغات ۲/۲۶۱]

ابو الفضل الموصلی:

ان کے حالات ج ۲ ص ۶۰۴ میں گزر چکے۔

ابو قلابہ:

ان کے حالات ج ۱ ص ۴۴۶ میں گزر چکے۔

ابواللیث:

ان کے حالات ج ۱ ص ۴۴۶ میں گزر چکے۔

ابو مسعود (؟- ۴۲ھ)

یہ عقبہ بن عمرو بن ثعلبہ، ابو مسعود انصاری ہیں، قبیلہ خزرج کے تھے، مشہور صحابی ہیں، اپنی کنیت ابو مسعود بدری کے واسطے سے معروف ہیں، بدر میں سکونت پذیر ہونے کی وجہ سے ان کو بدری کہا جاتا ہے۔ بیعت عقبہ، احد اور بعد کے غزوات میں شریک

ہوئے، غزوہ بدر میں ان کی شرکت مختلف فیہ ہے۔ اکثر کے نزدیک ”بدر“ میں قیام کی وجہ سے ان کو بدری کہا جاتا ہے، جب کہ امام بخاری یقین کے ساتھ کہتے ہیں کہ وہ ”بدر“ میں شریک ہوئے، وہ کوفہ بھی آئے تھے، اور وہاں سکونت اختیار کر لی تھی، حضرت علیؑ نے ”صفین“ کی طرف جاتے وقت ان کو کوفہ میں اپنا نائب مقرر کیا تھا۔

[الاصابہ ۲/۴۹۰؛ الاستیعاب ۳/۴۷۳؛ طبقات ابن سعد ۲/۱۲۶؛ لأعلام ۵/۳۷۳؛ تہذیب التہذیب ۷/۲۴۷]

ابوموسیٰ الاشعری:

ان کے حالات ج ۱ ص ۴۴۷ میں گزر چکے۔

ابونصر بن الصبارغ:

دیکھئے: ابن الصبارغ۔

ابو ہریرہ:

ان کے حالات ج ۱ ص ۴۴۷ میں گزر چکے۔

ابویعلیٰ الفراء:

ان کے حالات ج ۱ ص ۴۸۳ میں گزر چکے۔

ابویوسف:

ان کے حالات ج ۱ ص ۴۴۷ میں گزر چکے۔

ابی بن کعب (؟- ۲۱ھ)

یہ ابی بن کعب بن قیس بن عبیدہ، ابو المنذر ہیں، قبیلہ خزرج کی شاخ بنو نجار میں سے تھے، انصاری صحابی ہیں، کاتبین وحی میں سے ہیں،

الأتاسی

تراجم فقہاء

الأزہری

بدر، أحد خندق اور دوسرے تمام غزوات میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ شریک رہے، عہد رسالت میں فتویٰ دیتے تھے، ”جابیہ“ کے موقع پر حضرت عمرؓ کے ساتھ موجود تھے، حضرت عثمان نے ان کو قرآن جمع کرنے کا حکم دیا، چنانچہ جمع قرآن میں شریک ہوئے۔ صحیحین وغیرہ میں ان سے ۱۶۴ احادیث مروی ہیں۔ حضور ﷺ نے حضرت ابی بن کعب اور طلحہ بن عبید اللہ کے درمیان مواخاۃ کرائی تھی۔ حضرت انس بن مالک کی روایت میں فرمان نبوی ہے: ”اقرأ أمسي أبي بن كعب“ (میری امت کے سب سے بڑے قاری ابی بن کعب ہیں)۔

[الاستيعاب ۱/۶۵؛ الاصابہ ۱/۱۹؛ اسد الغابہ ۱/۴۹؛ طبقات ابن سعد ۳/۴۹۸؛ لأعلام ۱/۷۸]

الأتاسی (۱۲۵۳-۱۳۲۶ھ)

یہ خالد بن محمد بن عبد الستار اتاسی ہیں، فقیہ، شاعر اور حمص کے مفتی تھے۔ ولادت و وفات حمص میں ہی ہوئی۔ فقہ و ادب ان کا مشغلہ رہا۔ بعض تصانیف: ”شرح مجلة الأحكام الشرعية“ جو کتاب البیوع سے دفعہ ۱۷۲۸ تک ہے، پھر اس کی تکمیل ان کے صاحبزادے محمد طاہر نے کی ہے جو چھ جلدوں میں شائع ہوئی، اور ”الأجوبة النفائس فی حکم ما اندرس من المقابر والمساجد والمدارس“۔

[لأعلام ۲/۴۹۸؛ معجم المؤلفین ۳/۹۷]

الأثرم:

ان کے حالات ج ۱ ص ۴۴۸ میں گزر چکے۔

الأجہوری:

ان کے حالات ج ۱ ص ۴۴۸ میں گزر چکے۔

احمد بن ابی احمد (؟-۳۳۵ھ)

یہ احمد بن ابی احمد طبری، شافعی ہیں، ابن القاص سے معروف ہیں، فقیہ تھے، ابو العباس بن سرتج سے فقہ کا علم حاصل کیا، اور ان سے اہل طبرستان نے فقہ کا علم حاصل کیا۔ ابن السمعی نے کہا ہے: قاص وہ ہے جو وعظ کہے اور قصے بیان کرے، ان کے والد قاص سے معروف ہوئے، اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ بلاد و یلم میں گئے، اور جہاد کی ترغیب میں لوگوں کو اخبار اور قصے سنائے، پھر بلاد روم میں غازی بن کر آئے، وہیں قصے سنار ہے تھے کہ ان پر وجد اور خشیت طاری ہوئی اور وفات ہو گئی، رحمہ اللہ تعالیٰ۔

بعض تصانیف: ”التلخیص فی فروع الفقہ الشافعی“، ”أدب القاضي“، ”كتاب المواقیت“ اور ”فتاویٰ“۔

[شذرات الذہب ۲/۳۳۹؛ لأعلام ۱/۸۶؛ معجم المؤلفین ۱/۴۹۸؛ تہذیب الاسماء والمغات ۲/۲۵۲؛ معجم المطبوعات ص ۷۹]

احمد بن حنبل:

ان کے حالات ج ۱ ص ۴۴۸ میں گزر چکے۔

الأرموی (؟-۹۳۱ھ)

شاید یہ عرفہ بن محمد ارموی، زین الدین دمشقی، شافعی ہیں، وہ فرائض اور حساب کے ماہر تھے۔

بعض تصانیف: ”حاشیة علی نزہة النظر“، اور ”شرح منظومة الوهاب للرمزی“ حساب میں۔

[معجم المؤلفین ۶/۲۷۹؛ ہدیۃ العارفین ۱/۶۶۳]

الأزہری:

ان کے حالات ج ۱ ص ۴۴۹ میں گزر چکے۔

اسحاق بن راہویہ

تراجم فقہاء

امام الحرمین

اسحاق بن راہویہ:

ان کے حالات ج ۱ ص ۴۴۹ میں گزر چکے۔

اسماء بنت ابی بکر الصدیق:

ان کے حالات ج ۱ ص ۴۴۹ میں گزر چکے۔

ابو سنوی (۷۰۴-۷۷۲ھ)

یہ عبدالرحیم بن حسن بن علی، ابو محمد سنوی، شافعی، جمال الدین ہیں، فقیہ، اصولی، مفسر اور مؤرخ تھے۔ صغیر مصر کے علاقہ ”إسنا“ میں پیدا ہوئے، ۷۲۱ھ میں قاہرہ آ گئے۔ حدیث سنی، مختلف علوم میں مشغول رہے۔ انہوں نے زکلوئی، سنباطی، سکی، اور قزوینی وغیرہ سے فقہ کا علم حاصل کیا، شافعیہ کی ریاست انہیں پر ختم ہو گئی۔ احتساب کے ذمہ دار بنے، مختلف کام کئے، کتابیں لکھیں۔

بعض تصانیف: ”المبہمات علی الروضة“ فقہ میں، ”الأشباہ والنظائر“، ”الهدایة إلی أوهام الکفایة“، ”طراز المحافل“، ”مطالع الدقائق“، اور ”الجواهر المضیة فی شرح المقدمة الرحیبة“۔

[شذرات الذہب ۲/۲۲۳؛ البدر الطالع ۱/۳۵۲؛ الدرر

الکامنہ ۲/۳۵۴؛ لا ۴/۱۱۹؛ معجم المؤلفین ۵/۲۰۳]

اشہب:

ان کے حالات ج ۱ ص ۴۵۰ میں گزر چکے۔

اصغ:

ان کے حالات ج ۱ ص ۴۵۰ میں گزر چکے۔

افضل الدین الخونجی (۵۹۰-۶۴۶ھ)

یہ محمد بن مامور بن عبدالملک، افضل الدین خونجی، شافعی، ابو عبداللہ ہیں، حکیم، منطقی، طبیب تھے، شرعی علوم میں ماہر تھے، علوم اوائل میں اس قدر آ گئے تھے کہ اس کی سربراہی میں یکتائے روزگار تھے، مصر اور مضافات مصر کے قاضی رہے، فتویٰ دیا، اور قاہرہ میں وفات پائی۔

بعض تصانیف: ”الموجز“، ”الأسرار“، ”مختصر نہایة الأمل فی الجمل“، ”مقالة فی الحدود والرسوم“، اور ”أدوار الحمیات“۔

[طبقات الشافعیہ ۵/۴۳؛ شذرات الذہب ۵/۲۳۶؛ معجم المؤلفین ۱۲/۷۳؛ ہدیۃ العارفین ۲/۱۲۳]

امام الحرمین (۴۱۹-۴۷۸ھ)

یہ عبدالملک بن عبداللہ بن یوسف بن محمد جوینی، ابو المعالی ہیں، ضیاء الدین لقب، اور امام الحرمین سے معروف ہیں، علماء شوافع میں بڑے ذی علم لوگوں میں سے تھے۔ ”جوین“ میں پیدا ہوئے، ان کی امامت اور وسعت علم پر اجماع تھا، اپنے والد سے فقہ کا علم حاصل کیا، اور ان کی تمام کتابوں کو پڑھا، ان پر کام کیا، یہاں تک کہ ان سے تحقیق و تدقیق میں آ گئے بڑھ گئے۔ انہوں نے چار سال تک مکہ اور مدینہ کی مجاورت کی اور مدرس اور فتویٰ نویسی کا کام کرتے رہے اور مذہب کے تمام طریقوں پر عمل پیرا رہے، اور اسی وجہ سے ان کو امام الحرمین کہا گیا۔ مدرسہ نظامیہ شہر نیساپور کے خطیب رہے، ”وقوف“ ان کے حوالے تھا، تیس سال تک اس منصب پر فائز رہے۔

بعض تصانیف: ”نہایة المطلب فی درایة المذہب“ فقہ شافعی میں، ”الشامل“، ”الإرشاد“ دونوں اصول دین میں، اور ”البرہان“ اصول فقہ میں۔

اُم ہانی

تراجم فقہاء

البرکوی

[وفیات لأعیان ۳۴۱/۳؛ طبقات الشافعیہ ۳۴۹/۳؛

لأعلام ۳۰۶/۳]

اُم ہانی:

ان کے حالات ج ۲ ص ۶۵۷ میں گزر چکے۔

ب

انس بن مالک:

ان کے حالات ج ۲ ص ۶۵۷ میں گزر چکے۔

الباہرتی:

ان کے حالات ج ۱ ص ۴۵۱ میں گزر چکے۔

الاوزاعی:

ان کے حالات ج ۱ ص ۴۵۱ میں گزر چکے۔

الباجی:

ان کے حالات ج ۱ ص ۴۵۱ میں گزر چکے۔

ایاس بن سلمہ (؟-۱۱۹ھ)

یہ ایاس بن سلمہ بن اکوع اسلمی، ابو سلمہ ہیں، ان کو ابو بکر مدنی کہا جاتا ہے۔ انہوں نے اپنے والد اور عمار بن یاسر کے ایک لڑکے سے روایت کی ہے۔ اور خود ان سے ان کے دو بیٹوں سعید و محمد، مکرمہ بن عمار، اور عمر بن راشد وغیرہ نے روایت کی ہے۔

ابن معین، بخلی اور نسائی نے کہا: ثقہ ہیں۔ ابن سعد نے کہا ہے: ۷۷ سال کی عمر میں مدینہ میں وفات پائی، ثقہ تھے، ان کی بہت سی احادیث ہیں۔ ابن حبان نے ان کا ذکر ثقات میں کیا ہے۔

[تہذیب التہذیب ۳۸۸/۳؛ شذرات الذہب ۱۵۶/۱؛

طبقات ابن سعد ۵۵۵/۵]

الباقلانی:

ان کے حالات ج ۱ ص ۴۵۲ میں گزر چکے۔

البخاری:

ان کے حالات ج ۱ ص ۴۵۲ میں گزر چکے۔

البرکوی (۹۲۹-۹۸۱ھ)

یہ محمد بن بیر علی، محی الدین برکوی، برومی، حنفی ہیں، فقیہ، محدث، مفسر، واعظ، نحوی تھے، ان کے علاوہ علوم میں بھی دسترس تھی۔ قصبہ ”برکی“ میں ایک مدرسہ کی بنیاد رکھی، جس میں تدریس ان ہی کے حوالے تھی، اس لئے کبھی درس دیتے تو کبھی وعظ کتے، اس طرح ان کے درس وعظ سے عوام نے اور درس علم سے طلبہ نے فائدہ اٹھایا۔

بعض تصانیف: ”إنقاذ الہالکین فی عدم جواز الأجزاء

البرہان الحکمی

تراجم فقہاء

بلال بن الحارث

بالأجرة“ فقہ میں، ”إيقاظ النائمین وإلہام القاصرین“،
”حاشیہ شرح الوقایۃ لصدور الشریعۃ“، اور ”ذخر
المشاہلین والنساء فی تعریف الأطہار والدماء“۔
[معجم المؤلفین ۱۲۴/۹: المجددون فی الاسلام ۳/۷۷: ہدیۃ
العارفین ۲/۲۵۲]

ہو گئے، فقہ کا علم حاصل کیا، اور مشہور ہوئے۔ عزالدین بن جماع، اور
شیخ قمبر عجمی کی مصاحبت اختیار کی، ان کے ہاتھ پر بہت سے لوگ
فارغ ہوئے۔ ان سے تحصیل علم کے لئے ہر مسلک اور گروہ کے علماء
کی بھیڑ ہوتی تھی۔ دیار مصر میں مالکیہ کے قاضی ہوئے، اور شیخونہ اور
صاحبیہ وغیرہ مدارس میں فقہ کے مدرس ہوئے۔

بعض تصانیف: ”المغنی“ فقہ میں، ”شفاء الغلیل فی
(شرح) مختصر الشیخ خلیل“، اور ”حاشیہ علی المطول“۔
[الضوء الملامح ۵/۷: شذرات الذہب ۲/۵۲: لأعلام
لمرر کلی ۶/۲۲۸]

البغوی:

ان کے حالات ج ۱ ص ۴۵۴ میں گزر چکے۔

بلال بن الحارث (?-۶۰ھ)

یہ بلال بن حارث بن عاصم بن سعید مزنی، ابو عبد الرحمن ہیں،
بہادر صحابی اور اہل مدینہ میں سے ہیں۔ ۵۵ھ میں اسلام لائے،
حضور ﷺ نے وادی عقیق ان کو دے دیا تھا، فتح مکہ کے موقع پر
قبیلہ ”مزینہ“ کا جھنڈا ان ہی کے ہاتھ میں تھا۔ مدینہ سے باہر رہتے
تھے، پھر بصرہ منتقل ہو گئے۔ عبد اللہ بن سعد بن ابی سرح کے ساتھ
افریقہ کی جنگ میں شریک ہوئے، اس دن بھی ”مزینہ“ کا جھنڈا ان
ہی کے پاس تھا۔ ان سے ان کے بیٹے حارث اور عاتقہ بن وقاص نے
روایت کی، اور ۸۰ سال کی عمر میں حضرت معاویہ کی خلافت کے
آخر میں وصال ہوا۔

[الاصابہ ۱/۱۶۴: اسد الغابہ ۱/۲۰۵: طبقات ابن سعد
۲/۲۷۲: لأعلام ۲/۴۹۹]

البرہان الحکمی (?-۹۵۶ھ)

یہ ابراہیم بن محمد بن ابراہیم حلبی ہیں، حنفی فقیہ، حلب کے باشندے
تھے، وہیں فقہ کا علم حاصل کیا، وہاں سے مصر گئے، اور وہاں کے علماء
سے حدیث، تفسیر، اصول اور فروع کی تعلیم حاصل کی، پھر بلاوروم
گئے، جامع سلطان محمد کے امام و خطیب ہو گئے، اور دارالافتاء میں
مدرس رہے۔

بعض تصانیف: ”ملتقى الأبحر“، ”تحفة الأخیار علی الدرر
المختار شرح تنویر الأبصار“، ”غنیۃ المتملی فی شرح
منیۃ المصلی“، ”تلخیص الفتاوی التاتارخانیۃ“،
اور ”تلخیص القاموس المحيط“۔
[شذرات الذہب ۸/۳۰۸: الکواکب السائرة ۲/۷۷: معجم
المؤلفین ۱/۸۰: لأعلام ۱/۶۱۴: الشیخان المعانیہ ص ۲۹۵]

البرہان بن جماع:

دیکھئے: ابن جماع۔

البساطی (?-۸۴۲ھ)

یہ محمد بن احمد بن عثمان، ابو عبد اللہ ہیں بساطی سے معروف ہیں،
ان کی نسبت ”بساط“ کی طرف ہے جو مصر کے مغربی علاقے کا ایک
گاؤں ہے، قاہرہ میں وفات پائی۔ مالکی فقیہ اور قاضی تھے، قاہرہ منتقل

البلقینی

البلقینی:

ان کے حالات ج ۱ ص ۴۵۴ میں گزر چکے۔

البنانی (۱۱۳۳-۱۱۹۴ھ)

یہ محمد بن حسن بن مسعود بن علی، ابو عبد اللہ بنانی ہیں، فقیہ، منطقی تھے، بعض علوم میں ماہر تھے، وہ شہر ”فاس“ میں خطیب تھے۔

بعض تصانیف: ”الفتح الربانی“ جو ”شرح الزرقانی علی متن خلیل“ پر حاشیہ ہے اور فقہ مالکی میں ہے، ”حاشیہ علی شرح السنوسی“، اور ”شرح علی المسلم“ یہ دونوں منطق میں ہیں۔

[معجم المؤلفین ۲/۲۱۹: الاعلام ۶/۳۲۳: ہدیۃ العارفین

۲/۳۲۲]

البندنجی (۴۰۷-۴۹۵ھ)

یہ محمد بن بہتہ اللہ بن ثابت، ابونصر، بندنجی، شافعی ہیں، مکہ میں مقیم تھے، اور ”فقیہ حرم“ سے معروف تھے، کبار فقہاء شافعیہ میں ہیں۔ ان کی ولادت بغداد سے قریب ”بندنج“ میں ہوئی، اور وفات یمن کے ”ذی الذبتین“ نامی مقام میں ہوئی، حدیث سنی، اور ان سے حافظ اسماعیل بن محمد وغیرہ نے حدیث کی روایت کی ہے۔

بعض تصانیف: ”الجامع“ اور ”المعتمد“ یہ دونوں فروع فقہ شافعی میں ہیں۔

[طبقات الشافعیۃ الکبریٰ ص ۸۵: طبقات الشافعیۃ لابن ہدایتہ اللہ

۶۵: معجم المؤلفین ۱۲/۸۹: الاعلام ۷/۳۵۵]

البہوتی: یہ منصور بن یونس ہیں:

ان کے حالات ج ۱ ص ۴۵۵ میں گزر چکے۔

تراجم فقہاء

الترمذی

بہز بن حکیم (؟-۹۱ھ)

یہ بہز بن حکیم بن معاویہ بن حیدہ، ابو عبد الملک، قشیری، بصری ہیں۔ انہوں نے اپنے والد اور زرارہ بن اوفیٰ اور ہشام بن عروہ وغیرہ سے روایت کی، اور خود ان سے سلیمان تیمی، جریر بن حازم، حماد بن زید اور یحییٰ قطان وغیرہ نے روایت کی ہے۔

ابن المدینی، یحییٰ اور نسائی نے ان کو ثقہ کہا ہے، اور ابو زرعد نے کہا: صالح تھے۔ امام بخاری نے کہا: مختلف فیہ ہیں۔ ابن عدی نے کہا: مجھے ان کی کوئی منکر حدیث دکھائی نہیں دی۔

[تہذیب التہذیب ۱/۴۹۸: میزان الاعتدال ۱/۳۵۳:

تہذیب الاسماء والمغات ۱/۱۳۷]

ت

الترمذی:

ان کے حالات ج ۱ ص ۴۵۵ میں گزر چکے۔

الترمذی (؟-۱۳۵ھ)

یہ محمد بن صالح بن محمد بن عبد اللہ بن احمد غزی، ترمذی ہیں، فقہاء حنفیہ میں سے ہیں، فرائض کے ماہر، نحوی، ادیب اور شاعر ہیں، جوانی ہی میں مہارت حاصل کر لی تھی، اپنے شہر ”غزہ“ میں اپنے والد اور ابن محبت الدین سے علم سیکھا، پھر قاہرہ کا سفر کیا، اور وہاں شہاب الدین احمد شوری، حسن شرنبلالی اور شیخ محی الدین غزلی وغیرہ

تمیم الداری

تراجم فقہاء

جبیر بن مطعم

سے فقہ کا علم حاصل کیا۔ شیخ عامر شبراوی، شیخ عبد الجواد اور جنبلہ طلی وغیرہ سے حدیث لی، اور انتہائی درجہ صاحب فضل و کمال بن کر اپنے شہر واپس ہوئے۔

بعض تصانیف: ”شرح الرحیۃ“، ”فرائض میں“، ”ضوء الإنسان فی تفصیل الإنسان“، ”الفیہ فی النحو“، اور ”منظومۃ فی المنسوخات“۔

[خلاصہ لائبریری: ۴۷۵/۳؛ مجمع المؤلفین ۸۷/۱۰؛ لآعلام

[۳۲/۷]

ث

الثوری:

ان کے حالات ج ۱ ص ۴۵۵ میں گزر چکے۔

تمیم الداری (؟-۴۰ھ)

یہ تمیم بن اویس بن حارثہ بن سواد الداری، ابورقیہ، صحابی ہیں، قبیلہ ”ثمم“ کی شاخ ”دار بن ہانی“ سے منسوب ہیں۔ اپنے زمانہ کے راہب اور اہل فلسطین کے بڑے عابد تھے، ۹ھ میں اسلام لائے، مروی ہے کہ انہوں نے ایک رکعت میں پورا قرآن پڑھ لیا تھا۔ اور مروی ہے کہ انہوں نے ایک ہزار درہم کی ایک چادر خریدی جس کو زیب تن کر کے اپنے ساتھیوں کو نماز پڑھاتے تھے، یہ چادر اس رات میں پہنا کرتے جس کے شب قدر ہونے کی امید ہوتی، اور اس رات وہ نماز صبح تک عبادت کرتے۔ حضرت عمرؓ کے حکم سے سب سے پہلے حضرت تمیم داری نے لوگوں کے سامنے وعظ کیا، انہوں نے عبد اللہ بن وہب، سلیمان بن عامر اور عطاء بن یزید لیثی وغیرہ سے روایت کی، اور خود نبی کریم ﷺ سے انہوں نے ”جساسة“ والی حدیث کو روایت کیا ہے جس کو امام مسلم نے اپنی صحیح میں ذکر کیا ہے۔ مدینہ میں سکونت پذیر تھے، پھر شام منتقل ہو گئے اور بیت المقدس میں قیام کیا، بخاری و مسلم نے ان سے ۱۸ احادیث روایت کی ہیں۔

[الاستیعاب ۱۹۳/۱؛ اسد الغابہ ۲۱۵/۱؛ تہذیب ابن عساکر

۳۴۴/۳؛ تہذیب اہل بیت ۵۱۱/۱؛ لآعلام ۷۱/۲]

جبیر بن مطعم (؟-۵۸ھ)

یہ جبیر بن مطعم بن عدی بن نوفل بن عبد مناف ہیں، کنیت ابو محمد اور بقول بعض ابو عدی ہے، صحابی ہیں، علماء و سرداران قریش

الجصاص

تراجم فقہاء

حذیفہ

دریافت کیا گیا تو انہوں نے کہا: میرے دل میں ان کے بارے میں کچھ ہے۔ اسحاق بن راہویہ نے کہا: میں نے امام شافعی سے پوچھا کہ جعفر بن محمد آپ کے نزدیک کیسے ہیں؟ تو انہوں نے کہا: ثقہ ہیں، یہ ان دونوں کے درمیان ایک مناظرہ کا واقعہ ہے۔ ابن ابی حاتم نے اپنے والد کے حوالہ سے کہا ہے: ثقہ ہیں۔ ابن حبان نے ان کا ذکر ثقات میں کرتے ہوئے کہا ہے: ثقہ، علم اور فضل میں وہ سادات اہل بیت میں سے ہیں۔

[تہذیب التہذیب ۲/۱۰۳: تہذیب الاسماء والمغات ۱/۱۴۹]

میں سے تھے، ان سے علم نسب سیکھا جاتا تھا۔ وہ کہا کرتے تھے: میں نے ابو بکر صدیقؓ سے علم نسب سیکھا۔ غزوہ بدر کے قیدیوں کے ہند یہ کے بارے میں حضور ﷺ کی خدمت میں آئے، تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”لو کان الشیخ ابوک حیا فکانا فیہم لشفعنہ“ (اگر آپ کے والد زندہ ہوتے اور ان قیدیوں کے سلسلے میں ہمارے پاس آتے تو ہم ان کی سفارش مان لیتے)۔ مطعم کا رسول اللہ ﷺ پر ایک احسان تھا، وہ کہتے ہیں: میں نے آپ ﷺ کو سورہ طور پڑھتے ہوئے سنا، تبھی سے میرے دل میں ایمان آچکا تھا۔ جبیر صلح حدیبیہ اور فتح مکہ کے دوران اسلام لائے۔ ان کی ۶۰ احادیث ہیں۔

[الاصابة ۱/۲۲۵: لأعلام ۲/۱۰۳: اسد الغابہ ۱/۲۷۱]

[الاستیعاب ۱/۲۳۲: تہذیب التہذیب ۲/۶۳]

ح

الجصاص:

ان کے حالات ج ۱ ص ۴۵۶ میں گزر چکے۔

الحاکم:

ان کے حالات ج ۲ ص ۵۸۰ میں گزر چکے۔

الحاکم الشہید:

ان کے حالات ج ۱ ص ۴۵۷ میں گزر چکے۔

الحجاوی:

ان کے حالات ج ۲ ص ۵۸۰ میں گزر چکے۔

حذیفہ:

ان کے حالات ج ۲ ص ۵۸۰ میں گزر چکے۔

جعفر بن محمد (۸۰-۱۴۸ھ)

یہ جعفر بن محمد بن علی بن حسین بن علی بن ابی طالب، ابو عبد اللہ، ہاشمی، مدنی ہیں، ”صادق“ لقب ہے۔ ان کی ماں ام فروہ بنت القاسم بن محمد بن ابی بکر صدیقؓ ہیں۔ انہوں نے اپنے والد اور قاسم بن محمد، نافع، عطاء، محمد بن مذکور اور زہری وغیرہ سے روایت کی۔ اور خود ان سے محمد بن اسحاق، یحییٰ النساری، امام مالک، سفیان ثوری و سفیان بن عیینہ، شعبہ اور یحییٰ قطان نے روایت کی۔ مصعب زبیری نے کہا ہے: امام مالک کسی دوسرے کو ملائے بغیر ان سے روایت نقل نہیں کرتے تھے۔ ابن مدینی نے کہا: یحییٰ بن سعید (قطان) سے ان کے متعلق

الحسن البصری

تراجم فقہاء

خبیب بن عدی

الحسن البصری:

ان کے حالات ج ۱ ص ۴۵۸ میں گزر چکے۔

الحسن بن زیاد:

ان کے حالات ج ۱ ص ۴۵۸ میں گزر چکے۔

حکیم بن حزام (؟- ۵۴ھ)

یہ حکیم بن حزام بن خویلد بن اسد، ابو خالد، صحابی، قرشی ہیں، ام المؤمنین حضرت خدیجہ کے بھتیجہ ہیں، ”نجار“ کی جنگ میں شریک ہوئے، بعثت سے قبل اور بعد حضور ﷺ کے دوست رہے۔ انہوں نے دور جاہلیت میں سوغلام آزاد کئے، اور سواونٹ لدے ہوئے خیرات کئے، عہد اسلام میں بھی یہی کیا۔ وہ عہد جاہلیت و اسلام دونوں میں سرداران قریش میں سے تھے۔ نسب کے عالم تھے۔ فتح مکہ کے موقع پر اسلام لائے۔ کتب حدیث میں ان کی ۴۰ روایات ہیں، ساٹھ سال دور جاہلیت اور ساٹھ سال اسلام میں زندہ رہے، مدینہ میں وفات پائی، اور اپنے گھر میں ان کی تدفین عمل میں آئی۔

[تہذیب التہذیب ۲/۴۷۷؛ الاصابۃ ۱/۳۴۹؛ الاستیعاب ۱/۳۶۲؛ اسد الغابۃ ۲/۴۰؛ شذرات الذہب ۱/۶۰؛ لأعلام ۲/۲۹۸]

الحلوئی:

ان کے حالات ج ۱ ص ۴۵۹ میں گزر چکے۔

حمہ (؟-؟)

یہ حمہ بنت جحش اسد یہ ہیں، ام المؤمنین حضرت زینب کی ہمشیرہ

ہیں، مصعب بن عمیر کے نکاح میں تھیں۔ جنگ بدر میں مصعب کی شہادت ہوگئی تو طلحہ بن عبید اللہ کے نکاح میں آئیں، بیعت کرنے والی عورتوں میں تھیں (جو مکہ سے مدینہ ہجرت کر کے آئی تھیں)، غزوہ احد میں شریک ہوئیں، پیاسوں کو پانی پلاتیں، زخمیوں کو منتقل کرتیں اور ان کا علاج کرتیں۔

انہوں نے حضور ﷺ سے روایت کیا ہے، اور خود ان سے ان کے بیٹے عمران بن طلحہ نے روایت کیا ہے۔

[أسد الغابۃ ۵/۴۲۸؛ الاصابۃ ۲/۴۷۵؛ الاستیعاب ۲/۸۱۳؛ تہذیب التہذیب لأسماء والملفات ۲/۳۳۹]

خ

خبیب بن عدی (؟- ۳ھ)

یہ خبیب بن عدی بن مالک، انصاری ہیں، قبیلہ اوس سے تعلق رکھتے تھے، صحابی ہیں، رسول اللہ ﷺ کے ساتھ غزوہ بدر میں شریک ہوئے، واقعہ ”رجع“ کے موقع پر سات صحابہ کے ساتھ اسیر ہو گئے، جن میں پانچ شہید کر دیئے گئے، جب کہ خبیب اور زید بن وہب کو قیدی بنا کر رکھا گیا۔

مشرکین نے ان دونوں حضرات کو لا کر مکہ میں فروخت کر دیا۔ حضرت خبیب کو حرم سے باہر لایا گیا تاکہ قتل کر دیا جائے، تو انہوں نے کہا: مجھے دو رکعت نماز پڑھنے دو، پھر انہوں نے یہ دعا فرمائی: ”اللہم احصہم عددا، واقتلہم بددا، ولا تبق منهم أحدا“ (خدا!)

الخرقی

تراجم فقہاء

خواہر زادہ

انہیں گن گن کر الگ الگ ان میں سے کسی کو باقی نہ چھوڑ۔

شذرات الذہب ۳/۳۱۱]

[اسد الغابۃ ۲/۱۰۳؛ الاستیعاب ۲/۴۲۰؛ الاصابۃ ۱/۸۷؛

طبقات ابن سعد ۲/۵۵]

الخطیب الشرینی: الشرینی:

ان کے حالات ج ۱ ص ۴۷۱ میں گزر چکے۔

الخرقی:

ان کے حالات ج ۱ ص ۴۶۰ میں گزر چکے۔

خلیل:

ان کے حالات ج ۱ ص ۴۶۲ میں گزر چکے۔

الخرشی:

ان کے حالات ج ۱ ص ۴۶۰ میں گزر چکے۔

خواہر زادہ (؟- ۸۳۳ھ اور ایک قول ۴۳۳ھ)

یہ محمد بن حسین بن محمد بن حسن، ابو بکر، بخاری، حنفی ہیں، خواہر زادہ

سے مشہور ہیں، حنفی فقیہ اور نحوی تھے، ماوراءالنہر کے حنفیہ کے شیخ تھے۔

ان کی ولادت و وفات بخارا میں ہوئی۔ صاحب فضل تھے، ان کا

رجحان حدیث اور محدثین کی طرف تھا، بہت کچھ احادیث سنیں اور

اپنے قلم سے لکھا۔ حدیث اور حدیث نویسی میں اصحاب ابو حنیفہ میں

”مرؤ“ کے اندر کوئی ان کے پایہ کا نہ تھا۔

بعض تصانیف: ”المبسوط“ ۱۵ جلدوں میں، ”شرح الجامع

الکبیر للشیبانی“، ”شرح مختصر القلوری“، اور ”التجنیس“

فقہ میں۔

[الجوہر المصیہ ۲/۴۹؛ الفوائد البیہ ۱۶۳؛ لا علام ۶/۳۳۲؛

معجم المؤلفین ۹/۲۵۳؛ تاج التراجم ۶/۴۶]

الخطیب البغدادی (۳۹۲-۴۶۳ھ)

یہ احمد بن علی بن ثابت، ابو بکر ہیں، خطیب بغدادی سے مشہور

ہیں۔ بغداد میں ولادت و وفات ہوئی، مشہور حافظ، مؤرخ ہیں، حنبلی

المسک تھے، پھر شافعی المسک ہو گئے، اور امام احمد کے اصحاب پر نقد

وقدح کرتے تھے۔ بصرہ، نیساپور، صہبان، ہمدان، شام اور حجاز کا

سفر کیا، درب ریحان میں خطبہ دیتے تھے، اس سے ان کو خطیب کہا

گیا۔ شیخ ابو حامد اسفرائینی کے تلامذہ میں سے ابو طالب طبری وغیرہ

سے فقہ کا علم حاصل کیا، تاضی ابو عبد اللہ قضاعی سے مکہ میں حدیث سنی،

اور خود ان سے ان کے مشائخ ابو بکر برتانی اور ابو القاسم ازہری وغیرہ

نے روایت کی ہے۔

بعض تصانیف: ”تاریخ بغداد“، ”الکفایۃ فی علم الروایۃ“،

اور ”الفوائد المنتخبۃ“۔

[طبقات الشافعیۃ الکبریٰ ۳/۱۲؛ البدایۃ والنہایۃ ۱۲/۱۰۱؛

کے ایک معاصر کا کہنا ہے: اگر داؤد گذشتہ قوموں میں ہوتے تو اللہ تعالیٰ ان کے کچھ واقعات کو بیان کرتے۔ اپنے زمانہ کے امراء و علماء کے ساتھ ان کے بہت سے واقعات ہیں۔

[وفیات الاعیان ۲/۲۹۹: الجواہر المصیہ ۱/۲۳۹: تاریخ بغداد ۸/۳۴۷: لا اعلام ۳/۱۱: حلیۃ لا ولیاء ۷/۳۳۵]

د

الدارقطنی (۳۰۶-۳۸۵ھ)

یہ علی بن عمر بن احمد بن مہدی، ابو الحسن بغدادی، دارقطنی ہیں، بغداد کے ایک محلہ ”دارقطن“ سے منسوب ہیں، بڑے امام، محدث حافظ، فقیہ و قاری ہیں۔ بغداد، کوفہ، بصرہ اور واسط میں ابو القاسم بغوی اور بہت سے محدثین سے حدیث سنی۔ بغداد میں وفات ہوئی، اور معروف کرخ کے پڑوس میں دفن ہوئے۔

بعض تصانیف: ”کتاب السنن“، ”العلل الواردة في الأحادیث النبویة“، ”المجتبی من السنن المأثورة“، اور ”المختلف و المؤتلف“ اسما ہر حال میں۔

[شذرات المذہب ۱۱۶/۳: تذکرۃ الحفاظ ۱۸۶/۳: معجم

المؤلفین ۷/۱۵۷: لا اعلام ۵/۱۳۰]

الدرریر:

ان کے حالات ج ۱ ص ۴۶۳ میں گزر چکے۔

الدسوقی:

ان کے حالات ج ۱ ص ۴۶۳ میں گزر چکے۔

داؤد الطائی (؟-۱۶۵ اور ایک قول ۱۶۰ھ)

یہ داؤد بن نصیر یا نصر، ابوسلیمان، طائی، کوفی ہیں، فقیہ، محدث اور صوفی ہیں، علم کو اپنا مشغلہ بنایا، فقہ کا درس دیا، تنہائی اور خلوت نشینی کو ترجیح دی۔ اصلاً خراسان کے تھے، ولادت کوفہ میں ہوئی، انہوں نے مہدی عباسی کا زمانہ پایا، عبدالملک بن عمیر، حبیب بن ابو عمرہ اور سلیمان اعمش سے حدیث سنی، اور خود ان سے اسماعیل بن علیہ، مصعب بن مقدم اور ابو نعیم فضل بن دکین وغیرہ نے روایت کی۔ ان

رافع بن خدیج

تراجم فقہاء

الزجاج

الربہونی:

ان کے حالات ج ۱ ص ۴۶۵ میں گزر چکے۔

ر

ز

رافع بن خدیج (۱۲۰ ق ھ - ۷۴ ھ)

یہ رافع بن خدیج بن رافع بن عدی، ابو عبد اللہ النساری، اوسى، حارثی، صحابی ہیں، غزوہ احد و خندق میں شریک ہوئے۔ حضور ﷺ اور ظہیر بن رافع سے روایت کی، اور خود ان سے ان کے بیٹے عبد الرحمن، ان کے بیٹے رفاع، سائب بن یزید اور سعید بن مسیب وغیرہ نے روایت کی۔

زخم کی وجہ سے مدینہ میں وفات پائی۔ ان کی ۷۸ احادیث ہیں۔

[الاصابہ ۱/۴۹۵؛ تہذیب التہذیب ۳/۲۲۹؛ لا اعلام ۳/۳۵۸]

الرافعی:

ان کے حالات ج ۱ ص ۴۶۴ میں گزر چکے۔

ربیعہ:

ان کے حالات ج ۱ ص ۴۶۴ میں گزر چکے۔

الربلی:

ان کے حالات ج ۱ ص ۴۶۵ میں گزر چکے۔

الزہد البخاری:

دیکھئے: محمد بن عبد الرحمن۔

الزجاج (۲۴۱-۳۱۱ ھ)

یہ ابراہیم بن محمد بن سری بن سہل، ابو اسحاق، نحوی، لغوی، مفسر ہیں، مبرود کے قدیم ترین شاگرد تھے۔ ابن خلکان نے کہا ہے: صاحب علم و ادب اور پختہ دین دار تھے، مبرود اور ثعلب سے علم ادب سیکھا۔ شیشہ تراش تھے، اس کو ترک کر کے ادب میں مشغول ہو گئے، تاہم سابقہ پیشہ سے منسوب ہوئے۔ وزیر عبید اللہ بن سلیمان کے خصوصی مصاحب تھے، انہوں نے ان کے لڑکے قاسم کو ادب کی تعلیم دی، اور جب قاسم کو وزارت ملی تو انہوں نے اپنے طور پر زجاج کو بہت کچھ مال و دولت سے نوازا۔

بعض تصانیف: ”معانی القرآن“، ”الاشتقاق“، ”خلق الإنسان“، اور ”الأعمالی“۔

[وفیات الأعیان ۱/۳۱؛ شذرات الذہب ۲/۵۹۲؛ لا اعلام ۱/۳۳۰؛ معجم المؤلفین ۱/۳۳۰]

زر بن حبیش

تراجم فقہاء

زید بن الدشنہ

زر بن حبیش (؟-۸۳ھ)

فی احکام التوکید، اور ”نہایۃ التأمیل فی أسرار التنزیل“
تفسیر میں۔

[طبقات الشافعیۃ الکبریٰ ۵/۳۳: معجم المؤلفین ۶/۲۰۹:
لاعلام ۴/۳۲۵: شذرات الذہب ۵/۲۵۴]

الزہری:

ان کے حالات ج ۱ ص ۴۶۷ میں گزر چکے۔

زید بن ثابت:

ان کے حالات ج ۱ ص ۴۶۷ میں گزر چکے۔

زید بن الدشنہ (؟-۸۳ھ)

یہ زید بن دشنہ بن معاویہ بن عبید بن عامر، انصاری، خزرجی،
صحابی ہیں، غزوہ بدر و احد میں شریک ہوئے، حضور ﷺ نے ان کو
عاصم بن ثابت اور خبیب بن عدی کے سر یہ میں بھیجا تھا۔ غزوہ رجب
کے موقع پر مشرکین نے ان کو خبیب بن عدی کے ساتھ اسیر بنالیا۔ مکہ
میں ان کو صفوان بن امیہ کے ہاتھ میں فروخت کیا گیا تا کہ وہ ان کو
اپنے باپ کے بدلہ میں قتل کرے، جب ان لوگوں نے ان کو قتل کرنا
چاہا تو اوسفیان نے ان سے پوچھا: زید! کیا تمہیں پسند ہے کہ محمد
تمہاری جگہ ہوں اور ان کی گردن مار دی جائے، اور تم اپنے گھر والوں
میں ہو؟ تو حضرت زید نے کہا: ”واللہ ما أحب أن محمداً
الآن فی مکانہ الذی ہو فیہ تصیبہ شوکۃ تؤذیہ و انی
جالس فی اہلی“ (خدا کی قسم! مجھے قطعاً پسند نہیں کہ محمد (ﷺ)
کو اس وقت اپنی جگہ میں رہتے ہوئے کاٹا بھی چبھ جائے، ان کو
تکلیف ہو، اور میں اپنے گھر بیٹھا رہوں)۔ یہ سن کر اوسفیان نے

یہ زر بن حبیش بن حباشہ بن اوس بن بلال، اسدی، ابومریم
ہیں، ان کو ابو مطرف کوئی کہا جاتا ہے، جلیل القدر تابعی ہیں۔
انہوں نے جاہلیت اور اسلام کا زمانہ پایا، لیکن رسول اللہ ﷺ کے
دیدار سے مشرف نہیں ہوئے، عالم قرآن اور فاضل تھے۔ حضرت
عمر، عثمان، علی اور ابوذر وغیرہ سے روایت کی، اور خود ان سے ابوالہثم
نخعی، عاصم بن بہدلہ، عدی بن ثابت اور شعبی نے روایت کی۔ ابن
معین نے کہا: ثقہ ہیں۔ ابن سعد نے کہا: ثقہ اور کثیر الحدیث ہیں۔
ایک سو بیس سال کی عمر پائی۔

[تہذیب التہذیب ۳/۳۲۱: اسد الغابۃ ۲/۲۰۰: الاصابۃ
۱/۵۷۷: لاعلام ۳/۴۳۳: تہذیب الاسماء والمغات ۱/۱۹۶]

الزرقشی:

ان کے حالات ج ۲ ص ۵۸۵ میں گزر چکے۔

زفر:

ان کے حالات ج ۱ ص ۴۶۶ میں گزر چکے۔

الزماکانی (؟-۶۵۱ھ)

یہ عبد الواحد بن عبد الکریم بن خلف انصاری، زماکانی (زء
اور لام کے فتح اور میم کے سکون کے ساتھ، غوطہ و شق کے ایک گاؤں
زماکان سے منسوب ہیں)، ہماکی (مچھلی فروش) شافعی، ابو محمد
کمال الدین، ابوالکرام ہیں، عالم و ادیب تھے، مختلف علوم میں نمایاں
مقام رکھتے تھے، ”صرخہ“ کے قاضی رہے، اور بعلبک میں درس دیا۔
بعض تصانیف: ”التبیان فی علم البیان“، ”المنہج المفید

الزبیلی

تراجم فقہاء

سلمان الفارسی

کہا: ”ما رأیت أحداً من الناس یحب أحداً کحب أصحاب محمد محمداً“ (محمد کے ساتھی جس قدر محمد سے محبت رکھتے ہیں کسی کو کسی سے ایسی محبت کرتے ہوئے میں نے نہیں دیکھا)۔

الجبر والمقابلة، اور ”ذخائر الثار فی أخبار السید المختار“ صلی اللہ علیہ وسلم۔
[الجوہر المضیہ ۱۱۹/۲؛ معجم المؤلفین ۱۱/۲۲؛ ہدیۃ العارفین ۱۰۶/۲؛ تاج التراجم ۵۷]

[الاصابہ ۵۶۵/۱؛ أسد الغابۃ ۲/۲۲۹؛ الاستیعاب ۲/۵۵۳؛ طبقات ابن سعد ۲/۵۵]

سحون: یہ عبدالسلام بن سعید ہیں:
ان کے حالات ج ۲ ص ۵۸۶ میں گزر چکے۔

الزبیلی:

ان کے حالات ج ۱ ص ۴۶۸ میں گزر چکے۔

السرخسی:

ان کے حالات ج ۱ ص ۴۶۸ میں گزر چکے۔

سعد بن ابی وقاص:

ان کے حالات ج ۱ ص ۴۶۸ میں گزر چکے۔

س

السعد التفتازانی: دیکھئے: التفتازانی۔

ان کے حالات ج ۱ ص ۴۵۵ میں گزر چکے۔

سالم بن عبداللہ بن عمر:

ان کے حالات ج ۲ ص ۵۸۶ میں گزر چکے۔

سعید بن جبیر:

ان کے حالات ج ۱ ص ۴۶۹ میں گزر چکے۔

السبکی:

ان کے حالات ج ۱ ص ۴۶۷ میں گزر چکے۔

سعید بن المسیب:

ان کے حالات ج ۱ ص ۴۶۹ میں گزر چکے۔

السجاوندی (؟-۶۰۰ اور ایک قول ۷۰۰ھ)

یہ محمد بن محمد بن عبد الرشید بن طیفور، سراج الدین، ابو طاہر، سجاوندی، حنفی ہیں، فقیہ، مفسر فرائض و حساب کے ماہر تھے۔
بعض تصانیف: ”السراجیۃ“ فرائض میں، ”التجنیس“ حساب میں، ”عین المعانی فی تفسیر السبع المثانی“، ”رسالة فی

سلمان الفارسی (؟-۳۶ھ)

ان کو سلمان بن الاسلام اور سلمان الخیر، ابو عبد اللہ کہا جاتا ہے، فارس میں ان کے والد کا نام معلوم نہیں، اصلاً ”رہرمز“ اور بقول

السمرقندی

تراجم فقہاء

الشرینی

بعض اصفہان کے ہیں، ان کے والد رئیس تھے، وہ ہدایت کی تلاش میں نکلے، بعض علماء نصاریٰ کے ساتھ رہے، ان میں سے بعض کے اشارہ سے شراب نکل آئے، اسیر ہوئے، غلام بنائے گئے۔ حضور ﷺ مدینہ تشریف لائے تو حضرت سلمان مشرف بہ اسلام ہوئے۔ آپ ﷺ کے ساتھ جہاد کیا۔ ذی رائے تھے۔ انہی کے مشورہ سے خندق کھودی گئی، پھر غزوات اور بعض فتوحات میں شریک ہوئے، مدائن کے امیر بنے، اور وفات تک رہے۔

بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کی عمر ۲۵۰ سال سے زائد تھی، لیکن ذہبی کا کہنا ہے کہ میرا خیال یہ ہے کہ ۸۰ سال سے زائد نہ تھی۔

[الاصابہ ۶۰/۲: الاستیعاب ۶۳۴/۲: لا عام ۱۶۹/۳: أسد

الغابہ ۳۲۸/۲]

السمرقندی: دیکھئے: ابواللیث:

ان کے حالات ج ۱ ص ۴۴۶ میں گزر چکے۔

الشاطبی:

ان کے حالات ج ۲ ص ۵۸۸ میں گزر چکے۔

السندی (؟-۱۱۳۶ھ)

یہ محمد بن عبدالبہادی سندھی، ابو الحسن ہیں، حنفی فقیہ، حدیث، تفسیر، اور عربی زبان کے عالم تھے، سندھ میں پیدا ہوئے، وہیں پرورش پائی۔ سفر کر کے حرمین آئے، اور وہاں کے بہت سے مشائخ مثلاً سید محمد برزنجی اور ملا ابراہیم کورانی وغیرہ سے علم حاصل کیا۔ حرم نبوی شریف میں درس دیا، ان کا فضل و کمال، ذہانت اور تقویٰ و صلاح معروف تھا۔ بابل و غیرہ وہاں آنے والوں سے حدیث سنی۔ مدینہ میں وفات پائی۔

بعض تصانیف: "شرح مسند الإمام أحمد بن حنبل"، نیز

الشافعی:

ان کے حالات ج ۱ ص ۴۷۰ میں گزر چکے۔

الشبرملسی:

ان کے حالات ج ۱ ص ۴۷۰ میں گزر چکے۔

الشرینی:

ان کے حالات ج ۱ ص ۴۷۰ میں گزر چکے۔

کتب ستہ کی شروحات ہیں، اور ہدایہ کی شرح ہے، "حاشیہ علی فتح القدیر"، اور "حاشیہ علی البیضاوی"۔

[سلک المדרر ۶۶/۴: معجم المؤلفین ۳/۳۳۳: عجائب الآثار ۸۸/۱: معجم المطبوعات ۱۰۵۶]

السیوطی:

ان کے حالات ج ۱ ص ۴۶۹ میں گزر چکے۔

ش

الشرنبلائی

تراجم فقہاء

شیبان

الشرنبلائی:

الشرانی:

ان کے حالات ج ۱ ص ۴۷۱ میں گزر چکے۔

ان کے حالات ج ۲ ص ۵۸۹ میں گزر چکے۔

الشریف الارموی:

الشنشوری (۹۳۵-۹۹۹ھ)

دیکھئے: الارموی۔

یہ عبد اللہ بن محمد بن عبد اللہ بن علی عجمی، جمال الدین، شنشوری، ازہری ہیں، ماہر فرائض، محدث، فقہاء شافعیہ میں سے تھے۔ جامع ازہر مصر کے خطیب تھے۔ ان کی نسبت شنشور (جو منوفیہ کا ایک گاؤں ہے) کی طرف ہے۔

ان کے حالات ج ۱ ص ۴۷۱ میں گزر چکے۔

شرح:

بعض تصانیف: ”فتح القریب المحیب بشرح الترتیب“ فرائض میں، ”بغیة الراغب فی شرح مرشد الطالب“، اور ”الفوائد الشنشورية فی شرح المنظومة الرحبية“۔

شریک النخعی (۹۵-۱۷۷ھ)

[معجم المؤلفین ۶/۱۲۸؛ لا اعلام ۴/۲۷۳]

یہ شریک بن عبد اللہ بن حارث نخعی، کوفی ابو عبد اللہ ہیں، عالم حدیث، فقیہ، ائمہ اعلام میں سے ہیں، اپنی زبردست ذہانت اور حاضر جوابی میں مشہور تھے۔ ان کی ولادت بخارا میں اور وفات کوفہ میں ہوئی۔ منصور عباسی نے ان کو ۱۵۳ھ میں کوفہ کا قاضی بنایا، پھر معزول کر دیا، مہدی نے ان کو دوبارہ قاضی بنایا، اس کے بعد موسیٰ ہادی نے معزول کر دیا، انصاف پر ور قاضی تھے۔ ابو صحرہ، زیاد بن علاقہ اور سماک بن حرب وغیرہ سے حدیث نقل کی۔ اسحاق الازرقي نے لکھا ہے کہ انہوں نے ان سے نو ہزار احادیث لی ہیں۔ اور ابن مبارک نے کہا: وہ اپنے شہر کے حدیث کے سب سے بڑے عالم تھے۔

[مذکرۃ الحفاظ ۱/۲۱۴؛ وفیات لاعیان ۲/۱۶۹؛ لا اعلام

۲۳۹/۳]

الشبوری (?-۱۰۶۶ھ)

یہ احمد بن احمد خطیب شبوری مصری ہیں، مصر کے ایک گاؤں شبور سے منسوب ہیں، حنفی، فقیہ، اور عالم تھے، بعض علوم میں ماہر تھے، قاہرہ میں حنفیہ کی ریاست انہی پر ختم ہوتی ہے۔ علی بن غانم مقدسی، عبد اللہ نحریری، عمر بن نجیم، شمس الدین ربی وغیرہ سے فقہ کا علم حاصل کیا، اور خود ان سے شیخ عبد الغنی مابلسی وغیرہ علماء نے علم حاصل کیا۔

[خلاصۃ لاثر ۱/۱۷۴]

شیبان (?-?)

یہ شیبان بن مالک ابو حنی، انصاری، سلمیٰ ہیں۔ مسلم اور ابن حبان نے کہا ہے: ان کو صحبت نبوی حاصل ہے۔ بغوی نے کہا ہے: کوفہ میں سکونت اختیار کی تھی۔ محدثین نے ان سے ان کا یہ قول نقل کیا

الشعمی:

ان کے حالات ج ۱ ص ۴۷۲ میں گزر چکے۔

شیخ تقی الدین

تراجم فقہاء

صاحب الدر المنثور

ہے: "دخلت المسجد فاستنلت إلى حجرة رسول الله ﷺ، فنحنحت فقال: أبو يحيى، قلت: أبو يحيى، قال: هلم إلى الغلاء، قلت: إني أريد الصوم، قال: وأنا أريد الصوم، ولكن مؤذنا ههنا في بصره سوء، وإنه أذن قبل أن يطلع الفجر" (میں مسجد نبوی میں داخل ہوا اور رسول اللہ ﷺ کے حجرہ مبارکہ سے ٹیک لگا لیا، میں نے کھنکھار، آواز آئی: ابو یحییٰ ہو، میں نے کہا: ابو یحییٰ ہے۔ آواز آئی: کھانے پر آ جاؤ۔ میں نے کہا: روزہ رکھنا چاہتا ہوں، آواز آئی: میرا بھی روزہ کا ارادہ ہے لیکن ہمارے اس مؤذن کی بینائی میں کچھ ہے، اس نے طلوع فجر سے قبل اذان دے دی)۔

[الاصابہ ۲/۱۶۰: الاستيعاب ۲/۷۰۶: طبقات ابن سعد

۲/۶۶]

ص

صاحبین:

ان کے حالات ج ۱ ص ۳۷۳ میں گزر چکے۔

صاحب الاختیار: یہ عبد اللہ الموصلی ہیں:

ان کے حالات ج ۲ ص ۶۰۴ میں گزر چکے۔

شیخ تقی الدین:

دیکھئے: ابن تیمیہ۔

صاحب التاج والاکلیل:

دیکھئے: المواق۔

صاحب التلخیص:

دیکھئے: أحمد بن أبي أحمد۔

شیخ خلیل:

ان کے حالات ج ۱ ص ۳۶۸ میں گزر چکے۔

صاحب جمع الجوامع:

دیکھئے: ابن عفریس۔

شیخ الکمال بن ابی شریف:

دیکھئے: ابن ابی شریف۔

صاحب الدر المختار: دیکھئے: الحکفی۔

ان کے حالات ج ۱ ص ۳۵۹ میں گزر چکے۔

صاحب الدر المنثور:

دیکھئے: الحکفی۔

صاحب السراجیہ

تراجم فقہاء

صدر الشریعہ

صاحب السراجیہ:

اصفہان کے قاضی بنائے گئے۔ اپنے والد، نیز علی بن مدینی، ابو الولید طیالسی اور ابو ایہم بن الفضل الذاریع سے حدیث سنی۔

دیکھئے: السجادی۔

خود ان سے ان کے بیٹے زہیر، نیز ابو القاسم بغوی اور محمد بن جعفر خراطی وغیرہ نے روایت کی۔ ابن ابی حاتم نے کہا ہے: صدوق (سچے) ہیں۔

صاحب شرح روضۃ الناظر:

دیکھئے: ابن بدران۔

[شذرات الذہب ۱۴۹/۲: طبقات الحنابلہ ص ۱۲۶: لا علام ۳۳۷/۲: ابن عساکر ۳۶۲/۶]

صاحب العدة:

دیکھئے: عبد الرحمن بن محمد الفوری۔

الصاوی:

ان کے حالات ج ۱ ص ۴۷۳ میں گزر چکے۔

صاحب کشاف القناع:

ان کے حالات ج ۱ ص ۴۵۴ میں گزر چکے۔

صدر الاسلام:

حنفی کے یہاں اس کا اطلاق ”الجامع الکبیر“ اور ”الجامع الصغیر“ کے شارح ابو الیسر مزدوی پر ہوتا ہے، جن کے حالات کا ذکر ج ۱ ص ۴۵۴ میں آچکا ہے۔ اور مجد الدین عبد اللہ بن محمود موصلی پر بھی ہوتا ہے، دیکھئے: الموصلی۔

صاحب اللسان:

دیکھئے: محمد بن مکرم۔

[الجوہر المفیہ ۲/۷۷۷: ۳۴۹]

صاحب مسلم الثبوت: دیکھئے: محبت اللہ بن عبد الشکور:

ان کے حالات ج ۱ ص ۴۹۰ میں گزر چکے۔

صدر الشریعہ (؟-۷۷۷ھ)

یہ عبید اللہ بن مسعود بن محمود بن احمد، محبوبی، حنفی ہیں، صدر الشریعہ اصغر، فقیہ، اصولی، مناظر، محدث، مفسر، نحوی، لغوی، ادیب، علم بیان کے ماہر، متکلم، اور منطقی تھے۔

صاحب المغنی: دیکھئے: ابن قدامہ:

ان کے حالات ج ۱ ص ۴۳۸ میں گزر چکے۔

انہوں نے اپنے دادا محمود، اور اپنے پر دادا احمد صدر الشریعہ و صاحب تلخیص العقول فی الفروق سے، اور شمس الامم زرنجی، شمس الامم سرخسی اور شمس الامم حلوانی وغیرہ سے علم حاصل کیا۔

صاحب المنار: یہ عبد اللہ بن احمد النسفی ہیں:

ان کے حالات ج ۱ ص ۴۹۵ میں گزر چکے۔

صالح (۲۰۳-۲۶۵ھ)

یہ صالح بن احمد بن حنبل شیبانی، ابو الفضل ہیں، قاضی تھے،

بعض تصانیف: ”شرح الوقایة“، ”النقایة مختصر الوقایة“،

الضحاك

تراجم فقہاء

عاصم بن ثابت

”التنقيح“ اور اس کی شرح ”التوضيح“ اصول فقہ میں، اور
”تعديل العلوم“۔

[الفوائد الجہیہ ص ۱۰۹؛ مجمع المؤلفین ۶/۲۴۶؛ لأعلام

۳۵۴/۴]

ط

طاووس:

ان کے حالات ج ۱ ص ۴۷۴ میں گزر چکے۔

الطرطوشي:

ان کے حالات ج ۱ ص ۴۷۵ میں گزر چکے۔

ض

الضحاك:

ان کے حالات ج ۱ ص ۴۷۳ میں گزر چکے۔

ضرار بن سرد (؟-۲۲۹ھ)

یہ ضرار بن سرد تميمی، ابو نعیم، طحان، کوئی راوی حدیث، صدوق
تھے، ان میں کچھ اوہام تھے، عبادت گزار تھے۔ انہوں نے ابو حازم،
در اوروی، علی بن ہاشم اور حفص بن غیاث وغیرہ سے روایت کی، اور
خود ان سے بخاری، ابو حاتم، حمید بن رنج، ابو زرعة اور علی بن
عبد العزیز بغوی وغیرہ نے روایت کی۔ بخاری ہنسائی نے کہا: موقوف
الحدیث ہیں۔ ابو حاتم نے کہا: صدوق، صاحب قرآن و فرائض
ہیں۔ ابن قانع نے کہا: ان میں ضعف اور تشبیح تھا۔ اور ابن حبان نے
کہا: فقیہ اور فرائض کے عالم تھے۔

[تہذیب التہذیب ۴/۵۶۶؛ طبقات ابن سعد ۶/۲۱۵]

ع

عائشہ:

ان کے حالات ج ۱ ص ۴۷۵ میں گزر چکے۔

عاصم بن ثابت (؟-۴ھ)

یہ عاصم بن ثابت بن ابی قح قیس بن عصمہ، ابو سلیمان، انصاری،
اویسی ہیں، صحابی اور سابقین اولین انصار میں سے ہیں، غزوہ بدر و احد
میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ شریک ہوئے، رسول اللہ ﷺ نے
ان کے اور عبد اللہ بن جحش کے درمیان مواخاۃ قائم کی تھی۔ غزوہ رجیع

عامر الشعمی

تراجم فقہاء

عبدالرحمن بن عوف

کے موقع پر شہید ہوئے، اور حضرت حسان بن ثابت نے ان کا مرثیہ کہا۔

[الإصابة ۲/۲۴۴: طبقات الکبریٰ ۳/۴۶۲: الاستیعاب ۲/۷۷۹]

عامر الشعمی: دیکھئے: الشعمی۔

ان کے حالات ج ۱ ص ۴۷۲ میں گزر چکے۔

عامر بن نبیرہ (؟-۴ھ)

یہ عامر بن نبیرہ، ابو عمرو، صحابی ہیں، حضرت ابو بکر صدیقؓ کے آزاد کردہ غلام تھے، بلکہ مولدین ازد میں سے تھے، اور طفیل بن عبد اللہ کے مملوک تھے۔ بحالت غلامی اسلام لائے تو حضرت ابو بکر نے انہیں طفیل سے خرید کر آزاد کر دیا، رسول اللہ ﷺ کے دار ارقم میں داخل ہونے اور وہاں دعوت اسلام کا سلسلہ شروع کرنے سے پہلے ہی وہ اسلام قبول کر چکے تھے۔ ہجرت کے موقع پر رسول اللہ ﷺ اور حضرت ابو بکر کے ساتھ تھے۔ غزوہ بدر و احد میں شریک ہوئے، اور غر معونہ کی جنگ میں شہید ہوئے۔

[الاستیعاب ۲/۷۹۶: الإصابة ۲/۵۶۶: طبقات ابن سعد ۳/۲۳۰]

العباس بن المطلب:

ان کے حالات ج ۱ ص ۴۷۶ میں گزر چکے۔

عبدالبر بن الشنہ:

دیکھئے: ابن النجہ۔

عبداللہ بن الشیبلی (۵۱۰-۵۸۱ھ)

یہ عبد اللہ بن عبد الرحمن بن عبد اللہ، ابو محمد ہیں، ابن خراط سے معروف ہیں، "اشبیلیہ" میں پیدا ہوئے اور "بجایہ" میں وفات پائی۔ فقیہ، حافظ، حدیث و رجال حدیث اور علل حدیث کے عالم تھے۔ فتنہ اندلس کے موقع پر انہوں نے "بجایہ" میں قیام کیا، اور وہاں اپنا علم پھیلا دیا۔ انہوں نے شریح بن محمد اور ابو الحکم بن برحان وغیرہ سے روایت کی، اور خود ان سے ابو الحسن معافری نے روایت کی ہے۔

بعض تصانیف: "المعتل من الحدیث"، "الأحكام الكبرى"، "الأحكام الصغرى"، اور "العاقبة في ذكر الموت"۔

[نوات الوفيات للکلتی ۱/۵۱۸: شذرات الذہب ۳/۴۷۱: تہذیب لآباء والملفات ۱/۲۹۲: لآعلام للبرکلی ۳/۵۲]

عبدالرحمن بن ابی لیلی (؟-۸۳ھ)

یہ عبد الرحمن بن ابی لیلی یسار بن بلال بن بلیل، ابو عیسیٰ ہیں، جلیل القدر تابعی ہیں، حضرت عمر فاروق کے عہد میں پیدا ہوئے۔ انہوں نے حضرت عمر، حضرت عثمان، حضرت علی، حضرت سعد، حضرت ابی بن کعب اور حضرت ابن مسعود وغیرہ سے روایت کی، اور خود ان سے ان کے بیٹے عیسیٰ، مجاہد، ابن سیرین، شعمی اور ثابت وغیرہ تابعین نے روایت کی۔ ان کی ثقاہت اور جلال شان پر اتفاق ہے۔ انہوں نے ایک سو بیس صحابہ کو پایا جو کبھی انصاری تھے۔

[الإصابة ۲/۴۲۰: طبقات ابن سعد ۶/۱۰۹: تہذیب لآباء والملفات ۱/۳۰۳]

عبدالرحمن بن عوف:

ان کے حالات ج ۲ ص ۵۹۲ میں گزر چکے۔

عبدالرحمن بن مہدی

تراجم فقہاء

عبداللہ بن عباس

عبدالرحمن بن مہدی (۱۳۵-۱۹۸ھ)

یہ عبدالرحمن بن مہدی بن حسان عنبری، کوفی، بوسعید، بصری ہیں، بڑے حفاظ حدیث میں سے ہیں۔ بصرہ میں ولادت و وفات ہوئی۔ امام شافعی نے کہا ہے: دنیا میں مجھے ان کی نظیر نہیں ملی۔ انہوں نے ایمن بن مائل، جریر بن حازم اور عکرمہ بن عمار وغیرہ سے روایت کی، اور خود ان سے ان کے شیخ ابن مبارک اور عمر میں ان سے بڑے ابن وہب، اور ان کے لڑکے موسیٰ اور امام احمد وغیرہ نے روایت کی ہے۔

ابن حبان نے ان کا ذکر ثقات میں کرتے ہوئے کہا ہے: وہ ماہر حفاظ حدیث میں سے تھے، ان کا شمار ان اہل تقویٰ میں ہوتا تھا جنہوں نے حدیثیں یاد کیں، انہیں جمع کیا، تفقہ حاصل کیا، کتابیں تصنیف کیں، اور حدیث بیان کیا۔

ان کی حدیث میں کئی تصانیف ہیں۔

[تہذیب التہذیب ۶/۹۷؛ حلیۃ الاولیاء ۹/۳؛ لا اعلام

۱۱۵/۳؛ معجم المؤلفین ۵/۱۹۶]

عبدالعلی محمد بن نظام الدین الانصاری:

ان کے حالات ج ۲ ص ۵۹۲ میں گزر چکے۔

عبداللہ بن احمد (۲۱۳-۲۹۰ھ)

یہ عبداللہ بن امام احمد بن محمد بن حنبل شیبانی، بغدادی، ابو عبدالرحمن ہیں، حافظ حدیث اور بغداد کے باشندے تھے۔ انہوں نے اپنے والد، نیز ابن عیین، احمد بن منیع بغوی، داؤد بن رشید، ابو الریح زہرائی، ابو بکر بن شیبہ اور یثیم بن خارجہ وغیرہ سے روایت کی، اور خود ان سے نسائی، ابن صاعد، طبرانی، ابو عوانہ، ابو بکر شافعی وغیرہ نے روایت کی نسائی نے کہا: وہ ثقہ ہیں۔

بعض تصانیف: "الزوائد" جو ان کے والد کی کتاب "الزهد" پر حاشیہ ہے، "زوائد المسند" جس میں انہوں نے اپنے والد کی مسند میں تقریباً دس ہزار احادیث کا اضافہ کیا، اور "کتاب السنة"۔

[تہذیب التہذیب ۵/۱۴۱؛ طبقات الحفاظ ص ۲۸۸؛ طبقات الکتاب ۱/۱۸۰؛ لا اعلام ۴/۱۸۹؛ معجم المؤلفین ۶/۲۹]

عبداللہ بن زید (۷۳-۶۳ھ)

یہ عبداللہ بن زید بن عاصم بن کعب، ابو محمد، انصاری، مدنی اور بقول بعض مازنی، صحابی ہیں۔ بہادر تھے۔ غزوہ بدر میں ان کی شرکت مختلف فیہ ہے، ابو احمد حاکم اور ابن مندہ قطعی طور پر ان کی شرکت کے قائل ہیں۔ ابن عبدالبر نے کہا: وہ غزوہ احد وغیرہ میں شریک ہوئے، بدر میں شریک نہ تھے۔ انہوں نے عیسیٰ مسیح کذاب کو قتل کیا تھا جیسا کہ خلیفہ بن خیاط وغیرہ نے لکھا ہے، مسیح نے ان کے بھائی حبیب بن زید کو قتل کر دیا تھا۔ انہوں نے نبی کریم ﷺ سے حدیث وضو وغیرہ کی روایت کی ہے۔

اور ان سے ان کے بھائی عباد بن تمیم نے اور سعید بن مسیب وغیرہ نے روایت کی ہے۔ ان کی ۴۸ احادیث ہیں۔ واقعہ حرہ میں شہید کر دیئے گئے۔

[الاستیعاب ۳/۹۱۳؛ لاصابۃ ۲/۲۱۲؛ لا اعلام ۴/۲۱۹؛ تہذیب التہذیب ۵/۲۲۳]

عبداللہ بن عباس:

ان کے حالات ج ۱ ص ۴۳۴ میں گزر چکے۔

عبداللہ بن عدی

تراجم فقہاء

علی البصری

عبداللہ بن عدی:

عروہ بن الزبیر:

ان کے حالات ج ۲ ص ۵۹۴ میں گزر چکے۔

دیکھئے: ابن عدی۔

عبداللہ بن عمر:

عزالدین بن عبدالسلام:

ان کے حالات ج ۲ ص ۵۹۴ میں گزر چکے۔

ان کے حالات ج ۱ ص ۴۳۶ میں گزر چکے۔

عبداللہ بن مسعود:

عطاء:

ان کے حالات ج ۱ ص ۴۷۸ میں گزر چکے۔

ان کے حالات ج ۱ ص ۴۷۶ میں گزر چکے۔

عکرمہ:

ان کے حالات ج ۱ ص ۴۷۸ میں گزر چکے۔

عتبہ بن عبدالسلمیٰ (؟-۸۷ اور ایک قول ۷۲ھ)

یہ عتبہ بن عبداللہ سلمیٰ اور بقول بعض عتبہ بن عبد (اضافت کے بغیر)، ابو الولید صحابی ہیں، اہل حمص میں شمار ہوتے تھے، کہا جاتا ہے کہ ان کا نام (متلہ) اور بقول بعض (ثبہ) تھا، حضور ﷺ نے اسے بدل دیا۔

علقمہ:

ان کے حالات ج ۱ ص ۴۷۸ میں گزر چکے۔

انہوں نے حضور ﷺ سے روایت کی، اور خود ان سے ان کے بیٹے یحییٰ، نیز حکیم بن عمیر اور راشد بن سعد وغیرہ نے روایت کی۔ وادی نے کہا ہے: شام میں وفات پانے والے آخری صحابی یہی ہیں۔

علی:

ان کے حالات ج ۱ ص ۴۷۹ میں گزر چکے۔

علی البصری (؟-؟)

[لإصابہ ۴/۵۴، تہذیب المعجم ۷/۹۸، طبقات ابن

سعد ۷/۴۳۳]۔

یہ علی بن عیسیٰ بصری ہیں۔ امام سراج الدین فرضی نے اپنی ”مختصر“ میں فصل: ”صنف ثانی کے ذوی لأرحام“ کے تحت کہا ہے: ان میں میراث کا سب سے زیادہ حقدار وہ ہے جو کسی بھی جہت سے میت سے قریب ترین ہو، اور برابری کے وقت جو ایک وارث کے واسطے سے وابستہ ہو وہ ابوہل فرضی، ابو الفضل خفاف اور علی بن عیسیٰ بصری کے نزدیک زیادہ مستحق ہے۔ ہمیں اس کے علاوہ کہیں ان کا ذکر نہیں ملا۔

عثمان بن عفان:

ان کے حالات ج ۱ ص ۴۷۷ میں گزر چکے۔

العدوی:

ان کے حالات ج ۱ ص ۴۷۳ میں گزر چکے۔

عمار بن یاسر

تراجم فقہاء

الغزالی

[الجوہر المصیہ ۱/۲۶۸]

عمار بن یاسر (۵۷قھ-۳۷ھ)

یہ عمار بن یاسر بن عامر بن مالک کنانی، مدجنی، غسانی، ابو الیقظان، صحابی ہیں، صاحب رائے اور بہادر والیوں میں شمار ہوتے ہیں۔ اول اول اسلام لانے والوں اور اس کا پر ملا اظہار کرنے والوں میں سے ہیں۔ مدینہ کی طرف ہجرت کی، بدر، احد، خندق اور بیعت رضوان میں شریک ہوئے۔ حضور ﷺ نے ان کو ”المطیب“ کا لقب دیا تھا۔ جنگ جمل اور صفین میں حضرت علی کے ساتھ شریک ہوئے، اور ”صفین“ میں شہید ہوئے۔

[الاستیعاب ۳/۱۱۳۵؛ طبقات ابن سعد ۳/۲۴۶؛ لا اعلام

۳۶/۵]

عمار بن الخطاب:

ان کے حالات ج ۱ ص ۴۷۹ میں گزر چکے۔

عمار بن العزیز:

ان کے حالات ج ۱ ص ۴۸۰ میں گزر چکے۔

عمرو بن عبسہ (؟-؟)

یہ عمرو بن عبسہ بن عامر بن خالد سلمیٰ ہیں، کنیت ابو کحج تھی، ان کو ابو شعیب بھی کہا جاتا تھا، صحابی ہیں، ابتداء اسلام میں اول اول مسلمان ہوئے۔ کئی طریقہ سے ان کا یہ قول منقول ہے کہ میرے دل میں یہ بات ڈل دی گئی کہ بت پرستی باطل ہے۔ میں نے ایک شخص کو یہ کہتے ہوئے سنا: عمرو! مکہ میں ایک شخص تمہاری ہی طرح باتیں کرتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ یہ سن کر میں مکہ آیا تو آپ کو کعبہ کے

پاس اللہ کی تسبیح بیان کرتے پایا، میں نے عرض کیا: آپ کون ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ کا رسول، میں نے پوچھا: آپ کا پیغام کیا ہے؟ فرمایا: ”أَنْ تَعْبُدَ اللَّهَ وَحْدَهُ لَا تَشْرِكُ بِهِ شَيْئًا، وَتَكْسِرَ الْأَوْثَانَ، وَتَحْقِنَ الدِّمَاءَ“ (یہ کہ صرف اللہ کی عبادت کرو اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ، بتوں کو توڑو، خون ریزی روکو)، میں نے پوچھا: اس پیغام میں آپ کے ساتھ کون کون شریک ہیں؟ فرمایا: ایک آزاد، ایک غلام، یعنی حضرت ابو بکر اور حضرت بلال، میں نے کہا: ہاتھ بڑھائیے میں آپ سے اسلام پر بیعت کرنا ہوں۔

صحابہ میں عبد اللہ بن مسعود، ابو امامہ باہلی اور سہل بن سعد نے اور تابعین میں ابو اور لیس خولانی وغیرہ نے ان سے روایت کی ہے۔

[الاستیعاب ۳/۱۱۹۲؛ أسد الغابہ ۴/۱۲۰؛ لا صابہ ۵/۳]

العینی:

ان کے حالات ج ۲ ص ۵۹۶ میں گزر چکے۔

غ

الغزالی:

ان کے حالات ج ۱ ص ۴۸۱ میں گزر چکے۔

شعرانی نے کہا: میں ان کے ساتھ چالیس سال تک رہا لیکن ان میں کوئی معیوب چیز نہیں دیکھی۔ مصر میں حنابلہ کے قاضی القضاۃ کے منصب پر فائز رہے۔

بعض تصانیف: ”حواش علی کتاب منتهی الإرادات“ فقہ میں، ”شرح الکوکب المنیر“ علم اصول میں، ”حاشیۃ علی شرح عصام المبین السمرقندی“ بلاغت میں، اور ”التحفۃ“ سیرت نبوی میں۔

[معجم المؤلفین ۸/۲۹۴: لا اعلام ۶/۲۳۳: خلاصۃ لاثر ۳/۳۹۰]

الفخر الرازی:

ان کے حالات ج ۱ ص ۴۶۴ میں گزر چکے۔

ق

القاسم بن سلام، ابو عبید:

ان کے حالات ج ۱ ص ۴۴۵ میں گزر چکے۔

القاسم بن محمد:

ان کے حالات ج ۲ ص ۵۹۷ میں گزر چکے۔

قاضی ابویعلیٰ:

ان کے حالات ج ۱ ص ۴۸۳ میں گزر چکے۔

ف

فاطمہ الزہراء (۱۸قھ-۱۱ھ)

یہ فاطمہ بنت محمد رسول اللہ ﷺ ہاشمیہ قرشیہ ہیں، ان کی ماں خدیجہ بنت خویلد ہیں قریش کی شریف ترین عورتوں میں سے تھیں۔ حضرت فاطمہؑ کی شادی حضرت علیؑ سے ہوئی، اور ان کے بطن سے حضرت علیؑ کی اولاد میں حسن، حسین، ام کلثوم اور زینب ہیں۔

اپنے والد (محمد ﷺ) کے بعد چھ ماہ حیات رہیں، اسلام میں سب سے پہلے ان ہی کے لئے تابوت بنایا گیا۔ حضرت فاطمہؑ کی ۱۸ احادیث ہیں۔

سیوطی نے ”النفور الباسمۃ فی مناقب السیدۃ فاطمہ“ کے نام سے، اور عمر ابو نصر نے ”فاطمہ بنت محمد“ کے نام سے کتاب لکھی ہے۔

[أسد الغابہ ۵/۵۱۹: لإصابہ ۴/۳۷۷: الاستیعاب ۴/۱۸۹۳: لا اعلام ۵/۳۲۹]

الفتوحی (?-۱۰۸۸ھ)

یہ محمد بن احمد بن عبدالعزیز بن علی بن ابراہیم بہوتی، مصری، فتوحی ہیں، ابن النجار سے مشہور ہیں، انہوں نے اپنے زمانہ کے بڑے بڑے علماء مثلاً عبدالرحمن بہوتی حنبلی اور محمد بن عبدالرحمن سخاوی سے علم حاصل کیا۔ شہر املسی ان کا احترام اور ان کی تعریف کرتے تھے۔

قاضی حسین

تراجم فقہاء

الیث بن سعد

قاضی حسین:

القلیوبی:

ان کے حالات ج ۲ ص ۵۹۸ میں گزر چکے۔

ان کے حالات ج ۱ ص ۴۸۵ میں گزر چکے۔

قاضی خان:

ان کے حالات ج ۱ ص ۴۸۴ میں گزر چکے۔

ک

قاضی عبدالوہاب (۳۶۲-۴۲۲ھ)

یہ عبدالوہاب بن علی بن نصر بن احمد، ابو محمد ثعلبی، بغدادی، مالکی ہیں، فقیہ، ادیب، اور فقہاء مالکیہ میں سے تھے۔ بغداد میں ولادت ہوئی، اور وہیں قیام رہا، ”اسعد“ اور ”بادرلایا“ (عراق) میں قاضی رہے۔

الکاسانی:

ان کے حالات ج ۱ ص ۴۸۶ میں گزر چکے۔

الکرخی:

ان کے حالات ج ۱ ص ۴۸۶ میں گزر چکے۔

بعض تصانیف: ”التلقین“ فقہ مالکی میں، ”عیون المسائل“، ”النصرة لمذهب مالک“، ”شرح المملونة“، اور ”الإشراف علی مسائل الخلاف“۔

[شجرة النور الزكية ص ۱۰۳: شذرات الذهب ص ۲۲۳؛

طبقات الفقہاء ص ۱۴۳: معجم المؤلفین ۶/۲۲۶: لا علام ۴/۳۳۵]

ل

قنادہ:

ان کے حالات ج ۱ ص ۴۸۴ میں گزر چکے۔

الیث بن سعد:

ان کے حالات ج ۱ ص ۴۸۸ میں گزر چکے۔

القرافی:

ان کے حالات ج ۱ ص ۴۸۴ میں گزر چکے۔

القرطبی:

ان کے حالات ج ۲ ص ۵۹۸ میں گزر چکے۔

مولد اور آخری آرام گاہ ہے۔ محمد بن مظفر اور ابو الحسن بن ابی سری وغیرہ سے حدیث کی سماعت کی، اور خود ان سے محمد بن جریر اور ان کے بیٹے ابو الفضل نے سماعت کی۔

بعض تصانیف: ”کتاب المجموع“ چند جلدوں میں، ”التجريد“، ”المقنع“، اور ”اللباب“ یہ سب فقہ شافعی میں ہیں۔

[طبقات الشافعیہ ۲۰۳: طبقات الفقہاء ص ۱۰۸: معجم المؤلفین ۲/۴۲۲: لا عام ۱/۲۰۴: طبقات الشافعیہ لابن ہدایت اللہ ص ۲۴۲]

المحلی:

ان کے حالات ج ۲ ص ۶۰۰ میں گزر چکے۔

محمد بن جریر الطبری:

ان کے حالات ج ۲ ص ۶۰۱ میں گزر چکے۔

محمد بن الحسن:

ان کے حالات ج ۱ ص ۴۹۱ میں گزر چکے۔

محمد بن الحنفیہ (۲۱-۸۱ھ)

یہ محمد بن علی بن ابی طالب، ابو القاسم ہیں، ابن الحنفیہ سے معروف ہیں، ابتداء اسلام کے زبردست سوراووں میں سے تھے، حضرت حسن و حسین کے باپ شریک بھائی ہیں، ان کی ماں خولہ بنت جعفر، قبیلہ بنی حنیفہ سے تعلق رکھتی تھیں، وہ بڑے وسیع علم والے، اور متقی تھے، کبار تابعین میں سے ہیں، حضرت عمرؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ انہوں نے حضرت عثمان اور اپنے والد رضی اللہ عنہما سے حدیث سنی، اور خود ان سے ان کے بیٹے حسن، عبد اللہ، امیر ایمن اور عون، اور تابعین

م

المازری:

ان کے حالات ج ۱ ص ۴۸۹ میں گزر چکے۔

مالک:

ان کے حالات ج ۱ ص ۴۸۹ میں گزر چکے۔

الماوردی:

ان کے حالات ج ۱ ص ۴۹۰ میں گزر چکے۔

المتولی:

ان کے حالات ج ۲ ص ۶۰۰ میں گزر چکے۔

مجاہد:

ان کے حالات ج ۱ ص ۴۹۰ میں گزر چکے۔

الحاملی (۳۶۸-۴۱۵ اور ایک قول ۴۱۴ھ)

یہ احمد بن محمد بن احمد بن قاسم ابو الحسن، بغدادی، شافعی ہیں، محاملی سے معروف ہیں، اور ایک قول ہے: ابن محاملی سے معروف ہیں، شافعی فقیہ ہیں، خطیب نے کہا: ان کو فقہ میں مہارت حاصل تھی، ذکاوت اور سوچ بوجھ میں اپنے معاصرین سے بہت آگے تھے۔ بغدادی ان کا

محمد بن سیرین

تراجم فقہاء

المرتضى الزبيدي

کی ایک جماعت نے حدیث سنی۔ ان کی سوانح پر خطیب علی بن حسین ہاشمی نجفی نے ”محمد بن الحنفیہ“ کے نام سے کتاب لکھی ہے۔

[طبقات ابن سعد ۵/۶۶؛ لأعلام ۷/۱۵۲؛ تہذیب لآلہ المآل والمغات ۱/۸۸؛ حلیۃ لآلہ ولیاء ۳/۱۷۴]

محمد بن سیرین: دیکھئے: ابن سیرین:

ان کے حالات ج ۱ ص ۴۳۳ میں گزر چکے۔

محمد بن عبدالحکم: یہ محمد بن عبد اللہ بن عبدالحکم ہیں: دیکھئے: ابن عبدالحکم۔

جعفر تھقی، فقہاء مدینہ میں سے تھے، ان کو باقر کہا جاتا تھا، اس لئے کہ انہوں نے علم کوشق کر کے اس کی اصل اور تہہ تک رسائی حاصل کی تھی، اور بڑی وسیع معلومات کے حامل ہو گئے تھے۔

انہوں نے اپنے والد، اپنے دونوں دادا حسن اور حسین، جابر اور ابن عمر وغیرہ سے روایت کی، اور خود ان سے عطاء، ابن جریج، ان کے بیٹے جعفر، امام ابو حنیفہ، اوزاعی اور زہری وغیرہ نے روایت کی ہے۔ زہری وغیرہ نے ان کی توثیق کی ہے۔ نسائی نے ان کا ذکر فقہاء تابعین اور اہل مدینہ میں کیا ہے۔

[طبقات الحفاظ ص ۴۹؛ تہذیب المعانی ۹/۳۵۰؛ المعجم ۱/۱۴۲؛ شذرات الذہب ۱/۱۴۹؛ حلیۃ لآلہ ولیاء ۳/۱۸۰]

المرتضى الزبيدي (۱۱۴۵-۱۲۰۵ھ)

یہ محمد بن محمد بن محمد بن عبد الرزاق حسینی، زبیدی، ابو الفیض ہیں، ان کا لقب ”مرتضیٰ“ تھا، لغت، حدیث، رجال اور انساب کے زبردست عالم تھے، متعدد علوم کے ماہر اور عظیم مصنف تھے، اصلاً واسطہ (عراق) کے تھے، ہندوستان میں (بلگرام میں) ولادت ہوئی، ”زبید“ (بین) میں پروان چڑھے، تاج کا سفر کیا، مصر میں قیام پذیر رہے، ان کے فضل و کمال کی شہرت تھی، شعبان میں مصر کے طاعون میں وفات پائی۔

بعض تصانیف: ”تاج العروس فی شرح القاموس“، ”اتحاف السادة المتقين“ یہ احیاء العلوم للفرالی کی شرح ہے، ”اسانید الکتب الستة“، اور ”عقود الجواهر المنیفة فی أدلة مذهب الإمام أبی حنیفة“۔

[لأعلام ۷/۲۹۷؛ معجم المؤلفین ۱۱/۲۸۲؛ معجم المطبوعات ۱/۱۷۲]

محمد بن عبد الرحمن البخاری (؟-۵۴۶ھ)

یہ محمد بن عبد الرحمن بن احمد، ابو عبد اللہ بخاری، علاء الدین ہیں، لقب ان کا زہد تھا، بخارا کے رہنے والے تھے، فقیہ، اصولی، متکلم اور مفسر تھے، ابو نصر احمد بن عبد الرحمن سے فقہ کا علم حاصل کیا اور ان ہی سے حدیث کی روایت کی۔ سمعانی نے کہا ہے: فقیہ، فاضل، مفتی، مذاکرہ کرنے والے، اصولی اور متکلم تھے۔ یہ محمد بن عبد الرحمن، صاحب ”ہدایہ“ کے مشائخ میں سے ہیں، انہوں نے اپنے مشائخ کے تذکرہ میں ان کا ذکر کیا ہے اور کہا: انہوں نے مجھے اجازت بھی دی ہے۔

بعض تصانیف: ”تفسیر القرآن“، کہا جاتا ہے کہ اس کے ایک ہزار سے زائد اجزاء تھے۔

[الجواهر المضیہ ۲/۷۶؛ الفوائد البیہ ۵/۱۷۵؛ معجم المؤلفین ۱۰/۱۳۳؛ لأعلام ۷/۶۴]

محمد بن علی بن الحسین (۵۶-۱۱۳ھ)

یہ محمد بن علی بن حسین بن علی بن ابی طالب ہیں، ان کی کنیت ابو

المرداوی

تراجم فقہاء

معاویہ بن حیدہ

المرداوی:

المسناوی (؟-۱۳۶ھ)

ان کے حالات ج ۱ ص ۴۹۲ میں گزر چکے۔

یہ محمد بن احمد دلائی، مسناوی، بکری، مالکی، ابو عبد اللہ ہیں، فقیہ اور بعض علوم کے ماہر تھے، ”فاس“ میں افتاء اور مدرسہ کا کام انجام دیتے تھے۔

المرغینانی:

ان کے حالات ج ۱ ص ۴۹۲ میں گزر چکے۔

بعض تصانیف: ”الاستنباب فی امامۃ الصلاة“، ”کتاب الرد علی من زعم عدم مشروعیۃ القبض فی الصلاة فی النفل“، اور ”صرف الہمة إلی شرح الذمۃ“۔

مروان بن الحکم:

ان کے حالات ج ۲ ص ۶۰۲ میں گزر چکے۔

[معجم المؤلفین ۸/۳۵۹: ہدیۃ العارفین ۲/۳۱۷: ایضاً المکتون ۲/۶۷، ۲/۶۷]

المزنی:

ان کے حالات ج ۱ ص ۴۹۲ میں گزر چکے۔

المسور بن مخرمہ:

ان کے حالات ج ۲ ص ۶۰۲ میں گزر چکے۔

مسروق (؟-۶۳) اور ایک قول ۶۲ھ)

مطرف:

ان کے حالات ج ۲ ص ۶۰۳ میں گزر چکے۔

یہ مسروق لأجدع بن مالک بن امیہ ہمدانی، پھر وداعی ہیں، ابو عائشہ، تابعی، ثقہ، اہل یمن میں سے ہیں، حضرت ابو بکر صدیقؓ کے دور خلافت میں مدینہ آئے، کوفہ میں سکونت اختیار کی، حضرت ابو بکر، عمر، عائشہ، معاذ اور ابن مسعود رضی اللہ عنہم سے روایت کی، اور خود ان سے شععی، نجعی اور ابوالفضلی وغیرہ نے روایت کی۔ شععی نے کہا: ان سے بڑا علم کا طالب میں نے نہیں دیکھا۔ انہیں فتوے کا علم شریح سے زیادہ تھا، لیکن شریح میں فیصلہ کی بصیرت ان سے زیادہ تھی۔

معاذ بن جبل:

ان کے حالات ج ۱ ص ۴۹۳ میں گزر چکے۔

[الإصابة ۳/۴۹۲: لأعلام ۸/۱۰۸: أسد الغابۃ ۴/۲۵۴]

طبقات ابن سعد ۴/۱۱۳]

معاویہ بن حیدہ (؟-؟)

یہ معاویہ بن حیدہ بن معاویہ بن قشیر بن کعب ہیں، خدمت نبوی میں آئے، مشرف بہ اسلام ہوئے اور آپ ﷺ کی صحبت میں رہے، کچھ چیزوں کے متعلق سوالات کئے۔ بصرہ میں سکونت اختیار کی، ثراسان میں جہاد کیا، اور وہیں ان کی وفات ہوئی۔

حضور ﷺ سے روایت کی، اور خود ان سے ان کے بیٹے حکیم،

مسلم:

ان کے حالات ج ۱ ص ۴۹۲ میں گزر چکے۔

معاویہ بن ابی سفیان

تراجم فقہاء

نعیم بن حماد

عروہ بن رویم نخعی اور حمید یزنی نے روایت کی۔ اصحاب سنن نے ان سے حدیث کی روایت کی ہے۔

الموصلی:

ان کے حالات ج ۲ ص ۶۰۴ میں گزر چکے۔

[أسد الغابہ ۳/۸۵؛ لإصابہ ۳/۳۳۲؛ الاستیعاب

۳/۱۴۱۵؛ تہذیب التہذیب ۱۰/۲۰۵؛ طبقات ابن سعد

۳۵/۷]

ن

معاویہ بن ابی سفیان:

ان کے حالات ج ۲ ص ۶۰۳ میں گزر چکے۔

النخعی: ابراہیم النخعی:

ان کے حالات ج ۱ ص ۲۲۷ میں گزر چکے۔

المغیرہ بن شعبہ:

ان کے حالات ج ۲ ص ۶۰۳ میں گزر چکے۔

النسائی:

ان کے حالات ج ۱ ص ۴۹۵ میں گزر چکے۔

مکحول:

ان کے حالات ج ۱ ص ۴۹۳ میں گزر چکے۔

النفی:

ان کے حالات ج ۱ ص ۴۹۵ میں گزر چکے۔

المواق (؟-۸۹ھ)

یہ محمد بن یوسف بن ابی قاسم بن یوسف عبدری، اور بقول بعض عبدوسی، غرناطی، ابو عبد اللہ ہیں، ”مواق“ سے مشہور ہیں، اہل غرناطہ میں سے تھے، مالکی فقیہ تھے، وہ غرناطہ میں اپنے وقت کے عالم، امام اور مفتی تھے۔ جلیل القدر علماء مثلاً ابو قاسم بن سراج اور محمد بن عاصم وغیرہ سے علم حاصل کیا، اور خود ان سے شیخ ذوق، ابو الحسن زقاق اور احمد بن داؤد وغیرہ نے علم حاصل کیا۔

بعض تصانیف: ”التاج والإكلیل شرح مختصر خلیل“ فقہ میں، اور ”سنن المہتدین فی مقامات المدین“۔

[نیل الابتاج ص ۳۲۴؛ شجرة انور الزکیہ ص ۲۶۲؛ الضوء

الملاح ۱۰/۹۸؛ لأعلام ۸/۳۰]

نعیم بن حماد (؟-۲۲۹) اور ایک قول (۲۲ھ)

یہ نعیم بن حماد بن معاویہ حارث خزاعی، ابو عبد اللہ ہیں، محدث اور علم فرائض کے ماہر تھے، حدیث میں ”مسند“ کے اولین جامع یہی ہیں، ”مرو الروض“ میں پیدا ہوئے، اور ایک زمانہ تک طلب حدیث کے لئے حجاز اور عراق میں مقیم رہے، اور مصر میں سکونت اختیار کی اور یہیں رہے یہاں تک کہ معتصم کی خلافت میں عراق لائے گئے۔ مسئلہ خالق قرآن کے بارے میں ان سے سوال کیا گیا تو وہ خاموش رہے، قید کئے گئے اور قید ہی میں چل بسے۔

نوح بن درّاج

تراجم فقہاء

ہشام بن اسماعیل

بعض تصانیف: "الفتن والملاحم"۔

[شذرات الذہب ۶۷/۲؛ میزان الاعتدال ۲۶۹/۴؛ معجم

المؤلفین ۱۳/۱۱۳؛ الاعلام ۱۳/۹]

نوح بن درّاج (؟-۱۸۲ھ)

یہ نوح بن درّاج، ابو محمد، کوفی، نجفی ہیں، فقیہ تھے، امام ابوحنیفہ و زفر سے فقہ کا علم حاصل کیا۔ خطیب نے کہا: نوح بن درّاج کوفہ کے قاضی تھے۔ ان کی دونوں آنکھیں چلی گئی تھیں، مایہنا ہونے کی حالت میں فیصلہ کرتے، مسلسل تین سال اسی طرح گزر گئے لیکن کسی نے ان کے مایہنا پن کو نہ جانا، وفات کے وقت وہ شرقی بغداد کے قاضی تھے۔ امام ابوحنیفہ، اعمش اور سعید بن منصور سے حدیث کی روایت کی۔

[الجوہر المصیہ ۲۰۲/۲؛ تاریخ بغداد ۱۳/۱۵؛ الاعلام

۲۷/۹]

النووی:

ان کے حالات ج ۱ ص ۴۹۵ میں گزر چکے۔



الہروی (؟-۴۰۱ھ)

یہ احمد بن محمد بن محمد بن عبد الرحمن، ابو عبید ہروی، فاشانی ہیں، مؤدب، اکابر علماء میں سے تھے، ابو منصور ازہری کے پاس تحصیل علم

میں مشغول رہے، اور ان ہی سے فائدہ اٹھایا۔ ہروی (حاء اور راء کے فتح کے ساتھ) ہرات (خراسان کا ایک شہر) سے منسوب ہے، اور فاشانی: ہرات کا ایک گاؤں ہے۔

بعض تصانیف: "کتاب الغریبین" جو غریب القرآن اور غریب الحدیث کے موضوع پر ہے۔

[وفیات لأعیان ۷۹/۱؛ الاعلام ۴۰۳/۱؛ بغیۃ الوعاة

۳۷۱/۳]

ہشام بن اسماعیل (؟-۲۱۷ھ)

یہ ہشام بن اسماعیل بن یحییٰ بن سلیمان، ابو عبد الملک ہیں، ان کو خزاعی، دمشقی کہا جاتا ہے، فقیہ اور حنفی تھے۔

انہوں نے ولید بن مسلم، بقول بن زیاد، ولید بن مزید، اسماعیل بن عبد اللہ بن ساعد وغیرہ سے روایت کی، اور خود ان سے ابو عبید القاسم بن سلام، محمد بن عبد اللہ بن عمار، بخاری، یزید بن محمد اور ابراہیم بن یعقوب جوزجانی وغیرہ نے روایت کی۔ ابن عمار نے کہا: میں نے دمشق میں ان سے زیادہ باکمال نہیں دیکھا۔ ابو حاتم نے کہا: شیخ تھے، صالح تھے۔ نسائی نے کہا: ثقہ ہیں۔ اور ابن حبان نے ان کا ذکر ثقات میں کیا ہے۔

[تہذیب التہذیب ۳۲/۱۱؛ طبقات ابن سعد ۷/۵؛

شذرات الذہب ۳۹/۲]

وکیع بن الجراح

تراجم فقہاء

یحییٰ بن اُکثم

ان کی صفت تھی، ثقات محدثین میں سے تھے، فقیہ تھے، ان کا علم وسیع تھا، کوفہ کے باشندہ تھے۔ انہوں نے یونس بن ابی اسحاق، عیسیٰ بن طلہمان اور ثوری سے روایت کی، اور خود ان سے احمد، اسحاق، یحییٰ اور حسن بن علی نے روایت کی۔ ابن معین اور نسائی نے ان کی توثیق کی ہے۔ اور ابو داؤد نے کہا: یہ منفر و شخصیت ہیں۔

بعض تصانیف: ”کتاب الخراج“، ”الفرائض“، اور ”الزوال“۔

[مذکرۃ الحفاظ ۱/ ۳۲۷: شذرات الذیب ۲/ ۸؛ معجم المؤلفین ۱۳/ ۱۸۵؛ لا علام ۹/ ۱۶۰؛ تہذیب التہذیب ۱۱/ ۱۷۵؛ تہذیب لا سماء والملغات ۲/ ۱۵۰]

یحییٰ بن اُکثم (۱۵۹-۲۴۲ھ)

یہ یحییٰ بن اُکثم بن محمد بن قطن، تمیمی، اسیدی، مروزی، ابو محمد ہیں، مشہور قاضی، معروف و مستند فقیہ، زبان و ادب کے ماہر، اور اچھے نقاد تھے۔ خطیب نے تاریخ میں لکھا ہے: یحییٰ بن اُکثم بصرہ کے قاضی ہوئے، پھر بغداد کے قاضی القضاۃ ہوئے، نیز ان کے سپرد مامون کے حکومتی امور کا نظم و نسق بھی تھا۔ ابن خلکان نے لکھا ہے: فقہ میں یحییٰ نے بہت عظیم کتابیں تصنیف کیں، طوالت کی وجہ سے لوگوں نے ان کو چھوڑ دیا تھا۔ انہوں نے عبد اللہ بن مبارک اور سفیان بن عیینہ وغیرہ سے حدیث سنی، اور خود ان سے ابو یحییٰ ترمذی وغیرہ نے روایت کی۔

”اصول“ میں ان کی کئی تصنیفات ہیں، اور ”التنبیہ“ کے نام سے عراقیوں پر ایک کتاب لکھی تھی، ان کے داؤد بن علی کے ساتھ مناظرے ہوئے، مدینہ کے ایک گاؤں ”ربذہ“ میں وفات پائی۔

[وفیات لاعیان ۵/ ۱۹۷؛ تہذیب التہذیب ۱۱/ ۱۷۹؛ تاریخ بغداد ۱۳/ ۱۹۱؛ لا علام ۵/ ۱۶۷؛ الجواہر المصیہ ۲/ ۲۱۰؛ الفوائد

و

وکیع بن الجراح (۱۲۹-۱۹۷ھ)

یہ وکیع بن جراح بن یلیج، ابوسفیان، رؤاسی ہیں، فقیہ اور حافظ حدیث تھے، اس قدر شہرت تھی کہ اپنے دور کے محدث عراق شمار ہوتے تھے، (ہارون) رشید نے ان کو کوفہ کا قاضی بنانا چاہا، لیکن انہوں نے ورع و تقویٰ کی وجہ سے قبول نہ کیا۔

انہوں نے ہشام بن عروہ، اعمش اور اوزاعی وغیرہ سے حدیث سنی، اور خود ان سے ابن مبارک (حالانکہ وہ ان سے بڑھے ہوئے تھے)، احمد، ابن مدینی، اور یحییٰ بن معین وغیرہ نے روایت کی۔ بعض تصانیف: ”تفسیر القرآن“، ”السنن“، اور ”المعرفة والتاریخ“۔

[مذکرۃ الحفاظ ۱/ ۲۸۲؛ حلیۃ لا ولیا ۸/ ۳۶۸؛ الجواہر المصیہ ۲/ ۲۰۸؛ لا علام ۹/ ۱۳۵]

ی

یحییٰ بن آدم (؟-۲۰۳ھ)

یہ یحییٰ بن آدم بن سلیمان قرشی، موی، ابو زکریا ہیں، ”احول“

یہ یزید بن ہارون بن زاذان بن ثابت، ابو خالد، سلمی (ولاء کے اعتبار سے) ہیں، ثقہ، حفاظ حدیث میں سے ہیں، ان کی ولادت ووفات ”واسطہ“ میں ہوئی، وسیع دینی علم رکھتے تھے، ذی حیثیت تھے، اصلاً بخارا کے تھے، کہا کرتے تھے: مجھے سند کے ساتھ ۲۴ ہزار احادیث یاد ہیں۔ انہوں نے عاصم احول، یحییٰ بن سعید اور سلیمان تمیمی وغیرہ سے حدیث سنی، اور ان سے احمد، ابن مدینی، ابوبکر بن ابی شیبہ اور احمد بن فرات وغیرہ نے روایت کی۔

[تذکرۃ الحفاظ ۱/۲۹۲: تہذیب المعجم ۱۱/۳۶۶:

طبقات الحفاظ ۲/۱۳۲: لا عام ۹/۲۴۷]

یہ یزید بن اسود خزاعی (اور ان کو السوائی بھی کہا جاتا ہے)، عامری، ابو جابر، صحابی ہیں۔ ان سے ان کے بیٹے جابر نے روایت کی ہے کہ انہوں نے کہا: ”شہدت مع النبی ﷺ حجتہ فصلیت معہ صلاة الصبح فی مسجد الخیف فلما قضی صلاتہ انحرف فإذا ہو برجلین فی آخریات القوم لم یصلیا معہ فقال: ما منعكما أن تصلیا معنا، فقالا: یا رسول اللہ! إنا كنا صلینا فی رحالنا، قال: فلا تفعلوا إذا صلیتما فی رحالكما ثم أتیتما مسجد جماعۃ فصلیا معہم فإنہا لکما نافلة“ (میں حضور ﷺ کے ساتھ حج میں شریک ہوا، آپ ﷺ کے ساتھ نماز صبح مسجد خیف میں پڑھی، نماز پوری ہونے کے بعد آپ ﷺ مڑ گئے، تو کیا دیکھتے ہیں کہ دو اشخاص آخر میں بیٹھے ہیں، انہوں نے حضور ﷺ کے ساتھ نماز نہیں پڑھی تھی، حضور ﷺ نے فرمایا: ہمارے ساتھ نماز پڑھنے سے کیا نفع ہے؟ انہوں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! ہم قیام گاہ میں پڑھ چکے ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا: ایسا نہ کرو، اگر قیام گاہ میں نماز پڑھ کر مسجد میں آؤ، اور جماعت ہو رہی ہو تو لوگوں کے ساتھ نماز میں شریک ہو جاؤ، یہ نماز تمہارے لئے نفل ہوگی)۔ تینوں اصحاب سنن نے اس کی روایت کی ہے۔

[الاستیعاب ۴/۱۵۷: أسد الغابہ ۵/۱۰۳: إلیصابہ ۳/

۳۵۱: تہذیب المعجم ۱۱/۳۱۳]